فتنۂ قادیانیت کے محاسبہ پر مبنی اولین تاریخی و تحقیقی دستاویز

ردِّ قادیانیت اور سُنّی صحافت

جلد اول

[ہفت روزہ سراج الاخبار، جہلم (۱۸۸۵-۱۹۱۷ء) کی فائلز سے]



تحقیق وتالیف

محمد ثاقب رضا قادری

اے نظم رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع
تُو نے ہی اسے مطلع انوار بنایا
(حسن بریلوی)

تفصیلات

کتاب	:	ردقادیانیت اورسُنّی صحافت (جلداول) [سراج الاخبار کی فائلز سے]
مولف	:	محمد ثاقب رضا قادری (0331-0472880)
صفحات	:	736
تعداد	:	1100
سن اشاعت	:	2014ء
ہدیہ	:	
ناشر	:	مکتبۂ اعلیٰ حضرت۔پاکستان

ملنے کا پتہ:
ا۔مسلم کتابوی، دربار مارکیٹ، لاہور(پاکستان)
۲۔مکتبۂ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، کراچی(پاکستان)
۳۔ضیاءالقرآن، (لاہور، کراچی)

خراجِ رفاقت

میں اپنی اس سیریز

”ردقادیانیت اور سُنّی صحافت“ (مشتملہ تین جلد) کو اپنے مرحوم دوست

عالم ربّانی علامہ اُسید الحق قادری بدایونی شہید بغداد رحمۃ اللہ علیہ

کی نذر کرتا ہوں

کہ ان کی رفاقت سے مجھے تحقیق و تالیف کا جذبہ ملا۔

انتساب

محسن اہل سنت، شرف ملت، شیخ الحدیث

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

کے نام

اھدا

ختم نبوت کے تین گم نام شاہین

- دبیر اہل سنت مولانا فقیر محمد جہلمی مالک سراج الاخبار، جہلم
- غازیٔ اسلام مولانا کرم الدین دبیر (ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم)
- ادیب اہل سنت مولانا محمد حسن فیضی، جہلم رحمہم اللہ تعالیٰ

کے نام

جنھوں نے

محاسبۂ قادیانیت میں عظیم کردار ادا کیا

اور امت مسلمہ کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی

تمام تر توانائیاں صرف کر گئے۔

فہرست

[۱۹۱۰ء......۱۳۲۸ھ]



عرض ناشر

صحافت کی اہمیت ہر دور میں مسلمہ رہی ہے اور دور حاضر میں تو اس کی ضرورت پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ سیاسی تنظیمات سے ہٹ کر مذہبی اور رفاعی تنظیمات بھی اپنی پیش رفت بلکہ بقا کے لیے اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے صحافتی لحاظ سے تعلقات و روابط بڑھانے کی کوشش میں مگن ہیں۔ پیش نظر کتاب صحافت کے ابتدائی دور کے ایک اہم اردو اخبار ''سراج الاخبار'' (جہلم) کی فائلز سے ماخوذ ہے۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ کام حد درجہ منفرد بلکہ فتنۂ قادیانیت کے صحافتی محاسبہ کی اولین کوشش ہے۔ مولف کتاب نے اس کے ذریعہ قادیانیت کے صحافتی محاسبہ کا ایک نیا موضوع پیش کیا ہے جس کی طرف آج تک توجہ نہیں کی گئی۔

فتنۂ قادیانیت کے صحافتی محاسبہ سے مرزا قادیانی اور اس کی ذرّیت کی روزمرہ کی کارروائیوں کی خبر ملتی ہے اور یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ ہر دور اور ہر میدان میں علمائے اہل سنت ہی فتنۂ قادیانیت کے محاسبہ میں پیش پیش رہے ہیں۔

''ردقادیانیت اور سُنّی صحافت'' کی یہ سیریز فاضل مولف کے پلان کے مطابق تین جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ جلد اول سراج الاخبار کی فائلز سے ماخوذ ہے، یہ اخبار ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۷ء (تقریباً ۳۲ سال) تک جاری رہا۔ جلد دوم ہفتہ وار اخبار اہل فقہ (امرت سر) اور جلد سوم ہفتہ وار اخبار الفقیہ (امرت سر) کی رپورٹس، مضامین ومقالات سے تیار کی جارہی ہے اور عن قریب قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

مکتبۂ اعلیٰ حضرت نے اپنی روایت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے قارئین کے لیے ایک نیا اور اہم موضوع حتی الوسع دیدہ زیب انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ اللہ کریم ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور کتاب ہذا کے افادہ کو عام فرمائے۔ آمین

محمد اجمل عطاری

خادم مکتبۂ اعلیٰ حضرت (پاکستان)

ابتدائیہ

''۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ سے [مولانا فقیر محمد جہلمی نے] جہلم میں اپنے لختِ جگر محمد سراج الدین کے نام پر مطبع سراج المطابع قائم کیا اور اخبار سراج الاخبار جاری کیا، اس اخبار نے اپنے دور کے اعتقادی فتنوں خاص طور پر فتنۂ مرزائیت کی تردید کے لیے بڑا کام کیا۔ (تذکرہ اکابر اہلِ سنت: ۳۹۱)

قبلہ شرف ملت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کا یہ جملہ میرے دل میں یوں نقش ہوا کہ ہر لحظہ یہ خواہش بیدار رہتی کہ کہیں سے سراج الاخبار (جہلم) کا ریکارڈ میسر آئے تو قادیانیت کے متعلق تمام رپورٹس اور مقالات کو یکجا کردوں۔ قبلہ شرف صاحب کا یہی ایک جملہ سراج الاخبار سے میرا پہلا تعارف تھا اور اس کے بعد کچھ ایسی دُھن سوار ہوئی کہ تحقیق و تالیف سے شغف رکھنے والے کسی صاحب سے ملاقات ہوتی تو میں اس سے سراج الاخبار کی بابت ضرور دریافت کرتا مگر افسوس کہ اکثریت اس اخبار کے نام سے بھی شناسا نہ ہوتی، حالانکہ یہ اخبار ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۷ء (تقریباً ۳۲ سال تک) ہندوستان کی اردو صحافت کا ایک معتبر نام ہونے کے ساتھ ساتھ سُنّیت کا ترجمان رہا ہے۔

برصغیر پاک و ہند اور بالخصوص پنجاب کے سُنّی علماء نے صحافتی میدان میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، کئی ایک روزنامے ہفت روزہ، ماہ وار رسالے جاری کیے مگر آج تک ان کی صحافتی خدمات پر داد و تحسین پیش نہیں کی گئی۔ جماعتی انتشار اور تحقیق و جستجو سے عاری رویے کے سبب اسلاف کا بیشتر ورثہ آج ہماری دسترس میں نہیں رہا۔ کئی ایک قدیم کتب خانے حفظ و انصرام کا مناسب اہتمام نہ ہونے کے سبب برباد ہو چکے ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ

آمدم برسرِ مطلب۔ ایک بار پروفیسر ڈاکٹر مجیب احمد صاحب (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) نے دورانِ گفتگو بتایا کہ چکوال کی بہاء الدین زکریا لائبریری میں سراج الاخبار کے کچھ شمارے موجود ہیں۔ چنانچہ راقم نے قبلہ ڈاکٹر مجیب احمد صاحب کی وساطت سے انتظامیہ سے رابطہ کیا اور اسی ہفتہ مورخہ ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو ایک دوست کے ہم

راہ چکوال کا رُخ کیا۔لائبریری انتظامیہ کے خلوص ومحبت کے سبب ہمیں سراج الاخبار ۱۹۰۳ءاور۱۹۰۴ءکے کچھ شمارے میسر آئے جن کی ہم نے کیمرہ سے تصاویر بنائیں،علاوہ ازیں لائبریری کی مطبوعہ کتب بھی بطور تحفہ عنایت ہوئیں۔لائبریری ہذا ہی میں ہماری ملاقات چکوال کے بزرگ عالم دین اور جامع مسجد حیات النبی ﷺ کے خطیب مفتی عبدالحلیم نقش بندی دامت برکاتہم العالیہ سے ہوئی۔حضرت نہایت محبت سے پیش آئے اور باِاصرار اپنی مسجد میں لے گئے،پُرتکلف دعوت کی،اپنی درجن بھر کتب عنایت کیں اور بائی پاس تک جانے کے لیے گاڑی کا اہتمام بھی کیا۔اللہ کریم سے دعا ہے کہ ان سب حضرات کا تعاون اور خلوص اپنی بارگاہ لم یزل میں قبول فرمائے اور اجر کثیر عطا فرمائے۔

لاہور واپسی پر سراج الاخبار کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کا سلسلہ شروع کیا اور قادیانیت کے متعلق خبروں،رپورٹس اور مقالات وغیرہ کی کمپوزنگ شروع کی۔اسی دوران پنجاب یونیورسٹی کی شیخ زید اسلامک لائبریری میں سراج الاخبار کی موجودگی بابت اطلاع ملی چنانچہ عزت مآب سید اویس علی سہروردی (اورینٹل پبلی کیشنز) اور جناب سید جمیل احمد رضوی (سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی،لاہور) توسط سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری تک رسائی ممکن ہوئی۔پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لائبریرین محترم جناب حامد رضا صاحب نے نہایت فراخ دلی سے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی اور لائبریری میں موجود سراج الاخبار کے تمام تر ریکارڈ کو ہمارے سامنے پیش کر دیا۔(ریکارڈ سراج الاخبار مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تفصیل کتاب کے آخر میں بصورت جدول پیش کی جائے گی)

مکمل ریکارڈ کی جانچ پڑتال ایک دو دن میں تو ممکن نہ تھی لہذا ہمیں متعدد مرتبہ پنجاب یونیورسٹی جانا پڑا اور اس سفر میں ہمارے نہایت مخلص دوست محمد ابرار عطاری (شاد باغ،لاہور) نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔سراج الاخبار کا ریکارڈ حاصل کرنے کے بعد اگلا مرحلہ اس سے قادیانیت کے متعلق خبریں،رپورٹس،مقالات وغیرہ کی تلاش تھا چنانچہ یہ بھی نہایت محنت طلب کام تھا،سینکڑوں صفحات کی جانچ پڑتال کا یہ عمل متعدد بار کرنا پڑا تا کہ کوئی

خبر یا رپورٹ رہ نہ جائے۔

جامعہ اشرفیہ (لاہور) کے کتب خانہ سے مولانا کرم الدین دبیر اور مرزا قادیانی کے مابین ہونے والے چاروں مقدمات کی روداد حاصل ہوئی جو کہ کبھی الگ الگ بطور ضمیمہ سراج الاخبار میں شائع ہوئی اور بعد میں ''کاشف اسرار نہانی روئیداد مقدمات قادیانی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ جناب مفتی وحید چودھری صاحب (فیصل آباد) کے ذخیرۂ کتب سے بھی سراج الاخبار کا ایک ضمیمہ ''تازیانۂ نقشبندی ربّانی بتردید حملۂ قادیانی'' حاصل ہوا۔ اس رسالہ کے حصول کے لیے ہمارے مخلص دوست مفتی محمد حسین عطاری (فیصل آباد) نے خصوصی تعاون فرمایا۔ جناب محترم میثم عباس رضوی صاحب نے غازیٔ اسلام مناظر اسلام مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے قدیم نسخے عنایت فرمائے، نیز مرزا غلام احمد قادیانی کی موت پر شائع ہونے والا سراج الاخبار کا ایک ضمیمہ بھی عنایت فرمایا۔ ہمارے عزیز از جاں دوست مفتی محمد ذوالفقار نعیمی صاحب (کاشی پور، اترکھنڈ-بھارت) نے عربی عبارات کی تصحیح میں معاونت فرمائی۔

کتاب کی تالیف وترتیب کے دوران ہم نے ارادہ کیا کہ سراج الاخبار کی رپورٹس کا قادیانی اخبارات وکتب کے ساتھ تقابل بھی کیا جائے اور حسب موقع حواشی تحریر کیے جائیں۔ چنانچہ قادیانی اخبار الحکم، البدر اور ماہنامہ ریویو آف ریلیجنز (Review of Religions) کی ورق گردانی بھی کی گئی لیکن چونکہ سراج الاخبار کے دستیاب ریکارڈ کی جانچ پڑتال سے اتنا کثیر مواد حاصل ہو گیا تھا کہ کتاب کی ضخامت سات سو صفحات سے متجاوز ہو گئی لہذا یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ اللہ عزوجل نے توفیق عنایت فرمائی تو ان شاء اللہ قادیانی اخبارات کے جائزہ پر الگ سے تحقیق پیش کی جائے گی۔

ترتیب کتاب کچھ یوں ہے:

ا۔ آغاز کتاب میں بطور مقدمہ مالک سراج الاخبار مولانا فقیر محمد جہلمی اور ایڈیٹر سراج الاخبار مولانا کرم الدین دبیر کے سوانحی حالات وتصانیف ودینی خدمات کا تعارف پیش کیا گیا ہے نیز ملکی صحافت میں سراج الاخبار کے کردار کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۔ کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں سراج الاخبار میں شائع ہونے والی رپورٹس اور مضامین وغیرہ کو تاریخی اعتبار سے بالترتیب نقل کیا گیا ہے جبکہ دوسرا باب سراج الاخبار کے خصوصی ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

۳۔ آیات قرآنیہ پر اعراب لگائے گئے ہیں اور حوالہ بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ احادیث و تفاسیر و دیگر عربی عبارات کی تصحیح کے دوران جہاں کہیں عبارت مخدوش معلوم ہوئی۔ محولہ کتب سے رجوع کر کے عبارات کی تکمیل و تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔

۵۔ کتاب میں جہاں کہیں حاشیہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو [......] بریکٹس کا استعمال کرتے ہوئے نمبر لگا کر اخیر کتاب پر بالترتیب حواشی تحریر کیے گئے ہیں۔ البتہ جو حواشی مقالہ نگار، نامہ نگار یا مدیران اخبار نے لگائے تھے ان کو متعلقہ مقام پر ہی نقل کیا گیا ہے۔

۶۔ متعدد مرتبہ پروف ریڈنگ سے حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی لفظی غلطی باقی نہ رہے۔

۷۔ کتاب کے آخر میں محققین حضرات کے لیے قدیم علامات ریاضی کے مفاہیم پر مشتمل ایک رسالہ ''مفید نامہ'' کا عکس دیا گیا ہے۔ سراج الاخبار میں جہاں کہیں علامات ریاضی درج تھیں۔ ان کو اسی رسالہ کی مدد سے تبدیل کر کے لکھا گیا ہے۔

آخر میں مَیں اپنے تمام احباب بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر مجیب احمد (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)، سید اویس علی سہروردی، سید جمیل احمد رضوی (سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور)، جناب حامد رضا صاحب (ریسرچ اسکالر وڈپٹی لائبریرین پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، مفتی محمد حسین عطاری، مفتی محمد وحید چودھری (فیصل آباد)، مفتی محمد ذوالفقار نعیمی، جانشین شرف ملت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری (منہاج یونیورسٹی، لاہور)، جناب حسن نواز شاہ (گوجر خان)، مجاہد ختم نبوت جناب محمد متین خالد صاحب (لاہور) اور استاذ العلماء مفتی علیم الدین نقش بندی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے علمی تعاون وسرپرستی سے یہ کتاب کمپوزنگ، تصحیح و تخریج و تحقیق کے مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر ارباب فکر و دانش کے مطالعہ کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔

یادرہے کہ یہ کتاب سراج الاخبار کی تقریباً ۳۲ سالہ زندگی سے دستیاب ہونے والی متفرق سولہ فائلوں سے ماخوذ ہے، تلاش بسیار کے باوجود مزید ریکارڈ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ تاہم پیش نظر کتاب سے یہ قیاس کرنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ سراج الاخبار کی دیگر فائلوں میں قادیانیت کی تردید میں مزید خبریں، رپورٹس اور ضمیمے وغیرہ بھی شائع ہوئے ہوں گے اور اگر مکمل ریکارڈ دستیاب ہوجاتا تو یقیناً یہ کتاب متعدد جلدوں میں ترتیب پاتی۔

قادیانیت کے صحافتی محاسبہ کے حوالہ سے ہماری نظر میں آج تک کام نہیں ہوا۔ اللہ عزوجل کے فضل اور توفیق سے راقم کو یہ سعادت ملی کہ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی وبیخ کنی میں پیش پیش رہ کر ہراول دستے کا کردار ادا کرنے والے اخبار و رسائل وسُنّی ایڈیٹران وقلم کاران کے تعارف وکردار سے احباب اہل سنت کو متعارف کرواؤں، اس کتاب سے قبل راقم نے تین مضامین تحریر کیے جن کے عنوان حسب ذیل ہیں:

۱۔فتنۂ قادیانیت اور ہفت روزہ اخبار الفقیہ ،امرتسر (مطبوعہ جام نور بابت اگست/ستمبر ۲۰۱۳ء) ۲۔ردقادیانیت میں اولین ماہوار رسالہ-''قہر الدیان علی مرتد بقادیان'' (مطبوعہ یادگار رضا سالنامہ ۲۰۱۴) ۳۔فتنۂ قادیانیت اور ہفت روزہ اخبار اہل فقہ، امرتسر (غیر مطبوعہ)

اور اب یہ کتاب سراج الاخبار کی فائلز سے پیش کی جارہی ہے۔ راقم نے اس سیریز کا نام ''ردقادیانیت اور سُنّی صحافت'' رکھا ہے اور پیش نظر کتاب اس سیریز کی جلد اول سراج الاخبار کی فائلز سے ماخوذ ہے جبکہ بہت جلد اس کی دوسری جلد ہفت روزہ اخبار اہل فقہ (امرتسر) اور تیسری جلد ہفت روزہ اخبار الفقیہ (امرتسر) کی فائلز سے پیش کی جائے گی۔

وباللہ التوفیق

اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہماری اس ادنیٰ کاوش کو اپنی ارفع واعلیٰ بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کتاب کو مؤلف، ناشر ودیگر معاونین کے لیے ذریعۂ نجات اُخروی بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

محمد ثاقب رضا قادری

مرکز الاولیاء لاہور-پاکستان

☆☆☆☆☆

کلماتِ تبریک

از: مصلح قوم وملت، مفکر اسلام، مفتی محمد عبد المبین نعمانی قادری مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم . اما بعد !

اسلام کو جہاں خارجی فتنوں سے نقصان پہنچا ہے وہیں داخلی فتنوں نے بھی بڑا نقصان پہنچایا ہے بلکہ داخلی فتنۂ خارجی کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ اور مضر ہوتا ہے۔ ماضی قریب کے فتنوں میں قادیانیت کا فتنہ بھی بڑا مضر رہا ہے اور اب بھی وہ سرگرم عمل ہے، مگر الحمدللہ علماے حق نے ہمیشہ ہی اسلام کے تحفظ اور بقا کے لیے حتی الامکان کوششیں کی ہیں۔ قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اُتارنے کا کام بھی علماے اہل سنت و جماعت نے اوّل روز سے کیا اور آج تک کر رہے ہیں۔ اس باطل فرقے کے رد کے لیے علما نے تحریری تقریری دونوں ذریعے اِستعمال کیے ہیں، مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، رسائل و جرائد میں بھی اظہارِ حق اور ازہاقِ باطل کا فریضہ انجام دیا ہے اور تقریری طور پر اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور جو گم راہ ہو چکے تھے ان کو مذہب حق کی طرف واپس لانے کی بھی جدو جہد کی۔ مرزاے قادیان اور اس کے ہم نواؤں کو مناظرے کے چیلنج بھی دیے، زیادہ تر تو ایسا ہی ہوا کہ وہ مقابلے میں نہیں آتے اور جب آئے تو منہ کی کھائی اور رُسوائی ہی اُٹھائی۔ ماضی کے اکابر اہل سنت میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ اور مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کے عہد میں اور بعد میں بھی دیگر اکابر علماے اہل سنت نے بھی بھرپور طور پر حق کا دفاع کیا اور قادیانیت کے بطلان پر برہان قاطع قائم کی۔

بعض وہ اخبارات جنھوں نے اس سلسلے میں اہم رول ادا کیا ہے، ان میں ’’سراج الاخبار‘‘ (جہلم) نمایاں مقام کا حامل ہے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۷ء کی اسی اخبار کی فائلوں کو کھنگال کر جناب ثاقب رضا قادری نے ایک دستاویزی کام کر کے ہمیں حیرت زدہ کر دیا ہے اور ساری رپورٹیں جو اس اخبار میں چھپی ہیں اور مضامین کو یک جا کر کے ایک ضخیم

کتاب بنادی ہے جو یقیناً ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ میں ثاقب قادری صاحب کو اس جاں کاہ دینی خدمت انجام دینے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، ورنہ اخبارات بالعموم ضائع ہی ہو جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ بڑے قیمتی مضامین اور رپورٹیں بھی ضائع ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے اس کام کا خیر مقدم ہونا چاہیے اور مزید کھوج اور تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

مؤلف کے لیے دعا گو ہوں کہ موصوف اس قسم کے اور کام کر دکھائیں۔ مولیٰ عز و جل انھیں اچھا رکھے۔

قادیانیت کے رد میں جن علما نے تحریری کارنامے انجام دیے ہیں، ان کی ایک فہرست بھی بنی چاہیے کہ کن کن علما نے کون کون سی کتابیں اور رسائل تصنیف کیے ہیں، یہ ایک ریسرچ کا کام ہے جو مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔

پوری کتاب دیکھنے کا اِتفاق نہ ہوا، صرف مضامین کی فہرست دیکھی اور یہ چند سطریں سپرد قلم کردی ہیں۔ کاش! پورا مسودہ دیکھتا تو مزید اپنے تأثرات کا اِظہار کرتا، سر دست اتنے ہی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری
دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو (یوپی)، انڈیا
یکم صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

رد قادیانیت اور تحفظ ختم نبوت سُنّی صحافت کے آئینہ میں

سید وجاہت رسول قادری زید مجدہٗ

(صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی)

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوٰة و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین و علی اٰلہ و صحبہ و اولیاء ملتہ اجمعین.

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

اللّٰھم صلّ علی سیّدنا و مولانا محمّد و علی اٰل سیّدنا محمّد بعدد ما فی جمیع القرآن حرفاً حرفاً و بکل حرف الفاً الفاً

ختم نبوت کا عقیدہ ایک مومن کے ایمان کا بنیادی ستون ہے۔ اس پر قرآن وحدیث سے نص قطعی ہے اگر کوئی مسلمان کلمہ پڑھنے کا دعوی دار ہوتے ہوئے سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہو جائے تو وہ نہ صرف اسلام سے خارج ہو جائے گا بلکہ کافر ہی نہیں۔ مرتد ٹھہرے گا اور مرتد کی سزا دار السلام میں قتل ہے۔ جو شخص نبوت کا جھوٹا دعوی کرے وہ سب سے بڑا جھوٹا یعنی کذّاب ہوتا ہے اور اس کا کفر وارتداد سب سے سخت تر ہے اور اسلامی قوانین کے تحت قابل گردن زدنی ہے۔ ایسا سب سے پہلا شخص سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور ہمایونی کے آخر دنوں میں پیدا ہوا تھا، اس کا نام مسیلمہ تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''مسیلمہ کذّاب'' کا لقب دیا تھا۔ (یعنی سب سے بڑا جھوٹا اور فریبی مکار) اور اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس سے جہاد کیا اور تہ تیغ کر کے واصل جہنم کیا۔

عالم ماکان و ما یکون اعلم کائنات آقا و مولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تیس (۳۰) کذّاب دجّال دعویٰ داران نبوت کی خبر دی ہے جو قرب قیامت تک مختلف ادوار میں ظاہر ہوں گے اور ذلیل ورُسوا ہوں گے۔ اسی شجرِ خبیثہ کی ایک کڑی مرزا غلام احمد قادیانی ۔مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے ایک شہر قادیان میں بقول خود ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ (عاشق رسول مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مرزا قادیانی کو "غلام قادیانی کذاب" کے نام سے موسوم کیا۔ کیوں کہ آپ کی غیرت عشق نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس کذاب کے نام کے ساتھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی کوئی نسبت بھی برقرار رہے۔) برصغیر پاک وہند میں ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ کو متنازعہ بنانے اور اس کے مفہوم کو بگاڑنے کی ابتدائی کوشش انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں یوں کی گئی کہ انگریزوں کے ایماء پر تقویۃ الایمان نامی ایک کتاب مفت تقسیم کی گئی جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا اگر اللہ چاہے تو ایک آن میں کروڑوں محمد پیدا کر ڈالے۔[تقویۃ الایمان مصنفہ اسمٰعیل دہلوی](معاذ اللہ)

اس وقت کے علماء اہل سنت نے جس کے سرخیل مجاہد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کی تائید میں مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی، مفتی صدرالدین آزردہ، خود صاحب تقویۃ الایمان مولوی اسمٰعیل دہلوی کے چچازاد بھائی مولانا مخصوص اللہ دہلوی، شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقش بندی اور دیگر جید علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل دہلوی کا تعاقب کیا۔ اس کے رد میں عربی، فارسی اور اردو میں کتب لکھی گئیں، پمفلٹ اور مضامین لکھے گئے۔ جن میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی امتناع النظیر اور علامہ فضل رسول بدایونی کی المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ) معروف ومشہور ہیں۔ ثانی الذکر کتاب عقائد اہل سنت پر لکھی گئی کتب میں نہایت اہم ہے اور علم عقائد اور باطل فرقوں کے رد وابطال میں کثیر مباحث کا نایاب مجموعہ ہے۔ خاتم المحققین امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس کتاب پر قیمتی حاشیہ "المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد" کے نام سے تحریر فرمایا۔

انیسویں صدی کے ربع ثالث میں اسمٰعیلی فکر سے متاثر کچھ علماء ہند حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے مسلمہ مقام وعظمت اور فضائل و کمالات کی تردید اور مخالفت میں مزید کھل کر سامنے آئے۔ جب ان کے ایک عالم احسن نانوتوی نے شاذ روایت اثر ابن عباس کی آڑ میں زمین کے ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل اور نبی معبوث ہونے کے امکان کا کافرانہ نظریہ پیش کیا۔ اس عقیدۂ باطلہ کے رد میں بدایوں بریلی اور رام پور کے علماء اہل سنت نے رسائل وکتب لکھیں۔ احسن نانوتوی کے رد میں علامہ مفتی نقی علی خان (والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان)، علامہ فضل رسول بدایونی، مفتی غلام دستگیر ہاشمی قصوری، مولانا عبدالسمیع رام پوری رحمہم اللہ تعالیٰ اور بعض دیگر علماء ہند پیش پیش تھے۔ اور ان کے مقابل اسمٰعیلی مکتبۂ فکر سے مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی احسن نانوتوی امکان نظیر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں پیش پیش تھے۔

۱۲۹۰ھ میں خاتم النبیین کے بنیادی عقیدہ کو متزلزل کرنے کے لیے ایک اور کتاب بنام ''تحذیر الناس مصنفہ مولوی قاسم نانوتوی'' شائع ہوتی ہے جس میں آیت کریمہ و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین کی ایسی شرانگیز تشریح کی گئی جس سے نہ صرف مسلمانان برصغیر پاک وہند بلکہ حرمین شریفین اور اس وقت کے عالم اسلام میں تشویش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ دراصل یہی وہ متنازعہ اور فتنہ پرور کتاب (تحذیر الناس) ہے جس کے متعلق عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس نے قادیانیت کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے ۲۹ سال بعد مسیلمۂ ہند مرزا قادیانی نے انگریزوں کی ایما پر ۱۹۰۱ء میں اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔

اس دور کے علماء ربانیین علماء اہل سنت نے سنت صدیقی کے اتباع میں ''گربہ کشتن روز اول'' پر عمل کیا اور مرزا قادیانی ۱۸۶۸ء (انگریزوں کی ملازمت اختیار کرنے) سے ۱۹۰۲ء تک جھوٹی نبوت کے دعویٰ کے دوران ہر مرحلہ میں (۱۸۸۰ء میں ملہم من اللہ، ۱۸۸۸ء میں مجدد امت، ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود اور جھوٹے بروزی وظلی نبی ہونے اور ۱۹۰۱ء

میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے تک) تحریری وتقریری مناظرہ اور مجادلہ کے ذریعہ اس کا بھر پور رد کیا اور مسلمانان ہند کے ایمان اور عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ اس عظیم قلمی جہاد میں حصہ لینے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں لیکن چند علماء اعلام کے اسماء گرامی تبرکاً پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام دستگیر قصوری ۲۔ حضرت علامہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی ۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری ۴۔ حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خان قادری ۵۔ شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ خان فاروقی حیدر آبادی ۶۔ علامہ مولانا پروفیسر الیاس برنی چشتی ۷۔ مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان نوری قادری ۸۔ مولانا فقیر محمد جہلمی مالک سراج الاخبار، جہلم ۹۔ مولانا کرم الدین دبیر ایڈیٹر سراج الاخبار، جہلم ۱۰۔ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی وغیرہم۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

ہمارے ایسے علماء کرام کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور ردقادیانیت کے سلسلہ میں معرکۃ الآرا خدمات انجام دی ہیں۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق یہ تعداد سو سے زیادہ ہے۔

علماء اہل سنت و جماعت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اس وقت مرزا قادیانی کے کفر ونفاق اور مذموم مقاصد کا پردہ چاک کیا جس وقت دیگر مکاتب فکر کے لوگ مرزا قادیانی کو ''مردصالح'' اور اس کی رُسوائے زمانہ کتاب براہین احمدیہ کو صدی کی ''شاہ کار کتاب'' قرار دے رہے تھے۔ عین اسی زمانہ میں علماء اہل سنت کے امام عارف کامل علامہ مولانا مفتی غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی مذکورہ کتاب میں کیے گئے کاذب دعووں اور ہذیانیات کے رد و ابطال میں ''رجم الشیاطین بر اغلوطات البراہین'' تصنیف فرما کر مسلمانان ہند کے ایمان وعقائد کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ واضح ہو کہ حضرت علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری قدس سرہ العزیز برصغیر کے وہ سب سے پہلے عالم ہیں جنہوں نے سب سے اول قادیانیت کا رد فرمایا اور اس کی کفری گم راہیوں کا پردہ چاک کیا اور اس فتنہ کا رد بلیغ فرما کر اس کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے علمائے حرمین شریفین سے مرزا قادیانی کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا۔

گذشتہ سوا سو برسوں میں علماء اہل سنت نے نہ صرف ردقادیانیت میں رسائل لکھے بلکہ وقت کے تمام موجود وسائل ابلاغ مثلاً اشتہارات خط و کتابت اور اخبارات کے ذریعہ قادیانیت کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔ اس کے کفریہ عقائد اور مسلمانوں کے خلاف اس کے مذموم عزائم سے پردہ اٹھا کر عالمی سطح پر مسلمانوں کو آگاہ کیا جو بالآخر قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں حضرت علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں ملک گیر تحریک ختم نبوت کے آغاز کا سبب بنی۔ بے شمار علماء و عوام اہل سنت نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ بالآخر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے قائد اہل سنت حضرت علامہ الشاہ احمد نورانی الصدیقی اور دیگر علماء اہل سنت کی پیش کردہ قرارداد کو اتفاق رائے سے منظور کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مسلمان کی تعریف کے ساتھ قادیانیوں اور احمدیوں کا کافر قرار دینے کی شق شامل کی اور یوں اس طرح قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ہمارے ان بزرگوں کی زیر نظر موضوع پر تحقیقات و تصنیفات اور اخباری بیانات و مضامین کو دوبارہ شائع کر کے عالم اسلام و دور جدید کے پڑھے لکھے طبقہ اور میڈیا کو بتایا جائے کہ یہ علماء اہل سنت ہی تھے کہ جنھوں نے سب سے پہلے سب سے زیادہ بلکہ اصل کام عقیدۂ ختم نبوت کے دفاع اور ردقادیانیت میں صحافتی اور تحقیقی میدان میں کیا ہے۔ دیگر گروہ ان علماء حق کی دیکھا دیکھی فتنہ قادیانیت کے جنم سے تقریباً ۵۰ سال بعد (۱۹۳۵ء میں) اس وقت میدان میں آئے۔

علماء اہل سنت کے اس نادر و نایاب ورثہ کو تلاش کر کے جدید علمی و تحقیقی تقاضوں کے ساتھ مرتب کرنے اور پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعہ جدید علمی حلقوں اور آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے جن حضرات گرامی نے محنت شاقہ، لگن، ذوق و شوق اور جذبۂ عشق رسول کی سرشاری سے کام لیا ہے ان میں مندرجہ ذیل محققین ممتاز و نمایاں مقام

رکھتے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد امین عطاری قادری علیہ الرحمۃ (۱۹۷۱ـ۲۰۰۵) کراچی۔

۲۔ حضرت مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری، برہان شریف-اٹک

۳۔ حضرت علامہ مولانا حامد علی علیمی، کراچی

۴۔ فاضل نوجوان محمد ثاقب رضا قادری، لاہور

حضرت مولانا مفتی محمد امین عطاری قادری علیہ الرحمۃ عقیدۂ ختم نبوت کے حوالہ سے ایک انسائیکلوپیڈیائی کام کررہے تھے لیکن افسوس کہ ان کے اپنے خاکہ کے مطابق ابھی یہ کام پانچ جلدوں تک ہی پہنچا تھا کہ ۱۸ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/۲۰ دسمبر ۲۰۰۵ء کو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی جوار رحمت میں بلالیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

لیکن بحمداللہ ان کے قائم کردہ ادارہ تحفظ عقائد اسلامیہ نے ان کے خاکہ اور مواد کی بنیاد پر کام جاری رکھا اور اب تک اس کی پندرہ (۱۵) جلدیں طبع ہو کر اہل علم تک پہنچ چکی ہیں جن میں تقریباً سوا سو صدی پر محیط علماء و مشائخ اہل سنت کی علمی و عملی جدوجہد پر مشتمل و منتشر کام کو یکجا کیا گیا ہے۔ ردقادیانیت کے حوالہ سے یہ اس صدی کا ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ معارف رضا (کراچی) اکتوبر ۲۰۱۴ نے جناب توفیق احمد جونا گڑھی کا ایک جامع تبصرہ اس کی پندرہ جلدوں پر شائع کیا ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

اہل سنت کے عظیم محقق، کہنہ مشق قلم کار سید صابر حسین شاہ بخاری زیدمجدہٗ نے کئی برسوں کی مساعی جمیلہ کے بعد حسن صوری و معنوی سے مزین ماہ نامہ الحقیقہ (شکر گڑھ) کا دیدہ زیب ختم نبوت نمبر مرتب کیا جس کی جلد اول پروفیسر محمد حسین آسی نقش بندی علیہ الرحمۃ کی موسسہ تحریک شیران اسلام (پاکستان) کے تعاون سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہے۔ یہ ختم نبوت نمبر تحفظ ختم نبوت اور ردقادیانیت پر گذشتہ سوا سو سال میں لکھی گئی کتب میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ اس کی دوسری جلد کا شدت سے انتظار ہے کہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوتا ہے۔

جامعہ کراچی کے ریسرچ اسکالر فاضل جلیل علامہ حامد علی علیمی مدظلہ العالی نے ۲۰۱۲ء

میں ایک قابل قدر علمی و تحقیقی کام ''عقیدۂ ختم نبوت-اصول اربعہ کی روشنی میں'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس مقالہ کی ابتدا میں امام احمد رضا حنفی علیہ الرحمۃ کے فتاوی سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جس طرح فقہ کے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اسی طرح عقائد میں بھی چار اُصول ہیں: کتاب، سنت، سواد اعظم اور عقل صحیح۔''

علامہ علیمی نے اپنے مقالہ میں خوب صورت نظم و ضبط اور آسان زبان میں ان چار اصولوں کی تشریح کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اہل سنت نے عقیدۂ ختم نبوت کو ان چار اصولوں پر خوب پرکھ کر مستحکم دلیل سے جانا ہے۔

علامہ علیمی صاحب کی ایک اور تصنیف ''عقیدۂ ختم نبوت پر اعتراضات کا علمی محاسبہ'' اگست ۲۰۱۳ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس میں مولانا علیمی نے منکرین ختم نبوت کے تمام تر باطل دلائل اور تاویلات کا جواب جو مختلف کتب میں بکھرا ہوا تھا- یک جا کرنے کا کام کیا ہے۔ فاضل علیمی صاحب کی ایک اور تصنیف ''مرزائی لطیفے'' بھی جلد طبع ہونے والی ہے۔

اس وقت برصغیر پاک و ہند میں مسلک حقہ اہل سنت کے پرچار، کتب اسلاف کرام کے تحفظ، جدید خطوط پر ان کی اشاعت اور جدید نسل کو اکابر علماء اہل سنت کی تعلیمات اور دین متین کی تبلیغ کے لیے ان تاریخ ساز کوششوں سے روشناس کرانے کے لیے جذبہ عشق صادق سے سرشار چند فاضل نوجوانوں کی جو جماعت میدان عمل میں نظر آئی ہے اور محض چند برسوں میں انہوں نے تحریر و تحقیق اور علماء اہل سنت کی نایاب اور غیر مطبوعہ کتب کی اشاعت میں جو حیرت انگیز مگر دل خوش کن کارنامے انجام دیے ہیں ان میں لاہور کے نوجوان محقق عزیزی الکریم محمد ثاقب رضا قادری کا اسم گرامی نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ خود متحرک ہیں بلکہ دوسروں کو بھی کارِ خیر کے لیے مجتمع اور متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی متنوع مزاجی اور ہر بار اسلاف کرام کے علمی اثاثوں کو کسی نئے انداز سے متعارف کرانے کی لگن نے ردقادیانیت کے حوالہ سے ایک نہایت اچھوتا اور نیا عنوان ''رد قادیانیت اور سُنّی صحافت'' منتخب کیا ہے اگرچہ مجملاً ضمناً ردقادیانیت میں شائع شدہ دیگر کتب میں بھی اس کے حوالہ جات منتشر ملتے ہیں۔ بقول مرتب محترم ''ردقادیانیت اور سُنّی

صحافت'' کی جلد اول تقریباً سات سو (۷۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ جلد ہفتہ وار اخبار ''سراج الاخبار (جہلم) (۱۹۱۷ء۔۱۸۸۵ء) کی تقریباً ۱۶/ ۱۵ برسوں کی فائل پر مبنی ہے۔

سراج الاخبار (جہلم) کو پنجاب کے معروف عالم مولانا فقیر محمد جہلمی (مولف حدائق الحنفیہ) نے ۱۸۸۵ء میں جاری کیا جبکہ پنجاب ہی کے ایک اور جید عالم دین مولانا کرم الدین دبیر اس کے ایڈیٹر تھے۔

اس دور (۱۹۱۷ء۔۱۸۸۵ء) میں مرزا غلام قادیانی کذاب لعنۃ اللہ علیہ اور اس کے ہم نوا گم گشتگان راہ کے ساتھ جو تحریری، تقریری و مناظرانہ معرکے علماء اہل سنت کے ہوئے ان کے اخباری تراشے اس میں شامل ہیں۔

اس اہم ہفتہ وار اخبار کی جو فائلز دست بردِ زمانہ کی وجہ سے دیمک و خستگی اور ناقدری کی نذر ہو کر طاق نسیان ہونے جا رہی تھیں۔عزیزی محمد ثاقب رضا زید علمہ کی سعی و کاوش کی وجہ سے اب وہ مستند کتابی شکل میں علم کے ایوانوں، جامعات اور اہل علم کے بالاخانوں (لائبریریز) کی زیب و زینت بن کر حق کے متلاشی عوام و خواص اور علم ابلاغ و صحافت کے اساتذہ و طلباء کے لیے مژدہ جاں فزا بن گئیں۔

ردقادیانیت اور سُنّی صحافت کی دوسری جلد ہفتہ وار اخبار ''اہل فقہ'' (امرت سر) (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۳ء) کی فائلز پر مشتمل ہوگی جبکہ تیسری جلد ہفت روزہ اخبار ''الفقیہ'' (امرت سر) (۱۹۱۸ء تا ۱۹۵۲ء) سے ماخوذ ہوگی۔

عزیزی ثاقب رضا صاحب ''سُنّی صحافت'' کا عنوان پیش کر کے جامعات کے طلباء و طالبات کو Journalism میں پی ایچ ڈی (Phd) کا مقالہ لکھنے کی ترغیب بھی دے رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ صحافت سے شغف رکھنے والے اہل علم آگے آئیں گے اور موصوف کی علمی تحقیقات کو جامعات کی سطح پر آگے بڑھائیں گے۔ اس پیش کش پر جناب ثاقب صاحب اور ان کی ٹیم کے دیگر اراکین مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی اس علمی و دینی کاوش کو اپنے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دربار میں شرف قبول عطا فرمائے اور ان کے جذبۂ عشق رسول میں اضافہ اور قلم کو مزید قوت عطا فرمائے۔ آمین

فاضل جلیل موصوف اس سے قبل اسلاف کرام کے بکھرے ہوئے اور گم شدہ بعض علمی موتیوں کو بڑی محنت شاقہ سے جمع کر کے (جس کے لیے انہوں نے ابلاغ عامہ کے تمام جدید وسائل استعمال کیے ہیں) کتابی شکل میں شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں ۔وہ درج ذیل ہیں:

۱۔شہنشاہ سخن استاذ زمن برادر اصغر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، حضرت مولانا حسن رضا خاں حسن قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منظوم و منثور جملہ علمی کاوشوں کی دو جلدوں میں اشاعت۔

۲۔امام اہل سنت قاطع نجدیت و قادیانیت مناظر بے بدل محقق دوراں حضرت علامہ مولانا غلام دستگیر ہاشمی نقش بندی قادری محدث قصوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے دس (۱۰) نایاب رسائل پر مشتمل ''رسائل محدث قصوری'' کی جلد اول کے نام سے اشاعت۔

مرتب موصوف نے خلوت سے نکل کر جلوت علم میں وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کے متعلق حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

درونہا تیرہ باشد کہ از غیب
چراغے بر کند خلوت نشینے

ثاقب صاحب نے وہ چراغ جلا دیا ہے جو رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو علم نافع کی روشنی اور ان کے قلوب کو نورِ ایمانی سے بہرہ مند کرتا رہے گا۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد الامین المکین الخاتم النبیین و علی الہ و صحبہ اجمعین



تقریظ جمیل

جانشین شرف ملت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی مدظلہ العالی

ترکی میں قائم سلطنت عثمانیہ کے زوال سے لے کر اب تک اسلامی دنیا اپنی زرخیز زمینوں میں چھپے تیل، گیس اور دیگر معدنیات کے عظیم ذخائر کے باوجود صحت، خوش حالی اور علم جیسی نعمتوں سے محروم ہے۔ پسماندگی، غربت، بیماریاں، جہالت اور دہشت گردی جیسی عفریتوں کی گرفت میں ہے۔ ان سب مسائل کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے عیار دشمنوں کی طرف سے مسلط کی گئی ثقافتی جنگ میں اپنی بقا اور شناخت کا دفاع کرنے سے قاصر دکھائی دیے، جغرافیائی حدود تو بظاہر محفوظ نظر آتی ہیں مگر امت مسلمہ کا نظریاتی اور ثقافتی تشخص بہت حد تک مجروح ہو چکا ہے۔ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں میں قادیانیت اور اس جیسے دیگر فتنوں کا بیج بو کر امت مسلمہ کے لخت لخت وجود کو نوچنے اور تار تار کرنے میں مصروف ہیں۔ مولانا غلام دستگیر قصوری، مولانا فقیر محمد جہلمی، مولانا کرم الدین دبیر اور مولانا محمد حسن فیضی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان جیسے دیگر علمائے اہل سنت نے قادیانیت کے ابتدائی ایام سے ہی اس فتنہ کے تباہ کن اثرات کو بھانپ لیا تھا اور عامۃ المسلمین کو بچانے کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا جو اب تک جاری ہے اور آیندہ بھی جاری رہے گا۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہمارے فاضل دوست جناب محمد ثاقب رضا قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کی پیش نظر کاوش ہے جس کا پہلا حصہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے جبکہ دوسرا اور تیسرا حصہ بھی جلد زیور طبع سے آراستہ ہو جائے گا یہ تینوں حصے مستقل حیثیت کے مالک ہوں گے۔ اس علمی اور تحقیقی پراجیکٹ سے ردقادیانیت کا نگاہوں سے اوجھل ایک اہم ذخیرہ نہ صرف محفوظ ہو جائے گا بلکہ ردقادیانیت کے حوالے سے علمائے اہل سنت کی اولین کاوشوں کا ایک روشن باب اہل علم کے سامنے کھل جائے گا اور ان نام نہاد محققین کی خیانت اور بد دیانتی بھی کھل کر سامنے آجائے گی جو امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ پر

قادیانیت نوازی کا الزام لگاتے ہوئے خوف خدا سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہ عاجز ممتاز احمد سدیدی پیش نظر کتاب کے مصنف جناب محمد ثاقب رضا قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کو اس اچھوتے موضوع پر تحقیق کرنے اور ایک نہایت علمی ذخیرہ منظر عام پر لانے کی مبارک باد پیش کرتا ہے اور ان کی درازیٔ عمر کے لیے دعا گو ہے، انہوں نے تن تنہا ایک جماعت کے برابر کام کیا ہے، یہ ان کا نکتۂ آغاز ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ وہ آنے والے وقت میں بڑے بڑے علمی، تحقیقی اور تعمیری کام سرانجام دیں گے۔ راقم جناب محمد ثاقب رضا صاحب کو ہمیشہ رشک کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان سے مل کر ہمیشہ یہی خیال آتا ہے کہ محترم محمد ثاقب رضا صاحب اور ان جیسے سراپا اخلاص لوگ مسلک اہل سنت کی صداقت کی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے، ہر طرح کے فتنوں اور آزمائشوں سے بچائے۔ نیز ان کی تحریری صلاحیتوں کو مزید پختگی اور نکھار عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

۱۶ اگست ۲۰۱۴ء

☆☆☆☆☆

زندہ تحریریں

درویشانہ صفات کے حامل جناب محمد ثاقب رضا قادری نہایت علمی وادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ تحقیق وجستجو اُن کا جنون ہے۔ ایک عرصہ سے میرا اُن سے ٹیلیفونک رابطہ ہے۔ وہ اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں گاہے بگاہے مجھ سے رابطہ کرتے رہے اور اپنے موضوع سے متعلق استفسار بھی کرتے رہے۔ کتاب سے متعلق اُن کی لگن، بے چینی اور سوز قابل رشک معلوم ہوتا۔ کئی مہینوں کی محنت کے بعد اب مسودہ تیار ہوا تو اُنہوں نے مجھے اِس کتاب پر تقریظ لکھنے کا حکم فرمایا۔ میں نے کتاب کو جستہ جستہ دیکھا ہے، پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ زیرنظر کتاب ''رَدّ قادیانیت اورسنی صحافت'' جناب ثاقب قادری کا ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جس پر ہمیشہ فخر کیا جاتا رہے گا۔ یہ کتاب ہفت روزہ سراج الاخبار جہلم (۱۸۸۵ـ۱۹۱۷ء) کی فائلز میں فتنہ قادیانیت کے صحافتی محاسبہ پر مشتمل ہے۔ انہوں نے تاریخ کے گمشدہ قیمتی اوراق کو کھنگال کر ایسی زندہ وجاوید تحریروں کو اکٹھا کردیا ہے جو ہمیشہ اُن کا نام بھی زندہ رکھیں گی۔ رَدّ قادیانیت کے سلسلہ میں یہ کتاب جہاں حضرت مولانا فقیر محمد جہلمی اور حضرت مولانا کرم الدین دبیر کو رَدّ قادیانیت پر اُن کی بے پناہ خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتی ہے، وہاں ہمارے ایسے طالبِ علموں کے لیے بھی یہ کتاب ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ بادی النظر میں یہ کتاب فردِ واحد کے بس کی بات معلوم نہیں ہوتی لیکن جناب ثاقب رضا نے یہ مبسوط کتاب لکھ کر ثابت کردیا ہے کہ وہ یہ کام اکیلے بدرجہ اتم انجام دے سکتے ہیں۔ اِس پر وہ بے حد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اللہ کرے یہ مرحلۂ شوق نہ ہو طے

طالب شفاعت محمدی ﷺ بروزمحشر

محمد متین خالد

لاہور

مقدمہ

مقدمہ کتاب میں ہم اول سراج الاخبار اور پھر سراج الاخبار کے بانی و مہتمم مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب و ایڈیٹر اخبار مولانا کرم الدین دبیر رحمہما اللہ تعالیٰ کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔

(۱)

ہفت روزہ سراج الاخبار، جہلم

سراج الاخبار [۱] ۵ جنوری ۱۸۸۵ء/ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو پنجاب کے شہر جہلم سے مولانا فقیر محمد جہلمی مؤلف حدائق الحنفیہ نے اپنے ذاتی مطبع سراج المطابع (جہلم) سے جاری کیا، اخبار کی اشاعت ہر دوشنبہ کو ہوتی تھی۔ اخبار کا سائز ۸/ ۲۶×۲۰ اور صفحات آٹھ تھے۔ سالانہ چندہ حکومت سے ۲۰ روپے، والیان ریاست سے بارہ روپے اور عام قارئین سے تین روپے تیرہ آنے تھا۔ ابتدا میں ادارت کی ذمہ داریاں بھی مولانا خود ہی انجام دیتے تھے بعد ازاں اپنے دوست مولانا کرم الدین دبیر کو یہ ذمہ داری دے دی۔

۱۹۰۶ء سے اخبار دس (۱۰) صفحوں پر چھپنے لگا اور ۱۹۰۹ء سے صفحات کی تعداد بارہ (۱۲) ہوگئی، جس میں سے چھ (۶) صفحات پر صرف خبریں ہوتی تھیں۔ ۱۹۱۶ء میں ایک نامہ نگار کی غلطی پر حکومت پنجاب نے پریس ایکٹ کے تحت تین ہزار روپیہ ضمانت داخل کرنے کا نوٹس بھیجا۔ ضمانت داخل نہ ہونے کی وجہ سے اخبار تقریباً چار ماہ بند رہا۔ حکام کی سفارش سے زرضمانت میں تخفیف ہوئی اور اخبار ۵ جون ۱۹۱۶ کو دوبارہ جاری ہوا۔ جس کے بعد حکومت کے ضمن میں اخبار کا رویہ خوشامدانہ ہوگیا۔

مولانا فقیر محمد جہلمی کی وفات کے بعد اخبار کچھ عرصہ تک بند رہا، یکم جنوری ۱۹۱۷ء سے اہلیہ فقیر محمد نے اسے تیسری بار جاری کیا اور ادارت کی ذمہ داریاں منشی محمد حسین الدین سیالکوٹی کے سپرد ہوئیں۔ (مجلّہ تحقیق، لاہور جلد ۲، شمارہ ۱)

اخبار کے اغراض ومقاصد:

۱۔رعایا کے دُکھ درد کا عرض حال گورنمنٹ کے روبرو مدلل وجوہات سے پیش کرنا اور گورنمنٹ کو صلاح دینا۔

۲۔ترقی ملک اور رفاہ قوم کے طریقے اپنے ناظرین اور ملک اور قوم کو بتلانا۔

۳۔اہل حقوق کو اپنے حق پہچاننے کی طرف مائل کرنا اور طرز تمدن اور معاشرت بھی قوم کو بتلانا۔

۴۔مسئلہ اتفاق اور ہمدردی کے فوائد قوم کے روبرو پیش کرنا۔

۵۔علاوہ اپنے ملک ہند کے، مما لک غیر خصوصاً یورپ کے گونا گوں حالات اور وہاں کی تربیت یافتہ اقوام کے کوائف اور تازہ بتازہ خبریں، واقعات نادرہ وقتاً فوقتاً انگریزی، عربی اور فارسی وغیرہ اخباروں اور انتخاب گورنمنٹ گزٹ پنجاب، تازہ گزٹ انگریزی سے ترجمہ ہو کر درج ہوا کرے گا۔

اخبار کا دستور العمل:

سرورق پر اخبار کا دستور العمل یوں تحریر ہوتا تھا:

۱۔ یہ اخبار ہفتہ وار دوشنبہ کے روز شائع ہوتا ہے جس کی سالانہ قیمت بد پیشگی گورنمنٹ سے حسب عطیہ والیان ریاست سے ۱۲ عام شائقین سے تین روپے تیرہ آنے ہے اور مابعد دو چند ہے۔ میعاد پیشگی تاریخ خرید سے ۳ ماہ تک ہے۔

۲۔اُجرت مضامین مفید خاص واشتہارات ایک بار کے لیے فی سطر ۲/- ایک بار سے زیادہ کے لیے ۱/- فی کالم ہے۔فی صفحہ ۱۳/- ہے۔

۳۔قیمت اخبار وغیرہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجنی چاہیے۔

۴۔جب کسی صاحب کی خدمت میں یہ اخبار بلا درخواست پہنچے تو بصورت نا منظوری کارڈ کے ذریعہ سے مطبع کو اطلاع دیں، اخبار واپس نہ کریں کیونکہ اخبار عرصہ کے بعد مطبع میں واپس آتا ہے اور اس عرصہ تک برابر روانہ ہوتا رہتا

ہے۔دو پرچہ اخبار تک کارڈ نامنظوری کے نہ پہنچنے پر ان کا نام نامی درج رجسٹر خریدران کیا جائے گا۔

۵۔ جو صاحب اخبار کا لینا بند کرانا چاہیں وہ ممانعت کے ساتھ ہی اخبار کی قیمت جو اس وقت تک ان کے ذمہ ہو، عنایت کریں ورنہ اخبار بند نہ کیا جائے گا اور قیمت ان کے ذمہ چڑھتی رہے گی۔

۶۔ جو خطوط تقاضا قیمت میعاد پیشگی کے گزرنے پر مطبع سے روانہ ہوں گے ان کا خرچ صاحب حساب کے نام درج کیا جائے گا۔

۷۔ جو صاحب کسی بات کا جواب مطبع سے منگانا چاہیں تو اپنی ایسی تحریر جوابی پوسٹ کارڈ پر بھیجیں۔

۸۔ کوئی بے رنگ خط نہیں لیا جائے گا۔

سراج الاخبار اپنے مشتملات کی رو سے ایک مکمل اخبار تھا اور اپنے عہد کی ضروریات کے عین مطابق تھا جس کا کریڈٹ بلا ریب مالک اخبار مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کو جاتا ہے جو کہ اپنے ہم عصروں سے صحافتی میدان میں وسیع تجربہ کا حامل ہونے کی بنا پر فوقیت رکھتے تھے۔

ترتیب اخبار میں اکثر غیر ملکی خبروں کو ابتدائی صفحات میں نقل کیا جاتا، علاوہ اس کے ملکی صورت حال، واقعات، مقامی خبریں، برقی تار و مراسلات، گورنمنٹ پالیسیز پر ریویوز، قارئین کے خطوط، انتخاب پنجاب گزٹ وغیرہ سب شامل ہوتا۔ بعض اوقات ادبی لطائف و نظمیں بھی شائع ہوتیں۔

مذہبی خبروں میں مختلف اداروں و تنظیموں کے جلسوں کے اشتہارات، جلسوں کی روداد، تنقیدی و فکری مقالات۔ دینی کتب پر تبصرہ، علماء کرام و اہم شخصیات کے وصال پر تاریخی قطعات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

سراج الاخبار کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جو کہ برصغیر میں مذہبی لحاظ سے افتراق و انتشار کا دور تھا۔ وہابیت، غیر مقلدیت، نیچریت، دیوبندیت اور قادیانیت / احمدیت

/مرزائیت نے قریب قریب اسی عرصہ میں جنم لیا۔ علاوہ اس کے عیسائی مشنریز اور آریہ کی سرگرمیاں بھی اپنے عروج پر تھیں چنانچہ اخبار نے دین اسلام کے تحفظ و بقا کی خاطر اپنی مقدور بھر سعی کی اور اپنے عہد کے ہر فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ پیش نظر کتاب اس کا ایک بیّن ثبوت ہے جو کہ صرف قادیانیت کے رد میں شائع ہونے والی خبروں و مقالات پر مشتمل ہے۔

افضل حق قرشی لکھتے ہیں:

''یہ اخبار جب سے جاری ہوا، کبھی ناغہ نہیں ہوا، نہ کبھی سالانہ تعطیل۔ ۱۹۱۶ء میں پہلا واقعہ پیش آیا کہ ایک نامہ نگار کی غلطی پر ۷ فروری ۱۹۱۶ء کو حکومت پنجاب کی طرف سے زیر دفعہ ۳ شق ۲ پریس ایکٹ، ایڈیٹر کو تین ہزار روپیہ ضمانت داخل کرانے کا نوٹس پہنچا۔ ضمانت داخل نہ ہونے کی وجہ سے اخبار تقریباً چار ماہ بند رہا۔ حکام کی سفارش سے زر ضمانت میں تخفیف ہوئی اور اخبار ۵ جون ۱۹۱۶ء کو دوبارہ جاری ہوا۔ ۱۹۱۶ء میں بھی ایڈیٹر کے انتقال کی وجہ سے اخبار کچھ عرصہ پھر بند رہا۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء سے اہلیہ مولوی فقیر محمد نے اسے سہ بارہ جاری کیا۔ اس بار ایڈیٹر منشی محمد حسن الدین سیالکوٹی تھے۔''

سراج الاخبار کے قارئین کا اخبار سے کس حد تک لگاؤ تھا اس کی ایک جھلک ذیل کی ان خبروں میں دیکھی جاسکتی ہے:

شیدایان سراج الاخبار

ہے بجا ناز کہے گر یہ سراج الاخبار
اس کے شیدا ہوئے دنیا میں سکندر آثار

ناظرین کرام بخوبی واقف ہیں کہ اولاد سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں، اولاد خدا کے بہترین انعامات سے ہے، اس سے آنکھوں میں ٹھنڈک آتی ہے، دل کو مسرت حاصل ہوتی ہے، نسیم سحری سے کہیں بڑھ کر دل کشا اور جاں فزا یہ صبائے چمن غیبی ہے۔ اس سے دنیا میں پائندگی اور تابندگی ہاتھ آتی

ہے۔گل پژمردہ آب وتاب سے رونق افروز چمن ہوتا ہے۔پدر کی جان میں جان آتی ہے۔اس تقریب مسعود پر ہر مسلمان اپنے بھائی کو مستحق مبارک تصور کرتا ہے۔یہی اسلام کی اخوت کا تقاضا ہے لیکن جب خدا ایسا موقع کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کو عطا کرتا ہے تو پھولے نہیں سماتے، آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

ہمیں از حد فرحت اور بہجت ہوئی جب یہ جاں بخش مژدہ آیا کہ ہمارے مکرم مہربان دوست سردار سکندر خان صاحب خٹک رئیس آف ملاحی ٹولہ کو خدائے ذوالمنن نے نورالعین بخشا۔ہم اپنا فرض عین سمجھتے ہیں کہ سردار صاحب کو دلی مبارکباد دیں خصوصاً جبکہ آں جناب نے اس محبت اور تعلق سے جو انہیں اس اخبار سے ہے اپنے قرۃ العین کا اسم گرامی ''سراج الحسن'' قرار دیا۔

ایم حسن الدین ایڈیٹر اخبار

(سراج الاخبار مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۱)

سراج الاخبار کی عزت افزائی

خدا کے فضل سے سراج الاخبار کی اشاعت دن بدن بڑھ رہی ہے اور اس کو خاص مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اس کے دل چسپ اور وفادارانہ آرٹیکل اور دنیا بھر کی صحیح اور تازہ ترین خبروں اور ہر قسم کی معلومات بڑھانے والے علمی اور اخلاقی مضامین کو اہل ملک پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی مانگ اطراف عالم سے ہو رہی ہے۔ **اللّٰھم زد فزد**

یہ خبر ہوا خواہان اخبار کی بے حد مسرت کا باعث ہو گی کہ بعض سرکاری فوجی افسران نے سراج الاخبار کو میدان جنگ میں پنجابی سپاہیوں کی تفریح طبع اور مشغلہ کے لیے پہنچانا مناسب سمجھا ہے۔(سراج الاخبار مورخہ ۵ مارچ ۱۹۱۷ء ص ۲)

اخبار نے اپنی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد طلباء کے لیے ایک ماہوار رسالہ کے اجراء کی

تجویز پیش کی جس کا نام "سراج العلوم" رکھا گیا تاہم حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسالہ جاری ہو سکا یا نہیں البتہ اخبار کی متعدد اشاعتوں میں ایک اشتہار بدیں الفاظ شائع ہوتا رہا؛

اشتہار رسالہ سراج العلوم

چونکہ سراج الاخبار اکثر مدارس میں جاتا اور اہل علم وطلباء کی نظر سے گزرتا ہے اس لیے اکثر اصحاب کی رائے ہے کہ اگر اخبار کے ساتھ کوئی ایسا رسالہ علمی بھی جاری کیا جائے جو طلباء مدارس اور امتحان دہندگان مڈل و انٹرنس کو پورا پورا فائدہ دے سکے تو نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ اس وقت گو دو ایک رسالے اس قسم کے پنجاب میں شائع ہوتے ہیں مگر جیسا کہ چاہیے ان سے طلبا کو مدد نہیں مل سکتی کیونکہ امتحانات متذکرہ بالا میں حساب، مساحت، اقلیدس، جبرو مقابلہ، تواریخ، جغرافیہ، حفظ صحت، اردو زبان دانی، جواب مضمون اردو، قواعد اردو، ترجمہ اردو سے فارسی، ترجمہ فارسی سے اردو، قواعد فارسی، ترجمہ اردو سے عربی، ترجمہ عربی سے اردو، صرف ونحو عربی، طبعی، جغرافیہ طبعی وغیرہ وغیرہ مضامین داخل ہیں اور موجودہ رسالوں میں متذکرہ بالا مضامین کے التزاماً سوالات وجوابات اور ان کی بحث وغیرہ نہیں ہوتی۔ چونکہ مہتمم سراج الاخبار کو اپنے احباب کی فرمائشوں سے کسی طرح اغماض منظور نہیں ہے لہذا گذارش کیا جاتا ہے کہ اگر دو سو تک درخواستیں خریداروں کی آجائیں تو ہم جنوری ۱۸۸۸ء سے ایک ماہوار رسالہ سراج العلوم جہلم سے ۲۴ صفحہ کا نکالا کریں گے جس سے امیدواران امتحان مڈل وانٹرنس کو پوری امداد مل سکے گی اور ان امتحانات کے لیے جتنے مضامین ضروری ہیں ان کو سلسلہ وار ایسی خوبی وخوش اُسلوبی اور طریقہ سے علیحدہ علیحدہ حصص میں شائع کیا جائے گا کہ سال کے اختتام پر اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو ہر ایک مضمون بطور ایک رسالہ کے بن سکے اور قیمت بھی ایسی مقرر کی جائے گی جو کسی کو ناگوار معلوم نہ ہو......دو سو (۲۰۰) درخواست کے آنے پر جنوری ۱۸۸۸ء سے اس رسالہ کا اجراء شروع ہو

جائے۔

المشتہر: فقیر محمد مہتمم سراج الاخبار، جہلم

(۲۱ نومبر ۱۸۸۷ء صفحہ ۸)

سراج الاخبار کے متعلق ضروری معلومات اوپر نقل ہو چکیں اب ہم چند اہم مذہبی خبروں کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ناموس رسالت کا تحفظ و دفاع ہر دور میں مسلمانوں کی اولین ترجیح رہی ہے، کفار نا ہنجار ہمیشہ سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل اور مسلم امہ کی دل آزاری کے لیے اس بارے میں رخنہ اندازی کرنے سے باز نہیں آتے ۔علامہ اقبال نے کفار کی اسی سازش کی طرف امت مسلمہ کو متوجہ کیا ہے:

یہ فاقہ کش موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

ماضی قریب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب خاکے اور ویڈیوز کی اشاعت انہی مذموم سرگرمیوں کا تسلسل ہے۔ ذیل کے اقتباس سے یہ بات واضح ہو گی کہ فرضی خاکوں یا ویڈیو کی اشاعت وغیرہ کوئی نئی کارروائی نہیں بلکہ ایک عرصہ سے کفار کا وطیرہ رہا ہے۔

۲۹ مارچ ۱۹۱۵ء

عجائب خانہ لاہور میں تصاویر کا جو مجموعہ ہے بقول بعض اخبارات لاہور اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک تصویر دکھائی گئی ہے جس میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے نیچے بزبان انگریزی یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ محمد براق پر سوار ہیں اور فرشتے ان کو بہشت کو لے جارہے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے اپنے ہادی برحق کی۔ جو تصویروں اور بتوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے تصویر دیکھنا ناروا ہے اور وہ ایسی تصاویر کو دیکھ کر آزردہ خاطر ہوتے ہیں اس لیے عجائب خانہ لاہور سے تصویر مذکور فوراً علیحدہ کر دینی

چاہیے۔

۲۵ اگست ۱۸۹۰ء صفحہ ۲

لندن سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک تھیٹر میں جس کا نام (لاسیم) ہے ایک ناٹک ہوگا اور اس میں ایک شخص (ہنری اپردنگ نام) معاذ اللہ ہمارے رسول اکرم کی شکل بنے گا۔ یہی حادثہ چند روز ہوئے فرانس میں ہونے والا تھا جس کو ترکی سفیر نے روکا تھا اسی کی بدولت بمبئی کے مسلمانوں نے ناٹک چھوڑا۔ اب لندن میں وہی معاملہ پیش آیا ہم کو اُمید ہے کہ ہماری گورنمنٹ ضرور اس معاملہ کو روکے گی اور مسلمان رعایا کا دل نہ دُکھائے گی۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۹۰ء صفحہ ۶

لندن سے خبر آئی ہے کہ شہر لورپول کی نو مسلم کمیٹی کے پریذیڈنٹ نے ایک خط اخبار ٹائمز میں اس مضمون کا مشتہر کرایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ صاحب کے حالات تماشا ناٹک میں نہ لائے جائیں کیونکہ اس سے مسلمانوں کو رنج پہنچے گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اگر اسی طرح سے وہ مسلمان پارٹی بھی جو آج کل ولایت میں بغرض تحصیل علوم وفنون مقیم ہے اتفاق کر کے بذریعہ اخبارات ایسے رنج دہ تماشا کی نسبت جس کے کئے جانے کا وہاں انتظام ہو رہا ہے اپنی دلی نارضامندی کا اظہار کرے اور گورنمنٹ کو اس تماشا کی قباحتوں سے آگاہ و واقف کرے تو یقین کلی ہے کہ عادل اور نیک نیت برٹش گورنمنٹ جس کو کسی فرقہ اور قوم کی مذہبی اور دینی نارضامندی گوارا نہیں ہے فوراً اس تماشا کو ظہور میں آنے سے روکے گی۔

۲۴ نومبر ۱۸۹۰ء صفحہ ۴

لندن میں جو ''محمد'' نامی ناٹک ہونے والا تھا وہ تو کسی طرح مسلمانوں کی داد فریاد پر موقوف کیا گیا۔ اب خاص ہندوستان میں ایک ڈراما بنام ''محمد اور فاطمہ'' شائع ہونے والا ہے۔ شائع کرنے والے ہوشیار رہیں کہ مسلمان اس کو کبھی گوارا نہ کریں گے۔

۲۹دسمبر ۱۸۹۰ء

حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند نے محمد نانک کرنے کی جولندن میں ہونے والا تھا بوجہ مسلمانوں کی دل شکنی کے قطعی ممانعت کردی۔

۱۹۴۸ء میں عالمی سازش کے نتیجہ میں فلسطین کے ایک حصہ کو کاٹ کر مشرق وسطیٰ میں صیہونی ریاست ''اسرائیل'' کی بنیاد رکھ دی گئی۔ ذیل کی یہ خبر واضح کررہی ہے کہ عالم اسلام کے خلاف یہود ونصاریٰ کی یہ سازش کب پلان کی گئی:

۳ مارچ ۱۸۹۰ء ص ۳:

یہودیوں کو یروشلم میں آباد کرنے کے لیے مقام پیٹر برگ میں یہود کی ایک جماعت جس کا نام ''صیہون کے پیار کرنے والے'' قائم ہے جس نے تقریباً ایک ہزار آٹھ سو یہودیوں کو اور اور اطراف سے فلسطین میں آباد ہونے کے لیے بھیج دیا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ اسی طرح اپنی قوم لوگوں کو بھیجتی رہے تاوقت یہ کہ یروشلم پھر بنی اسرائیل سے معمور ہو جائے۔

ذیل کی یہ دونوں خبریں جماعت اہل سنت کی مقتدر شخصیات کو دعوت فکر دے رہی ہیں کہ ان کے غیر ذمہ دارانہ طرز عمل اور باہمی افتراق کے سبب اقلیتی ٹولے کس قدر مضبوط ہو چکے ہیں اور اہل سنت کس قدر تنزل کا شکار ہو چکے ہیں:

۲۴ اپریل ۱۸۹۳ء

لاہور میں اب کے فرقہ غیر مقلدین کی عید کی نماز میں دو جماعتیں مقام پریڈ میں ہوئیں اور وہ بھی پولیس کی حراست میں۔ ایک طرف مولوی محمد حسین صاحب (بٹالوی) کا گروہ اور دوسری طرف مولوی رحیم بخش صاحب کا گروہ تھا۔

۱۹ جون ۱۸۹۳ء

بمبئی میں ۹۰ مسجدیں اہل سنت کی اور دس مختلف فرقوں کی ہیں۔



(II)

مولانا فقیر محمد جہلمی مالک سراج الاخبار (جہلم)

مولانا اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

راقم یعنی فقیر محمد بن حافظ محمد سفارش بقرینۂ غالب ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں موضع چتن میں جو شہر جہلم سے دو میل کے فاصلہ پر بجانب غرب واقع ہے، پنج شنبہ کے روز رات کے وقت پیدا ہوا، جب چھ سات سال کا ہوا تو پڑھنے پر بٹھایا گیا اور قرآن شریف کے ختم کے بعد کتب فارسیہ میں مشغول ہوا اور موضع ٹالیانوالہ میں جو چتن سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔میاں قطب الدین مرحوم سے پڑھنے جاتا لیکن اکثر روز راستہ میں ہی موضع جادہ میں اپنے ماموں حافظ فتح علی مرحوم کے پاس رہ جاتا اور اپنے ماموں زاد میاں غلام محمد مرحوم سے بھی جو ایک ذہین و مستعد صاحب علم تھے، استفادہ کرتا۔اسی اثنا میں فقیہ اجل عالم بے بدل مولوی نور احمد صاحب تلمیذ فقیہ فاضل محدث کامل مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مصنف ازالۃ الاوہام واعجاز عیسوی واظہار الحق وغیرہ حال نزیل و مدرس مکہ معظّمہ جب لاہور سے مراجعت فرما کر اپنے وطن مالوفہ موضع کھائی کوٹلی میں جو جہلم سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے، سکونت پذیر ہوئے تو یہ احقر بھی ان کے درس میں جو اس وقت علاقہ جہلم میں کیا بلکہ کل پنجاب میں ایک بے نظیر گنا جاتا تھا۔حاضر ہوا اور کئی سال ان کی خدمت میں صرف، نحو، فقہ و دیگر علوم کی ابتدائی کتابوں کو سبقاً سبقاً پڑھا۔ بعد ازاں راول پنڈی چلا گیا جہاں پہلے مولوی عبدالکریم صاحب حال مفتی شاہ پور سے جو کچھ دنوں کے لیے وہاں وارد تھے، منطق شروع کی اور ان کے وہاں سے چلے جانے پر مولوی محمد حسن صاحب فیروز والہ سے جو وہاں بہ تلاش روزگار تشریف لائے ہوئے تھے۔پڑھنا شروع کیا، انہی دنوں ۱۲۷۶ھ میں دہلی کا ارادہ کیا اور ایک فوج کے ساتھ جو کانپور کو جاتی تھی۔دہلی میں پہنچا۔ پہلے پہل پنجابی کٹرہ میں مولوی نذیر حسین صاحب کے درس میں حاضر ہوا مگر انہوں نے یہ عذر کر کے کہ ہم معقولات

نہیں پڑھا سکتے، مولوی محمد شاہ صاحب مصنف مدارالحق کے سپرد کر دیا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد بستی نظام الدین اولیاء میں جناب صدر الافاضل اعز الاماثل مولانا مفتی محمد صدرالدین خاں صاحب صدر الصدور دہلی تلمیذ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث کی خدمت میں چلا گیا جن کے درس میں تقریباً ڈیڑھ سال رہ کر قراءۃً وسماعاً کتب درسیہ متداولہ کا عبور کیا اور اواخر ۱۲۷۷ھ میں وہاں سے مراجعت کر کے اپنے وطن مالوفہ میں آیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد لاہور میں چلا گیا جہاں فاضل جلیل القدر فقیہ فرید الدہر مولوی کرم الٰہی صاحب متوفی ۱۲۸۲ھ سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا اور ساتھ ہی اس کے خوش خطی حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگئی اور 'من جد فوجد' کا مصداق ہو کر مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں کتابت کی خدمت پر مقرر ہو گیا، انہی دنوں میں ۱۲۸۴ھ میں عالم بے نظیر مناظر حسن التقریر مولوی حافظ ولی اللہ لاہوری کی پادری عمادالدین سے امرتسر میں تحریری بحث ہوئی جس سے مجھ کو بھی تردید عقائد نصاریٰ کا شوق پیدا ہوا اور حافظ صاحب مرحوم سے بھی کچھ استفادہ کر کے اس فن میں مہارت پیدا کی...... (حدائق الحنفیہ :۲۲)

جناب خورشید احمد خاں نے خوش نویسی میں آپ کے اساتذہ میں مرزا امام ویردی، صوفی غلام محی الدین وکیل اور میر احمد حسن کاتب دہلوی کا ذکر کیا ہے۔ (ایضاً)

اس کے علاوہ آپ ایک رسالہ ''انوار الشمس'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔ رد نصاریٰ میں چند مضامین تحریر کیے جو کہ اخبار کوہ نور (لاہور) [الف] اور اخبار منشور محمدی (مدراس) [ب] میں شائع ہوئے۔

مولوی محمد الدین فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین، لاہور لکھتے ہیں:

''مولوی فقیر محمد صاحب اپنے تمام معاصرین میں سب سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔'' (اخبار نویسوں کے حالات :۶۱)

مارچ ۱۸۷۵ء کو ''آفتاب پنجاب'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور نو (۹) سال تک اخبار کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔

۲۸ اگست ۱۸۸۶ء کو مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کے اکلوتے بیٹے محمد سراج الدین کا

چھ(۶) سال کی عمر میں بعارضۂ تپ محرقہ انتقال ہو گیا جس سے آپ کو نہایت گہرا صدمہ پہنچا۔ چنانچہ مولانا سراج الاخبار میں اس صدمۂ جان کاہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہم اس سال کے آدھے حصہ سے برابر اپنے لخت جگر محمد سراج الدین مرحوم(۱) کے جاں گداز جگر سوز حادثہ وفات سے ایسے دردوالم میں مبتلا ہیں کہ جس کا اندازہ اس عالم الغیب یا ہمارے دل دردمند کے بغیر کوئی نہیں جانتا؛

ٹکڑے ہوتا ہے جگر جی ہی پر بن جاتی ہے
موت جب اس گل رعنا کی جو یاد آتی ہے

اور باوجودیکہ اس غنچہ دہن اور بلبل ہزارداستان کی دائمی فرقت کو پورے چار ماہ گزر گئے ہیں مگر غم والم کا یہ عالم ہے کہ ہنوز روز اول معلوم ہوتا ہے اور ہر وقت اشعار ذیل وردزبان ہیں؛[۲]

کف دست افسوس ملتے ہیں سب جنہوں نے تھا دیکھا محمد سراج
چہ صورت چہ سیرت میں تھا اک فرشتہ بشکل بشر تھا محمد سراج
فطانت ذہانت کا تھا ایک پتلا ذکی بے مثل تھا محمد سراج
فلک کو نہ بھائی ہماری خوشی جہاں سے اٹھایا محمد سراج
گیا ہم کو جلدی سے کر بے چراغ ہمارا پیارا محمد سراج

(سراج الاخبار ۳ جنوری ۱۸۸۷ء صفحہ ۶)

اس غم کو بھلانے کے لیے مولوی محمد الدین صاحب کے ساتھ کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر کے مفصل احوال مولانا نے ''اخبار نویسوں کے حالات'' میں درج کیے ہیں۔

مولانا فقیر محمد جہلمی کا وصال ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۲۷ ذی الحج ۱۳۳۴ھ بسبب مرض اسہال بحالت نماز ہوا۔ اور جہلم شہر کے قبرستان میں اپنے بیٹے سراج الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔[۳]

مولانا کی صاحب زادی محترمہ غلام مریم صاحبہ بیان فرماتی ہیں کہ وفات سے پہلے مولوی صاحب کو بار بار اجابت ہو رہی تھی مگر وہ ہر بار اجابت کے بعد وضو کرتے، آخر وقت

تک کوئی نماز قضا نہیں کی اور فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے وضو جانا پسند نہیں کرتا۔ (حدائق الحنفیہ : ۲۳)

تصانیف:

ا۔ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل

یہ کتاب مشتملہ ۱۶۸ صفحات ۱۳۰۷ ہجری بمطابق ۱۸۸۹ء کو مصنف کے ذاتی مطبع سراج المطابع، جہلم سے شائع ہوئی۔ کتاب پر مصنف کا نام یوں تحریر ہے:

''عمدۃ المناظرین زبدۃ المباحثین مولوی فقیر محمد صاحب مالک سراج الاخبار، جہلم و مصنف حدائق الحنفیہ و رسالہ آفتاب محمدی وغیرہ''

مصنف نے سراج الاخبار کے متعدد پرچوں میں اس کتاب کا تعارف بدیں الفاظ تحریر کیا:

''اہل تحقیق ہر مذہب و ملت کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً مژدہ ہو کہ کتاب مندرجہ عنوان جو کچھ عرصہ سے مطبع سراج المطابع، جہلم میں چھپ رہی تھی۔ الحمدللہ اب بڑی صفائی اور خوش خطی سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے جس میں پادری فنڈر صاحب اور دیگر عیسائیوں کے اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہے جو پادری موصوف نے اپنی کتاب حل الاشکال کے چار پانچ ورق میں اناجیل اور نامہ جات کی آیات اور اخلاق احکام کو نقل کر کے بڑے فخر سے دعوی کیا تھا کہ ایسے روحانی احکام قرآن میں بالکل نہیں پائے جاتے۔ راقم نے ان سب آیات و احکام کو چند فصلوں میں منقسم کر کے پہلے ان کو نقل کیا، پھر۔۔۔۔ احکام قرآن شریف سے اور کچھ بطور نمونہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ سے نقل کر کے اخیر میں بطور قول فیصل قرآن شریف کے احکام کو اناجیل کے بیانات پر من کل الوجوہ ترجیح دے کر اچھی طرح سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن شریف من حیث الاحکام روحانی اور اخلاقی بھی اناجیل پر کلی ترجیح رکھتا ہے۔ اس کتاب کے ابتداء میں

ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں پانچ امر ایسے ضروری و لابدی بیان ہوئے ہیں جو اناجیل مروجہ کی پوست کندہ قلعی کھولتے ہیں چنانچہ امر اول میں اناجیل مروجہ کا قطعی دلائل سے غیر الہامی ہونا ثابت کر کے امر دوم میں جتایا گیا ہے کہ بعض اناجیل غیر مروجہ خصوصاً انجیل برنباس سے الہام منفک نہیں ہوسکتا اور قرآن شریف بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ امر سوم میں نبی آخر الزمان اور قرآن شریف کی ضرورت کو دلائل قویّہ سے ثابت کر کے امر چہارم میں محققین مسیحیوں کی شہادتیں تعلیم محمدی کی عمدگی پر درج کی ہیں۔ امر پنجم میں قرآن کی خصوصیات اور اناجیل مروجہ کا ان سے عاری ہونا بیان کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن شریف اور کتب احادیث تو ایک طرف رہے۔ اناجیل مروجہ تقویت میں اہل اسلام کی معتبر کتب سیر کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ یہ کتاب متذکرہ بالا معلومات حاصل کرنے کے علاوہ واعظین اسلام کے لیے بھی بڑی کارآمد ہے اور ان کو اخلاقی۔۔۔دے سکتی ہے۔

غرض اس بے نظیر کتاب کی خوبیاں بقول مسلمہ ''مشک آنست کہ خود ببوئد'' صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

المشتہر فقیر محمد مالک سراج الاخبار، جہلم

کتاب کی ترتیب نہایت عمدہ ہے مولانا مختلف موضوعات کے متعلق پہلے اناجیل مروجہ اور نامہ جات حوار یین سے مسیحی تعلیمات کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے مقابل میں آیات قرآنی و احادیث نبوی و کلام صحابہ کو نقل کرتے ہیں اور پھر ''وجہ ترجیح تعلیم محمدی'' کے عنوان سے فیصلہ بھی تحریر کرتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں علامۃ الدہر فہامۃ العصر مولانا ابوالدرجات غلام جیلانی صاحب [۴] خلف الرشید جناب مولانا محمد عالم صاحب رئیس کھوڑی ضلع گجرات کی منظوم تقریظ و قطعۂ تاریخ بزبان عربی و فارسی موجود ہے۔ علاوہ ازیں مولانا فقیر محمد جہلمی نے خود بھی قطعۂ تاریخ بزبان فارسی رقم فرمایا۔ اخیری صفحات میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے وصایا کو تحریر کیا گیا ہے۔

۲۔آفتاب محمدی:

یہ رسالہ مشتملہ ۵۲ صفحات مطبع محمدی لاہور سے ۱۳۰۰ ہجری بمطابق/ میں شائع ہوا۔
سرورق پر مصنف کا اسم گرامی یوں تحریر ہے:

''از تصانیف عالم معقول ومنقول ماہر فروع واصول خادم دین محمدی مولوی فقیر محمد صاحب حنفی ایڈیٹر اخبار آفتاب پنجاب، لاہور''

یہ رسالہ وہابیہ کے رسائل ستارۂ محمدی اور شہاب ثاقب کے جواب میں اور مولانا غلام قادر بھیروی اور مولانا بغدادی کی کتاب صمصام قادری وسنان بغدادی کی تائید میں تحریر ہوا۔

پس منظر یہ ہے کہ سیالکوٹ میں وہابیہ کے سرکردہ مولویوں سے مولانا غلام قادر بھیروی[۵] اور مولانا بغدادی کا مناظرہ ہوا۔موضوع بحث اسمٰعیل دہلوی کی گستاخانہ عبارات مندرجہ تقویۃ الایمان تھیں۔اس مناظرہ میں وہابیہ کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

''اس فرقہ کے بڑے بڑے سرغنے علاوہ ضلع سیالکوٹ کے جہلم ووزیرآباد وغیرہ مقامات دُور دراز سے آ کر کوس لمن الملک اور ھمچو من دگرے نیست کا دم مارہے تھے مگر سب کے سب ایسے ساکت ہوئے کہ ایک ہی فلاخن میں جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا کے مصداق بنے اور ایسی رُسوائی نصیب ہوئی کہ خدا اعداء کے بھی نصیب نہ کرے۔اس وقت تو سب لوگوں کو یہی یقین ہوگیا تھا کہ اب یہ فرقہ اپنے پیشوا کے عقائد فاسدہ سے باز آ کر آئندہ کو اس کی تقلید سے توبۃ النصوح کرے گا مگر ''شرم چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید'' تھوڑے ہی دنوں کے بعد شیخ محی الدین تاجر کتب لاہور نے (جس کو ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم سے دلی بغض وعداوت ہے اور ایک دو ایسے اہل علم کی مدد سے جو بسبب اپنی سادہ لوحی بلکہ مخبوط الحواسی کے بطور دیگر وجہ معیشت کے پیدا کرنے سے معذور ہیں-ہروقت اسی مخمصہ میں مستغرق رہتا ہے کہ کہیں کوئی نقص حنفیوں میں ملے کہ جلدی چھپوا کر اس کے

دام کھرے کروں) بجواب اس اشتہار کے جو صمصام قادری اور سنان بغدادی کے نام سے اس غرض سے مشتہر ہوا تھا کہ مباحثہ مذکور کا راست راست واصل واصل سب حال اہل دُور دراز کو بخوبی معلوم ہو جائے- ایک رسالہ ستارۂ محمدی کے نام سے تالیف کر کے چھپوایا اور اس میں ...... اپنے پیشوا کے عقائد باطلہ کو جو سراسر توہین انبیاء علیہم السلام پر دال تھے- مدلل ثابت کر کے ضلوا واضلوا کا مصداق بنا، جس کا جواب الجواب بھی ترکی بہ ترکی رسالہ نیّر اعظم فی تفضیل رسول الاکرم نام میں چھپ گیا لیکن انہیں ایام میں ایک اور رسالہ شہاب ثاقب نام مولوی عبداللہ صاحب غیر مقلد نے چھپوایا جس میں انہوں نے اپنی دانست میں مؤلف ستارۂ محمدی سے خفت انبیاء کو قوی دلائل سے ثابت کیا چونکہ اس کے مؤلف نے عام اس سے کہ اس نے خود دھوکہ کھایا یا دھوکہ دہی عوام کی غرض سے عمداً اپنے دعویٰ میں کتابوں کی ایسی عبارات کو پیش کیا جن کو ان کے مدعا سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے مگر ان سے عوام کا جلد دھوکہ میں آ جانا متصور ہے اور نیز مؤلف ستارۂ محمدی نے ستارہ کو از سر نو ترمیم اور اس میں کچھ اضافہ کر کے مکرر چھپوایا ہے اور ایسے ایسے مقامات کو جن پر طفل مکتب بھی بازاروں میں تمسخر کرتے اور کہتے پھرتے ہیں کہ تیرہ سو سال تک تو ستارۂ محمدی نہ چمکا تھا اب تیرہویں صدی کے اخیر میں ایک تاجر کتب کی دوکان سے چمک اٹھا بالکل نکال کر ان کی جگہ اور حشو و زاید بھر دیا- اس لیے اس بندۂ درگاہ نے باوجود عدم فرصتی اور کثرت شواغل دنیاوی کے ...... یہ انسب جانا کہ جس طرح ہو سکے اس رسالہ کا مختصر جواب لکھ کر مسلمان بھائیوں کو ورطۂ ضلالت میں پڑنے سے روکا جائے اور ساتھ ہی ستارۂ محمدی کی ہفوات کا رد بھی مختصراً لکھ دیا جائے تاکہ یہ جواب الجواب بیک کرشمہ دو کار کا کام دے اور اس کے علیحدہ جواب کے لیے لوگوں کو چنداں محتاج نہ ہونا پڑے پس اس رسالہ کا نام ''آفتاب محمدی'' رکھا-'' (آفتاب محمدی: ۷-۶ ملخصاً)

۳- حدائق الحنفیہ

مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کی تصانیف سے یہ کتاب سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئی۔ غیر مقلدین نے علمائے کرام خصوصاً فقہائے حنفیہ بالخصوص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حد درجہ تحقیر وتوہین کرتے تھے چنانچہ مولانا فقیر محمد جہلمی نے علمائے کرام کے تراجم وحالات لکھنے کا قصد کیا اور تین سال کی کامل محنت سے ۱۲۹۷ھ میں مکمل کیا اور ''حدائق الحنفیہ'' نام رکھا، کتاب کو تیرہ (۱۳) حدائق میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مقدمہ کتاب میں فقہ وفقہاء کرام کی فضیلت اور ان کے طبقات کا بیان ہے۔ حدیقۂ اول چار خیابان پر مشتمل ہے، پہلے خیابان میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے حالات، دوسرے میں آپ کا رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہونا، تیسرے میں علمائے کرام کے اقوال سے امام اعظم کے مناقب اور چوتھے میں معترضین کے اعتراضات ومطاعن کا جواب دیا گیا ہے۔

حدیقۂ دوم میں دوسری صدی کے فقہاء وعلماء کے حالات، حدیقۂ سوم میں تیسری صدی اور یونہی بالترتیب حدیقۂ سیزدہم میں تیرہویں صدی کے فقہاء وعلماء کے حالات درج ہیں۔

مطبع نامی نول کشور سے شائع ہوئی۔

۴۔ تکملہ مباحث دینی حافظ ولی اللہ لاہوری و پادری عمادالدین:

مباحثۂ دینی مصنفہ حافظ ولی اللہ لاہوری[۲] پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی لاہور سے شائع ہوا۔ صفحہ ۳۷ تا ۵۶ مولانا فقیر محمد جہلمی کا تحریر کردہ تکملہ ہے۔

پروفیسر خورشید احمد سعیدی صاحب مباحثۂ دینی مصنفہ حافظ ولی اللہ لاہوری کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''اس کے ٹائٹل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مباحثہ حضرت حافظ ولی اللہ اور پادری عمادالدین کے درمیان مارچ ۱۸۶۷ء میں امرتسر میں ہوا تھا۔ اس گفتگو پر تکملہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے ۱۸۷۴ء میں تحریر کیا۔ اس مباحثہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مباحثہ چند جلسوں میں مکمل ہوا تھا۔ پہلا جلسہ ۴ مارچ ۱۸۶۷ء کو امرتسر میں مولوی احمد اللہ کے مکان پر ہوا تھا۔ دوسرا جلسہ ۵ مارچ ۱۸۶۷ء کو

پادری کلارک کی کوٹھی پر ہوا۔ پہلے جلسے کے موضوعات حقیت اناجیل مروجہ، صفات باری تعالیٰ، نبی کا معنی اور مفہوم، نبوت کی شرائط، بازاروں میں تقسیم ہونے والے توراۃ اور اناجیل کے نسخوں کی صحت و معتبری تھے۔ انہی موضوعات پر پہلے پادری عماد الدین نے گفتگو کی پھر حضرت حافظ ولی اللہ صاحب نے جواب میں اس کے موقف کی کم زوری اور بطلان پر دلائل پیش کیے۔ دوسرے جلسے میں تقریباً انہی موضوعات پر فریقین نے گفتگو جاری رکھی۔ تیسرا جلسہ ۷ مارچ ۱۸۶۷ء کو ہوا۔ اس جلسے میں اخلاقیات، جہاد، کفار وغیرہ کے حوالے سے سوال جواب اور اعتراض ورُدود پیش کیے گئے۔

یہ مباحثہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے کہ عیسائی کیسے حیلے بہانوں سے حضرت حافظ ولی اللہ لاہوری کا سامنا کرنے سے گھبراتے تھے۔ پادری عماد الدین نے اس مباحثہ کو ''مباحثۂ اتفاقی'' کے نام سے شائع کروایا اور اس میں کئی غلط بیانیاں کیں۔ اس وجہ سے حضرت مولوی فقیر محمد جہلمی نے اصل تفصیلات اور انکشافات بیس (۲۰) صفحات کے تکملہ میں پیش کر دیں۔ فن مناظرہ اور اس کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے اس مباحثے کا مطالعہ بلا شک وشبہ بہت مفید اور معلوماتی ہے۔''

۵۔ عمدة الابحاث فی وقوع الطلاقات الثلاث

مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک اہم کتاب ہے۔ سراج الاخبار مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۱۰ء میں اس کا اشتہار شائع ہوا جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''جس میں تین طلاق ایک دفعہ کے تین ہی واقع ہو جانے کے مسئلہ کو ایسے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حافظ ابن قیم اور قاضی شوکانی کے متبعین کو صرف ایک ہی طلاق واقع ہونے کا فتوی دینے سے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا امامان مسجد اور نکاح خوانوں کو اپنے پاس رکھنا نہایت ہی ضروری ہے۔''

جناب خورشید احمد خان صاحب نے حدائق الحنفیہ (ص:۲۳) کے مقدمہ میں اس

رسالہ کا سال تصنیف ۱۹۱۵ء لکھا ہے جو کہ درست نہیں۔

۶۔ تصدیق المسیح (ترجمہ اردو)

تصدیق المسیح فاتح عیسائیت حافظ ولی اللہ لاہوری علیہ الرحمۃ کی لاجواب تصنیف ہے جو کہ عبداللہ آتھم کے ۲۳ سوالات کے جواب میں بزبان فارسی تحریر کی۔ مولانا فقیر محمد جہلمی نے نے اس کا اردو ترجمہ کر کے مطبع کوہ طور لاہور سے ۱۸۷۰ء میں طبع کروایا۔ حافظ ولی اللہ لاہوری نے پادریوں سے مباحثہ کے دوران ۲۳ سوالات پادری صاحبان سے کیے تھے جن کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ ۱۸۷۸ء میں تصدیق المسیح (اردو) کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا جس میں پادری صاحبان سے کیے گئے ۲۳ سوالات کو بھی کتاب میں شامل کر دیا گیا۔ تیسرا ایڈیشن ۱۸۹۱ء میں اسلامیہ پریس لاہور سے شائع ہوا۔

مترجم کتاب مولانا فقیر محمد جہلمی ابتدائیہ میں تحریر کرتے ہیں:

''فقیر محمد ساکن موضع چتن ضلع جہلم جملہ محققین کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ عرصہ تخمیناً ۲۰ سال کا ہوا ہے کہ عبداللہ آتھم صاحب تحصیل دار ترنتارن نے تئیس (۲۳) سوال اسلام کی بابت تحریر کر کے اہل اسلام کو ان کے جواب کی تکلیف دی تھی جن کے جواب میں کتاب تصدیق المسیح فارسی زبان میں تالیف ہوئی جب سائل نے اپنے سوالات کا جواب باصواب پایا تو صاف روبروئے فاضل بے مثل حضرت حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری کے اقرار اس بات کا کیا کہ حقیقت میں یہ میرے سوالات صحیح اور درست نہ تھے محض ناواقفیت کی حالت میں مجھ سے تحریر ہوئے ہیں۔ فقط۔ لیکن اب پھر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہی سوالات بعینہ مطبع مشن لدھیانہ میں چھپ کر عوام کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور ناحق بے چارے ناواقف مسلمانوں خصوصاً مشن کے پڑھنے والوں کو کہ جن کو کچھ بھی اپنے مذہب سے واقفیت نہیں جواب کی تکلیف دی جاتی ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ مدت سے یہ سوالات اسلام کی بابت تحریر ہوئے ہیں مگر آج تک کسی نے ان کا جواب نہیں لکھا جس

حالت میں کہ سرکار گردوں وقار نصفت شعار کو از روئے قانون کسی کے مذہب کی تحقیر منظور نہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ کسی طرح سوالات کے جواب لکھنے کی بھی کچھ ممانعت اور پابندی نہیں ہے اس لیے بندہ نے نہایت مناسب سمجھا کہ کتاب مذکور کو واسطے استفادہ عوام کے فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کرے چنانچہ ۱۲۸۷ھ میں حسب تحریک چند احباب اس کو میں نے اردو میں ترجمہ کیا اور بعض بعض جگہ لفظ من مترجم لکھ کر اپنی طرف سے بھی کچھ تشریح وتوضیح کر دی اور نام اس کا بدستور وہی تصدیق المسیح جو اصل مطلب پر دلالت کرتا ہے۔''

۷۔صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان فی رد تحقیق الایمان (حواشی)

یہ کتاب بھی مولانا فقیر محمد جہلمی کے استاذ گرامی حافظ ولی اللہ لاہوری صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے امرتسر کے پادری عماد الدین کی کتاب ''تحقیق الایمان'' کے جواب میں تحریر فرمائی۔ ۱۲۹۸ھ میں مطبع مصطفائی لاہور سے شائع ہوئی۔کل صفحات ۲۴۸ ہیں۔

کتاب دو مقدموں اور نو فصلوں پر منقسم ہے۔ ابحاث کتاب میں تثلیث، ابنیت مسیح، کفارہ، نجات، اناجیل کی سندات، اناجیل کے داخلی تناقضات، مباحثہ ومناظرہ کے قواعد وضوابط، اناجیل میں واقع ہونے والی تحریف، احادیث ومعجزات نبوی پر اعتراضات کا جواب وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس کتاب پر حواشی لکھ کر شائع کروایا تھا۔(حدائق الحنفیہ :۲۲)

۸۔ابحاث ضروری (حواشی)

ابحاث ضروری مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کے استاذ گرامی حافظ ولی اللہ لاہوری علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے جو کہ پہلی بار مطبع مصطفائی سے ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی اور بعد ازاں جواب الجواب رسالہ شکوک کفارہ کے ساتھ مطبع محمدی لاہور سے ۱۸۷۸ء میں چھپی۔ اس میں ایک مقدمہ اور چھ فصول ہیں۔ ان میں عیسائیوں کے متفرق اور مختلف فرقے، عہد نامہ جدید کی مروجہ اور مردودہ کتب کی تفصیل، اعمال حسنہ کی تاکید، نجات کے

لیے فدیے اور کفارے کے عقیدے کا بطلان، ردالوہیت مسیح علیہ السلام اوران کی انسانیت کا اثبات، اناجیل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات اور ان پر عیسائیوں کے شبہات کا رد، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی جامعیت اوراس پر عیسائیوں کے اعتراضات کا رد اور آخر میں قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا اوراس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا ردشامل ہیں۔ (ابحاث ضروری، تقدیم: ۲۰)

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اس پر وقیع حواشی لکھ کر شائع کروایا۔ ۱۳۳۲ھ میں اس کا جدید ایڈیشن پروفیسر خورشید احمد سعیدی صاحب کی تحقیق سے دارالاسلام لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ غایۃ التنقید فی وجوب التقلید

اس کتاب کا ایک ناقص نسخہ ہم کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری [۷] سے دستیاب ہوا۔ سرورق اوراخیری صفحات نہ ہونے کے سبب اشاعتی معلومات بہم نہ ہوسکیں۔ سبب تالیف کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

''نیاز مند فقیر محمد جہلمی اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ ترک تقلید کی مذمت اوراس کے وجوب کے اثبات میں اگر چہ اکثر اہل علم حنفی بھائیوں نے بہت سے کتابیں ورسالے تصنیف کر کے اپنی طرف سے اسلام کی سچی خیر خواہی اور واقعی ہمدردی کا فرض ادا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے وہ کتابیں وغیرہ زیادہ تر تقلید مذہب معین کے اثبات میں پائی جاتی ہیں حالانکہ اب غیر مقلدین نے اپنے نفس وہوا کی بلند پروازی وآزادی کو یہاں تک وسعت دے دی ہے کہ بے چاری تقلید مذہب معین تو ایک طرف رہی خود ادلہ اربعہ شرعیہ میں سے اجماع وقیاس مجتہد اورائمہ مجتہدین کی تقلید مطلق سے تحریراً وتقریراً انکار ہو کر ہر ایک غیر مقلد کچھ لکھا پڑھا خود مجتہد بننے اور ہم چومن دگرے نیست کا دم مارنے لگا ہے......

پھر غضب یہ کہ اپنا نام عوام کو ورغلانے کے لیے ''اہل حدیث'' رکھا ہے۔ العیاذ باللہ۔ علاوہ اس کے صرف یہی نہیں بلکہ انہیں غیر مقلدین بظاہر عاشقین سنت نبویہ میں سے ایک گروہ نے جو پہلے بات بات پر حدیث ہی حدیث پکارا کرتا تھا یہاں تک تقلید سے نفرت میں ترقی کی ہے کہ خود رسول خدا فداہ ابی وامی کی سنت موکدہ وغیرہ مرویہ کتب احادیث کی تقلید کو بھی شرک فی الالوہیت قرار دے کر ترک کر دیا ہے اور برملا تقریراً و تحریراً فتوی دے دیا ہے کہ سنت نبویہ صرف وہی اقوال و افعال ہیں جو قرآن مجید میں صریحاً مذکور ہیں اور کتب احادیث میں جس قدر احکام قرآن سے علاوہ مروی ہوئے ہیں معاذ اللہ وہ سب محدثین کا اختراع ہیں جو ہرگز قابل عمل درآمد نہیں ہیں حالانکہ انہیں غیر مقلدین کی شاخ نیچریہ و مرزائیہ تو ان احادیث کی قائل بھی تھی جن پر صحابہ کرام کا تعامل ہوا ہے مگر یہ برائے نام اہل قرآن یعنی چکڑالوی شاخ ترک تقلید میں سب پر سبقت لے گئی ہے اور جس طرح غیر مقلدین ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مشرک کہہ دیا کرتے تھے ویسے ہی خود غیر مقلدین ہی سے فرقہ چکڑالویہ مقلدین سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشرک کہہ رہا ہے جس کا یہ معنی ہے کہ غیر مقلدین کو مقلدین کے ناحق مشرک کہنے کی سزا خود اپنے ہی ایک فرقہ کے لوگوں سے مل رہی ہے مگر چونکہ چکڑالوی فرقہ سے اسلام کے دو بڑے ارکان قرآن و حدیث میں سے ایک رکن یعنی حدیث کا انکار کرنا کفر ہے اور اسلام کے صراط مستقیم کے لیے ائمہ مجتہدین کی ترک تقلید ام الفساد اور بے دینی کی جڑ ثابت ہوئی ہے اور ہر کس و ناکس کو اپنے اپنے فہم و رائے سے اپنا اپنا من بھاتا مسئلہ نکال کر اس پر خود چلنے اور دوسرے لوگوں کو چلانے سے شرع اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اس لیے میرا مدت سے ارادہ تھا کہ تقلید کے بارے میں زمانہ کے مطابق کوئی ایسا محدثانہ و فقیہانہ رسالہ لکھا جائے جو ہر قسم کے غیر مقلدین وغیرہ کو شامل ہو اور اس میں ہر ایک شاخ کے مذاق کے مطابق تقلید کے اثبات میں ایسے دلائل دیے جائیں کہ ان کی تسلیم میں کسی کو

بھی چون و چرا کی گنجائش نہ ہو سکے لیکن اس ارادہ کے پورا ہونے میں چند در چند موانع حائل ہوتے رہے مگر اب اللہ جل وعلا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ باوجود عدم فرصتی کے بھی حسب تغیر حالات منکرین تقلید کے محض قرآن واحادیث اور ان کی تفاسیر و شروح سے ہی تقلید ائمہ اربعہ کے اثبات میں رسالہ لکھا گیا۔" (ص:۲)

۱۰۔ صلوٰۃ الوتر کصلوٰۃ المغرب:

یہ کتاب مولوی احمد اللہ و مولوی حسام الدین صاحبان ساکن کوٹلہ ائمہ تحصیل جہلم جو ایک وتر یا تین رکعت بیک تشہد کے قائل ہیں۔ کے ایک فتوی کے جواب میں تحریر کی۔

مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

اس رسالہ میں جو ۱۲۰ صفحہ کا ہے نماز وتر کا حنفی مذہب کے بموجب ۱۲۳ احادیث و آثار سے تین رکعت و تشہد ہونا ثابت کیا گیا ہے اور غیر مقلدین صرف ایک رکعت وتر یا تین رکعت بیک تشہد کے قائل ہیں ان کی کل دلیلوں اور اعتراضوں کی باشرح و بسط ایسی خوبی و خوش اُسلوبی سے تردید کی گئی ہے کہ جس سے سوائے سکوت کے ان کو کوئی چارہ نہیں۔ (سراج الاخبار مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء ص ۸)

جناب خورشید احمد خان صاحب نے حدائق الحنفیہ کے مقدمہ میں درج ذیل کتب کو بھی مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے جبکہ یہ درست نہیں:

(۱) مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف:

اس ضمن میں مولانا ابوالفیض محمد حسن کا ایک اشتہار سراج الاخبار مورخہ ۲۳ اپریل ۱۸۹۴ء میں لکھتے ہیں:

"مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف۔ کتاب مندرجہ عنوان مولوی احمد الدین صاحب ساکن ٹھاکرہ موہڑہ ضلع راول پنڈی نے لکھی ہے۔ میں نے اس کتاب کو جہاں تک دیکھا ہے، خوبیوں سے لبالب پایا ہے۔ شیعہ

کے بہتانات کوان کی ہی کتابوں سے بقید صفحہ تردید کرتی ہے، تمام مسائل مخترعہ شیعہ پر بحث کرتی ہے اوران کی تردید کافی دلائل سے پیش کرتی ہے۔ کتاب مذکور تحفہ روزگار ہے، اس لیے خدمت میں مسلمانوں کے گذارش ہے کہ وہ مولوی صاحب کواس کتاب کے چھپوانے کے لیے اپنی استطاعت کے موافق نقد روپیہ سے دے کر ثواب حاصل کریں تا کہ کتاب مذکور چھپ کر ہر ایک آنکھ کا نوراور ہر ایک دل کا سرور ہو جائے۔ راقم: ابوالفیض محمد حسن ساکن بھیں تحصیل چکوال[۸]''

(۲) ہدیۃ النجباء: مولانا کرم الدین دبیر کی تصنیف ہے حال ہی میں اس کا جدید عکسی ایڈیشن جناب میثم عباس رضوی صاحب نے شائع کیا ہے۔

(۳) السیف الصارم لمنکر شان امام الاعظم: مصنف نامعلوم

(۴) السیف المسلول لاعداء الخلفاء الرسول:

یہ کتاب بھی مولانا کرم الدین دبیر صاحب کی تصنیف ہے جو کہ رسائل ثلاثہ مطبوعہ رفیق عام پریس لاہور میں شامل ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

(III)

غازئ اسلام مولانا کرم الدین دبیر (ایڈیٹر سراج الاخبار)

مولانا کرم الدین دبیر ۱۸۵۳ء میں صوبہ پنجاب کے ضلع جہلم کے علاقہ ''بھیں'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق اعوان برادری سے ہے، والد گرامی کا نام صدرالدین ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ سے حاصل کرنے کے بعد لاہور تشریف لائے اور عربی ادب کے فاضل شہیر مولانا فیض الحسن سہارن پوری[۹] (پروفیسر اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے روبروزانوئے تلمذ طے کیے۔ پھر سہارن پور کا سفر کیا اور مولانا احمد علی سہارن پوری[۱۰] سے حدیث وعلوم حدیث کی تکمیل کی۔ علوم باطنیہ کی تکمیل کے لیے سیال شریف کا رُخ کیا اور حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ [۱۱] کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

آپ اہل سنت کے بے مثل مناظر تھے۔ ساری زندگی بے دین فرقوں کے رد میں بسر کی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری[۱۲] (اہل حدیث) و دیگر شیعہ و اہل حدیث و دیوبند علماء سے آپ کے مناظرے ہوتے رہے اور سب میں آپ کے مخالفین کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ [۱۳] نے آپ کو ''غازئ اسلام'' کا خطاب دیا۔

آپ سراج الاخبار (جہلم) کے ایڈیٹر رہے اور فتنۂ مرزائیت کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔ مرزا قادیانی نے آپ پر تین مقدمے کروائے جن کی مفصل روداد کتاب کے دوسرے باب میں آ رہی ہے۔ مولانا کو شعر وشاعری کا بھی خاصا ذوق تھا۔ سراج الاخبار میں آپ کا اردو وفارسی کلام مختلف وقتوں میں شائع ہوتا رہا۔

مولانا دبیر کی علمی وتحریکی خدمات کو دیکھتے ہوئے دیوبند کے بعض نام نہاد محققین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا دبیر مسلک اہل سنت کو چھوڑ کر دیوبندی ہو گئے

تھے- اس ضمن میں ترجمان اہل سنت جناب میثم عباس رضوی صاحب نے فاضلانہ تحقیق پیش کی ہے جو کہ آفتاب ہدایت کے حالیہ عکسی ایڈیشن کے ساتھ ملحق ہے۔ مولانا دبیر کے مسلک کی تحقیق ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے اس کے لیے محترم میثم صاحب کے مقالہ کی طرف رجوع کیا جائے نیز تذکار بگویہ جلد سوم صفحہ (۱۸۰-۱۷۴) میں مولانا دبیر کے کچھ خطوط شامل کیے گئے ہیں- ان خطوط میں دیوبندی علماء سے مولانا دبیر کے مناظروں کا ذکر ہے۔ مسلک دبیر پر تحقیق کرنے والوں کو یہ خطوط بھی پیش نظر رکھنے چاہییں۔

۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو مولانا دبیر کا وصال ہوا اور اپنے آبائی علاقہ بھیں (ضلع جہلم) میں ہی مدفون ہوئے۔

مولانا دبیر نے مسلک حقہ اہل سنت کی تائید اور باطل مذاہب کی تردید میں بیش بہا کتب ورسائل تحریر کیے- جن کا اجمالی تعارف ہم یہاں ذیل میں پیش کررہے ہیں۔

تصانیف:

ا۔ زاد المتقین و ھدیۃ المتنفلین:

علاقہ پُٹھوار کے کچھ علماء نے روز جمعۃ الوداع قضاء عمری ادا کرنے کو ناجائز، بدعت ضلالت بلکہ کفر تک کہہ دیا۔ اسی ضمن میں مولانا کرم الدین دبیر کے ایک دوست مولانا فضل احمد مستالوی نے غیر مقلدین سے مناظرہ کے لیے مولانا کو اپنے علاقہ پُٹھوار میں مدعو کیا مگر منکرین جواز قضاء عمری قاضی غلام رسول قطبالی صاحب کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی البتہ ایک فتوی جاری کردیا۔ چنانچہ کچھ احباب کی فرمائش پر مولانا کرم الدین دبیر صاحب نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ آغاز رسالہ میں نماز قضاء عمری کی ماہیت وضرورت اور جواز پر عقلی ونقلی دلائل تحریر کیے اور پھر منکرین جواز کے اعتراضات کا جواب تحریر کیا ہے اور اخیر صفحہ پر علماء مصدقین رسالہ کے اسماء درج ہیں۔

رسالہ کے کل صفحات ۳۰ ہیں اور ۱۳۲۲ ہجری بمطابق ۱۹۰۴ء کو مطبع سراج المطابع، جہلم سے مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کے اہتمام سے شائع ہوا۔

۲۔ صداقت مذہب نعمانی:

اس رسالہ میں انجمن حنفیہ، جہلم کے تیسرے اور انجمن حنفیہ، میرپور کے دوسرے سالانہ جلسوں کی روداد لکھی گئی ہے۔ ان جلسوں میں بد مذہبوں مثلاً وہابیہ، شیعہ و قادیانی کی تردید کی گئی۔

انجمن حنفیہ کے جلسہ میں مولانا محمد آمین صاحب مگھیانوی، مولانا محمد عظیم صاحب گکھڑوی، مولانا اصغر علی روحی [۱۴]، مولانا محمد شریف صاحب کوٹلوی (خلیفۂ امام احمد رضا) [۱۵]، مولانا عبدالرحیم صاحب و پیر ظہور علی شاہ صاحب کے خطابات ہوئے۔ مولانا کرم الدین دبیر انجمن حنفیہ، جہلم کے سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

رسالہ کے کل صفحات ۲۰ ہیں، ابتدا میں انجمن حنفیہ جہلم کے جلسہ کی روداد ہے اور صفحہ ۱۲ سے ۲۰ تک انجمن حنفیہ میرپور کے جلسہ کی روداد ہے۔ اخیر رسالہ میں مولانا کرم الدین دبیر صاحب کی مدح میں ملک محمد صاحب حنفی قادری رئیس جہلم [۱۶] کی نظم درج ہے۔

۳۔ مرزائیت کا جال - لاہوری مرزائیوں کی چال:

یہ رسالہ امام اہل سنت مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری [۱۷] (خلیفۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی و مرکزی امیر انجمن حزب الاحناف لاہور) کے حسب فرمان تحریر کیا گیا اور مطبع کریم پریس لاہور سے شائع ہوا۔

یہ رسالہ مشتملہ آٹھ (۸) صفحات لاہوری احمدیہ (مرزائیت) کی طرف سے یک ورقی شائع ہونے والے ایک ٹریکٹ کے جواب میں لکھا گیا اور مرزا قادیانی کے گم راہ کن عقائد کو بحوالہ کتب مرزا سے نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ - رافضیوں کو ناطہ دے دیا:

پیر سید فضل شاہ جلال پوری نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح شیعہ کے ہاں کر دیا جس سے اچھا خاصا نزاع پیدا ہو گیا جس کے تفصیلی احوال تذکار بگویہ جلد اول میں ''جلال پوری قضیہ'' کے عنوان سے درج ہے۔

یہ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا کرم الدین دبیر صاحب کا فتویٰ صفحہ ۱۰ تک ہے اس کے بعد علماء کرام کی تصدیقات ہیں۔ علماء مصدقین میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان فاضل بریلوی[۱۸]، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی[۱۹]، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی[۲۰]، مولانا عنایت اللہ، سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری (بانی انجمن حزب الاحناف لاہور)[۲۱]، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا ابو یوسف شریف کوٹلوی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)، مولانا امام الدین کوٹلوی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)[۲۲]، مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی[۲۳] اور کچھ دیگر علماء کی تصدیقات ہیں۔ علماء دیوبند میں سے مرتضیٰ حسن دیوبندی کی تصدیق بھی اخیر صفحہ پر درج ہے۔

سہیلی پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع ہوا۔

۵۔ ھدیۃ الاصفیاء سماع الصلحاء:

یہ رسالہ مشتملہ ۳۲ صفحات مسلم پرنٹنگ پریس لاہور سے حسب الارشاد صاحب زادہ ابوالمغفور سید محمد غوث شاہ صاحب سجادہ نشین علاول شریف شائع ہوا۔ وجہ تالیف یہ ہے کہ مولانا پیر ظہور شاہ صاحب نے ایک رسالہ ''ظہور ہدایت'' تحریر کیا جس میں کچھ نظمیں اور پنجابی اشعار وغیرہ تھے اس کے آخر میں مناظرہ ڈھیریاں جالندھر کی روداد لکھتے ہوئے مسئلہ سماع غناء کو حرام لکھا بلکہ حلال سمجھنے والے کو سخت گم راہ بلکہ ملحد لکھ دیا اور ایسے شخص کی بیعت اور اقتداء اور مجالست و موانست سب حرام قرار دے دیا۔ چنانچہ مولانا دبیر نے بایں خیال کہ اس تحریر سے ان مشائخ کرام پر حملہ کیا گیا ہے جو خاص حالات اور خاص الخاص مجالس میں سماع غناء کو جائز سمجھتے ہیں۔

مولانا دبیر نے جواز سماع کے دلائل لکھ کر کثیر علماء سے تصدیقات حاصل کیں۔ علاوہ ازیں شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی صاحب[۲۴] اور صاحب زادہ شاہ محمد غوث علاول شریف کی عربی تقاریظ بھی حاصل کیں۔ رسالہ کے اخیر میں ''پیر ظہور صاحب کو دوستانہ مشورہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''پیر صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے چنانچہ انہوں نے جدید ایڈیشن میں ظہور ہدایت سے وہ غلط فتوی بالکل نکال دیا ہے۔ بہتر ہے کہ ایک معذرت نامہ چھاپ کر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے مشائخ عظام و علماء کرام سے معافی مانگ لیں تا کہ یہ شورمٹ جائے اور اگر اب بھی بضدر ہیں تو پھر ضلع جہلم میں کوئی جگہ اور تاریخ مقرر کر کے ہمیں اطلاع دیں تا کہ بالمشافہ تبادلہ خیالات کر کے ان کی تسلی کر دی جائے۔ (ہدیۃ الاصفیاء:۳۱)

۶۔ دربار حیدری:

مولانا دبیر اس رسالہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مجھے اب بھی بارہا اعراس بزرگان پر جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ دربار جلال پور شریف میں حضرت خواجہ غلام حیدر شاہ صاحب مغفور نور اللہ مرقدہٗ کے آخری دور حیات میں مجھے شریک ہونے کا موقع ملا۔ میں ایک چھوٹا سا رسالہ دربار حیدری (تصنیف خود) ساتھ لے گیا۔ جس میں چند قصائد اردو نظمیں، فارسی اور کچھ عربی بھی تھے۔حضور کی خدمت میں یہ نظمیں پڑھی گئیں جو خاص مقبول ہوئیں اور حضور نے خاص توجہ سے دعا فرمائی۔ جس کے آثار قبولیت اسی وقت نمایاں ہو رہے تھے اور مجھے یقین ہے کہ تادم واپسیں حضور والا کی وہ دعا میرے شامل حال رہے گی۔ خدایا ایسا ہی کر۔ آمین'' (ہدیۃ الاصفیاء:۲۲)

اسی رسالہ کے متعلق سراج الاخبار میں مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب نے یہ اشتہار شائع کیا:

''حضرت خواجہ حیدر شاہ صاحب مرحوم و مغفور جلال پوری نور اللہ مرقدہٗ کے آخری دربار منعقدہ ۶ صفر ۱۳۲۶ ہجری کا ہو بہو فوٹو عجیب دل چسپ اردو و عربی قصائد کا مجموعہ ایک قابل دید تحفہ مسلمانوں خصوصاً غلامان حضرات والا کے لیے ہے۔'' (سراج الاخبار مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۲)

۷۔ تازیانۂ عبرت:

مرزا قادیانی اور مولانا کرم الدین دبیر کے مابین فوجداری مقدمات کی روداد پر مشتمل ہے۔ کل صفحات ۱۷۳ ہیں اور مسلم پرنٹنگ پریس لاہور سے ۱۹۳۲ء/۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔ اس سے قبل انہی مقدمات کی روداد ''کاشف اسرار نہانی روداد مقدمات قادیانی'' کے نام سے مطبع سراج المطابع، جہلم سے شائع ہوتی رہی اور سراج الاخبار کے ضمیمہ کے طور پر بھی شائع ہوتی رہی۔

مولانا دبیر نے اس روداد کو از سر نو ترتیب دیا، نئے حواشی و توضیحات کا اہتمام کر کے تازیانۂ عبرت کے نام سے شائع کیا۔

۸۔ آفتاب ہدایت:

مولانا دبیر اس کا سبب تالیف تحریر فرماتے ہیں؛

''بعض خاص احباب کی۔ جن میں سے ایک میرے مکرم دوست حاجی خواجہ غلام یسین صاحب تلہ گنگی ہیں اور دوم برخوردار مولوی محمد فیض الحسن صاحب [۲۵] (مولوی فاضل) ابن اخی المرحوم مولانا مولوی محمد حسن صاحب فیضی ہیں۔ مدت سے یہ فرمائش تھی کہ ایک ایسی جامع کتاب اس موضوع میں تصنیف کی جائے جس کے ہوتے ہوئے اور دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے جو تردید عقائد شیعہ میں تصنیف ہوئی ہیں اور ایسا طریق اختیار کیا جائے کہ قرآن پاک کے استدلال کے علاوہ کتب مستندہ مسلمہ خصم کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے مسائل کی توضیح کر دی جائے تاکہ کسی موافق و مخالف کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ سو اسی التزام سے میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی ہے۔ میری کوشش یہ ہو گی کہ اپنے مدعا کو نص صریح آیات قرآن سے ثابت کروں گا پھر خصم کی معتبر اور مسلمہ کتابوں کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے استدلال کیا جائے گا اور کوئی عبارت جو اصل کتاب سے بچشم خود نہ دیکھ لوں ہرگز نہ درج کی جائے گی اور میری یہ کتاب اہل رفض کے عقائد و مسائل کی تردید کرے گی اور ہر طرح سے تہذیب و متانت کو ملحوظ رکھا جائے

گا۔"

کتاب کے کل صفحات ۳۷۶ ہیں اور کریمی پریس لاہور سے ۱۳۴۴ ہجری/ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام انتساب ہے۔ بعد کے ایڈیشنز میں مولانا دبیر کے بیٹے قاضی مظہر حسین دیوبندی نے یہ انتساب حذف کر دیا۔ حال ہی میں ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت (پاکستان) کی طرف سے اس کتاب کے اولین غیر محرف نسخہ کی عکسی اشاعت ہوئی ہے اور اس کے ساتھ جناب میثم عباس رضوی صاحب کے محققانہ مقالہ "مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ" بھی شائع ہوا۔

کتاب کے آخر میں مولانا محمد حبیب شاہ (رئیس تلہ گنگ ضلع اٹک)، مولانا فیض الحسن ابن مولانا محمد حسن فیضی اور چودھری ذکاء اللہ صاحب بسمل (جہلم) کی منظوم تقاریظ ہیں۔

۹۔ ہدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی الاولیاء

یہ مختصر رسالہ مشتملہ ۳۲ صفحات مسئلہ کفو کے متعلق ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں سراج المطابع (جہلم) سے شائع ہوا۔ رسالہ کے ابتداء میں مولانا دبیر کا ایک فارسی قصیدہ درج ہے اور اخیر فتوی پر مصدقین علماء کے اسماء درج ہیں جن میں سے پیر سید مہر علی شاہ (گولڑہ شریف)[۲۶]، مولانا غلام احمد صاحب (صدر مدرس انجمن نعمانیہ لاہور)[۲۷]، مولانا محمد حسن فیضی (چکوال)، مولانا شیخ عبداللہ صاحب (قاضی تحصیل کھاریاں)[۲۸] اور مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب (مالک سراج المطابع) صاحب کے اسماء نمایاں ہیں۔

حال ہی میں اس رسالہ کا عکسی ایڈیشن جناب میثم عباس رضوی صاحب نے شائع کیا ہے۔

۱۰، ۱۱، ۱۲۔ رسائل ثلاثہ

۱۰۔ السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول

راولپنڈی کے ایک شیعہ احمد شاہ نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی پاک ذاتوں پر حملہ کیا اور علماء اہل سنت سے اس کا جواب طلب کیا اور چھ ماہ کی مدت مقرر کر دی۔ چنانچہ مولانا کرم الدین دبیر علیہ الرحمۃ نے یہ رسالہ تحریر کیا۔ کل صفحات ۴۷ ہیں اور رفیق عام پریس لاہور سے شائع ہوا۔

مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں:

''اس کتاب کو شائع ہوئے تیئس (۲۳) سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کتاب تمام شیعہ علما و مجتہدین کی خدمت میں ارسال کی گئی باوجودیکہ اس کا جواب لکھنے کے لیے چھ سال کی مہلت دی گئی تھی۔ کسی شیعہ مولوی یا مجتہد کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکی بلکہ ادلہ قاہرہ قرآنی کے سامنے سب مبہوت ہو گئے۔'' (رسائل ثلاثہ:۴۷)

مزید اپنے رسالہ آئینہ مذہب شیعہ میں لکھتے ہیں:

''(شیعہ نے) ایک اشتہار شائع کر کے ۶ ماہ کی مہلت دے کر اہل سنت مسلمانوں سے جواب طلب کیا تھا۔ اس کے جواب میں ''السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول'' شائع کیا گیا جس میں فضائل اصحابہ ثلاثہ کے متعلق صرف آیات پاک قرآن کریم سے استدلال کیا گیا تھا اور اس کے جواب الجواب کے لیے علماء شیعہ کو چھ (۶) سال کی مہلت دی گئی۔ یہ رسالہ ۱۳۱۸ھ میں شائع ہو کر علماء شیعہ کو بھیج دیا گیا اور ملک بھر میں اس کی اشاعت ہو گئی اس کو اب تیس (۳۰) سال ہو چکے ہیں نہ سید احمد شاہ کو نہ کسی اور شیعہ مولوی کو اس کے جواب لکھنے کی جرات ہو سکی۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ (رسائل ثلاثہ:۴۸)

۱۱۔ آئینہ مذہب شیعہ (روافض کے مسائل)

یہ رسالہ مشتملہ گیارہ صفحات احمد شاہ شیعہ کے رسالہ ''شواہد الکاذبین'' کے جواب میں لکھا۔ کتب شیعہ کے حوالہ سے شیعی عقائد و مسائل کی فہرست پر مشتمل ہے۔

۱۲۔ فیض باری ردتعزیہ داری:

شیعہ حضرات نے ایام شہادت پر قسم قسم کی رسومات وخرافات ایجاد کر رکھی ہیں انہی میں سے ایک رسم تعزیہ ہے جس میں کاغذی تابوت بنایا جاتا ہے اور مرد وزن شور مچاتے، سینہ کوبی وزنجیر زنی کرتے ہیں۔ مولانا کرم الدین دبیر نے آیات قرآنیہ سے ان رسوم بد کی تردید کی ہے۔ اخیر رسالہ میں ماتم حسین کے متعلق ایک شیعہ اخبار سے شیعہ مجتہد شیخ محمد تقی اصفہانی کا فتوی فارسی مع اردو ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ اس فتوی میں شیعی مجتہد نے قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے عزاداری و مرثیہ خوانی کی تردید کی۔

۱۳۔ تاج المتقین:

اس رسالہ میں مسئلہ جواز نماز با کلاہ پر بحث کی گئی ہے۔ (ہدیۃ الاصفیاء:۲۱)

۱۴۔ الدر السنیہ: (اردو ترجمہ)

علامہ زینی (مفتی مکہ مکرمہ) نے شیخ عبدالوہاب نجدی کے رد میں یہ رسالہ لکھا تھا۔ مولانا دبیر نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا۔

۱۵۔ تازیانہ سنت:

یہ رسالہ بھی روافض کے رد میں تحریر کیا۔ رسالہ کے آخر میں مناظرہ تلہ گنگ کی روداد بھی درج ہے۔

۱۶۔ مناظرات ثلاثہ:

اس کتاب میں مباحثۂ میر پور، مناظرۂ منصور پور اور مناظرہ چک رجادی کی روداد ہے۔ یہ تینوں مناظرے غیر مقلد وہابیہ سے ہوئے۔ مولانا کرم الدین دبیر نے ان کی روداد ترتیب دے کر مسلم پریس لاہور سے ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔ آفتاب ہدایت کے حالیہ عکسی ایڈیشن کے ساتھ مناظرات ثلاثہ بھی شائع ہو چکے ہیں۔



باب اول

سراج الاخبار سے ماخوذ خبریں، مضامین ورپورٹس
متعلقہ قادیانیت
(۱۸۸۵ء تا ۱۹۱۷ء متفرق)

[۱۸۸۵ء/۱۳۰۲ھ کی فائل سے]

۲۴ اگست ۱۸۸۵ء صفحہ ۷

اعلان

چونکہ مرزا غلام احمد مولف براہین احمدیہ اور ساہو کاران وشرفا اور ذی عزت اہل ہنود قصبہ قادیان میں جو طالب صادق ہونے کے مدعی ہیں، آسمانی نشانوں اور پیش گوئیوں اور دیگر خوارق کے مشاہدہ کے بارے میں (جن کے دکھلانے کا حسب وعدہ اپنے پروردگار کے مرزا صاحب کو دعوی ہے) خط و کتابت بطور باہمی اقرار وعہد و پیمان کے ہوکر ہندو صاحبوں کی طرف سے یہ اقرار وعہد ہوا ہے کہ ابتدائے ستمبر ۱۸۸۵ء سے لغایت اخیر ستمبر ۱۸۸۶ء یعنی برابر ایک سال تک نشانوں کے دیکھنے لیے مرزا صاحب کے پاس آمد ورفت رکھیں گے اور ان کے کاغذ روز نامہ الہامی پیش گوئیوں پر بطور گواہ کے دستخط کرتے رہیں گے اور بعد پورے ہونے کسی الہامی پیش گوئی کے اس پیش گوئی کی نسبت اپنی شہادت چند اخباروں میں شائع کرا دیں گے اور مرزا صاحب کی طرف سے یہ عہد ہوا ہے کہ وہ تاریخ مقررہ سے ایک سال تک ضرور کوئی نشان دکھائیں گے لہذا مناسب معلوم ہوا کہ وہ ہر دو تحریر جو بطور عہد واقرار کے باہم ہندو صاحبان و مرزا صاحب کے ہوئے ہیں، شائع کی جائیں۔ سو ہم بہ نیت اشاعت عام واطلاع یابی ہر ایک طالب حق کے وہ ہر دو تحریر یں دونوں صاحبوں سے لے کر شائع کرتے ہیں اور بشرط زندگی یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود گواہ رویت بن کر اس سالانہ کارروائی کے خبر گیراں رہیں گے اور بعد گزرنے پورے ایک سال کے یا سال کے اندر ہی جیسی صورت ہو جو نتیجہ ظہور میں آئے گا اسی طرح وہ بھی اپنی ذاتی واقفیت کے رو سے شائع کریں گے تا کہ حق کے

سچے طالب اس سے نفع اٹھائیں اور پبلک کے لیے منصفانہ رائے ظاہر کرنے کا موقع ملے اور روز کے جھگڑوں کا خاتمہ ہو۔

راقم

خاکسار شرم پت رائے ممبر آریہ سماج قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

ساہوکاران ودیگر ہندو صاحبان قادیان کا خط

بنام مرزا صاحب

مرزا صاحب مخدوم ومکرم مرزا غلام احمد صاحب سلمہ

بعد ماوجب بکمال ادب عرض کی جاتی ہے کہ جس حالت میں آپ نے لندن اور امریکہ تک اس مضمون کے رجسٹری شدہ خط بھیجے ہیں کہ جو طالب صادق ہو اور ایک برس تک ہمارے پاس آ کر قادیان میں ٹھہرے تو خدا تعالیٰ اس کو ایسے نشان در بارہ اثبات حقیت اسلام ضرور دکھائے گا کہ جو طاقت انسانی سے بالاتر ہوں سو ہم لوگ جو آپ کے ہمسایہ اور ہم شہری ہیں لندن اور امریکہ والوں سے زیادہ تر حق دار ہیں اور ہم آپ کی خدمت میں قسمیہ بیان کرتے ہیں جو ہم طالب صادق ہیں کسی قسم کا شر اور عناد جو بمقتضائے نفسانیت یا مغائرت مذہب نااہلوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ ہمارے دلوں میں ہرگز نہیں ہے اور نہ ہم بعض نامنصف مخالفوں کی طرح آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہم صرف ایسے نشانوں کو قبول کریں گے جو اس قسم کے ہوں کہ ستارے اور سورج اور چاند پارہ پارہ ہو کر زمین پر گر جائیں یا ایک سورج کی جگہ تین سورج اور ایک چاند کی جگہ دو چاند ہو جائیں یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آسمان سے جا لگے یہ باتیں بلاشبہ ضدیت اور تعصب سے ہیں نہ حق جوئی کی راہ سے لیکن ہم لوگ ایسے نشانوں پر کفایت کرتے ہیں جن میں زمین وآسمان کے زیر وزبر کرنے کی حاجت نہیں اور نہ قوانین قدرتیہ کے توڑنے کی کچھ ضرورت۔ ہاں ایسے نشان ضرور چاہییں جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہوں جن سے یہ

معلوم ہو سکے کہ وہ سچا اور پاک پرمیشر بوجہ آپ کی راست بازی دینی کے عین محبت اور رکر پا کی راہ سے آپ کی دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے اور قبولیت دعا سے قبل از وقوع اطلاع بخشتا ہے یا آپ کو اپنے بعض اسرار خاصہ پر مطلع کرتا ہے اور بطور پیش گوئی ان پوشیدہ بھیدوں کی خبر آپ کو دیتا ہے یا ایسے عجیب طور سے آپ کی مدد اور حمایت کرتا ہے جیسے وہ قدیم سے اپنے برگزیدوں ومقربوں اور بھگتوں اور خاص بندوں سے کرتا آیا ہے سو آپ سوچ لیں کہ ہماری اس درخواست میں کچھ ہٹ دھرمی اور ضد نہیں ہے اور اس جگہ ایک اور بات واجب العرض ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ شخص مشاہدہ کنندہ کسی نشان کے دیکھنے کے بعد اسلام کو قبول کرتے سو اس قدر تو ہم مانتے ہیں کہ سچ کے کھلنے کے بعد جھوٹ پر قائم رہنا دھرم نہیں ہے اور نہ ایسا کام کسی بھلے منش اور سعید الفطرت سے ہو سکتا ہے لیکن مرزا صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہدایت پانا خود انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو کسی دل کو ہدایت کے لیے کھول دینا ایک ایسا امر ہے جو صرف پرمیشر کے ہاتھ میں ہے سو ہم لوگ جو صدہا زنجیروں قوم برادری ننگ و ناموس وغیرہ میں گرفتار ہیں کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم خود اپنی ہی قوت سے ان زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے سخت دل کو آپ ہی نرم کر کے آپ ہی دروازہ ہدایت اپنے نفس پر کھول دیں گے بلکہ یہ پرمیشر سرب شکتی مان کا خاص کام ہے وہ آپ ہی کر دکھائیں گے بلکہ یہ بات سعادت ازلی پر موقوف ہے جس کے حصہ میں وہ سعادت مقدر ہے اس کے لیے شرائط کی کیا حاجت ہے اس کو تو خود توفیق ازلی کشاں کشاں چشمۂ ہدایت تک لے آئے گی ایسا کہ آپ بھی اس کو روک نہیں سکتے۔ سو آپ ہم سے ایسی شرطیں موقوف رکھیں اگر ہم لوگ کوئی آپ کا نشان دیکھ لیں گے تو اگر ہدایت پانے کے لیے توفیق ایزدی ہمارے شامل حال نہ ہوئی تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں اور پرمیشر کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اس قدر تو ہم ضرور کریں گے کہ آپ کے ان نشانوں کو جو

اپنی آنکھ سے دیکھ لیں گے چند اخباروں کے ذریعہ سے بطور گواہ رویت شائع کرادیں گے اور آپ کے منکرین کوملزم اور لاجواب کرتے رہیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کوحتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے اور بلاشبہ ہم ایک سال تک عندالضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر ایک قسم کی پیش گوئی وغیرہ پر دستخط بقید تاریخ و روز کر دیا کریں گے اور کوئی بدعہدی اور کسی قسم کی نامنصفانہ حرکت ہم سے ظہور میں نہیں آئے گی ہم سراسر سچائی اور راستی سے اپنے پرمیشر کو حاضر ناظر جان کر یہ اقرار نامہ لکھتے ہیں اور اسی سے اپنی نیک نیتی کا قیام چاہتے ہیں اور سال جونشانوں کے دکھانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ابتدائے ستمبر ۱۸۸۵ء سے شمار ہوگا جس کا اختتام ستمبر ۱۸۸۶ء کے اخیر تک ہو جائے گا۔

العبد

لچھمن رام بقلم خود

جو اس خط میں ہم نے لکھا ہے اس کے موافق عمل کریں گے۔

پنڈت پہارا مل بقلم خود

بشنداس ولد راہداسا ہوکار بقلم خود

منشی تاراچند کھتری بقلم خود

پنڈت نہالچند۔سنت رام۔فتح چند۔پنڈت ہرکرن۔پنڈت بیجناتھ چوہدری بازار قادیان بقلم خود۔بشنداس ولد ہیرانند برہمن بقلم خود



نامہ مرزا غلام احمد بجواب خط ساہوکاران قادیان

عنایت فرمائی من پنڈت نہالچند صاحب و پنڈت پہارامل صاحب وپچھمن رام

ولالہ بشنداس صاحب ومنشی تاراچند صاحب و دیگر صاحبان ارسال کنندگان

درخواست مشاہدہ خوارق

بعد ماوجب!!!

آپ صاحبوں کا عنایت نامہ جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کے دیکھنے کے لیے درخواست کی ہے مجھ کو ملا چونکہ یہ خط سراسر انصاف وحق جوئی پرمبنی ہے اور ایک جماعت طالب حق نے جو عشرہ کاملہ ہے اس کو لکھا ہے اس لیے بتمام تر شکر گزاری اس کے مضمون کو قبول ومنظور کرتا ہوں اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان ان عہود کے پابند رہیں گے کہ جو اپنے خط میں آپ لوگ کر چکے ہیں تو ضرور خدائے قادر مطلق کی تائید ونصرت سے ایک سال تک کوئی ایسا نشان آپ کو دکھلایا جائے گا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ یہ عاجز آپ صاحبوں کے پُرانصاف خط کے پڑھنے سے بہت خوش ہوا اور اس سے بھی زیادہ تر اس روز خوش ہوگا کہ جب آپ بعد دیکھنے کسی نشان کے اپنے وعدہ کے ایفا کے لیے جس کو آپ صاحبوں نے اپنی حلفوں وقسموں سے موکد کیا ہے اپنی شہادت رویت کا بیان چند اخباروں میں درج کرادیں گے اور متعصب مخالفوں کو ملزم ولاجواب کرتے رہیں گے اور اس جگہ بخوشی دل آپ صاحبوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی نشان نہ دیکھیں یا کسی نشان کو جھوٹا پائیں تو بے شک اس کو مشتہر کردیں اور اخباروں میں چھپوا دیں یہ امر کسی نوع سے موجب ناراضگی نہیں ہوگا اور نہ آپ صاحبوں کے دوستانہ تعلقات میں کچھ فرق آئے گا بلکہ یہ وہ بات ہے جس میں خدا بھی راضی اور ہم بھی اور ہر ایک منصف بھی اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپیہ نہیں

مانگتے، صرف دلی سچائی سے نشانوں کا دیکھنا چاہتے ہیں لہذا اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لیے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں بلکہ یہ بات بقول آپ لوگوں کے توفیق ایزدی پر چھوڑی گئی ہے اور اخیر پر دلی جوش سے یہ دعا ہے کہ خداوند قادر و کریم بعد دکھلانے کسی نشان کے آپ لوگوں کو غیب سے قوت ہدایت پانے کی بخشے تا آپ لوگ مائدہ رحمت الٰہی پر حاضر ہو کر پھر محروم نہ رہیں۔

اے قادر مطلق کریم و رحیم! ہم میں اور ان میں سچا فیصلہ کر اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور کوئی نہیں کہ بجز تیرے فیصلہ کر سکے۔ آمین ثم آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

خاکسار احقر عباد اللہ غلام احمد عفی اللہ عنہ

شہادت گواہان حاضر الوقت

ہم لوگ جن کے نام نیچے درج ہیں اس معاہدہ فریقین کے گواہ ہیں ہمارے روبرو ساہوکاران قادیان نے جن کے نام اوپر درج ہیں اپنے خط کے مضمون کو حلفاً تصدیق کیا اور اسی طرح مرزا غلام احمد صاحب نے بھی۔

العبد میر عباس علی لدہانوی

فقیر عبداللہ سنوری

شہاب الدین۔ تھہ غلام نبی والہ



[۱۸۸۷ء/۱۳۰۴ھ کی فائل سے]

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء صفحہ ۸:

بشارت عظیمہ

وہ لڑکا جس کے لیے خداوند کریم نے وعدہ فرمایا تھا جس کے لیے ہم نے اشتہار ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں دعویٰ کر کے لکھا تھا کہ اس کا پیدا ہونا دوسرے حمل سے ہرگز تجاوز نہیں کرسکتا اور وہ عن قریب بہت ہی نزدیک دوسرے حمل میں بالضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج وہ مبارک لڑکا سولہویں ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۷ اگست ۱۸۸۷ء بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے عین حد میعاد پیشین گوئی میں پیدا ہو گیا۔ پس اے بھائی مسلمانو! تم سب کے لیے مبارک ہو۔ والسلام

خاکسار غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور ملک پنجاب
۷ اگست ۱۸۸۷ء



۱۲ ستمبر ۱۸۸۷ء صفحہ ۶

مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی پیش گوئی

آج کل مرزا صاحب موصوف جو اپنی اس پیش گوئی کی تصدیق میں جو انہوں نے ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی نسبت کی تھی کہ جس کا ظہور ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو ہو گیا۔ ہندوستان و پنجاب کے دیسی اخبارات میں خوش خبری چھپوا رہے ہیں۔ اس پر بعض صاحب کئی ایک طرح کی بے فائدہ نکتہ چینیاں کر رہے ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب واقعی صاحب کرامت ہیں تو کس لیے اخبارات میں اپنی شہرت کرا رہے ہیں

اور ان کا اپنی شہرت کا خواہاں ہونا سراسر ان کی نفسانیت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ صاحب کرامت کو خود غرضی سے کیا علاقہ ہے۔ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ وہ کوئی پیغمبر یا صاحب نبوت نہیں ہیں جو جابجا اپنے قول میں الہام کا دعوی کرتے ہیں کہ ہم کو خدا سے یہ الہام ہوا اور روح القدس نے یہ الہام کیا۔

سو پہلے اعتراض کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ خود غرضی اور شہرت کا اعتراض اس وقت مرزا صاحب پر قائم ہو سکتا تھا کہ جبکہ ان کی غرض اپنی شہرت سے لوگوں کو اپنا معتقد کر کے دنیا کا کمانا مقصود ہوتا حالانکہ یہ بات نہ تو ان کی تقریر و تحریر سے کنایۃً واشارۃً ہی پائی جاتی ہے اور نہ کوئی شخص ایسا خیال ان کی نسبت کر سکتا ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ ان کی اپنی پیش گوئیوں کو شہرت اور تصدیق سے صرف یہ غرض ہے کہ اپنے مخالفین اسلام پر اس ہادی کی صداقت کو ثابت کریں کہ جس کے دین متین میں وہ ہیں اور کہ ان پر یہ ظاہر کریں کہ اس رسالت مآب کی یہ شان ہے کہ اس کی امت کے ادنیٰ ادنیٰ لوگ بھی ایسی ایسی سچی پیش گوئیاں کر سکتے ہیں کہ جن سے مخالفین کو سوائے امنا و صدقنا کے کوئی چارہ باقی نہ رہ کر حقیت اسلام کے اثبات پر کسی دوسری دلیل کے لانے کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

پس اس صورت میں مرزا صاحب کی ایسی کارروائی سراسر محمود اور پسندیدہ خیال کی جاتی ہے اور من جملہ حمایت مذہبی میں سے ہے۔

دوسرا اعتراض محض الہام کے معنی نہ جاننے سے ہے کیونکہ الہام کے معنی ہیں:

آنچہ در دل کسی انداز و خداتعالیٰ از خبر وقوع خیر و شر۔

سو ایسا الہام نیک لوگوں کو بھی ہوا کرتا ہے اور ایسے الہام کو صرف صاحب نبوت شخص سے ہی کچھ خصوصیت نہیں ہے۔

پس ہم نہیں خیال کر سکتے کہ لوگ ایسے فضول اور بے جا اعتراض مرزا صاحب پر کر کے ناحق تضیع اوقات کیوں کرتے ہیں۔ مبحث فیہ بات تو ان کی پیش گوئی ہے جب وہ خدا کے فضل سے بہمہ وجوہ ایسے طور سے پوری ہو گئی کہ مخالفین

اسلام کو اس میں کلام کرنے کی کچھ گنجائش نہ رہی تو پھر فضول نکتہ چینیوں سے کیا حاصل۔



[۱۸۹۰ء/۱۳۰۸ھ کی فائل سے]

۳ فروری ۱۸۹۰ء صفحہ ۴

[لاہور کی انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ]

لاہور کی انجمن حمایت اسلام [۲۹] کا سالانہ جلسہ ۲۳ و ۲۴ فروری کو منعقد ہوگا۔ مولانا الطاف حسین صاحب حالی، مولانا نذیر احمد صاحب، مولوی حسن علی صاحب رئیس پٹنہ، مولوی مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان، مولوی نور الدین صاحب طبیب مہاراجہ جموں [۳۰] و دیگر اصحاب لیکچراروں میں ہوں گے۔



[۱۸۹۳ء/۱۳۱۱ھ کی فائل سے]

۲۷ مارچ ۱۸۹۳ء:

مسیح کہیں نہ کہیں جنم دھارتا ہی رہتا ہے!

یہ تو اہل کتاب و اسلام کا عقیدہ ہے کہ مسیح قیامت سے پہلے ضرور آئے گا اسی واسطے زیرک لوگوں نے موقعے پا کر دعوی بھی کیے ہیں لیکن تھوڑے دن لطائف الحیل سے کام چلا کر رہ گئے ہیں۔ اس وقت تین شخص مسیحیت کے مدعی ہیں۔ اخبار تحفۂ ہند جلد ۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴ لکھتا ہے کہ عرب میں ایک جھوٹا مسیح اور پیدا ہوا ہے۔ بہت سے یہودی اس کے ساتھ ہیں یہ شخص بڑا تعلیم یافتہ اور خوب مستقل مزاج ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہی ہمارا حامی ہے اور اسی کی ہم کو امید ہے، اس کی محافظت کے واسطے جوان عبرانیوں کا گارڈ قائم ہوا جو ہر وقت اس کا چوکی پہرہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور لکھتا ہے کہ یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ میں شہر لڑبی کے جنوب میں مقام سوانہ سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر قوم حبشی آباد ہے، ان میں ایک مسیح پیدا ہوا ہے جو ان کو ہر روز وعظ کرتا ہے۔ یہ اس کے پورے پورے معتقد ہیں۔ اس نے اپنی صداقت ان کے دل میں ایسے جمائی ہے کہ دن بدن ان میں مذہبی جوش ہوتا جاتا ہے۔ یہ مسیح تاویلات میں بڑا عالم ہے اس کا بیان ہے کہ معجزات انبیا جیسے کہ دنیا مانتی ہے ویسے نہیں۔

اسی طرح ضلع گورداس پور (پنجاب) میں ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی کئی ایک موقعے تاڑ کر مدعی مسیحیت ہوا ہے۔ اس بہادر نے چاروں طرف سے

تاویلات کے دروازے کھول دیے ہیں اور بعینہ مسیح دوم کی مثل معجزات کو مانتا ہے۔ قرآن کے تمام الفاظ مجاز قرار دیتا ہے۔ مفسرین کو بیہودہ سرا کہنے میں آنریبل سرسید کا پیرو ہے۔ احادیث کی صحت کو بالکل صحت اعتباری اور تمام امور خیر و برکت کو جو من جانب اللہ انجیل میں عیسیٰ بن مریم کی نسبت مذکور ہیں اپنے حق میں بیان کرتا ہے۔ اس وقت ہم کو مصدوق کے قول صادق سے ہرگز نہ چوکنا چاہیے جو صحیح بخاری میں ہے کہ قیامت کے پہلے بہت سے جھوٹے سچائی کے مدعی ہوں گے تم ان سے بچو۔



۱۷ اپریل ۱۸۹۳ء:

مباحثہ کھاریاں میں مرزا صاحب قادیانی کے ایک حواری کو شکست

اس مناظرہ کی جو بمقام کھاریاں ضلع گجرات ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو اتوار کے روز ہوا، مختصر تفصیل یہ ہے کہ مولوی فضل الدین صاحب ساکن کھاریاں [۳۱] جن کو پہلے کچھ سال غیر مقلد ہونے اور طریقہ مذہب حنفیہ کو ترک کردینے کے باعث من جانب علمائے وقت بہت کچھ زجر و تنبیہ ہوئی تھی اور اس وقت ظاہراً مجمع عام میں اپنے عقائد سے تائب ہو کر اقرار نامہ لکھ دیا تھا کہ میں کبھی ملت حنفیہ اور عقائد اہل سنت و جماعت سے گریز نہیں کروں گا اور حتی الوسع غیر مقلد فرقوں سے راہ و رسم نہیں رکھوں گا، ان دنوں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مسیحیت کے قائل ہوئے اور قادیان میں جا کر حواریوں میں شامل ہوئے اور مسیح موعود کے زندہ ہونے، آسمان پر جانے اور پھر نازل ہونے سے جو اہل اسلام کا مسلم الثبوت عقیدہ ہے۔ صریحاً منکر ہوئے ہیں اور تمام آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کی جن سے حیات مسیح، عروج و نزول آسمانی

ثابت ہے محض بیہودہ تاویلیں کرنی شروع کیں۔ جس پر چاروناچار کھاریاں اور اس کے قرب و جوار کے چند برگزیدہ اشخاص کی توجہ سے عموماً اور مولوی الٰہی بخش صاحب تحصیل دار اور دیوان تلسی رام صاحب تھانیدار کھاریاں کی مہربانی سے خصوصاً یہ بات قرار پائی کہ اس کے عقائد باطلہ کو روبروئے علمائے نامدار بیان کیا جائے تاکہ حق باطل سے جدا ہو جائے چنانچہ صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب ساکن باولی شریف[۳۲]، مولوی شیخ عبداللہ صاحب ساکن چک عمر، مولوی صدرالدین صاحب ساکن ملکہ، مولوی غلام احمد ساکن ڈوگہ اور مولوی محمد افضل صاحب ساکن کملہ وغیرہ اکابر دین کھاریاں میں جمع ہوئے اور ان سب حضرات کی مجلس میں مولوی فضل دین کو بلا کر کہا گیا کہ اب آپ اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لیے ان بزرگوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں گفتگو کریں۔ جس پر اس نے اپنے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے مولوی غلام احمد صاحب کو منتخب کیا اور یہ شرط قرار پائی کہ اثنائے گفتگو میں اور کوئی صاحب مداخلت نہ کرے۔ پھر مولوی غلام احمد صاحب نے مولوی موصوف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ چونکہ مدعی ہیں اس لیے اپنے دعوی کو ثابت کیجیے۔ آپ نے ٹال مٹول کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ اگر مقلد ہیں تو آپ کے لیے یہ عبارت فقہ اکبر کی جو خود امام ربانی امام اعظم کی مصنفہ اور اہل سنت و جماعت کی مستند کتاب ہے "ونزول المسیح من السماء حق" حیات مسیح کے لیے ایک کافی ووافی ثبوت ہے۔ مولوی فضل دین غیر مقلد ہونے کے نام سے تو دیر تک قیل وقال میں وقت ضائع کرتے رہے مگر جب کچھ بن نہ پڑا تو چپکے سے بولے کہ میں اس وقت صرف قرآنی ثبوت چاہتا ہوں۔ اس پر مولوی غلام احمد نے کہا، بہت اچھا۔ اگر آپ عقائد اہل سنت و جماعت سے گریز کرتے ہیں تو حیات مسیح اور ان کے زندہ آسمان پر جانے کے ثبوت کے لیے قرآنی ثبوت لیجیے۔ پھر قرآن شریف کے چھٹے پارہ کی آیت ماقتلوہ یقینا...... و ما صلبوہ ......بل

رفعه الله یعنی نہیں قتل کیا انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو......اور نہ پھانسی دیا......
بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے اپنی طرف پڑھ کر سنائی کہ یہ مسیح کے زندہ آسمان پر جانے کے لیے برہان قاطع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس مسیح کے قتل ہونے کی نفی فرمائی ہے وہ جسم مع الروح تھا اور پھر اس کے رفع کو اپنی طرف منسوب کیا ہے وہ بھی جسم مع الروح ہے اور یہی زندگی ہے اگر برخلاف اس کے کہا جائے کہ رفعه الله کی ضمیر روح کی طرف راجع ہے تو روح پہلے اس جگہ کہاں مذکور ہے اور ضمیر غائب کا مرجع ہونا ضروریات نحوی سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسیح مذکور مرجع ہے تو پہلے میں کل دوسرے میں جزو مرجع قرار دینا نحوی قاعدہ کے برخلاف ہے۔ اگر نہیں ہے تو اس کا ثبوت پیش کیجیے اور کوئی ایسی مثال آیت قرآنی سے بیان کیجیے جس سے یہ بات درست سمجھی جائے۔ یہ سنتے ہی مولوی فضل الدین کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور عالم تحیر میں ادھر ادھر کی باتیں کر کے اصل مطلب سے گریز کرتے رہے اور پھر تو ایسی خاموشی چھائی کہ جواب دینا تو درکنار رہا، ہونٹ تک نہ ہلایا اور دل میں دبے پاؤں وہاں سے بھاگ جانے کی تجاویز و تدابیر کرنے لگے۔ اخیر کو بالاتفاق تمام حاضرین جلسہ مولوی شیخ عبداللہ صاحب نے اٹھ کر حسب عقیدہ اہل سنت و جماعت قرآن شریف و حدیث سے حیات مسیح اور ان کا آسمان پر جانا اور پھر نازل ہونا ثابت کیا اور اس عقیدہ کا منکر بجز فلاسفہ معتزلہ یہود و نصاری کے کوئی نہیں اور قرار پایا کہ اگر مولوی فضل الدین اس عقیدہ سے تائب نہ ہوں تو ان کے حق میں بھی وہی فتاوی علمائے حنفیہ جو مرزا قادیانی کے حق میں منسوب ہوئے ہیں نسبت کیے جائیں گے۔

راقم
یکے از حاضرین مباحثہ



یکم مئی ۱۸۹۳ء صفحہ ۵

کھاریاں ضلع گجرات

بعد اس مباحثہ کے جو مابین اہل سنت و جماعت اور حواری مرزا قادیانی ہوا تھا، تازہ بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ ۲۰ اپریل یوم پنج شنبہ کو جناب قاضی سلطان محمود صاحب آہی اوان والے [۳۳] حسب استدعا مولوی صدر الدین کو ملکہ میں بلایا گیا جنہوں نے بعد تھوڑی سی گفتگو کے قاضی صاحب کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور عقائد مرزائیہ سے توبہ کر کے از سر نو داخل فرقہ سنت و جماعت ہوئے۔ آیندہ خدا تعالیٰ ان کو اس عقیدہ پر ثابت رکھے۔



۲۹ مئی ۱۸۹۳ء صفحہ ۷

مسیح موعود اپنی صداقت پر کیسے ناقابل تردید دلائل دیتا ہے۔

جناب مرزا صاحب قادیانی نے پھر ایک خط مولوی محمد حسین صاحب [۳۴] کو بھیجا ہے کہ آپ مجھ سے ایک عام جلسہ میں (خواہ جلسہ عیسائیوں سے پہلے یا پیچھے) میری صداقت کے آثار دیکھ لیں اور میری مخالفت سے باز آئیں تو بہتر ہے۔ تم اگر فیضان الٰہی کو یا خدا کی روح کو جو میرے ساتھ ہے دیکھا چاہتے ہو تو تاریخ قبول سے ۱۵ روز تک ایک سورہ قرآنی کے اسرار و معانی نکات و لطائف جو تم کو یاد ہوں ایک بار عام میں سناؤ اور یہ سورہ کچھ اوپر اسی آیت کی ہو اور بعد میں ایک عربی قصیدہ جو کم سے کم سو (۱۰۰) بیت کا ہو جناب ختم المرسلین صلوٰۃ اللہ علیہ والہ کی نعت میں پڑھ کر سنا دو یا دونوں کام مجھ سے دیکھو۔ مولوی صاحب نے منظور کر لیا ہے کہ میں تیری ہر ایک بات کے جواب دینے کو تیار ہوں مگر کرتے کراتے یہ امتحانی جلسہ عیسائیوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بعد جو اخیر مئی تک ہو جائے گا۔ پیچھے رہا۔

افسوس فی البدیہہ شعر بول دینا یا کسی کلام کے چند علمی نکات بیان کر دینا نبوت کا کیا ثبوت ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک رات دن میں ہر ایک فن کے نکات ورموز ایک سوبیس (۱۲۰) تک صرف ایک ہی آیہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. (البقرہ:۲۵۷) سے سوچکر ایک سال میں لکھی ہیں جس کا نام فتح الجلیل بعبدالذلیل ہے۔ امام عبداللہ یافعی نے صرف بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کے رموز وغوامض کو انیس (۱۹) جلدوں میں لکھا ہے یعنی ایک حرف کے لیے ایک جلد تیار کی ہے اور امام غزالی نے ''یاقوت التاویل واسرار التنزیل'' میں کچھ رہنے نہیں دیا۔ جس شخص کے پاس محی الدین عربی اور دیگر علمائے متصوفہ اور علمائے فلسفہ حقیہ (شرعیہ) وبلاغت ومعانی کی کتابوں کا ذخیرہ ہو اس کو کچھ مشکل نہیں کہ ایک وقت میں سامعین کو حیرت دلائے۔ اسی طرح عرب میں ہزاروں ایسے شاعر ہوگزرے ہیں کہ سو دوسو بیت کا قصیدہ فی البدیہہ کہہ دینا انہیں کچھ بات نہ تھی۔ حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی معقول ومنقول کے مشہور جامع عالم جب بلائے گئے تو مسجد کے امام نے حسداً خطبہ نہ دیا اور دستور تھا کہ ہر جمعہ نیا خطبہ بادشاہ کے حضور پڑھا جائے۔ آج کل بھی چند بیت اس نظم کے جمعہ میں لوگ خطبہ کے درمیان پڑھتے ہیں۔ مرزا صاحب کو بھی شاید پتہ ہو جس کے پہلے ہی الحمدلمن قدر خیرا و خبالا

تو پس معلوم نہیں کہ نہ ان علما سے اور نہ ان شعرا سے کسی نے اپنی ذہانت کو معجزہ یا اپنے دعوی کا ثبوت ٹھہرایا ہو۔ مسند ابی حنیفہ کے صفحہ ۲۸۹ میں ابن الصلاح سے منقول ہے کہ مامون الرشید کے پاس ایک چار سالہ لڑکے کو لائے جو حافظ قرآن تھا اسی طرح نہ کسی مامور من اللہ نے شعر گوئی کو اپنا مصداق بنایا۔ آخر پر ہم مولوی صاحب [مولوی محمد حسین بٹالوی] سے ملتمس ہیں کہ وہ اس اجابت سے کیا چاہتے ہیں۔



۱۲جون ۱۸۹۳ء صفحہ ۲

عبداللہ آتھم کے بارے پیش گوئی

امرتسر میں مابین مرزا صاحب قادیانی اور عیسائیاں جو ۲۲مئی سے جنگ مقدس یعنی مباحثہ مذہبی ہورہا تھا وہ پندرہ (۱۵) روز رہ کر ختم ہو گیا۔ مرزا صاحب نے اخیر دن کے جواب الجواب میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب عیسائی[۳۵] کی نسبت یہ پیشین گوئی مشتہر کر دی ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو ۱۵مئی تک ہاویہ میں ڈالا جائے گا یعنی مرجائے گا۔



[مضمون ذیل کا راقم مولوی فضل الدین ہے جو کہ بمطابق سراج الاخبار مورخہ ۱۷اپریل ۱۸۹۳ء کھاریاں کے مقیم تھے اور کچھ سال سے غیر مقلد ہو گئے تھے، علمائے اہل سنت کی زجرو تنبیہ سے تائب ہوئے اور اقرار نامہ بھی لکھ دیا مگر درپردہ اپنے نظریات پر قائم رہے اور بالآخر مرزا قادیانی کے حواری بن گئے۔ اس روداد مرتبہ مولوی فضل الدین مرزائی سے قبل سراج الاخبار مورخہ ۱۷اپریل ۱۸۹۳ء میں مباحثہ کھاریاں مابین مولوی فضل الدین و مولوی غلام احمد کی کیفیت شائع ہو چکی تھی، مولوی فضل الدین نے اس کے جواب میں یہ روداد لکھ کر اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجی جسے ایڈیٹر سراج الاخبار مولانا کرم الدین دبیر نے اپنے حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ ہم یہاں اس مضمون کو مع حواشی ایڈیٹر سراج الاخبار بعینہ شائع کر رہے ہیں۔ قادری]

۲۵جون ۱۸۹۳ء صفحہ ۶

مباحثہ کھاریاں ضلع گجرات

یہ وہ مباحثہ ہے جو ۱۴رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۲اپریل ۱۸۹۳ء کو مقام

کھاریاں میں مابین مولوی فضل دین صاحب ومولوی غلام احمد صاحب دربارہ حیات ووفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوا تھا اور جس کی مختصر کیفیت سراج الاخبار مطبوعہ ۱۴ اپریل ۱۸۹۳ء میں درج کی گئی تھی جس سے مولوی فضل دین صاحب کا صریحاً لا جواب ہونا ثابت ہوتا تھا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ شاید مولوی صاحب ممدوح نے اپنی رفع ندامت کی غرض سے اس بحث کو حسب منشائے خود مرتب کر کے اور اس میں کچھ اور اُمور جو مباحثہ میں پیش نہیں کر سکے تھے زیادہ کر کے ہمارے پاس بغرض اشاعت بھیجا ہے جس کو ہم بعینہ درج اخبار کرتے ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے پیچھے تغیر وتبدل اور الحاق کو کام فرمایا ہے اس کا تعاقب بھی موقع موقع اپنے فٹ نوٹ [Footnote] کے نیچے کرتے جاتے ہیں۔

سوال: مولوی فضل الدین: حیات مسیح علیہ السلام کا کیا ثبوت ہے؟

جواب: مولوی غلام احمد: نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء حق از فقہ اکبر

مولوی فضل الدین: آپ کوئی آیت قرآن شریف سے حیات مسیح میں دو۔

مولوی غلام احمد: اگر کوئی آیت دی گئی تو قبول کر کے اپنے عقائد آپ چھوڑ دیں گے۔

مولوی فضل الدین: بے شک اگر ثبوت حیات قرآن شریف سے مل گیا تو میں قبول کروں گا بیان فرمائے۔

مولوی غلام احمد: و ماقتلوہ یقینا ......بل رفعہ اللہ یعنی مسیح کو یہود نے قتل نہیں کیا...... بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا اس سے معلوم ہوا کہ زندہ ہیں۔

مولوی فضل الدین: اللہ تعالیٰ کی نفی قتل مسیح سے اصل غرض کیا ہے اور یہود کا مدعی قتل مسیح علیہ السلام ہونے سے کیا مطلب اصلی تھا۔

مولوی غلام احمد: بیان اصلی واقع گذشتہ کا اور رفع غلطی اہل کتاب ہے۔

مولوی فضل الدین: فقط اصلی غرض یہی نہیں کیونکہ زکریا اور یحییٰ و دیگر انبیاء کی بابت اثبات قتل یا نفی خاص طور پر نام لے کر قرآن شریف میں ذکر نہیں بلکہ خصوصیت ذکر قتل اور نفی قتل مسیح کی بابت اصلی غرض (۱) یہ ہے کہ توریت میں

(۱) جناب من اول تو یہ فرمائیں کہ نفی قتل مسیح کی بابت یہ غرض کس مفسر نے کس تفسیر میں اس آیت کی شان نزول میں روایت کی ہے جو اس کو اصل غرض ٹھہرا کر اس شان نزول کو جو جمہور مفسرین قرآن نے نقل کیا ہے غیر مقصود اصلی قرار دیا جاتا ہے چونکہ اکثر آیات قرآنیہ کا نزول حسب مواقع حالات ہوا ہے اس لیے تاوقتیکہ وہ واقعات کسی مفسر اہل ثقاہت سے منقول و مروی نہ ہوں۔ قرآن شریف کے بارے میں ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتے۔

دوم: یہ جو فرمایا کہ توریت میں مقرر ہے کہ جو شخص مصلوب ہو وہ لعنتی ہے۔ یہ تو بے شک حضرت موسیٰ کی کتاب استثنا باب ۲۱ آیت ۲۳ کا فقرہ ہے جو مجرم واجب القتل سے متعلق ہے لیکن اس فقرہ سے مابعد کی یہ عبارت (اس لیے یہود کی اصلی غرض اثبات نقل مسیح سے تا مقرب الی اللہ) آیا یہ بھی توریت کی ہی عبارت ہے یا یہودیوں کی کسی اور کتاب سے نقل کی گئی ہے مگر میں جزماً کہتا ہوں کہ یہ محض آپ کی من گھڑت تصریح ہے جس کو آپ نے توریت کے فقرہ بالا سے اپنے عندیہ کے مطابق حضرت مسیح کی نسبت تراشا ہے۔ اس صورت میں آپ نے صریحاً حدیث میں تفسیر القرآن برآیہ پر کاربند ہو کر اپنے آپ کو اس کی وعید کا مورد ٹھہرانا چاہا ہے

سوم: اگر بالفرض والتقدیر آپ کی اس تصریح کو صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ قرآن شریف کی آیت ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و بآؤ الغضب من اللہ ذلک بانھم کانوا یکفرون بایت اللّٰہ و یقتلون النّبیّن بغیر الحق (البقرہ:۶۱) اور دیگر بہت سی آیات سے ثابت ہے کہ یہود نے بہت سے پیغمبروں کو قتل کیا تھا بلکہ حسب تصریح تفسیر معالم التنزیل زیر آیت مذکور ایک دن ستر (۷۰) انبیاء کو اور حسب بیان تفسیر فتح البیان بروایت ابن مسعود تین سو (۳۰۰) نبیوں کو انہوں نے قتل کیا تھا اس صورت میں لازم آتا ہے کہ ان انبیاء کی روح جو مقتول ہوئے حسب عقیدہ مخترعہ آپ کے معاذ اللہ لعنتی ہو کر رفع آسمان سے بند کی گئی تھی۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی روح کی نسبت ایسا خیال کرنا صریحاً کفر ہے کیونکہ وہ سب کے سب مقبول و مقرب بارگاہ الٰہی تھے اور ہیں اور یہود ان کے قتل کے باعث ہمیشہ کے لیے غضب الٰہی اور طرح طرح کی ذلت وغیرہ کے مورد ہوئے جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ پس قرآن میں خصوصیت ذکر قتل اور نفی قتل مسیح سے اصلی غرض بجز اس کے اور کوئی مدنظر نہیں کہ بیان اصلی واقعہ گذشتہ کا اور رفع غلطی اہل کتاب کی جائے۔ ایڈیٹر

ہماری رائے میں ان کا مطلب یہ تھا کہ مسیح بنی آدم کے گناہوں کے لیے کفارہ نہیں ہوئے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ بخوشی خود پھانسی لے لیتے حالانکہ یہود نے جبراً ان کو پکڑ کر بزعم خود پھانسی دیا تھا۔ ایڈیٹر

مقرر ہے کہ جو شخص مصلوب و مقتول ہو وہ لعنتی ہے۔ اس لیے یہود کی اصلی غرض اثبات قتل مسیح سے یہ تھی کہ وہ رسول اور نبی نہیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے موت دے کر اپنی طرف اٹھالیا۔ یعنی مسیح کی روح کو مثل مقتولوں مصلوبوں کی لعنتی ہو کر اس کی روح آسمان سے بند کی گئی بلکہ مسیح نبی مرفوع الی اللہ یعنی مقرب الی اللہ ہے اور لفظ رفع سے مراد رفع روح ہے جو مقبولوں کو بعد موت ہوتی ہے۔ نہ مردودوں لعنتیوں کو جیسا کہ قرآن شریف کے دیگر مواضع لفظ رفع ہے اور ایسا ہی حدیث شریف میں وارفعنی سے مراد رفع روح اور درجات کا رفع ہے نہ رفع جسد۔

مولوی غلام احمد: ہم توریت انجیل سے استدلال نہیں مانتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصدقوا اهل الکتاب و لاتکذبوهم

یعنی اہل کتاب کو سچا اور جھوٹا نہ کہو۔

اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان کی کتابوں پر اعتبار نہیں۔

مولوی فضل الدین: اہل کتاب سے گزشتہ زمانوں کی خبریں روایت کرنی درست ہیں کیونکہ بخاری میں ہے۔ فرمایا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

حدثوا عن بنی اسرائیل و لا حرج

یعنی بنی اسرائیل یعنی اہل کتاب سے روایت کرنے میں حرج نہیں بے شک ان سے روایت کرو۔

شارح بخاری قسطلانی نے لکھا کہ منع پہلے تھا جبکہ احکام پورے نہ تھے جبکہ کامل ہوگئے اور خوف فتنہ نہ رہا تو حضرت نے اجازت فرمائی کہ گزشتہ خبریں ان سے بیان کرو کہ سمجھ اور عبرت پیدا ہوتی ہے۔

اب معلوم ہوا کہ اس حدیث سے حدیث منع کی منسوخ ہوگئی، اب جائز ہے۔

مولوی غلام احمد: بل رفعه الله میں مراد روح نہیں ہو سکتی کیونکہ جس جگہ دو ضمیر ہوں اور مرجع ایک ہو تو وہاں یہ جائز نہیں کہ ایک کا مرجع ایک اور دوسرے کا

مرجع دوسرا ہووے چنانچہ ماقتلوہ میں قتلوہ کا ضمیر جسد معہ روح کی طرف اور بل رفعہ اللّٰہ کا ضمیر فقط روح کی طرف پھیرنا درست نہیں۔ پس بل رفعہ اللّٰہ سے رفع جسد اور روح مراد ہے۔

مولوی فضل الدین: یہاں تخالف ضمیرین لازم نہیں آتا اس لیے کہ جس کے معہ روح کی طرف پہلا ضمیر راجع ہوتا ہے اسی کے روح کی طرف دوسرا بھی۔

چنانچہ جابر کی حدیث میں آیا ہے:

اباک فکلمہ کفاحا

یعنی حضرت نے فرمایا: اے جابر! تیرے باپ شہید سے اللہ تعالیٰ نے بالمواجہ کلام کی۔ (دیکھو کلمہ کا ضمیر جس کا مرجع اباک ہے بوجہ روح ہے نہ روح معہ جسد۔ حالانکہ اب کا لفظ روح معہ جسد پر بولا جاتا ہے لیکن ضمیر میں فقط روح (۱) ہی مراد ہے۔

مولوی غلام احمد: اس عبارت میں دو غائب کی ضمیر نہیں جس سے خصم کی دلیل پیدا ہووے۔

مولوی فضل الدین: اس عبارت سے میری یہ مراد ہے کہ ضمیر کے واسطے مرجع ضرور چاہیے جو پہلے ذکراً یا حکماً یعنی کلاً یا جزواً ہو۔ اگر مرجع پہلی مجموع دو چیزیں ہوں تو یہ لازم نہیں کہ وہ ضمیر دونوں کی طرف راجع ہو بلکہ جائز ہے کہ ایک کی طرف ہی راجع ہو جیسا کہ حدیث مذکور میں ہے۔

(حاشیہ: ثم اماته فاقبره الآیة. (۲) یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے موت دی پھر قبر میں دفن کیا اس کو دیکھو پہلے ضمیر سے مراد انسان جسد مع روح ہے اور دوسرے ضمیر سے فقط جسد کیونکہ قبر میں فقط جسد ہی دفن ہوتا ہے نہ روح ہے)

---

(۱) جب آپ خود ہی مانتے ہیں کہ جابر کا باپ جس سے خدا نے بالمواجہ کلام کی۔ شہید تھا تو اس صورت میں چونکہ شہدا کی حیات قرآنی نص قطعی سے ثابت ہے اس لیے لامحالہ خدا کی کلام اس کے روح مع الجسد سے ہی واقع ہوئی۔ ایڈیٹر

(۲) اس آیت سے بھی آپ کا استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ لفظ فاقبرہ کا ضمیر لفظ اماتہ کی طرف راجع ہے نہ انسان کی طرف یعنی پھر انسان کو مارا پھر اس میت کو قبر میں گاڑا۔ آپ نے فاقبرہ کی ضمیر کا مرجع انسان کو قرار دینے میں ناحق تکلیف کی۔ ایڈیٹر

اگر اس کے برخلاف کوئی نحوی قاعدہ ہے تو آپ کے ذمہ اس کا ثبوت دینا ہے اور آیت بل رفعه الله میں ایفاء اس وعدہ کا ہے جو آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ (ال عمران: ۵۵) میں عیسیٰ کو وعدہ دیا گیا تھا کہ اے عیسیٰ میں تجھ کو موت (۱) دینے والا ہوں یعنی تجھ کو اپنی موت سے ماروں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا۔

---

(۱) متوفیک کے معنی مستقلاً موت کے کرنے خلاف لغت عرب اور تفاسیر قرآنی ہیں کیونکہ متوفی کا لفظ توفی سے ماخوذ ہے اور توفی کے معنی لغۃً اخذ تام اور قبض کے ہیں جس کو اردو میں پورا لینا کہتے ہیں اور چونکہ موت میں بھی قبض روح ہوتا ہے اس لیے موت پر بھی توفی کا اطلاق کیا جاتا ہے جو ایک فرد توفی ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی وابوالسعو د اور تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہے: التوفی اخذ الشیء وافیا والموت نوع منه اور کمالین میں لکھا ہے: التوفی هو القبض يقال توفيت درا همی منه ای قبضت اور ۔۔۔ میں ہے: توفی تمام بستاون یعنی پورالینا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ توفی کے اصل معنی پورا لینے کے ہیں تو آیہ کریمہ سے انی متوفیک ورافعک ... کے یہ معنی ہوئے کہ اے عیسیٰ میں تجھ کو دشمنوں میں سے پورے طور پر یعنی روح مع الجسم کے لینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور یہ اس طرح پر ہے کہ خدا کو معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ کے رفع آسمان پر بعض آدمی یہ وہم کریں گے کہ ان کی صرف روح ہی گئی ہے اور جسد زمین میں مدفون ہے جیسا کہ آپ کا اور مسیح قادیانی کا وہم ہے۔ اس لیے خدا نے ان کے اس باطل خیال کو رد کرنے کے لیے لفظ متوفیک فرمایا۔ چنانچہ تفسیر خازن اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے: ان معنیالتوفی اخذ الشئی وافیا و لما علم اللّٰه تعالیٰ ان من الناس من یخطربباله ان الذی رفعه اللّٰه الیه هورو حه دون جسده كما زعمت النصارى أن المسيح رفع لاهوته يعنى روحه وبقى فى الأرض ناسوته يعنی جسده فرد اللّٰه عليهم بقوله انى متوفيك و رافعك الى فاخبر اللّٰه انه رفع بتمامه الى السماء بروحه و جسده جميعا و يدل على صحة هذا التاويل قوله تعالیٰ و ما يضرونك من شئی انتهیٰ ملخصاً۔

علاوہ اس کے تفاسیر الا مین اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی ایک اقوال موجود ہیں جو سب کے سب آپ کے معنی موت کے مخالف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ توفی کے معنی موت کے بھی آئے ہیں مگر جہاں کہیں قرآن میں موت کے معنی مراد ہیں وہاں سب جگہ وہ قرینہ بھی موجود ہے جس کے رو سے موت کے معنی ہو سکتے ہیں اور جو صاحب قرآن سے توفی کے معنی مطلق موت کے لیتے ہیں ان کو آیات و توفی کل نفس تا کسبت اور وفیت کل نفس کسب وغیرہ بغور پڑھ کر شرمندہ ہونا چاہیے۔ ایڈیٹر

متـــوفیک کے معنی موت کے بخاری میں (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو رفع اور اٹھانا ساتھ موت کے ہو تو وہ رفع روح ہے نہ رفع جسد۔

پس جبکہ آیت وعدہ میں رفع روح مراد ہے تو بل رفعہ اللہ میں جو ایفاء اس وعدہ کا ہے، رفع روح ہی مراد ہونا ضرور ہے کیونکہ وعدہ اور ایفاء وعدہ میں مطابقت ضروری ہے اور جبکہ قرآن شریف سے متـــوفیک کے لفظ سے بحسب تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما موت ہی کے معنی مراد ہیں تو سمجھا گیا کہ عیسیٰ پر موت وارد ہوگئی اور ایسا ہی پارہ ہفتم میں آیت اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی

(۱) بخاری کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی نقل کرنے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی موت قبل رفع آسمان کے ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابن عباس ان مفسرین میں سے ہیں جو آیت یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی کو مقدم و موخر سمجھتے ہیں یعنی اس طرح پر تصور کرتے ہیں۔ عیسی انی رافعک الی و مطھرک من الذین کفروا و متوفیک بعد انزالک الی الارض اور وجہ ایسا سمجھنے کی یہ ہے کہ قول رافعک الی اس بات کا مقتضی ہے کہ خدا مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھائے اور حرف واؤ مابین متـــوفیک و رافعک الی وغیرہ ترتیب کا مقتضی نہیں ہے جس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرنا پھر ان کا اٹھایا جانا ضروری ہو بلکہ وہ مطلق جمع پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ صرف نحو کی کتب سے ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس کا اس آیت کے الفاظ کو مقدم موخر سمجھنا خود ان کی تفسیر عباسی سے ثابت ہے جو بروایت کلبی ان سے مروی ہے اور چھپی ہوئی موجود ہے جہاں آیت انی متوفیک و رافعک الی کو نیچے لکھا ہے مقدم و موخر سو اس طرح کا تقدم و تاخر قرآنی آیات میں کثرت سے واقع ہے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو تفسیر اتقان میں نوع ۴۴ کو پڑھو اور تفسیر ابوالسعود میں لکھا ہے: والصحیح ان اللّٰہ تعالیٰ رفعہ من غیر وفاۃ ولا نوم کما قال الحسن و ابن زید و ھو اختیار الطبری و ھو الصحیح عن ابن عباس. لیکن یہ بھی واضح رہے کہ بخاری میں بروایت ضعیف ابن عباس سے یہ معنی مروی ہیں کیونکہ بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے اور شرح بخاری کی تصریح سے ثابت ہے کہ ابن عباس سے اس معنی کا راوی علی بن طلحہ ہے جس نے ابن عباس کو نہیں دیکھا اور بطور ارسال ان سے روایت کرتا ہے اور نیز خطا کیا کرتا ہے چنانچہ تقریب میں لکھا ہے: علی بن أبی طلحۃ ارسل عن ابن عباس و لم یرہ من السادسۃ صدوق و قد یخطی اور خلاصہ میں ہے: قال أحمد لہ اشیاء منکرات و قال الفسوی ضعیف. انتہیٰ
ایڈیٹر

ابنَ مَریَمَ ءَ انتَ قُلتَ تا فَلَمَّا تَوَفَّیتَنِی کُنتَ انتَ الرَّقِیبَ عَلَیھِمْ ہے۔(۱)

یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ کیا تُو نے کہا تھا لوگوں کو کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ بنا کر پوجو سوائے اللہ کے۔عیسیٰ نے عرض کی پاک ہے تُو (اخیر کلام تک) کہ جب تک میں ان میں رہا، میں ان کے حال پر شاہد رہا، پس جس وقت تُو نے مجھے موت دی اس کے پیچھے تو ہی ان پر نگہبان تھا یعنی موت سے پہلے میں نے ان کو غیر اللہ کی بندگی سے روکا لیکن میرے مرنے کے بعد تُو ہی ان کا حال جانتا ہے کہ کس کو پوجتے رہے۔(المائدہ:۱۱۷)

چنانچہ اس آیت کے زیر تفسیر امام بخاری اپنی صحیح میں یہ حدیث لایا کہ حضرت نے فرمایا کہ میں بھی اپنی امت کی بابت مثل (۲) عیسیٰ کے کہوں گا یعنی فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم

(۱) اول: تو یہ آیت حسب تصریح اکثر مفسرین قرآن قیامت سے متعلق ہے اور یہ سوال و جواب مابین اللہ جل شانہ اور مسیح کے قیامت کو ہوں گے اس لیے اس سے مسیح کی وفات قبل از رفع ثابت نہیں ہو سکتی۔ہاں اگر جمہور اہل اسلام کا یہ دعویٰ ہوتا کہ مسیح نہ اب فوت ہوئے نہ آیندہ مریں گے یوں ہی اہل حشر کے ساتھ شامل ہو جائیں گے تو البتہ اس آیت سے کچھ مطلب نہ مل سکتا مگر جبکہ یہ مسلم ہے کہ وہ نزول کے بعد اور قیامت سے پیشتر وفات پائیں گے اور قیامت کو وفات کا اقرار کریں گے تو پھر اس آیت کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے۔
دوم: وہ مفسرین جو اس سوال و جواب کو قبل از قیامت قرار دیتے ہیں وہ اس آیت میں لفظ توفی کے لغوی معنی اخذ تام و بعض کے مراد رکھتے ہیں اور معنی فلما توفیتنی ای قبضتنی من الدنیا کرتے ہیں۔جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے خدا جب تُو نے مجھے دنیا سے لے لیا اور قبض کر لیا تو وہ اس وقت صرف تیری نگہبانی میں ہو گئے۔چنانچہ تفسیر عباسی میں بھی زیر آیت مذکور لکھا ہے۔۔۔۔۔

(۲) اس حدیث سے تو بجائے وفات کے حضرت عیسیٰ کی حیات ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے قول کو حضرت عیسیٰ کے قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور فاقول کما قال العبد الصالح فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا: فاقول ما قال العبد الصالح پس کہوں گا میں وہ جو کہا بندہ صالح یعنی عیسیٰ نے اور چونکہ مشبہ اور مسبہ میں مغائرت ہوتی ہے نہ عینیت۔اس لیے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے توفی اور حضرت عیسیٰ کے توفی میں مغائرت ہے نہ عینیت۔سو آنحضرت ﷺ کے توفی تو قطعاً بذریعہ موت کے ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ کی توفی بذریعہ موت کے نہیں ہوئی بلکہ بذریعہ رفع و اصعاد کے ہوئی ہے جو مشابہ موت ہے۔ایڈیٹر

یعنی اے اللہ تعالیٰ میرے مرنے کے بعد امت کا تو ہی واقف تھا تو ظاہر ہے کہ وہی لفظ فلما توفیتنی کا مثل عیسیٰ کے حضرت نے اپنے پر بول کر موت ہی مراد لی تو جب عیسیٰ نے یہی لفظ بعینہ اپنے پر بولا تو مراد موت ہی ہونا ہوتا ضرور ہے حالانکہ امام بخاری نے اس موقع پر اس صفحہ میں متوفی کے معنی موت کے کیے تاکہ سمجھا جائے کہ توفی کے معنی موت کے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عیسیٰ پر آیت متذکرہ کے بموجب موت وارد ہو گئی۔ پھر پارہ چہاردہم میں ہے: وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ. اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ. (۱)[النحل:۲۰]

یعنی جو لوگ بزرگ معبود گردانے گئے وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے اور من جملہ معبود گردانے گئیوں (یعنی گردانے ہوئے) کے عیسیٰ بھی معبود نصاریٰ ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ بھی مردہ ہیں زندہ نہیں چنانچہ پارہ دہم میں ہے

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ. (التوبۃ:۳۱)

یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور فقیروں اور مسیح ابن مریم کو سوا اللہ کے معبود بنالیا۔

اور پارہ چہارم میں ہے: وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ . قَدْ خَلَتْ (۱) مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ .... الی آخرہ (۲)[ال عمران:۱۴۴]

(۱) اس آیت کو جو خاص بتوں کی نسبت وارد ہے غلط ترجمہ سے حضرت عیسیٰ پر محمول کر کے ان کو بتوں کے زمرہ میں قرار دینا صرف انبیاء کی توہین ہی نہیں بلکہ صریحاً کتاب اللہ میں تحریف معنوی کی جرات کرنا ہے۔ ایڈیٹر

(۲) اگر خَلَتْ کے معنی موت کے ہوتے تو پھر آپ کا کچھ مطلب نکل سکتا مگر جب خلت کے معنی مضت کے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے کل پیغمبر گزر چکے ہیں تو پھر آپ اس آیت سے کس طرح دلیل پکڑ سکتے ہیں کیونکہ دنیا سے گزر جانا عام ہے خواہ موت سے ہو یا قتل یا رفع و اصعاد سے۔ افسوس ایسے دلائل سے مسیح کی وفات ثابت کی جاتی ہے کہ جن کو موٹی سے موٹی عقل کا آدمی بھی قبول نہ کر سکے۔ ایڈیٹر

یعنی جنگ احد میں جب کفار نے یہ شور مچایا کہ پیغمبر شہید ہو گئے اور صحابہ کرام بے جا اس ظن میں پڑ گئے اور سست دل ہو کر بھاگنے پر تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرمایا کہ محمد بھی رسول ہے اس سے پہلے کل پیغمبر فوت ہو چکے ہیں کیا پیغمبر خدا فوت ہو جائے یا شہید ہو جائے تو تم دین سے پھر جاؤ گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل نبی گذشتہ فوت ہو چکے ہیں اور اسی زمرہ میں عیسیٰ بھی داخل ہیں ان سے مستثنٰی نہیں۔

الرسل کا لام استغراقی ہے اگر استغراقی نہ کہا جائے تو آیت کا مطلب ثابت نہیں ہوتا۔

راقم

مولوی فضل الدین از کھاریاں

☆

۳ جولائی ۱۸۹۳ء صفحہ ۷

الحق یعلو و لا یعلیٰ

پادریان امرتسر جنڈیالہ بمقابلہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی عہدہ برآ نہیں ہو سکے اور۔۔۔ مرزا صاحب کے ہاتھ رہا۔ بڑے سے بڑا پیچیدہ اور ادق مسئلہ جو اول ہی اول طے ہوا، اُلوہیت مسیح کی نسبت تھا جو سرآمد عیسائیاں عبداللہ آتھم مان گئے کہ ہم مسیح کو مظہر اُلوہیت کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ گو مظہر میں بھی کلام تھا مگر مسیحیوں نے مظہر بضم میم پر دستخط کر دیے ہیں کیونکہ مظہر بفتح میم میں ورود اُلوہیت پایا جاتا تھا۔ راقم محمد اعظم میروالی

☆

۱۱ ستمبر ۱۸۹۳ء صفحہ ۷

جناب ایڈیٹر صاحب!

میں ایک دن ایسا محظوظ ہوا کہ کہہ نہیں سکتا۔ بات یہ ہوئی کہ دو شخص باہم بیٹھے

تھے ایک عربی نہ جانتا تھا پر مرزا صاحب قادیانی کا مخالف تھا۔ دوسرا عربی دان اور موافق۔

مگر یہ اس کے رعب اور غلظۃ سے ڈرتا تھا۔ وہ صاحب صوفی عبدالحق غزنوی کے اس بیت کو اکفر مرزا فھل من مبارز یباھلنی فی انه لیس کافر پڑھ رہے تھے اور جب فی انہ لیس کافر پر آتے تو اس کی طرف دیکھتے۔ یہ بھی سر ہلا کر کہہ دیتے فی انه لیس کافر. مجھے ہنسی آئی اور بغیر جتائے چلا گیا۔

راقم: محمد اعظم میرووالی



۲۵ستمبر ۱۸۹۳ء صفحہ ۶

تحریر معنون بہ "اہل اسلام کی فریاد" مرسلہ حکیم نورالدین صاحب پر مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھیں علاقہ چکوال کی تقریر

مندرجہ عنوان مطبوعہ ریاض ہند قادیان مرسلہ حکیم نورالدین صاحب بھیروی واقعہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء کو بھیں میں پہنچی۔ تحریر مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یورپ کا فلسفہ جو ممالک اسلام میں پھیلا ہے اس نے اسلام میں اضطراب ڈال دی ہے اور ہزاروں نو تعلیم یافتہ اس پاک مذہب کو خیر باد کہہ بیٹھے ہیں۔ بہر حال علم (فلسفہ) مذہب کا تعاقب کر رہا ہے اور مذہب آگے بھاگ رہا ہے کوئی ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز کو پبلک کے سامنے رکھے، کوئی ہے کہ کسی قسم کی کوئی پیش گوئی شائع کرے تا کہ اس کے پورا ہونے سے اسلام کو سہارا ہو، اگر کوئی اس درد کا دوا جانتا ہو تو آئے ہماری دوا کرے (کوئی پیش گوئی شائع کرے یا قرآن کے کسی حصہ کی ایسی تفسیر لکھے جس میں قرآن کے اعجاز دکھلاوے)۔ ورنہ یہ اقرار شائع کرے کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ایسا کر دکھلائیں تو مسیحی ہو جائیں۔ یہ جواب بھیرہ ضلع شاہ پور میں پہنچے۔ جن لوگوں

نے کوئی جواب نہ لکھا تو ہم قیامت میں ان کے دامن گیر ہوں گے۔ اس تحریر کے شائع کرنے والے حکیم نورالدین وفضل الدین صاحبان وغیرہما ہیں۔ اس تحریر کے پہنچنے پر مجھے فقرہ (جن لوگوں نے کوئی جواب نہ لکھا ہم ان کے دامن گیر ہوں گے) کے دیکھنے سے تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ عرض حال کروں۔ آہ جب یہ سوچا جاتا تھا کہ اس تحریر کے مخاطب تو وہ حضرات ہیں جن کے نفس نفیس پبلک کے جائے پناہ ہیں وہ جن کے قلوب چشمہ والذین اوتوا العلم درجات سے جرعہ نوش ہیں تو مجھے اس زمرہ میں شامل ہونا اور اس کے جواب میں ریمارک (Remark) کرنا اپنی حد سے بڑھ کر قدم رکھنا دکھائی دیتا تھا۔ گو واہب العطایا کے عمیم فیض سے بعید نہیں ہے کہ مجھ کو ہی ان میں سے بنا دے۔ اللھم اجعلنی منھم. آمین

اب واقعہ ۱۸ اپریل ۱۸۹۳ء کو یہی تحریر مرسلہ مولوی نوراللہ شاہ صاحب سیالکوٹی مع ایک نوازش نامہ مشتمل بر فرمائش تحریر جواب مجھے پہنچی اور بعض احباب کے خطوط نے مجھے اور بھی تائید کی تو بمقتضائے الامر فوق الادب یہ چند سطریں گزارش خدمات عالیہ احباب وخواہان (ابدھم اللہ تعالیٰ فی عصمتہ) ہیں۔

اور نیز پبلک کے حقوق کی رعایت کے لیے ان سطور کو سراج الاخبار جہلم میں شائع کیا جاتا ہے۔ خدمت میں دادخواہان کے گزارش ہے کہ میں اس امر میں آپ سے لفظی اور معنی اتفاق رکھتا ہوں کہ اسلام کی اب وہ حالت ہے کہ اس کے درمان کے لیے کوئی حاذق حکیم ہو جو اس کی بیماری کی تشخیص کرے اور پھر مناسب دوائی دے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ علم مذہب کا تعاقب کر رہا ہے اور مذہب بھاگا چلا جاتا ہے راست ہے مگر ہر ایک مذہب اسلام کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ہر ایک مذہب میں ضرور ہی مافوق العقل باتیں ہوتی ہیں اگر مذہب مافوق العقل نہ ہوتا تو تمام دنیا ایک مذہب کی ہوتی۔ نبیوں کی تبلیغ اور کتب الٰہیہ کا نزول کا ہے کو ہوتا۔ پیشوا اور پس رو سے دنیا پاک ہوتی۔ مافوق

العقل میں جو عقل ہے اس سے مراد عقل انسانی نوعی ہے۔ اس بات کی کوشش میں کہ مذہب کو عقل کے مطابق کیا جائے اور جو اُمور مذہبیہ عقل کے فوق دیکھے جاتے ہیں ان کو عقل کے احاطہ میں دیا جائے۔ سر سید احمد خان صاحب بہادر [ج] نے بڑی سعی کی۔ قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ آیات بینات کی ایسی مستحسن تشریح فرمائی کہ مہبط وحی کے خیال شریف میں بھی نہ آئی تھی۔ اپنے ارادہ کے پورا کرنے کے لیے قرآن کے مافوق العقل مسائل سے معجزات جن ملائک اور بعض دیگر مسائل کو تو مفسرین کی غلط تفسیر کا نتیجہ قرار دیا۔ اور ان کو یہودیوں کا مقلد بنایا جن نصوص قاطعہ سے یہ مافوق العقل مسائل کھلے طور سے ثابت ہوتے تھے ان کو ایسا محرف فی المعانی بنایا کہ اس کو تاویل بھی نہیں کہا جا سکتا اور طرفہ یہ کہ آپ تاویل کو بھی کفر خیال کرتے ہیں بایں ہمہ وہ خدائے واحد بعث نشر رسل ثواب عقاب روزہ حج اور ان کی ان جزئیات مسائل کو جو مافوق العقل ہیں۔ مانے بیٹھے ہیں یورپ کے فلسفہ کی تقلید تو کر لی مگر قرآن کی مافوق العقل باتوں سے انکار نہ کر سکے تو پھر اس سے بجز اس کے کہ انہوں نے مسلمانوں کی ایک بھاری جماعت کو قرآن کریم کے اکثر حصہ کا منکر بنایا کون سا فائدہ اٹھایا۔ یورپ کے فلاسفہ نے جو علمی تحقیقات سے نتائج نکالے ہیں۔ افسوس ہے کہ سید صاحب نے قرآن کو ان کے مطابق کرنا چاہا اور ان تحقیقات کو قرآن کریم کی ربانی تحقیقات سے زیادہ تر عزیز اور موثوق بہا خیال فرما کر قرآن کی صحت ان کی تطبیق پر موقوف رکھ دی۔ حیف کہ وہ اپنے اس ارادہ کو پورا نہ کر سکے اور باتوں سے قطع نظر صرف خدائے جل جلالہ کو اس کی صفات کاملہ (جن کو کتب الہامیہ نے بیان فرمایا ہے اور سید صاحب بھی ان کو مانتے ہیں) یورپ کے فلسفہ کے قوانین سے ثابت کر دیں تو ہمارا ذمہ یورپ کے فلاسفوں نے اپنے فلسفہ سے خدائے جل وعلا کو ایک انسانی پیدا کردہ خیال ثابت کیا ہے اور اگر کسی ایک آدھ نے مذہبی تقلید سے کچھ مانا بھی ہے تو وہ بھی علۃ العلل جو نہ جانتا ہے نہ سنتا ہے۔ ان تمام صفات قدسیہ سے عاری ہے۔ جو سید

صاحب نے عوام مسلمانوں کی تقلید سے تجویز کی ہوئی ہیں پس کیا سید صاحب نے جو تجھے تجویز مذہب کو علم سے بچانے کی گھڑی تھی وہ اس میں کامیاب ہوئے۔حاشاوکلا

اب مرزا صاحب نے اگر مذہب کو علم سے بچانے کا بیڑا اٹھایا ہے تو فائدہ کی بات ہے الاّ آج سے پہلے ایک دراز مدت گذر چکی ہے کہ مرزا صاحب نے گونا گوں دعاوی کرنے شروع کیے ہیں اور تجدید اسلام پاک کا منصب اپنے لیے تجویز کیا ہے اس مدت میں مرزا صاحب سے جو تحریرات شائع ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں؛ ایک تو وہ ہیں جو مخالفان اسلام کی تردید میں مرزا صاحب نے شائع فرمائی ہیں ان کی نسبت تو میں سچے دل سے یہ اقرار کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی ہمدردی اور اس کی امداد میں بیش بہا خدمات ہیں۔ ہر زمانہ میں ان تحریرات سے خلق خدا کی بہبودی متصور ہے اور دوسری وہ تحریرات ہیں جن کو مرزا صاحب نے مسلمان بھائیوں کے جمہوری عقیدہ کے برخلاف شائع کیا ہے ان میں متعدد دعاوی ہیں وہ تحریرات بڑے وثوق سے اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ جناب مرزا صاحب کو وہ لیاقت علمی اور مادہ نہیں ہے جو ان کے دعاوی اور قرآن کے معمولی ترجمہ سے بھی تہی دستی ہے تو وہ کس طرح قرآن کی ایک تفسیر لکھیں گے جو قرآن کے اعجاز بیان کرے گی۔اب میں نمونہ کے طور پر ان کی کتاب ازالۃ الاوہام سے چند مقامات پبلک کے سامنے رکھتا ہوں جن سے واضح ہو جائے گا کہ مرزا صاحب کہاں تک فلسفہ اور اسلام سے ناواقف ہیں۔

ازالۃ الاوہام کا پہلا مقام صفحہ ۴۷ تا ۴۹ حصہ اول میں اہل اسلام کے اس عقیدہ پر کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں اور وہاں سے زمین پر اُتریں گے۔اس عبارت سے اعتراض کرتے ہیں: ’’از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ جو لوگ آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں وہ البتہ ان کی حرکت کے بھی قائل ہیں اور حرکت بھی دولابی خیال کرتے ہیں اب اگر فرض کیا جائے کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ

آسمان پر گئے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہر وقت اوپر کی سمت میں ہی نہیں رہ سکتے بلکہ کبھی اوپر کی طرف ہوں گے اور کبھی زمین کے نیچے آجائیں گے۔ اس صورت میں اس بات پر وثوق بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ ضرور اوپر ہی کی طرف سے اتریں گے کیا یہ ممکن نہیں کہ زمین کے نیچے سے ہی نکل آئیں کیونکہ درحقیقت ان کا ٹھکانہ تو کسی جگہ نہ ہوا اگر صبح آسمان کے اوپر ہوئے تو شام کو زمین کے نیچے۔ پس ایسی مصیبت ان کے لیے روا رکھنا کس درجہ کی بے ادبی میں داخل ہے۔ انتہیٰ بلفظہ

تاڑنے والے تاڑ جائیں گے کہ مرزا صاحب کو فلسفہ حال اور ماضی سے کچھ بھی مس نہیں ہے اور ثابت ہے کہ جس شخص کو فلسفہ کے اصولوں سے اس حد تک ناواقفی ہو وہ فلسفہ کے حملہ جات سے اسلام کو کس طرح نجات دے سکتا ہے۔ ریاضی ومبادی جو آج کل سرکاری مدارس ہیں نو آموز لڑکوں کو سکھائے جاتے ہیں ان پر بھی سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مرزا صاحب کا پہلا فقرہ ''جولوگ آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں وہ البتہ ان کی حرکت کے بھی قائل ہیں'' کہاں تک ان کی سادگی کی شہادت دیتا ہے۔ مرزا صاحب کو معلوم ہو کہ جولوگ آسمانوں کے وجود کے قائل ہیں وہ بتامہم ان کی حرکت کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ تین فرقہ ہیں پہلا فرقہ اکثر مسلمانوں کا جو آسمان اور زمین دونوں کو ہی ساکن مانتے ہیں اور دن رات کی تبدیلی سیاروں کی حرکت پر موقوف جانتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت کل فی فلک یسبحون (ہر ایک ان میں سے آسمان میں تیرتا ہے) انہیں صاحبوں کی تصدیق میں ہے۔ کاش جامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی یوسف زلیخا کے یہ چند ابیات بھی مرزا صاحب کی نظر فیض اثر سے نہیں گزرے

در رقص ازرق طیلساھان

سد وائے نور بر عالم فشانان

ھمہ دور شبانہ روزی گرفتہ

بمقصد راہ پہ روزی گرفتہ
ولے بیک چو گوئے از جنبش خاص
بچوگان ارادت گشتہ رقاص

دوسرا فرقہ اکثر یونانیوں کا جو زمین اور سیارگان کو مان کر رات دن کی تبدیلی آسمان کی دولابی حرکت پر موقوف جانتے ہیں ان کی مراد زمین کی سکون سے حرکت متدیرہ کی نفی ہے۔ سیارگان کی سکون سے حرکت بالذات اور حرکت بالواسطہ فی الثبوت کی نفی مراد ہے۔ واسطہ فی العروض کی حرکت سیاروں میں مانتے ہیں۔

تیسرا فرقہ یونانیوں اور اکثر انگریزوں کا ہے جو آسمان کے سکون اور زمین کی متدیرہ حرکت کے قائل ہیں۔ یہ ہر سہ مذہب جو بازار کے لونڈوں اور شرک کے قلیوں کو بھی معلوم ہیں۔ افسوس کہ مجدد اسلام کو معلوم نہیں ہوئے۔ مجدد وقت کی مراد اگر فرقہ منظور فیہا سے بعضیہ کی ہے تو یہ فقرہ ان کے اس نتیجہ کو مانع ہوگا جو انہوں نے آسمان کی حرکت سے نکالا ہے یعنی مسیح کا ڈانواڈول زیر و زبر ہونا اور سخت مشقت میں مبتلا ہونا اور اس امر کا جائز ہونا کہ وہ زمین کے نیچے سے ہی نکل پڑیں۔

ناظرین آپ ہی سوچیں اور مرزا صاحب کے اس فقرہ سے ان کی معلومات کا ذخیرہ جانچیں اگر ان تمام گندگیوں اور مفاسدوں کو نظر انداز کیا جائے جو مرزا صاحب نے نتیجہ مسطورہ میں بھرے ہیں تو صرف اسی قدر جواب مرزا صاحب کو بہرہ گونگا بنا دے گا کہ حضرت جو لوگ مسیح کو آسمان پر مانتے ہیں وہ آسمان کی حرکت کے قائل نہیں ہیں پھر ان کے مسلمات سے مسیح کو وہ تکلیف جو آپ نے حرکت فلکیہ سے تجویز فرمائی ہے ہرگز نہیں ہوتی۔ ہاں اگر یہ تکلیف تجویز فرماتے کہ مسیح کو آسمان پر ماننے سے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہر وقت دھوپ میں کڑھتے ہوں گے تو البتہ قابل تحسین ہوتی پھر مرزا صاحب کا یہ سوچنا کہ آسمان کی حرکت متدیرہ سے لازم ہے کہ مسیح اگر صبح آسمان کے اوپر ہوتے

ہوں گے تو شام کو زمین کے نیچے آجاتے ہوں گے ان کی جہالت پر مزید ثبوت ہے کیوں مرزا صاحب نے علم ہیئت کے سیکھنے والے سے دریافت نہیں فرمالیا کہ آسمان ہر طرف سے زمین کے اوپر ہی ہے۔ آسمان کی حرکت متدیرہ سے آسمانی چیزیں زمین کے نیچے نہیں آجاتیں۔ مرزا صاحب نے شام کو آفتاب غروب ہوتا دیکھا ہوگا اور مجدد عقل سے گانٹھ لیا ہوگا کہ اب آفتاب زمین کے نیچے دب گیا ہے حالانکہ وہ اس وقت بھی گو مرزا صاحب کی نظر سے غائب ہے مگر زمین کے اوپر ہی اہل زمین پر نور برسا رہا ہے۔ زمین کروی شکل ہے اس لیے آفتاب بعض جگہ ظاہر اور بعض جگہ غائب نظر آتا ہے۔ زمین ہر جانب سے ایسی ہی آسمان کے نیچے ہے جیسے آپ کی قادیان۔ توبہ۔ دمشق۔ پھر آسمان کی حرکت سے مسیح زمین کے نیچے سے کیسا نکلے گا۔ سنیے حضرت جس کو آپ نیچے کہتے ہیں وہ تو زمین کے عمق میں محدد کی ہر طرف سے مساوی المسافت ایک نقطہ ہے۔ اس کی ہر جانب فوق ہی فوق ہے۔ کاش وہ ذی خبرت اصحاب جو آپ کو مجددی کا جبہ پہنانا چاہتے ہیں اور حضرت مسیح کی چوکی پر بٹھانا سوچ رہے ہیں پہلے آپ کو کچھ سکھا لیتے تاکہ ایسی مستہجن شنیعہ غلطیوں سے آپ زحمت نہ اٹھایا کریں پھر مرزا صاحب کا تجویز فرمانا کہ آسمان کی حرکت سے مسیح کو نہایت تکلیف ہوتی ہوگی کیونکہ کبھی وہ آسمان کے اوپر آگئے اور کبھی الٹے ہو کر زمین کے نیچے دہرے گئے۔

مرزا صاحب کی بے علمی کی بڑی زور سے سفارش کرتا ہے۔ مرزا صاحب قبلہ! آپ اپنے نو تعلیم یافتہ حواریوں سے دریافت فرمائیں کہ تم لوگ جو زمین کی حرکت متدیرہ کے قائل ہو کر زمین کے اوپر رہتے ہو تو کیوں تم زمین کے اُلٹا ہونے سے اُلٹے ہو کر زمین کے نیچے آسمان کی زیریں سطح پر نہیں پڑتے۔ اُمید ہے کہ یہ لوگ آپ کی تسلی کر دیں گے۔

دوسری قسط ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۳ء صفحہ ۶

کتاب ازالۃ الاوہام کا دوسرا مقام انجیل متی باب ۲۴ میں جو مسیح کے مکرر نزول کی

علامتوں سے ایک یہ بھی علامت لکھی ہے کہ ستارے آسمان سے گر جائیں گے۔ اس کے ظاہری معنی کے غیر مراد ہونے کے لیے عبارت مندرجہ ذیل ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۲،۵۳ پر تسطیر فرماتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آسمان کا ایک بھی ستارہ زمین پر گرے تو تمام دنیا کے ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ کوئی ستارہ عرض طول میں زمین کے معمورہ سے کم نہیں ہے۔ ایک ستارہ گر کر زمین کی تمام آبادی کو دبا سکتا ہے۔ الخ

مجھے اس امر سے سروکار نہیں ہے کہ فقرہ (ستارے آسمان سے گر جائیں گے) جو انجیل متی باب ۲۴۔ ۲۹ آیت میں شاید لکھا ہے سے کیا مراد ہے اور وہی مراد کیوں نہ ہو جو حضرت مجدد صاحب نے لکھی ہے یا کہ یہ فقرہ الہامی نہ ہوا۔ الغرض جو کچھ ہو بات تو اس میں ہے۔ جب ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) کے فاضل آپ کے حواریین میں سے کئی ایک اصحاب ہیں بلکہ آپ نے پیسہ اخبار لاہور مطبوعہ اپریل ۱۸۹۳ء میں جو ایک تحریر اپنی اس پیش گوئی کی تائید میں شائع کرائی ہے جو آپ نے پنڈت لیکھ رام کی نسبت پچھلے دنوں شائع فرمائی تھی اس تحریر میں آپ نے بڑے فخر سے اس امر کا اظہار فرمایا تھا کہ ہمارے مستفیدین (مریدوں) میں سے بہت سے اصحاب تو وہی ہیں جو علوم جدیدہ کی روشنی سے رنگین ہیں تو پھر حیف کا مقام ہے کہ آپ اس قدر بدیہہ غلطیوں کے مصدر ہوتے ہیں اور پہلے اپنی تحریرات صاحبان مذکورین کو دکھلا نہیں لیتے۔ زمین اور ستارہ دونوں کُروی شکل کے ہیں۔ پس ستارہ اگر زمین سے ہزار حصہ بڑا کیوں نہ ہو زمین پر گرنے سے زمین کو بتمام کیا بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہ دبا سکے گا۔ کُرہ اگر کُرہ سے ملاقات کرے تو صرف ایک نقطہ پر ملاقات ہوتی ہے۔ زمین اگر کُرہ غیر حقیقی ہے تاہم ستارہ کے کُرہ حقیقی ہونے سے زمین کا بہت ہی تھوڑا حصہ دبا سکے گا بلکہ اگر ستارہ بھی کُرہ غیر حقیقی ہوتا تب بھی زمین کو نہیں دبا سکتا تھا۔ پس مرزا صاحب سے امید ہے کہ وہ ضرور ہی اس کلام کا محل حسن مجھ کو بتلائیں گے ورنہ قیامت میں ضرور ہی جواب دہ ہوں

گے۔

ازالۃ الاوہام کے یہ دو مقام میں نے صرف اس لیے پیش نظر احباب سخن فہم کے کیے ہیں کہ ان دو مقاموں کو میں اپنے فہم قاصر میں فلسفہ حال اور ماضی کے رو سے بدیہہ دھوکہ خیال کرتا ہوں۔ مرزا صاحب کو ان ہر دو مقاموں کا محمل حسن بیان فرمانا بنظر انصاف پسندی واجب ہے۔ اب کچھ نمونہ ان مقامات کا دکھلانا چاہتا ہوں جو میرے فہم قاصر میں مرزا صاحب کے حق میں واثق شہادت دیتے ہیں کہ وہ علوم اسلامیہ میں اور عبارات عربیہ کے معانی سمجھنے میں نہایت قاصر ہیں یا ضد سے مخلوق خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

کتاب ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۴ میں مندرجہ ذیل عبارت پر غور فرمایئے۔ عبارت یہ ہے:

''ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اس سے زیروزبر ہو جائے گی اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آ جائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا؟ تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن شریف کے سیاق وسباق سے مخالف ہے۔ اگر قرآن شریف کے اس مقام پر بنظر غور تدبر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ البینہ اور سورۃ الزلزال سورۃ لیلۃ القدر کے متعلق ہیں اور آخری زمانہ تک اس کا کل حال بتلا رہی ہیں۔ ماسوا اس کے ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے جو زمین سے اس کے حالات استفسار کریں گے۔ کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیروزبر ہو جائے یہاں تک کہ اوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا باہر تو پھر لوگ زندہ بچ رہیں۔'' انتہی بعنوانہ

ناظرین کے لیے پہلے زبدۃ المفسرین قاضی بیضاوی کی تفسیر سے اس سورت کا

ترجمہ لکھا جاتا ہے:

اذا زلزلت الارض زلزالها [اضطرابها المقدر لها عندالنفخة الاولى أو الثانية أو الممكنلها أو اللائق بها في الحكمة و قرئ بالفتح و هو اسم الحركة وليس في الأبنية فعلال إلا في المضاعف] واخرجت الارض اثقالها [مافي جوفها من الدفائن أو الاموات جمع ثقل وهو متاع البيت] وقال الانسان مالها لمايبهرهم من الامر الفظيع و قيل المراد بالانسان الكافر فان المومن يعلم مالها] يومئذ تحدث اخبارها [تحدث الخلق بلسان الحال اخبارها مالأجله زلزالها و اخراجها و قيل ينطقها الله فتخبر بما عمل عليها]

ترجمہ:

جب حرکت دی جائے گی زمین اپنی اس حرکت سے جو اس کو نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے وقت مقدر ہے یا اس حرکت سے جو اس کے لیے ممکن ہے یا لائق ہے حکمۃ الٰہیہ میں۔ بعض قاریوں نے زلزالھا کو زا معجمہ کی فتح سے پڑھا ہے جو حرکت (جنبش) کا نام ہے۔

اور نکالے گی زمین اپنے بوجھوں کو [یعنی ان چیزوں کو جو اس کے شکم میں ہیں خزانوں اور مردوں سے] اور کہے گا آدمی (یعنی ہر ایک آدمی مسلمان ہو یا کافر) کیا حالت ہے اس زمین کی۔

اس لیے کہے گا کہ اس کو زمین کی یہ انوکھی حالت حیران کردے گی اور کہا گیا ہے کہ لفظ انسان (جو **وقال الانسان مالها** میں ہے) سے مراد بالتخصیص کافر ہے۔ اس لیے کہ مومن کو سوال کی حاجت نہیں ہوگی کیونکہ وہ اس حرکت کے سبب کو جانتا ہوگا۔

اس دن بیان کرے گی زمین اپنے حالات کو
یعنی حال کی زبان سے لوگوں پر اپنی حالت ظاہر کردے گی جس کے لیے اس کو یہ زلزلہ ہوا اور اس نے اپنے بوجھوں کو نکالا اور کسی نے کہا ہے کہ زمین کو قادر حقیقی باتیں کرائے گا پس وہ ان کرداروں سے خبر دے گی جو اس پر کیے گئے ہیں۔ اور مفتی الثقلین امام المفسرین مدارک التنزیل میں سورت مذکور کا ترجمہ عبارت ذیل سے فرماتے ہیں:

اذا زلزلت الارض زلزالها [ای حرکت زلزالها الشدید الذی لیس بعده زلزال] و اخرجت الارض اثقالها [کنوزها و موتاها] و قال الانسان مالها [زلزلت هذه الزلزلة الشدیدة و لفظت ما فی بطنها و ذلک عندالنفخة الثانیة حین تزلزل و تلفظ موتاها احیاء فیقولون ذلک لما یبهرهم من الامر الفظیع کما یقولون من بعثنا من مرقدنا و قیل هذا قول الکافرلانه کان لا یومن بالبعث فأما المومن فیقول هذا ما وعدالرحمن و صدق المرسلون] یومئذ تحدث اخبارها [قیل ینطقها اللّٰه و تخبر بما عمل علیها من خیر و شر و فی الحدیث تشهد علی کل وا حد بما علم علی ظهرها.]

ترجمہ:
جب ہلائی جائے گی زمین وہ سخت ہلانا کہ اس کے پیچھے دوسرا ہلانا نہیں ہے اور زمین خزائن اور مردوں کو نکالے گی اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہے کہ ایسا سخت زلزلہ لائی اور اپنے پیٹ کی چیزوں کو باہر نکال ڈالا اور یہ حال دوسرے نفخہ کے وقت ہوگا جب زمین جنبش میں آ کر مردوں کو زندگانی کی حالت میں باہر پھینکے گی۔ پس وہ مردے جو زندہ کیے گئے ہوں گے، کہیں گے اس پچھلی بات کو

(یعنی مــالھـا کو) اس لیے کہیں گے کہ ان کو زمین کی یہ انوکھی حالت حیران کر دے گی جیسا کہ کہیں گے مـن بـعـثـنـا من مرقدنا (ہمیں اپنی خواب گاہوں سے کس نے جگایا) اور کسی نے کہا ہے کہ لفظ انسان (جو و قال الانسان مــالـھــا میں ہے) سے مراد کافر ہے۔ اس لیے کہ مومن بعث ونشر کے ساتھ ایمان رکھتا ہے۔ بہرحال مومن یہ کہے گا ھـذا مـا وعدالرحمن و صدق الـمـرسلون (یہ وہ ہے کہ جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا اور رسولوں نے تصدیق کی تھی) اس دن زمین اپنی خبروں کو بیان کرے گی۔ کسی نے کہا ہے خداوند جل مجدہ زمین کو بلائے گا اور وہ ان اعمال سے خبر دے گی جو اس پر کیے گئے ہیں اور حدیث شریف میں ہے زمین ہر ایک شخص پر اس کے اعمال کی نسبت شہادت دے گی۔

عزیزو! میں حنفیہ کرام کی معتبر تفسیر مدارک التنزیل اور شافعیہ عظام کی معتمد علیہ تفسیر بیضاوی سے سورۃ الزلزال کی تفسیر مع ترجمہ آپ کے ہدیہ کے لیے لکھ چکا ہوں اور میں ان دونوں تفسیروں کو باقی تفاسیر سے مختار نامہ مصدقہ عدالت العالیہ (انصاف اور تجربہ) دلوا کر مرزا صاحب پر ایک مدلل استغاثہ اس بنا پر پیش کراتا ہوں کہ حضرت مجدد الوقت مسیح قادیانی نے ان حضرات پر ناکردہ گناہ کا الزام لگایا اور ان کے ارواح واجبۃ التوقیر پر داغ لگا کر اس کا ازالہ فرمایا۔ آپ بنظر غور دیکھیں اور مجدد صاحب کی افترا سازی اور دھوکہ بازی کو جانچیں تا کہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ اس مقام پر کئی وجوہ سے عیسوی چالاکی ہے۔

اول مرزا صاحب کی اس عبارت سے جو میں اوپر بقید صفحہ نقل کر آیا ہوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفسروں نے یہ قرار دیا ہے کہ زمین کی وہ حرکت جس پر مــالـھــا کا سوال ہوگا حشر نشر سے پہلے ہوگی یعنی زمین سے پوچھنے والے کافر لوگ ہوں گے جو اس حرکت سے پہلے زمین پر بستے ہوں گے اور اس حرکت کے وقت بھی زمین پر پہلی ہی زندگانی سے زندہ ہوں گے اور زمین سے یہ سوال کریں گے۔

عزیزو! آپ ازالۃ الاوہام کے ان صفحات کو جن کو نشان زد کر آیا ہوں سامنے رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے غور فرماؤ اور پھر جو کچھ ذہن نشین ہو بتاؤ کیا یہی ہے جو میں نے اول کے مبرہن درج کیا ہے یا نہیں ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر ان دونوں مفسروں کے اس کلام پر نظر ڈالیں جس کو میں آپ کا ہدیہ کر آیا ہوں پھر یہ فرمائیں کہ کیا یہ مالھا کا قول کس وقت کے لوگ زمین کو کہیں گے۔ کیا یہ کہنے والے کافر ہوں گے جو زلزلہ سے پہلے اور زلزلہ کے وقت زمین میں آباد ہوں گے جیسا کہ مجدد صاحب مفسروں کے ذمہ لگا رہے ہیں یا یہ وہ لوگ ہوں گے جو زمین کے پیٹ سے نفخہ ثانیہ کے وقت زندہ ہو کر باہر آجائیں گے اور بعد میں زمین کی اس حرکت ماضیہ اور باقیہ کو دیکھ کر مالھا کا سوال کریں گے۔

عزیزو! کیا قاضی بیضاوی کا یہ قول و اخرجت الارض اثقالھا [مافی جوفھا من الدفائن أوالاموات] و قال الانسان مالھا [یبھرھم من الامر الفظیع و قیل المرادبالانسان الکافر فان المومن یعلم مالھا] یومئذ تحدث اخبارھا [تحدث الخلق بلسان الحال اخبارھا مالاجلہ زلزالھا و اخراجھا و قیل ینطقھا اللّٰہ فتخبر بماعمل علیھا]

جس کا یہ معنی ہے کہ زمین اپنی حرکت سے مردوں اور خزانوں کو نکالے گی اور انسان پوچھے گا یعنی وہ جو اس حرکت سے زندہ ہوئے ہیں پوچھیں گے کہ یہ کیا کر رہی ہے کہ ہمیں زندہ کر کے باہر پھینکتی ہے اور زمین حال یا مقال سے ان کے اعمال پر شہادت دے گی اور کیا مدارک کا یہ فقرہ و ذالک عند النفخۃ الثانیۃ حین تزلزل و تلفظموتاھا احیاء فیقولون ذالک

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ انسان کا سوال دوسرے نفخہ کے وقت ہوگا اور جب زمین حرکت کرے گی اور اموات مدفونہ کو باہر پھینک دے گی درحال یہ کہ وہ پھینکتے وقت زندہ ہوں گے۔ پس یہ زندہ ہونے والے جو اس حرکت سے بعد زندہ

ہوئے ہیں یہ سوال کریں گے۔ مجدد صاحب کی اس عبارت کو ماسوا اس کے ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت کہ جب ساری زمین تہ وبالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے۔ زمین سے اس کے حالات استفسار کریں گے کیا یہ ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیر وزبر ہو جائے یہاں تک کہ اوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر تو پھر لوگ زندہ بچ رہیں۔ افترا بازی اور فاضل مفسروں پر جھوٹی تہمت ثابت نہیں کرتا۔ بھلا مفسر بیچارے تو صریحاً یہ لکھیں کہ یہ استفسار وہ لوگ کریں گے جو زمین کی حرکت کے بعد زندہ ہوں گے اور حیران ہو کر اپنی عود الحیات کا استفسار کریں گے اور مجدد الوقت مسیح قادیانی ان بیچاروں پر تہمت لگائیں کہ انہوں نے اپنی تفاسیر میں یہ سوال ان کافروں کا ہونا لکھا ہے جو وقت حرکت کے زمین پر پہلے سے آباد ہوں گے اور حرکت سے نہ مریں گے بلکہ پوچھتے رہیں گے۔ اگر دنیا کے کسی گوشہ میں انصاف ہے اور وہ کسی مرد میں ہے تو بتایئے کہ اس چالاک نے اپنی پیچیدہ تحریر میں مسلمانوں کے اولوالعزم مفسروں پر کیسا صریح بہتان باندھا اور ثابت کرنا چاہا کہ قرآن کریم کی اب تک ٹھیک تفسیر نہیں ہوئی۔ اور اب تک کسی مفسر نے قرآن کو نہیں سمجھا اور اپنے خیال میں گانٹھا کہ جب لوگ مفسروں پر بدظن ہو جائیں گے اور ان کی تفاسیر کو غلط اور بیہودہ خیال کریں گے تو اسلام کا وہ نقشہ ان کے دل میں کھنچا ہوا ہے نابود ہو جائے گا اور میری عیسویت، مجددیت، مہدویت، ولایت ایک معنی سے نبی ہونا، خدا کا بیٹا ہونا جو اسلام کے سراسر برخلاف ہے۔ لوگوں کے دلوں میں جم جائے گا۔ (باقی آئندہ)

۱۲۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء صفحہ ۶ (تیسری قسط)

شاید کسی کے دل میں یہ وہم ہو کہ مفسرین کی اصلی تفسیر کو چھپا کر اپنی طرف سے اس تفسیر (جو مرزا صاحب نے گھڑ کر مفسروں کے ذمہ لگائی اور اوپر نقل کی گئی ہے) کو ان کے ذمہ لگانے میں مسیح قادیانی کو کون سا فائدہ نظر آیا تو اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ

اصلی تفسیر پر مسیح کا یہ ارشاد ''ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے جو زمین سے اس کے حالات استفسار کریں گے'' اپنا زہریلا اثر نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ اصلی تفسیر کا تو یہ منشا ہے کہ یہ زلزلہ تمام زندوں کے فنا کے بعد ہوگا اور اس زلزلہ کے وقت تو کوئی چیز زندہ نہیں ہوگی بلکہ اس زلزلہ کے سبب سے تمام چیزیں زندہ ہوں گی اور مسبب ہمیشہ سبب سے مابعد ہوتا ہے تو یہ کہنا کہ کافر کہاں زندہ رہیں گے۔اصلی تفسیر پر بے معنی تھا اس لیے حضرت مسیح قادیانی نے اپنی طرف سے ایک غلط تفسیر ایجاد فرمائی اور وہ تمام مفسروں کے ذمہ لگا کر عقل سلیم سے اس کی غلطی کی شہادت دلوائی۔الغرض آپ نے فاضل مفسروں پر نہایت ہی مہربانی سے ان کی ارواح کو بے بہا تحفہ ارسال فرمایا۔

اذکروا موتاکم بالخیر پر خوب ہی عمل کر دکھلایا۔

دوم اسی عبارت مسطورہ بالا سے بالتصریح پایا جاتا ہے کہ مفسروں نے زلزال کی تفسیر تمام زمین کے زیر وزبر اور تہ و بالا اور اوپر کا طبق اندر اور اندر کا باہر ہو جانے سے فرمائی ہے۔

عزیزو! اب دوسری دفعہ ازالۃ الاوہام کے انہیں صفحات میں اسی عبارت کو تھوڑی سی نظر سے دیکھو۔یہی الفاظ وہاں لکھے ہیں جو میں نے اوپر لکھ دیے ہیں۔پس دل میں سوچیں کہ مفسروں نے زلزال کا یہ معنی لکھا ہے یا نہیں۔اس سوچ کے پیچھے بیضاوی اور مدارک کی ان عبارات کو مطالعہ فرمائیں جو صدر میں تحریر ہو چکی ہیں۔بیضاوی نے زلـــــــزال کو فقط ''اضطراب'' سے اور مدارک نے ''حرکت شدیدہ'' سے تفسیر فرمایا۔پھر انصاف سے فرمائیں کہ اضطراب یا حرکت شدیدہ کا یہی معنی ہے کہ زمین زیر وزبر اور تہ و بالا اور اوپر کا طبقہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے۔حرکت شدیدہ یا زلزلہ جس مقام پر بولا جاتا ہے کیا وہاں یہی معنی مراد ہوتا ہے کہ زمین کے اجزا اور طبقات تہ و بالا ہو جائیں۔بخدا کوئی ہے کہ مجھے سمجھائے کہ مرزا صاحب نے حرکت شدیدہ اور زلزلہ شدیدہ یا اضطراب (جو مفسروں نے زلزال کی تفسیر میں لکھے ہیں) کو زمین کے تہ و بالا اور زیر وزبر ہو جانے کے سانچے میں کیوں ڈھالا اور کس سند سے؟

میں حیران ہوں کئی ایک احباب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب بڑے فلاسفر ہیں، منطقی ہیں، بڑے انشاء پرداز ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب فلاسفر ہیں تو وہ زمین کی حرکت یا زلزلہ شدیدہ سے گھبرا کر کیوں اس کو زیروز براور تہ وبالا سے تفسیر فرما کر عقل سلیم کے آگے پیٹتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ فلاسفران یونان اور یورپ کے تو زمین کی حرکت شدیدہ اور زلزلہ شدیدہ کو مان کر اس کو آگ کے بھڑک اٹھنے کا سبب بتلایا ہے ہدایۃ الحکمۃ کی شرح میں فاضل علامہ حسین بن معین الدین لکھتے ہیں:

و اذا غلظ البخار بحيث لا ينفذ فی مجاری الارض ......اجتمع طالبا للخروج و لم يمكنه النفوذ فزلزلت الارض و كذا الريح والدخان و ربما تويت المادة علی شق الارض فيحدث صوت هائل و قد يخرج نار لشدة الحركة. (میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ:۱۰۱مطبوعہ نولکشور ۱۸۸۰)

ترجمہ: جب بخار اس طرح پر غلیظ ہو جاتا ہے کہ وہ زمین کے مساموں (سوراخوں) میں نفوذ نہیں کرسکتا۔ پس زمین کو زلزلہ آتا ہے اور ایسا ہی ہے ہوا اور دھواں اور بہت وقت یہی مادہ (بخار، ہوا، دھواں) زمین کے پھاڑنے پر قابو پالیتا ہے۔ پس ایک آواز ہولناک زمین سے نکلتا ہے اور گاہے زمین کی حرکت شدیدہ کے باعث آگ نکل پڑتی ہے۔

یہاں ایک فلاسفر زمین کے وہ واقعات بیان کررہا ہے جو آج سے پہلے کئی دفعہ ظہور پا چکے ہیں اور اس جگہ بھی فلاسفر زمین کی حرکت شدیدہ سے اس کی آتش فشانی بیان کررہا ہے جو بارہا ظہور پا چکی ہے۔ پس اگر حرکت شدیدہ کے وہی معنی ہیں جو مسیح قادیانی نے نکالے ہیں اور پھر ان معنی کو مسیحی عقل سلیم کے رو سے یہ لازم ہے کہ کوئی انسان نہیں بچ سکتا۔ پس اب عقل سلیم ہی بتائے کہ بموجب قول فلاسفران اور شہادت حس کے جب کئی دفعہ زمین کو حرکت شدیدہ ہورہی ہے اور یہاں تک کہ آگ بھی بھڑک نکلی تو اب تک کیوں دنیا زندہ ہے اور اگر حرکت شدیدہ کو ہلاک لازم نہیں ہے تو پھر مسیح قادیانی نے حرکت شدیدہ یا اضطراب

سے جو مفسرین نے زلـــزال کی تفسیر میں لکھا ہے کیوں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایسی حرکت کے وقت بھلا کافر کہاں زندہ رہیں گے۔ شاید کسی کو یہ وہم ہو کہ مسیح قادیانی نے حرکت شدیدہ کے عوض زمین کا زیروزبر بروتہ و بالا طبقات الارض کا اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر ہونا کیوں مفسرین کے ذمہ لگایا۔ تو اس کے جواب میں گذارش ہے کہ حرکت شدیدہ جو مفسرین نے زلزال کی تفسیر میں لکھی ہے اس پر تو تھوڑی عقل والا بھی تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ ہمیشہ زلزلے محسوس ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی خفیف اور گاہے شدید۔ اب مسیح نے جب چاہا کہ مفسروں کے ذمہ ایسا اتہام لگایا جائے جو ظاہر نظر میں عقل اس کو جھوٹی بات سمجھے تو بمقتضائے ارادہ زیروزبروغیرہ کا معنی مفسروں کے ذمہ جڑ کر اس کے ساتھ یہ الحاق کیا کہ ایسے وقت میں کافر زندہ رہیں پاش پاش شدہ پر ہوں گے اور زمین سے استفسار کریں گے۔

اب عقل سلیم سے دادخواہی کر کے مفسروں کے حق میں جھوٹ کہنے اور نافہمی کا فیصلہ صادر کرایا۔ آئندہ امید رکھتے ہیں کہ تمام مفسرین قرآن کے حق میں دنیا بدظن ہو کر مفسر قادیانی کی پیروی کرے گی۔ **كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا**

جب مرزا صاحب نے تفسیر مذکور کو غلطی کا انعام دیا تو صورہ مذکورہ کو اپنی رائے سے بعبارت ذیل تفسیر فرماتے ہیں:

بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے۔ الخ (ملاحظہ ہو ازالہ ص ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶)

مرزا صاحب اپنی تفسیر میں ”ارض“ کے لفظ کو ”انســـان“ سے مراد رکھتے ہیں اور ”زلـزلـہ“ کو قوی انسانیہ کی حرکت سے تفسیر فرماتے ہیں۔ اب سوچنا چاہیے کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ ارض کو اپنے حقیقی معنی زمین سے تفسیر فرمایا اور زلـزلـہ کو اس کے اصلی معنی زمین کی حرکت سے تعبیر بنایا اور سورہ زلزال میں جہاں کہیں لفظ ارض یا اس کی ضمیر ہے مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو زمین حقیقی معنی سے مراد رکھتے ہیں۔ فقرہ **یومئذ تحدث اخبارھا** کا معنی بنابر تفسیر مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہ ہوا۔ اس دن بیان کرے گی زمین

اپنی اخبار کو یعنی ان حالات کو جو اس پر گزرے ہیں برخلاف اس کے مرزا صاحب ارض کو انسان سے تعبیر کرتے ہیں اور زلزلہ قوائے انسانیہ کا ہلنا جانتے ہیں۔ اور فقرہ یومئذ تحدث اخبارھا کا یہ معنی فرماتے ہیں؛

اور اس دن بتائے گا انسان اپنے حالات کو

یعنی جب قوی انسانیہ میں حرکت پیدا ہوگی اور ہر ایک شخص اپنے اپنے خیالات میں تحقیق کرنے لگے گا۔

بھائیو! اب سوچنا چاہیے کہ مفسرین کی تفسیر کیوں غلط ہے اور مرزا صاحب کی تفسیر کیوں صحیح ہے۔

عزیزو! یہ تو جان چکے ہو کہ جو وجہ غلطی کی مرزا صاحب نے بیان فرمائی تھی وہ تو مفسروں کے ذمہ نہیں لگتی تھی۔ وہ وجہ تو خاص اسی جھوٹی تفسیر سے مربوط تھی جو مرزا صاحب نے اپنی طرف سے گھڑ کر مفسروں کے ذمہ جڑ دی تھی۔

اب کوئی دوسری وجہ جانچنی چاہیے۔

دوستو! میں جب یہ الہامی سچا فقرہ حدیث نبوی کا پڑھتا ہوں:

اوتیت جوامع الکلم و مثلہ معہ

یعنی دیا گیا ہوں میں قرآن جو تمام علوم کا جامع ہے اور مثل قرآن کی اس کے ساتھ یعنی حدیث۔

تو مجھے سُوجھتی ہے کہ حدیث نبوی ان دونوں تفسیروں میں سے کون سی تفسیر کی تصدیق کرتی ہے۔

پیارو! ترمذی نے کتاب التفسیر جلد ثانی صفحہ ۱۹۰ پر حدیث مندرجہ ذیل نکالی ہے:

حدثنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبداللّٰہ بن المبارک قال اخبرنا سعید بن ابی ایوب عن یحییٰ بن ابی سلیمان عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ قال قرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذہ الایۃ یومئذ تحدث اخبارھا قال اتدرون ما اخبارھا قالوا اللّٰہ

و رسولہ اعلم قال فان اخبارھا ان تشھد علی کل عبد او امۃ بما عمل علی ظھرھا تقول عمل یوم کذا کذا و کذا فھذہ اخبارھا.
ھذا حدیث حسن صحیح غریب.

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا آیہ یومئذ تحدث اخبارھا کو۔ اور فرمایا کیا تم پہچانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟

صحابہ نے کہا: خدا اور رسول بہت جاننے والے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمین کی خبریں یہ ہیں کہ شہادت دی گئی زمین ہر ایک مرد اور عورت پر اس کے کام کی نسبت اور کہے گی کہ فلاں دن میں فلاں کام اس شخص نے میری پیٹھ پر کیا تھا۔ پس یہ اس کی خبریں ہیں۔

مخلصو! اسلام کے دردمندو!

سوچو سوچو اور پھر سوچو!!!

کیا ہمارے ہادی مرشد نبی کریم کی تفسیر اس کی امت کے علماء کو راست باز نہیں ٹھہراتی۔ کیا یہ وہی تفسیر نہیں ہے جو علماء نے اپنی تفاسیر میں لکھی۔ کیا یہ وہی تفسیر نہیں ہے جس کے ماننے اور صحیح خیال کرنے میں علماء پر مرزا صاحب نے ''جو چاہا'' کا بخار نکالا۔ مجدد امت کے دردمند اخوامخواہ اتنا تو سوچو کہ قرآن کریم کی صحیح اصلی تفسیر جس کو صحیح حدیث صحاح ستہ کی تشریح کر رہی ہے اور علمائے امت معصومہ اس کی راستی پر متفق ہوں۔ تمہارا مجدد مسیح اس کو کیوں غلط کہتا ہے؟ کیوں فاضلان اسلام پر نا کردہ جرم کا الزام لگایا جاتا ہے۔ کوئی ہے کہ سچ اور جھوٹ کو الگ کر دے۔ بخدا کوئی مجھے سمجھائے کہ یہ حدیث اور آیت کی اصلی صحیح اجماعی تفسیر کیوں غلط ہے اور مرزا صاحب کی بعید از عبارت دور از عقل انصاف سے بیگانی تفسیر کیوں صحیح ہے۔

مرزا جی کا وہ دستخطی پرچہ جو ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء کو انہوں نے اپنے عقیدہ کے بیان میں بمقام لدھیانہ بجواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھا تھا۔ اور وہی

پرچہ رسالہ الحق نمبرا کے صفحہ ۷ پر بلفظہ مندرج ہے۔

حدیث کی نسبت مرزا جی کا عقیدہ بعبارت ذیل بیان کرتا ہے:

''وہ حدیث قولی یا فعلی قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں۔اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر و چشم اس کو قبول کریں گے۔

کوئی بتائے کہ حدیث مذکور قرآن کریم کے موافق اس کی تفسیر واقع ہوئی ہے مرزا جی کیوں نہیں مانتے؟ کیوں اس کو غلط تفسیر قرار دیتے ہیں؟

نوٹ:

راقم آثم نے اس تحریر سے محض یہی ارادہ رکھا ہے کہ مرزا صاحب یا حکیم صاحب مجھے ان شبہات کا کافی جواب دے کر مشکور فرمائیں گے اور میری غرض ضد یا محض مجادلہ کی نہیں ہے۔میں ان مولویوں میں سے نہیں ہوں جو کسی راست امر کو عامہ خلائق کے دباؤ سے دبا لیتے ہیں ورنہ میں مرزا صاحب کا ایسا ذاتی مخالف ہوں کوئی ہو جو مجھے سمجھا دے۔ میں راستی اور حق پر جان دینے والا ہوں۔تحریر مذکور میں اگر کوئی کلمہ اہانت کا ہو تو مجھے معاف کیا جائے۔ والعذر عند کرام الناس مسموع

راقم

محمد حسن فیضی، ساکن بھیں علاقہ چکوال ضلع جہلم

☆

۴ دسمبر ۱۸۹۳ء صفحہ ۲

[مفتی غلام دستگیر قصوری کی دعوت مباحثہ اور مرزا کا فرار]

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آج کل اپنے خسر صاحب کے پاس فیروز پور میں رونق افروز ہیں جو رشتہ میں بڑے لیکن عمر میں مرزا صاحب سے بہت ہی کم ہیں۔قصور کے مولوی غلام دستگیر صاحب[۳۶] نے پیغام بھیجا ہے کہ مرزا صاحب سے کچھ مباحثہ یا مناظرہ کریں لیکن مرزا صاحب نے جواب دیا کہ ہم کو براہ الہام ہوا ہے کہ ''کسی مولوی سے مباحثہ نہ کرو۔''

☆

[۱۸۹۴ء/۱۳۱۱ھ کی فائل سے]

۱۹ فروری ۱۸۹۴ء صفحہ ۴

[مولوی حسین بٹالوی کا شاگرد اور حمایت مرزا]

تحصیل بٹالہ سے ایک مختصر خط کسی دوست کا آیا جس سے معلوم ہوا کہ ۱۴ جنوری ۱۸۹۴ء کو یہاں مابین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی نور احمد صاحب لودی ننگلوی کی تکفیر مرزا قادیانی پر بحث ہوئی تا حال نتیجہ کوئی نہیں نکلا۔ یہ نور احمد مولوی صاحب کا شاگرد ہے اس نے چند حدیثیں ایک دو آیتیں مولوی صاحب کو لکھ کر بھیجی تھیں کہ یہ دلائل مانع تکفیر مرزا ہیں۔ مولوی صاحب نے علاوہ جوابات یہ بھی کہا کہ تُو ہمارا روحانی فرزند ہے۔ مگر وہ باز نہ آیا اور پہلے ایک رسالہ جو بنام "الانباء فی صعود المسیح الی السماء" لکھا تھا اب اس کے کفارہ میں موت مسیح ایک رسالہ میں لکھ رہا ہے۔ مولوی صاحب کی محبت بھی بدستور ہے، یہ روحانی فرزند صرف روحانی طور پر عاق ہے۔



ایک سچا چیلنج

مجھے پچھلے دنوں کھاریاں میں جو ضلع گجرات پنجاب کی تحصیل ہے جانے کا اتفاق ہوا اور اکثر احباب سے نیاز مندی حاصل ہوئی۔ اس قصبہ میں آج کل مرزا صاحب قادیانی کے مذہب کا بہت چرچا ہے اور میرے اکثر احباب بھی اس سے انٹرسٹ (interest) لیتے ہیں۔ چنانچہ من جملہ اور معتقدات مرزا صاحب کے فوت مسیح پر ایک آدھ گھنٹہ تذکرہ بھی ہوا۔ اس اثناء میں بعض احباب نے اس امر کی درخواست کی کہ مسئلہ فوت مسیح کی نسبت مولوی فضل الدین صاحب ساکن کھاریاں سے مباحثہ کیا جائے لیکن چونکہ وقت تنگ تھا

اس لیے میں نے ان کو کہا کہ نہیں۔ مرزا صاحب سے جو مخترع اس مسئلہ کے میں بحث کرنی مناسب ہے۔ انہوں نے میری اس بات کی تائید کی لہذا ہم بعجز تمام مرزا صاحب سے التماس کرتے ہیں کہ اپنی دستخطی سے اپنے اصول اور معتقدات کو سراج الاخبار جہلم یا کسی اور اخبار میں شائع کرائیں۔ بعدش ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اسی اخبار میں ان کے اصول مذہب پر رائے حق شرعی دلائل سے قائم کر کے پبلک کو دکھلائیں گے۔ تب وہ حق اور باطل کو تمیز کر لے گی۔ مرزا صاحب کے حواریوں سے بھی التجا ہے کہ وہ مرزا صاحب کو اس امر پر تحریک کریں۔ ممکن ہے کہ عوام کو فائدہ ہو جائے اگر مرزا صاحب اور ان کے حواری ایسا نہ کریں تو پھر ہم؛

بے امتحاں کیے تو یہ آپ کا غلام
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

راقم

غلام جیلانی ابوالدرجات

ساکن کھوڑی ضلع گجرات حال ملازم بندوبست



۳۰ اپریل ۱۸۹۴ء صفحہ ۶

رمضان ۱۳۱۱ھ کے خسوف و کسوف کی نسبت اسلامی خیالات

اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدائے اسلام سے قیامت آنے سے پہلے امام مہدی کے مبعوث ہونے کی خبر صحیح احادیث میں بکثرت دی گئی ہے جس کے ظہور کے لیے من جملہ دیگر بہت سی علامات کے ایک بڑی علامت یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ ماہ رمضان کے ایک ہی مہینے میں چاند و سورج دونوں کا گرہن ہوگا چونکہ اس سال کے ماہ رمضان کی تیرہویں رات کو چاند گرہن اور ۲۸ویں کو سورج گرہن ہوا ہے۔ اس لیے اکثر مسلمانوں کے خیالات اس

پیشین گوئی کی طرف رجوع ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض جلد باز صاحب تو جن کو غث وسمیں اور کھرے کھوٹے کی کچھ بھی تمیز نہیں ہے بلا سوچے سمجھے یہی یقین کر بیٹھے ہیں کہ یہ خسوف (چاند گہن) وکسوف (سورج گرہن) سچ مچ وہی ہیں جن کی امام مہدی کے ظہور کی علامت میں بطور پیش گوئی خبر دی گئی ہے اور انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ محض سادہ لوحی سے اپنے زعم باطل اور گمان فاسد میں مرزا صاحب قادیانی کو امام مہدی بھی تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اکثر صاحب بصیرت اور وسیع معلومات کے طبقہ کے لوگ جن کو کتب احادیث اور رسائل آثار محشر وغیرہ سے اکثر مشاغلت و مدارست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ وہ خسوف وکسوف نہیں جو امام مہدی کے ظہور کی علامت ہیں چنانچہ پیسہ اخبار لاہور مطبوعہ ۲۳ مارچ ۱۸۹۴ء میں ایک صاحب عتیق اللہ نامی نے اپنے آرٹیکل میں لکھا ہے کہ یہ گرہن تین (۳) وجہ سے وہ گرہن نہیں ہیں جو امام مہدی کے ظہور کی علامت ہیں۔

اول: یہ کہ یہ دونوں گرہن صرف آسٹریلیا، چین اور ہندوستان میں محسوس ہوئے ہیں۔ عرب، روم، شام، ایران، افغانستان، افریقہ، امریکہ یورپ وغیرہ میں نظر نہیں آئے حالانکہ موعودہ گرہن کل روئے زمین پر نظر آنے چاہیے تھے۔

دوم: وہ گرہن غیر معمولی تاریخوں میں واقع ہوں گے اور حال کے گرہن معمولی تواریخ یعنی ۱۳ویں اور ۲۸ویں تاریخ کو ہوئے ہیں۔

سوم: اگرچہ اس وقت تک ظہور امام مہدی سے پہلے اکثر علامات صغریٰ کامل طور پر ظاہر ہوگئی ہیں مگر بعض آثار عظیمہ ابھی باقی ہیں۔ چنانچہ تمام عالم میں سوائے حرمین شریفین کے نصرانی علمداری کا ہو جانا اور سلطان روم کا نصاریٰ کے ہاتھ مشروط طور پر شہید ہونا اور ملک شام پر نصرانی قبضہ ہونا۔ مسلمانوں کا کامل مغلوب ومظلوم ہو جانا، قحط سالی اور ظلم و جوار کا پیدا ہونا کہیں پناہ نہ ملے اگرچہ ان سب کی ابتداء ہے مگر ان تو جیہوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ابھی وہ زمانہ نہیں آیا اور نہیں معلوم کہ اس وقت تک زمانہ میں کتنے انقلاب ہوں اور کتنی حکومتیں بدلیں۔''

اس پر ایک گریجوایٹ صاحب نے جوان گرہنوں کو سچ مچ وہی گرہن قرار دیتے ہیں جوظہور امام مہدی کی علامت ہیں۔ ۲۰ اپریل ۱۸۹۴ء کے پیسہ اخبار میں عتیق اللہ صاحب کی صرف توجیہات کی تردید میں ہی قلم فرسائی نہیں کی بلکہ کمال فخر سے اور پندرہ (۱۵) روپیہ کا انعام بھی انہوں نے اس شخص کے لیے مقرر کیا ہے جو ان کی خط کردہ سطور کی تردید معقول طور پر کرے۔

گریجوایٹ صاحب کی کل تقریر متعلقہ دلیل اول کا خلاصہ یہ ہے کہ موعودہ کسوف وخسوف کے کل روئے زمین پر نظر آنے کی شرط کی کوئی سند نہیں بلکہ حدیث کے الفاظ صرف ماہ رمضان میں کسوف وخسوف کو بلا تخصیص محل ومکان امام مہدی آخرالزمان کا ایک نشان ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ عرب میں بھی (حسب خبر نامہ نگار مکہ معظمہ مرسلہ ۲۸ شعبان مندرجہ پیسہ اخبار ۶ اپریل ۱۸۹۴ء) جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس رمضان میں دو گرہن واقع ہوں گے ایک عجیب شور مچا ہوا ہے اور بہت سے منچلے عرب ہتھیاروں کو درست کر کے مہدی کی تلاش میں ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ اہل عرب نے اس پیش گوئی کے مفہوم میں کل روئے زمین کو مشروط نہیں کیا۔ علاوہ اس کے چونکہ زمین گول ہے اس لیے ایک ہی وقت میں کل روئے زمین پر چاند خواہ سورج کا گرہن نظر نہیں آ سکتا، دوسری دلیل کی نسبت یہ لکھتے ہیں کہ وہ عتیق اللہ صاحب کی کم واقفیت حدیث پر مبنی ہے کیونکہ وہ غیر معمولی تاریخوں پر بغیر سند صحیح ومتفق علیہ کے زور دیتے ہیں حالانکہ بعض حدیثوں میں چاند گرہن کی تاریخ ۱۳ رمضان قرار دی گئی تھی جو عین مطابق نکلی۔

چونکہ گریجوایٹ صاحب اپنی ڈگری کے گھمنڈ میں اپنے تردیدی آرٹیکل میں صرف عقلی دلیل پر ہی کاربند نہیں ہوئے بلکہ حدیث میں بھی انہوں نے دخل دے کر عوام میں اپنی حدیث دانی کی کامل مہارت ثابت کی ہے اور اپنے

مقابلہ میں دوسرے مولویوں کو حقارت سے دیکھا ہے اس لیے ہم ان کی غلطی بلکہ دھوکہ دہی ظاہر کرنے کے لیے اول اس حدیث کو جو موعودہ کسوف وخسوف کے بارے میں وارد ہے اس کے بعینہ الفاظ میں درج کر کے پھر اس کے مالہ و ماعلیہا کو بیان کر کے خود پبلک کو اس کے سوچنے وسمجھنے کا موقع دیتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے:

عن محمد بن علی قال ان لمهدينا آيتين لم تكونا منذ خلق الله السموات والارض ينكسف القمر لاول ليلة من رمضان و تنكسف الشمس فى النصف منه و لم تكونا منذ خلق الله السموات والارض

یعنی محمد بن علی نے کہا ہے کہ تحقیق ہمارے مہدی کے لیے ایسے دو (۲) نشان ہیں جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے وہ دونوں ظاہر نہیں ہوئے۔ وہ یہ ہیں کہ چاند گرہن ہوگا پہلی رات رمضان کو اور سورج گرہن ہوگا نصف رمضان کو۔ جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے ہیں اس طرح سے کبھی دونوں گرہن نہیں ہوئے۔

دیکھو اس حدیث سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اول: یہ کہ رمضان کی پہلی یعنی چاند رات کو چاند گرہن اور اسی رمضان کی نصف تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔

دوم: یہ کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک ایسی تاریخوں پر ایک ہی رمضان میں اس سے پہلے دونوں کا گرہن نہ ہوا ہوگا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خسوف وکسوف غیر معمولی تواریخ میں واقع ہوں گے۔ کیونکہ معمولی تواریخ میں جو بحساب منجمین مقرر ہیں اجتماع خسوف وکسوف میں کوئی غرابت نہیں چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات کی جلد دوم میں لکھتے ہیں:

در زمان ظهور سلطنت مهدی چهار دهم رمضان کسوف شمس خواهد شد و در اول آن ماه خسوف قمر خلاف عادت زمان و برخلاف حساب منجمان۔ انتہیٰ

اورنواب صدیق حسن خان اپنے رسالہ **حجج الکرامہ** میں زیر قول حضرت موصوف لکھتے ہیں کہ:

خسوف قمر نزد اهل نجوم بتقابل شمس بر هیئت مخصوص میشود در غیر تاریخ سیز دهم و چهاردهم و پانزدهم اتفاق نمے افتد۔ و همچنیں کسوف شمس نزد اقتران قمر برشکل خاص در غیر تاریخ بست و هفتم و بست و هشتم و بست و نهم نمیشود۔ بس وقوع ایں برد و درماه واحد در غیر تواریخ مذکوره مخالف حساب نجوم است و غرابت دارد۔ اما ازقدرت قادر هیچ مستعرب نیست۔ انتہیٰ

سوم: اس حدیث کا پہلا فقرہ **ان لمهدينا ايتين لم تكونا منذ خلق السموات و الارض** صریح نص اس بات کی ہے کہ اس دھوم دھام کا نشان اس سے پہلے کبھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔ سو ایسا نشان اس امر کا مقتضی ہے کہ کل عالم کے مشاہدہ میں آئے اور جس طرح امام مہدی کسی خاص قوم و ملک کے لوگوں کے لیے ہی نہیں بلکہ کل عالم کے لیے مبعوث ہوں گے۔ اسی طرح یہ نشان یعنی خسوف و کسوف بھی کل ممالک کے لوگوں کے لیے ہوں گے اور سب کی نظر میں آئیں گے۔

اب ناظرین خود سوچ و سمجھ کر اپنی تشفی کر لیں کہ جس حدیث میں ان گرہنوں کی خبر دی گئی ہے اس کے مطابق اس رمضان کی پہلی رات یعنی چاندرات کو چاند گرہن اور نصف یعنی چودہویں یا پندرہویں کو سورج گرہن نہیں ہوا بلکہ معمولی تاریخوں میں حسب معمول قدیمہ گرہن ہوئے ہیں جس سے اظہر من الشمس ہے کہ یہ وہ خسوف و کسوف نہیں ہیں جو امام مہدی کے ظہور کی علامت ہیں، مخبر

صادق کی طرف سے بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ کہنا آپ کا کہ بعض حدیثوں میں چاند گرہن کی تاریخ ۱۳ رمضان قرار دی گئی ہے بالکل دھوکہ دہی ہے۔ اول تو ہم دعوی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی حدیث ہی نہیں ہے اگر ہے تو آپ اس کو اصلی الفاظ میں مع سند درج کر کے دکھاویں اور پتہ دیں کہ حدیث کی کس کتاب میں کس محدث نے اس کو تخریج کیا ہے۔ اٹکل پچو آپ کا یا کسی اور کا کہہ دینا کچھ بھی قابل لحاظ نہیں۔

دوم: اگر بالفرض آپ کہیں سے ایسی حدیث ڈھونڈ بھی لائیں تب بھی وہ حدیث متذکرہ بالا کا جس کو سلف وخلف محدثین امام مہدی کے ظہور کی علامات میں بیان کرتے آئے ہیں- مقابلہ نہیں کر سکتی اور ۱۳ویں رات کو چاند گرہن کا واقع ہونا اس کو ہرگز معنوی طور پر صحیح قرار نہیں دے سکتا کیونکہ ۱۳ویں کو چاند گرہن ہونے میں کوئی غرابت نہیں اور ۱۳ویں و۱۴ویں و۱۵ویں کو چاند گرہن ہونا تو معمول ہی ہے۔ بغیر ان تاریخوں کے چاند گرہن نہیں ہوتا۔ اس طرح سے تو ماہ رمضان میں جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے خدا جانے کتنی دفعہ اجتماع خسوف وکسوف ہوا ہوگا۔ علی ہذا

حدیث بالا سے حسب اقتضاء النص موعودہ کسوف خسوف کے کل روئے زمین پر نظر آنے کی شرط کی سند بھی نکل آئی جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور عرب کے لوگوں کا اس موقع پر شور مچانے اور ہتھیار درست کرانے سے آپ کے بیان کو کچھ بھی تائید نہیں ہو سکتی کیونکہ مکہ معظّمہ کے نامہ نگار نے ۲۸ شعبان ۱۳۱۱ھ کو وہ خبر بھیجی تھی یعنی خسوف وکسوف کے واقع ہونے سے پہلے- سو ممکن ہے کہ عوام عربوں نے ہندوستان کے بعض حجاج سے یہ خبر سن کر کہ اس رمضان میں خسوف و کسوف واقع ہوں گے، یقین کر لیا ہوگا کہ یہ خسوف وکسوف عرب میں بھی دیکھے جائیں گے۔ اور اس پر ان میں امام مہدی کے ظہور کی ضرور حس پیدا ہو گئی ہوگی۔ اس سے آپ کا یہ دعوی کہاں سے ثابت ہوا کہ اہل عرب نے اس پیش گوئی کے مفہوم میں کل روئے زمین کو مشروط نہیں کیا حالانکہ اس کہنے کا

آپ کو اس وقت کچھ منصب حاصل ہوسکتا تھا کہ جب کسوف وخسوف ہو چکتے اور عرب کے لوگ یہ سن کر (کہ ہندوستان وچین میں اس رمضان کے اندر خسوف وکسوف ہوئے ہیں) جوش میں آجاتے اور جب ایسا نہیں ہے تو اس وقت بعض عوام عربوں کے جوش وخروش سے سند لیتے 'پیش ازمرگ واویلا' کی مثل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ علاوہ اس کے جب اہل عرب سے جب اس صحیح حدیث کی جو ابوداؤد میں بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک طویل عبارت میں درج ہے- امام مہدی کا ظہور اور بیعت کرنے کا مقام خاص مکہ معظّمہ میں مابین مقام ابراہیم اور حجر اسود یقین کیے بیٹھے ہیں تو پھر بحالت عدم خسوف وکسوف ملک عرب کے وہ لوگ کس طرح پر اعتماد کرسکتے ہیں کہ امام مہدی کے ظہور کی علامات پوری ہو گئیں۔

الغرض اگر ساری زمین پر خسوف وکسوف نظر نہ آتی تو ملک عرب میں جہاں امام مہدی کے ظہور کا مقام ہے ضرور ہی گرہنوں کا نظر آنا لازم تھا کیونکہ۔۔ در عرب اور ثبوت در ہندوستان کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ زمین کے گول ہونے سے ایک ہی وقت میں ساری دنیا پر گہن کا نظر آنا ناممکن ہے مگر جس قادر مطلق نے آسمان اور زمین پیدا کیے اور نیست کو ہست کیا اور اپنی قادریت کی نسبت جابجا اپنے پاک کلام میں ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر فرمایا ہے اس کی قدرت کے آگے ایسی بات کچھ مشکل نہیں اور وہ بلا کسی طرح کے آسمان وزمین میں تغیر وتبدل کرنے کے اپنے نشان ظاہر کرسکتا ہے بلکہ وہ چاہے تو سوئی کے ناکہ میں سے ہاتھی جیسے عظیم الجثہ وجود کو نکال دے۔ البتہ جو لوگ اپنی خام خیالی سے اس کی قدرت کو انسانی قدرت کی طرح سمجھتے ہیں وہ جو کچھ اس کی قدرت کی نسبت خیال کریں ان سے بعید نہیں ہے۔ علاوہ اس کے اب کے خسوف وکسوف جو دیگر ممالک میں نظر نہیں آئے تو اس کا سبب صرف یہی ہوا ہے کہ چاند وسورج کے طلوع ہوتے ہی گہن لگ گیا۔ اگر ان کو ہماری سمت الرأس آکر اس پر گہن لگتا تو افغانستان، ایران،

عرب، شام، افریقہ، یورپ وغیرہ ملکوں میں بھی جو ہم سے مغرب سمت میں ہیں ۔ضرور ہی نظر آتا۔ گوکل روئے زمین پر نظر آنا بموجب علم ہیئت کے ناممکن تھا مگر اکثر مما لک میں نظر آنے میں کچھ شک نہ تھا اور للاکثر حکم الکل ہوتا ہے اور یہ جو کہا کہ شق القمر کا معجزہ جو کل روئے زمین کی ہدایت کے لیے بطور اتمام حجت تھا اس کا ظہور تو سوائے عرب کے کسی اور حصہ زمین پر نہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شق القمر کے معجزہ اور اس نشان کو یکساں سمجھنا آپ کے ذہن رسا کی خوبی ہے ورنہ شق القمر کا معجزہ تو محض کفار مکہ کی استدعا پر ان کے مسکت و مغلوب کرنے کے لیے صادر ہوا تھا جس کا مشاہدہ صرف انہیں لوگوں کے لیے ضروری تھا لیکن تاہم اور ملکوں میں بھی شق القمر ہوتے دیکھا گیا۔ چنانچہ کتب اسلامیہ اس بات کی شاہد ہیں اور ہندوستان میں سامری کے مشاہدہ کی تاریخ فرشتہ گواہ ہے بخلاف موعودہ خسوف وکسوف کے کہ وہ ابتدا سے امام مہدی کے ظہور کی علامات کے لیے مخصوص ہیں جس کا مشاہدہ تمام عالم یا بطور تنزل اکثر کے لیے ضروری ہے۔

پس جبکہ حال کے خسوف و کسوف وہ نہیں ہیں جن کی حدیث میں ظہور امام مہدی کے لیے خبر دی گئی ہے اور نہ ابھی وہ بعض آثار عظیمہ وقوع میں آئے ہیں جن کا ظہور امام مہدی سے پہلے وقوع میں آنا حسب ارشاد مخبر صادق از بس ضروری ہے اور نیز حسب احادیث صحیحہ کے مقام ظہور امام مہدی خاص حرم شریف مکہ معظّمہ میں ہے تو اس حالت میں اس وقت صرف ہندوستان میں مسلمانوں کو امام مہدی کی تلاش کرنا یا تلاش کی ترغیب دینا سراسر مخبر صادق کے ارشادات کی تکذیب اور کمال درجہ کی بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔



۲۵ جون ۱۸۹۴ء ص ۳

[مولوی خیرالدین کی پیش گوئی]

کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیرالدین صاحب جو بڑے عالم فاضل ولی اللہ جن کے ہزاروں آدمی مرید ہیں اور ہزاروں پیشین گوئیاں انہوں نے کی ہیں اس میں سر مُو بھی فرق نہیں نکلا اور محلہ ناخدا میں مقیم ہیں جو ہر جمعہ کو مسجد ناخدا میں یعنی کلکتہ کی بڑی جامع مسجد میں وعظ فرمایا کرتے ہیں انہوں نے وعظ میں زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ دو برس کے اندر تمام دنیا میں کھلبلی مچ جائے گی اور باہم سلاطین میں جنگ عظیم شروع ہو جائے گی اور لغایت عرصہ ۹ سال کے اندر اندر حضرت امام مہدی آخر الزمان صاحب کا آنا اور حضرت مسیح کا آنا یہ جملہ کارروائی ہو جائے گی۔



۳ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۶

چھاؤنی فیروز پور

ایک صاحب ۲۹ اگست کو لکھتے ہیں کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب پنشنر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جن کی نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ پیش گوئی کی ہوئی تھی کہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک یا تو وہ مسلمان ہو جائیں گے یا بسزائے موت ہاویہ میں پڑیں گے۔ رائے میاداس صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر کی کوٹھی واقعہ چھاؤنی فیروز پور میں مقیم ہیں، ان کی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر ہے اور ان کی خوراک کو پہلے ڈاکٹر ملاحظہ کر لیتا ہے پھر وہ کھاتے ہیں۔ اب تک وہ ہر طرح سے تندرست ہیں کوئی شخص ان سے ملاقی نہیں ہو سکتا اور ان کے بیمار ہونے کی افواہ بالکل غلط ہے۔



۳ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۷

[مثیل مسیح کی انوکھی توجیہ]

چند آدمی بیٹھے باہم ذکر کر رہے تھے کہ مرزا کادیانی صاحب نے اپنے بالوں اور رنگت کو بھی مثل مسیح ہونے کا نشان ٹھہرایا ہے۔ ایک بھولا بھالا آدمی بھی سن رہا تھا کچھ سمجھا ہوگا۔ بولا کہ اگر حال چال کی مماثلت کی پوری وجہ ہے تو پھر دنیا میں مسیح کے ہزاروں مثیل ہیں۔ سب نے کہا یار بتا تو ہزاروں مثیل کہاں ہے۔ بولا کہ دنیا میں جتنے رنڈوے (بے زن) اور خانہ خراب آدمی ہیں وہ سب مثیل مسیح ہیں۔

راقم

محمد اعظم میرووالی



۱۰ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۵

چھاؤنی فیروز پور

مسٹر عبداللہ آتھم ۵ ستمبر تک بالکل تندرست رہ کر آج ۶ ستمبر کو جلسہ کے لیے امرتسر روانہ ہوگے۔ بارش سے کوئی دن خالی نہیں جاتا۔

۱۰ ستمبر ۱۸۹۴ء

مرزا صاحب قادیانی کی پیشین گوئی کا جھوٹا ثابت ہونا

امرتسر سے ہمارے ایک ہندو نامہ نگار لکھتے ہیں کہ آج ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو امرتسر میں ایک اشتہار مطبوعہ تقسیم ہوا ہے جس کی نقل ذیل میں درج ہے:

اشتہار واجب الاظہار

فمن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا پر جھوٹ باندھا گویا خدا نے مرزا سے کہا تھا کہ آتھم صاحب پندرہ (۱۵) مہینے کے عرصہ میں مرجائیں گے چنانچہ کل ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو پندرہ (۱۵) مہینے پورے ہوگئے اور آتھم صاحب خدا کے فضل سے امرتسر میں سب کے سامنے زندہ موجود ہیں۔ مرزا صاحب کی پیشین گوئی خدا پر تہمت تھی اور خدا پر وہی تہمت باندھتا ہے جس کا ایمان خدا پر نہیں ان کے جھوٹے ثبوت جھوٹے دعوی ہر طرح سے جھوٹ میں چاہیے کہ ان کے معتقد ان کی طرف سے ہٹیں اور خدا کی طرف رجوع کریں اور شاباش ہے ان مسلمانوں کو جنھوں نے شروع سے ان کو گم راہ سمجھا۔

راقم ایک خیر خواہ خلایق



۱۷ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۵

[مرزا کی پیش گوئی غلط ثابت ہونے پر عیسائیوں کا اشتہار]

مرزا قادیانی کی نسبت امرتسر کے عیسائیوں نے اخبار آفتاب پنجاب [۳۷] وغیرہ میں مشتہر کرایا ہے کہ مرزا کی پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہونے پر اب مرزا کے اپنے اقرار کے بموجب ہم حق دار ہیں کہ اس کو کہیں کہ آیئے جناب وعدہ وفا کیجیے اور ہمیں قدرت واختیار دیجیے کہ ہم آپ کے چہرہ مبارک کو کالا کریں (مگر داڑھی سرخ ہی رہے گی) اور گلوئے اقدس میں رسی ڈالیں اور پھر جوتیوں کی مالا سے آراستہ کر کے بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ، امرتسر خصوصاً جنڈیالہ و نیز دیگر ہندوستان کے مشہور ومعروف شہروں کی سیر کرائیں کیونکہ تکمیل پیش گوئی کے تردد کے بعد آپ کے لیے تبدیلی آب و ہوا مناسب فائدہ مند ہے اور خاطر جمع رکھیے جب آپ پیادہ چلنے سے کہیں تھک جائیں تو آپ کو اسی خارشتی گدھے پر جو آپ کی دمشقی مسجد کے زیر سایہ ہر وقت موجود رہتا ہے سوار کرا

دیں گے۔ نیز آپ کو اجازت دی جاتی ہے کہ آپ اپنے مقرب فرشتوں کو بھی اپنے ہم راہ رکھیں لیکن ان کو اپنے اصلی رنگ و روپ میں رہنا ہوگا تاکہ جناب کا نور دین بوجہ احسن ظاہر اور قابل بُرہان ہو۔ اگر وہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ ان پر کسی کو پریسیڈنٹ بھی مقرر کر دیں تاکہ انتظام میں فتور نہ ڈالیں۔

اخبار عام کو ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جب سے مرزا صاحب قادیانی کی پیشین گوئی کی تاریخ گزر چکی ہے اس روز سے بٹالہ میں اکثر عیسائی صاحب یکوں میں بیٹھ کر قادیان کو جاتے ہوئے دیکھے ہیں، معلوم نہیں ان کے وہاں جانے کا کیا مطلب ہے۔ افواہاً سنا جاتا ہے کہ ان کا منشا اس اقرار نامہ کی تکمیل کرانے کا ہے جو مرزا صاحب نے بروقت ''پیشین گوئی'' کے اپنی مرضی سے دعوی کے ساتھ مشتہر کیا تھا مگر ادھر مرزا صاحب اپنے علیحدہ گوشے میں بیٹھے ہوئے چہلم کر رہے ہیں اور کسی کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ چہلم کے بعد گفتگو کریں گے پیشین گوئی مذکور کے غلط نکلنے کی نسبت ایک صاحب نے عجیب بات سنائی کہ مرزا صاحب نے صرف اس بات کے امتحان کے لیے پیشین گوئی کی تھی کہ دیکھیں کون لوگ ان کے پکے پیرو ہیں اور کون کچے اور اس کی تشہیر سے ان کی غرض یہ نہیں تھی کہ پیشین گوئی سچ ہوگی یا نہ ہوئی!!!



۱۷ستمبر۱۸۹۴ص۶

سیالکوٹ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی پیشین گوئی (جو انہوں نے مسٹر عبداللہ آتھم کی نسبت کی تھی) کے خلاف ظہور پر یہاں کے مسیحیوں نے ۶ ستمبر کو بڑی خوشی منائی اور تمام شہر میں بذریعہ ڈھل منادی کرائی کہ آج ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب خدا کے فضل سے بالکل تندرست اور صحیح سلامت ہیں اور قادیانی مرزا غلام احمد

کی پیشین گوئی ان کے حق میں بالکل لغو اور جھوٹی ٹھہری ہے اور اسی مضمون کے اشتہارات بھی تقسیم کیے۔ مرزا صاحب اور ان کے حواریوں کی نقل اُتار کر باجہ کے ساتھ شہر میں گشت کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔



صفحہ ۷

مرزا صاحب قادیانی اور ان کی پیشین گوئی کی مٹی خراب

مرزا قادیانی کی پیش گوئی کے غلط ثابت ہونے کے موقع پر امرتسر وغیرہ کے راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے جو مختلف مضامین کے ہزاروں بلکہ لاکھوں اشتہارات اپنی گرہ کے خرچ سے چھپوا کر پنجاب و ہندوستان کے اکثر شہروں و قصبات میں مفت مشتہر کرائے ہیں اور بڑی خوشیاں منائی ہیں ہمارے نزدیک اس بارے میں وہ جس قدر اظہار مسرت اور خوشی کریں تھوڑا ہے کیونکہ کمزور اور سست اعتقاد لوگوں کے لیے ۱۸۹۴ء بسبب اس پیش گوئی کے امتحان و آزمائش میں اس مسیح الدجال کے فتنہ سے کچھ کم نہ تھا جس کے آنے کا ابتدائی اسلام سے انتظار ہو رہا ہے بلکہ اگر بنظر غور و تعمق دیکھا جائے تو اس سے بدر جہا بڑھ کر تھا کیونکہ مسیح الدجال کے آنے اور اس کے قدرت واختیار اور اس کی کارروائی کی خبریں تو بشرح و بسط مخبر صادق سے بسند صحیح متصل مروی ہو کر کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں اور اس کی علامات کی یہاں تک خبر دی گئی ہے کہ اس کی پیشانی پر لفظ ک، ف، ر لکھا ہوا مسلمانوں کو دکھائی دے گا جس سے راسخ الاعتقاد مسلمان اس کے دام تزویر میں ہرگز نہیں آسکیں گے مگر مرزا صاحب جو مسلمانی پیرائے اور لباس میں اس صدی کے لوگوں کے لیے ایک دجال پیدا ہوئے ہیں اس سے زیادہ ترمضر ہیں جو اپنے زعم باطل اور

خیال فاسد میں اپنے خارج از دائرہ اسلام دعاوی کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کررہے ہیں اور ساتھ ہی اس کے پیش گوئیوں اور الہام کی مسلسل پخ لگا کر ابلہ فریبی کے لیے ایک پوری پوری دام تزویر بچھا رکھی ہے۔ اس اثنا میں اگرچہ علاوہ کی ایک مسلمان اخبار نویسوں کے ہمارے معزز ہم عصر صاحب رسالہ اشاعۃ السنۃ لاہور [۳۸] نے مرزا صاحب کی دیگر پیش گوئیوں کی عموماً اور مسٹر عبداللہ آتھم والی پیش گوئی کی خصوصاً اپنے رسالہ نمبر ۹ جلد ۱۵ میں صفحہ ۲۲۱ سے ۲۴۲ تک من وعن قلعی کھول کر اس کو پانچ (۵) دلائل ساطع اور براہین قاطع سے محض القائے شیطانی اور صرف افترا برالہام ربانی ثابت کر کے صاف صاف جتا دیا تھا کہ اگر بالفرض والتقدیر اتفاق زمانہ سے یہ پوری بھی ہو جائے تب بھی اس کی نجومیوں جوتشیوں وغیرہ کی بعض بتائی ہوئی باتوں سے جو اتفاق سے پوری ہو جاتی ہیں زیادہ وقعت نہیں ہو سکتی مگر تاہم اگر خدانخواستہ اس کی پیشین گوئی بحق عبداللہ آتھم جو بوجہ پیرانہ سالی اور بیماری ضیق النفس وغیرہ کے مدت سے پاؤں در گور لٹکائے ہوئے ہیں اتفاق سے پوری ہو جاتی اور وہ مر جاتے تو اکثر عام اور جاہل مسلمان اپنے سچے اسلام کو خیر باد کہہ کر ان کے پیرو ہو جاتے اور جس راستہ مرزا صاحب چاہتے ان کو چلاتے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اس وعدہ صادقہ سے جو دین محمدی کے قائم رکھنے میں آیہ کریمہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ میں ثابت ہے اور نیز راسخ الاعتقاد مسلمانوں کی اس ثابت قدمی کے یمن وبرکت سے جو انہوں نے ابتدا ہی سے مرزا صاحب کے دعاوی کی عدم تسلیم بلکہ تردید میں دکھائی ہے ان کی پیش گوئی صریحاً جھوٹی اور بالکل خلاف واقع اس طرح سے ثابت کر دکھلائی کہ مرزا اور ان کے معتقدین کو کچھ بھی اس میں تاویل اور چون وچرا کرنے کی گنجائش باقی رہنے نہ دی۔ اب اہل اسلام اس صداقت اسلامی کے ظاہر ہونے اور اپنے جاہل بھائیوں کے گمراہی سے محفوظ رہنے پر جس قدر اس قادر مطلق کا شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔

اس وقت ہم کو ان عیسائیوں پر سخت افسوس ہے کہ جنھوں نے اپنی عادت قدیمہ کے بموجب اپنے اشتہارات میں اس موقع پر بھی کل اہل اسلام کا دل دُکھایا حالانکہ علمائے دین اور اراکین اسلام پنجاب و ہندوستان نے مدت سے مرزا قادیانی کو بوجہ ان کی کفریات ومنکرات کے احاطہ اسلام سے خارج کر دیا ہوا اور ان کی پیش گوئیوں و الہام کو لغو اور خدا پر افترا سمجھا ہوا ہے اور فتاوی ورسائل وغیرہ چھپ کر ملکوں میں شائع ہو چکے اور ہو رہے ہیں بلکہ اراکین عیسائی خود ضمیمہ نور افشاں مطبوعہ ۱۴ مئی ۱۸۹۳ء میں اس امر کو تسلیم کر چکے ہیں کہ مرزا صاحب قادیانی باتفاق رائے اہل اسلام اسلام سے باضابطہ خارج کیا گیا ہے۔ پھر اب وہ مرزا کی پیش گوئی غلط ہونے پر اس کو کس منہ سے حامی اسلام کہہ سکتے اور اس کے اکاذیب سے اسلام اور اس کے بزرگان پر طعن کر سکتے ہیں اہل اسلام کو جس قدر نفرت مرزا صاحب کی حرکات پر اس لیے ہے کہ وہ مسلمانی کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرتے ہیں اس کا اندازہ ان اشتہارات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو ان دنوں ان کی لے دے میں اہل اسلام کی طرف سے مختلف پیرائے میں شائع ہوئے ہیں اور جن میں سے ذیل کی نظم ہے جو گو بحیثیت نظم قابل تعریف نہیں سمجھی جا سکتی مگر مسلمانوں کے دلی خیالات کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔

بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتوان گشت بہ تصدیق خرے چند

ارے او خود غرض خود کام مرزا — ارے نادان نافرجام مرزا
غلامی چھوڑ کر احمد بنا تُو — رسول حق باستحکام مرزا
مسیح و مہدی موعود بن کر — بچھائے تُو نے کیا کیا دام مرزا
ہوا بحث نصاری میں بآخر — مسیحائی کا یہ انجام مرزا
مہینے پندرہ بڑھ چڑھ کے گزرے — ہے آتھم زندہ اے ظلام مرزا
تری تکذیب کی شمس و قمر نے — ہوا مدت کا خواب اتمام مرزا

ڈبویا قادیاں کا نام تُو نے ۔۔۔ کیا الہام کو بدنام مرزا
کہاں ہے، اب وہ تیری پیشگوئی ۔۔۔ جو تھا ابلیس کا الہام مرزا
اگر ہے کچھ بھی غیرت ڈوب مرتُو ۔۔۔ بظاہر اس میں ہے آرام مرزا
بشیر(۱) آیا تھا کیا کم کر گیا تھا ۔۔۔ ترا اعزاز اور اکرام مرزا
کیا تھا اس نے تجھ کو زندہ درگور ۔۔۔ دیا تھا تجھ کو سخت الزام مرزا
و لیکن تُو نہ آیا باز پھر بھی ۔۔۔ یہ اس شوخی کا ہے انعام مرزا
نہ کہتا کچھ اگر منہ پھاڑ کر تُو ۔۔۔ ندامت کا نہ پیتا جام مرزا
گلے میں اب ترے رسا پڑے گا ۔۔۔ سیہ رو ہو گا پیش عام مرزا
ہے سُولی اور پھانسی کار سرکار ۔۔۔ رعایا کا نہیں یہ کام مرزا
مسلمانوں سے تجھ کو واسطہ کیا ۔۔۔ نہیں مسلک ترا اسلام مرزا
مسلماں دے چکے ہیں صاف فتویٰ ۔۔۔ ہے بیشک خارج از اسلام مرزا
تُو ہے اک انبیا داجل میں سے ۔۔۔ سلف کو دے رہا دشنام مرزا
زمین و آسماں قائم ہیں اب تک ۔۔۔ ترے وہ ٹل گے اعلام مرزا
براہیں سے ٹھگے تُو نے مسلماں ۔۔۔ کبھی ایسے بھی تھے ایام مرزا
بحمداللہ کہ چھپ کر فتح و توضیح ۔۔۔ کھلے تیرے چھپے اصنام مرزا
در توبہ ہے وا۔ ہو جا مسلماں ۔۔۔ یہی سعدی کا ہے پیغام مرزا

(۱) بشیر وعموائیل مرزا کے اس الہامی لڑکے کے نام ہیں جس کو مرزا نے 'جہاں کا ہادی'، 'صاحب برکت' وغیرہ وغیرہ لکھا تھا اور وہ ایک ہی برس کا ہو کر مر گیا تھا۔



۲۴ ستمبر ۱۸۹۴ء ص ۲

[مرزا قادیانی کو ایک پنڈت کا چیلنج]

مرزا صاحب قادیانی کو پنڈت گردہاری لال جفار و منجم سیالکوٹی حال وارد لاہور نے بذریعہ اخبار آفتاب پنجاب نوٹس دیا ہے کہ آپ کا تو الہام جس کو کہ آپ

کلام الٰہی فرماتے تھے۔ غلط نکلا اور میں صرف علم جوتش ورمل وجفر کے ذریعہ سے پیشین گوئی آپ کی ذات کی نسبت یا جس کو آپ اپنی خوشی سے فرمائیں کر سکتا ہوں اور اپنے علم کی صداقت سے یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بفضل ایزد تعالیٰ درست ہوگی اور میں آپ کی طرح بے سروپا پیشین گوئی نہیں دوں گا بلکہ ایک دن وقت گھڑی تک تحریر کروں گا کہ فلاں چیز فلاں وقت میں یہ ظہور لائے گی۔ سوان شاءاللہ تعالیٰ ایسا ہی عمل میں آئے گا۔ اگر آپ مجھ کو جواب خط سے مشکور کریں اور آپ اپنی ذات کی نسبت پیشین گوئی کی اجازت دیں یا اور کی نسبت تو میں تیار کر کے عرض کر سکتا ہوں اور جواب خط ضرور تحریر کریں لیکن اس مصرع پر عمل نہ کریں کہ؛

جواب خط سے جواب ہے



ص ۴

[گدھا، سیاہی، رسی ہے یا بھیجوں]

مرزائے قادیانی کی پیشین گوئی سے مسٹر آتھم نے ۱۵ مہینے بڑی تشویش میں بسر کیے اور اکثر ان کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ ایک اخبار لکھتا ہے کہ فیروز پور میں ان پر چار حملے ہوئے۔ دو مرتبہ بندوق کے فائر ہوئے ایک دفعہ ایک شخص گنڈاسہ لیے ہوئے نظر آیا۔ دو دفعہ تین تین آدمی رات کے وقت کھیتوں میں چھپے ہوئے معلوم ہوئے جو پولیس کے تعاقب کرنے سے مفرور ہو گئے۔ رات کے وقت ان کے مکان پر پولیس کا پہرہ رہا کرتا تھا اور اس خیال سے کہ کھانے میں زہر نہ دے دیا جائے وہ سوائے اپنی لڑکی کے کسی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھاتے تھے۔

۶ ستمبر کو ۱۲ بجے رات کے بعد ان کے دوستوں نے پنجاب کے مختلف شہروں میں دس تار خبریں بھیجیں جس میں سے ایک مرزا صاحب کے نام بھی تھی اور وہ

یہ ہے کہ؛

آتھم تندرست۔ گدھا۔ سیاہی۔ رسی۔ ہے یا بھیجوں۔



ص ۶

مرزا صاحب قادیانی کا تازہ الہام

مرزا صاحب قادیانی کی پیش گوئی مسٹر عبداللہ آتھم کی نسبت جس صراحت و وضاحت سے بالکل خلاف واقع اور سراسر غلط نکلی ہے اگر مرزا صاحب کو کچھ بھی شرم وحیا ہوتا تو یقین تھا کہ وہ صاف صاف الفاظ میں اپنی غلطی اور سہو وخطا کا اقرار کر لیتے اور بیچارے الہام کو بدنام اور مضحکہ طفلان نہ بناتے مگر اب جو انہوں نے اپنی پیش گوئی کے غلط ثابت ہونے پر ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ایک تقریر ''فتح الاسلام کے بارے میں مختصر تقریر'' کے عنوان سے شائع کی ہے اور جس کی دو کاپیاں براہ راست کادیان سے ہمارے پاس بھی پہنچی ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب صرف چال بازی دھوکہ دہی اور بے جا تاویلیں کرنے میں ہی یگانہ آفاق نہیں ہیں بلکہ پرلے درجہ کے ڈھیٹ اور بےشرم اور سچ مچ؛

شرم چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید

کے مصداق بھی ہیں آپ اپنی تحریر مذکور میں لکھتے ہیں کہ؛

''ہماری پیش گوئی بحق عبداللہ آتھم کے دو حصے تھے یعنی اگر ان سے ۱۵ ماہ تک حق کی طرف رجوع کرلیا تو بہتر ورنہ وہ بہ سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا اب ہم کو خدا نے اپنے خاص الہام سے جتلا دیا کہ عبداللہ آتھم نے اپنے دل میں عظمت اسلام کا خوف اور وہم وغم ڈال کر کسی قدر حق کی طرف رجوع کیا جس سے وعدہ موت میں تاخیر ہوئی کیونکہ ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی اقرار وادہ شرط کا لحاظ رکھتا اور اسی نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا ہے؛ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ.(الزلزلة:۷)

سو مسٹر عبداللہ نے الہامی شرط کے مطابق کسی قدر اسلامی سچائی کی طرف جھکنے سے اپنا اجر پالیا۔ ہاں جب پھر بیبا کی اور سخت گوئی اور گستاخی کی طرف میل کرے گا تو وہ وعدہ ضرور اپنا کام کرے گا اگر عبداللہ آتھم ہمارے اس بیان کو جھوٹ سمجھیں تو ایک ہفتہ کے اندر ہمارے سامنے حلفیہ اقرار کریں کہ اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں کبھی ان کو سچائی اسلام کے خیال کے دل پر ڈرانے والا اثر نہیں کیا اور نہ عظمت اور صداقت الہام نے گرداب غم میں ڈالا اور نہ خدا کے حضور میں اسلامی توحید کو انہوں نے اختیار کیا اور نہ ان کو اسلامی پیش گوئی سے دل میں ذرا بھی خوف آئی اور نہ تثلیث کے اعتقاد سے وہ ایک ذرّہ متزلزل ہوئے اور عظمت اسلام نے ایک لحظہ کے لیے بھی دل کو نہیں پکڑا اور میں مسیح کی ابنیت اور اُلوہیت کا زور سے قائل رہا اور قائل ہوں اور دشمن اسلام ہوں اور اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو میرے پر ایک ہی بر کے اندر وہ ذلت کی موت اور تباہی آئے جس سے یہ بات خلق اللہ پر کھل جائے کہ میں نے حق کو چھپایا جب مسٹر آتھم یہ اقرار کریں کہ تو اسی وقت ایک ہزار روپیہ کا بدرہ ڈاکٹر مارٹن کلارک اور پادری عمادالدین کے پاس بطور ضمانت اس شرط پر رکھ دیا جائے گا کہ اگر عبداللہ آتھم ایک سال کے اندر مر گئے تو وہ روپیہ ہم کو دے دیا جائے اور اگر نہ مرے تو یہ روپیہ ان کا ملک ہو جائے گا۔'' انتہیٰ ملخصاً

اول تو ناظرین صاحب بصیرت خیال فرمائیں کہ مرزا صاحب نے اپنے اس جدید الہام میں کس قدر پیچ دار اور ذو معنی الفاظ اور فقرے استعمال کیے ہیں جن سے ادنیٰ درجہ کی فہم و عقل کا آدمی بھی فوراً نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جس شخص کی نسبت اس شدو مد اور زور شور سے موت کی خبر دی جائے خواہ وہ شخص کیسا ہی بہادر اور جری القلب اور مستقل مزاج کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ ۱۵ مہینے کے عرصہ میں احیاناً ایک ذرّہ یا لمحہ بھر بھی اس کو اس خبر کا خوف دامن گیر نہ ہوا ہو اور اس کے استقلال میں کبھی لحظہ بھر بھی تزلزل و اندیشہ نے دخل نہ دیا ہو۔ حاشا و کلا کوئی دانا اس کو تسلیم نہ کرے گا۔

دوم: ہم بھی مانتے ہیں کہ مرزا صاحب کی پیش گوئی کے جو جلی حروف میں امرتسر کے مباحثہ کے اختتام پر انہوں نے لکھی تھی دو پہلو تھے (گو اس کی تفسیری عبارت میں انہوں نے حکمت عملی سے اس کا ایک ہی پہلو اختیار کیا تھا) یعنی یا تو مسٹر عبداللہ مرجائے گا یا حق کی طرف رجوع کرے گا یعنی صریح مسلمان ہو جائے گا چنانچہ حق کی طرف رجوع کرنے سے مسٹر عبداللہ کا اسلام مراد رکھنا خود مرزا صاحب کی زبان سے ثابت ہے اور نیز ان کے معتقدوں کا اخیر ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک یہی قول رہا ہے کہ یا تو عبداللہ مسلمان ہو جائے گا یا مر جائے گا پس جب یہ بات ہے تو اب اس پیش گوئی میں یہ تیسرا پہلو کہاں سے نکل آیا کہ اس نے عظمت اسلام کا لمحہ بھر دل میں خیال کرنے سے کسی قدر حق کی طرف رجوع کر کے موت کو ٹال دیا۔

افسوس مرزا صاحب کو یہ دوسرا الہام اس تیسرے پہلو کی نسبت ایسے آخری وقت پر ہوا کہ جب ان کی پیش گوئی کی جھوٹ کی قلعی ساری دنیا پر کھل چکی۔ ہاں اگر ۵ ستمبر سے دس بیس روز پہلے بھی وہ ایسا مشتہر کر دیتے تو ایک بات تھی اب ایسی بات ان کے چیلے چانٹوں کے سوا جو صم بکم عمی کے مصداق بن رہے ہیں کون سن سکتا ہے۔

سوم: جب مرزا صاحب کی پیش گوئی سے ذرہ بھر دل میں خوف کرنے سے آتھم صاحب کو اور ایک سال کی تاریخ مل گئی اور ۵ ستمبر تک جو موت کا پیالہ وہ پینے والے تھے اور ایک سال تک ٹل گیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ اگر وہ پورے پورے رجوع بحق ہو کر مسلمان ہو جاتے تو سینکڑوں سال ان کو موت سے امان مل جاتی حالانکہ خدا تعالیٰ نے کسی جاندار کے سلسلہ حیات وممات کا بڑھنا گھٹنا یا ٹلنا کسی نیک یا بد کام کے کرنے سے وابستہ اور متعلق نہیں کیا بلکہ ہر ایک شخص کے حصہ میں جس جس قدر سال و ماہ بلکہ سانس تک لینے تقدیر میں لکھ دیے ہیں اس میں لمحہ بھر کی بھی پس و پیش نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس نے اپنی کلام پاک میں فرمایا ہے؛

وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا. (المنافقون:۱۱)
یعنی ہرگز ڈھیل نہیں دیتا اللہ کسی جی کو موت سے جس وقت آتا ہے اس کا وقت پھر اور جگہ فرمایا ہے:

وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَکَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ. (النحل:۶۱)

اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو بسبب ان کے ظلم نہ چھوڑے اوپر روئے زمین کے کوئی چلنے والا ولیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت مقرر تک پس جب آئے گا وقت ان کا نہ پیچھے رہیں گے ایک ساعت اور نہ پہلے چلیں گے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ کیا بیہودہ اور واہیات خیال ہے کہ مسٹر آتھم کسی قدر حق کی طرف رجوع کرنے کے باعث موت سے بچ گئے- یہ کیوں صاف اقرار نہیں کرتے کہ ابھی ان کی موت کا وقت ہی نہیں آیا تھا قبل از وقت وہ کیسے مرتے۔

چہارم: آیت و من یعمل مثقال ذرّة خیرا یره سے مرزا صاحب کے مدعا کی کچھ بھی تائید نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ اس آیت سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نیک کام اگر ذرّہ بھر بھی ہو تو اس کا ثواب مل جاتا ہے نہ یہ کہ اس کے سبب سے کسی کی حیات بڑھ جاتی یا ممات ٹل جاتی ہے۔علاوہ اس کے اس آیت میں **عمل** کا لفظ آیا ہے اور **عمل** اس کام کو کہتے ہیں جو کسی کے جوارح یعنی ہاتھ، زبان، آنکھ، کان یا پاؤں سے وقوع میں آئے اور ثواب یا عذاب بھی اسی کام پر ملتا ہے جو جوارح مذکورہ بالا کے ذریعہ ظہور میں آئے اور جو کسی بات کا خیال و اندیشہ بے اختیار کسی کے دل میں گزر جائے تو نہ تو اس کو **عمل** کہہ سکتے ہیں اور نہ حسب آیہ کریمہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶) اس خیال و اندیشہ پر کوئی عذاب یا ثواب مترتب ہوسکتا ہے اور

ظاہر ہے کہ بقول مرزا صاحب اس پیش گوئی کے اثنا میں مسٹر آتھم سے جو صرف اتنی ہی بات واقعہ ہوتی ہے کہ لحہ بھر ان کو عظمت اسلام کا خوف آیا یا ان کی پیش گوئی سے لحظہ بھر ان کو ہیبت آئی سو ایسی بات نہ تو عمل میں داخل ہے اور نہ اس سے وہ کچھ اجر پانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں پھر ان کو وعدہ موت میں کیسے تاخیر ملی؟

پنجم: مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ مسٹر عبداللہ آتھم نے ہماری پیش گوئی سے ہمارے وعدہ کا ثبوت اپنی خوف ناک حالت اور وہم اور سراسیمگی اور شہر بشہر بھاگتے پھرنے سے آپ دکھا دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر مسٹر آتھم کی مرزا کی پیش گوئی موت کے خوف سے ایسی ہی حالت تھی تو اس حالت میں آتھم صاحب بجائے کسی قدر حق کی طرف رجوع کرنے کے اگر پورے پورے رجوع ہو کر مومن بھی ہو جاتے تب بھی ان کو اس ایمان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ معائنہ عذاب کے وقت کا ایمان نامقبول ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں فرمایا ہے؛

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمٰنُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا. (المومن: ۸۵)

یعنی پس نہ تھا کہ فائدہ دیتا ان کو ایمان ان کا جب دیکھا انہوں نے عذاب ہمارا۔

اخیر میں جو مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ ہماری پیش گوئی کے دو پہلو میں سے مسٹر آتھم کی موت کے پہلو کی طرف خدا نے اس لیے رخ نہ کیا کہ موت کا پہلو تختۂ مشق اعتراضات ہونے کے باعث بہت کمزور اور مشکوک ہو گیا تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کا الہام کنندہ مشکوک و کمزور پہلو وفات ہی کو اختیار کرتا تو اس سے بہت عمدہ نتیجہ یہ نکلتا کہ صرف ہزاروں نادان و جاہل مسلمان ہی آپ کے معتقد و مرید نہ بنتے بلکہ صدہا عیسائی اور ہندو مسلمان ہو جاتے اور آپ کی بڑی شہرت ہوتی جس کے لیے آپ اس قدر مفتون ہو رہے ہیں کہ خارج از ایمان تک ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بخلاف دوسرے پہلو کے اختیار

کرنے کے کہ اس سے آپ کے تقریباً کل معتقدین مذبذب و بے اعتقاد ہو گئے اور آپ کو تمام دنیا کے موافق و مخالف لوگ لعنت و ملامت کر رہے ہیں۔

ہماری دانست میں مرزا صاحب کو چاہیے کہ مرزا احمد بیگ صاحب کے داماد کی پیش گوئی کی نسبت ابھی سے کوئی تاویل گھڑ کر شائع کر دیں کیونکہ اس کی معیاد کے ختم ہونے میں بھی صرف چند روز باقی رہتے ہیں اور وہ نوجوان اس وقت مزے سے راول پنڈی میں دندنا رہا ہے۔



آٹھ اکتوبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۶

مرزا صاحب قادیانی اور ان کے انعامی اشتہار

مرزا قادیانی نے مسٹر عبداللہ آتھم والی پیشین گوئی کے دروغ ثابت ہونے پر اپنی طرف سے ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کے اشتہار میں جو اس کی تاویل کی تھی اس کی تردید ہم نے ۲۴ ستمبر کے سراج الاخبار میں کما ینبغی کر دی تھی اور بخوبی واضح کر دیا تھا کہ بقول قادیانی صاحب مسٹر آتھم صاحب کا عظمت اسلامی کی نسبت دلی خیال ایسا امر نہیں تھا کہ جس پر آیہ کریمہ **و من یعمل مثقال ذرّۃ خیرا یرہ** ذرا بھی منطبق ہو سکے۔ اب ۲۰ ستمبر کو پھر انہوں نے ایک دوسرا اشتہار اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ اگر آتھم صاحب اس بات کی تین بار حلف اٹھالیں کہ ہم نے پیش گوئی کے ایام یعنی ۱۵ مہینے کے عرصہ میں ایک لحہ بھر بھی عظمت اسلامی کو اپنے دل پر جگہ ہونے نہیں دی تو ہم ان کو فوراً دو ہزار (۲۰۰۰) روپیہ بطور انعام حوالہ کر دیں گے ورنہ ہماری فتح کی ان پر ڈگری سمجھنے چاہیے اور صرف اسی اشتہار پر کیا اکتفا ہے بلکہ مرزا صاحب کے ایک اخص الخواص حواری مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حال مقیمی قادیان[۳۹] کی تحریر مندرجہ سرحدی اخبار ۲۹ ستمبر سے معلوم ہوتا ہے کہ عن قریب ایک اور اشتہار تین ہزار (۳۰۰۰) روپیہ انعام کا شائع ہونے والا ہے اور تعجب نہیں کہ آتھم

صاحب جوں جوں قسم مطلوبہ مرزا صاحب کے کھانے سے پہلو تہی اختیار کریں گے توں توں مرزا صاحب عوام کالانعام میں جو قرآن وحدیث اور اُصول شرعیہ سے محض نابلد ہیں اپنا اور اپنے الہام کا اعتبار بڑھانے کے لیے انعام کی تعداد بڑھاتے جائیں گے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے اور سراسر ایک دام فریب ہے جو جہلا کے بہکانے کو انہوں نے بچھائی ہے جو کچھ بھی کارگر نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض چالاکیوں اور حکمت عملیوں سے نفرت انگیز طور پر کام لے رہے ہیں اور بیچارے بے سمجھ لوگوں کو اپنی ابلہ فریبی کارروائی کا شکار بنانا چاہتے ہیں۔ ادھر آتھم صاحب کے قسم کھانے کے سکوت نے اور بھی ان کو عوام میں لاف زنی اور زبان درازی کرنے میں تقویت دے رکھی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ آتھم صاحب حسب منشا مرزا صاحب کبھی بھی قسم نہیں کھائیں گے گو وہ انعام کی مقدار زیادہ سے زیادہ درجہ تک کیوں نہ بڑھاتے جائیں کیونکہ جن الفاظ پر مرزا صاحب قسم دینی تجویز کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ آتھم صاحب کو ۱۵ مہینے کے عرصہ میں ایک دفعہ نہیں بلکہ بیس (۲۰) دفعہ عظمت اسلامی کا خیال دل پر گزرا ہوگا مگر صرف یہ خیال ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا تھا تاوقتیکہ اس کے ساتھ دل سے عظمت اسلام کو تسلیم وقبول نہ کرتے۔ مرزا صاحب تو صرف عظمت اسلامی کے اثر کو آتھم صاحب کے دل پر واقع ہونے کو روتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ پیش گوئی کے عرصہ میں کسی وقت رسول خدا اور ان کی رسالت کو برحق بھی تصور کر لیتے تاہم ان کا ایسا سمجھنا اسلامی شرع کے رو سے بالکل غیر معتبر تھا اور موت کی تاخیر تو کجا ان کو کچھ بھی کسی طرح کا فائدہ نہ دے سکتا تھا کیونکہ صرف رسالت کی تصدیق بلا اس کی تسلیم (قبولیت) کے کچھ بھی معتبر نہیں ہے چنانچہ شیخ الاسلام نے شرح صحیح بخاری اور شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح مشکوٰۃ کے کتاب الایمان میں لکھا ہے:

بالجملہ حقیقت ایمان و مدار امن از عذاب ابدی و اخروی

آوردہ درسانیدہ کہ لازم وے تسلیم است بمعنی گردن داد ن و سپردن خود را بحکم نہ تصدیق بمعنی راست گو دانستن پیغمبر یا راست دانستن رسالت وے چد مجرد ایں معرفت و یقین بدون قبول تسلیم و فاد نکند۔انتہیٰ

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اسلامی عظمت کے خیال نے آتھم صاحب کو موت کے پنجہ سے بچالیا تو اس سے لازم آتا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات کے انکار سے بطریق اولیٰ غرق ہونے سے بچ رہتی کیونکہ دل میں تو وہ حضرت موسیٰ کو حق سمجھتے تھے حالانکہ خدا نے فرعونیوں کے دلی اعتقاد کو معتبر نہ رکھا بلکہ ان کے زبانی اظہار پر عذاب وثواب کا فیصلہ فرمایا چنانچہ اس نے اپنی مقدس کتاب کی سورہ نمل میں دربارہ تذکرہ فرعون فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ. (النمل:۱۴-۱۳)

یعنی جب آئیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس ہماری نشانیاں تو کہا انہوں نے یہ ہے جادو ظاہر اور انکار کیا ان کا سرکشی وتکبر سے اور یقین جان لیا تھا ان کے دل نے کہ یہ حق ہیں پس دیکھ کیونکر انجام ہوا فساد کرنے والوں کا یعنی غرق ہوئے۔

علاوہ اس کے خدا تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے حق میں فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ. (البقرہ:۱۴۶)

یعنی جن لوگوں کو ہم نے تو کتاب دی ہے وہ اس طرح سے محمد کو پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے فرزندوں کو پہچانتے ہیں اور تحقیق ایک فرقہ ان میں سے

ایسا ہے جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے۔

دیکھو حسب شہادت جناب باری عز اسمہٗ اہل کتاب لوگ پیغمبر خدا کو دل میں رسول برحق ضرور جانتے ہیں مگر چونکہ ان کو تسلیم وقبول نہیں کرتے اس لیے منکر اسلام متصور ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ محض تصور حقیت اسلام بلا تسلیم و قبول کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو صرف عظمت اسلامی کا دل پر جگہ پانا مسٹر آتھم کو کیا فائدہ دے سکتا تھا اور فائدہ بھی وہ کہ موت جیسی ان ٹل بات کو ایک سال کے لیے ٹال دے حاشا وکلا کوئی عاقل اس کو تسلیم نہ کرے گا۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ مسٹر آتھم کو تو ایک طرف رہنے دو ایسا کون بشر ہے جس کے دل پر عظمت اسلامی کو جگہ نہیں ہے۔ محققین عیسائیوں میں سے طامس کارلائل، اڈوارڈ گبن، ریورنیڈ جی ایم راڈویل، ابراہام ریس، ڈاکٹر اے سپرنگر اور آنریبل ولیم میور وغیرہ کی تحریرات کو دیکھو کہ باوجود حامی مذہب عیسائی اور منکر اسلام ہونے کے انہوں نے انصاف کے رو سے اسلام اور بانی اسلام کی تعریف میں کیا کچھ داد انصاف دی ہے۔ یہ اسلامی عظمت کا دل پر اثر نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے ہی پرانے فیشن اور بعض اس زمانہ کے غیر متعصب اہل ہنود کو دیکھو کہ وہ باوجود انکار اسلام کے کس قدر اسلام کی نسبت خوش اعتقاد ہیں جس کے ثبوت کے لیے ہم زیادہ تکلیف نہیں دیتے صرف اتنا کہتے ہیں کہ لاہور کی مسجد وزیر خان[۴۰] میں شام کے وقت جا کر دیکھو کہ کس قدر اہل ہنود مرد و عورتیں اپنے بیمار بچوں کو گود میں لیے دروازہ پر نمازیوں سے دم کرانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں اور جمعرات کے روز سہ پہر کے وقت کس قدر ہندو عورتیں شاہ صدر دیوان صاحب کے سلام کے لیے مسجد مذکور میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ عظمت اسلامی کے دل پر اثر کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔ غرض کہ مرزا صاحب نے آتھم صاحب سے ایک ایسے امر کے انکار پر حلف لینے کی استدعا کی ہے جس سے قطع نظر آتھم صاحب کے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ پس ایسی حالت میں آتھم صاحب سے ان کی قسم کھا کر اسلامی عظمت سے انکار کرنے کی

توقع رکھنا صرف فضول ہی نہیں بلکہ سخت درجہ کی ہٹ دھرمی ہے اور ہم ہرگز نہیں خیال کر سکتے کہ کوئی عاقل بھی اتھم صاحب کے قسم کھانے کے انکار اور مرزا صاحب کے بار بار اصرار کرنے پر مرزا صاحب کو سچا سمجھ سکے گا بلکہ جوں جوں مرزا صاحب ایسے بے سروپا ڈھکوسلے پیش کرتے جاتے ہیں توں توں بقول مشہور' عذر گناہ بدتر از گناہ' ان کا اعتبار اٹھتا چلا جاتا ہے۔



۱۲۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء ص ۵

[مرزا قادیانی کی دوسری پیش گوئی بھی غلط نکلی]

مرزا صاحب قادیانی کی دوسری پیشین گوئی بھی صریحاً غلط نکلی۔ جو مرزا احمد بیگ اور اس کی دختر کی نسبت۔ جس کی شادی اس نے برخلاف ان کے مرزا سلطان محمد ساکن پٹی سے کر دی تھی۔ کی گئی تھی جس میں یہ حکم لگایا گیا تھا کہ اڑھائی سال کے عرصہ میں احمد بیگ مرجائے گا اور وہ لڑکی ہمارے نکاح میں ضرور واپس آئے گی[۴۱]۔ سو تاریخ پیشین گوئی سے ۶ ماہ کے بعد اگرچہ احمد بیگ تو بوجہ کبرسنی اور تقدیر کے مر گیا تھا مگر اس کی لڑکی جو سلطان محمد کے نکاح میں ہے اب تک مرزا صاحب کے نکاح میں نہیں آئی۔ مرزا صاحب اپنے اشتہار مطبوعہ ریاض ہند امرتسر میں جو خاص اس پیش گوئی کے غلط نکلنے پر انہوں نے شائع کیا ہے یہ تاویل کرتے ہیں کہ لڑکی کا ہمارے نکاح میں آنا سلطان محمد کی موت پر موقوف تھا مگر چونکہ اس کی موت بوجہ اس کے بزرگوں کی توبہ واستغفار کے ٹل کر کسی اور غیر معین تاریخ پر جا پڑی ہے اس لیے جب وہ لوگ پھر سرکشی کریں گے تو ضرور مرجائے گا اور اس کی عورت ہمارے نکاح میں آجائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کا الہام کنندہ بالفرض والتقدیر سلطان محمد کے بزرگوں کی توبہ کے باعث اس کی وفات سے معذور ہو گیا تھا تو کیا اس سے معاذ اللہ یہ قدرت بھی سلب ہو گئی تھی کہ معیاد کے اندر

اس کا دل اپنی عورت کی طرف سے متنفر کر کے اس کو طلاق دینے پر مجبور کر دیتا جس سے 'سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی بچ رہتی' کی مثال صادق آتی یعنی سلطان محمد بھی بچ رہتا اور وہ عورت بھی مرزا صاحب کو مل جاتی کیونکہ مرزا صاحب کی اصل غرض تو محض عورت کی واپسی کی تھی اور جو روکیں اس کے واپس آنے میں سوراہ تھیں ان میں سے ایک تو اتفاقاً دُور ہی ہو چکی ہوئی تھی اور دوسری روک سلطان محمد والی اس کے طلاق دے دینے سے دُور ہو سکتی تھی۔



[۱۸۹۸ء/۱۳۱۵ھ کی فائل سے]

۳ جنوری ۱۸۹۸ء صفحہ ۶

خانقاہ پیر غازی ضلع گجرات کے مجاور کا دعوی مہدویت

لو صاحبان اب قیامت آ گئی، آپ صاحبوں کو تو یہ معلوم ہی ہو گا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ہونے کا دعوی کرتے ہیں اب ایک مہدی بھی پیدا ہو گیا۔ خانقاہ پیر غازی ضلع گجرات پر ایک مجاور محمد حسین نام ہے، جو کہتا ہے کہ میں مہدی ہوں اور مرزا قادیانی مسیح ہے، مجھے الہام ہوتا ہے۔ مرزا صاحب سے اس کی خط و کتابت ہے۔ مرزا نے اس کو بلا بھیجا ہے۔ وہ مجاور کہتا ہے مجھ پر حقیقت محمدی وارد ہے بعض دفعہ کلمہ پڑھتا ہوا کہتا ہے: "انا محمد رسول اللہ"۔

مرزا صاحب نے اس کو لکھا ہے کہ مجھے تیری بابت الہام ہوا ہے کہ تُو سچا ہے لیکن اب یہ معلوم نہیں کہ آگے مرزا صاحب مہدی و مسیح دونوں کا دعوی کرتے تھے اب کون سی تاویل کریں گے۔ خدا خیر کرے۔



صفحہ ۷

بزرگ قوم کی معذرت پر ایک نااہل کی ہرزہ درآئی

مرزائے قادیانی کے ناجائز دعاوی کی تردید کے لیے ہمارے علماء اسلام نے اگر لاہور کے بعض بیہودہ اور بے معنی پرچہ کے ایک بدطینت نامہ نگار کو وکیل پکڑا ہے تو پھر بحکم

اذا کـــان الـــغـــراب دلیـــل قـــوم

فیهـــدیهـــم الـــی جیف الـــکـــلاب

نتیجہ معلوم۔ پچھلے دنوں جو اس ناپاک دل نے بزرگ قوم کے برخلاف اپنی حلال زادگی کا ثبوت دیا ہے اس پر بجز اس کے اور کیا کہا جائے؛

فـــکـــل انـــا بـــالـــذی فیـــہ ینـــصـــح

افسوس ہے کہ مسلمانوں کی قابل رحم قوم کو جیسا کہ ثروت وعزت چھوڑ کر رخصت ہوگئی ہے۔ عقل اور غیرت بھی ان سے ہاتھ دھوبیٹھی ہے۔ بزرگ موصوف جو ہر طرح قابل قدر اور قوم کا فخر تھا اس کی اس لیے دل آزاری کی گئی ہے کہ اس نے مرزا صاحب سے کیوں صلح کر لی ہے۔ دوسرے الفاظ سے اس لیے کہ وہ کیوں مرزا کو ان کی طرح غلیظ گالیاں دینے اور لینے میں شریک نہیں ہوتا۔ یہ گناہ ہے کہ جس پر یہ سزا دی گئی ہے۔ تمام پنجاب کے نامور رئیسوں اور منتخب شریفوں میں یہی ایک بزرگ تھا جس کو قوم کے مذہبی جلسوں میں دینی حیثیت سے منبر پر کھڑے ہونے کا فخر حاصل ہوسکتا تھا۔

حدیث انما القاض امیر الخ پر پنجاب میں عمل ہونا موجودہ حالت میں اسی بزرگ کے وجود سے ہوسکتا ہے۔ بزرگ موصوف کی معزز قوم جس کے حق میں حضور علیہ السلام کا پاک ارشاد "خیر العرب قریش و خیر العجم فـــارس" موجود ہے جس قوم کے رشتہ سے حضرت علی بن حسین (امام زین

العابدین) کو بدیں الفاظ فخر ہے:

خیرۃ اللّٰہ من الخلق ابی
ثم امی و انا ابن الخیرتین

جس کی علمی لیاقت کی دنیا قائل ہے جس کی اسلامی مودت اور حب دینی ضرب المثل ہے جس کی خوش خلقی اور فراخ دلی کا دشمنوں کو بھی اقرار ہے، وہ قوم پر فدا ہونے والا وہ اپنے بے کس گروہ پر جان دینے والا، وہ اپنے سچے ہادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل اور آل مال سے قربان ہونے والا، وہ جس کا پاک دل کسی مافوق العادت الٰہی کرشمہ کا منکر نہیں ہے وہ جو اپنے ہم عصر رئیسوں کی طرح منکرات اور فواحش کی مجلسوں میں صرف خوف الٰہی سے شامل نہیں ہوتا، وہ علماء اسلام اور بزرگان دین کی واجب عزت کرنے والا ایک جاہل مطلق علوم اسلام سے ناواقف نا اہل نابکار سفلہ کی تحریروں سے ستایا جائے کہ دل آزاری کی کوئی حد نہ رہے۔ سراسر غضب کے نازل ہونے کی دلیل ہے۔ اس سفلہ نے اور تمام دل آزاریوں سے بڑھ کر بزرگ موصوف کے لخت جگر کی بددعا سے اپنی حلال زادگی کا ثبوت دیا ہے۔ بزرگ موصوف کو فیاض حقیقی نے اپنے فضل وکرم سے دو (۲) نور نظر عنایت فرمائے ہیں جو ایک قدیمی مجد اثیل کے وارث ہیں اور خداوند جل وعلا اس پُر برکت خاندان کو ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے۔

صنوان لا افترقا شمسان لا افلا
بدران لا نقصا کمان لا غربا
اللّٰہ قد وھب الممدوح من کرم
خیرا فلن یسترد اللّٰہ ما وھبا
الکلب ینج نجم اللیل من غضب
والنجم یبعثہ من نورہ طربا

اس کندہ دل نابکار مضمون نگار کو یاد رہے کہ اس کی اس دل آزار تحریر نے نہ

صرف بزرگ موصوف کا دل دکھایا ہے بلکہ تمام قوم کا۔اس نے نہ ایک مسلمان رئیس کو بُرا کہا ہے بلکہ اسلامی عزت اور دینی ناموس کو اس نے بُرا کہا ہے؛

ستعلم نفس ای دین تداینت
و ای غریم فی التقاضی غریمها

راقم
فیضی از راولپنڈی



۱۴ فروری ۱۸۹۸ء صفحہ ۶

کون نہ مانے کہ میاں محمد حسین صاحب حضرت مہدی آخرالزمان ہی تھے

سراج الاخبار مطبوعہ ۳ جنوری ۱۸۹۸ء میں میاں محمد حسین خادم مقبرۂ حضرت پیر غازی صاحب ضلع گجرات کے ادعائے مہدویت کا بقلم ایک وقائع نگار اظہار میری نظر سے گزرا۔بعد چند ایام ایک اور معتبر اخبار میں بھی یہ تذکرہ پایا چونکہ مقبرۂ پیر غازی صاحب مجھ سے فقط فاصلۂ دو میل ہے۔لہذا معاملہ کی اصلیت کا پتہ لگانا کون سا محال امر تھا اور کمال جہالت تھی کہ میں اتنے کم فاصلہ پر ہوتے آپ کے دیدار فیض آثار سے مشرف نہ ہوتا۔آں جناب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کو ہی تھا کہ اکثر خواندہ و ذی عقل اصحاب کی زبانی آپ کا چوروں کے ہاتھوں لُوٹا جانا سنا گیا اور یہ بھی سنا گیا کہ آپ کو مرض خفقان ہے۔جب ہوش میں آجاتے ہیں تو کچھ کا کچھ کہہ بیٹھتے ہیں اب مہدوی روح جناب کے قالب سے پرواز کرگئی اور محمد حسینی واپس آگئی ہے اور آپ ہوش میں ہیں جو اپنے کہے پر کمال پچھتا رہے ہیں۔حضرت کے پاس مرزا صاحب کی کوئی تحریر نہیں۔ان خبروں کی شنید پر میں آپ کی قدم بوسی سے

اس بات پر محروم رہا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنے رقص اور وجد میں آ کر پتھر ہی چلا دیں۔ جناب نے ایک اختراع کیا تھا جس کی سزا جلدی ملی، مریدوں نے گھر کی وہ صفائی دی کہ آپ یاد ہی رکھیں گے۔

راقم

ایک طالب حق وبیان



۲۳ مئی ۱۸۹۸ء صفحہ ۸

رسالہ گوہر بار

عیسی نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

جناب شہزادہ والا گوہر صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جہلم سے شاید ہمارے ناظرین واقف ہوں گے جو ان دنوں میں بتقریب رخصت دو ماہ لدھیانہ میں گئے رہے اور وہاں بیکار نہیں رہے بلکہ ایک رسالہ گوہر بار ایام رخصت میں تالیف کیا کہ جس کے حسب ذیل مضامین ہیں؛

(اول) بموجب معیار شریعت اسلام کے مرزا قادیانی مرد صالح کے درجہ میں نہیں ہیں اور ان کے دعاوی بالکل ضعیف اور کمزور ہیں۔

(دوم) الہامات مرزا صاحب مبالغہ آمیز اور دروغ ہیں۔

(سوم) مسیح علیہ السلام کے ہی تشریف لانے کی ہم کو ضرورت ہے اور ایک امتی شخص مثیل پیغمبر نہیں ہوسکتا۔

(چہارم) جوابات اعتراض ہائے مرزا صاحب متعلق دوبارہ تشریف آوری مسیح علیہ السلام

(پنجم) مسیح بے باپ پیدا ہوئے اور معجزہ گویائی مہد اور مردہ زندہ کرنے کا، ان

کے ساتھ لازمی ثبوت ہے۔
ان پانچوں فصلوں میں ایک نئی طرز پر بحث کی گئی ہے اور نصوص قرآنیہ کو نیچرل فلسفہ کے مقابلہ میں لا کر ایسے طور پر استدلال کیا گیا ہے کہ بلا ریب دندان شکن جواب مرزا صاحب کو دیا گیا ہے۔ اپنے ڈھنگ کا یہ پہلا رسالہ ہے۔ علماء عظام نے بے شک اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے مگر وہ صرف ماہران علوم نقلی ہی کو تسلی بخش ہے۔ شہزادہ صاحب نے طرز فلسفہ جدیدہ کی اختیار کی ہے اور اس پر نصوص قرآنیہ کا استدلال موٹی سے موٹی عقل والے انسان کو بھی تسلی بخش ہے۔ مرزا صاحب کے فرضی قانون قدرت کی خوب قلعی کھولی گئی ہے اور نیچرل فلسفے کو زبردست قانون الٰہی کی مدد سے مرزا صاحب کے ہذیان کی پردہ دری کے لیے خوب باموقع استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نسخہ مجرب بھی ہے یعنی شہزادہ صاحب نے اپنے جس رشتہ دار شیدائی مرزا صاحب کے لیے یہ رسالہ لکھا تھا اس پر اس کا ایسا اثر ہوا ہے کہ بیماری جنون دُور ہو کر اس کو صحت کلی ہو گئی ہے۔ واقعی شہزادہ صاحب جمیع طبقات اسلام کی طرف سے تحسین و آفرین کے مستحق ہیں کہ محض ہمدردی کی راہ سے اس نسخہ مجربہ کی تشہیر گوارا کی اور اس کی مسیحائی تاثیر اس امر کی متقاضی ہوئی کہ اس کو عام فائدہ کے لیے چھاپ کر مشتہر کیا جائے۔ یہ رسالہ قریباً ۵ جزو کا ہوگا اور مطبع سراج الاخبار جہلم میں زیر طبع ہے اور چونکہ اس رسالہ کی تحریر و تشہیر کی محرک محض حمیت اسلام ہوئی ہے اس لیے قیمت بھی بہت کم رکھی گئی ہے یعنی ۴ علاوہ محصول ڈاک اور اس کی خریداری کی درخواستیں خاص مطبع کے نام پر آنی چاہییں تا کہ تیار ہونے پر یہ فوراً ان کی خدمت میں رسالہ بھیج دیا جائے، در صورت توقف دوسری بار کے طبع ہونے شائقین کو انتظار کرنا پڑے گا۔



۱۸ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۷

انجمن اسلامیہ کی مکروہ کارروائی

سراج الاخبار مطبوعہ ۲۵ جولائی میں اس خبر کے پڑھنے سے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے ''میموریل امہات المومنین'' [۴۲] کی اشاعت کی بابت گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ خدا کے فضل سے نامنظور رہا ہے ہر ایک مسلمان کو خوشی بھی ہوئی ہوگی اور افسوس بھی۔

افسوس اس لیے کہ ہماری معزز انجمن کو جنہوں نے حمایت اسلام کا بیڑا اٹھایا ہے، ان کو اس مکروہ کارروائی سے ندامت اٹھانی پڑی۔

اول تو اس کتاب کا جواب لکھنے سے عاجز اور تنگ ہو کر گورنمنٹ کی خدمت میں ایسا میموریل بھیجنا ہی شرم کی بات ہے، دوسرا اس وقت بھیجنا جبکہ اشاعت ہو چکی اور جو کچھ صدمہ پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا، پھر سب سے بڑھ کر اس میموریل کا نامنظور ہونا نہایت ہی شرم کی بات ہے۔

اراکین انجمن نے کیوں نہ اس طرف توجہ کی کہ اس کتاب کا جواب شائستہ طور سے لکھے اور اپنے سر سے وہ قرض اُتارے جس کا اُتارنا اس کے واسطے ضروری ہے جیسا کہ انجمن کے ماہواری رسالہ کے پہلے صفحہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے:

''مقاصد انجمن حمایت اسلام لاہور (۱) معترضین اُصول مذہب مقدس اسلام کے جواب تحریری یا تقریری تہذیب کے ساتھ دینے اور اس مذہب مقدس کے اُصول کی حمایت اور اشاعت کرنی''

جب انجمن کے مقاصد میں سے مقصد اول یہی ہے کہ معترضین اسلام کا جواب دینا اس کا پہلا فرض ہے تو پھر کیوں معترضین کو جواب نہیں دیا جاتا۔ کہاں ہیں ان کے بڑے بڑے لائق پروفیسر اور حامی جو سالانہ جلسے پر سکندر نامہ کے برابر نظمیں تیار کر کے حاضرین کا دل خوش کرتے ہیں اور ہنساتے ہیں اور کہاں

غروب ہو گئے ان کے شمس العلماء مولوی و مسٹر نذیر احمد خان صاحب بہادر۔

اگر انجمن سے یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر وہ کس مرض کی دوا ہے؟ اکثر لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ انجمن جواب لکھنے سے عاجز ہے اسی واسطے گھبرا کر گورنمنٹ کے پاس دوڑے۔ ایسا ہی پچھلے سال کسی عیسائی نے چار سوال بغرض طلب جواب بھیجے تو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ان کا جواب لکھا تھا اور جب وہ اسلامیہ کالج میں جواب پڑھے گئے تو پڑھنے سے پہلے جناب سیکرٹری انجمن نے فرمایا چونکہ اس انجمن کا یہ پہلا مقصد ہے کہ مخالفوں کا جواب دیا جائے لہذا مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے۔ کیا خوب!!!

جواب لکھنے والے مرزا صاحب اور فرض انجمن کا ادا ہو گیا!!!

اور لوگ حیران تھے کہ اکثر اراکین انجمن تو مرزا صاحب کو کافر کہتے ہیں تو پھر کیوں انہیں کو مختار کرتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں سے لڑو اور ہماری حمایت کرو۔

اگر اب بھی انجمن پچھلے سال کی طرح مرزا غلام احمد صاحب کی طرف لکھ دیتی کہ ہمارا ہاتھ پکڑو تو میموریل بھیجنے سے یہ اچھا تھا کیونکہ وہ تو اسی کام کے واسطے بیٹھے ہیں۔

راقم

قاضی غلام حیدر راز کرنانہ متصل جوڑا ضلع گجرات (۱)



(۱) نامہ نگار کے کوائف دستیاب نہ ہو سکے تاہم ان کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرزا قادیانی کے حواری تھے۔

۲۹ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۶

مژدہ بہ جان نثاران حضرت خاتم النبیین بابت

تردید رسالہ اُمہات المومنین

شاد با شیدائے مسلماناں
اے زرنج رسالۂ بہ فغاں
درد تاں را علاج شد تیار
میدہم زاں علاج مژدہ بہ تاں

اخبار کے ناظرین رسالۂ امہات المومنین[۴۲] سے رنجیدہ خاطر مسلمان بھائیوں پر بشارتاً وتسکیناً ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس دل آزار رسالہ کا کافی وشافی جواب لکھا جانے لگا ہے جو آپ کے بے حد رنج والم کو مبدل بہ راحت بے پایاں کردے گا۔

وہ مختصر مضمون جو میں نے گورنمنٹ کی اس شکرگزاری میں کہ اس نے نہایت مہربانی اور عدل پسندی سے مسلمانوں کو حسب مدعا ومقصود میموریل مرزا صاحب قادیانی کی کتاب مذکور کا جواب لکھنے میں مختار کردیا ہے اخبار ہذا میں درج کرایا تھا بعینہ اس کی نقل بحوالہ سراج الاخبار، الحکم قادیان میں درج پائی۔ ایڈیٹر صاحب الحکم[۴۳] راقم مضمون یعنی بندہ کو مخاطب کرکے اپنے اخبار میں رقم فرماتے ہیں کہ آپ کے درد کا درمان ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے امہات المومنین کا جواب لکھنے کی پوری پوری تیاری کرلی ہے چنانچہ ایک رسالہ موسومہ بہ ''فریاد درد بطور اشتہار'' جس میں امہات کے جواب کتاب ''کسر الصلیب'' کی اشاعت وغیرہ کا تذکرہ ہے عن قریب مرزا صاحب کی طرف سے مختلف زبانوں میں اردو فارسی عربی انگریزی میں چھپ کر کثرت کے ساتھ ملک میں شائع ہونے والا ہے۔

ایڈیٹر صاحب مذکور فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب امہات کا جواب لکھنے میں فریق ثانی کی شصت سالہ مخالفانہ کوششوں کا بھانڈا نہایت خوش بیانی اور کامل تحقیقات کے ساتھ سر بازار پھوڑیں گے۔غرض صلیب کا خاتمہ کر دیں گے سو ہم حسب الارشاد جناب ایڈیٹر صاحب موصوف اُمید رکھتے ہیں کہ مرزا صاحب ضرور اپنے اس فرض کو جوانہوں نے معترضین اسلام پاک کے دعووں کی دھجیاں اڑانے میں اپنے ذمہ لیا ہوا ہے بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ نباہیں گے اور مسلمانوں کے امہات سے رسید صدمہ کو دلوں سے خوشی کے ساتھ محو کر دیں گے۔سو گو اخباری باتیں کہیں چھپی تو نہیں رہتیں مگر بالخیال کہ شاید اخبار ہذا کے عام ناظرین اس سراپا مسرت وخوش خبر سے آگاہ نہ ہوں لہذا ہم نے اس خوش خبری کو اس اخبار میں مشتہر کرانا مناسب سمجھا۔

کتاب کسر الصلیب سے جو مرزا صاحب کی طرف سے چھپے گی۔بے شمار فائدے متصور ہیں، منصفوں اور ثالثوں کو احمد شاہ مصنف امہات المومنین کی راست بیانی کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔نیز گورنمنٹ پر بھی عیسائی صاحبوں کی زبردستیاں واضح ہو جائیں گی۔نیز موجودہ عیسائی عقائد کی صداقت بھی پبلک پر کھل جائے گی جس سے آئندہ کئی نادان عیسائیت کے گڑھے میں آنکھیں بند کر کے گرنے سے بچ جائیں گے۔اغلب ہے کہ کئی پہلے کی خراب استعدادیں بھی سدھر جائیں اور یہ تو صاف صاف ظاہر ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب ساکن بٹالہ جنہوں نے ایک ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار پر رسالہ امہات المومنین چھپوایا۔ہزار روپیہ کے تاوان سے بچ جائیں گے۔آخر پر ہم مولوی صاحب کی خدمت بابرکت میں یوں عرض گزار ہوتے ہیں کہ آئندہ آپ ایسی اسلامی ہمدردی سے مسلمانوں کو معاف فرما دیں۔آگے تو آپ نے جناب رسول مقبول کے نقص نکلوانے کے لیے ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار دے کر مخالفوں کو جلے دلوں کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع دیا تھا۔اب کہیں اللہ جل شانہ کی شان پاک کے بارے میں ایسا اشتہار نہ دے دینا، آپ کیونکر خیال کر

سکتے ہیں کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ مجھے دشنام دے میں تجھے دس روپے دوں گا اور پھر وہ گالی اور دشنام نہ دے۔ آپ نے نہایت بُرا کیا کہ مخالفوں کو خود بخود گالیاں نکالنے کا موقعہ دے دیا اور اس پر طرّہ یہ کہ انعام کی شرط لگا کر اور بھی جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دینے کی ترغیب دی۔ ایسا ہی منسوخیت کتاب کا میموریل بھیجنے والی انجمن حمایت اسلام لاہور کو ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا دعویٰ حمایت اسلام ہے پس اس دعویٰ کے اثبات میں ایسے بیہودہ اور بے معنی دلائل اور وسائل پیش نہ کرنے چاہییں جن سے اہانت اسلام کا خطاب مل جائے۔ والسلام

راقم

ایک ذکی متوطن لالہ موسیٰ



۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۴

غم خوار ہند[۴۴] کا نامہ نگار گورداسپور سے لکھتا ہے کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداس پور کی خدمت میں ایک درخواست دی کہ مرزا صاحب قادیانی نے ۲۱ نومبر کو جو اشتہار جاری کیا ہے اس کی وجہ سے ان کو جان کا خطرہ ہو گیا ہے، اس لیے لائسنس واسطے رکھنے اسلحہ کے مل جائے۔ اس پر صاحب موصوف نے خود مولوی صاحب اور مرزا صاحب کے نام نوٹس جاری کیے کہ وہ دونوں ۱۵ دسمبر کو حاضر ہو کر وجہ ظاہر کریں کہ کیوں ان سے ضمانت حفظ امن نہ لے جائے۔ لاہور کے مشہور وکیل مولوی محمد فضل الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب مرزا صاحب کی طرف سے بشمولیت شیخ علی احمد وکیل گورداسپور پیروکار تھے اور مولوی صاحب کی طرف سے شیخ نبی بخش وکیل گورداسپور تھے۔ ۱۵ تاریخ کو مقدمہ پیش ہوا لیکن بلا کسی کارروائی کے ۵ ماہ جنوری کے لیے ملتوی کیا گیا، نتیجہ سے پھر اطلاع دی جائے گی۔



[۱۹۰۳ء/۱۳۲۱ھ کی فائل سے]

۱۲۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۷

مرزائیوں کے گورداسپور والے مقدمات

۱۲ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو مقدمہ حکیم فضل الدین صاحب بنام مولوی محمد کرم الدین صاحب زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند پیش ہوا، جس میں مولوی صاحب کی طرف سے منشی شمس الدین صاحب شائع مالک شمس الہند پریس لاہور، حکیم غلام محی الدین صاحب، پیر منور شاہ صاحب سکنہ ضلع جہلم اور منشی قادر بخش صاحب ایجنٹ شیخ محمد الدین صاحب وکیل جہلم گواہان صفائی گزرے اور اس مقدمہ میں آیندہ تاریخ پیشی ۲۳ اکتوبر مقرر ہوئی۔

۱۵ اکتوبر کو مرزائیوں نے پھر ایک درخواست واسطے ادائے شہادت پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ کی دی مگر عدالت نے نامنظور کی۔

۱۷ اکتوبر کو مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی و حکیم فضل الدین صاحب پیش ہوا اور مولوی صاحب کا بیان ہو کر ان کی طرف سے صرف ایک گواہ منشی محمد برکت علی صاحب منصف بٹالہ کی شہادت ہوئی کیونکہ دوسرے گواہوں کی اطلاع یابی نہیں ہوئی تھی جس پر ان کے نام عدالت سے مکرر سمن جاری ہوئے اور آیندہ پیشی ۱۲، ۱۳، ۱۴ نومبر قرار پائی۔

۱۲۱ اکتوبر کو مقدمہ ایڈیٹر صاحب اخبار الحکم پیش ہوا، جو انہوں نے مولوی محمد کرم الدین صاحب اور ایڈیٹر سراج الاخبار پر دائر کیا ہوا ہے جس میں ان کے تین گواہ یعنی حافظ عبدالقدوس سابق ایڈیٹر اخبار بہاول پور و مولوی عبدالکریم صاحب اور ایڈیٹر اخبار البدر گزرے اور ان کے بیانات پر شیخ نبی بخش

صاحب پلیڈر نے بڑی متانت سے جرحیں کیں۔

۲۳ کو مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ پھر پیش ہوا اور اس میں مولوی محمد کرم الدین صاحب کے فاضل وکیل میر احمد شاہ صاحب نے ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک مولوی صاحب کی صفائی میں بڑی مدلل تقریر کی اور استغاثہ کی شہادت میں بڑی وضاحت سے جابجا تناقض وتخالف بیان کر کے الزام کو بے بنیاد قرار دیتے رہے جس کے جواب کے لیے وکیل مستغیث کو عدالت نے اگلے دن یعنی ۲۴ تاریخ کا حکم دیا چونکہ ایڈیٹر اخبار الحکم نے اپنے مقدمہ میں طلبی پیر مہر علی شاہ صاحب اور شہاب العین کے نام اشتہار جاری کرانے کی درخواست دی تھی اس لیے اس درخواست کا فیصلہ بھی ۲۴ تاریخ پر موقوف رکھا گیا۔



[اسی شمارہ کے صفحہ ۸ پر مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کا یہ اشتہار شائع ہوا:]

کیا آپ مرزائیوں کے مقدمات کی کیفیت سننا چاہتے ہیں؟

اگر مرزائیوں کے گورداسپور والے مقدمات کی اصل کیفیت سننے کا آپ کو اشتیاق ہے جن کی روئیداد بطور ضمیمہ اخبار شائع ہو رہی ہے تو ایک روپیہ نقد بھیج کر یا پہلا پرچہ بذریعہ ویلیو طلب فرما لیجیے اور آیندہ جوں جوں پرچے شائع ہوتے جائیں آپ کے پاس برابر پہنچتے رہیں گے۔ اس روئیداد میں پہلے خود مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے اعلیٰ ارکان حکیم الامت وغیرہ کے بیانات کی نقول مصدقہ عدالت درج ہو کر اور شہادتیں اور کارروائی عدالت ہو گی بعد اختتام مقدمات ان پر مفصل ریویو ہو گا جو بڑی دل چسپی کا موجب ہو گا۔

راقم

فقیر محمد مالک سراج الاخبار، جہلم



۳نومبر۱۹۰۳ءصفحہ ۷

مرزائیوں کے گورداسپوروالے مقدمات

خواجہ کمال الدین[۴۵] وکیل حکیم فضل الدین نے بتائید استغاثہ تقریر کی اور ۲۵ کو بھی ان کی تقریر ختم نہ ہوئی، ۲۶ کو ان کی تقریر ختم ہونے پر جواب الجواب میں شیخ نبی بخش صاحب وکیل مولوی محمد کرم الدین صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور پھر ۲۹ کو بھی تقریر ہوتی رہی۔

۳۰ اکتوبر کو خود مولوی صاحب نے تقریر کی اور اس کے بعد عدالت نے غور و فیصلہ کے لیے ۱۲ نومبر تاریخ مقرر کی۔

ایڈیٹر الحکم کے مقدمہ میں مرزائیوں نے پھر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کو طلب کرایا ہے اور تاریخ ۲۷ نومبر مقرر ہوئی ہے۔



۳۰نومبر۱۹۰۳ءصفحہ ۷

۲۶ نومبر کو مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی محمد کرم الدین صاحب زیر دفعہ ۴۱۱ میں شیخ نبی بخش صاحب وکیل مولوی صاحب کی تقریر ہوئی اور ۲۷ کو خود مولوی صاحب نے ساڑھے تین گھنٹہ تک الزامات کی وجوہات کی بڑی متانت کے ساتھ تردید کی لیکن تاہم کئی قانونی باتوں کا جواب باقی رہ گیا جس کے لیے ۱۶ دسمبر مقرر ہوئی۔

پھر ایڈیٹر الحکم کا مقدمہ پیش ہوا اور چونکہ جناب پیر صاحب گولڑہ بوجہ علالت خود تشریف نہیں لا سکتے تھے اور انہوں نے صاحب سول سرجن بہادر کا سٹرفکیٹ بھیج دیا اس لیے پیر صاحب کی شہادت کا فیصلہ بھی ۱۶ دسمبر پر منحصر رکھا گیا۔



۲۱ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲

مرزائیوں کے گورداسپور والے مقدمات

۱۵ دسمبر کو مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا قادیانی وغیرہ میں گواہان استغاثہ پر منجانب خواجہ کمال الدین صاحب وکیل ملزمان جرح ہوتی رہی جس کے اثناء میں عدالت نے مرزا صاحب کا بیان بھی لے کر قلم بند کر لیا۔ اسی روز مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال [۴۶] کی شہادت مع جرح بھی ختم ہوئی۔

۱۶ کو پہلے ایڈیٹر اخبار الحکم کا مقدمہ پیش ہوا اور چونکہ اس پیشی پر بھی من جانب پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ سول سرجن کا سرٹیفکیٹ علالت پیش ہوا تھا اس لیے عدالت نے بامر مجبوری پیر صاحب کو شہادت سے معاف فرما کر ملزموں کا بیان قلم بند کر لیا۔

پھر مولوی محمد کرم الدین صاحب کا مقدمہ مذکور پیش ہوا اور استغاثہ کے گواہ مولوی برکت علی صاحب بی اے منصف بٹالہ پر جرح شروع ہوئی جو پونے دو بجے تک ہوتی رہی ہر ایک جرح کا جواب منصف صاحب نے بڑی متانت سے دیا۔ ۳ بجے کے بعد مولوی محمد جی صاحب قاضی تحصیل جہلم [۴۷] کی شہادت مع جرح ختم ہوئی۔

۱۷ کو ۲ بجے یہ مقدمہ پیش ہوا اور استغاثہ کے گواہ مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری پر جرح شروع ہوئی مگر طویل ہونے کی وجہ سے ساڑھے چار بجے تک بھی ختم نہ ہوئی، اس لیے ۱۸ کو تعطیل جمعۃ الوداع ہونے کے سبب سے ۱۹ کو پھر یہ مقدمہ پیش ہوا اور اس روز عدالت نے بعد بڑی بحث کے مولوی ثناء اللہ صاحب پر اور جرحوں کا ہونا فضول قرار دے کر آئندہ پیشی مقدمہ اور دیگر مقدمات کی ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء مقرر فرمائی۔



معذرت

چونکہ ۱۶ دسمبر سے ۱۹ تک گورداسپور میں مرزائیوں والے مقدمات کی پیشی تھی اور ۲۱ کو عید تھی اس لیے بامر مجبوری ۲۱ کو اخبار شائع نہیں ہوسکا اور ۲۱، ۲۸ کا اخبار اکٹھا کردیا گیا ہے۔ شائقین اخبار معاف فرمادیں۔ ایڈیٹر



[۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ کی فائل سے]

۱۱ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

انجمن حامی اسلام لاہور کا جلسہ

انجمن حامی اسلام لاہور کا جلسہ ۲۶۔۲۷ دسمبر کو نہایت کامیابی سے ہوا۔ بڑی بھاری کامیابی اس جلسہ میں یہ ہوئی کہ ایک شخص مسمّی اسد اللہ مرزائی نے مرزا کے عقائد سے توبہ کی۔

دوسرا یہ کہ ایک شخص عیسائی مسلمان ہوا جس کا نام محمد رمضان رکھا گیا ہے۔



۸ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲

[ریاست کپورتھلہ میں ایک مرزائی کی موت]

ریاست کپورتھلہ۔ اس ہفتہ منشی محمد خان اسسٹنٹ افسر بگھی خانہ بعد بڑی بیماری اور برداشت ۔۔۔ اس دنیائے فانی سے ملک جاودانی کو کوچ کر گیا۔ مرحوم بڑا پکا مرزائی اور فرقہ کا بڑا ارکن تھا۔ کپورتھلہ میں اس کی وفات سے فرقہ مرزائیہ کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑا، اب اس پایہ کا کوئی زبردست معاون فرقہ احمدیہ باقی نہیں ہے۔



۸فروری ۱۹۰۴ء

مبارک باد

سراج الاخبار مطبوعہ ۸جنوری ۱۹۰۴ء سے مولانا مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ پڑھ کر بدرجہ کمال خوشی وخورسندی حاصل ہوئی۔ الحمدللہ والشکر للہ۔

میری طرف سے مولانا صاحب موصوف اور مولوی فقیر محمد صاحب مالک سراج الاخبار جہلم (جنہوں نے اس مقدمہ میں ابتداء سے اس وقت تک تکلیف کو بالائے طاق رکھ کر مروت اور فتوت میں کوئی کسی وجہ کا دقیقہ باقی نہیں رکھا) کو خصوصاً اور دیگر جملہ صاحبان اہل سنت و جماعت کو عموماً صدہا مبارک باد قبول ہو اور آئندہ بھی نصیب کرے۔ آمین یارب العلمین

اب مرزا صاحب کے وہ تمام الہام جو اس مقدمہ میں سال بھر سے آندھی کی طرح چل رہے تھے سب کے سب بگولے کی طرح کافور ہوگئے اور تمام گردو غبار بیٹھ گئی۔

کہاں الہام ہیں وہ میرزا جی
جو نصرت کے نشاں ہوتے تھے سارے
گھڑی میں ہو گئے غائب نظر سے
ہوویں جیسے سحر کے وقت تارے

اور تاریخ مصنفہ منشی فضل حسین اجمل شاگرد حضرت قبلہ ام جناب مولوی شیخ عبداللہ صاحب قاضی تحصیل کھاریاں جو گزشتہ سال میں اخبار جعفرزٹلی لاہور [۴۸] میں شائع ہوئے تھے گویا وہ پیشین گوئی بعینہ سچی آئی

میرزا کم بجنت سال خود بگو (۱۳۲۰ھ)
مولوی باظفر آمدؔ شنو (۱۳۲۰ھ)

یہ کیا بلکہ مولانا غنیمت کنجاہی کی بھی پیشین گوئی جو پیشتر فرما گئے تھے، درست

آئی۔

ز شور انداز شہر ولہ پائی
شکست آمد بہ شان میرزائی

راقم
محمد سلام اللہ از چک عمر ضلع گجرات



۱۵ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

مرزائیوں کو دوسری شکست

۱۲ فروری ۱۹۰۴ء کو مقدمہ درخواست انتقال مقدمات (جو مرزائیوں کی طرف سے تھا) بمقام علیوال صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر گورداس پور کی عدالت میں ۱۱ بجے پیش ہوا۔ مرزائیوں کی طرف سے علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب و مولوی محمد علی صاحب [۴۹] وکلا کے مسٹر اوریٹل صاحب بہادر بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور مولوی محمد کرم الدین صاحب کی طرف سے لائق وکیل بابو مولامل صاحب پیروکار تھے۔

بعد بحث وکلاء طرفین بیدار مغز صاحب مجسم صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مرزائیوں کی درخواست کو فضول اور بے بنیاد قرار دے کر خارج کیا اور مقدمات واپس عدالت ماتحت۔۔ کیے گئے۔ مرزائیوں کو اس دوبارہ شکست کا سخت صدمہ پہنچا۔ ہمیں بھی ہمدردی ہے لیکن

خود کردہ را علاج نیست
چرا کاری کنہ عاقل کہ باز آید پشیمانی

بابو چندو لال صاحب جیسے انصاف کے پُتلے اور اخلاق مجسم بے تعصب حاکم کی عدالت سے بھاگنا اور بے بنیاد شکایات ہانکنا انصاف کا خون کرنا ہے۔
جس قدر آزادی اور رعایت ان کو اس عدالت میں ملتی رہی اس کی افسوس قدر

نہیں کی گئی۔ ہم آئندہ کسی پرچہ میں نقل درخواست ہاء اور صاحب بہادر کا فیصلہ ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

لو مرزائیو! اب کیا کہتے ہو؟ جاء ک الفتح کا علم تو پہلے گر چکا تھا اب یہ ثم جاء ک الفتح کا نشان مبارک ہو۔ کیا اب بھی نہیں سوچو گے؟ علیوال کے مسلمانوں نے مولوی صاحب کا استقبال بڑے جوش اور تپاک سے کیا اور کرسیوں فروش کا پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ جزاہم اللہ خیرا

مولوی صاحب اور ان کی جماعت کی پُرتکلف ضیافت کی گئی اور رات ٹھہرنے کا بڑا اشتیاق ظاہر کیا لیکن مولوی صاحب کئی ضروری اُمور کے لیے گورداس پور تشریف لے گئے۔

بابو مولائل صاحب کو مبارک۔ آپ نے تین نامی وکلاء کے مقابلہ میں میدان جیتا۔

راقم

نامہ نگار از گورداس پور



۲۲ فروری ۱۹۰۴ء

ایک مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا

عنوان بالا سے ایک لمبا آرٹیکل مرزائی اخبار الحکم قادیان ۱۷ جنوری ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا جس میں مقدمہ ۴۲۰ کے فیصلہ کو مرزائیوں کے حق میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں یہ آرٹیکل پڑھ کر از بس تعجب ہوا کہ عدالت نے تو مرزائیوں کو ان کے دعوی میں جھوٹا قرار دے کر مقدمہ خارج کر دیا اور مولوی محمد کرم الدین صاحب کو عزت سے بری کر دیا، دنیا میں مولوی صاحب کی فتح وظفر کا نقارہ بج چکا۔ لیکن مرزائی ہیں کہ ابھی ان کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی کہ فتح کس کو ہوئی اور شکست کس کی۔

یہ تو وہ مثل ہوئی کہ جولاہوں کی ماں کو سانپ ڈس گیا تھا لیکن نادان جولا ہے تا دم اخیر اس کی خیر ہی مناتے رہے کہ خدا کرے اماں جان کو سانپ ڈسنے کی خبر غلط ہو۔حتی کہ بیچاری جولا ہی کا خاتمہ ہی ہو گیا تب جولاہوں کو ہوش آئی کہ اوہو بات تو ٹھیک تھی ہم نے کوئی علاج ہی نہ کیا۔

مرزائی صاحبان! آپ کیوں کشمکش میں پڑے ہیں یہ بات تو دنیا میں الــــم نشــــرح ہو چکی ہے کہ مولوی صاحب اس مقدمہ میں جیت گئے اور آپ کی جماعت کو شکست فاش نصیب ہوئی۔اب آئندہ کی فکر کرو، خدا نہ کرے کہ ایسی گڑبڑ میں کہیں مرزاجی "انک انت لیوسف" کے الہام کے مصداق نہ بن جائیں اور تب جولاہوں کی طرح آپ کی آنکھ کھلے!!!

فتح کے الہاموں کا تو حشر ہو چکا، اب شکست کے دن آئے ہیں "و تــلــک الایام نــداد لھا بین الناس" آپ کو کچھ شک ہے تو اخباری دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کس کے حق میں اعلان فتح کر رہی ہے اور آپ کے الہاموں کی کیا گت بن رہی ہے۔اس وقت تک اخبارات ذیل میں مولوی صاحب کی فتح وظفر کا اعلان شائع ہو چکا ہے:

سراج الاخبار۔پیسہ اخبار[۵۰]۔اخبار عام[۵۱]۔اخبار وطن[۵۲]۔ زمین دار[۵۳]۔اردو اخبار۔لاہور پنچ۔گلزار ہند۔پنجاب سماچار۔روزانہ پنجاب اور ابھی تک یہ مبارک خبر لگا تار اخباری دنیا میں گشت کر رہی ہے کوئی ہی ایسا پرچہ ہو گا جس میں یہ خبر درج نہ ہو۔لیکن بے چارہ الحکم ہے کہ اب تک لانسلم پڑھتا جاتا ہے۔مگر طوطی کی آواز نقار خانہ میں کون سنے!!!

ہاں اتنا تو ضرور ہوا الحکم نے بھی باوجود لمبا چوڑا آرٹیکل لکھنے کے فتح کا تو نام نہیں لیا (لیتے کس منہ سے دنیا کے سامنے نہیں آنا تھا) ہم ایڈیٹر الحکم سے باادب پوچھتے ہیں کہ اگر اس مقدمہ میں کامیابی آپ کی پارٹی کی ہوئی تو پھر آپ نے کیوں کوئی لمبا چوڑا اشتہار فتح وظفر کا نہ چھاپا؟ حالانکہ جہلم کا مقدمہ خارج ہونے پر گز بھر لمبا اشتہار غیر معمولی جلدی سے راتوں رات چھپا کر ملک

میں تقسیم کیا گیا تھا اور کیوں ان تمام الہامات کی فہرست کو نہ دہرایا جو سال بھر فتح ونصرت کا شور مچار ہے تھے۔ کیوں جی پیارے تراب!!!
کیا حرج تھا اگر اب بھی مثل سابق اس جلی سرخی کا اشتہار شائع فرمادیتے!!!
الحق کی عظیم الشان فتح اور منحوس باطل کی خطرناک شکست۔
گورداسپور والے الہامی مقدمہ کا آخری پیشی پر خارج ہو جانا
اور حضرت مسیح موعود کی عظیم الشان پیش گوئیوں کا پورا نہ ہونا
اور بہت مناسب ہوتا اگر حاشیہ پر پہلے کی طرح یہ اشعار بھی چسپاں کر دیے جاتے؛

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو عالم کر دکھاتی ہے
کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو

حسن اتفاق سے پہلا اشتہار بھی ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء کو ایڈیٹر الحکم [۵۴] نے خادم قوم ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ کے حضور بطور مبارک باد پیش کیا تھا۔ اب بھی چونکہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو مقدمہ فیصلہ ہو چکا تھا تو ۱۹ جنوری تک اس مبارک باد کا شائع ہو جانا ہر طرح موزوں تھا۔ افسوس کہ نہ تو اس عظیم الشان کامیابی پر ایڈیٹر صاحب نے اپنے سید ومولیٰ امام کے حضور قوم کی طرف سے بحیثیت قومی خادم ہونے کے مبارک باد ہی عرض کی اور نہ ہی مثل سابق آپ کو یہ کہہ کر خوش کیا گیا:
''اے مظفر! تجھ پر سلام۔ فتح وظفر کی کلید دی گئی ہے'' اور نہ ہی ان فقرات سے آپ کی تواضع کی گئی
(۱) اے خدا کے برگزیدہ رسول الحق خدا تیرے ساتھ کھڑا ہوا اپنے وعدہ کے موافق ''انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم''
(۲) اے نبی اللہ تجھے وہ بشارت ملی جس کا وعدہ'' بشارة تلقاها النبیون''

میں دیا گیا۔
یہ بھی افسوس ہے کہ شیخ تراب صاحب نے مثل اول اپنے محسن و مخدوم سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں کے فخر خواجہ کمال الدین صاحب احمدی، بی اے۔ ایل ایل بی پلیڈر چیف کورٹ کو اور نہ ہی مولوی محمد علی صاحب اور شیخ نور احمد صاحب کو اور یوں ان کی سالانہ محنت کی بے قدری کی اور۔۔۔ افسوس اس امر کا ہے کہ اس فیصلہ پر منشی غلام حیدر تحصیل دار کا ڈبل شکریہ بھی ادا نہیں کیا گیا جنہوں نے۔۔۔ تکلیف اٹھائی۔ اور نہ ہی ضلع گورداسپور کی احمدی جماعت کا جہلمی جماعت کی طرح شکریہ مہمان نوازی۔۔ لایا گیا۔
مرزائی صاحبان اشتہار مطبوعہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء کو ہاتھ میں لے کر (جس کے فقرات۔۔ پڑھیں اور پھر الحکم کا پرچہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۴ء بھی پڑھ کر مقابلہ کریں اور انصاف سے مسٹر تراب کو یہ مصرعہ سنادیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

اب ہم ۱۷ جنوری کے الحکم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس پرچے میں ایڈیٹر صاحب اپنے غمگین بھائیوں کو یوں تسلی دیتے ہیں کہ ہمارا مطلب ہی مقدمہ کرنے سے یہ تھا کہ پیر صاحب کا سرقہ ثابت ہو جو ثابت ہو گیا ہاں جی کس طرح ثابت ہو گیا؟ یعنی مجسٹریٹ صاحب نے فیصلہ میں یہ قرار دیا کہ خطوط پیش کردہ فضل دین مولوی کے ہیں اور ایک خط میں یہ درج ہے کہ پیر صاحب نے سارقانہ کارروائی کی۔
سوال نمبر ۱: مولوی صاحب کا بیان کیا ہے؟
جواب: وہ تو کہتے ہیں کہ ان کے علم میں پیر صاحب نے کوئی سرقہ مضمون نہیں کیا اور نہ ہی نوٹ مندرجہ حاشیہ اعجاز المسیح سیف چشتیائی کے نوٹوں سے مطابق ہیں۔
سوال نمبر ۲: اچھا جس خط کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کو مولوی صاحب نے اپنے بیان میں تسلیم کیا؟

جواب: نہیں۔

سوال نمبر۳: ان کے گواہوں نے تسلیم کیا کہ یہ خط مولوی صاحب کا دستخطی ہے؟

جواب: نہیں

سوال نمبر۴: پیر صاحب کا بیان ہوا؟ انہوں نے مانا؟

جواب: نہیں۔

سوال نمبر۵: آپ نے کوئی ثبوت دیا کہ کسی کے سامنے یہ خط لکھا گیا؟

جواب: نہیں

سوال نمبر۶: کیا آپ مولوی نورالدین صاحب کی شناخت پر کہتے ہیں؟

جواب: نہیں۔۔۔اول اس خط کو مولوی صاحب کا بیان کیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد انکار ہی کر دیا کہ میں نے تو یہ خط۔۔ہی نہیں اور ان کی مبصری کی یہ کیفیت کہ اپنی تحریر کو بھی شناخت نہیں کر سکے اور خادم حسین و قاضی فضل احمد کے خطوط کو مولوی عبدالکریم و فضل دین کے خطوط قرار دے دیا۔

سوال نمبر۷: کیا پھر حافظ عبدالقدوس قدسی کی مبصری کے بھروسہ پر کہتے ہیں؟

جواب: نہیں۔ بڑھے میاں نے تو صاف کہہ دیا کہ خطوط پیش کردہ فضل دین کی طرز خط ان تحریروں کے مشابہ ہے جو کہ ایک درخواست من جانب مرزا صاحب اور مختار نامہ (جو خواجہ کمال الدین صاحب کو مرزا صاحب نے دیا) عدالت لالہ سنسار چند صاحب جہلم میں شامل نقل ہوئیں۔

سوال نمبر۸: تو پھر آپ کس طرح فرماتے ہیں کہ پیر صاحب کا سرقہ اس مقدمہ میں ثابت ہو گیا؟ آپ کا یہ لکھنا کہ صاحب مجسٹریٹ نے خطوط مولوی کرم الدین کے ثابت کیے، اول تو ہم اس بات کے ماننے پر ابھی تیار نہیں ہیں کہ فیصلہ میں صاحب مجسٹریٹ نے خطوط پیش کردہ فضل دین کو مولوی صاحب کا لکھا ہوا تسلیم کیا (کیونکہ ابھی تک فیصلہ ہم نے نہیں پڑھا)

دوم اگر صاحب مجسٹریٹ نے ایسا لکھا بھی ہو تو یہ صاحب مجسٹریٹ کی رائے اور قیاس ہے۔ صاحب مجسٹریٹ کو تو علم غیب یا وحی آنے کا دعوی بھی نہیں

حالانکہ آپ کے حجۃ اللہ اپنے حلفی بیان میں اپنے دو الہاموں کے بارے میں لکھا کہ میری رائے تھی جو غلط نکلی۔

پس جب ملہموں کی رائے کا یہ حال ہے تو صاحب مجسٹریٹ کی رائے سے کیا حجت!!! ایڈیٹر الحکم پیر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں قلم اٹھائیں اور پبلک کو زیادہ منتظر نہ رکھیں کہ سرقہ ہوا یا نہ؟ ہم کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے قلم اٹھانے کی کون سی ضرورت باقی ہے، آپ کے حکم عدل مسیح موعود مہدی مسعود (مرزا صاحب) خود پیر صاحب کے ذمے سے یہ الزام اپنے حلفی بیان میں اٹھا چکے ہیں جیسا کہ لکھایا:

''سوال: یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے کہ نہیں بہ متعلق مولوی محمد حسن اور پیر مہر علی شاہ؟

جواب: پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ میری رائے غلط نکلی۔''

اب فرمائیے جب آپ کے حجۃ اللہ اپنے حلفی بیان میں اپنے دونوں الہاموں کی تکذیب پر یقین ظاہر کر چکے ہیں جس کا صاف معنی یہ ہے کہ میری رائے غلط تھی کہ فیضی مرحوم میرے الہام کے مطابق میری دعا سے فوت ہوئے ہیں اور پیر صاحب کا الزام سرقہ ثابت ہوا ہے تو اب ایڈیٹر صاحب کیا ہستی رکھتے ہیں کہ مرشد جی کے اس حلفی بیان کو جھٹلا کر اب پھر کہہ دیں کہ حضرت نے یونہی اپنی رائے کی غلطی مان لی اور اپنے لکھے پر بے یقین ہو گئے بے شک پیر صاحب کا سرقہ ثابت ہوا۔ چہ خوش ایسے بے یقین ملہم کی بات کا کیا ٹھکانہ کہ ذرا ذرا سی بات پر بے یقینی اور پھر اسی بات کی تصدیق۔ خیر مرزا صاحب تو اب اپنے حلفی بیان کو کبھی جھوٹا نہیں کہہ سکتے، تراب صاحب یہ گستاخی کریں تو کریں۔

ہاں جی ذرا اپنے پیر بھائی فضل دین کا بیان حلفی بھی دیکھ لیجیے:

(۱) اب میں یقین نہیں کرتا کہ پیر مہر علی شاہ سرقہ کا مجرم ہے۔
(۲) میں خیال کرتا ہوں کہ اس کی تمام سابقہ چٹھیوں کے مضامین جھوٹے تھے۔
(۳) اور ملزم کی وہ تحریر جو سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی مجھ کو یقین ہے کہ سچی ہے۔

اب ایڈیٹر الحکم علم انصاف سے فرمائیں پیر صاحب سے پوچھنے کی کوئی ضرورت رہ گئی ہے اور پبلک کے فیصلہ کے لیے مرشد و چیلہ کے یہ حلفی بیان کافی نہیں۔

ہاں اگر ایڈیٹر الحکم بصراحت لکھ دیں کہ فضل دین اور مرزا جی نے مقدمہ کی خاطر حلفی بیان میں یہ جھوٹ لکھایا ہے تو پھر دیکھا جائے گا۔ ہاں یہ بھی واضح ہو کہ اس مقدمہ سے جیسا کہ پیر صاحب کے ذمہ سے الزام سرقہ مرزائیوں نے اپنے بیانات سے خود رفع کر دیا، ویسا ہی مرزا صاحب کو اُلٹا مضمون چور ثابت کر دیا بلکہ خود مرزا صاحب اس کے اقبالی ہو گئے؛

اس کو کہتے ہیں کرامت دیکھیے
پیر چشتی کی یہ عظمت دیکھیے

حاجی جی وہ کیا؟ سنیے: اول مرزا جی نے حلفی بیان میں لکھایا کہ کتاب نزول المسیح کا مصنف میں ہوں اس کی تصنیف میں اپنے طور سے اپنی طرف سے کرتا تھا مگر اگر کوئی امر نیا پیش آوے جو میری کتاب کو زیادہ مفید بنا سکتا ہو تو میں اس کو بھی لیتا ہوں۔

جس کا صاف معنی ہے کہ نئی باتوں (جدید مضامین میں) دوسروں سے مدد لیتا ہوں۔ چنانچہ پھر دوسرے سوال کے جواب سے سکوت کرنے سے آپ بالکل ہی اس کے قائل ہو گئے۔

سوال: آپ نے اس کتاب میں دوسروں سے اس طور سے مدد لی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے، اس کا جواب ندارد۔ خاموشی نیم رضا "السکوت فی

معرض البیان بیان“

یعنی ہاں دوسروں سے اس طور سے مدد لی ہے۔

دوم: فضل دین نے اپنے حلفی بیان میں تسلیم کیا کہ اعجاز المسیح میں مقامات حریری کا سرقہ ہے جیسا لکھایا: ”اعجاز المسیح میں مقامات حریری سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں حوالہ نقل کا نہیں ہے۔“

لیجیے حضرت سرقہ اسے کہتے ہیں۔ فرمایئے اس سے زیادہ شہادت سرقہ کیا چاہیے خود اپنا مخلص حواری اپنے پیر کی الہامی کتاب۔۔ میں مقامات حریری کی عبارتوں کا نقل ہونا اور حوالہ نقل کا نہ لکھنا مانتا ہے؛

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

کہیے مرزا جی اب کیا کہتے ہو۔ کہیں حواری صاحب پر قہر نہ نازل ہو جائے وہی الزام جو دوسرے پر لگاتے تھے اپنے لگانے لگے؛

مردم دوست غیر نالہ کنند
سعدی از دست خویشتن فریاد

بھلا حواری کا کیا قصور! مرشد جی خود اقبالی ہو چکے ہیں۔

اور لیجیے ایک دوسرے مخلص حواری (حکیم نورالدین) مرشد جی کے مضمون چور ہونے کی یوں گواہی دیتے ہیں؛

حال نزول المسیح کے صفحہ ۲۷ کے حاشیہ پر جو نوٹ ہے آٹھ سطروں کا وہ آپ پڑھ کر اور نیز الحکم مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۳۰ پر جو نوٹ قبل از خطوط تیسرے کالم میں درج ہے اس کو پڑھ کر بتایئے کہ دونوں ایک ہیں کہ نہیں۔

جواب دونوں ایک ہیں۔

لو ایڈیٹر صاحب آپ ہی محاکمہ لکھیں کہ مضمون چور آپ ہیں یا مرزا جی۔

نوٹ تو حکیم الامت صاحب نے ملا کر بھانڈا پھوڑ ہی دیا۔

الغرض اس مقدمہ میں مرزائیوں کی کیفیت دونوں پہلوؤں سے شکست ہی ہوئی ادھر مقدمہ خارج ہو گیا۔ مولوی صاحب بری ہو گئے اور ادھر پیر صاحب

الزام سرقہ مضمون سے ان کی اپنی زبانی بری ہو گئے اور مرزا جی ملزم؛

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اب مضمون طویل ہو گیا ہے ہم آیندہ کسی پرچہ میں بشرط فرصت مرزائی جماعت کے ان بیانات کی فہرست ایک دوسرے کے بالمقابل درج کر کے دکھائیں گے جو اس مقدمہ میں ہوئے کہ کس قدر غلط بیانیاں اپنے حلفی بیانات میں انہوں نے کیں۔ مرزا صاحب کچھ فرماتے ہیں حکیم الامت کچھ۔ ادھر عبدالکریم کچھ اور ہی فرماتے ہیں۔ حکیم فضل دین کچھ سناتا ہے۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو روئیداد مقدمہ جو جہلم میں چھپ رہی ہے منگوا کر ملاحظہ کیجیے جو مولوی فقیر محمد صاحب مالک سراج الاخبار جہلم سے ملتی ہے۔ صرف عہ/ بھیج دیجیے۔

راقم

اللہ دتا

از سوہل ضلع گورداس پور



۲۹ فروری ۱۹۰۴ء

مقدمات گورداس پور

مرزائیوں نے جو درخواست چیف کورٹ میں بغرض انتقال مقدمات داخل کی تھی وہ بوجہ بالکل بے بنیاد ہونے کے ۲۲ فروری کو کمرۂ واحد سے ہی خارج ہو گئی۔ افسوس بیچارے مرزائیوں کو یہ تیسری شکست نصیب ہوئی۔

شاید یہ مجموعۂ فتوحات کا کرشمہ ہو گا آخر چار و ناچار چیف کورٹ سے مایوسی حاصل کر کے مرزائی پارٹی تاریخ مقررہ پر عدالت گورداس پور میں حاضر ہو گئی۔ علاوہ پہلے وکلاء کے مسٹر اوکارگن صاحب بیرسٹر ایٹ لاء بھی ہم راہ

تھے۔

مقدمات ۲۳، ۲۴، ۲۵ تک ہوتے رہے۔ یعقوب علی کے مقدمہ لائبل میں فریقین کی بحثیں ختم ہوگئیں۔ مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب میں وکیل ملزمان نے کچھ بحث کی۔ باقی کے واسطے ۸ مارچ تاریخ مقرر ہوئی، کل مقدمات اسی تاریخ کو پھر پیش ہوں گے۔



۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء

مرزا جی پر فرد قرار داد جرم کا لگنا

۸ مارچ ۱۹۰۴ء کو مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وفضل دین پیش ہوا۔ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل ملزمان نے تقریر کی جو ۹ کو ختم ہوئی۔ پھر مولوی صاحب نے خود جواب الجواب میں تقریر شروع کی جو قریباً دو گھنٹہ تک ہوتی رہی۔ بوجہ نہ ختم ہونے کے عدالت نے حسب رضا فریقین یہ حکم دیا کہ جواب الجواب تحریری من جانب استغاثہ داخل کر دیا جائے چنانچہ مولوی صاحب نے اپنا جواب الجواب ۸ ورق کا تحریری ۱۰ مارچ کو داخل عدالت کر دیا۔ عدالت نے بعد غور کے مرزا جی اور ان کے حواری فضل دین پر فرد قرار داد جرم لگا دی۔ مرزا صاحب پر تو تین جرائم یعنی ۵۰۰/۵۰، ۵۰۲ کا الزام قائم کیا اور فضل دین پر دو یعنی ۵۰۲/۵۰۰۔ فضل دین چونکہ حاضر تھا اس کا جواب لے لیا گیا۔ مرزا جی بوجہ ڈاکٹری سرٹیفیکیٹ بیماری کے غیر حاضر تھے، اس لیے ۱۴ مارچ کو جواب دہی کرنے کے لیے طلب کیے گئے۔ ۱۴ مارچ کو خلق خدا کا بے حد ہجوم ہوگیا جو مرزا جی کی زیارت کے مشتاق کھڑے تھے کیونکہ آپ چند ایک پیشیوں پر (بوجہ بیماری) تشریف فرما نہیں ہوئے تھے۔ ہر ایک مشتاق دیدار بے صبری سے اس شعر کا ورد کر رہا تھا؛

وعدۂ وصل بھلا کب تیرا پورا ہو گا
یا کہ امروز بھی کل کی طرح فردا ہو گا

ناگاہ ۱۱ بجے کوار دلی نے بآواز بلند پکارا؛

مولوی کرم الدین اور مرزا غلام احمد حاضر۔

سب کی نگاہیں لگ رہی تھیں کہ وہ آئے یہ آئے۔ لیکن افسوس کہ مرزا صاحب کا وعدۂ وصل پھر بھی پورا نہ ہوا پر نہ ہوا۔

ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش ہوا کہ مرزا جی کو بیماری قلب (سنکاپی) کا عارضہ ہے حاضری سے معذور ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ سول سرجن صاحب بہادر گورداسپور کا تھا جو قادیان میں فیس ادا کر کے بلائے گئے تھے۔ وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ سرٹیفکیٹ کی تصدیق سول سرجن صاحب ـــ۔ شہادت سے ہونی چاہیے چنانچہ سول سرجن صاحب طلب ہوئے انہوں نے ۱۵ مارچ کو حلفی بیان کے ذریعہ ظاہر فرمایا کہ مرزا غلام احمد کی حالت ایسی ہے کہ اگر اس حالت میں آئیں تو بیماری کے بڑھنے کے باعث مر جانے کا امکان ہے جس پر مجبور اً عدالت کو التواء کرنا پڑا۔

۱۰ اپریل تک مہلت ملی، اس تاریخ کو مقدمہ پھر پیش ہوگا۔ یہ امر تذکرہ کے قابل ہے کہ مرزا صاحب پر فرد جرم بھی لگ گئی اور آپ کی حالت ایسے منحوس دن کے آجانے کے باعث اس حد کو پہنچ گئی کہ آپ کے قلب مبارک کو سخت صدمہ پہنچا لیکن الہاموں کی تار ابھی تک ٹوٹنے میں نہیں آتی۔ چنانچہ الحکم ۱۰ مارچ میں ایک تازہ الہام یہ دیکھا گیا کہ ''میدان میں خدا تجھے فتح دے گا'' لیکن جب آپ میدان میں آنے کے قابل بھی نہ رہے تو میدان کی فتح معلوم۔ گھر کی چاردیواری سے تو بیماری نکلنے ہی نہیں دیتی۔ یہ الہام ہیں یا کہ ایک مریض حواس باختہ کے ہذیان دیدہ وباید

ابھی تک تو سارے الہام الٹے پڑتے رہے، مرزا صاحب نے تریاق القلوب میں لکھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی بریت تو وہی ہوتی ہے جو فرد جرم سے اول کی ہو بعد

میں اگر کوئی چھوٹ بھی جائے تو بری نہیں کہلا سکتا بلکہ مبرا۔

بہر حال اب ''اعلیٰ درجہ کی بریت'' کی حد تو گزر گئی ناقص بریت (مبرا) کا ہو جانا ممکن۔ خدا رحم کرے۔

آپ کی بیماری نے تو لوگوں کو خطرہ میں ڈال دیا ہے حالات موجودہ کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ؛

مریض خوف کو صحت سے اب تو کام نہیں

کہہ رہی ہے کہ؛

رکھو یا نہ رکھو مرہم اس پہ ہم سمجھے
ہماری درد مصیبت کا التیام نہیں

ایڈیٹر الحکم والے مقدمہ کی تاریخ ۱۱ اپریل ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی ہے۔

راقم

نامہ نگار گورداس پور



اسی شمارہ پر ایڈیٹر سراج الاخبار کی طرف سے معذرت شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں:

معذرت

گورداس پور میں پیشی کی وجہ سے اس ہفتہ کے اخبار کی اشاعت میں دو روز کا وقفہ ہو گیا، ناظرین معاف رکھیں۔ ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم



۲۱ مارچ ۱۹۰۴ء

مرزائیوں کو ایک اور شکست

۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء کو فضل دین مرزائی کا مقدمہ ۴۱۱ (سرقہ کتاب) عدالت گورداسپور سے خارج ہو گیا۔ یہ وہ مقدمہ ہے جس کی تائید میں مرزائی پارٹی کے بڑے بڑے مقتدر اشخاص (مثل شیخ رحمت اللہ صاحب، مالک بمبئی ہاؤس وغیرہ) نے شہادتیں دی تھیں۔ آخر منصف مزاج مجسٹریٹ لالہ چندو لال صاحب بہادر نے بعد پوری چھان بین کے اس بے بنیاد مقدمہ سے مولوی محمد کرم الدین صاحب کو ڈسچارج کر دیا۔ اب فضل دین کے استغاثہ کا حشر ہو چکا۔ مولوی صاحب کے استغاثہ کی باری ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی صاحب کی طرف سے اب یہ شعر مرزائیوں کو سنا دینا چاہیے؛

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

نامہ نگار۔ گورداسپور



۴ اپریل ۱۹۰۴ء

[طاعون سے مرزائی کنبہ کی ہلاکت]

روزانہ پیسہ اخبار میں لکھا ہے کہ مولوی بدرالدین صاحب سکنہ موضع قادر آباد جو مریدان خاص مرزا صاحب قادیانی سے تھے اور ان کا یہ دعویٰ تھا کہ مریدان مرزا صاحب کبھی طاعون سے ضائع نہ ہوں گے۔ عرصہ ۱۸ یوم کا گزرا ہوا کہ مولوی صاحب موصوف کو بیماری طاعون ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اپنا آدمی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیج کر التجا کی کہ مرزا صاحب میرے حق میں خدا کی

جناب میں دعا کریں۔ مرزا صاحب نے آدمی سے خط لے کر مولوی نورالدین کو دیا کہ اس کو سات پڑیاں دوا کی دو اور میں مولوی بدرالدین کے واسطے صحت کی دعا خدا کی جناب میں کروں گا اور پشت خط پر تحریر کر دیا کہ ان شاء اللہ تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ ابھی وہ پڑیاں لے کر آدمی گاؤں پہنچا بھی نہ تھا کہ مولوی صاحب فوت ہو گئے، دوسرے روز مولوی صاحب کے والد بھی جو مرزائی تھے وہ بھی فوت ہوئے اور مولوی صاحب کی ہمشیرہ اور زوجہ بھی اسی روز بیماری طاعون سے فوت ہوئیں اور مولوی صاحب کی والدہ بھی طاعون سے فوت ہوئیں۔ الغرض اسی طرح سے بارہ (۱۲) آدمی آٹھ (۸) یوم کے اندر مولوی صاحب کے کنبہ کے فوت ہوئے۔ افسوس کہ تین (۳) خورد سالہ لڑکے اور ایک لڑکی یتیم کنبہ سے باقی ہیں۔ (صفحہ:۲)

مزید اسی صفحہ پر ہے:

مولوی شیر محمد ساکن ہنجر اتحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور جو مرزا قادیانی کے بڑے راسخ الاعتقاد مرید اور مرزائی نبوت کے پھیلانے والے تھے۔ بقول نامہ نگار اخبار اہل حدیث[۵۵] طاعون سے معہ اہل وعیال کے چل بسے۔ کیا عجب دل سے مرزا جی پر ایمان نہ ہوگا۔



اسی شمارہ کے صفحہ ۸ پر مالک اخبار مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب لکھتے ہیں:

مرزائیوں کے مقدمات کی کیفیت

اگر آپ مرزائیوں کے عجیب وغریب الہامی مقدمات کی مفصل کیفیت معلوم کرنا چاہتے ہیں جو گورداسپور میں زور شور سے ہو رہے ہیں اور جن میں سے بہ فضل خدا دو (۲) تو خارج ہو چکے ہیں تو صرف ایک روپیہ پیشگی ہمارے پاس بھیج دیں جس قدر روئیداد مقدمات اس وقت تک چھپ چکی ہے وہ سب بھیج

دی جائے گی اور آئندہ جوں جوں چھپتی رہے گی بھیجی جاتی رہے گی۔ پہلا مقدمہ جو خارج ہو چکا ہے اس میں مرزا صاحب اور حکیم الامت نور الدین و عبدالکریم کے بیانات قابل دید ہیں اور ان کے پڑھنے سے مرزا جی کے الہامات کی قلعی ساری کھل جاتی ہے۔

راقم

فقیر محمد مالک سراج الاخبار



۱۱۸پریل ۱۹۰۴ء

مقدمات گورداسپور

۱۱اپریل کو تاریخ پیشی مقدمات تھی۔ پہلے مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا غلام احمد و فضل دین بلایا گیا۔ فضل دین تو حاضر تھا لیکن افسوس مرزا جی کی طرف سے پھر بدستور سابق سرٹیفکیٹ بیماری پہنچا، جو آپ کے حواری ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے تصدیق بیماری میں دیا۔

ہائے بیماری تیرا ستیاناس!!!

تُو نے مسیح کا دامن نہ چھوڑا پر نہ چھوڑا

اب تو پرچہ الحکم بھی مرزا جی کی خبر خیریت سنانے سے رہا۔ اکثر یہی دیکھا کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کی طبیعت ناساز ہے اور بزرگان ملت خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہیں۔

خدا کرے کہ وہ فضل و کرم جو بزرگان ملت کے شامل حال ان کی تندرستی کا موجب ہے، افسر ملت (مرزا جی) کو بھی نصیب ہو اور جلد نصیب ہو۔ آمین

نبض میری دیکھ کے کہنے لگا طبیب
اس درد کے مریض کو اللہ شفا کرے

سرٹیفکیٹ کی نسبت وکیل استغاثہ نے اعتراض کیا کہ اس سے غرض ٹال مٹول

اور مستغیث کو۔۔۔ کرنے کی ہے اور ایک عرصہ سے یہی حیلہ جاری ہے۔
وکیل ملزمان نے جواب میں کہا کہ آج تو صرف تاریخ ہی بدلنی ہے دوسری پیشی پر مرزا جی حاضر ہوں گے عدالت نے تاکید فرمائی کہ آئندہ پیشی پر ضرور ملزم اصالتاً حاضر آوے۔
وکیل صاحب نے فرمایا کہ ضرور حاضر ہوں گے چند گواہان استغاثہ وکیل ملزمان کی درخواست پر مکرر ادائے شہادت کے لیے زیر دفعہ ۳۵۰ ضابطہ فوجداری طلب ہوئے، باقی شہادت بدستور رہی۔ تاریخ پیشی ۹ مئی ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی۔ یعقوب علی کے مقدمہ میں ۶ مئی تاریخ مقرر ہوئی اور اکثر حصہ شہادت کا دوبارہ طلب ہوا۔ یہ پیشی جناب مہتہ آتما رام صاحب بی اے مجسٹریٹ درجہ اول کے اجلاس میں تھی جو رائے چندو لال صاحب بہادر کے جانشین ہو کر ہوشیار پور سے تشریف لائے ہیں اور رائے صاحب بموجب اپنی درخواست کے ملتان تبدیل ہو گئے ہیں۔ (صفحہ ۵)



۱۸ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۶

قادیاں میں طاعون جارف

افسوس کہ طاعون نابکار نے مرزا صاحب کے دارالامان قادیان کو بھی نہ چھوڑا۔ قادیان میں اب اس کا زور و شور ہے اور بہت کچھ افراتفری ہو رہی ہے۔ اس چھوٹے سے قصبہ میں جہاں تک معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا، سات آٹھ اموات کی روزانہ اوسط ہے، تھوڑے دنوں میں قریب اسی (۸۰) اشخاص اس کا شکار ہو چکے ہیں اور ایک سینکڑہ کے قریب اس کے پنجہ میں پھنسا ہوا جاں بلب ہوئے ہیں۔ الامان الامان
مرزائی جماعت نے پلیگ افسر کو گورداس پور سے کسی ہاسپٹل اسسٹنٹ کو

قادیان میں بھیجنے کی درخواست کی لیکن ابھی تک شاید درخواست منظور نہیں ہوئی۔ ایک ہندو ساہوکار نے بھی درخواست کی ہے کہ قادیان میں مکانات ڈس انفیکشن (Disinfection) کرنے کے لیے محکمہ طبی انتظام کرے۔

اب تو قادیان کا طاعون 'طاعون جارف' کا مصداق بن گیا ہے لیکن مرزا صاحب کے پاس تاویلات کا باب وسیع ہے کوئی اور قید لگادی جائے گی اور یہ تو الحکم میں پڑھا جاچکا ہے کہ طاعون سے اکثر ''صحابہ'' بھی تو فوت ہوتے رہے ہیں اس لیے اس جماعت کا کوئی مرگیا تو اس کے لیے شہادت ہوگی۔

اللہ رے دلیری!!! کبھی تو طاعون کو کتے کی موت سے تعبیر کیا جاتا تھا جب اپنی جماعت بھی اس کی زد میں آگئی تو شہادت ہوگئی؛ و ان لشئی عجیب

طاعون کے الہام نے بھی عجیب عجیب رنگ بدلے ہیں پہلے تو انــــــہ اوی القــریۃ کا الہام سارے قصبہ کو تسلی بخشتا تھا لیکن جب قادیان میں پچھلی دفعہ اس الہام کی تصدیق کے لیے ''مسٹر پلیگ'' [Plague یعنی طاعون] آ بھٹکے تو ملہم نے اس وسیع الہام کو ''انــی احــافظ من فی الدار'' چار دیواری کے اندر رہنے والوں سے محدود کر دیا لیکن یہ بھی ڈر تھا کہ شاید چار دیواری والوں پر بھی مسٹر پلیگ وار کرنے سے نہ رہیں (چنانچہ ایسا ہوا بھی) تو ساتھ ہی ''الامــن علا باستکبار'' کی قید لگ گئی۔ اب دل کی تو خدا ہی کو خبر ہے جو مر گیا اس نے کب بتانا ہے کہ وہ بے چارہ عــلا بــاستکبار کا مصداق نہ تھا، سمجھ نہیں آتی کہ خوش اعتقاد مرید ایسے ایرپھیر ہوتے رہنے پر بھی پھر الہام کو کیوں مانے جاتے ہیں۔

راقم

ع۔ن از گورداسپور



۲۵اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ۲

[دارالامان قادیان سے مرزا کا فرار]

دارالامان قادیان میں بقول نامہ نگار اخبار اہل حدیث آج کل سخت طاعون پھیلا ہوا ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی نورالدین کے سوا تمام مرید قادیان سے بھاگ گئے ہیں۔ مولوی نورالدین کا خیمہ قادیان سے باہر ہے، اوسط اموات ۲۰/ ۲۵ یومیہ ہے۔ مولوی نورالدین کے سالے کا لڑکا منظور الحق بھی چل بسا۔ مرزا جی نے اپنے گھر میں بالکل بندش کر دی ہے کہ کوئی آدمی نہ آنے پائے۔ حکیم نورالدین اور قطب الدین کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی مریض کے مکان پر نہ جائیں، مرزا جی کا اسکول بھی بیماری کی وجہ سے بند ہے۔ قصبہ میں تین ہزار کی آبادی سے بمشکل تین سو (۳۰۰) آدمی نظر آتے ہیں دو کانیں بند ہیں، بازار سنسان ہیں۔



۹/۱۶ مئی ۱۹۰۴ء سرورق

معذرت

گورداسپور کے مقدمات میں چونکہ ۶ سے ۹ مئی تک حاضر رہنا پڑا ہے اور ۱۴ مئی کو پھر وہاں حاضر ہونا ہے اس لیے ۹، ۱۶ مئی کا پرچہ اکٹھا کر کے ۱۶ سے دو روز پہلے نکال دیا گیا ہے۔

ناظرین سے امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایڈیٹر



۱۶/۹ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

گورداسپور والے مقدمات

۶ مئی کو سوا گیارہ بجے مقدمہ یعقوب علی اڈیٹر الحکم عدالت جناب رائے آتما رام صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول میں پیش ہوا۔ مستغیث کی طرف سے بدستور خواجہ کمال الدین و مولوی محمد علی صاحب اور ملزمان کی طرف سے بابو مولا ل صاحب و شیخ نبی بخش صاحب وکلاء حاضر تھے۔ سوا دو بجے تک مستغیث کا بیان ہوتا رہا پھر اس کے بیان پر مولوی کرم الدین صاحب نے خود جرح شروع کی جو ۷ مئی تک بھی ختم نہ ہوئی، اس لیے ۹ کو بھی یہ مقدمہ پیش ہوا اور جرح کے ختم ہونے پر من جانب مستغیث مولوی عبدالکریم صاحب کی شہادت ہوئی اور اس پر جرح ہونے کے بعد آئندہ پیشی اس مقدمہ کی ۱۴ مئی کو مقرر ہوئی۔

۱۰ مئی کو ۱۱ بجے کے بعد مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ پیش ہوا اور مرزا صاحب دستور عدالت کے سامنے ۴ بجے تک کھڑے رہے [یعنی تقریباً پانچ گھنٹے] چونکہ خواجہ کمال الدین نے کہا کہ ہم مستغیث کا بیان از سر نو کرانا نہیں چاہتے، اس لیے مولوی صاحب کا پہلا بیان جو عدالت رائے چندولال صاحب کے وقت ہوا تھا، پڑھ کر سنا دیا گیا پھر مولوی محمد علی صاحب کی گواہی لی گئی اور اس پر مولوی صاحب مستغیث کو سوالات مشکل جرح کرنے کی اجازت دے گئی اور یہ سب کارروائی سوا دو بجے تک ختم ہوئی اس کے بعد من جانب ملنسان شروع ہوئی اور آئندہ پیشی ۱۳ کو قرار پائی۔



۲۳مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶

مقدمات گورداسپور

۱۴مئی کوساڑھے ۱۱بجے سے بعدالت رائے آتمارام صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول پہلے مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ پیش ہوکرمن جانب ملزمان مولوی محمد علی مرزائی گواہ مولوی صاحب پر جرح ہوتی رہی اور پھر ۴ بجے مقدمہ یعقوب علی ایڈیٹر الحکم پکارا گیا اور حافظ عبدالقدوس صاحب گواہ مستغیث کی شہادت کے لیے ۲۳مئی مقرر ہوئی اور ۱۶ کواسی مقدمہ میں بابوغلام حیدرخاں صاحب تحصیل دار پنڈ دادنخان کی اصالتاً ادائے شہادت کے لیے ۳۱مئی مقرر ہوکران کے نام سمن (Summon) جاری کیا گیا اور ۱۷ مارچ کو پھر مقدمہ مولوی صاحب بنام مرزا صاحب پیش ہوکرحکم ہوا کہ کل ۱۸مئی کومولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرت سری کی شہادت لی جائے گی۔



۳۰مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

[مولابخش مرزائی کا طاعون سے انتقال]

مولابخش پکا احمدی ولد حافظ غلام رسول مشہور احمدی سوداگر وزیرآباد نے عین عالم جوانی میں بعارضۂ طاعون انتقال کیا۔حافظ غلام رسول کا یہ دوسرا نوجوان فرزند تھا جوطاعون سے مرا۔



۳۰مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

مقدمات گورداسپور

۲۳مئی کو۲ بجے دوپہر کے بعدالت رائے آتمارام صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول مقدمہ ایڈیٹراخبارالحکم قادیان پیش ہوامگر چونکہ مستغیث کا گواہ حافظ عبدالقدوس حاضر نہیں ہوا تھا اس لیے اس کی حاضری کے لیے پانچ سو (۵۰۰) روپیہ کی ضمانت کا وارنٹ جاری ہوا کہ ۷جون کو حاضر عدالت آئے یہی تاریخ بابو غلام حیدر صاحب تحصیل دار کی ادائے شہادت کے لیے مقرر ہوئی اور مکرر سمن ان کے نام جاری ہوا کہ بجائے ۳۱مئی کے ۷جون کو آکر شہادت دیں۔

مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ تو تقریباً ہرروز ہی پیش ہوتا ہے اور مرزا صاحب کو ملزموں کے جنگلہ میں برابر کھڑا رہنا پڑتا ہے چنانچہ اس مقدمہ میں مولوی صاحب کی طرف سے ۱۸، ۱۹، ۲۱و۲۴ مئی کومولوی ثناءاللہ صاحب فاضل امرتسری کی شہادت ہوتی رہی اب ۲۵، ۲۷ مئی سے منجانب ملزمان فاضل ممدوح پر جرح شروع ہے جو شاید ۳۰، ۳۱مئی کو ختم ہو۔



۳۰مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

طاعون کسی کو نہیں چھوڑتی

سدا ہے بادشاہی کبریا کی	بنا اک کُن سے کی ارض و سما کی
ہر اک ہے تابع حکم الٰہی	وہاں کس کو ہے طاقت چوں چرا کی
مہ و خورشید و بحر و بر و افلاک	بنے خاطر سے ختم انبیاء کی

صحابہ اور ان کی آل اطہار	خدا نے جن کی ہے صفت وثنا کی
قرآں میں آیۂ تطہیر دیکھو	کہ کیا تعریف ہے آل عبا کی
نگہباں کبریا ہے اس بشر کا	محبت ہے جسے مشکل کشا کی
سنا تھا قادیاں ''دارالاماں'' ہے	رسائی غیر ممکن ہے وبا کی
خصوصاً یہ ہمارے چیلیوں کو	نہ ہو گی موت طاعونی بلا کی
مچا کُہرام ہے اب قادیاں میں	ہے کیا طاعون نے کشتی تباہ کی
وہاں سے ہو گئے حکما بھی کافور	نہ جاں بر ہو سکا جس کی دوا کی
غرض سہمے ہوئے پھرتے ہیں چیلے	جو پوچھو تو کہیں مرضی خدا کی
منادی ہو گئی ہے قادیاں میں	کہ کھڑکی بند ہے دارالشفاء کی
بنا دارالاماں دارالزیاں ہے	غرض الہام نے بھی اب قضا کی
بجز چندہ کے آمد رفت ہے بند	بُری دہشت ہے مرض لا دوا کی
گئے کس طرف وہ الہام خود کام	کہ شاید ڈاک بھی بند ہے سما کی
چراغ مدرسہ بھی ہو گیا گل	یہ ہے تحریک طاعونی ہوا کی
چلے اب اور پیرایہ پہ ہیں آپ	نہیں الہام نے میرے خطا کی
اب ہے انکار کب ہم نے کہا تھا	نہ ہو گی موت طاعونی وبا کی
نہ ہووے گا مگر طاعون جارف	یہ تھی تقریر ہم نے برملا کی
ذرا انصاف پرور یہ کریں غور	جو پیشین گوئی اس نے کی تو کیا کی
کیا ہے کون سے مرسل نے چندہ	قرآں میں منع ہے اُجرت(۱) پُدا کی
ہمارے ایسے اعمالوں کے باعث	خدا نے دیکھیے نازل بلا کی
ہو کمتر ذرّہ سے اور دعویٰ خورشید	ہے تاریکی کو کیا نسبت ضیا کی
بنے یہ پانچویں اسوار دہلی	کرے ہے ریس لولاک لما کی
کہاں شان ہما اور مگس طامع	تفاوت دیکھیے ارض و سما کی

سراسر مسخ ہو جاتے یہ گم راہ	مگر ہے سلطنت خیرالورا کی
نہ آیا ناتوانی سے نظر میں	قضا چاروں طرف میرے پھرا کی
سلام ایسے کرو اسلام کو میر	یہ ہے حیلہ گری سیم و طلا کی

(۱) قل لااسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی. سیپارہ ۲۵ سورۃ الشوریٰ

راقم میر محمد شاہ۔ مدرس جہلم



۶ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۳

قادیاں میں اخیر ماہ مئی میں ۶ آدمی طاعون سے بیمار ہوئے اور ۶ ہی مر گئے۔



صفحہ ۵

مقدمات گورداس پور

مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ اس ہفتہ بھی ہر روز پیش عدالت رہا چنانچہ ۳۱ مئی سے مولوی صاحب کے گواہ مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرت سری پر ملزمان کی جرح شروع ہو کر یکم جون کو ساڑھے پانچ بجے شام کے ختم ہوئی صرف چند کاغذات فہرستوں کی تصدیق کرانی باقی رہ گئی۔ ۲ (جون) کو ۴ بجے پھر یہ مقدمہ پکارا گیا اور حکم ہوا کہ کل پھر پیش ہو۔

ایڈیٹر اخبار الحکم والا مقدمہ ۷ جون کو پیش ہو گا اور اس روز منشی غلام حیدر صاحب تحصیل دار اور حافظ عبدالقدوس کی شہادت من جانب استغاثہ گزرے گی۔



۶جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

طاعون

طاعون قہر خدا ہے
یہ آسمانی بلا ہے
اس کی نہ کوئی دوا ہے
طاعون قہر خدا ہے

یہ مرض لا دوا ہے
اب آتی برملا ہے
اللہ ہی دافع بلا ہے
طاعون قہر خدا ہے

ہوئی جب سے خلق خدا
تھا ہند کو نہ اس کا پتہ
سب ملک ہند محفوظ تھا
طاعون قہر خدا ہے

سب لوگ اس کے نام سے
بے خبر باآرام تھے
پیتے خوشی کے جام تھے
طاعون قہر خدا ہے

تم جانتے ہو یہ سبب؟
کیوں ہوا قہار رب
میں ہی بتا دیتا ہوں اب
طاعون قہر خدا ہے

آدم سے تا مرزا زماں
پیدا ہوا جو قادیاں
جس کو کہے دارالاماں
طاعون قہر خدا ہے

پیدا ہوا مرسل نہیں
اس ہند میں ہرگز کہیں
عیسیٰ بنا یہ ہی یہیں
طاعون قہر خدا ہے

اس واسطے وہ کبریا
اب غضب میں ہی آگیا
جھوٹا کیوں دعوی کیا
طاعون قہر خدا ہے

مرزا کی ہے شامت تمام
اس میں نہیں کچھ بھی کلام
یہ سمجھ لو سب خاص و عام
طاعون قہر خدا ہے

کدھر ہے الہام وہ
مانے گا ہم کو شخص جو
اس کو نہ یہ طاعون ہو
طاعون قہر خدا ہے

وہ قادیاں دارالاماں
اب بن گیا دارالزیاں
غضب خدا اس پر رواں
طاعون قہر خدا ہے

سب سے پہلے وہ مرے
پکے عقیدے جن کے تھے
مرزا بھی اب بھاگا پھرے
طاعون قہر خدا ہے

جو نہیں مرزائی تھا
طاعون سے گر مر گیا
جانو کہ دل میں تھا پھرا
طاعون قہر خدا ہے

مت جانو اس کو شہادت
مرزا کی ہے یہ شامت
اب آ گئی قیامت
طاعون قہر خدا ہے

طاعون جب سے آئی
مرتے ہیں میرزائی
سمجھو پیارے بھائی
طاعون قہر خدا ہے

شامت ہے بد افعال کی
بدکار کے اعمال کی
اعمال اور اقوال کی
طاعون قہر خدا ہے

لازم ہے سب توبہ کرو
ہر وقت اللہ سے ڈرو
لاحول کو ہر دم پڑھو
طاعون قہر خدا ہے

صلوٰۃ جو امر خدا
کرتے رہو بروقت ادا
مولا رکھے گا خوش سدا
طاعون قہر خدا ہے

قائم کرو دین نبی
مت پھرو اس سے کبھی
ہے یہی جادہ قوی
طاعون قہر خدا ہے

سلیمان کی ہے یہ دعا
کر دُور مولا یہ بلا
اس رنج سے ہم کو بچا
طاعون قہر خدا ہے

راقم
عزیز محمد سلیمان چشتی، چکوال



۱۳جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

مقدمات گورداسپور

۷ جون کو ایڈیٹر الحکم کا مقدمہ پیش ہوا اور اس میں من جانب استغاثہ منشی غلام حیدر صاحب کی شہادت ہوئی، پھر مولوی محمد کرم الدین صاحب نے ان پر جرح کی جو ۹ (جون) کو ختم ہوئی۔ ۱۰ (جون) کو حافظ عبدالقدوس صاحب کی شہادت کے بعد ان پر کچھ جرح بھی ہوئی اور باقی جرح کے لیے پہلے ۱۳ پھر ۱۸ جون مقرر ہوئے۔

۱۱ جون کو بمقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ مولوی صاحب نے مولوی محمد علی صاحب مرزائی گواہ استغاثہ پر چند مکرر سوالات جرح کیے اور باقی سوالات کے لیے ۱۶ جون تاریخ قرار پائی۔



۲۰ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

گورداسپور

۱۶، ۱۷ جون کو مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ پیش رہا اور مولوی صاحب کی طرف سے مولوی محمد علی اور مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری پر مکرر سوالات ہو کر دونوں صاحبوں کی شہادت من جانب استغاثہ ختم ہوئی۔

۱۸ کو بمقدمہ ایڈیٹر الحکم قادیانی حافظ عبدالقدوس اور مولوی عبدالکریم پر مکرر جرح ہونی تھی مگر اتفاقاً آتمارام صاحب بی اے مجسٹریٹ جن کی عدالت میں یہ مقدمات دائر ہیں چار روز کی رخصت پر گھر کو تشریف لے گئے اس لیے آیندہ پیشی اس مقدمہ کی ۲۴ جون کو قرار پائی۔ اسی تاریخ کو مولوی صاحب والے مقدمہ میں بھی ان کے دو باقی ماندہ گواہان مولوی غلام محمد صاحب اور مولوی محمد جی کی بھی شہادت ہوگی۔



۲۰ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۶

قادیانی مرزا جی کے انوکھے الہام

متنبی قادیانی کے الہاموں کی کیفیت ناظرین جانتے ہی ہیں۔ ان کی طرز ہی نرالی ہوتی ہے گو ان دنوں بوجہ کشاکش مقدمہ فوجداری کے کسی قدر الہامی مشین کے پرزے ڈھیلے پڑ گئے ہیں لیکن تاہم کبھی نہ کبھی قادیاں کا اخبار کوئی نہ کوئی الہام چھاپ ہی دیتا ہے چنانچہ ان دنوں ایک الہام یہ بھی چھپا ہے کہ ”شوخ و شنگ لڑکا پیدا ہوگا“ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ لڑکا کب ہوگا اور کس کا ہوگا۔ کافی گنجائش ہے!!!

اگر کوئی اُمید حضور اقدس کے ہاں لگ رہی ہے اور اتفاق سے لڑکا ہو گیا تو بس

صداقت الہام کا نقارہ قادیان کے فرضی مینار مسیحی کی بلند چوٹی پر کہنا شروع ہو گیا اور اگر معاملہ برعکس ہو گیا تو کہا جائے گا کہ کب کہا گیا ہے کہ اب ہی ہو گا۔ خیر خدا کرے کوئی تو بات پوری بھی ہو جائے اور مرزا جی اپنی آخری عمر میں شوخ وشنگ لڑکا بھی دیکھ لیں۔ معلوم نہیں یہ شوخ لڑکا اپنی شوخی سے دنیا میں کیا قیامت برپا کرے گا جس کے تولد سے پیش تر ہی ''شوخی'' کا آسمانی لقب پہنچ گیا ہے۔

دوسرا الہام ''انا فتحناک'' کا ہے معلوم نہیں کون سی فتح اب باقی ہے۔ فتح والے الہاموں کا تو جو حشر ہونا تھا پہلے مقدمات کی ناکامیابی سے مرزا جی دیکھ چکے لیکن واہ رے استقلال ابھی تک فتح کا گیت گائے جاتے ہیں۔ ایسی گپوں پر مریدوں کو تو کچھ سہارا مل جائے لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ مجموعہ فتوحات والا الہام جب غلط ہو چکا اور ''جاء ک الفتح ثم جاء ک الفتح'' کی مٹی خراب ہو چکی تو اب اگر کسی مقدمہ میں مرزا جی کو کامیابی بھی ہو تو اتفاقات سے سمجھا جائے گا۔ الہامی ڈھکوسلا تو اب کوئی نہ مانے گا۔

خیر دیدہ باید ہنوز دہلی دُور ست

ان شاء اللہ تعالیٰ ان الہاموں کا بھی وہی حشر ہو گا جو پہلے ظہور میں آچکا۔ مرزا جی کو اب تو دارالامان میں بہت تھوڑی اقامت نصیب ہوتی ہے۔ زیادہ عمر شاید گورداسپور میں گزارنی ہے۔ ہاں ایک اور الہام تازہ ہوا ہے۔

عفت الدیار محلھا و مقامھا

واہ جی اب تو ملہم کو اپنے الہام تراشنے کے لیے شعراء جاہلیت (کفار) سے مدد لینی پڑی ہے۔ یہ الہامی مصرع لبید (شاعر جاہلیت) کا ہے۔ جو سبعہ معلقہ میں موجود ہے۔

راقم

ایک ناظر اخبار الحکم



۲۷جون و۴جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۸

گورداسپور

(یکم جولائی) ۲۴ جون کو یعقوب علی والا مقدمہ پیش ہوا۔ حافظ عبدالقدوس گواہ استغاثہ پر مولوی کرم الدین صاحب نے جرح کی، عبدالکریم گواہ اور مستغیث پر یکم جولائی کو جرح ہو کر شہادت استغاثہ ختم ہوگئی۔ شہادت صفائی کے لیے ۶ جولائی واسطے شہادت مرزا غلام احمد قادیانی گواہ صفائی کے مقرر ہوئے۔ اور باقی گواہان صفائی کے واسطے ۱۳ جولائی مقرر ہوئی بمقدمہ مولوی کرم الدین صاحب بنام مرزا قادیانی وغیرہ ۲۸ جون کو مولوی محمد جی صاحب قاضی تحصیل جہلم گواہ استغاثہ کی شہادت ہو کر جرح ملزمان شروع ہوئی اور بقیہ جرح کے لیے ۲ جولائی تاریخ مقرر ہوئی اور مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال کی شہادت کے لیے ۹ جولائی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ عملہ گورداسپور سے اصحاب ذیل ۳۰ جون کو پنشن یاب ہوئے:

شیخ غلام رسول صاحب مسل خوان، سید امام شاہ صاحب (محرر)

رائے بانکی رام صاحب

دیگر اہلکاروں نے ۴ بجے کے بعد باغ میں جلسہ کیا اور ٹی پارٹی (Tea Party) دی، تقریریں ہوئیں اور پنشنرز (Pensioner) صاحبان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور عزت سے رخصت کیا گیا چند اہلکار صاحبان کی ترقیاں ہوئیں۔ آج کل یہاں مرزا صاحب قادیانی کے شوخ و شنگ لڑکے والے الہام کا جابجا چرچا ہو رہا ہے ہر ایک شخص کی زبان پر اسی الہام کا تذکرہ ہے، مرزائی صاحبان۔۔۔ کسی تاویل کا نام نہیں لیتے۔



صفحہ ۱۰

الہامی شگوفہ

آج کل قادیانی ملہم کے فیضان صحبت کے باعث کئی لوگ ملہمیت کا دم بھرنے لگے ہیں۔ ۲۴ جون کو حافظ عبدالقدوس صاحب قدسی (جو کسی زمانہ میں صادق الاخبار بہاولپور کے ایڈیٹر تھے) بمقدمہ یعقوب علی مرزائی بنام مولوی محمد کرم الدین صاحب وغیرہ مرزائیوں کی طرف سے شہادت دے رہے تھے اور مولوی صاحب کی جرح شروع تھی تو مولوی صاحب کے ایک سوال پر قدسی صاحب نے اپنا الہامی شگوفہ یہ بیان کیا کہ میں نے ایک روز حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ الٰہی مجھے مرزا صاحب قادیانی کے دعوی نبوت کے متعلق اطلاع بخشی جائے کہ وہ اس دعوی میں سچے ہیں یا نہیں۔

تو یوں الہام ہوا کہ 'لست مرسلا' (تو رسول نہیں ہے) حاکم نے سوال کیا کہ کیا یہ خطاب آپ سے تھا۔

قدسی صاحب نے کہا نہ حضور میں نے تو دعوی رسالت کیا ہی نہیں تھا اور دعا بھی مرزا جی کی رسالت کے متعلق تھی۔ اس لیے میری سمجھ میں نفی رسالت مرزا جی کے الہام سے معلوم ہوئے۔ واہ جی۔ خوب کہی۔

ولی را ولی می شناسد

آج کل مرزا جی کے الہاموں کے مقابلہ میں ایسے ہی ملہموں کی ضرورت ہے۔ مرزائی صاحبان قدسی صاحب کا یہ الہام سن کر کچھ حیران سے ہو گئے۔ دل میں تو کہتے ہوں گے کہ اچھا گواہ آیا ہے ہمارے مرشد جی کی رسالت کو ہی اڑانے لگا۔ واہ رے دلیری

ایک زمانہ وہ تھا کہ مرزا جی نبوت کے متعلق کھلا اعلان کرنے سے دب کر 'محدثیت'، 'ملہمیت' وغیرہ کی آڑ لیتے تھے۔

اب کھلے طور پر دعوی نبوت کر دیا گیا ہے اور ان کے مرید تو سارے لوازمات نبوت ان کی نسبت بڑی دلیری سے ثابت کرنے لگ گئے ہیں۔ مرزا جی کے گھر والے ''خاندان رسالت''۔

آپ کی بیوی ''ام المومنین علیہا الصلوٰۃ والسلام'' کے القاب سے ملقب ہو گئی۔ قادیان ''دارالامان'' اور مغلئی مسجد ''مسجد اقصیٰ'' کہلاتی ہے۔ الٰہی توبہ، خدایا تیری پناہ!!!

یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا کہ قادیاں ''دارالامان'' بھی ہے اور ''دمشق'' (مسکن یزیدیاں) بھی، مقدمات کا سلسلہ چھیڑ کر لازمہ جہاد بھی پورا کر دیا گیا ہے۔ سابقہ مقدمات کا نام ''جنگ احزاب''۔ ''جنگ حنین'' تھا (جیسا کہ الحکم کے مختلف پرچوں میں شائع ہو چکا ہے) اب مقدمہ حال کا نام ''جنگ بدر'' رکھا گیا ہے اور اس کے متعلق مرزا جی کو گورداسپور میں یہ الہام ہوا ہے: و لقد نصر کم اللّٰہ ببدر و انتم اذلۃ. (دیکھو الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء)

اس الہام میں ذلت کا تو اقبال ہے۔ آئندہ نصرت دیدہ باید

راقم

ایک گورداسپوری



صفحہ ۱۰

لڑکے سے لڑکی ہو گئی

ناظرین سراج الاخبار! ۲۰ جون کے پرچہ میں پڑھ چکے ہیں کہ مرزا جی نے شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہونے کا الہام کیا تھا اور یہ الہام الحکم ۷ مئی ۱۹۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اب یہ خبر ناظرین کی بے حد دلچسپی کا باعث ہو گی کہ مرزا جی کے حرم سرائے میں ۲۴ جون ۱۹۰۴ء یوم جمعہ کو بجائے لڑکا کے لڑکی پیدا

ہوئی۔ آج ساکنان دارالامان میں سخت اداسی کا عالم برپا ہے۔ اب قادیانی کے اس الہام کی قلعی کھلنے پر گورداسپور میں خوب تمسخر ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ!!! قیافہ دانوں، منجموں، طبیبوں کی بھی فیصدی دس باتیں پوری ہو جاتی ہیں لیکن قادیانی ملہم کی فیصدی ایک گپ بھی پوری نہیں ہوتی۔ ہائے غضب پھر بھی مرزائی صاحبان نہیں سوچتے۔ کیوں جی بتایئے اب کیا تاویل ہوگی۔ بس یہی کہ ''لڑکا پیدا ہوگا'' استقبال کا صیغہ ہے آخر کبھی نہ کبھی پیدا ہو ہی جائے گا لیکن بھائیو یہ تب سنا جاتا کہ خاص ایام وضع حمل کے دنوں میں یہ الہام شائع نہ کیا جاتا۔ ادھر ایام معدودہ سے چند دن باقی ہیں اور ادھر دنیا میں ڈنکے کی چوٹ کہا جاتا ہے کہ شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہوگا۔ بجز اس کے اور کیا مراد ہوسکتا ہے کہ اسی حمل میں ہوگا۔ ہاں اب تو کہہ دیجیے کہ الہام غلط ہو گیا اور بڑی صفائی سے غلط ہو گیا۔

اب مرزا جی کو اندیشہ کرنا چاہیے کہ جب ایک الہام کا یہ حشر ہوا تو بقیہ اس کے ساتھ کے الہاموں کا بھی یہی انجام ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بقیہ الہامات جو فتح ونصرت کے متعلق شائع کیے گئے ہیں وہ بھی اس لڑکے والے الہام کی بدشگونی سے برعکس ہوتے نظر آتے ہیں۔ جب ستون گر گیا تو پھر کوٹھے کا خدا حافظ۔

لو مرزا جی خدا کے لیے آیندہ باز آجایئے۔ جانے دو بہتیری جگ ہنسائی ہو چکی ہے۔ اب عاقبت کی فکر کیجیے۔ دنیا روزے چند آپ کو ان الہاموں کے بدلے کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں اور کیا کیا پیش آئیں گی۔ ان بطش ربک لشدید

یا اللہ تُو سب مسلمانوں کو ہدایت کر۔ آمین



۱۸ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

مرزائیوں کی مقدمہ بازی

کوشش صد فساد جاری ہے	کیسی ملہم کی عقل ماری ہے
چل رہی ہے مقدمہ بازی	یہ گرد کی کلان کاری ہے
سارے الہام ٹھیک پڑتے ہیں	کچھ بھی ملہم کو شرمساری ہے
شوخ و شنگ اور لڑکا آتا ہے	کیا ہی حضرت کی ہوشیاری ہے
تھا تو لڑکا بنا دیا لڑکی	یہ مداری عجب کھلاڑی ہے
اس کی تاویل کیا نکالیں گے	دل ملہم ہے یا پٹاری ہے
کہتے ہیں اور بنتا ہے کچھ اور	کس قدر حق سے رازداری ہے
ایک کی چار وہ سناتے ہیں	کیا ہی حضرت کی بُردباری ہے
ہو چکے گو مقدمے خارج	لیکن فتح و ظفر تمہاری ہے
مرد سادہ حکیم فضل الدین	پہلی بازی انہوں نے ہاری ہے
دوسرے دیکھیے تراب علی	جس نے سب خاک چھان ماری ہے
وہ دکھایا کمال وکلاء نے	ساری دنیا میں شرمساری ہے
قادیاں سے جو نور دیں نکلا	پیچھے ساری سیاہ کاری ہے
مولوی ہیں ہمارے کرم الدین	اور تمہاری امام قاری ہے
ہیں اگر مولوی اوان تو کیا	مہتری ہاں فقط تمہاری ہے
اے فقیر محمدی خوش باش	وہ تیرا کلک یا کٹاری ہے
ہو مخالف سدا تیرا مغلوب	تجھ کو امداد رب باری ہے
مثل موسیٰ و حضرت ہارون	متفق سعی جو تمہاری ہے

دے گا فتح وظفر خدا تم کو	حق سے یہ التجا ہماری ہے
بالمقابل تمہارے مولانا	قادیانی رسول عاری ہے

راقم
ملک محمد ٹھیکیدار، جہلم



صفحہ ۷

[ایک راسخ الاعتقاد مرزائی کی توبہ]

موضع سنگھوی ملہو میں مسمی محمد دین کاشمیری جو بڑا راسخ الاعتقاد مرزا صاحب قادیانی کا مرید تھا اور مرزا صاحب کے مخالفین سے اکثر جھگڑتا رہتا تھا، قاضی محمد خورشید صاحب کی فہمائش سے اب اس نے مرزائی عقیدہ سے توبہ کر لی ہے اور مذہب صادق اہل سنت و جماعت میں داخل ہو گیا ہے چنانچہ اس نے ہمارے پاس اپنا توبہ نامہ بھی بھیج دیا ہے۔



۱۵ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

بمقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی و حکیم فضل دین ۸ اگست کو صاحب مجسٹریٹ نے فرد جرم کی تکمیل کر کے مرزا صاحب وغیرہ سے صفائی وغیرہ طلب کر لی۔ ملزمان نے فی الحال مکرر جرح کے واسطے استغاثہ کے گواہان ذیل کو طلب کرایا ہے۔ مولوی برکت علی صاحب منصف بٹالہ، مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرت سر، مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال، مولوی محمد جی صاحب قاضی تحصیل جہلم۔

مقدمۃ الذکر دو صاحبان کے لیے تو ۱۵ اور موخر الذکر کے لیے ۱۸ اگست تاریخ

پیشی مقرر ہوئی۔ ایڈیٹر الحکم والے مقدمہ میں باقی ماندہ شہادت صفائی ۱۳ کو پیش ہو گی۔



۲۲ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۶

مقدمات گورداسپور

بمقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ ۶ اگست کو ملزمان پر فرد جرم کی تکمیل ہو کر صفائی طلب ہو گئی۔ مرزا جی اور مرزائیوں کو ایسی امید نہ تھی بلکہ بڑی خوشیاں منائی جا رہی تھیں کہ صفائی کی نوبت سے پہلے ہی بری ہو جائیں گے چنانچہ اس بارے میں مرزا جی کو کچھ الہام بھی ہوئے تھے جو کہ الحکم مطبوعہ ۲۴ جولائی میں درج ہوئے ہیں:

(۱) مبارک، سومبارک

(۲) میں تجھے ایک معجزہ دکھاؤں گا۔

(۳) ایک نظارہ دکھایا گیا اور پھر الہام ہوئے۔

لیکن افسوس کہ مرزا جی کے ان الہاموں کا بھی وہی حشر ہوا جیسا کہ پہلے فتح و نصرت کے الہاموں کا ہوتا رہا ہے اور مبارک کا الہام نامبارک نکلا اور الٹا وہ منحوس نظارہ دیکھنا پڑا کہ حاکم نے فرد جرم سنا کر جواب لے لیا اور صفائی طلب کر لی، اسی کو معجزہ ہی سمجھ لیجیے۔

دیکھیے صفائی کے گواہان کون صاحب آتے ہیں۔ زبانی تو کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ آئیں گے ہاں جی بے شک آنے چاہیے۔ شملہ بقدر علم آخر ''مسیح وقت'' کی صفائی جو ہونی ہے۔

سر دست مرزا جی اپنا سارا کنبہ بھی گورداسپور لے آئے ہیں چنانچہ ۱۳ اگست ساڑھے تین بجے کی ٹرین پر مرزا جی معہ مرزانی صاحبہ اور دیگر متعلقین کے گورداس پور میں رونق افروز ہو گئے۔

اب دارالامان (قادیان) کا خدا حافظ!

۱۴ کو مرزائی صاحبہ نہر تبڑی کے پل کی سیر کو جو گورداسپور سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہے بسواری بگھی تشریف لے گئیں، مرزا صاحب بھی ساتھ تھے آپ کے جلوس میں بہت سی دیگر مستورات بھی تھیں جن سے دو گاڑیاں بھری ہوئی تھیں۔ جہاں سے سیر و سیاحت کے بعد شام کے قریب جلوس شہر میں واپس آ گیا۔

۱۳ اگست کو یعقوب علی والے مقدمہ میں مولوی محمد فضل الدین صاحب مالک اخبار وفادار دہلی پنچ لاہور کی شہادت ہوگئی اور جرح وکیل استغاثہ بھی ختم ہوگئی۔

۱۵ کو ان پر مکرر سوال ہوئے اور چونکہ بابو محمد حفیظ صاحب، بی اے دوم گواہ صفائی حاضر نہ ہوئے تھے اور نہ ان کی اطلاع یابی ہوئی تھی اس لیے عدالت نے ان کو اپنے اختیار سے چھوڑ دیا اور ملزمان کو حکم دیا کہ ۲۴ اگست کو اپنا بیان تحریری پیش کریں۔ اس کے بعد مقدمہ مولوی محمد کرم الدین بنام مرزا قادیانی پیش ہوا۔ پہلے منشی برکت علی صاحب منصف بٹالہ پھر مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری پر ملزمان کی مکرر جرح ختم ہوئی۔

۱۸ کو مولوی غلام محمد و مولوی محمد جی صاحب پر ملزمان کی مکرر جرح ہونی تھی مگر ان دونوں کی سمتوں پر اطلاع یابی نہیں ہوئی، اس لیے ان کی حاضری کے لیے ۵ ستمبر ۱۹۰۴ء تاریخ مقرر ہوئی ہے۔



۲۲ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۷

[مولوی ابراہیم سیالکوٹی کا وعظ]

آج کل مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی جہلم میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور مختلف مساجد میں مرزا قادیانی کے دعاوی اور عقائد کی تردید میں مؤثر وعظ فرما رہے ہیں چنانچہ اس جمعہ کو آپ نے شیخ حسین بخش صاحب مرحوم

خانساماں کی کلاں جامع مسجد میں جو وعظ فرمایا تو سامعین کی کثرت سے مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔



۵ستمبر۱۹۰۴ء صفحہ۲

[لاہور میں مرزا قادیانی کا تحریری لیکچر]

مرزا صاحب قادیانی کا لیکچر ۳ ستمبر کی صبح کو لاہور میں حضرت داتا گنج بخش صاحب کی مزار کی پچھلی طرف منڈوے (Cinema, Theater) میں مولوی عبدالکریم صاحب۔۔۔ نے بلند آواز سے پڑھ کر سنایا جس میں تقریباً ۲ گھنٹے صرف ہوئے، سامعین کی تعداد ۳ ہزار سے زیادہ تھی اس کے بعد مرزا صاحب نے خود کھڑے ہو کر ایک زبانی تقریر فرمائی جس کی نسبت صاحب پیسہ اخبار ریمارک کرتے ہیں کہ آپ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آپ کا تلفظ بالکل عامیانہ تھا بلکہ کئی الفاظ زبان سے غلط نکلتے تھے ایک عیسائی جنٹلمین جنہوں نے عربی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا ہے، کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تقریر سن کر مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ زمانہ چھاپہ خانہ کا نہ ہوتا اور مرزا صاحب کی تقریروں پر ان کے کام کا انحصار ہوتا تو ایسی پھیکی تقریروں پر بہت کم لوگ گرویدہ ہوتے۔



۵ستمبر۱۹۰۴ء صفحہ۲

[مرزا قادیانی کے رد میں اہلیان لاہور کا جلسہ]

لاہور میں ۳ ستمبر کو حضرت شاہ محمد غوث صاحب [۵۶] کے مزار پر ایک جلسہ بہ تردید عقائد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بڑے زور وشور سے ہوا جس میں مفصلہ ذیل بزرگان دین شمس العلماء مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی [۵۷] و

مولوی محمد اصغر علی صاحب روحی ایم او ایل او ر مولوی غلام اللہ صاحب قصوری[۵۸] اور چند ایرانی فضلاء کے علاوہ قریباً ۵۰۰ سامعین موجود تھے۔
مولوی حافظ محمد ابراہیم صاحب نے آدھ گھنٹہ وعظ فرمایا، بعد اس کے ایک قصیدہ غیر منقوط فارسی ساٹھ ستر شعر کا بہ تردید اقوال مرزا صاحب پڑھا گیا۔ بعدۂ ایک عربی قصیدہ سید ظہور احمد وحشی شاہجہانپوری نے پڑھا، اس کے بعد سلسلہ وار تقریریں بڑے زور سے ہوتی رہیں۔



۵ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶

مرزا صاحب قادیانی اور ان کے ارشاد

بعض امور بیان کردہ مرزا صاحب سے پبلک کو پورا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیا کوئی ان کی جماعت سے پسند کرتا ہے کہ مشاہدہ اور قانون قدرت سے ان کا ثبوت پیش کرے:

(۱) مرزا صاحب اخبار الحکم مطبوعہ ۱۰ جون ۱۹۰۴ء میں فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ جب تک اہل دنیا اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کریں گے اس وقت تک اس عذاب (طاعون) کو نہیں اٹھائے گا۔ اب کیا ہندوستان کے واسطے ہی اصلاح اور تبدیلی کا حکم ہے یا کسی اور جگہ کے واسطے بھی؟ یورپ میں تو بقول مرزا صاحب دہریت اور تثلیث اور مردہ انسان پرستی، زنا، شراب خوری اور مما لک سے بڑھ کر ہے پھر ان مما لک پر خدا تعالیٰ کو کیوں ایسا غضب نہیں آتا جیسا اس ملک پر؟ کیا مرزا صاحب کی دعوت کو قبول نہ کرنے پر اس ملک کی زیادہ شامت ہے؟ کیا یورپ کے لیے خاص مہلت ہے اور ہندوستان کے واسطے نہیں؟ ہندوستان میں بھی ہزاروں ایسے قصبات اور گاؤں موجود ہیں جہاں طاعون نام کو نہیں آئی اور یہ ہرگز درست نہیں کہ وہاں کے باشندے احمدی جماعت کے خالص لوگ ہیں ایسے موقعہ پر اگر دفتر قادیاں سے ایک

فہرست خالص احمدی جماعت کی مشتہر ہو جاتی اور پھر اس جماعت پر طاعون کا اثر نہ ہوتا تو یہ نشان اور دیگر مرزا صاحب کے کل نشانات سے بڑھ کر کام دیتا۔ محض اخباروں اور رسالوں میں یہ امر بیان کر دینا صداقت جماعت احمدی کا نشان کافی نہیں کہ ہماری جماعت لکھوکھا (یعنی لاکھوں) تک پہنچ گئی ہے۔

ہم یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ طاعون کی موت کتے کی موت ہے یا شہادت کی موت؟ کیا احمدی جماعت کا کوئی آدمی طاعون سے نہیں مرتا اور اگر مرے تو شہید ہوگا یا نہیں؟ کیا اسلام کا عقیدہ رکھنے والا جیسا کہ اہل سنت و جماعت کی کتب میں مندرج ہے اور حدود اللہ کی حتی الوسع حفاظت کرنے والا شخص اگر طاعون سے فوت ہو جائے تو کیا وہ شہادت کی موت مرتا ہے یا کتے کی موت؟

(۲) تسبیح کے متعلق گنتی پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ گنتی کو پورا کرنے کی فکر والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا۔ اب صحیح احادیث سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ اس گنتی کو شارع اور کثیر اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ صوفیائے کرام کی کتب سے بھی واضح ہے کہ بعض وظائف میں گنتی مدنظر رکھی گئی ہے۔ صلوٰۃ التسبیح میں جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، گنتی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ نماز کے بعد ۳۳ دفعہ "سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ و لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" کہنا بھی کتب حدیث سے ثابت ہے۔ مرزا صاحب کے نزدیک تعین تعداد خدا تعالیٰ کے قانون قدرت سے بالکل خارج ہے۔ صحیفہ قدرت میں بغور نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک امر کے واسطے تعین وقت و تعین تعداد مقرر ہے۔ حمل کی تکمیل، پھول پھل کی تکمیل، عقل کی تکمیل، جوانی اور بڑھاپے کی تکمیل، گردش آفتاب کی تکمیل، ہاضمہ کی تکمیل، زخم اندمال کی تکمیل، دانتوں کے پورا ہونے کی تکمیل، علم کیمیاوی اور علم جیالوجی کی تاثیرات کی تکمیل۔

غرض یہ کہ قانون قدرت میں ہر جگہ تعین گنتی کا کسی نہ کسی طرح ثابت ہو رہا ہے اب کیا اللہ تعالیٰ اپنے روحانی سلسلہ سے اس امر کو بالکل خارج کر دے؟ پہلے تو نماز ہی کو لیجیے، فرائض سنت و نوافل کو ملا کر آخر کوئی تعداد کی حد شارع نے

مقرر کی ہے یا نہیں؟ کیا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عملی نمونہ خود بھی اس پابندی کا دکھایا ہے یا نہیں؟ دس پندرہ کی گنتی کا پورا کرنا خدا تعالیٰ کی عبادت میں شاید ہارج نہیں ہوتا، مگر مرزا صاحب کے نزدیک اس سے زیادہ نہایت ہارج ہے بلکہ اس کا پابند سچی توبہ ہی نہیں کر سکتا۔ مرزا صاحب اور ان کی جماعت شاید نماز میں بالکل خیال نہیں رکھتی ہوگی کہ کس قدر رکعت ادا ہو چکیں اور کس قدر باقی ہیں۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ستار اور باجے کے مبتدی پردوں پر گن گن کر ہاتھ رکھتے ہیں اور عمدہ مشاق ہو جانے کے بعد وہ گنتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں مگر کام سارا گنتی سے چلاتے ہیں اگرچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اور سائنس اور اسلام کے مصنف نے مشروع تعداد گنتی پر کچھ روشنی ڈالی ہے مگر صرف اتنا مشاہدہ ہی کافی ہے کہ قانون قدرت میں جب ظاہری اُمور میں تعداد معین کچھ ہارج نہیں تو اسی بنیاد پر روحانی سلسلہ میں کیوں ہارج ہوگی بلکہ ظاہری قانون قدرت روحانی قانون قدرت کے اسرار کے سمجھنے میں بڑا معاون ہے۔ ظاہری قانون قدرت سے روحانی قانون قدرت کی فلاسفی کی تہ تک پہنچنے کی ایک چشم دید مثال بیان کر کے اہل بصیرت کے انصاف اور تدبر پر چھوڑ کر بس کرتا ہوں، جس سے بصراحت ثابت ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نے ایک آسان اور بدیہی مشروع امر پر حملہ کیا ہے ہاں اگر یہ کہہ دیتے کہ سوا گنتی کے ذکر کثیرہ بھی چاہیے تو عین درست تھا نہ کہ گنتی کے پابند کو، جس کا مشق کے بعد کچھ ہرج نہیں ہوتا۔ سچی توبہ سے محروم شخص ہونے کا فتویٰ دے دیتے۔

میں ایک دن ۱۸۹۷ء میں ایک کتاب پڑھ کر بڑا متفکر اور اُداس ہو گیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ مسلمانوں کا خدا بڑا بے انصاف ہے کہ محدود نیکی یعنی تھوڑی سی زندگی میں نیکی کرنے کے عوض ابدی راحت اور جنت دے دیتا ہے مگر خدا ایسا نہیں وہ محدود نیکی کے عوض ایک محدود عرصہ تک مکتی خانہ میں رہنے دیتا ہے اور

پھر وہاں سے اجر بھگتنے کے بعد نکال دیتا ہے اگر چہ اس مسئلہ نے میرے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا مگر بفضل خدا میں اسلام سے نہ پھرا کیونکہ بہت سی اسلامی صداقتوں نے میرے دل پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس نکتہ کے حل کرنے کے واسطے بہت سی کتب کا مطالعہ کرتا اور اپنے مالک کے آگے عجز اور نیاز سے دعا کرتا کہ اگر اسلام سچا ہے تو اے رب العلمین! اس امر کا کوئی بدیہی ثبوت مجھ پر منکشف کرتا کہ اس کے بعد میں کسی اسلامی راز میں متردد نہ ہوں۔

عجز اور نیاز کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت رکھی ہے۔ ایک دن باہر سڑک پر جارہا تھا گندم اور جو کے کھیت خوشوں سے لہلہا رہے تھے میری نظر اس طرف جا پڑی اور فوراً میرے دل پر یہ امر القا کیا گیا کہ دیکھ ایک دانہ سے کسان کو سینکڑوں اور ہزاروں دانے جب اللہ تعالیٰ اپنے قانون قدرت سے دینے پر قادر ہے اور ہرگز بے انصاف نہیں بن سکتا تو محدود نیکی کے عوض مدامی جنت دینے سے کیا وہ کسی بے سمجھ کے کہنے سے بے انصاف ٹھہر سکتا ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے نیکی بالا یمان دانہ ہے۔ محدود نیکیوں سے مدامی جنت کا اس کی رحمت سے ملنا مجھ پر ایسا ثابت ہوگیا کہ اب تک میرے دل میں اس کا سُرور موجود ہے اور اس دن سے کئی اسلام کے اسرار مجھ پر کھل گئے جو محض مطالعہ کتب سے کھلتے اب اس مثال سے احمدی جماعت کا سچا شخص شاید یقین کرلے کہ اگر ظاہری قانون قدرت میں تعین تعداد بے معنی نہیں تو روحانی سلسلہ میں بھی بے فائدہ نہیں ہے بلکہ ایک راز اور مصلحت روحانی اپنے اندر رکھتا ہے جس سے انکار کرنا محض بے خبری اور ہٹ دھرمی ہے۔

راقم

ایک منصف مسلمان



۱۲ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ۲

گورداسپور

۵ستمبر کومقدمہ ایڈیٹر اخبار الحکم پیش ہوکر اس میں اخیر فیصلہ سنانے کے لیے ۱۵ ستمبر مقرر ہوئی۔ مقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وحکیم فضل الدین میں ۶ستمبر کو مولوی محمد جی صاحب قاضی تحصیل جہلم کی جرح ختم ہوئی اور مولوی غلام محمد صاحب کو ان کے ڈاکٹری سٹوفکیٹ آنے کی وجہ سے عدالت نے ترک کردیا۔

۷ستمبر سے گواہان صفائی کی شہادت شروع ہے چنانچہ ۷کو شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور اور ۸ کو منشی عزیز الدین صاحب پنشنر تحصیل دار دینانگری اور میاں حسین بخش بٹالوی کی شہادتیں ہوئیں۔



صفحہ۶

[ایک مرزائی انسپکٹر سے مباحثہ]

شیخ محمد حسین صاحب، بی اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات نے ۱۵اگست کو ڈاک خانہ سرائے کالا کا معائنہ فرمایا۔ بعد از نماز مغرب مدرسہ کا کھلا میدان ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، لیمپ جل رہی تھی، چار پانچ آدمی شہر کے اور جمعدار اور دو چٹھی صاحبان چار پائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر صاحب جو عقیدہ کے مرزائی ہیں کرسی پر رونق افروز مرزا صاحب کی صداقت کے بارے میں باتیں کہہ رہے تھے کہ جمعدار صاحب ایک چٹھی رساں کی طرف مخاطب ہوکر بولے، مولوی صاحب آپ بھی کچھ جواب دو، ہمیں تو تم بات نہیں کرنے دیا کرتے۔

چھٹی رساں: آپ افسر ہیں ہم ماتحت۔ جب بحث چھڑ جاتی ہے تو فریقین میں سے ہر ایک اپنی رائے کو قائم کرتا ہے اور ہر ایک دلیل سے دوسرے کے استدلال کی تردید کرتا ہے، ایسا نہ ہو کہ درمیان میں کچھ رنجش ہو جائے تو لینے کے دینے پڑیں۔

انسپکٹر صاحب: نہیں اس میں کچھ حرج نہیں، اگر کچھ کہنا ہے تو بولو۔

چھٹی رساں: ہمارے پاس آیت یا حدیث کی کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ مسیح علیہ السلام جو آنے والے ہیں وہ مرزا ہی ہیں جس سے ہم ان کو مان لیں۔

انسپکٹر صاحب: تم نے رسول اللہ کو کیسے مان لیا کہ وہ رسول برحق ہیں؟

چھٹی رساں: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اُمّی تھے انہوں نے کسی مکتب میں الف بے تک بھی کسی سے نہیں سیکھا، باوجود اس بات کے قرآن کریم جو آپ کو الہام ہوا ہے ایسا فصیح ہے کہ پکار کر کہتا ہے کہ فاتوا بسورة من مثله، الآیة.

سو آج سوا تیرہ سو سال تک کوئی ایک آیت تک نہیں بنا سکا اگر ایسا نہ ہوتا تو آج تک کئی قرآن مخالف تیار کر لیتے۔

انسپکٹر صاحب: مرزا صاحب نے اعجاز مسیح یعنی تفسیر سورہ فاتحہ ایسی فصیح بنائی ہے کہ وہ پکار کر کہتی ہے کہ کوئی مولوی اس کے مقابلہ میں لکھے لیکن ایسی کوئی ایک سطر بھی نہیں لکھ سکتا اور انہوں نے تفسیر میں ایسے معانی بیان کیے ہیں کہ آج تک کسی نے ان میں سے ایک بھی نہیں لکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک مرزا صاحب من جانب اللہ ہیں۔

چھٹی رساں: کسی کو کیا ضرورت ہے کہ اس کے مقابلہ میں لکھے، مرزا صاحب نے اس میں کوئی نئی بات نہیں لکھی اس سے پہلے کئی بزرگان سلف اس سے بہتر تفسیریں لکھ چکے ہیں یہ سب ان کا سرقہ ہے اگر کوئی نئی بات مرزا صاحب نے لکھی بھی ہے تو وہ اپنے مطلب کی جس کو ہم مانتے ہی نہیں۔

انسپکٹر صاحب: وہ کون سی تفسیر ہے جس میں ایسے معانی ہوں؟

چٹھی رساں: تفسیر عزیزی مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور بے نقط عربی تفسیر سواطع الالہام کو دیکھو۔

انسپکٹر صاحب: کہاں ہیں، لے آؤ۔

چٹھی رساں: میرے پاس اس وقت موجود نہیں، خود منگا کر ملاحظہ کر لیں۔

انسپکٹر صاحب: **و لا تعجل و فکر فی کلام**۔ دیکھو خیال تو کرو کیا عمدہ شعر ہے اور نثر کیا اعلیٰ درجہ کی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ آج کل کا کوئی مولوی ایسی عربی نہیں لکھ سکتا۔

چٹھی رساں: اگر آپ کا خیال عربی کی طرف ہے تو سبعہ معلقہ و مقامات حریری ملاحظہ فرمالیں وہ لوگ کیسے عمدہ شاعر ہو گزرے ہیں۔

انسپکٹر صاحب: ہم نے سبعہ معلقہ کو دیکھا ہے وہ بالکل لغو کلام ہے۔

چٹھی رساں: گو لغو کلام ہے الّا ان کی عربی بے مثل ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔

انسپکٹر صاحب: نہیں بلکہ اس لیے اس کے مقابلہ میں کتاب بنانے کی طرف توجہ کوئی نہیں کرتا کہ مرزا صاحب نے ابتداء میں لکھا ہے کہ جو شخص اس کے مقابلہ میں کھڑا ہو گا فوراً ہلاک و نابود ہو جائے گا۔

چٹھی رساں: یہ تو ان کی کتاب ہے دو سال سے مولوی کرم الدین خود مرزا صاحب کے مقابلہ میں کھڑا ہو کر دعوی کر رہا ہے اور مرزا صاحب کی طرف سمن اور وارنٹ (Warrant) جاتے ہیں اور مرزا صاحب کو بحیثیت ملزم ایک ہندو حاکم کے آگے کھڑا ہونا پڑتا ہے وہ تو اب تک ہلاک نہیں ہوا۔

انسپکٹر صاحب: یہ ایک آزمائش ہے تم جانتے ہو کہ نبی کریم کو پہلے تیرہ (۱۳) سالوں میں کیسی مصیبتیں پیش آتی رہیں۔

چٹھی رساں: کسی نبی کے مقابلہ میں جو کوئی کھڑا ہوتا رہا وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔

انسپکٹر صاحب: یہ بھی آخر کو ہلاک ہو جائے گا جو شخص خدا پر جھوٹ باندھتا ہے یا

جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کئی سالوں سے دعویٰ کر رہے ہیں اور متواتر الہام ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن ابھی تک صحیح و سالم ہیں۔

چھٹی رساں: مرزا صاحب تو صریحاً نبی نہیں کہلاتے ایک پیچ کے ساتھ نبی بنتے ہیں کیا ہوا جوان کو اب تک کچھ نہیں ہوا، یہ تو صرف در پردہ نبوت ہے فرعون کئی سو سال تک اُلوہیت کا دعویٰ کرتا رہا اس کو اس عرصہ میں سر میں درد تک بھی نہ ہوا۔ آخر کو ایک دن ہلاک ہو گیا۔ ایسے ہی مرزا صاحب پر بھی ایک دن آ جائے گا جو شخص نبوت یا ولایت کا دعویٰ کرتا ہو اس کے پاس خرق عادت معجزہ یا کرامت ہونا چاہیے جس سے لوگوں کو مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے ہم مرزا صاحب میں کوئی کرامت نہیں دیکھتے جو مجبوراً ہمیں منائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جو اپنی نبوت منائی تو اور معجزے بھی تو ہوں گے لیکن میں نے حضرت کے تین ہزار معجزات کتابوں میں دیکھے ہیں جس سے مجبور ہو کر سب لوگ آپ کو سچا نبی تسلیم کر گئے۔

انسپکٹر صاحب: نبی کو بلا معجزہ ماننے والا اور معجزہ دیکھ کر ماننے والا ایمان میں یکساں نہیں ہوتا۔ آخر مرزا صاحب نے بھی تو لیکھ رام کی بابت پیش گوئی کی تھی جو عین وقت مقررہ پر ہلاک ہوا۔

چھٹی رساں: بے شک معجزہ دیکھ کر ماننے والا بن دیکھے ماننے والے کے برابر نہیں مگر تسلی کے واسطے ضرور معجزہ ہونا چاہیے اور آزمائے بغیر بھی مان لینا ایک دُشوار بات ہے بلکہ جہالت ہے لیکھ رام والی پیش گوئی میں؛

اول تو اس کی موت کا ہرگز کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوم ممکن ہے کہ مرزا صاحب کی کوئی چال بازی ہو اگر ان کی چال بازی نہیں تو اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں بہت سخت الفاظ کہے اور لکھے تھے جس سے وہ فوراً ہلاک ہو گیا، اس کا تو جیسا حال ہوا سو ہوا، عبداللہ آتھم والی پیش گوئی کہاں گئی؟

انسپکٹر صاحب: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزے بھی لوگ نہیں مانتے تھے تم مرزا صاحب کی پیش گوئی نہ مانو تو کیا بات ہے۔

چٹھی رساں: معجزہ تو واقعی ہو ہی جاتا تھا جو لوگ نہیں مانتے تھے لاچار ہو کر جادو کہہ دیتے تھے۔"اقتربة الساعة و انشق القمر. و ان یروا آیة و یعرضوا و یقولوا سحر مستمر" مرزا صاحب میں تو کوئی کرامت ہے ہی نہیں جس سے ان کو مانا جائے۔

انسپکٹر صاحب: آریہ شق القمر نہیں مانتے کسی مولوی نے ان کو جواب نہیں دیا۔ مرزا صاحب نے وہ جواب لکھ دیے ہیں کہ دانت توڑ ڈالے ہیں تم کچھ شق القمر کا جواب دے سکتے ہو تو دو۔

چٹھی رساں: ہمارا قرآن پر ایمان ہے میں نے شق القمر کو مانا ہوا ہے عقلی طور پر میں اس وقت گو جواب نہیں دے سکتا کیونکہ ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں ہوا مگر ہمارے علماء مثل شاہ رفیع الدین وغیرہ نے عقلی جواب بھی خوب دیے ہوئے ہیں۔

نائب مدرس: بابو صاحب بھی جب پیر صاحب مرزا سے بحث کرنے کو لاہور گئے تو وہ کیوں نہ آیا۔

انسپکٹر صاحب: بھائی مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ زبانی فیصلہ تو ہوتا نہیں اب آسمانی فیصلہ اس طور پر ہونا چاہیے کہ پچیس (۲۵) بیماروں کے واسطے میں دعا کرتا ہوں اور پچیس (۲۵) کے حق میں تم دعا کرو جس کی دعا سے بیمار شفایاب ہو جائیں وہ سچا ہے یا ہم تم چالیس چالیس آیتوں کی تفسیر عربی زبان میں لکھیں جو من جانب اللہ ہوگا وہ بہت عمدہ لکھے گا اور دوسرا الف بے بھی نہیں لکھ سکے گا۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ پہلے زبانی بحث سے جھوٹا سچا پر کھ کر یہ کام بھی کریں گے تو گویا پیر صاحب نے مرزا صاحب کی اصلی دو شرطیں نہ مانیں اس واسطے وہ نہ آیا کہ زبان سے تو فیصلہ ہوتا ہی نہیں۔

چٹھی رساں: پیر صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ آپ کا خاص حواری جس کو

سارے عیب ہیں کانا، مونڈا، ٹنڈا ہے اس کو کیوں درست نہیں کرتے؟

انسپکٹر صاحب: یہ ایک قسم کا طعنہ ہے۔

چٹھی رساں: ایسا جگر خراش طعنہ سن کر اس کو کیوں نہ چنگا کیا جو سب لوگوں میں غل مچ جاتا مجبوراً لوگ مان جاتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی کے پاس کوئی کرامت نہیں جو نبوت اور ولایت کا معیار ہے۔

نائب مدرس: جس کے پاس کچھ ہوتا ہے وہ دعوی اور شور نہیں کرتا، ہمارے سکندر پور ضلع ہزارہ والے پیر محمد جی کے پاس کوئی کیسے ہی سانپ کا ڈسا ہوا جائے فوراً شفایاب ہو جاتا ہے، زہر اثر نہیں کرتا، ہزاروں آدمی شفایاب ہوئے بلکہ دوسرا آدمی جا کر کہے کہ فلانے کو سانپ نے کاٹا ہے تو بھی وہ صحیح ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر صاحب: کوئی صالح ہوں گے۔

چٹھی رساں: جناب شوخ وشنگ لڑکے والی پیش گوئی کہاں گئی؟

انسپکٹر صاحب: یہ نکتہ چینی ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

چٹھی رساں: ہمیں تو کامل یقین ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعوی کو پورا نہیں کر سکتے۔ ہر الہام میں خطا کھاتے ہیں قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے بارے میں صاف فرما دیا ہے:

بل رفعه الله اليه و ان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته

انسپکٹر صاحب: اس کے معنی جو تم سمجھتے ہو وہ نہیں، اس کے معنی اور ہیں۔

چٹھی رساں: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ معنی کیے، اصحاب رسول خدا، ائمہ دین و دیگر بزرگان نے بھی یہی معنی کیے ہیں اب مرزا جی نے اور معنی بنا لیے اگر اس کے اور معنی ہیں تو حدیث کے معنی تو وہی ہیں چنانچہ؛

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم و الذی نفسی بيده ليو شكن ان ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا

فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ و یقبض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدہ الواحدۃ ح. خیر امن الدنیا و ما فیھا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قسم ہے مجھے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تحقیق اُتریں گے آسمان سے تم میں ابن مریم سو مرزا جی ابن مریم نہیں۔

انسپکٹر صاحب: مومنوں کو خداوند کریم ابن مریم کہتا ہے۔

چٹھی رساں: ایسی آیت قرآن شریف میں کہاں ہے؟

انسپکٹر صاحب: اس وقت مجھے یاد نہیں۔

چٹھی رساں: کوئی ایسی آیت ہی نہیں۔ عیسیٰ بن مریم حاکم ہوں گے عادل ہوں گے سو مرزا جی حاکم نہیں بلکہ محکوم بحیثیت ملزم ایک ہندو حاکم کے پاس کشاں کشاں جاتے ہیں، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور رکھ دیں گے جزیہ اور اس قدر مال ہوگا کہ کوئی آدمی ۔۔۔۔ گا حتی کہ لوگوں کو ایک سجدہ دنیا اور مافیہا سے پسند تر ہوگا۔ سو آج کل مسلمانوں کی حالت افلاس کے ۔۔۔۔۔۔ ایمان داری ایسی ہے کہ دو روپے لے کر جھوٹی شہادت قسم اٹھا کر لوگ ۔۔ آتے ہیں سو اب اگر مرزا جی کو ۔۔۔ معاذ اللہ رسول اللہ کو جھوٹا سمجھا جاوے سو ایسا ہرگز نہیں مرزا جی ہی کاذب ہیں۔

انسپکٹر صاحب: یہ سب باتیں مرزا جی کی آخری عمر میں ہوں گی اور ان کی عمر شریف بیاسی (۸۲) سال تک ہوگی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی پہلا زمانہ ایسا نہیں تھا جیسا آخر کو ہوا۔

چٹھی رساں: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ سب لوگ بت پرست تھے آپ نے سب سے الگ ہو کر دین اسلام کی بنیاد قائم کی اور دن بدن ترقی ہوتی گئی۔ مرزا صاحب تو باوجود یہ کہ مسلمان کہلاتے

بلکہ امامت اور نبوت کا دعوی کرتے ہیں تو پھر بھی دن بدن تنزل ہی نظر آتا ہے۔ ان ۶۵ سال میں مسیح موعود کے نشانوں میں سے ایک نشان کی بنیاد بھی نظر نہیں آتی، جب بیج ہی نہیں تو درخت کب پیدا ہو کر جوان ہو گا اگر یہ سب باتیں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہیں ہو جائیں گی تو پھر ہم بھی مان لیں گے۔

انسپکٹر صاحب: اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ آئے گا اس وقت تو جوتوں سے مانو گے۔

چٹھی رساں: وہ وقت آئے گا ہی نہیں بلکہ اس سے پیشتر مرزا جی ہلاک ہو جائیں گے۔

انسپکٹر صاحب: جو نئے تعلیم یافتہ ہیں سب مرزا جی کو مان چکے ہیں، پرانے لوگ بودے ہیں ان کی عقل کچھ نہیں۔

چٹھی رساں: نئے تعلیم یافتہ بی اے ایف اے یا کیسی ہی سند حاصل کر لیں تاہم وہ جاہل ہیں کیا ہوا اردو یا انگریزی پڑھ لی۔ تفسیر وحدیث وہ نہیں پڑھتے جو دین کی خبر ہو تصوف کا ان کو پتہ تک نہیں جو ہدایت ہو۔

[راقم: انسپکٹر صاحب بہت خلیق حلیم الطبع نیک نیت خوش اخلاق تھے، اثنائے گفتگو میں کسی لفظ سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے اور بہت پسندیدہ جواب دیتے رہے، خداوند کریم ان پر رحم وکرم کرے۔ آمین]

راقم

چشتی عفی عنہ



۱۹ستمبر۱۹۰۴ء صفحہ۴

گورداسپور

بمقدمہ مولوی محمد کرم الدین صاحب بنام مرزا صاحب قادیانی وغیرہ من جانب ملزمان ۱۰ستمبر کو ڈاکٹر محمد دین صاحب لاہوری، ۱۲ کو بخشی رام لبھایا صاحب مالک اخبار دوست ہند، بھیرہ[۵۹]، ۱۳ کو چوہدری نصراللہ خاں صاحب پلیڈر سیالکوٹ، ۱۴، ۱۵ کو مولوی فیروز الدین صاحب ڈسکوی مدرس فارسی بورڈ سکول سیالکوٹ، ۱۶ کو سید محمد شاہ صاحب پلیڈر ملتان، ۱۷ کو مولوی فقیر محمد مالک سراج الاخبار جہلم، مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور، منشی احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ اور مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور کی شہادتیں ہوئیں اور یعقوب علی والے مقدمہ کا فیصلہ بجائے ۱۵ستمبر کے یکم اکتوبر کو سنایا جائے گا۔



صفحہ۵

مسیح قادیانی کی تردید میں اہل اسلام لاہور کا جلسہ

یہ بات ہر خاص وعام پر ایک عرصہ سے ظاہر ہو چکی ہے کہ جب سے میرزائی قادیانی کا خروج ہوا ہے اور اس نے اپنے عقائد مخترعہ کو اسلامی لباس میں عوام کالانعام پر ظاہر کر کے اپنی شہرت کو بڑھانا چاہا ہے تب ہی سے اکثر دیار و امصار میں وقتاً فوقتاً علمائے اسلام خدام سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تردید قرآن وحدیث وفلسفۂ جدیدہ سے برابر کرتے چلے آتے ہیں جو اہل حق پر اظہر من الشّمس ہے مگر دریں ولا چونکہ میرزائی قادیانی معہ اپنی مجلس شوریٰ و اہل خانہ و اکثر شاگردوں کے ۲۰ اگست ۱۹۰۴ء کو لاہور میں آیا ہوا تھا اور

بمقتضائے زمانہ جدت پسند اصحاب اس کی شکل ظاہری دیکھنے اور تقریر سننے کے لیے منتظر تھے چنانچہ ایسے لوگ صبح وشام کو اس مکان کے نیچے جس میں میرزائی مذکور قیام پذیر تھا، کھڑے رہتے تھے اور میرزا قادیانی کی مجلس شوری ہر چند باتوں سے ترغیب وتحریص دلاتی تھی مگر میرزائی مذکور زنان خانہ سے نیچے نہ آتا تھا۔ بعض ناواقف اور ضعیف اعتقاد لوگ جو مرزائیوں کی ترغیبوں سے مذبذبین بین ذالک ہو رہے تھے لہذا بمقتضائے ضرورت حق ظاہر کرنے اور ان لوگوں کو غلط فہمیوں سے بچانے کے لیے ملا محمد بخش صاحب سیکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور[۶۰] نے جو زمانہ خروج میرزا سے اس وقت تک نہایت ثابت قدمی اور علو ہمتی سے باتباع شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مرزا کے تمام نئے عقائد کا جواب باثواب بہ برہان جلیلہ دے کر کل مسلمانوں کو مغالطہ سے بچاتے رہے ہیں بمقام لاہور بہ مسجد حضرت شاہ محمد غوث صاحب طـلـب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ ایک جلسہ اسلامیہ ۲۰ اگست ۱۹۰۴ء سے شروع کیا جو ہر روز بلاناغہ بعد فراغ نماز مغرب بڑی صلاحیت اور عمدگی سے ہوتا رہا اور علمائے حقانی وقتاً فوقتاً اپنے پُر اثر مواعظ و تقاریر سے سامعین کو محظوظ فرماتے رہے اور مجمع سامعین روز بروز بڑھتا گیا جس کی خبر کئی دفعہ روزانہ پیسہ اخبار میں بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو جس دن میرزائی قادیانی کی مجلس شوری کے تحریری لیکچر منڈوے تھیٹر میں پڑھے جانے کی تاریخ تھی ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا جس میں لاہور اور علاقہ بیرون جات کے بڑے بڑے متبحر علمائے اسلام اور چند ایرانی اہل علم بھی شریک تھے یہ جلسہ ساڑھے پانچ بجے تاریخ مذکورہ پر شروع ہو کر ۱۲ بجے دن کے اختتام کو پہنچا۔ حاضرین جلسہ کی تعداد جن میں معززین لاہور بھی شامل تھے، ۵ ہزار کے قریب تھی جلسہ مذکور میں مفصلہ ذیل علمائے دین شامل تھے جن میں سے اکثر علماء نے میرزائی قادیانی کی تردید میں پُر زور و پُر اثر تقاریر و مواعظ سے سامعین کو ازحد محظوظ فرمایا۔

اسمائے گرامی علمائے دین شرکائے جلسہ

(۱) شمس العلماء جناب مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور

(۲) جناب مولانا مولوی اصغر علی صاحب روحی ایم اوایل پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

(۳) جناب مولانا مولوی غلام اللہ صاحب صدیقی قصوری

(۴) جناب مولانا مولوی حافظ رحیم بخش صاحب لاہوری

(۵) جناب مولانا مولوی سید علی صاحب حائری محدث امامیہ معہ معززین امامیہ

(۶) جناب مولانا مولوی یار محمد صاحب امام مسجد طلائی لاہور

(۷) جناب مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب لاہوری

(۸) جناب مولانا مولوی سید محمد ابراہیم صاحب میرٹھی (مقیم چھاؤنی جالندھر)

(۹) جناب مولانا مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب قاری مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن انارکلی لاہور

(۱۰) جناب مولانا مولوی سید ظہور احمد صاحب شاہجہانپوری

(۱۱) جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب وکیل انجمن حامی اسلام لاہور

(۱۲) جناب مولانا مولوی محمد متقی صاحب امام مسجد حضرت شاہ محمد غوث صاحب

اسمائے گرامی وعظ وتقریر کنندگان

(۱) مولوی سید محمد ابراہیم صاحب میرٹھی مقیم چھاؤنی جالندھر (وعظ)

(۲) مولوی حافظ رحیم بخش صاحب لاہوری (وعظ)

(۳) منشی خورشید احمد صاحب صمصام (قصیدہ غیر منقوط)

(۴)مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی (قصیدہ عربیہ و اردو)

(۵)منشی تاج الدین صاحب تاج (نظم بتقریب جلسہ مرزائیاں در منڈوہ)[۶۱] (۶)منشی امام الدین صاحب منشی فاضل (تقریر)

(۷)منشی اسد اللہ صاحب غالب (نظم)

(۸)مولوی سید علی صاحب حائری (وعظ)

(۹)مولوی اصغر علی صاحب روحی (وعظ)

(۱۰)ملا محمد بخش صاحب سیکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور (تقریر در بُطلان الہامات و پیشین گوئیاں مرزائے قادیانی و نظم پُر اثر)

(۱۱)مولوی غلام اللہ صاحب صدیقی قصوری نے دعا پر خاتمہ کیا۔

اسی روز مولوی صاحب موصوف نے وعظ بعد نماز مغرب شروع کر کے ۱۰ بجے شب کو تمام کیا، شب مذکورہ کے جلسہ میں سامعین کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) سے کم نہ تھی یہ سلسلہ ابھی جاری ہے اس جلسہ کی روئداد عن قریب چھپ کر شائع ہوگی۔

واضح ہو کہ ملا محمد بخش جو سولہ (۱۶) سال سے تن تنہا سینہ سپر ہو کر عقائد مرزا کی تردید کر رہے ہیں اور اس کی قلعی کھول رہے ہیں ان کی ہمت ہمیشہ قابل تعریف ہے۔ ایک متمول گروہ کے مقابل ملا صاحب کی مالی حالت بالکل کمزور ہے مگر وہ طاقت خداداد سے اسے اسی طرح چلا رہے ہیں کہ جس کو یقینی طور سے اعجاز۔۔۔ ہیں ملا صاحب کی حیثیت موجودہ اور ایسے دولت مند گروہ کا مقابلہ کارے دارد کا مضمون ہے لہذا کل مسلمان۔۔۔عرض ہے کہ ایسے شخص کی معقول امداد فرمائیں تا کہ دروازہ خیر کا کھلا رہے اور ضعیف الاعتقاد۔۔مرزائی اعتقاد سے محفوظ رہیں اور ان کے ایمان کی بضاعت سلامت رہے جو اصحاب اس کار خیر میں حصہ لیں گے وہ الدال علی الخیر کفاعلہ الحدیث اور من سن فی الاسلام. الحدیث کے پورے مصداق ہوں گے۔ یہ دین حقہ کی بڑی بھاری مدد ہے اور دین کی مدد کرنا فرض ہے یعنی جس

پر ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر شاہد ہے جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کرتے ہیں یعنی اللہ کے سچے بندے ہیں اللہ ان کو مدد دینے کا وعدہ فرماتا ہے کہ جس پر ان تنصر اللّٰہ ینصر کم ناطق ہے۔ و ما علینا الا البلاغ



۲۶ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

مقدمہ گورداسپور

میرزائے قادیانی کے مقدمہ میں شہادت صفائی ۱۹ کو ختم ہوگئی۔ گواہان طلبیدہ عدالت اوردستی گواہان سات (۷) گزرے جن میں سے مولوی نورالدین صاحب حواری، نواب محمد علی خان صاحب مالیرکوٹلہ [۶۲]، ڈاکٹر محمد حسین صاحب لاہور، مفتی محمد صادق بھیروی [۶۳]۔ یہ وہ گواہان ہیں جن کے نام پہلے درج اخبار نہیں ہوئے۔ مولوی نورالدین صاحب نے اپنے اظہار علمیت میں لکھایا کہ میں نے یمن حجاز مدینہ وغیرہ ممالک میں تعلیم عربی حاصل کی ہے لیکن مستغیث کے سوال پر تسلیم کیا کہ عربی کا کوئی امتحان میں نے پاس نہیں کیا کیونکہ اس وقت امتحان نہ تھے۔ صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق بتاتے ہوئے آپ نے لکھایا کہ صفت مشبہ میں وصف کا زمانہ ماضی واستقبال میں پایا جانا ضروری نہیں۔ صرف زمانۂ حال کے اعتبار سے صفت مشبہ کا اطلاق موصوف پر ہوتا ہے۔ اس پر مولوی صاحب مستغیث نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کی صفات کریمہ ورحیمہ صفت مشبہ ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ پر بھی ان کا اطلاق صرف زمانۂ حال کے رو سے ہے یا بالدوام۔ اس کا جواب بھی یہی دیا گیا کہ زمانۂ حال کے رو سے ہم خدا تعالیٰ کو کریم ورحیم کہتے ہیں۔ پھر یہ پوچھا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کریم ابن الکریم فرمایا کیا حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت موجود تھے؟ کہا: ہاں موجود

تھے۔ کس طرح؟ کہا جسم لطیف سے (کیا جسم لطیف سے افعال جسمی کا صدور ہوسکتا ہے) مولوی صاحب مستغیث نے سوال کیا کہ کیا وہ مقدمہ دغا کا جس میں آپ نے میرے برخلاف فضل دین کی طرف سے گواہی دی تھی وہ خارج ہوگیا ہے۔ آپ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے خبر نہیں کہ خارج ہوگیا یا نہیں۔ لیکن بعد اس کے یہ لکھایا کہ میں نے متواتر سنا ہے کہ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ مقدمہ مذکور یہ لکھا کہ مضمون اخبار و خطوط کا کاتب مستغیث ہے۔ ۲۰ کو ۱۰ بجے سے ملزمان کی طرف سے ان کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب نے بحث شروع کی اور قریب ۴ بجے کے ختم کی۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی تقریر پر ان کی جماعت کے لوگ مفتون نظر آتے تھے۔ ۲۱ کو مولوی کرم الدین صاحب مستغیث نے ۹ بجے سے تقریر شروع کی اور ایک بجے تک بڑی متانت و قابلیت سے دلائل ثبوت استغاثہ بیان کرتے رہے۔ سامعین بالعموم مولوی صاحب کی تقریر پر لٹو ہو رہے تھے ان کے بعد بابو مولائل صاحب وکیل استغاثہ نے قانونی بحث ڈھائی بجے تک نہایت متانت سے کی بعد ازاں خواجہ صاحب نے ۵ بجے تک جواب الجواب میں تقریر کی، عدالت نے حکم سنانے کے واسطے یکم اکتوبر تاریخ مقرر فرمائی تھی۔



۱۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۵

مقدمات گورداسپور

عدالت نے یکم اکتوبر کو مقدمات مرزائیاں میں حکم نہیں سنایا کیونکہ اس تاریخ تک فیصلہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ اب دونوں مقدمات میں حکم سنانے کے لیے ۸ تاریخ اکتوبر مقرر ہوئی ہے۔



[۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ کی فائل سے]

کاشف اسرار نہانی روئداد مقدمات قادیانی

یہ عجیب وغریب مجموعہ ہے جس میں ان مقدمات کی مفصل کیفیت درج ہے جن میں مرزا قادیانی دو سال تک سرگرداں رہا۔ایک قابل دید کتاب ہے اس کے مطالعہ سے قادیانی صاحب کی نبوت ومسیحیت وغیرہ کی ساری قلعی کھل جاتی ہے۔مرزا جی اور ان کے مشن کے اعلیٰ ممبروں کے بیانات قابل دید ہیں۔قیمت بلحاظ لاگت بالکل قلیل یعنی آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک ٹکٹ دی گئی ہے۔بترسیل قیمت بذریعہ وی پی مجھ سے مل سکتی ہے۔شائقین جلدی منگائیں کیونکہ بہت تھوڑی جلدیں رہتی ہیں۔



[۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ کی فائل سے]

۱۱جنوری ۱۹۱۵ء ص ۱۱

انجمن اہل حدیث جہلم کا سالانہ جلسہ

گذشتہ سال جب صاحب زادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب [۶۴] خلف مرزا صاحب قادیانی نے جہلم میں کسی برات پر آ کر اپنے لیکچر ووعظ کے لیے اشتہار دیا تھا تو مستری عبدالرحمٰن وعبدالحق اور بابو عبدالرشید وغیرہ نے جن کی ہمت پر آفرین وتحسین ہے چند مشہور مولوی بلا کر الگ وعظ کرانے شروع کرائے تھے تاکہ بے خبر لوگ ان کے پھندے میں نہ پھنس جائیں اور گمراہ نہ

ہوں چنانچہ نامبردوں نے وہی پہلا جلسہ انجمن اہل حدیث جہلم قرار دے کر اب دوسرے سالانہ جلسہ کا انعقاد بھی ۱۵، ۱۶، ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء بروز جمعہ ہفتہ اتوار کو قرار دیا ہے جو مستری عبدالرحمٰن و عبدالحق جنرل کنٹرکٹران کے وسیع احاطہ کے گودام میں منعقد ہوگا اور آئندہ باقاعدہ انجمن قائم کردی ہے اور اب کے بڑے بڑے جلی حروف میں خوش خط مطبوعہ اشتہارو پروگرام تقسیم کیے ہیں اور اس جلسہ کو بڑی دُھوم دھام اور اعلیٰ پیمانہ پر کرنے کے لیے شہر سے معقول چندہ بھی کیا گیا ہے۔ ابھی پریذیڈنٹ (President) کا انتخاب نہیں کیا وہ انعقاد جلسہ میں اتفاق رائے سے انتخاب کیا جائے گا۔ اس جلسہ کو رونق دینے کے لیے حضرات علمائے کرام پنجاب اور دُور دراز حصص ہندوستان سے مدعو کیے گئے ہیں اور پروگرام اجلاس کے مطابق ۱۵ کو قاری حافظ عبیدالرحمٰن صاحب، مولوی محمد ابوالقاسم صاحب خاموش، حافظ عبدالعلی صاحب عرف حافظ جھنڈا، مولوی محمد علی صاحب واعظ اور ۱۶ کو حاجی مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی، مولوی نور محمد صاحب امرتسری، مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہ اور ۱۷ کو مولوی ابوعبداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی، مسٹر عبدالغفور (دھرمپال) وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے مواعظ حسنہ و تقاریر دل پذیر اور نعت خوانی و تلاوت قرآن شریف سے حاضرین جلسہ کو محظوظ و مسرور کریں گے۔ اس انجمن کے اجلاس کے بعد اغلب ہے جیسا کہ سنا جاتا ہے کہ اہل احناف بھی بڑے تزک و احتشام اور دُھوم دھام سے علمائے عظام کو مدعو کر کے ایک بھاری جلسہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایسے نیک کام کرنے کی توفیق دیوے کہ جس سے ان کے اخلاق سدھریں اور اپنے پیارے دین کی پوری طرح حفاظت کر سکیں۔
اللّٰھم زد فزد

یہ بھی سنا گیا ہے کہ احمدی جماعت کے بعض ممبروں نے منتظمان انجمن مذکور سے حیات مسیح پر روشنی ڈالی ڈالنے کے لیے وقت حاصل کرنے کی جرات کی

ہے، جن کو جواب ملا ہے کہ چونکہ پروگرام اجلاس چھپ چکا ہے اب درج نہیں ہوسکتا، اگر آپ کو حوصلہ ہے تو اس کے لیے البتہ ہم جلسہ کے بعد ایک روز علمائے مدعوشدہ کو ٹھہرا سکتے ہیں۔

راقم

حسن الدین کاتب سراج الاخبار جہلم



۱۸ جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۰

خواجہ کمال الدین صاحب کا چیلنج منظور

۱۳ جنوری کے اخبار زمیندار میں چھپا ہے کہ خواجہ صاحب نے صاحب زادہ صاحب کو اُمور متنازعہ فیہا میں قرآن وحدیث وتحریرات جناب مرزا صاحب مرحوم کی بنا پر اپنے ساتھ فیصلہ کرنے کی دعوت کی۔ جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت صاحب زادہ صاحب اس چیلنج کو منظور کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب و مولوی صاحب محمد علی اس مناظرہ کے لیے قادیان میں تشریف لائیں اور تمام اخراجات ہمارے ذمہ۔ اگر ان کی نظر میں دارالامان دارالفساد ہے تو خلیفہ وقت کا مقرر کردہ مناظر پیغام بلڈنگس لاہور میں تاریخ مقررہ پر پہنچ جائے گا۔

راقم ایڈیٹر الفضل



یکم مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ۳

انگلینڈ میں اسلام

یہ سن سن کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ بعض مرزائی صاحبان کی کوشش سے چند انگلش آدمی اور عورتیں ہر مہینے انگلینڈ کے اندر مسلمان ہوجاتے ہیں لیکن جب ہم مرزائی عقائد پر غور کرتے ہیں تو ہم کو ان اسلامیوں سے کچھ غمی بھی ہوجاتی

ہے کیونکہ دین حق کے متلاشی مسیح قادیانی کے پیرو اگر ہوتے جاویں تو اس سے حقیقی اسلام کو کوئی فائدہ نہیں۔ اگر بجائے مرزائی صاحبان کے دوسرے کوئی مسلم قدیمی عقیدہ کے وہاں جاتے تو البتہ ہماری خوشی بہتر ہوتی۔ ووکنگ کی مسجد بھی ہم ایک گرجا سے بڑھ کر نہیں خیال کر سکتے جہاں جوتیوں سمیت فقط ایک لیکچر ہال کے موافق کام ہوتا ہے جو اب بالکل اسلام کے موافق آواز نہیں نکالتے۔ اسلام کو پھیلانے کے لیے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے مسلمان شکم پرستی اور نام پرستی سے ہٹ کر خدا اور سول پرستی کے متساعی ہوں۔



۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء

اہل حدیث کانفرنس سے سوال اور مدرسہ احمدیہ آرہ کے سوال کا جواب

عنوان مندرجہ بالا سے ایک طویل مراسلت جناب مولانا مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرف سے گذشتہ ہفتہ ہمارے پاس ایسے وقت پہنچی کہ ۸ مارچ ۱۹۱۵ء کا سراج الاخبار لکھائی سے ختم ہو چکا تھا جس سے افسوس وہ درج ہونے سے رہ گئی مگر اس ہفتہ بھی اس کو اس لیے درج نہیں کیا گیا کہ ۱۵ مارچ کو کانفرنس کے اجلاس جن کی نسبت مراسلت مذکور لکھی گئی ہے۔ ختم ہو جائیں گے اور نیز یہ مراسلت چونکہ روزانہ پیسہ اخبار ۱۰ مارچ اور روزانہ وطن ۱۱ مارچ ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکی ہے اس لیے صاحب مراسلت کا اصل مطلب تو حاصل ہو گیا ہے۔ ایڈیٹر



۲۲مارچ ۱۹۱۵ءص ۱۲

قادیانی خلافت کا جھگڑا

مرزا صاحب کے مرنے کے بعد قادیانی نبوت کا جھگڑا ایک دم بڑھ گیا۔ حکیم نورالدین کو خلیفہ بنایا گیا اس وقت بعض مرزائیوں نے مخالفت کی اور اس آگ کو خوب بھڑکایا کسی وجہ سے یہ معاملہ ملتوی رہا۔ یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی آخر کار مولوی نورالدین صاحب کے مرنے کے بعد اس آگ کے شعلے تمام مرزائی کیمپ میں پھیل گئے اور کئی خلیفے بن بیٹھے۔ مرزا صاحب کا بیٹا میاں بشیرالدین محمود قادیان میں جانشین قرار پایا اور چند مدعیان خلافت ان کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے۔ خیر یہ قصہ طویل ہے میں اس پر چند سطریں بطور نمونہ لکھتا ہوں۔

روزانہ پیسہ اخبار ۲ مارچ ۱۹۱۵ء میں ایک مضمون بعنوان ''تین ایک اور ایک تین'' شائع ہوا۔ اس کے راقم کوئی میاں حفیظ شاید مرزائی ہیں جب سے چند لوگ جماعت احمدیہ سے الگ ہوئے ہیں ان کی یہ خواہش رہی ہے کہ ہم ہر رنگ میں قادیان کی جماعت سے بڑھ کر رہیں پہلے انہوں نے جماعت میں خلیفہ کا ہونا جماعت کی تباہی و بربادی کا موجب ظاہر کیا لیکن جب دیکھا کہ یہ اُصول بیان کرنے میں سخت غلطی کھائی ہے کیونکہ اس سے پہلے چھ (۶) سال تک وہ ایک خلیفہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اب جماعت کے لوگ بغیر خلیفہ پکڑنے کے رہنا نہیں چاہتے تو پھر جھٹ ایک نہیں تین (۳) خلیفے بنائے ہیں یعنی مولوی غلام حسن صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب و مولوی محمد علی صاحب۔ ''خلیفۃ المسیح'' کا لفظ تو خیر پہلے دو بزرگوں کے نام سے مخصوص کیا ہے اور مولوی محمد علی صاحب کے نام کے ساتھ کئی لفظ بدل چکے ہیں۔ امیر قوم، میر مجلس، پریذیڈنٹ صاحب وغیرہ کوئی کسی کو بڑا سمجھتا ہے، کوئی کسی کو۔ عجیب قسم

کی گڑبڑ مچ رہی ہے۔ اب سنیئے کہ مرزا صاحب قادیانی مسئلہ خلافت کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ رسالہ خلافت احمدیہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

''ضرور ہے کہ آج بھی اسی طرح خلافت ہو جس طرح رسول کریم صلعم کے زمانہ میں تھی۔'' (ص ۵ سطر ۱۳)

''پس جس طرح وہاں ایک خلیفہ تھا یہاں بھی ایک خلیفہ ہوگا۔'' (ص ۲۰ سطر ۱۲)

''اول خلیفہ سوائے حضرت مولوی نورالدین کے اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔'' (ص ۳۰ سطر ۴)

''ایک خلیفہ کی وفات پر دوسرا ہوگا اس کے بعد تیسرا پھر چوتھا۔ اسی طرح ان شاءاللہ تعالیٰ اس کے وعدہ کے مطابق یہ سلسلہ چلا جائے گا۔ (ص ۷ اسطر ۱۰)

پھر لکھا ہے کہ اگر دو خلیفے ہوں تو ایک کو قتل کر دینا چاہیے۔ (ص ۷ سطر ۵)

شریعت اسلام میں ایک سے زائد خلیفہ کی اجازت نہیں بلکہ حکم ہے کہ اگر ایک خلیفے کی موجودگی میں دوسرا دعوی کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (ص ۲۰ سطر ۱۴)

خدا نے تجھ پر (بنی اسرائیل پر) طالوت کو بادشاہ بنایا ہے جس پر اس وقت بھی چندلوگوں نے کہا کہ "نحن احق بالملک منه" اگر جمہوریت خدا تعالیٰ کو پسندیدہ ہوتی تو ایک انجمن مقرر کی جاتی نہ بادشاہ اور یہ بھی لکھا کہ خدا نے فرمایا کہ امت محمدیہ کی خلافت امت بنی اسرائیل کی خلافت کے مطابق ہوگی۔ (ص ۶ سطر ا تا ۶)

مرزا صاحب کا یہ الہام ہے کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' اس الہام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے بعد جمہوریت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ آپ کی جماعت میں بادشاہ ہوں گے اور یہی زبردست اور طاقتور ہوں گے۔ (ص ۱۱ سطر ۱۴)

مرزا صاحب کے خیالات جو خلافت کے متعلق لکھے گئے ہیں اس کو آپ غور

سے ملاحظہ کریں اور پھر خود ہی اندازہ لگائیں کہ ان دونوں گروہوں میں یعنی لاہور کی مرزائی جماعت اور قادیانی جماعت میں سے کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ اس کے متعلق ہم کوئی اپنی رائے نہیں ظاہر کرتے مرزائی صاحبان پر ہی چھوڑتے ہیں کہ وہ خود ہی انصاف سے فیصلہ کریں مگر اتنا ضروری عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ لاہور کے مرزائیوں نے تو کئی خلیفے بنائے اور قادیان میں ایک ہی خلیفہ کی تابع داری کی جاتی ہے مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں جیسا کہ خلافت احمدیہ سے عبارت نقل کی گئی ہے کہ ایک خلیفہ سے زیادہ خلیفوں کا حکم اسلام میں ہرگز نہیں اگر کوئی دعوی کرے تو اس کو قتل کرنا چاہیے۔

اب مرزائی صاحبان خدارا انصاف کریں اور خدا کو حاظر ناظر کر کے سچ کہیں کہ مرزا صاحب سچے تھے یا یہ سچے ہیں؟ مرزا صاحب کے حکم کے مطابق تو ایک خلیفے سے زائد حکم بالکل نہیں اگر کوئی ہو تو وہ واجب القتل ہے وغیرہ۔ اب اس وقت ایک خلیفہ جو تمام جماعت کا قادیان میں سردار مانا جاتا ہے اور لاہور کی جماعت مرزائیہ نے تین (۳) خلیفے بنا رکھے ہیں ان میں سے کون رہنے اور کون کون واجب القتل ٹھہرتا ہے۔

امید ہے کہ مرزائی صاحبان اس کا صفائی کے ساتھ جواب دیں گے اگر فی الواقع مرزا صاحب قادیانی کو وہ سچا مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو نبی مانتے ہیں اور مسیح مہدی عیسیٰ وغیرہ صدق دل سے مانتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ وہ مرزا صاحب کے حکم پر عمل کریں اور ایک خلیفہ کو اپنا امام اور راہنما بنائیں اور باقی جو ہیں ان کو مرزا صاحب کے حکم کے مطابق قتل کر دیں۔

راقم

خادم الاسلام ملا محمد بخش سابق ایڈیٹر ہنٹر لاہور



۳مئی ۱۹۱۵ء صفحہ ۹

لاہوری مرزائیوں کا نیا امیر اور ایڈیٹر صاحب وطن

مسٹر محمد علی صاحب ایم اے جو مرزا قادیانی کے ان خاص الخاص مریدوں میں سے ہیں جن کا نام مرزا صاحب کی تین سو تیرہ (۳۱۳) اصحاب کی فہرست میں درج ہے۔ یہ صاحب عرصہ دراز تک قادیان میں ملازم رہ کر قادیانی مشن کی تبلیغ کرتے رہے۔ حکیم نور دین صاحب کے مرنے پر آپ نے خلافت کی امید سے مایوس ہو کر لاہور کی ٹھانی اور یہاں پہنچ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر تبلیغ شروع کر دی۔

مسٹر محمد علی صاحب نے حال میں ایک رسالہ شائع کر کے تمام کلمہ گو مسلمانوں کو جو مرزائے قادیانی کو نبی نہیں مانتے۔ کافر اور یہودی وغیرہ لکھا ہے۔ اس میں تمام بزرگان دین، سادات، صوفیائے کرام اور علمائے دین شامل ہیں۔ مسٹر موصوف کے عقیدے کے مطابق ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام مسلمان جن کی تعداد تیس چالیس کروڑ تک پہنچتی ہے، سب کو یہودی و کافر قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے ایسے مرزائی امیر پر۔

اس مضمون پر پیسہ اخبار کے ایک فاضل نامہ نگار نے ۲ مارچ کے روزانہ پیسہ اخبار کے صفحہ ۳ پر ''مصنوعی امیر المومنین کا فتوی مسلمانوں کے متعلق'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اس میں مسٹر محمد علی ایم اے کی مولویت اور تمام مسلمانوں کو یہودی اور کافر بتانے کے متعلق نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے اور مرزائیوں کے امیر قوم مسٹر محمد علی کی خوب قلعی کھول کر پبلک (Public) کو دکھلا دی ہے اور یہ روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو یہودی یا کافر قرار دے وہ خود یہودی اور کافر ہوتا ہے۔ غرض کہ مسٹر محمد علی کی لیاقت اور قابلیت کا خوب ہی خاکہ اڑایا ہے۔

ہمارے لاہور کے نامور اور فاضل ایڈیٹر وطن مولانا مولوی محمد انشا اللہ صاحب [۶۵] نے بھی (جن سے پبلک کو انٹروڈیوس [introduce] کرانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ان کی شہرت اور قومی خدمات بڑی بڑی عربی کتب سیر وغیرہ کے اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کرتے رہنے سے روز روشن کی طرح آشکارا ہیں) روزانہ اخبار وطن میں مرزائیوں کے امیر قوم کے مذکورہ بالا فتوی پر مسٹر محمد علی کی وہ گت بنائی تھی کہ الامان۔ گو یہ نوٹ بہت مختصر تھا مگر جامع اور مدلل تھا۔ مسٹر محمد علی کی علمی لیاقت اور مضمون نگاری کی مولانا صاحب نے خوب ہی مٹی پلید کی تھی اور مسٹر موصوف کے ان بھدّے خیالات پر خوب ہی شرافت اور متانت سے اسلامی دُرّے لگائے تھے مگر ہم حیران ہیں کہ تھوڑے ہی دن بعد ہمارے مکرم معظم مولانا صاحب ایڈیٹر وطن کے خیالات میں ایسی فوری تبدیلی واقع ہوئی کہ انہوں نے پرچہ روزانہ مطبوعہ ۱۳ اپریل میں مسٹر محمد علی کی ایک کتاب تفسیری نوٹ پر ایک لمبا چوڑا تعریفی مضمون لکھا اور مسٹر موصوف کو حضرت عیسٰی ابن مریم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ سے بھی جو چوتھے آسمان پر ہیں-بالاتر پہنچا دیا اور وہ تعریف کی کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے اور ۴ روپیہ مسٹر محمد علی کی دونوں کتابوں کی پچاس (۵۰) جلدوں کی قیمت ادا کر کے بے چارے ملاؤں پر یہ مہربانی کی کہ وہ مسٹر محمد علی مرزائی سے دونوں کتابیں منگوائیں اور ایک روپیہ کے ٹکٹ بھیج دیں۔ ہم حیران ہیں کہ مولوی صاحب کو یہ کیا سوجھی کہ ایک تولہ چار دے کر ناحق کی تائید کی اور اس پر یہ بھی بس نہیں کی بلکہ یہ بھی چاہا کہ بیچارے مسجدوں کے اَن پڑھ غریب ملاں بھی ساتھ ہی ڈوبیں۔

خدا کا لاکھ شکر اور ہزار حمد ہے کہ ابھی اسلام میں غیرت مند اور باحمیت مسلمان اسلام کی خدمت کے واسطے کمربستہ موجود ہیں۔ خداوند کریم ان کی ہمت اور حمیت میں برکت دے اور یہ اسلام کی بدستور خدمت کرتے رہیں۔ روزانہ پیسہ اخبار مطبوعہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۵ء کے صفحے پر کسی باغیرت اور باحمیت مسلمان

نے مسٹر محمد علی مرزائی کی کتاب قرآن کریم کی تفسیر میں نوٹ پڑھ کر اسلامی غیرت سے ایک مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ''مسٹر محمد علی ایم اے کے تفسیری نوٹ''۔ مضمون مذکورہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسٹر موصوف نے اس کتاب کو سرور شاہ مرزائی کی تفسیر اور حکیم نوردین صاحب کے درس کے نوٹ اور مترجمہ پارہ سے اقتباس کر کے اس تفسیری نوٹ کو تحریر کیا ہے اور کچھ حصہ مسٹر موصوف نے قادیان کی ملازمت میں لکھا تھا وہ درج کیا ہے باقی تمام ادھر ادھر سے جوڑ میل کیا ہے۔

پیسہ اخبار کے فاضل نامہ نگار نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مسٹر مذکور کے عقائد جو اس کتاب سے ظاہر ہیں اجماع امت کے بالکل خلاف ہیں جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں کوئی معجزہ آیا ہے مسٹر موصوف نے اپنی جماعت کے شیوہ کے مطابق اس کی تحریف کر کے اس کے ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ہم پیسہ اخبار کے فاضل نامہ نگار کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایسی گم راہ کن تحریر کا خاکہ اڑا کر گم راہ ہونے سے بچایا اور مرزائیوں کے فرضی امیر قوم کے تمام علم وفضل پر پانی پھیر کر محض بیہودہ اور لغو ثابت کر دکھلایا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

ہم حیران ہیں کہ ہمارے فاضل اور حنفی المذہب مولانا مولوی انشاء اللہ صاحب نے کس خیال پر تفسیری نوٹ کی تائید کی اور مبلغ ۔۔۔ کا ایندھن خرید کر مسٹر موصوف کے ہی حوالے کر دیا کہ جس سے وہ کم علم مسلمانوں کے لیے متاع دین وایمان کو جلا کر خاکستر کر دیں۔ ہمیں مولانا صاحب کی تجربہ کاری اور نکتہ شناسی پر تعجب آتا ہے کہ مولوی صاحب نے دیدہ ودانستہ کیوں ایسا کیا۔ غالباً اس میں کوئی راز سربستہ ہے۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ مولوی انشاء اللہ صاحب مرزائی نہیں ہیں۔ مرزائی عقائد کے سخت مخالف ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ۱۳ اپریل کے اخبار میں صاف لکھ دیا ہے۔ ہم اس راز کو ابھی طشت ازبام نہیں کرنا چاہتے کسی اور وقت پر چھوڑ دیتے

ہیں۔ سردست مختصر طور پر اتنا جتلائے دیتے ہیں کہ فریقین نے ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' والی مثل پر عمل کر دکھایا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء کے پرچہ وطن میں مولوی صاحب نے مسٹر محمد علی کی تعریف کی اور ۲۰ اپریل ۱۹۱۵ء کے پرچہ اخبار پیغام صلح میں مرزائیوں نے مولوی صاحب کی تعریف میں پلوں کے پُل باندھ کر اخبار کے دو کالم سیاہ کر دیے، کیوں نہ کرتے آخر۔۔۔ کا کچھ شکریہ ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ نیز مولوی عمادی صاحب ایڈیٹر زمیندار کے علم و فضل کی بھی نہایت بلند آہنگی سے تعریف کی اور ان کی تنقید کے وہ فقرات بھی درج کر دیے جن سے تفسیری نوٹوں کی تعریف نکلتی تھی اور افسوس کہ وہ حصہ قطعاً چھوڑ دیا جس میں مولوی عمادی صاحب نے مسٹر محمد علی کی عربی دانی کا نہایت لطیف پیرایہ میں خاکہ اڑایا ہوا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ مسٹر مذکور عربی محاورات کے سمجھنے سے بالکل نابلد ہیں۔ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ ایڈیٹر پیغام صلح [د] نے وہ حصہ کیوں چھوڑ دیا جس سے مسٹر موصوف کی علمی لیاقت کا راز طشت از بام ہوتا ہے اور ان کی قابلیت کی قلعی کھلتی ہے۔ کیا یہی دیانت داری ہے!!!

مسٹر محمد علی مرزائی کی علمی لیاقت اور قانون دانی کا خاکہ اخبار عام ۱۸۹۷ء میں منشی امام دین صاحب منشی فاضل کی بحث میں خوب اڑ چکا ہے۔ ان کا علم و فضل ہمیں اچھی طرح معلوم ہے اور آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسٹر محمد علی کتنے پانی میں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مسٹر محمد علی صاحب ایک روز کھلم کھلا نبوت کا دعویٰ کریں گے اور ضرور کریں گے۔ یہ ابھی ابتدائی منزل ہے۔ مرزا صاحب قادیانی نے بھی اسی طرح آہستہ آہستہ شروع ہو کر اخیر پر پوری نبوت کا دعویٰ کر دکھایا تھا۔

راقم

ملا محمد بخش خادم الاسلام لاہور



[۱۹۱۷ء/۱۳۳۵ھ کی فائل سے]

یکم جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۲، ۳

معجزۂ شق القمر سے مرزا محمود کا انکار

معجزۂ شق القمر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چمکتا ہوا معجزہ ہے اور جس پر نص قرآنی شاہد ہے اور جس کو اسلامی دنیا میں ہر زمانہ میں بلانکیر منکر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے سامنے باوجود قرآن میں روس الاشہاد دعوی ہونے کے مخالفین (کفار) بھی دم بخود رہ چکے ہیں۔ افسوس کہ مرزا محمود قادیانی نے پروفیسر مارگولیتھ کے سامنے اس معجزہ سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ شق القمر کا یہ معنی نہیں ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا جیسا کہ مشہور ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قمر عرب کی مملکت کا نشان تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی رنگ میں دکھلایا گیا کہ قمر دو ٹکڑے ہو گیا ہے اور یہ کشف دوسروں کو بھی دکھایا گیا اس قسم کا کشف جو دوسروں کو بھی دکھائی دے اس زمانہ میں یہی ہوا ہے اور ہو سکتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کشف میں دکھایا گیا ہے کہ چاند پھٹ گیا ہے جس سے یہ مراد تھی کہ عرب کی حکومت تباہ ہو جائے گی اس قسم کی کشف کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ (دیکھو الفضل قادیان مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء)

ہمیں سخت افسوس ہے کہ مرزا محمود نے جب دیکھا کہ پروفیسر کے سامنے بوجہ اپنی کم علمی کے اس معجزہ کو دلائل سے ثابت نہیں کر سکیں گے تو سرے سے ہی منکر ہو گئے اور بجائے حقیقی معنی کے اس کو خواب اور کشف پر محمول کرنے لگے جس کشتی کے ایسے ناخدا ہوں اس کشتی کا خدا حافظ

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم طریق الھالکینا

کاش مرزا محمود کو اگر اسلامی کتب تفسیر و حدیث سے واقفیت نہیں تھی تو ان کو

اپنے پدر بزرگوار کی تصانیف پر ہی عبور ہوتا تو وہ اس موقعہ پر یوں ٹھوکر نہ کھاتے کیا مرزا محمود کے پاس سرمہ چشم آریہ بھی موجود نہیں ہے تو ذرا اس کو کھول کر دیکھیں کہ محمود کے والد ماجد باوجود اس کے کہ ایسی رکیک تاویلات کرنے کے وہ امام تھے اور معراج جسمانی سے منکر ہو کر اس کو ایک خواب اور رؤیا قرار دیتے تھے پھر بھی معجزہ شق القمر کے اصلی معنی پر واقع ہونے کے وہ قائل تھے چنانچہ ماسٹر لیدھر ڈرائینگ ماسٹر آریہ سے ان کا جو مباحثہ ہوا اور ان کی جو کتاب سرمہ چشم آریہ میں درج ہے اس میں انہوں نے بڑے شدومد سے معجزہ شق القمر کو اپنے اصلی معنی سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور مرزا صاحب نے رسالہ مذکورہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اس موقعہ پر اس کی عبارت کا مختصر اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے ماسٹر کے اس اعتراض پر کہ شق القمر سے انتظام عالم میں فتور واقع ہو جاتا ہے، یوں لکھا ہے:

اقول: اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لیے لازمی امر نہیں ہے۔ حکیم مطلق کی بے انتہا حکمتوں سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے ان کے فعل میں فرق نہ آئے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اقتربت الساعة و انشق القمر

نزدیک آ گئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔

اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ روز ازل سے حکیم مطلق نے ایک خاصہ مخفی چاند میں رکھا تھا کہ ایک ساعت مقررہ پر اس کا انشقاق ہوگا۔

پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ اگر غور کر کے دیکھو تو اس قسم کے ہزار ہا عجائب کام اللہ تعالیٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ زمین پر سخت زلازل آتے ہیں اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہو گئی ہے مگر پھر بھی انتظام قائم رہا اور کوئی فتور واقع نہیں ہوا حالانکہ جیسے چاند کو انتظام میں دخل ہے ویسا ہی زمین

کو۔۔۔غرض یہ ملحدانہ شکوک انہیں دلوں میں اٹھتے ہیں جو خدا تعالیٰ کو اپنے (جیسا) ضعف اور کمزور خیال کرتے ہیں پھر اس سے آگے مرزا صاحب نے ہندووں کی کتاب مہا بھارت کی شہادت لکھی ہے کہ ایک زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوکر پھرمل گیا تھا اور نیز تاریخ فرشتہ سے وہ روایت نقل کی ہے کہ شہر دھار کے راجہ نے اپنے محل کی چھت پر بیٹھ کر دیکھا کہ چاند دوٹکڑے ہوگیا اور پھرمل گیا اور بعد تفتیش راجہ کو معلوم ہوا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معجزہ ہے تب وہ مسلمان ہوگیا۔غرض مرزا جی نے اس بارے میں اپنے اس رسالہ میں بہت کچھ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ واقعی چاند دوٹکڑے ہوکر پھرمل جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبردست معجزہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بصراحت ہے اور جس پر اس زمانہ کے کفار کو اعتراض کی بھی جرات نہیں ہوئی۔

اب ہم مرزا محمود سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس کو سچا کہیں باپ کو یا بیٹے کو۔ باپ تو شق القمر کے اصلی معنی کا قائل ہے لیکن لائق بیٹا اپنے باپ کے برخلاف اس واقعہ کو صرف کشف اور رؤیا سے تعبیر کرتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اگر پروفیسر سے مناظرہ کرنے کی آپ اہلیت نہ رکھتے تھے تو پہلے یہ جرات ہی کیوں کی۔آپ نے پروفیسر کے سامنے جس بزدلی کا اظہار کیا یہ آپ اور آپ کے متبعین کے لیے موجب شرم ہے ایسا ہی جواب آپ نے پروفیسر کے اس سوال پر۔کہ قرآن کے بے مثل ہونے کا جو معجزہ ہے کیا وہ دوبارہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔دیا کہ ہمارے مرزا صاحب نے بھی بیس (۲۰) دفعہ یہ معجزہ دکھایا یعنی عربی کتابیں لکھ کر بیس ہزار تک انعام رکھا کوئی مقابلہ نہ کرسکا کیسا لغو اور بیہودہ جواب ہے۔مرزا صاحب کی عربی عبارات میں سوائے اس کے کہ مخالفین کو گالی گلوچ دی گئیں اور اپنی فخر و تعلّی میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں کون سی خوبی ہے کہ کلام الٰہی کے ساتھ اس کو نسبت دی جاتی ہے اور جس قدر فحش غلطیاں علماء وقت نے گن گن کر مرزا صاحب کی عربی

عبارات میں بتائیں اور جن کی مختصر فہرست پیر صاحب گولڑوی کی سیف چشتیائی میں چھپ چکی ہے اس کے جواب دینے سے مرزا صاحب بھی عاجز رہے اور آپ بھی عاجز رہیں گے۔ نمونہ کے طور پر ہی آپ کی خدمت میں مرزا صاحب کا ایک الہام عربی پیش کرتے ہیں آپ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں الہام ہوا ہے: **الارض والسماء معک کما هو معی** (زمین و آسمان تیرے (مرزا کے) تابع ایسے ہی ہیں جیسے میرے (خدا کے) تابع ہیں۔ اس الہام میں یہ دعویٰ کہ زمین و آسمان جیسے ان کے خالق اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں ویسے ہی ایک عاجز مخلوق (مرزا جی) کے تابع بھی ہیں۔ ایک شرک جلی بلکہ اجلی ہونے کے علاوہ نحوی قاعدہ کے رو سے بھی یہ عبارت سراسر غلط ہے کیونکہ کماھو کی ضمیر کا مرجع ارض وسماء دو چیزیں ہیں۔ پھر ھو ضمیر واحد صحیح نہیں بلکہ ھما چاہیے اور واحد بھی ہوتو ھی چاہیے کیونکہ ارض و سماء مذکر نہیں بلکہ مونث سماعی ہیں۔ کیا مرزا محمود ہمیں اس کا جواب دیں گے؟



یکم جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

مرزائیوں کا اپیل خارج

قبل اس کے ناظرین اس مقدمہ کی کیفیت پڑھ چکے جو مرزائیوں کی طرف سے مونگیر صوبہ بہار کی عدالت سبارڈینیٹ جج اور صاحب ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں فیصل ہو کر قرار دیا گیا تھا کہ سنیوں کی مسجد میں مرزائی علیحدہ نماز پڑھنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اور اس کا اپیل عدالت ہائی کورٹ پٹنہ میں دائر کیا گیا تھا اور مرزائیوں کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بی اے اور سنیوں کی طرف سے مسٹر مظہر الحق پیروکار تھے۔ افسوس کہ اپیل میں بھی مرزائی ناکام رہے، اپیل خارج ہو گیا۔ ججان ہائی کورٹ نے ظاہر کیا کہ قادیانی فرقہ

کے لوگ اگر چہ کافر نہیں مگر انہیں سنیوں کی مساجد میں جا کر علیحدہ جماعت میں نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں ہے وہ حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔

فاضل ججان ہائی کورٹ نے لکھا کہ الگ جماعت میں نماز پڑھنے کا حق جس کا قادیانی دعوی کرتے ہیں، فضول اور بے معنی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر ایسا کرنے کی اجازت دی جائے تو بعد میں سخت فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

مرزائیوں نے اپنے دعوی کے ثبوت میں جو اسناد پیش کیے وہ ان کے دعوی کو ثابت نہیں کرتے۔ ہر فرقہ اور طبقہ کے لوگ ہر مسجد میں علیحدہ جماعتوں میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں جو انہوں نے خود منتخب کیا ہو مگر ایسی صورت کی کوئی سند نہیں پیش کی گئی کہ ایک نئے فرقہ کے نصف درجن اشخاص کو اس امر کا استحقاق حاصل ہے کہ وہ بزور کسی ایسی مسجد میں جا گھسیں جس میں پشت ہا پشت سے راسخ العقیدہ سنی مسلمان علیحدہ جماعت میں نماز پڑھتے ہیں اور اس طرح اس مسجد کے قدیمی انتظام جماعت میں خلل انداز ہوں بنابریں عدالت نے دونوں اپیل معہ خرچہ مسترد کر دیے۔

افسوس کہ مرزا صاحب نے یہ فتویٰ دے کر کہ ان کی نبوت کا کلمہ نہ پڑھنے والے سب کافر ہیں، خود مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور مسلمان ان کے ادعاء نبوت کی وجہ سے ان کو مسلمان نہ سمجھنے پر مجبور ہوئے اب آپ کی جماعت دو گروہوں میں منقسم ہے:

اول: محمودی

دوم: لاہوری

محمودی فرقہ جو مرزا صاحب کے خلف اکبر میاں محمود کے پیرو ہیں اس عقیدہ پر مصر پائے جاتے ہیں کہ مرزا صاحب حقیقی معنوں میں بھی نبی تھے اور ان کے نہ ماننے والے سب بلاء استثناء کافر ہیں لیکن وہ دوسرا لاہوری گروپ ان کے اس عقیدہ کے بظاہر مخالف پایا جاتا ہے وہ مرزا صاحب کو مجدد اور مسیح موعود اور مہدی مانتا ہے لیکن ان کی نبوت کا قائل نہیں۔ نہ اس بات کا کہ ان کے نہ

ماننے والے کافر ہیں۔ غرض مرزا صاحب کا وجود مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کی بجائے سخت تفریق کا باعث ہوا، بھائی کے جنازہ میں بھائی، باپ کے جنازہ میں بیٹا و بالعکس شامل نہیں ہو سکتے جبکہ وہ دونوں مرزا صاحب کو ماننے والے نہ ہوں۔ پھر جب آپ نے یہ تفریق خود پیدا کر دی تو عدالتوں میں جا کر فریاد کرنا فضول ہے۔

موسیٰ بدیں خود عیسیٰ بدیں خود

لکم دینکم و لی دین پر عمل پیدا ہونا چاہیے۔ مرزائی اپنی مساجد میں جو چاہیں کریں لیکن سنیوں کی مساجد میں ان کے خلاف مرضی مخل امن ہونا کیا فائدہ۔

بہر حال ہائی کورٹ پٹنہ کا یہ فیصلہ بہت سے آیندہ تنازعات کا سدّ باب کر دے گا اور اُمید ہے کہ مرزائی صاحبان اس فیصلہ کو مدنظر فرما کر ایسے تنازعات برپا کرنے سے محترز رہیں گے۔



یکم جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۵

مرزائیوں پر مقدمہ

قاضی فضل احمد صاحب [۶۶] پنشنر کورٹ انسپکٹر لودھیانہ ایک خالص حنفی اور دین دار متقی مسلمان ہیں اور محکمہ پولیس میں بڑے دیانت دار اور نیک نام آفیسر رہ چکے ہیں۔ ان کے برخلاف وہاں کے مرزائیوں نے ایک اشتہار چھاپ کر مشتہر کیا جس میں قاضی صاحب کی نسبت سخت توہین آمیز الفاظ لکھے گئے، جس سے ان کی مسلم نیک نامی کو دھبہ لگایا گیا اور ان کا اور ان کے متبعین کا دل دُکھایا گیا۔ قاضی صاحب نے مرزائیوں کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند مسٹر سٹر بنگ صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ سیکرٹری انجمن احمدیہ لدھیانہ اور مالک مطبع کے نام وارنٹ

جاری ہوئے اور دو دو سو روپیہ کی ضمانت و مچلکہ ہو گئے۔ آئندہ پیشی ۱۵ جنوری ۱۹۱۷ء قرار پائی ہے۔



اس خبر کی بابت ایک مختصر تصحیح سراج الاخبار ۸ جنوری ۱۹۱۷ء کے صفحہ ۶ پر شائع ہوئی جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے؛

تصحیح

سراج الاخبار مطبوعہ یکم جنوری ۱۹۱۷ء میں صفحہ ۵ کالم ۳ پر بصیغہ مراسلت جو یہ خبر چھپی ہے کہ قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر لدھیانہ نے مرزائیوں کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند مسٹر سرینگ صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا ہے اور سیکرٹری انجمن احمدیہ لدھیانہ اور مالک مطبع (جس میں قاضی صاحب موصوف کے برخلاف اشتہار طبع ہوا تھا) کے نام وارنٹ جاری ہوئے- غلط ہے۔ ملزمان کے نام وارنٹ نہیں جاری ہوئے البتہ استغاثہ دائر ہے۔

راقم نامہ نگار



صفحہ ۱۲

قادیانی کی تردید میں

(۱) الذکر الحکیم
(۲) المسیح الدجال
(۳) کانا دجال
(۴) مرزائیوں پر قطع حجت

یہ مرزائیوں کی تردید میں ایسے کامل رسائل ہیں کہ باوجود پانچ ہزار پانچ سو

(۵۵۰۰) روپیہ کے انعامی اشتہارات کے کوئی مرزائی آج تک ان کا جواب نہیں دے سکا۔



۸جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۵

ریویو

[افادۃ الافہام مصنفہ علامہ انوار اللہ خان فاروقی]

اس وقت ہمارے سامنے ایک کتاب (افادۃ الافہام) میز پر رکھی ہوئی ہے جس کا مختصر ریویو لکھنا ہم کو مدنظر ہے اس کے دو حصہ ہیں: پہلا حصہ ۳۷۶ صفحوں پر اور تیسرا حصہ ۳۶۰ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ کاغذ لکھائی ہر دو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مصنف اس کے مولوی حافظ محمد انوار اللہ خان [۶۷] بہادر معین المہام اُمور مذہبی وصدر الصدور صوبہ جات حیدر آباد دکن ہیں۔ قیمت مبلغ دو روپیہ بلا محصول پر مہتمم اشاعت الاسلام مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن سے مل سکتی ہے، جس طرح اکبر بادشاہ ہندوستان کی ملازمت میں نہایت چیدہ چیدہ فضلاء و مدبر و بہادر تھے اسی طرح حضور نظام والی حیدر آباد دکن کی ملازمت میں آج کل لائق عہدہ دار جمع ہیں ایک اسلامی ریاست کے مذہبی معاملات کے سرپرست ہیں جس قابلیت کا ہونا لازمی ہے وہ بحمد اللہ کہ مذکورۃ الصدر میں بہمہ وجوہ ثابت ہے ہم نے مذہبی مناظروں کی اکثر کتب کو دیکھا ہے جن میں بالعموم تہذیب و شائستگی کو مدنظر رکھ کر مرزا صاحب قادیانی کی کتاب ازالۃ الاوہام کا ایسا معقول اور مدلل جواب لکھا گیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے مصنف کی علمیت اور وسعت معلومات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے جس قدر کتب مرزا صاحب کے عقائد ومنہاج کی تردید میں شائع ہو چکی ہیں ان میں کتاب زیر ریویو کے نمبر اول درجہ پر ہے اور لطف یہ ہے کہ بوجہ جلی وخوش خط قلم کے نظر پر

کوئی بوجھ نہیں پڑتا کسی بیان کو شروع کرو پھر ختم کیے بغیر کتاب کا علیحدہ رکھ دینا نہایت شاق معلوم ہوتا ہے جو فائدہ اس کتاب کے مطالعہ سے اہل سنت و جماعت کے عقیدہ والا مسلمان حاصل کرے گا بے شک اس کے عوض میں ہمارا بھی ثواب عنداللہ قائم ہو جائے گا مگر ایک امر کا اظہار باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان قادیانی خیالات کا اس کتاب بنظر تحقیق بالکل بے تعصب ہو کر اول سے آخر تک ٹھنڈے دل سے دیکھے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق و باطل میں امتیاز کر کے راہ راست پر چل پڑے گا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ آیندہ کسی وقت بشرط صحت وفرصت اس کتاب سے چند اقتباسات بنا بر ضیافت طبع ناظرین سراج الاخبار پیش کریں گے۔ بالفعل ہم مصنف صاحب کی ہمت و قابلیت کی داد دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ایسے اشخاص کی عمر دراز ہو اور ان کو اسلامی خدمات کی پوری توفیق ملے۔ آمین

یہ کتاب گویا اسلامی اسرار و معارف کا ایک بحر عظیم ہے اور وہ خوش قسمت ہے جو اس کا مطالعہ کرتا ہے۔

راقم

غلام حیدر سابق ہیڈ ماسٹر پنشنر



۲۲ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

نومسلم لارڈ ہیڈ لے

احمدی لاہوری جماعت مبلغین اسلام ولایت میں اپنی فتوحات کا ایک چمکتا ہوا نشان یہ پیش کیا کرتے تھے کہ ان کی وعظ و تبلیغ کے اثر سے لارڈ ہیڈ لے جیسا ایک مقتدر خاندانی یوروپین عیسائی مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ کو یہاں تک اہمیت دی جاتی تھی کہ اس کو مغرب سے طلوع آفتاب کی پیش گوئی کا مصداق بتایا جاتا تھا نیز نومسلم لارڈ ہیڈ لے کو ''فاروق'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ خواجہ کمال

الدین مبلغ مرزائیت کے ہاتھ میں یہی ایک بہت بڑی کارگذاری تھی جس کی بدولت انہوں نے ہندو پنجاب کے مسلمانوں سے بہت سا روپیہ مصارف تبلیغ کے لیے حاصل کیا اور ابھی نداھل من مزید جاری تھی لیکن حال میں نومسلم لارڈ ہیڈ لے کے متعلق ہم عصر کسان لاہور نے بحوالہ اسٹیٹس مین ایک روایت بیان کی ہے جس کو سن کر حیرت ہوتی ہے وہ یہ کہ ۳۱ اکتوبر کو لارڈ ہیڈ لے واٹرلوئیشن کے باہر سیر وتفریح میں مصروف تھے کہ مے نوشی اور بدامنی کے جرم کی جواب دہی کے لیے ان کو پولیس کورٹ لنڈن میں حاضر ہونا پڑا۔ لیکن مقدمہ کی سماعت کے روز یکم نومبر کو وہ حاضر عدالت نہ ہوئے ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ اس روز کیوں حاضر نہیں ہوئے اور کیوں ان کی ضمانت ضبط نہ کی جائے ایک سپاہی نے بیان کیا کہ جب ان کو واٹرلوئیشن سے باہر نکال دیا گیا تو انہوں نے سڑک پر جاکر ایک عورت کے گلے میں اپنے ہاتھ ڈال دیے، بہت سے لوگ اس جگہ جمع ہوگئے جس وقت سپاہی نے ان کو گرفتار کیا تو ان کے منہ سے شراب کی بُو آرہی تھی، وہ لڑکھڑا کر چل رہے تھے ان کا طرز انداز ثابت کرتا تھا کہ وہ کوئی شریف آدمی نہیں۔ پولیس سارجنٹ نے کہا کہ لارڈ ہیڈ لے کے طریق اور انداز گفتگو پر شراب کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ انسپکٹر پین نے بیان کیا کہ جب انہوں نے لارڈ موصوف کو اپنے چارج میں لیا ہے تو انہوں نے راستہ میں دو مرتبہ گرنے اور گردن میں ہاتھ ڈال کر ناک کاٹنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کو بُرا نہیں مانا اور خیال کیا کہ محض تفریح کے طور پر وہ ایسا کررہے ہیں جب لارڈ ہیڈ لے بیان دینے کے لیے کمرہ عدالت میں داخل ہوئے تو انہوں نے حلف لینے سے انکار کیا کہ میں سلطنت فارمنس ہوں، یہی حلف میرے لیے کافی ہے میں ایک مدت تک سول انجینئر کا کام کرتا رہا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ میں نے کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا۔ ۳۰ اکتوبر کی شب کو میں بعض پیچیدہ معاملات پر غور کرتا رہا اور جب ۳۱ اکتوبر کی شام کو میں اسٹیشن میں داخل ہوا تو نیند کا بے حد غلبہ تھا مجھے یاد ہے کہ میں نے ۳۱ اکتوبر کو محض

(سٹاوٹ-ایک ہلکی قسم کی شراب) کی صرف دو بوتلیں پی لیں اور ایک قہوہ کی پیالی پی تھی۔

وکیل نے سوال کیا کہ تم نے کسی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈالے تھے؟

لارڈ ہیڈلے: ہرگز نہیں۔

اگر ایسا ہوتا تو میں کسی نوجوان عورت کا بوسہ لینے کی کوشش کرتا، میں ایسا بارہا کر چکا ہوں نہ کہ بوڑھی عورت کا بوسہ لیتا جیسا کہ اس سپاہی نے بیان کیا ہے، یہ تو بالکل تمسخر انگیز ہے۔

مجسٹریٹ نے لارڈ موصوف پر ۱۰ شلنگ جرمانہ کیا، جس کا اپیل وہ کرنا چاہتے ہیں۔

اگر یہ روایت صحیح ہے اور غالباً صحیح ہے کیونکہ ابھی تک اس کی تردید نہیں کی گئی تو ایسے نومسلم پر احمدی مبلغین کا اس قدر فخر کرنا باعث شرم ہوگا۔



۲۲ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۰

مرزائیوں کا مقدمہ

لدھیانہ میں جو مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر کی طرف سے وہاں کے مرزائیوں کے خلاف دائر ہے۔ ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء کو عدالت مسٹرینگ صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں پیش ہوا۔ ملزمان کی دو دو سو روپیہ کی ضمانت لی گئی۔ اس کے بعد پھر ۱۵ جنوری ۱۹۱۷ء کو مقدمہ پیش ہوا۔ فریقین معہ وکلاء خود حاضر تھے۔ عدالت کی طرف سے کہا گیا کہ باہم مصالحت کی جائے۔ مرزائیوں نے کہا کہ کوئی ثالث مقرر کیا جائے اور خواجہ احد شاہ کا نام مرزائیوں نے پیش کیا۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا کہ ہمیں تو اس پر کوئی عذر نہیں ہے۔ گو فوجداری مقدمہ میں ثالث ہونے کا کوئی قانون بھی نہیں ہے لیکن اگر ثالث کرنا ہو تو بہتر ہوگا کہ کوئی

یوروپین کیا جائے چند نام بھی قاضی صاحب نے پیش کیے اس پر مرزائی چپ ہو گئے اور کوئی بات قرار نہ پائی۔ آئندہ تاریخ پیشی ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء مقرر ہوئی ہے۔ مقدمہ سننے کے لیے شہر کے بہت سے مسلمان (جمع) ہوئے تھے۔



۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء

مبلغ قادیانیت کی مراجعت

پیغام صلح راوی ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب احمدی[۶۸] مبلغ انگلستان سے واپس آ کر ۲۴ جنوری کو صبح کے ساڑھے نو بجے لاہور پہنچ گئے ان کے ہواخواہوں نے اسٹیشن پر پُر جوش استقبال کیا۔ مولوی صدرالدین کے ہم راہ شیخ نور احمد جن کو ''ہلال ووکنگ'' کا لقب جماعت کی طرف سے ملا ہے بھی واپس آئے۔



۱۲ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

قادیانی

اس نام کا ایک رسالہ حصہ اول انجمن تائید اسلام لاہور نے چھاپ کر شائع کیا ہے جو ہمارے پاس بغرض ریویو موصول ہوا ہے۔ مصنف رسالہ ہمارے مکرم دوست شیخ غلام حیدر صاحب ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اس رسالہ میں قادیانی جماعت کے اس ترجمہ قرآن مجید پر تبصرہ کیا گیا ہے جو اردو اور انگریزی میں انہوں نے چھاپ کر شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ میں جیسا کہ فاضل مصنف نے اپنے رسالہ میں بیان کیا ہے قادیانیوں نے قرآن کی صریح تحریف سے بڑی بے با کی سے کام لیا ہے۔ ان آیات کا جو خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں مرزا غلام احمد صاحب کو مصداق قرار دیا ہے اور ان

آیات کا جو کفار مکہ یہود وغیرہ کی نسبت تھیں مصداق ان مسلمانوں کو قرار دیا ہے جو مرزا کی نبوت کا کلمہ نہیں پڑھتے مثلاً سورۂ فاتحہ میں مغضوب علیھم میں مرزا کے نہ ماننے والے مسلمانوں کو بھی داخل کیا گیا ہے۔ و قس علی ھذا و بالآخرۃ ھم یوقنون میں آخرت سے قیامت مراد لینے کی بجائے مرزا قادیانی بیان کیا گیا ہے اسی طرح جابجا مرزا کی نبوت پر آیات کو منطبق کرنے کی بیہودہ کوشش کی گئی ہے اور قرآنی آیات کے مطالب جو باجماع مفسرین آج تک سمجھے گئے ان کے خلاف من گھڑت اور غلط معانی لئے گئے ہیں۔ غرض اس ترجمہ میں ایسا زہریلا اثر بھر گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے مسلمانوں کے عقائد پر دہریت اور بے دینی کا تسلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس رسالہ میں قرآن وحدیث کے رو سے صحیح تفسیر آیات کر کے قادیانیوں کے اس باطل طلسم کو بالکل توڑ دیا ہے اور ان کی باطل اور بیہودہ تاویلات کی پُرزور دلائل سے تردید کر کے عوام کو ایسے مغالطہ میں پڑنے سے بچالیا ہے جس سے ان کے ایمان میں سخت خلل آ جانے کا خطرہ عظیم تھا اس رسالہ کو پڑھنے کے بعد کسی صاحب انصاف شخص کو قادیانیوں کے دعاوی کے بطلان میں شک وشبہ نہیں رہتا۔ کتاب اردو سلیس میں نہایت مدلل اور فیصلہ کن ہے جس کی ضخامت ۳ جزو کی ہے صرف ایک آنہ کے ٹکٹ بھیجنے سے سیکرٹری انجمن تائید اسلام لاہور بھاٹی دروازہ سے مفت مل سکتی ہے۔ مصنف کی یہ سعی قابل تعریف اور انجمن کی ہمت قابل داد ہے جو صرف افادہ اہل اسلام کے لیے ایسی مفید تصانیف شائع کر کے مفت تقسیم کرتی ہے۔



۲۶ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

ایک مرزائی کا کلمہ

آج کل مرزائی جماعت میں جو تفرقہ واقع ہے اس سے ناظرین آگاہ ہیں محمودی اور پیغامی دو پارٹیاں ہیں جو ایک دوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتے؛ محمودی مرزا صاحب کی رسالت و نبوت کے کھلے بندوں قائل، مرزا صاحب کی رسالت کے منکرین کو بلا استثنا کافر کہتے ہیں۔

پیغامی گو کھلے طور پر مرزا جی کی نبوت کو نہیں مانتے لیکن ظلی بروزی کی آڑ میں وہ بھی مرزا جی کو نبی مانے ہوئے ہیں۔

محمودی دوسرے مسلمانوں سے مل کر ہرگز نماز نہیں پڑھتے۔ پیغامی مسلمانوں سے مل کر بعض اوقات نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن بجائے مقتدی بننے کے خود امام بننے کے خواہش مند پائے جاتے ہیں اور ایسا شاذونادر ہوگا کہ پیغامی پارٹی کا کوئی احمدی کسی دوسرے مسلمان امام کے پیچھے بخوشی خود نماز پڑھ لے۔ ایک شخص میاں ظہیر الدین نام مرزائی ان دونوں سے الگ کھچڑی پکا رہا ہے وہ بخیال خود یوسف موعود اور مصلح موعود ہے۔ ہم عصر پیغام صلح راوی ہے کہ میاں ظہیر الدین مرزا صاحب کو شرعی نبی مانتا اور بجائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہ کلمہ یوں پڑھتا ہے لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ۔ (دیکھو پیغام صلح ۱۸ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۴ کالم ۳)

افسوس مرزا جی کی نرالی تعلیم نے ان کے متبعین کی حالت کہاں تک پہنچا دی ہے کیا آج سے پہلے تیرہ سو سال تک کسی مسلمان کو نیا کلمہ ایجاد کرنے کی بھی جرات ہو سکی۔ اگر یہی حالت ہے تو کوئی دن مرزا جی کے متبعین سے ایسے شخص بھی پیدا ہوں گے جو ان کے الہامات وکشف نیا آسمان و زمین پیدا کرنے کے دیکھ کر مرزا جی کی رسالت کا نہیں ان کی اُلوہیت کا کلمہ پڑھنے لگے گا۔ (الٰہی توبہ)



صفحہ ۶

مرزائیوں پر مقدمہ

قاضی فضل احمد صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر کی طرف سے جو مقدمہ محمد شفیع و محمد یوسف مرزائیوں پر زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند بعدالت مسٹر ینگ صاحب مجسٹریٹ درجہ اول لدھیانہ دائر ہے۔۱۲ فروری کو یہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ مدعا علیہا کی طرف سے انتقال مقدمہ کی درخواست اس بنا پر کی گئی کہ مقدمہ میں مذہبی اصول پر ایسے اُمور پیش ہوں گے جس میں مسلمان مجسٹریٹ کی ضرورت ہے۔ وکیل مدعی کی طرف سے یہ کہا گیا کہ ہم کو عدالت یورپین موجودہ کافی ہے کیونکہ جو الفاظ ازالہ حیثیت عرفی اشتہار میں رکھے گئے ہیں ان کے سمجھنے میں کچھ اشکال نہیں۔ صاحب مجسٹریٹ بہادر نے درخواست پر حکم دیا کہ بمراد صدور حکم مثل مقدمہ بحضور صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہادر بھیجی جائے اسی شام کو شیخ داد بخش کوتوال شہر کے پاس محمد شفیع مدعا علیہ نے معافی مانگنے کا اقرار کر کے حلفی وعدہ کیا اس وقت اور بھی بہت سے معززین موجود تھے اس معافی کا چرچا عام طور پر شہر میں ہوگیا لیکن ایک رات کی مہلت لے کر دوسرے دن انکار کر دیا گیا، پھر دوبارہ ۱۴ فروری کو شیخ قادر بخش صاحب کوتوال سے وعدہ کیا جس کی اطلاع عدالت کو بھی ہوئی پھر اس سے بھی انکار کر دیا گیا، پھر سہ بارہ ۱۵ تاریخ کو محمد شفیع کی طرف سے ایک تحریری معافی مانگنے کا وعدہ کر کے عدالت میں درخواست پیش کرنے کی تجویز قرار پائی چنانچہ ۱۷ فروری کو چند معززین اسی غرض کے لیے احاطہ عدالت میں معہ مدعا علیہا گئے اور خواجہ محمد خضر صاحب عرائض نویس سے اسی قسم کی تحریر حسب وعدہ بالا لکھوائی اور مولوی ولی محمد و نواب نظام الدین خان صاحبان نے عدالت میں ہی جا کر اس امر کی اطلاع کی اور مسمی رحمت اللہ والد محمد شفیع مرزائی اور وغیرہ مرزائیاں بھی احاطہ کچہری میں موجود تھے۔ مرزائیوں نے آپس میں

مشورہ کر کے اس درخواست کے دینے سے بھی انکار کر دیا۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**

یہ عجیب کارروائی مرزائیوں کی ہے کہ خود ہی بار بار درخواست معافی کریں اور خود ہی انکار کرتے جائیں۔ ناظرین کی دل چسپی کے لیے یہ حالات درج کیے گئے ہیں۔

راقم
ملا محمد بخش
مینیجر اخبار ہنٹر لاہور حال لدھیانہ



۱۲ اپریل ۱۹۱۷ء صفحہ ۲

نئے نئے ملہم

مرزا صاحب قادیانی نے الہامات کی ایسی بنیاد ڈالی کہ اب گویا الہام بازیچہ اطفال ہو گیا ہے۔ ہر ایک شخص جو اس جدید فرقہ کا پیرو ہے ملہم بننے کا شیدا پایا جاتا ہے اور انا و لا غیری کا دم بھر کر اپنے اندر تمام کمالات انسانی جمع رکھنے کا مدعی اور دوسروں کو کوس رہا ہے۔ لاہوری پیغامی اور قادیانی محمودی پارٹی کے اختلافات اور یہاں محمود صاحب کے نئے نئے دعاوی تو سنا کرتے تھے۔ اب ایک تیسرا شخص میاں ظہیر الدین ساکن اروپ ضلع گوجرانوالہ میدان میں خم ٹھونک کر نکلا اور ھل من مبارز کی صدا بلند کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو جب پیش گوئی مرزا صاحب وہ مصلح معہود و یوسف موعود ہے اس کو الہام ہوتا ہے کہ تُو یوسف ہے اور یوسف کی طرح بھائیوں پر غلبہ پائے گا اور کہ تُو محمود ہے تُو بشیر ہے تُو دین کا چراغ اور کیا کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب و ملت کا ہو اس کے پاس آ کر ہر قسم کے نشان دیکھ سکتا اور حل مشکلات کرا سکتا ہے۔ اس کا ایک الہام یہ بھی ہے کہ ”جس قدر تیری مخالفت میں کھڑے ہوں

گے ہم ان کے گھروں کو تباہ کر دیں گے"۔ گویا مرزا صاحب اور ان کے پیرو دنیا کی تباہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نبی آخرالزمان (فداہ ابی و امی) رحمۃ اللعالمین تھے اور کفار کے لیے بھی آپ نے بھی ہلاکت و تباہی کی خواہش نہ فرمائی تھی۔ میاں ظہیرالدین اپنے پیشوا مرزا صاحب کی طرح مباہلہ کا بھی چیلنج دیتے ہیں اور صادق و کاذب کا معیار اس کو گردانتے ہیں۔ مرزا صاحب تو لوگوں سے مباہلہ کر کے دوسروں کی ہلاکت چاہتے ہوئے خود ہی میدان خالی کر گئے ہیں کہیں میاں ظہیرالدین کا بھی وہی حشر نہ ہو اور لطف یہ کہ مباہلہ کے نتیجہ کے لیے ایک سال مدت قرار دیتے ہیں اور اگر اس عرصہ میں فریق ثانی کو کچھ بیماری وغیرہ کا عارضہ ہو گیا تو بس ان کی صداقت پر مہر ہو گئی۔ کون شخص ہے جس کو سال بھر میں کوئی نہ کوئی عارضہ سر دردی، بخار یا کم سے کم زکام لاحق نہ ہو۔ میاں ظہیرالدین کی طرف سے ان کے ایک مخلص مرید حکیم نور محمد منشی عالم مالک کارخانہ دندان سازی و ہمدم صحت انارکلی لاہور نے ایک اشتہار چھاپ کر ہماری طرف بھی بغرض اشاعت بھیجا ہے جس میں الہامات بالا درج ہیں۔ حکیم صاحب نے اپنے کارخانہ کی شہرت کا یہ عمدہ ذریعہ سوچا ہے خوش اعتقاد لوگ جو باہر سے حل مشکلات کے لیے آئیں گے۔ بصورت بیماری وغیرہ کچھ حکیم صاحب کی نذر بھی کر جائیں گے؛

ایں ہمہ از پئے آں ست کہ زر مے خواہنا



۱۹ اپریل ۱۹۱۷ صفحہ اول

مرزاجی کے الہامات

زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی باحال زار

مرزاجی کے الہامات بھی عجیب ہوتے ہیں جب کوئی واقعہ دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مرزائیوں کے خیال میں مرزاجی کے کسی نہ کسی الہام یا پیش گوئی کی پخ اس کو ضرور لگی ہوئی ہوتی ہے۔ طاعون ہو تو مرزاجی کا الہام پورا ہوتا ہے کوئی زلزلہ آجائے تو مرزاجی کا نشان پورا ہو، کوئی مرجائے تو مرزاجی کی پیش گوئی سچی ہوئی۔ غرض کوئی حادثہ قیامت تک ایسا نہیں ہوسکتا جو مرزاجی کے الہام یا پیش گوئی کی صداقت کی دلیل نہ ہو اور طرفہ یہ کہ آپ کی پیش گوئی یا الہام کسی بھلائی کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ آپ کے الہامات اہل دنیا کی ہلاکت، تباہی اور طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی اور مشکلات ہی کا باعث ہوتے ہیں گویا آپ کا وجود دنیا کے لیے سراسر وبال تھا۔ زندگی میں خلق خدا آپ کی بدگوئیوں اور سخت کامیوں سے پریشان رہی، کئی سال سے آپ فوت بھی ہو چکے ہیں لیکن دنیا سے یہ نحوست پھر بھی دُور نہ ہوئی۔ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ مرزا جی کے وہ صاف اور کھلے الہام اور پیش گوئیاں جو اپنے حریف مولوی ثناء اللہ امرتسری یا ڈاکٹر عبدالحکیم کی موت کی نسبت کیے گئے تھے کیوں پورے نہ ہوئے اور نہ محمدی بیگم کے نکاح کی موکد پیش گوئی پوری ہوسکی اور مرزاجی کے ملہم نے آپ کی یہاں تک بھی یاوری نہ کی کہ آپ کو موت کے وقت سے ہی پہلے اطلاع مل جاتی کہ آپ اپنے دارالامان اور تخت گاہ سے باہر لاہور میں بحالت غربت ومسافرت جان دے کر نقصان مایہ وشماتت ہمسایہ کی رُسوائی حاصل نہ کرتے اور نہ آپ کی نعش مال ٹرین پر لاد کر قادیان پہنچائی جاتی حالانکہ آپ ریل کو ''خردجال'' سے تعبیر کیا کرتے تھے پھر ایسے گول مول الہامات کو توڑ

مروڑ کر خواہ مخواہ کسی واقعہ سے منطبق کرنا مرزائی جماعت کے لیے باعث شرم ہونا چاہیے لیکن؛

شرم چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید

جب کبھی کوئی نیا واقعہ دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مرزائی صاحبان ''نشان نشان'' کی صدا سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں حالانکہ اصل حقیقت کا انکشاف ہونے پر یہ صداقت کا نشان نہیں بلکہ ذلت اور رُسوائی کا نشان ثابت ہوتا ہے۔ حال میں حکومت روس میں انقلاب ہوا ہے اور زار روس تخت سے دستبردار ہو گیا یہ واقعہ واقعات عالم میں کوئی نیا نہیں بلکہ ایسے انقلاب ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ بہت تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ سلطان عبدالحمید ثانی اسی طرح تخت سے معزول کر دیے گئے تھے زار روس کی معزولی کا معاملہ اس سے بڑھ کر کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ بالخصوص جبکہ حال کی جنگ عظیم نے حالات ایسے پیدا کر دیے ہیں کہ حکومتوں میں تغیرات وقوع میں آ رہے ہیں کہیں وزارت کا تغیر ہوتا ہے کہیں دیگر اراکین میں ردوبدل ہوتا ہے۔ اس واقعہ کو بھی مرزا جی کا نشان قرار دیا گیا ہے۔ مرزائی اخبارات پیغامی محمودی اس بارے میں ہم آہنگ ہیں کہ زار روس کی معزولی کا معاملہ مرزا صاحب کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے، کہا جاتا ہے کہ مرزا جی نے اپریل ۱۹۰۵ء میں چند اشعار لکھے تھے جن میں زمانہ حال کی جنگ عظیم کی پیش گوئی کی گئی تھی اور اس میں ایک مصرع یہ بھی ہے کہ

زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار

مرزائی کہتے ہیں کہ بس مرزا صاحب کی صداقت پر مہر ہو گئی، زار کی معزولی کی آج سے پہلے دس (۱۰) سال اس مصرعہ کے ذریعہ خبر دی گئی تھی جو پوری ہوئی۔ چونکہ عام لوگ اصل حالات سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اس لیے اگرچہ مرزا صاحب کی ملہمیت کی حقیقت سے تو واقف ہیں اور ان کے دلوں پر مرزائیوں کا یہ جادو کچھ اثر نہیں ڈال سکتا لیکن شافی جواب دینے سے وہ قاصر

رہتے ہیں جس سے مرزائیوں کو شوخی ہوتی ہے۔ آج کل مرزائی صاحبان اس نشان کی گلی کوچے منادی کر رہے اور بغلیں بجا رہے ہیں کہ دیکھو کیسا عظیم الشان نشان پورا ہوا ہے اور چونکہ ہم مرزا صاحب کے محرم راز اور گھر کے بھیدی ہیں اور اس پیش گوئی کی اصلیت سے بھی ہمیں پوری واقفیت ہے۔ اس لیے عوام کی آگاہی کے لیے وضاحت کے ساتھ اصل حقیقت کا کشف القناع کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے ہم وہ اشعار لکھ دیں جو مرزائی اخبارات نے لکھ کر حال کے محاربہ عظیم سے ان کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے پھر ہم یہ بتائیں گے کہ ان اشعار کے مصنف کی ان سے کیا مراد تھی اور ان اشعار کا مفہوم کیا کچھ ہے:

اشعار

اک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئیگا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہو گا کہ تا باندھے آزار
یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائیگی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آب رود بار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دیگی انہیں مثل درختان چنار
ہوش اڑ جائینگے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی
راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بیخود راہوار

خون سے مردوں کے کوہستان کے آب رواں
سرخ ہو جائینگے جیسے ہو شراب انجبار
مضمحل ہو جائینگے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی باحال زار
اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشان
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفینہ ناشناس
اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دار و مدار
وحی حق کی بات ہے ہو کر رہیگی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار

مرزائی کہتے ہیں کہ یہ اشعار اس عالمگیر جنگ کی پیش گوئی کی نسبت ہیں چنانچہ باقی اشعار سے جنگ اور خون ریزی کی طرف اشارہ ہے اور مصرع ''زار بھی ہوگا'' الخ میں زار روس کی معزولی کی پیش گوئی ہے۔ سو اس موقعہ پر دریافت طلب اُمور یہ ہیں کہ یہ اشعار کب اور کس غرض سے لکھے گئے تھے اس وقت کون سی بات پیش نظر تھی۔ خود مصنف نے ان سے کون سی پیش گوئی مراد رکھی اور اشعار سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور جو معنی خود مرزا صاحب نے سمجھے یا جو اشعار سے ثابت ہوتے ہیں ان کے خلاف اب مرزائی کوئی اور معنی مراد لیں تو وہ کہاں تک درست سمجھے جاسکتے ہیں۔

سو واضح ہو کہ یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب کانگڑہ میں ایک قیامت نما ہولناک زلزلہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو ہوا جس کے باعث سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور صد ہا مکان تباہ ہو گئے اس واقعہ سے تو مرزا صاحب کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے کیونکہ پہلے کوئی ایسی تنگ بندی نہ کی گئی تھی البتہ آئندہ کسی موقعہ کی تلاش میں تھے کہ انہی دنوں ایک انگریز نے یہ پیش گوئی کر دی کہ ۱۱ الغایت ۱۲ مئی ۱۹۰۵ء پھر ایک غضب ناک زلزلہ آنے والا ہے، یہ سن کر مرزا صاحب نے بھی

ایک اشتہار جاری کر دیا جس میں ایک سخت زلزلہ عن قریب آنے کی پیش گوئی کر دی۔ مرزائی صاحبان نے اس پیش گوئی کو یہاں تک اہمیت دی کہ خود باہر جنگلوں میں جھونپڑیاں بنا کر نکل گئے اور رہائشی مکان خالی کر دیے۔ مرزائی ہی نہیں بلکہ مرزا صاحب خود بدولت بھی گھر کو چھوڑ کر ویرانہ جنگل میں اپنے اہل وعیال سمیت نکل کر ہو بیٹھے اور زلزلہ کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ ایسے جھوٹے ملہموں اور منجموں کی عزت منظور نہیں ہے اور نہ کوئی شخص دعویٰ علم الغیب میں سچا ہو سکتا ہے اس لیے وہ دن بالکل خیریت سے گزر گئے کوئی معمولی زلزلہ بھی نہ آیا اور ۱۱، ۱۲ مئی کی تاریخیں بھی گزر گئیں ایک اور انگریز نے جو علم طبقات الارض میں مہارت رکھتا تھا، پیش گوئی کر دی کہ دوسو سال تک ایسا سخت زلزلہ ظہور میں نہ آئے گا اس لیے مرزا صاحب کو ایسے زلزلہ کی اُمید باقی نہ رہی اور پھر نا کام گھر کو واپس آ گئے۔

ان واقعات کا ثبوت ۱۹۰۵ء کے اخبار الحکم میں موجود ہے اور سراج الاخبار میں بھی اس پر نوٹ ہوتے رہے۔ جنگل میں نکل جانے کی تصدیق میں دیکھو اخبار الحکم مطبوعہ ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۳۔ اس میں مرزا صاحب کی طرف سے ایک مضمون بعنوان ''ضروری گزارش قابل توجہ گورنمنٹ'' درج ہے جس میں لکھا ہے؛

''جس میں آنے والے زلزلے سے میں نے دوسروں کو ڈرایا، ان سے پہلے میں آپ ڈرا اور اب تک قریباً ایک ماہ سے میرے خیمے باغ میں لگے ہوئے ہیں واپس قادیاں نہیں گیا، میں معہ اہل وعیال اور اپنی تمام جماعت کے جنگل میں پڑا ہوں اور جنگل کی گرمی کو برداشت کر رہا ہوں۔''

یہ مضمون مرزا جی کو لکھنے کی یہ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس سے پہلے مسٹر ڈوئی صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی طرف سے ان کو ایسی منذر پیش گوئیوں کی نسبت ممانعت ہو چکی تھی اور اس پیش گوئی کی نسبت بھی حکام کی طرف سے نوٹس لیے جانے کا ان کو کھٹکا تھا۔

بہر حال سالم ایک ماہ جنگل کی خاک چھاننے اور جیٹھ ہار کی دھوپ کی گرمی برداشت کرنے کے بعد جب پیش گوئی جھوٹی نکلی اور کوئی زلزلہ نہ آیا تو آپ گھر کو واپس آ گئے اور دنیا پر آپ کی پیش گوئی کی ساری حقیقت کھل گئی۔ سراج الاخبار مطبوعہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۵ء میں اس واقعہ کے متعلق ایک دل چسپ نظم لکھی گئی تھی جس کے چند اشعار ناظرین کی آگاہی کے لیے ذیل میں درج کر دیے جاتے ہیں:

مرزا جی گھر کو چھوڑ کے جنگل میں جاتے ہیں
اور زلزلہ سے قوم کو اپنی ڈراتے ہیں
کہتے ہیں آنے والا ہے بھونچال ہولناک
ہم کو یہی خدا کے فرشتے بتاتے ہیں
شہروں میں جو رہیں گے وہ ہو جائیں گے تباہ
الہام یہ ہمارا ہے سب کو سناتے ہیں
یہ دے کے اشتہار نکل بھاگے ہیں مسیح
دارالاماں سے بوریا بستر اٹھاتے ہیں
گھبرائے مرزائی ہیں پڑھ کر یہ اشتہار
مرشد کی بات سن کے یہ سب کانپ جاتے ہیں
بستے گھروں کو چھوڑ کے سب بھاگنے لگے
جنگل میں جا کے اپنے وہ ڈیرے جماتے ہیں
کچھ دن تو میرزائی رہے انتظار میں
پر زلزلہ کے کوئی نہ آثار پاتے ہیں
واپس گھروں میں آ گھسے چپکے سے لوٹ کر
شرمندگی سے چہروں کو اپنے چھپاتے ہیں
اور راتو رات آ گئے مرزا جی شہر میں
سارے حواری جوتیاں چٹخاتے آتے ہیں

اشعار مصنف مرزا صاحب اس زلزلہ کی پیش گوئی کے متعلق تھے جس کی تفسیر ان کے قول اور فعل سے ہوگئی اور اب ان اشعار سے مراد جنگ کی پیش گوئی لینا تفسیر القول بما لا یرضی به القائل کا مصداق ہوگا جب ملہم کو وحی کے ذریعہ زلزلہ آنے کی اطلاع دی گئی تھی اور اس زلزلہ کی انتظار میں آپ ایک ماہ صحرا میں بھی رہے تو اب اس پیش گوئی کو جنگ کی نسبت قرار دینا انصاف کا خون کرنا اور مرزا جی کی توہین کرنا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ملہم کو اپنے الہام کی سمجھ نہ آئی اور اب ان کے حواریوں کو اس کی ماہیت معلوم ہوئی۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان اشعار سے کیا مفہوم ہوتا ہے سو اشعار سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ کی پیش گوئی ہے جیسا کہ ان الفاظ سے جن پر ہم نے خط کھینچ دیے ہیں صریح مفہوم ہوتا ہے۔ پہلے مصرع میں لکھا گیا ہے کہ یہ نشان عن قریب کچھ دنوں کے بعد آنے والا ہے حالانکہ دس سال بعد کا واقعہ دنوں کے بعد نہیں سالوں کے بعد کہا جا سکتا ہے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ناگہانی زلزلہ آ جانے کی وجہ سے برہنہ بدن سوئے ہوئے آدمیوں کو آزار باندھنے کی بھی فرصت نہ مل سکے گی۔ تیسرے شعر میں صاف درج ہے کہ زلزلہ آئے گا جس سے آدمی اور درخت اور پتھر جنبش میں آجائیں گے پھر چوتھے شعر میں لکھا ہے کہ اس جھپک یعنی طرفۃ العین میں زلزلہ کے جھٹکا سے زمین زیروزبر ہو جائے گی۔ پھر گھڑی اور ساعت اس بات پر تصریح ہے کہ یہ ایک ناگہانی اور فوری حادثہ ہوگا جو گھڑی پل میں وقوع میں آجائے گا لیکن موجودہ جنگ تو سالہا سال سے شروع ہے اور ابھی اس کی انتہا کا کسی کو علم نہیں ہے۔ ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے ان سے مراد برخلاف منشاء قائل جنگ کے واقعات مراد لینا چشم حق بین میں خاک ڈالنے کی بے سُود کوشش کرنا ہے۔

اب یہ بات کہ ''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار'' میں زار کا لفظ کیوں لکھا گیا ہے سو جن اصحاب کو شعر گوئی کا مذاق ہو وہ جانتے ہیں کہ شاعر کو قافیہ

ردیف تلاش کرنے میں بہت بڑی دقت واقع ہوتی ہے بالخصوص مرزا صاحب جیسے شاعر کے لیے جن کی طبیعت میں آمد نہیں بلکہ آورد ہی ہو وہ قافیہ پورا کرنے کے لیے غیر متعلق الفاظ کو بھی گھسیٹ لیا کرتے ہیں چونکہ ''حال زار'' کے قافیہ کے ساتھ ''زار'' کا لفظ ابتدا میں ایزاد کرنا ایک تفنن ہے اس لیے مصرع یوں باندھ لیا گیا۔ ورنہ شاعر کے نقطۂ خیال میں زلزلہ بھونچال سے بڑھ کر اور کسی واقعہ کی طرف ہرگز التفات نہ تھی اور نہ ہوسکتی ہے اور یہ بات کہ تلاش قافیہ میں ان اشعار کا لکھنے والا سخت دقت میں مبتلا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض جگہ آپ نے صرف قافیہ کی غرض سے بے معنی الفاظ بھی جڑھ دیے ہیں جیسا کہ مصرع؛

بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار

میں ''ہزار'' کا لفظ ہے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ لفظ یہاں کوئی معنی رکھ سکتا ہے۔ کلا وحاشا

اگر اس سے مراد ہزار داستان ہو تو اس کی کوئی نظیر بتائے کہ یہ حذف کیسے درست ہوسکتا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی باقی اشعار ہیں جن کی نسبت اہل ذوق خیال کر سکتے ہیں کہ وہ کس قدر فصاحت سے گرے ہوئے اور عامیانہ ہیں۔ سو ایسے شاعر نے یہاں ''زار'' اور ''حال زار'' کی بندش کر دی ہے تو محض یہ ایک شاعرانہ مجبوری ہے۔

اس سے مراد زار روس کی معزولی ہرگز نہیں ہوسکتی علاوہ ازیں موجودہ جنگ کی نسبت ان اشعار کو چسپاں کرنے سے زار روس کی حال زار بتانا گویا اتحادیوں کی کمزوری دکھانا ہے۔ جن کے خلفاء میں سے زار روس بھی ہے حالانکہ برطانوی رعایا میں داخل ہو کر ایسا خیال کرنا حکومت وقت کی بدخواہی میں داخل ہے اور یہ تاویل کہ یہ زار روس کی شخصیت کے متعلق ہے سلطنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ایک بیہودہ تاویل ہے کیونکہ اس صورت میں اس کو زار کے لقب سے تعبیر کرنا جائز نہیں ہوسکتا بلکہ نکولس ثانی سے تعبیر کرنا چاہیے تھے۔

زار کا لقب ساتھ رکھ کر اس کی حالت زار بتانا گویا سلطنت روس کی کمزوری بیان کرنا ہے جو واقعات اور ہمارے خیالات کے منافی ہے۔ بہر حال ان اشعار میں موجودہ جنگ کی طرف کوئی اشارہ و کنایہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ ایک زلزلہ کی پیش گوئی تھی جو غلط ثابت ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے مرزائی احباب آیندہ ایسے نشانات بیان کر کے جگ ہنسائی کرنے سے پرہیز کریں گے کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے اس نشان پر ہندو اخبارات کیا کچھ مضحکہ اور تمسخر اڑا رہے ہیں۔



۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء ص ۸

مقدمہ فسخ نکاح

امرتسر محلّہ کٹڑہ بگیاں میں ایک لڑکا مرزائی ہو گیا ہے اس کی بیوی نے عدالت میں فسخ نکاح کا دعوی دائر کر دیا۔ مضمون دعوی یہ تھا کہ چونکہ میرا خاوند مرزائی ہو گیا ہے اور مرزائی بحکم فتوی علماء اسلام کافر ہیں لہذا نکاح اس سے فسخ کیا جائے۔ مدعیہ کی طرف سے چھ (۶) علماء گواہ طلب ہوئے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری، مولوی عبدالصمد صاحب امرتسری، مولوی غلام مصطفیٰ صاحب امرتسری۔

پہلے دو صاحب نہ آئے۔ باقی چار صاحبوں کی شہادتیں ۱۹ مارچ کو سب جج صاحب کی عدالت میں ہوئیں، چاروں کا بیان متفق تھا کہ مرزا صاحب دعوی نبوت اور توہین حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام وغیرہ کرنے سے کافر تھے اور ان کے اتباع بھی اسی کے حکم میں ہیں۔ موجودہ خلیفہ قادیانی کی تحریرات مثل انوار خلافت وغیرہ سے پیش کی گئی ہیں وہ منکرین مرزا کو کافر لکھتے ہیں۔ اس کے

علاوہ مرزا صاحب کے فتاوی پیش ہوئے جن میں وہ صاف لکھتے ہیں کہ کسی غیر مرزائی کے ساتھ لڑکی کا نکاح نہ کرو۔



۷ مئی ۱۹۱۷ء صفحہ ۴

مسجد متنازعہ کا فیصلہ

جہاں آج کل ہم مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں اور دینی احکام کی حکم عدولیوں کی وجہ سے کئی ایک سال سے دنیا کے ہر ایک گوشہ میں مختلف قسم کے عذاب الٰہی کا دور دورہ شروع ہے وہاں دوسری طرف صرف اتنی ہی بات باقی رہ گئی تھی کہ معبد گاہوں اور متبرک جگہوں کی کی ایسی بے حرمتی رکی ہوئی تھی جو کہ عوام کی نگاہوں میں ایک کھیل معلوم ہو۔

آج کل کچھ ایسا وقت آ گیا ہے کہ جن مسجدوں کے متعلق سوائے نماز اور نیک مشوروں کے کچھ ذکر نہ ہوا کرتا تھا ان کے مقدمات عدالتوں میں پہنچ کر ان کی پیروی ہی کے مشورے ہوتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم پر عذاب کیوں نہ آئیں اور شب و روز دینی و دُنیوی خسارہ کا منہ دیکھنا نصیب کیوں نہ ہو۔ گذشتہ سال گوجرانوالہ کی ایک مسجد کا مقدمہ عدالت میں پہنچنے کی خبر اخبارات کے کالموں میں دیکھی گئی تھی اور اس کے آخری فیصلہ کے متعلق کوئی خبر اخبارات کے کالموں میں ہمارے دیکھنے میں نہیں آئی کہ کیا ہوا؟ گذشتہ سال ہی ہمارے یہاں قصبہ شادیوال ضلع گجرات میں ایک مسجد کا مقدمہ شروع ہوا۔ اگر اس کی درمیانی کارروائی کے متعلق دیگر اخبارات میں ہماری طرف سے ایک دو دفعہ مضامین نکلے اور چونکہ اس نوعیت کا کوئی مضمون سراج الاخبار کے کالموں میں ہماری طرف سے نہ نکلا تھا اس لیے ہم مختصر کیفیت مقدمہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس کا فیصلہ عدالت نے سنا دیا ہے جو کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کیونکہ یہ اپنی قسم کا انوکھا مقدمہ تھا ہمارے یہاں شادیوال ضلع گجرات پنجاب میں

ایک فاضل مولوی نجم الدین صاحب تھے جو کہ بلحاظ اپنی قابلیت کے اس علاقہ کے مفتی تھے جس سے آپ کا ہی لوہا مانا جاتا تھا عوام کی نگاہوں میں آپ کی عزت وقر ایک خاص حد تک تھی، کئی سال ہوئے آپ نے اعلانیہ کہہ دیا کہ میں مرزا صاحب قادیانی کو مسیح موعود مانتا ہوں جس سے آپ کا لوہا ماننے والے صرف وہی تیس چالیس آدمی رہ گئے جو کہ اسی محلّہ کے احمدی ہو گئے ہوئے تھے۔ دوسروں کی نگاہ میں آپ اسی حیثیت سے رہ گئے جن سے کہ ہم احمدیوں کو دیکھتے ہیں اور وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔ قریباً تین سال سے مولوی نجم الدین صاحب انتقال فرما گئے ہوئے ہیں، آپ کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑ گئے تھے اس محلّہ کی احمدیہ جماعت نے مولوی صاحب مرحوم کے ایک شاگرد کو جس نے فارغ التحصیل ہو کر تمام عمر مولوی صاحب کی خدمت کرنے میں ہی گزاری اور احمدی تھے، پیش امام بنایا۔ احمدی جماعت مولوی نجم الدین صاحب مرحوم کی اہلیہ صاحبہ کی خدمت بھی اسی دل عقیدت سے بجا لاتے رہے جس سے ان کی ضروریات زندگی میں کسی طرح بھی فرق نہ آیا گذشتہ سال اہلیہ مولوی صاحب مرحوم کی طرف سے بدیں مضمون دعوی بر خلاف مولوی محمد الدین امام مسجد مذکورہ دائر کیا گیا کہ میں مسجد کی متولیہ ہوں۔ امام مسجد موجودہ کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ مسجد سے نکل جائے۔ مدعیہ جس کو چاہے اپنی مرضی سے مقرر کرے گی۔ مختار مقدمہ مدعیہ کے بھائی تھے۔ من جانب دعوی کثرت سے شہادت گزری کہ مولوی نجم الدین صاحب کے والد نے اپنی لاگت سے مسجد کو بنایا تھا وہی اس کی شکست و ریخت کراتے رہے اور بعد ازاں ان کے پسر مولوی نجم دین صاحب بہ گرہ خود سب کچھ کرتے رہے۔ ساتھ ہی یہ شہادت گزاری گئی کہ وہ احمدی نہ تھے اخیر وقت تک ہم ان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھتے رہے۔ فریقین کی طرف سے مولوی صاحب مرحوم کی تصنیف کردہ کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ پیش عدالت کی گئیں۔ منجانب دعوی جو پیش کی گئیں وہ ان کے حنفی مذہب کے متعلق تھیں اور جو مدعا علیہ کی

طرف سے پیش کی گئیں وہ مرزا صاحب کے صداقت دعوی کے متعلق تھیں جو غالباً مرزا صاحب کی بیعت کرنے کے بعد لکھی گئیں۔ مدعا علیہ نے مولوی صاحب کے وہ بکثرت خطوط بھی پیش کیے جو کہ ان کے خطوط کے جواب میں مختلف اوقات میں قادیان سے مرزا صاحب اور مولوی نورالدین صاحب کی طرف سے آتے رہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے شہادت بدیں مضمون گزری کہ جس زمین میں مسجد بنی ہوئی ہے یہ ان ہی لوگوں کی ملکیت تھی جو کہ زمیندار اسی محلّہ کے احمدی ہیں۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر قادیان بھی بطور گواہ بلائے گئے جنھوں نے بیان کیا کہ پیش کردہ خطوط جو مدعا علیہ نے پیش کیے ہیں ان میں کئی ایک میرے دستخط ہیں جو کہ میں نے حسب فرمود مرزا صاحب مختلف اوقات میں مولوی نجم دین صاحب کو لکھے۔ فریقین کی طرف سے بکثرت شہادت گزرنے قانون بحث تحریری اور تقریری کے بعد ہمارے ضلع کے بیدار مغز اور عادل جونیئر سب جج دیوان سوضاتھ صاحب نے فریقین کی حاضری میں ۲۰ اپریل ۱۹۱۷ء کو سنا دیا کہ چونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مسجد متنازعہ حاجی ۔۔۔کی اراضی میں بنائی گئی جو کہ اس محلّہ کے زمیندار احمدی جماعت کا بزرگ تھا نیز چونکہ مسجد قانون اور شرع کی رو سے ملکیت تصور نہیں ہو سکتی بلکہ وقف اور ساتھ ہی چونکہ مدعیہ کے متولی ہونے کی نہ ہی کوئی وصیت کی گئی اس لیے دعوی خارج کیا جاتا ہے۔ اس لیے علاوہ شاید کوئی اور وجوہات بھی ہوں۔ اِلّا چونکہ ابھی مکمل فیصلہ کی نقل دیکھنے میں نہیں آئی اس لیے اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ معلوم ہوا ہے گو ہمیں بوجہ مرزائی عقائد کے مخالف ہونے کے اس فیصلہ سے خوش نہیں ہو سکتے اِلّا یہ دیکھتے ہوئے کہ باوجود اس کے کہ مولوی نجم دین صاحب کئی سال سے احمدی تھے وہی لوگ ان کی مخالفت پر اڑے رہے جو کہ ان کے نہ احمدی ہونے کے گواہ گزرے جنھوں نے مرزا صاحب کے عقائد کی اشاعت سے شادیوال جیسے قصبہ میں جہاں کہ اسلامی رونق ایک خاصے پیمانہ پر رہا کرتی تھی گڑبڑ ڈال

دی۔ ایسے اشخاص پر ہمیں سخت افسوس ہے۔

دوسری جانب سے ہمیں خوشی ہے کہ معاملہ فہم بیدار مغز فاضل قانون جونیئر سب جج بہادر نے اس پیچیدہ مقدمہ کا ایسا عادلانہ فیصلہ کیا جو کہ ہمیشہ ان کے انصاف کی یادگار رہے گی۔ خدا کرے ایسا عادل اور نقطہ رس حاکم ہمیشہ تک ہمیں نصیب رہے جس کے عدل و انصاف اور قابلیت سے ہم ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں۔

راقم

ایم ایچ آف شادیوال گجرات پنجاب

☆

۲۱ مئی ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

مرزا جی کی پیش گوئی

مرزا صاحب کی جدید ہرزہ گوئی جو آپ نے ایک ہولناک زلزلہ کے متعلق کی تھی اور جو پوری نہ ہوسکی اور اب زار روس کی معزولی پر اس پیش گوئی کے ایک مصرع ؛ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار۔ کو احمدی جماعت نے اس واقعہ سے منطبق کرنا چاہا اور بڑا شور وغل برپا کیا کہ مرزا جی کی عظیم الشان پیش گوئی پوری ہوئی۔ اس کے متعلق نہ صرف قادیانی اور لاہوری احمدی جماعت کے اخبارات نے آرٹیکل لکھے بلکہ دونوں جماعتوں نے اس کے متعلق ٹریکٹ (Tract) ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر مفت تقسیم کیے اور مرزائیوں نے جابجا خوشیاں منائیں اور شادی کی۔ ہم نے اس پیش گوئی کے متعلق سراج الاخبار مطبوعہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۷ء اس پیش گوئی کی اصلیت بتائی اور مفصل آرٹیکل لکھا جس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ پیش گوئی زلزلہ کے متعلق تھی وہ تو پوری نہ ہوسکی اور جنگ سے اس کو منطبق کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ ہمارے اس مضمون کا مرزائی کوئی جواب نہ دے سکے اور نہ دے سکتے

تھے۔

اس مضمون کو معزز اخبار وطن لاہور نے حرف بحرف نقل کیا اور بھی کئی اسلامی اخبارات میں اس کا اقتباس شامل ہوا۔ حال میں انجمن حامی اسلام لاہور نے اس پیش گوئی کے متعلق ۱۶ صفحہ کا ایک ٹریکٹ چھاپ کر شائع کیا ہے جس میں مضمون سراج الاخبار بھی حرف بحرف نقل کیا گیا ہے اور علاوہ ازیں ضمیمہ براہین احمدیہ کی عبارات نقل کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی محض زلزلہ کے متعلق تھی جس کی امید مرزا صاحب کو عمر بھر رہی اور خود مرزا صاحب نے فرمایا کہ: ''یہ پیش گوئی زندگی میں اور میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدہ کے لیے ظہور میں آئے گی۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۳)

بلکہ مرزا صاحب نے ضمیمہ براہین صفحہ ۹۷ میں ایک نوٹ لکھ کر تصریح فرمائی کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ سے الہام یہ بھی ہے: ''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی''۔ معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ موعودہ کے وقت بہار کے دن ہوں گے اور بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالباً وہ صبح کا وقت ہوگا یا۔۔۔۔ پھر اس پیش گوئی کو حال کی جنگ یا عزل زار روس کے متعلق۔۔۔ مرزا صاحب کے قول کی صریح تکذیب ہے کیونکہ وہ پیش گوئی مرزا۔۔۔ میں ہونی چاہیے تھے اور نیز اس ملک ہندوستان میں۔۔۔ جنگ مرزا جی کے مرنے کے بعد کئی سال ظہور میں آئے ہیں اور اس ملک میں نہیں بلکہ یورپ میں۔ پھر ایسی تصریح ہوتے ہوئے۔۔۔ کو اس جنگ عظیم اور زار روس کی معزولی کے متعلق قرار۔۔۔۔ حقیقت پر پردہ ڈالنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔

بہر حال یہ ٹریکٹ مطالعہ کے قابل ہے جو ملا محمد بخش صاحب سیکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور کو خط لکھنے سے مفت مل سکتا ہے۔ انجمن موصوف کا یہ کام قابل تعریف ہے اور انجمن کی امداد ہر سچے مسلمان کا فرض ہے جو اسی طرح وقتاً فوقتاً مخالفین مذہب اہل السنۃ والجماعت کے عقائد کی تردید میں رسالے اور پمفلٹ شائع کرتی رہتی ہے۔ امید ہے کہ اہل ثروت بھائی انجمن کی امداد سے

دریغ نہ کریں گے جو ایک دینی للّٰہی خدمت پر کمر بستہ ہے۔



۴ جون ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

لندن میں تبلیغ اسلام

کچھ عرصہ ہوا ہے کہ احمدی لاہوری پارٹی کے سرگرم ممبر خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی پلیڈر انگلستان میں بحیثیت محمڈن مشنری تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اب بہت تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی احمدی قادیانی پارٹی نے بھی وہاں اپنے مبلغ بھیجے چنانچہ اس سے پہلے مولوی عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی وہاں کام کر رہے تھے اب مفتی محمد صادق بھی وہاں جا براجے ہیں۔ آج ہمیں لندن سے ایک چٹھی مولوی عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی قادیانی مبلغ کی طرف سے بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے جس میں آپ لکھتے ہیں:

''نہایت خوشی کے ساتھ یہ خبر شائع کی جاتی ہے کہ آج ایک اور انگریز لنڈن میں حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ پر نبی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے ہوئے۔ پہلا نام ''جارج سپرو'' ہے۔ اسلامی نام ''مومن'' رکھا گیا۔ ۲۳ اپریل ۱۹۱۷ء از لنڈن''

ہمیں اس خبر سے خوشی ہے کہ قادیانی مبلغ ایک انگریز کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ قادیانی احمدی پارٹی جن کے سالار قافلہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں ہندو پنجاب بلکہ عرب و عجم کے تمام مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت و رسالت پر ایمان نہیں لاتے خارج از دائرہ اسلام اور کافر سمجھتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی خدا کی وحدانیت اور پیغمبر علیہ السلام کی رسالت کے قائل اور نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ ارکان اسلام کو پورے طور پر بجا لاتے ہوں۔ ایسی صورت میں دنیا کے کروڑ ہا سچے پشتینی

مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر کے قادیانی پارٹی نے لنڈن میں جا کر ایک دو عیسائی اپنے خیال کے مسلمان بنائے تو یہ ان کی کون سی کامیابی ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہوگا کہ لاہوری جماعت کے مبلغ مرزائیت سے بالکل الگ تھلگ ہو کر اسلام قدیم کی دل فریب اور اصلی صورت عیسائیوں کے سامنے پیش کر کے ان کو اس پر گرویدہ کرنے میں کامیاب بھی ہوں تو یہ ان کے حریف قادیانی مبلغ مرزائیت کا کریہہ المنظر نیا دین پیش کر کے ان کو بھی بداعتقاد کر دیں گے اور بحکم اذا لقا رضا تساقطا۔ ہر دو جماعت کے لوگ اپنے مدعا میں بالکل ناکامیاب رہ کر اپنا سامنہ لے کر واپس آ جائیں گے۔

اس میں کلام نہیں ہے کہ لاہوری جماعت کے ممبران بھی جب تک مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق سے باز نہ آئیں وہ کبھی بھی اپنے اس دعوی میں سچے نہیں سمجھے جاسکتے کہ وہ مرزا جی کی رسالت ونبوت کے قائل نہیں اور نہ مرزا صاحب کے نہ ماننے سے وہ کسی مسلمان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ مرزا صاحب کی تمام تصانیف ان دعاوی سے بھری ہوئی ہیں جن سے آپ دیدہ دانستہ اغماض کر کے اپنے ذمہ سے اس شرم ناک الزام کو رفع کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم ان کا بظاہر اس خیال سے اپنے آپ کو الگ تھلگ قرار دینا کسی قدر ان کو اپنے مشن میں کامیاب بنا سکتا ہے۔ بالخصوص ایک اجنبی ملک میں۔۔۔ نئے دعاوی اور نئے دین سے بالکل نابلد ہیں لیکن قادیانی پارٹی مرزا صاحب کی رسالت اور نبوت کا کلمہ سنا کر انگلستان والوں کو کبھی بھی شیدائے اسلام نہیں بنا سکتے جبکہ ان کے ہاتھ میں مرزا صاحب کی سچائی اور اعجاز کا کوئی بین ثبوت موجود نہیں ہے۔ بہر حال قادیانی پارٹی کا انگلستان میں جا کر تبلیغ کرنا اسلام کے حق میں مفید ہونے کی بجائے سخت مضر ہوگا کیونکہ انگلستان والوں کو یہ کہنے کا موقعہ ملے گا کہ (نعوذ باللہ) پیغمبر اسلام رسول عربی فداہ ابی وامی بھی ایسے ہی نبی ہوں گے جیسا کہ یہ چودھویں صدی کا اشتہاری پنجابی نبی مرزائے قادیانی ہے جس کے سب دعاوی غلط ثابت ہوئے۔ اس لیے ہمیں

مولوی عبداللہ صاحب اور مفتی صاحب سے بادب التماس ہے کہ آپ خدا کے لیے انگلستان میں جا کر اسلام کو بدنام نہ کریں وہ مہذب معقول پسند تعلیم یافتہ لوگ آپ کے قابو میں ہرگز نہیں آسکتے اور نہ آپ وہاں جا کر کبھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔



۱۱ جون ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

ولی را ولی مے شناسد

متنبّی قادیان مرزا غلام احمد صاحب کے نام نامی سے ایک دنیا واقف ہے اور آپ کے دعاوی مجددیت، ملہمیت، مہدویت، مسیحیت، نبوت، رسالت وغیرہ وغیرہ سے بھی ناظرین بخوبی آگاہ ہیں۔ مرزا صاحب کے مدمقابل بہت سے علماء اہل السنۃ والجماعۃ اٹھے اور ان کے دعاوی کی تردید تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ جیسا کہ چاہیے ہوتی رہی اور ان کے باطل دعاوی کا بہت کم اثر مسلمانوں کے دلوں پر ہونے پایا اور وہ اپنی یہ حسرت دل میں لے کر گور میں چلے گئے کہ کاش ہندو پنجاب کے جمہور مسلمان ان کی رسالت کا کلمہ پڑھتے لیکن بحکم ولی را ولی مے شناسد ضرور تھا کہ کوئی ملہم بھی ان کے مقابل کھڑا ہو کر ان کا جواب الہامات کے ذریعہ اور ترکی بہ ترکی دے۔

ایسا ایک شخص لاہور سے ملا محمد بخش عرف ملا جعفر اٹھا، اس قومی پہلوان نے مرزا صاحب کا مقابلہ جیسا کہ چاہیے کیا۔ اشتہارات کے جواب میں اشتہارات شائع کیے، الہامات کے جواب میں الہام پیش کیے۔ آخر مرزا جی تو دنیا سے چل بسے اور اپنا چارج اپنے خلف رشید مرزا محمود احمد کے ہاتھ میں چھوڑ گئے، ادھر ملا جعفر بوڑھے ہو گئے اور انہوں نے بھی اپنا ہم سن حریف سدھار جانے کی وجہ سے قلم ڈال دی اور صاحب زادہ کے مقابلہ کے لیے اپنے لائق فرزند مولوی تاج الدین تاج کو کھڑا کیا۔ صاحب زادہ محمود احمد نے خلف الصدق

ہونے کا پورا ثبوت دیا اگر مرزا صاحب نے نبی اور رسول ہونے کا دعوی بروزی اور ظلی کی آڑ میں کرنا مناسب سمجھا اور؛

من نیستم رسول دین دنیا در دہ ام کتاب

کہہ کر اپنے اس دُور از عقل دعوی پر پردہ ڈالنا چاہا تو آپ کے خلف راشد (محمود) نے کھلے بندوں مرزا صاحب کی رسالت و نبوت کا اعلان کر دیا۔ مرزا جی گو اپنے مخالف مسلمانوں کو کافر کہتے رہے مگر دبی زبان سے فرزند رشید نے اس بات کا اعلان بھی بہانگ دُہل کر دیا۔ مرزا جی اپنے جن الہامات کے نہ پورا ہونے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی تاویل کر کے پیچھا چھوڑانے کی کوشش کیا کرتے، خلف اکبران نسیاً منسیاً ہوئے دیرینہ اور مردہ الہامات کے از سرنو زندہ کرنے کے درپے ہوئے چنانچہ ان دنوں حال کی جنگ عظیم میں جب زار روس کی معزولی کا واقعہ پیش آیا تو مرزا جی کے خلف سعید ایک گئی گزری بات پیش گوئی زلزلہ (جو جھوٹی ثابت ہو چکی ہے) کو اس واقعہ سے چسپاں کرنے لگے اور اس پیش گوئی کے ایک مصرع؛ زار بھی ہوگا جو ہوگا اس گھڑی باحال زار۔ میں چونکہ زار کا نام آ گیا تھا یہ کہنے لگے کہ وہ عظیم الشان پیش گوئی اسی واقعہ کے متعلق تھی جو اب پوری ہو گئی اس کے متعلق مرزا محمود نے ایک رسالہ لکھ کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا اور اس پر بہت کچھ تعلّی کی گئی۔ محمود کو کیا خبر تھی کہ ان کے والد بزرگوار کے بہت سے دوست ابھی زندہ ہیں جو بال کی کھال اُتارنے اور ایسے جعلی اور مصنوعی طلسم کو پاش پاش کر دینے میں بلا کی قابلیت رکھتے ہیں۔ پہلے ہم نے اس پیش گوئی کے متعلق سراج الاخبار مورخہ ۹ اپریل ۱۹۱۷ء میں ایک تنقیدی نظر ڈال کر پیش گوئی کی قلعی کھول دی اور روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ اس پیش گوئی کو اس واقعہ سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ یہ زلزلہ کی پیش گوئی تھی جو جھوٹی ہو کر پیش گوئی کرنے والے کی تکذیب پر مہر کر گئی۔ اس مدلل اور مفصل مضمون کو اخبارات نے نقل کیا پھر اس کے متعلق ملا محمد بخش صاحب کے لائق جانشین مسٹر تاج نے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس

میں مرزا صاحب کی تمام تحریرات جو اس کے متعلق تھیں لفظ بلفظ درج کر کے ثابت کیا گیا کہ یہ پیش گوئی ایک ہولناک زلزلہ کے متعلق تھی جس کی نسبت مرزا صاحب نے بڑی وضاحت اور صراحت سے لکھ دیا تھا کہ بار بار وحی الٰہی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ پیش گوئی میری زندگی میں اور میرے ہی ملک میں اور میرے ہی فائدہ کے لیے ظہور میں آجائے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ، ص: ۹۷)

مسٹر تاج کے اس ٹریکٹ نے مرزا محمود کی کارگزاری کو خاک میں ملا دیا اور آئینہ کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مرزائی اس دعوی میں ہرگز سچے نہیں ہو سکتے کہ یہ پیش گوئی زار کی معزولی سے کچھ تعلق رکھتی ہے۔ مرزا محمود نے اس کے جواب میں پھر ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا عنوان ''ایک قہری نشان'' تھا اس میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے گئے لیکن اس مضمون کی تردید نہ ہو سکی پر نہ ہو سکی۔ اب اس کے جواب الجواب میں پھر مسٹر تاج کی طرف سے ۱۶ صفحہ کا ایک پمفلٹ شائع ہوا ہے جس میں اگر پہلے کچھ کسر رہ بھی گئی تھی تو اب بالکل پوری ہو گئی ہے۔ اس پمفلٹ کو پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ کیونکر مرزا صاحب اور مرزائی اس پیش گوئی کا مرزا صاحب کی زندگی میں مختلف واقعات زلازل اور طوفانات کے آنے سے پورا ہو جانا لکھ چکے ہیں بالخصوص مرزا محمود اپنے قلم سے اس پیش گوئی کا اس سے پہلے پورا ہو جانا تحریر کر چکے ہیں۔ پھر اب کس قدر شرم کی بات ہے کہ اس پیش گوئی کو اب دھینگا مشتی سے زار کی معزولی کے متعلق بتایا جاتا ہے۔ غرض یہ دونوں پمفلٹ مطالعہ کے قابل ہیں اور ہم سفارش کرتے ہیں کہ مسلمان یہ دونوں پمفلٹ لاہور انجمن حامی اسلام کٹڑہ ولی شاہ سے منگوا کر مطالعہ کریں۔ ہم اپنے قدیم دوست ملا صاحب کو مبارک باد کہتے ہیں کہ وہ اپنا ایک لائق جانشین رکھتے ہیں جو اپنے حریف (مرزا جی) کے صاحب زادہ کا بڑی قابلیت سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

ہاں منشی تاج الدین علمی لیاقت کے علاوہ شاعرانہ قابلیت بھی رکھتے ہیں اور

جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے صاحب زادہ محمود شاعرانہ لیاقت سے بالکل کورے ہیں۔ بہرحال انجمن حامی اسلام لاہور کی یہ سعی قابل داد ہے کہ محض احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے دو رسالے اپنے خرچ سے چھاپ کر مسلمانوں میں مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس انجمن کی ہر طرح سے مدد کرنا چاہیے کیونکہ انجمن کی یہ کارروائی محض للّٰہی ہے اور انجمن کے پاس کوئی کافی سرمایہ اس کام کے لیے نہیں ہے۔



لندن کی چٹھی

مرزائی قادیانی پارٹی کے مبلغین کی دوسری چٹھی بغرض اشاعت اخبار ہمارے پاس موصول ہوئی ہے جس میں لکھا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک اور انگریز صاحب مسٹر ٹامس برڈ مفتی صاحب کے ہاتھ پر نبی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے ہوئے۔ لندن میں سب لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہیں، جنگ کی وجہ سے کوئی دہشت زدگی نہیں۔ سب یقین رکھتے ہیں کہ ہم فتح یاب ہوں گے۔ ایک تماشہ گاہ میں کسی غلط فہمی سے یہ سمجھا گیا کہ مکان کو آگ لگ گئی ہے سب لوگ بے تحاشا دوڑ پڑے، چار بچے کچل کر مر گئے۔''

اس چٹھی اور پہلی چٹھی میں نومسلموں کے داخل اسلام ہونے کی نسبت جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسے گول مول الفاظ لانے کی کیا ضرورت تھی بجائے اس کے کہ یوں لکھا جاتا فلاں انگریز مسلمان ہوئے یا اسلام لائے۔ یہ لکھنا کہ ''نبی اسلام پر ایمان لانے والے ہوئے'' ایک حل طلب معمہ ہے کیونکہ جیسا کہ ہم عصر پیغام صلح لاہور نے لکھا ہے۔ قادیانی پارٹی کے نزدیک نبی اسلام ایک نہیں بلکہ دو ہیں یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا غلام احمد قادیانی۔ پھر اس بات کی ضرور تشریح ہونی چاہیے کہ نو

مسلم کس نبی پر اسلام لائے؟ مقدم الذکر پر یا موخر الذکر۔ نیز ''اسلام لانے والے ہوئے'' سے کیا مراد ہے کہ ان کا اسلام قوت سے فعل میں آ چکا ہے یا ابھی ان کے ایمان لانے کی صرف اُمید ہی ہے؟؟؟

''اسلام لانے والے ہوئے'' کچھ شک میں ڈالنے والا جملہ ہے۔ امید ہے کہ آیندہ قادیانی مبلغ اس معمہ کو کھول دیں گے تا کہ بات صاف ہو جائے۔



۲۳ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۲

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

یہ خبر ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ پچھلے دنوں مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے ایڈیٹر ستارہ صبح کو کسی دیوانہ کتے نے کاٹا تھا اور آپ کو علاج کے لیے کسولی جانے کی اجازت مل گئی تھی، انہی دنوں قادیانی اخبار الفضل [۶۹] کے ایڈیٹر نے اپنے دل کی بھڑاس نکال کر بتصریح الفاظ لکھا تھا کہ ظفر علی خان کو یہ مصیبت جناب مرزا صاحب کی شان والا کے خلاف مضامین لکھنے کی وجہ سے پہنچی ہے کیونکہ اس سے پہلے پرچہ ستارہ صبح میں ظفر علی خاں نے جناب مرزا صاحب جیسے مسلّم سلطان القلم کی علمی اور ادبی قابلیت اور شاعرانہ کمال کا ان الفاظ میں خاکہ اڑایا تھا؛

یہ چیں پیں یہ ٹُن ٹُن ٹُن
ہے سلطان القلم کی دھن

گویا ایڈیٹر الفضل کے نزدیک ظفر علی خاں پر یہ آفت (کتے کے کاٹنے) کی مرزا صاحب کی بے ادبی کرنے کے باعث نازل ہوئی تھی لیکن ہمارے معاصر ایڈیٹر الفضل اب یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ آفت نہ تھی بلکہ راحت کا پیش خیمہ تھی اور بقول شخصے؛

خدا شرے ہر انگیزد کہ خیر مادراں باشد

مرزا صاحب اور ان کے حواریوں کی بددعا ظفر علی خان کے حق میں دعائے خیر ثابت ہوئی کہ پہلے وہ نظر بند تھے اب ان کو پنجاب کے بعض مشہور شہروں میں دورہ کرنے کی اجازت مل گئی اور وہی ستارہ صبح جس میں ظفر علی خاں نے مرزا جی کی پھبتی اڑائی تھی بجائے پندرہ روزہ کے اب روزنامہ بن کر پبلک کے سامنے آنے والا ہے۔ دنیا کے حوادث اتفاقی اُمور ہوتے ہیں جو ہر ایک انسان کو نیک و بد پیش آجایا کرتے ہیں اور بحکم عسی ان تکرھوا شیئا فھو خیر لکم. بہت سے ایسے حوادث جو ظاہر میں ہمیں ایذادہ معلوم ہوتے ہیں، ان میں ہماری بہتری اور بھلائی مضمر ہوتی ہے اس لیے کسی انسان کو مصیبت میں دیکھ کر جلد بازی سے زبان تشنیع دراز نہ کرنا چاہیے تاکہ اس مصیبت کا انجام خیر و برکت ہو کر زبان تشنیع دراز کرنے والے کے لیے باعث رُسوائی نہ ہو۔ بہرحال ہم مولوی ظفر علی خان کو مبارک باد کہتے ہیں کہ ان کے خلاف مرزا جی کی بددعا کا تیر نشانہ پر نہ بیٹھا اور وہ اس قادیانی تلوار کے وار سے بال بال بچ گئے۔ فاللہ خیر

ہم امید کرتے ہیں کہ مولوی صاحب اپنے اخبار کا لہجہ ایسا بنائیں گے کہ پبلک اور سرکار کی نظروں میں یکساں وقیع ثابت ہو اور بحکم لا یلدغ المومن من حجر واحد مرتین

آئندہ ان سے کبھی ایسی غلطی سرزد نہ ہوگی کہ اخبار کو کوئی صدمہ پہنچے۔



۲۳ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

[مفتی صادق قادیانی کی چٹھیاں]

مفتی محمد صادق صاحب قادیانی مبلغ کی تین چٹھیاں لنڈن سے موصول ہوئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

''نہایت خوشی سے یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ دو اور شخص مشرف باسلام ہوئے

ایک صاحب کا نام مسٹر ڈرائی کوٹ ہے اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ دوسرے کا نام مسٹر لین ہے ایک بڑے مجمع میں مفتی صاحب کا ایک دہریہ سے مباحثہ ہوا، دہریہ سخت لاجواب ہوا۔ پادری بھی تعریف کرنے لگے دو شخصوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تحریری اقرار کیا۔ ایک کا نام مسٹر ہنری بارنٹ دوسرے کا نام مسز ہیلیسی ہے اسی طرح دو اور اشخاص نے اسلام قبول کیا ایک مسٹر جارج فاکس جس کا اسلام نام یوسف رکھا گیا، ایک خاتون مسز ڈرے کاٹ ہیں جس کا اسلامی نام آمنہ رکھا گیا نیز ایک صاحب مسٹر جمیز بیری مشرف باسلام ہوئے، اسلامی نام یعقوب رکھا گیا۔ علاوہ ازیں تین حسب ذیل اشخاص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تحریری اقرار کیا۔ مسٹر جے ڈبلیو کیوپ مسز ٹیبی اور مس مارگن۔ کیا لاہوری پارٹی کے مبلغ اس بارے میں کچھ روشنی ڈالیں گے کہ فی الواقع یہ لوگ داخل اسلام ہوئے ہیں یا نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ بعض کی نسبت لکھا جاتا ہے کہ مشرف باسلام ہوئے اور بعض کی نسبت یہ کہ انہوں نے نبی کریم کی نبوت کا تحریری اقرار کیا۔ ایسے ذو معنی فقرے لکھنے سے معلوم نہیں کیا غرض ہے۔



۱۳ اگست ۱۹۱۷ء صفحہ ۵

باپ سچا ہے یا بیٹا؟

نہ ٹھکرا کر چلو ہر ہر قدم پر ایسی شوخی سے
تمہاری چال سے برپا قیامت ہونے والی ہے

چیونٹی کی جب قضا آتی ہے تو اس کے بدن سے پَر پیدا ہوتے ہیں اور اڑ کر مرتی ہے کوئی امت جب سزا اور عذاب الٰہی ہوتی تھی تو اس سے پیشتر وہ اس جرم کی مرتکب ہوتی تھی کہ اپنے پیغمبر کو جھٹلاتی اور اپنی رائے کو قابل تسلیم تصور کرتی تھی جو مرید اپنے پیر کا خلاف کرے جلد تباہ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے رعایا کے دن جو بُرے آتے ہیں تو سرپرست راعی کے برعکس الہام پورے کرنے شروع کر دیتے ہیں چنانچہ جناب مرزا محمود صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی تحریر اور دعوی کے خلاف یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ جو پیش گوئی حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہوئی ہے کہ عیسٰی کے بعد ایک پیغمبر آئے گا جس کا نام احمد ہو گا وہ مرزا صاحب کے لیے ہے حالانکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں؛

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

قرآن کریم کی یہ پیش گوئی اگر مرزا صاحب کے واسطے ہے تو وہ احمد کون ہے جس کا غلام مسیح زمان ہے۔ ایسی مخالفت ایک تو والد دوسرے مرشد۔

یک نہ شد دو شد

اب نئی کہانی سنیے جو چند دنوں سے دونوں فرقہ لاہوری و قادیانی سنا رہے ہیں؛

زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی باحال زار

ہر چند اس سے پہلے بڑے بڑے عالم فاضل علمائے کرام اس الہام کا جواب دندان شکن دے چکے ہیں۔ میرا دعوی ان سے بڑھ کر جواب دینے کا نہیں ہے یہ تحریر حقیر صرف اس واسطے میں نے لکھی ہے شاید کسی وجہ سے اس مضمون کو کسی نے نہ پڑھا ہو اور یہ نظر سے گزر جائے اور کسی کو فائدہ ہو جائے۔ مرزا صاحب کی کتاب پیغام صلح کے صفحہ اول پر جناب خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب یوں بیان کرتے ہیں؛

اس نسخہ پر عمل کریں جو ایک ایسے حقیقی طبیب کا تجویز کردہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے اس ملک میں امن اور آشتی کے لیے بھیجا جو صلح کا مشن لے کر دنیا میں آیا اور جو اپنی مدت العمر میں جہادی جنگوں کی بیخ کر کے اپنے آخری ایام میں مذہبی مجادلات میں دل آزاری کا خاتمہ اس پیغام صلح کے ذریعہ کر گیا۔ اب مرزائی صاحبان خود ہی انصاف کریں کہ کوئی ذی ہوش انسان اس الہام کے

یہ معنی لے سکتا ہے یا کوئی اہل بصیرت آدمی اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ آپ کے ہادی تو بقول حکیم نورالدین صاحب صلح کا مشن لے کر دنیا میں آئے اور جہادی جنگوں کی بیخ کنی اپنی مدت العمر میں کر گئے اور اب بیج اُکھڑی ہوئی سے آپ پھل لے رہے ہیں۔ آپ کو تو چاہیے تھا کہ کہتے ہمارا مولیٰ جہادی جنگوں کی بیخ کنی کر گیا ہے یہ جنگ نہیں لڑکوں کا کھیل ہے نہ یہ کہ جہادی جنگوں کے ذریعہ زار کی حالت باحال زار ہوگئی ہے؛

گر یہی ہے اس گلستاں کی ہوا
شاخ گل اک روز جھونکا کھائے گا

پچھلی امتیں بھی اسی طرح اپنے رسولوں کی مخالفت کرنے کے سبب سے بُری طرح ہلاک ہوئی تھیں، ان کی شکلیں اور ہیئتیں اور حالتیں بدل جاتی تھیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

راقم
محمد اسمعیل زرگر از جہلم



۱۲۷ اگست ۱۹۱۷ء صفحہ ۵

مرزائیت سے توبہ

کچھ مدت سے میں نے ایک مرزائی کے ہتھے پر چڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کر لی تھی۔ مجھے ان کے طریق عمل کا کچھ پتہ نہ تھا لیکن بعدہٗ خداوند کریم کے فضل و کرم سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ مرزا کے دعاوی باطل ہیں اور جو کچھ اس نے تبدیلی عقاید اپنے اور اپنے مریدین کی کی ہے یہ سراسر آں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب تابعین اور تبع تابعین کے خلاف ہے اور اپنے مشن کو تقویت پہنچانے کے لیے مرزا غلام احمد اور اس کے

حواریوں نے قرآن مجید کے وہ معنی کیے ہیں جو آج تک بزرگان دین میں سے کسی نے نہیں کیے اور نہ ہی کسی نے خداوند کریم کی کلام میں اپنے مطلب براری کے لیے ایسی دست اندازی کی ہے لہذا میں آج صدق دل سے اپنے گذشتہ گناہوں کی توبہ کرتا ہوں اور ہمیشہ کے لیے حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ایسے شخص کی ہرگز بیعت میں داخل نہیں اور نہ ہی کبھی ہوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور خود ظالم ہو۔ لہذا میں اس کی بیعت توڑتا ہوں اور اپنی مرضی سے اس مضمون کو اخبارات میں شائع کرتا ہوں۔

راقم

نواب خاں از جہلم



۲۴ ستمبر و یکم اکتوبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

مرزا محمود کے الہام

پچھلے دنوں انجمن نعمانیہ لاہور[۷۰] کے سالانہ جلسہ میں ایک ہندوستانی مولوی صاحب وعظ کررہے تھے۔ اثنائے وعظ میں آپ نے بطور لطیفہ بیان کیا کہ پنجاب میں بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوتے ہیں اور خاک پنجاب کا ہی خاصہ ہے کہ یہاں ایک شخص صبح کو پیدا ہوتا ہے چاشت کے وقت وہ جوان ہوتا، دوپہر کو تمام علوم کا حاوی ہوجاتا ہے، دن ڈھلے وہ مجدد اور ولی بن جاتا ہے اور شام کو نبوت نازل ہوجاتی اور الہام برسنے لگتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب قادیانی تو اپنا زمانہ ختم کرکے دنیا سے اٹھ گئے اور خیال تھا کہ اب الہام کا دروازہ ان کے بعد مسدود ہوجائے گا چنانچہ خلیفہ اول مولوی نورالدین صاحب کا زمانہ ایسا ہی گزرا پھر حضرت محمود احمد نے خلافت کی گدی سنبھالی آپ ابن المسیح تو تھے ہی لیکن الہامات ہونے ان کے زمانہ میں بھی کچھ عرصہ بند رہے۔ اب بحکم الولد سر لابیہ آپ کو بھی کشف اور الہام ہونے

لگے ہیں اور عجب نہیں کہ نبوت و رسالت کے دعویٰ دار بھی بنیں یا کسی وقت مرزا جی کے الہام مظھر الحق والعلا کان اللّٰہ نزل من السماء کے مطابق اُلوہیت کے مدعی بن بیٹھیں۔ اخبار الفضل قادیان مطبوعہ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۷ء میں الہام اور دعا کی سرخی سے ایک نوٹ اس مضمون کا لکھا گیا ہے کہ حضرت اقدس (حضرت محمود احمد) نے ۱۱ ستمبر کو بعد ظہر فرمایا کہ رات جب مباحثہ سے (ایک بجے رات) دوست واپس ہوئے تو میں جاگتا تھا اس کے بعد غنودگی سی ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ٹیلی فون دل سے لگا ہوا ہے اس کی نالیوں میں سے ایک نالی میرے کان میں دی گئی ہے اور مجھے آواز آئی؛

چل رہی ہے نسیم -----

یہاں جو الفاظ تھے مجھے یاد نہیں رہے۔

جو دعا کیجیے قبول ہے

آج وعدہ سنتے ہی مجھے حضرت مولوی صاحب کی مکہ معظمہ والی دعا یاد آ گئی اور میں نے دعا کی وہی! ''میں جو دعا کروں قبول ہو جائے''

خوب حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے اس نامکمل الہام کے کیا کہنے! الہام کنندہ نے پہلے مصرع کو ادھورا ہی رکھا یا یوں کہو کہ ملہم کی شاعرانہ قوت محدود تھی مصرع نہ بن سکا۔ اگر یہ الہام من جانب اللہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مصرع ادھورا رہتا یا اس کا کچھ حصہ ملہم بھول جاتے۔ کیا ٹیلی فون خراب تھا یا اس کی نالیاں درست نہ تھیں۔ یہ ٹیلی فون دینے والا کوئی مسخرہ تھا کہ اس نے آدھا مصرع سنا کر ۔۔۔۔ کہہ لیا۔

۱۲ ستمبر کا واقعہ اسی اخبار میں یوں لکھا ہے آج میں نے ایک رؤیا دیکھی ہے کسی سے غیر مبایعین کا ذکر کرتا ہوں اور کہا کہ؛

''بالفرض ہماری جماعت سے کوئی غلطی بھی ہو جائے تو ہم عشقی ہیں اور وہ شقی مجھے ان الفاظ پر غور کر کے ایک لطف آتا ہے صرف ایک عین اڑانے سے عشقی سے شقی ہو جاتا ہے۔''

اللہ اللہ یہ رویہ کیسی صاف ہے اور کس طرح بتایا گیا ہے کہ محمد علی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کی چشم بصیرت و روحانیت ان سے چھن گئی ہے۔ واہ کیا خوب۔ عشقی اور شقی کا الہام بھی ایک عجیب نرالا ہے بہتر ہو کہ آیندہ لاہوری اور قادیانی کی بجائے حسب فرمودہ ابن المسیح دونوں پارٹیوں کو عشقی اور شقی لکھا جایا کرے۔ لاہوری پارٹی کو ہم شقی کہنے پر تیار نہیں ہیں البتہ قادیانی پارٹی کو عشقی کا خطاب دینا ہرگز ان کی ناراضی کا باعث نہ ہوگا کیونکہ یہ خطاب الہامی ہے کیوں نہ ہو جب مرزا جی باوجود پیر فرتوت ہونے کے سودائے عشق سے باز نہ آئے اور محمدی بیگم کے عشق کو قبر میں بھی اپنے ساتھ لے گئے تو پھر ابن المسیح باوجود نوجوان ہونے کے اگر عشقی کہلائیں تو کون سی تعجب کی بات ہے۔



۱۱۵ کتوبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۳

برطانیہ میں قادیانی تبلیغ

اس عنوان سے ایک طویل چٹھی شیخ بشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء کی طرف سے جو انگلستان میں مقیم ہیں اخبار ہمدم میں شائع ہوئی ہے جس کی نقل پیغام صلح لاہور میں بھی بجنسہ شائع ہوئی ہے اس چٹھی میں قدوائی صاحب نے قادیانیوں کی طرز تبلیغ کو جو انگلستان میں انہوں نے اختیار کر رکھی ہے بیان کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ قادیانیوں کی یہ تبلیغ اسلام کے لیے مفید نہیں بلکہ سخت خطرناک ہے کیونکہ قادیانیت کے داعی کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے گو بعض نادان مسلمان ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اپنے انگریزی رسالہ میں غیر احمدی کے نماز جنازہ پڑھنے اور ان سے رشتہ ناطہ کی ممانعت لکھی ہے۔ یہ لوگ اسلام کو بھی اپنے مفروضہ نبی (مرزا) پر منحصر کر رہے ہیں۔ جو مرزا غلام احمد کو نبی نہ مانے اس کو مسلمان نہیں مانتے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیت حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے پر منحصر ہے اسی طرح

اگر اسلام مرزا غلام احمد کو نبی ماننے پر منحصر ہے تو اسلام عیسائیت سے بھی بُرا ٹھہرا۔ یہ لوگ مرزا غلام احمد کے کچھ مفروضہ معجزے بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کا قابل مضحکہ ان لوگوں کی نگاہ میں ٹھہراتے ہیں۔ جواب یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھی ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت کو گھٹاتے ہیں اور اسلام کے منور چہرہ پر داغ لگاتے ہیں۔ الفضل وغیرہ قادیانی اخبارات و رسائل میں برابر قادیان کو "مدینۃ النبی" لکھا جاتا ہے اور مرزا غلام احمد کے اہل وعیال کو اہل بیت نبوی۔ انتہی

قادیانیوں کے ان عقائد کی تشریح کرتے ہوئے شیخ قدوائی صاحب نے مسلمان اہل اخبارات کو غیرت دلائی ہے کہ ایسے لوگوں کی کارگزاریوں کی جو رسول اسلام کی توہین کرتے اور اسلام کا مضحکہ اُڑاتے ہیں تم لوگ اشاعت کرتے ہو جو تم کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ قدوائی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے اسلامی اخبارات ان کی تحریرات کو چھاپنا شاید رواداری میں داخل سمجھتے ہیں مگر مذہبی حیثیت سے یہ گناہ سے کم نہیں ہے۔ قدوائی صاحب کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے اور یہ بات اسلامی اخبارات کی بے حمیتی میں داخل ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے مشن کی مدد کریں ان کی مبالغہ آمیز اور ذومعنی عبارات کو چھاپ کران کے سلسلہ کی اشاعت کریں حالانکہ وہ ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ایک دوسرا رسول تجویز کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کرتے ہیں۔ قدوائی صاحب نے اپنے مضمون میں خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی اور مولوی صدرالدین کی کارگزاری کو بہت کچھ سراہا ہے اور ان کی مدح سرائی کی ہے اس کے متعلق ہم کچھ نہیں لکھنا چاہتے ہیں کیونکہ دوسری طرف سے قادیانیوں نے جو جواب اس چٹھی کا الفضل میں شائع کیا ہے اس میں خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی اور ان کے ہم خیالوں کے عقائد کو کھول کر بتا دیا گیا ہے اور بجکم صاحب --- ادری بما فیہ قادیانی

اور لاہوری دونوں ایک کنبہ کے اشخاص ہیں اور ایک دوسرے کے حالات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہیں۔ الفضل لکھتا ہے کہ قدوائی صاحب کے الزامات ہمارے ذمہ حسب ذیل ہیں؛

۱۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور نہ جنازہ پڑھتے ہیں اور ان سے ناطہ ورشتہ کی ممانعت کرتے ہیں۔

۲۔ قادیان کو مدینۃ النبی اور مرزا کو رسول کہتے ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام کہتے ہیں لیکن شاید قدوائی صاحب کو معلوم نہیں کہ انہی الزامات کے ملزم خواجہ کمال الدین اور ان کے ہم خیال بھی ہیں۔

الفضل لکھتا ہے کہ اگر قدوائی صاحب ان کو ایسا نہیں سمجھتے تو ذرا مولوی محمد علی یا مولوی صدرالدین کو تحریک کریں کہ اگلا جمعہ بادشاہی مسجد [۱۷] یا وزیر خاں کی مسجد میں پڑھیں۔ جمعہ کو نہ جاسکیں تو نماز پنج گانہ میں سے کوئی نماز ہی کسی حنفی یا اہل حدیث یا شیعہ مولوی کی اقتداء میں پڑھ دیں تاکہ ثابت ہو جائے کہ وہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن اگر ایسا نہ کریں تو آپ ان کو بھی ان الزامات کا مورد سمجھیں۔ جنازہ کے متعلق بھی یہی عرض ہے کہ لاہور میں کئی صوفی اور مولوی وفات پاچکے ہیں کیا کسی کا جنازہ انہوں نے کبھی پڑھا ہے۔

الفضل لکھتا ہے کہ ہم قادیان کو اور وہ لاہور کو "مدینة المسيح" کہتے ہیں اسی طرح مرزا صاحب کو "رسول" مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب اپنی تحریرات میں برابر لکھتے رہے ہیں۔ (ان تحریرات کے حوالے دیے گئے ہیں جو صحیح ہیں۔ ایڈیٹر)

الفضل کے اس بیان کی ہم بھی تصدیق کرتے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ قادیانیوں اور لاہوریوں کے خیالات وعقائد میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قادیانی مرزا صاحب کے دعاوی نبوت رسالت اور دوسرے

مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھنے کے متعلق کھلے طور پر اعلان کرتے ہیں اور لاہوری پارٹی ایر پھیر کر کے ان ہی دعاوی کو پیش کرتے ہیں جب تک لاہوری گروہ اس عقیدہ پر قائم ہے کہ مرزا غلام احمد مسیح موعود ہیں اور کہ ان کے دعاوی جوان کی تصانیف میں لکھ ہیں ان میں وہ سچے ہیں۔ ہم صاف کہیں گے کہ وہ بھی مرزا جی کی نبوت و رسالت کا برابر کلمہ پڑھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور نیز جب تک یہ لوگ غیر احمدی مسلمانوں کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے یا ان کے جنازوں میں شامل نہیں ہوتے، کہا جائے گا کہ یہ ان مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہ صرف لاہوری پارٹی کا دھوکہ اور مغالطہ ہے جو عامۃ المسلمین کو اس میں ڈال کر وہ اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ہر دو گروہ عامۃ المسلمین سے بالکل الگ تھلگ ہیں اور دونوں کے مشن کی امداد کرنا باقی مسلمانوں کے لیے موجب ثواب نہیں بلکہ باعث گناہ ہے۔



[متفرق جن کی تاریخ معلوم نہ ہوسکی]

ولی نعمت اللہ قدس سرہ اور مرزا غلام احمد قادیانی

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی۔۔۔اب کے دنیا سے سدھار چکے ہیں اور اپنی وفات کے ساتھ بہت سی متہم بالشان پیشینگوئیوں کا بھی خاتمہ فرما گئے ہیں لیکن خوش اعتقاد مرید ہیں کہ ان سب سے چشم پوشی کر کے کسی نہ کسی بات کی آڑ میں مرزا صاحب کی صداقت کے لیے دلائل لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ان دنوں روزانہ پیسہ اخبار لاہور میں خاکسار نے ایک کامل و مکمل ولی حضرت نعمت اللہ قدس سرہ[۷۲] کے مقدس قصائد سے چند اقتباسات شائع کرائے ہیں جن کا تعلق جنگ طرابلس سے ہے اور جس کے وقوع وانجام کی خبر قصائد مذکورہ میں ولی موصوف نے چھٹی صدی ہجری میں دے دی ہوئی ہے۔آج میری نظر سے اخبار بدر قادیان[۷۳] مطبوعہ ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء کے صفحہ۔۔۔ میں ایک تحریر گزری جس میں اخبار موصوف کے ایڈیٹر ان قصائد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے بھی۔۔۔۔صاحب کے زمانہ کی خبر ملنا بیان فرماتے ہیں۔اس لیے میں ایڈیٹر موصوف کی آگاہی کے لیے۔۔۔کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ قصیدہ مذکورہ سے ۱۲۷۹ء کو مرزا صاحب سے منطبق کرنے کی بے سُود کوشش کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے بلکہ اس مقدس قصیدہ میں مرزا صاحب کا صراحت سے ذکر خیر درج ہے،جس طرف آپ نے توجہ نہیں فرمائی یا آپ کو اس کا علم ہی نہیں ہے۔ بہر حال جن اشعار میں حضرت مرزائیوں کا ذکر جمیل اس قصیدہ میں کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

مردے ز نسل تُرکاں راہزن شود چو شیطاں
گوید دروغ دستاں در ملک ہندیانہ
دو کس بنام احمد گمراہ کنند بیحد
سازند از دل خود تفسیر فی القرآنہ

شعر اول میں بالانفراد اور ثانی میں بالاشتراک جناب مرزا غلام احمد صاحب بتصریح نام ذکر خیر ہے۔ امید ہے کہ ایڈیٹر البدر اور دیگر احمدی صاحبان حضرت ولی نعمت اللہ قدس سرہ کی صریح پیش گوئی سے جو آج سے سات سو (۷۰۰) سال پہلے لکھی جا چکی ہے، ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ واللّٰہ یھدی من یشاء

راقم
ابوالفضل محمد کرم الدین از بھیں ضلع جہلم

☆☆☆☆☆
☆☆☆☆
☆☆☆
☆☆
☆

باب دوم

سراج الاخبار کے ضمیمہ جات

۱۔ مقدمہ اول کی روداد

۲۔ مقدمہ دوم کی روداد

۳۔ مقدمہ سوم کی روداد

۴۔ مقدمہ چہارم کی روداد

۵۔ تازیانۂ نقشبندی ربانی بتردید حملۂ قادیانی

۶۔ مرزا قادیانی کی عبرت ناک موت

ضمیمہ نمبرا: مقدمہ اول کی روداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداومصلیاومسلما

قدرت ہے تیری مولیٰ حیرت میں ہے خدائی
جلوے ہیں نت نرالے واہ شان کبریائی
ہے کون جو کہ تجھ بن عظمت کی لاف مارے
جس نے کیا ہے دعویٰ اس نے ہی منہ کی کھائی
کس زور سے تھے نکلے میداں میں میرزائی
کہتے تھے کوئی دم میں کر دیں گے سب صفائی
ٹھہرے مقابلہ میں طاقت بھلا ہے کس کی
کر دیں تباہ پل میں جس پر کریں چڑھائی
چھیڑا مقدمہ کا یہ سلسلہ انہوں نے
سمجھے کہ اس سے حاصل ہو گی بہت بڑائی
بس ایک دو ہی دن میں میدان جیت لیں گے
مچ جائے گی جہاں میں اک فتح کی دوہائی
لیکن نہ جانتے تھے منظور ہے خدا کو
دکھلانی اپنی قدرت تا دیکھ لے خدائی
بخشی حریف کو بس اللہ نے استقامت
میداں میں شیر غرّاں دینے لگا دکھائی
پس منہ کو دیکھ اس کے مرزائی تھرتھرائے
کہنے لگے کہ آفت سر پر ہے کیا یہ آئی

سمجھے تھے اک تماشا برپا ہوئی ہے آفت
مشکل ہے اس بلا سے ٹلنی ہمیں رہائی
ہر مرحلہ میں غالب اس کو کیا خدا نے
مرزائیوں کی شوخی مٹی میں سب ملائی
رُسوائی سخت آخر مرزا کو ہوئی حاصل
دو سال پورے ذلت حضرت نے بس اٹھائی
دارالاماں سے نکلے اہل و عیال لے کر
گورداسپور میں جا کر تھی بوریا بچھائی
ہر روزہ حاضری کی بھگتے سزا بہت دن
ہر قسم کی مصیبت حضرت کے سر پہ آئی
کرسی کے مدعی کو دن بھر کھڑا ہی رہنا
با پیری و ضعیفی عبرت بڑی تھی بھائی
جرمانہ پانسو یا چھ ماہ قید کی پھر
آخر سزا جو ہوئی ذلت تھی انتہائی
دعوی تھا یہ کہ لگنا چارج ہی ہے سزا بس
بعد اس کے کالعدم ہے ہو بھی اگر رہائی
ہوتی ہے وہ بریت جو فرد سے ہو پہلے
تریاق(۱) میں لکھا ہے پڑھ دیکھیں میرزائی
اور یاں تو فرد لگ کر تھی مل چکی سزا بھی
پھر دعوے بریت کرنا نہیں بھلائی
گرچہ اپیل منظور آخر کو ہو گیا ہے
حضرت کی اس سے ہوتی ہرگز نہیں صفائی

(۱) کتاب تریاق القلوب مصنفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۸۴ پر درج ہے کہ بری وہ ہے جس پر جرم ثابت نہیں اور اس کے مجرم ٹھہرانے کے لیے کوئی وجہ پیدا نہیں ہوئی۔ الخ

عبرت کا سبق ہے یہ اے بھائیو نرالا
قدرت کا ہے کرشمہ یہ ساری کارروائی
افراط سیم و زر پر تھا اک طرف بھروسہ
اور کثرت جماعت کی تھی مچی دوہائی
اور اک طرف توکل پر ناؤ چل رہی تھی
میداں میں ایک تنہا تھا لڑ رہا سپاہی
مرزا جی کر رہے تھے الہامی گولہ باری
ناکارہ گرچہ نکلی بس توپ میرزائی
تھی دوسری طرف کو امداد پیر چشتی
اور ڈھا رہی غضب تھی کیا سیف چشتیائی
آخر شکست کھائی میرزائیوں نے بھاری
میداں میں چشتیوں نے فتح عظیم پائی
مجموعہ ہے عجب یہ پڑھ کر تو دیکھو اس کو
اسرار ہوں گے ظاہر کھل جائے گی سچائی
وفق لنا الٰھی بالخیر کل آن
واحفظ لنا دواما عن شر ذی الغواء

مرزائیوں کی مقدمہ بازی

ناظرین عموماً اس امر سے آگاہ ہوں گے کہ ایک عرصہ سے چودھویں صدی کے مصنوعی نبی مرزا صاحب قادیانی نے اپنی امت کے ذریعہ مقدمہ بازی کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ جس کا نام اخبارات میں ''جہاد'' مشتہر کر کے اپنے جملہ معتقدین کو ان مجاہدین (مقدمہ بازوں) کی مالی امداد کی ترغیب دی جاتی اور اس پر نت نئے گونا گوں الہام بھی تراشے جاتے ہیں۔ خوش اعتقاد مرید اس نرالے جہاد مقدمہ بازی کے لیے دھڑا دھڑ روپے ٹکے بھیج رہے ہیں اور مجاہدین خم ٹھونک کر میدان کارزار کو گرم کیے ہوئے ہیں۔

مرزائی گروہ کے اس جہاد کا نشانہ وہ مسلمان یعنی مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ساکن بھیں تحصیل چکوال اور ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم ہیں اور مقدمات ضلع گورداسپور میں عدالت رائے چندلعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول میں زوروشور سے ہو رہے ہیں۔ ہر چند ان مقدمات کی مختصر کیفیت وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن شائقین کا روزمرہ کا تقاضا اور اصرار مجبور کرتا ہے کہ ان مقدمات کی کیفیت کا سلسلہ علیحدہ بطور ضمیمہ شائع کرنا شروع کیا جائے جس میں مقدمات کی صحیح کارروائی باندراج بیانات گواہان مصدقہ عدالت لکھے جائیں۔

پس ناظرین کو واضح ہو کہ اس وقت گورداس پور میں چار (۴) مقدمات حسب ذیل جاری ہیں:

(۱) استغاثہ حکیم فضل دین بھیروی بنام ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین دبیر بھیںوی زیر دفعہ ۴۲۰/ ۴۱۷ تعزیرات ہند (دغا)

(۲) استغاثہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم قادیان بنام مولوی محمد کرم الدین اور ایڈیٹر سراج الاخبار زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند (ازالہ حیثیت عرفی)

(۳) استغاثہ حکیم فضل دین بنام مولوی محمد کرم الدین دبیر زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند (مال مسروقہ کو مسروقہ سمجھ کر لے رکھنا)

(۴) استغاثہ مولوی محمد کرم الدین دبیر بنام مرزا غلام احمد صاحب قادیانی و حکیم فضل دین صاحب بھیروی زیر دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند (ازالہ حیثیت عرفی)

ان چاروں مقدمات کی کیفیت بالترتیب چار حصوں میں علیحدہ علیحدہ لکھی جائے گی۔

پہلے حصہ میں دفعہ ۴۱۷ دغا والے مقدمہ کا تذکرہ ہوگا۔ ثم فثم

قبل اس کے کہ اس مقدمہ کے متعلقہ بیانات لکھے جائیں، مرزا صاحب قادیانی اور ان کے رکن اعظم حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب بھیروی کے بیانات جو ایک دوسرے مقدمہ عذرداری انکم ٹیکس کے متعلق ہیں- درج کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ظاہراً ان

بیانات کا تعلق ان مقدمات سے نہیں ہے لیکن چونکہ ان بیانات کا اخیر میں ریویو کے وقت ان کے ان بیانات سے مقابلہ کرنا ہے جو ۱۸۹۷ والے مقدمات میں ہوئے ہیں، اس واسطے ان کو پہلے درج کر دینا مناسب سمجھا گیا ہے۔ اس وقت ان بیانات پر مقدمہ متدائرہ کے متعلق رائے زنی نہیں کی جا سکتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد انفصال مقدمہ اس پر مفصل ریمارک ہوگا۔ ہاں ان بیانات کے متعلق وہ نوٹس جو مقدمہ معہودہ سے تعلق نہیں رکھتے ناظرین کی دل چسپی کے لیے مختصراً ساتھ ساتھ عرض کر دیے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کا بیان (۱) متعلقہ عذرداری انکم ٹیکس

نقل بیان مرزا غلام احمد بمقدمہ عذرداری ٹیکس اجلاسی ایف ٹی ڈکسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر گورداسپور روبروئے منشی تاج الدین صاحب تحصیل دار بٹالہ

مرجوعہ ۲۰ جون ۱۸۹۸ء　　فیصلہ ۷ ستمبر ۱۸۹۸ء

نمبر بستہ قادیان　　نمبر مقدمہ ۵۵

مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمد ولد غلام مرتضیٰ ذات مغل سکنہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بیان مرزا غلام احمد صاحب

مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضیٰ ذات مغل ساکن قادیان عمر ۶۰ سال تخمیناً پیشہ زمین داری باقرار صالح

---

(۱) مرزا صاحب کے اس بیان کے پڑھنے سے ان کی ریاست اور زمین داری کی آمدنی کی قلعی کھل گئی۔ مدت سے رئیس رئیس سنا کرتے تھے لیکن۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ☆ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

۔آخر ریاست کا نرا دعویٰ ہی نکلا۔

میرے تین (۳) گاؤں تعلقہ داری کے ہیں۔(۱) منسی ہنگل، دکھارا ان کی آمدنی سالانہ تخمیناً بیاسی روپیہ ۱۰/ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میری اراضی قریباً اسی (۸۰) گھماؤں غیر موروثی ہے اور کچھ موروثی ہے جس کی آمدنی مل ملا کر تخمیناً تین سو (۳۰۰) روپیہ سالانہ ہوتی ہے۔ میرا باغ بھی ہے (۲) اس کی آمدنی مختلف سالوں میں مختلف ہوتی ہے چنانچہ کسی سال میں دو سو کسی سال میں تین سو کسی میں چار سو حد درجہ پانچ سو روپیہ سالانہ ہے۔ ان آمدنیوں کے علاوہ میری کوئی آمدنی نہیں ہے۔ میرا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جس کا مجھے کرایہ آتا ہو۔ اس گاؤں میں یا کسی اور جگہ اگر میرا اسکونتی مکان (۳) کرایہ پر دیا جائے تو تخمیناً دو روپیہ ماہوار کرایہ کی آمدنی ہو۔ میرا انقد روپیہ اس قسم کا کوئی نہیں ہے جس کی مجھے آمدنی ہو۔ بنک وغیرہ میں کوئی روپیہ نہیں ہے۔ میری زوجہ کے زیورات قریباً چار ہزار روپیہ کے ہوں گے (۴) لیکن وہ میری ملکیت نہیں

(۱) یہاں سے تو خیال گزرتا ہے کہ واقعی آپ ایک اچھے زمین دار ہوں گے کہ تین گاؤں کی تعلقہ داری رکھتے ہیں۔ لیکن پھر اس کے ساتھ یہ پڑھ کر کہ ان کی آمدنی سالانہ تخمیناً۔۔۔ ہوتی ہے۔ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ ایک ادنیٰ زمین دار کی سی آمدنی بھی نہیں ہے۔ شک تھا کہ اس تعلقہ داری کے علاوہ کوئی اور معقول حصہ جائیداد زرعی کا ہوگا۔ لیکن وہ شک بھی رفع ہو گیا جب یہ پڑھا۔ اس کے علاوہ میری اراضی قریباً اسی (۸۰) گھماؤں غیر موروثی ہے اور کچھ موروثی۔ جس کی آمدنی مل ملا کر تخمیناً تین سو روپیہ سالانہ ہوتی ہے۔ بس ریاست کی پونجی ختم ہو گئی۔

(۲) یہاں سے پھر وہم گزرا کہ آپ باغوں کے مالک بھی ہیں اگر آمدنی دو تین سو روپیہ سالانہ کچھ بڑی بات نہیں لیکن آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ ان باغات کی ملکیت تو آپ کی زوجہ محترمہ کے نام منتقل ہو چکی ہے اور آپ نرے مہدی ہی رہ گئے۔

(۳) اوہو پھر تو آپ کی حالت قابل رحم ہے۔ رئیس ابن رئیس اور مکان ایسا بے حیثیت۔

(۴) کیوں مرزا جی یہی بیوی صاحبہ ہیں جن کو کبھی تو شہر بانو سے تشبیہ دی جاتی ہے اور کبھی بھرے منہ سے ان کو ام المومنین کا خطاب۔ اور ''علیہا الصلوٰۃ والسلام'' کا تحفہ دیا جاتا ہے۔ کیا امہات المومنین بھی زینت دنیا کی دل دادہ اور زیورات غالیہ کی شیدا تھیں۔ کلا و حاشا۔ اور کیا عورت کو چار ہزار روپیہ کا زیور پہنانا اسراف نہیں ہے اور آیت ان المبذرین الخ کا مضمون یہاں صادق نہیں آئے گا۔ اگر آپ سچے رسول ہوتے تو عورت کی اس زیور طلبی پر فوراً وہ ڈانٹ بتاتے جو ہمارے سید و مولیٰ سچے نبی (فداہ ابی و امی) نے فرمائی تھی۔ ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین متعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ الآیۃ

ہے۔ میں نے اپنا باغ (۱) اپنی زوجہ کے پاس رہن کر دیا ہے۔ ابھی تک رجسٹری ہوئی ہے داخل خارج نہیں ہوا۔لیکن قبضہ باغ کا دے دیا ہوا ہے اس کے عوض چار ہزار کا زیور (۲) اور ایک ہزار روپیہ نقد میں نے وصول پایا ہے۔ یہ زرِ رہن ابھی میں نے کہیں لگایا نہیں ہے میرے پاس پڑا ہے۔تخمیناً دو ہزار کا زیور میری زوجہ کا ان کی والدہ نے دیا تھا اور باقی (۳) کا دو ہزار روپیہ کا زیور چودہ (۱۴) سال میں میں نے اپنی زمین داری کی آمدنی سے ڈالا ہوا تھا۔ یہ دو ہزار کا زیور بھی میں اپنی زوجہ کی ملکیت میں کر چکا تھا میرے مریدوں سے مجھے تخمیناً پانچ ہزار دوسو روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ یہ آمدنی مجھے اس سال میں ہوئی جس کی بابت انکم ٹیکس لگائی ہوئی ہے اور اوسط سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپیہ کی ہوتی ہے۔ یہ تخمینہ میں نے یادداشت سے لکھوایا ہے تحریری یادداشت میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ اس میں سے میں اپنے ذاتی خرچ میں کچھ بھی نہیں لاتا اور نہ مجھے ضرورت ہے۔ (۴) میرا اپنا ذاتی خرچ تو سات آٹھ روپیہ ماہ وار میں ہوسکتا ہے۔ یہ روپیہ مختلف مدّوں میں خرچ ہوتا ہے جس میں سے بڑی مدارس کی لنگر خانہ ہے۔ لنگر خانہ میں جو آٹا خرچ ہوتا ہے اس کا حساب موضع ریہہ اور موضع پاروال اور بٹالہ میں ساہوکاران اور مالکان گھوراٹ سے دریافت ہوسکتا ہے۔ موضع ریہہ میں مہر سنگھ اور متاب سنگھ

---

(۱) واہ صاحب واہ۔ بیوی صاحبہ بھی آپ کی اچھی ہم درد اور غم گسار ہیں۔ خاوند ایسا جو امامت، نبوت بلکہ خدائی کا دعوی دار۔ اور گھر والوں کے نزدیک ایسا بے اعتبار کہ بیوی صاحبہ قرضہ تب دیتی ہیں کہ جائیداد پہلے رجسٹری کرالی جاتی ہے۔

(۲) مگر یہ عقدہ حل نہیں ہوا کہ پانچ ہزار روپیہ قرضہ کی مرزا جی کو کون سی ضرورت پڑی تھی جس کے عوض اپنی جدّی میراث اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اور وہ روپیہ کن ضروریات دینویہ یا دینیہ میں خرچ ہوا ہے۔

(۳) بے شک آپ کی جاں نثاری تو قابل داد ہے کہ اپنی عمر بھر کی کمائی بیوی صاحبہ کے زیورات کی نذر کر دی۔ البتہ ان کی سرد مہری پر افسوس ہے کہ آپ کو قرضہ دیتے وقت ساری جائیداد ہی سنبھال لی۔

(۴) شاید وہ افواہ غلط ہوگی کہ سال بھر میں ہزاروں روپیہ کا عنبر ہی اُڑ جاتا ہے۔ اگر اس افواہ کی بھی کچھ اصلیت ہے تو وہ کس مد میں خرچ شمار ہوگا۔

اور ٹہل سنگھ سے اوراس کے حصہ دار ٹھیکیداران سے اور موضع پارووال میں ٹھیکہ دار کا نام یاد نہیں ہے، وہاں سے اور قصبہ بٹالہ میں ویر بھان بانیہ ولد گنڈا مل سے لیتے رہے ہیں، جس سال کی بابت انکم ٹیکس تشخیص ہوا ہے اس سال میں آٹا بٹالہ میں ویر بھان ولد گنڈا مل بانیہ سے اور وہار یوال میں متاب سنگھ وٹھل سنگھ ٹھیکیداران گھوراٹ سکنائے امرتسر سے لیا گیا ہے۔ حساب آمد آٹا کا ان کے پاس ہے۔ ہمارے پاس مفصل نہیں ہے البتہ ویر بھان کی زبانی اتنا درج ہے کہ اس سال ویر بھان سے تخمیناً چار سو کا آٹا آیا ہے۔ وہاری وال کے آٹا کا کوئی حساب معلوم نہیں ہے یہ وہاں سے دریافت ہوسکتا ہے۔ اس سال آٹا علاوہ مندرجہ بالا کے گندم دوکان باغ کتھری آڑھتی ساکن قادیان سے معہ ۶۷ من بحساب ساڑھے سولہ سیرف روپیہ کی تخمیناً ایک سو ستاسٹھ روپیہ کی خریدی۔ اسی سال میں دہپت آڑھتی ساکن قادیان سے گندم تخمیناً تین سو روپیہ کی خریدی۔ میں نے خرچ آٹا وغیرہ یعنی گوشت مصالح روغن زرد چاول چائے دودھ وتیل مٹی وچارپائی مصری کھنڈ کا آٹے میں نقل کر کے داخل کیا ہوا ہے۔ وہ تخمیناً ستاراں سو تریسٹھ (۱۷۶۳) روپیہ خرچ اس سال میں ہوا ہے جو آمدنی مدرسہ کی مد پر آتی ہے وہ اس آمدنی کے علاوہ ہے اوراس کا خرچ بھی اس خرچ کے علاوہ ہے۔ میں نے انتظاماً وہ کام مولوی نورالدین صاحب کے سپرد کر رکھا ہے وہی حساب و کتاب رکھتے ہیں اور بذریعہ اشتہار چندہ دہندگان کو اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا روپیہ براہ راست مولوی نورالدین کے نام ارسال کریں میں نے اپنی آمدنی پانچ ہزار دوسو روپیہ سالانہ مریدوں کے ذریعہ ٹھہرائی ہے۔ اس میں مدرسہ کی آمدنی درج نہیں ہے اور وہ اس لحاظ سے کہ وہ آمدنی براہ راست مولوی نورالدین صاحب کے سپرد ہو کر ان کو پہنچتی ہے اس آمدنی اور خرچ کا مدرسہ کا حساب وکتاب ان کے پاس ہے وہ حساب و کتاب باضابطہ ہے۔

اس سال میں اکیس (۲۱) اشتہار مشتہر کیے گئے جن میں سے بعض کی تعداد

سات سو اور بعض کی چوداں سو اور بعض کی دو ہزار ہے۔ ان پر صرف ڈاک کا خرچ اس سال میں دو سو روپیہ تخمیناً ہوا ہے۔ جواب خطوط رجسٹری وغیرہ پر اس سال میں تخمیناً دو سو چالیس روپیہ خرچ ہوا ہے۔ خرچ مطبع اس سال میں تخمیناً ایک ہزار روپیہ ہوا ہے جس کا حساب کوئی نہیں ہے۔ اس میں مدّات ذیل ہیں:

رولیا ماہوار ۴	اسفنجیا ماہوار ۶
کل کش ماہوار ۶	پریس مین ماہوار ۸
سنگساز ماہوار ۱۰	کاپی نویس ماہوار ۱۵
کاغذ ماہوار ۴۷	سائر خرچ ماہوار ۴

آمدنی مطبع کی حسب ذیل اس سال میں ہوئی ہے۔ آمدنی فروخت کتب چار سو اٹھاسی روپیہ دس آنہ۔ چنانچہ اس حساب سے خرچ مطبع آمدنی سے تخمیناً پانچ سو روپیہ کے قریب زیادہ آتا ہے۔ یہ خرچ دوسری مدّات میں سے دیا جاتا ہے کیونکہ مریدوں کی طرف سے مجھے اجازت ہے کہ حسب ضرورت ایک مد سے دوسری مد میں روپیہ خرچ کر لیا جائے جو بچت سال گزشتہ کی کبھی ہوتی ہے تو میں حسب ضرورت آئندہ سال اس کو خرچ کر دیتا ہوں۔ دینی ضرورت میں خرچ کیا جاتا ہے۔ میرے ذاتی خرچ سے اس خرچ کو تعلق نہیں ہے۔ مجھے کوئی حاجت نہیں ہے کہ میں مریدوں کا روپیہ اپنے خرچ میں لاؤں، میرا خرچ میری آمدنی ذاتی سے جو صرف زمینداری سے ہوتی ہے اور کسی قسم کی آمدنی نہیں ہے۔ کم ہے۔ میں اپنی ذاتی آمدنی سے بھی مدّات مذکورہ بالا میں خرچ کر دیتا ہوں۔ میری ذاتی آمدنی جس قدر مجھے باقی بعد از منہائی خرچ بچتی ہے وہ میں کسی دینی خدمت میں خرچ کر دیتا ہوں، تجارت وغیرہ کسی کام میں جہاں سے آمدنی ہو خرچ نہیں کرتا اور کچھ بیان نہیں کیا۔

دستخط حاکم

دستخط مرزا غلام احمد بقلم خود

۱۵ اگست ۱۸۹۸ء

مولوی نورالدین صاحب کا بیان

نقل بیان حکیم نورالدین روبروئے تاج الدین صاحب تحصیل دار باختیار اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم پرگنہ بٹالہ

مشمولہ مسل عدالت مال باجلاس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کلکٹر بہادر ضلع گورداسپور

مرجوعہ ۲۰ جون ۱۸۹۸ء فیصلہ ۱۳ ستمبر ۱۸۹۸ء

نمبر بستہ × نمبر مقدمہ ۵۵

تعداد ٹیکس مشخصہ ۱۸۸ تعداد ٹیکس بوجہ فیصلہ عذرداری

تعداد ٹیکس بعد فیصلہ اپیل (اگر ہوا)

مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمد ولد غلام مرتضٰی ذات مغل ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بیان حکیم نورالدین۔ حکیم نورالدین ولد غلام رسول ذات قریشی فاروقی ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور باقرار صالح

۵ سال سے میں مرزا صاحب کی خدمت میں ہوں۔ مرزا صاحب کا اپنا گزارہ باغ (ا) اور زمین سے ہے۔ لوگ جو باہر سے بھیجتے ہیں وہ روپیہ مرزا صاحب اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاتے جو روپیہ مرزا صاحب کو علاوہ اپنی آمدنی کے باہر سے آتا ہے اس کو وہ پانچ مدوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اول جو مہمان باہر سے آتے ہیں ان کی مہمان نوازی پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ مہمان خاص مرزا صاحب کے پاس آتے ہیں جہاں تک مجھے علم ہے کل مہمان مرزا صاحب کے پاس علم دین سیکھنے کے لیے آتے ہیں کبھی ایسے مہمان بھی آ جاتے ہیں جن کا ان سے محض دوستانہ تعلق ہے اور دین کی وجہ سے نہیں آتے۔ بعض صورتوں

(ا) وہی باغ جو رہن ہو چکا ہے پھر اس کی آمدنی میں مرزا صاحب کو کیا دخل۔

میں مرزا صاحب کو لوگوں سے ہدایت ہوتی ہے کہ ان کا روپیہ مہمان نوازی میں خرچ ہو اور بعض صورتوں میں ایسی ہدایت نہیں ہوتی اور مرزا صاحب خود بخود مہمان نوازی میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ جس روپیہ کی باہر کے لوگ تخصیص نہیں کرتے اس کی نسبت مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ پانچ مدوں میں سے جس مد میں چاہیں خرچ کریں۔ مرزا صاحب نے اول کتاب فتح الاسلام اور توضیح مرام میں ان پانچ مدوں کا ذکر کیا ہے۔ میں مرزا صاحب کو اپنی گرہ سے روپیہ دیا کرتا ہوں لیکن تخصیص نہیں ہوتی کہ وہ ان پانچ مدوں میں سے فلاں مد میں خرچ کریں جو روپیہ میں دیتا ہوں وہ ان مدوں میں ضرور خرچ ہوتا ہے۔ دوسری مد خط و کتابت کی ہے، تیسری چھپائی کتابوں کی چوتھی قیام مدرسہ پانچواں بیمار اور مساکین کی امداد کے لیے۔ ان باقی ماندہ مدوں میں جو روپیہ خرچ ہوتا ہے کبھی بھیجنے والے تخصیص کر دیتے ہیں کبھی تخصیص نہیں کرتے۔ مرزا صاحب کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ان پانچ مدوں کے متعلق جس قدر روپیہ مرزا صاحب کے پاس آتا ہے وہ خیرات کا ہے۔ لنگر خانہ میں سے مرزا صاحب خود کھانا اکثر کھالیا کرتے ہیں کیونکہ ان کا اپنا روپیہ بھی ان مدوں میں خرچ ہوتا ہے۔ ان مدوں کے روپیہ میں سے مرزا صاحب اپنا کپڑا نہیں بناتے۔ لوگ (۱) مرزا صاحب کو ان کے اپنے خرچ کے لیے بطور ہدیہ کے پیری مریدی کے طور پر دیا کرتے ہیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی آمدنی تخمیناً سالانہ کتنی ہے مجھے معلوم نہیں ہے کہ ایسی آمدنی سالانہ پانچ سو روپیہ سے کم ہے یا زیادہ۔ مرزا صاحب کے بال بچے ہیں: تین لڑکے اور ایک لڑکی ایک لڑکا پڑھتا ہے اور دوسرے دو چھوٹے ہیں۔ ان کے لیے مرزا صاحب کی

(۱) حکیم الامت صاحب کا یہ بیان ان کے مرشد صاحب کے بیان کے متناقض ہے وہ تو صاف لکھتے ہیں مجھے کوئی حاجت نہیں ہے کہ میں مریدوں کا روپیہ اپنے خرچ میں لاؤں۔ میرا خرچ میری آمدنی ذاتی سے جو صرف زمینداری سے ہوتی ہے اور کسی قسم کی آمدنی نہیں ہے کم ہے اور حکیم الامت فرماتے ہیں کہ لوگ مرزا صاحب کو ان کے اپنے خرچ کے لیے بطور ہدیہ کے پیری مریدی کے طور پر دیا کرتے ہیں۔ ان دونوں اقوال سے کس کا قول سچا اور کس کا جھوٹا ہے۔

اپنی آمدنی کافی ہے۔ مرزا صاحب کے دولڑکے اور بھی ہیں لیکن ان سے مرزا صاحب کا کوئی تعلق نہیں۔ ابھی چھوٹے لڑکے کی تعلیم پر جو پڑھ رہا ہے کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ لڑکی بھی دودھ پینے والی بچی ہے۔ مرزا صاحب کے خسر پنشن یاب ہیں اور آسودہ حال ہیں۔ نواب لوہارو کے رشتہ دار ہیں معلوم نہیں کہ قریبی یا بعیدی۔ اس وقت مرزا صاحب کی ایک عورت ہے مجھے معلوم نہیں کہ ان کے خسر نے کیا زیور دیا۔ میں ساتھ نہیں گیا تھا مجھے معلوم نہیں کہ ان کی عورت کا اس وقت کس قدر زیور ہے مجھے علم نہیں کہ اس سال میں یا کبھی پہلے کوئی زیور ان کی عورت کا بنا ہو۔ مرزا صاحب بیوپار وغیرہ نہیں کرتے۔

دستخط حاکم

۵ اگست ۱۸۹۸ء

پہلا مقدمہ زیر دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند

یہ وہ استغاثہ ہے جو مرزا صاحب کے ایک حواری حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو عدالت رائے گنگا رام صاحب مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور میں بنام ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین صاحب دائر کیا تھا اور جس میں حضرت خلیفہ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ مدظلہ کو بھی شہادت میں طلب کرایا تھا۔ اس مقدمہ کے متعلق مولوی محمد کرم الدین صاحب نے عدالت عالیہ چیف کورٹ پنجاب میں درخواست انتقال کی تھی۔ اس اثنائے میں رائے گنگا رام صاحب گورداسپور سے تبدیل ہو گئے۔ عدالت عالیہ نے درخواست انتقال نامنظور کر کے مقدمہ ضلع گورداسپور میں واپس بھیجا اور عدالت رائے چند لعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول کے سپرد ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے مرزائی جماعت کے اعلیٰ ارکان حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کی شہادتیں بھی ہوئیں اور ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم، مولوی فیض الحسن صاحب خلف مولانا مولوی محمد حسن صاحب فیضی مرحوم، مفتی سلیم اللہ صاحب [۴۷] سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور، شاہ حسین سابق منشی لنگر حضرت پیر صاحب مدظلہ کے بیانات بھی بطور گواہان استغاثہ ہوئے۔ اور نیز

بابو غلام حیدر تحصیل دار گواہ استغاثہ کا بیان بھی ہوا۔ ذیل میں اول نقل استغاثہ اور نقل بیان مستغیث درج کر کے اس کے بعد حکیم الامت اور مولوی عبدالکریم صاحب کے بیانات درج ہوں گے۔ سر دست صرف بیانات بلا کسی قسم کے اظہار رائے کے درج کریں گے اور فیصلہ مقدمہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ہر ایک بیان پر مفصل بحث کی جائے گی۔

نقل استغاثہ حکیم فضل دین

نقل استغاثہ بمقدمہ فوجداری متدایرہ محکمہ

رائے گنگارام صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

حکیم فضل دین ولد کرم دین سکنہ قادیان مستغیث

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر سکنہ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

جرم ۴۲۰/۴۱۷ تعزیرات ہند

(۱) مستغیث ایک مطبع موسومہ ضیاء الاسلام واقع قادیان کا مالک ہے۔ عرصہ ایک سال سے زیادہ گزرا ہے کہ مستغیث نے ایک کتاب اسمی اعجاز المسیح مصنفہ جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان اپنے مطبع سے بغرض فروخت شائع کی۔

(۲) یہ کہ مستغیث کی شائع کردہ کتاب کے مقابل ایک کتاب اسمی سیف چشتیائی پیر مہر علی شاہ سکنہ گولڑہ نے شائع کی اور اس کتاب میں اعجاز مسیح شائع کردہ مستغیث کی تردید کی گئی جس سے مستغیث کو نقصان کا احتمال تھا۔

(۳) مستغیث اس فکر میں تھا کہ کتاب سیف چشتیائی کا جواب شائع کرے جبکہ ملزم کی طرف سے اور اس کی سازش سے ملزم کے ایک شاگرد مسمی شہاب الدین کی طرف سے چند خطوط موضع قادیان میں جو حدود سماعت عدالت ہذا میں ہے، پہنچے اور ان خطوط میں ملزم نے یقین دلایا کہ سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی شاہ کا وہ حصہ جو مستغیث کی شائع کردہ کتاب اعجاز مسیح کی تردید میں لکھا

گیا ہے اس میں سرقہ ہے جو ایک شخص مسمی محمد حسن متوفی کی تحریر سے کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی ان خطوط میں ملزم نے لکھا اور لکھایا کہ مرزا صاحب کی جماعت کے کسی معتبر کے موضع بھیں میں آنے پر اس سرقہ کا ثبوت مل سکتا ہے۔

(۴) یہ کہ مستغیث مرزا صاحب کا مرید بھی ہے اور سرقہ مبینہ فقرہ نمبر ۳ کے ثابت ہونے پر مستغیث کا ذاتی مفاد بہت کچھ مبنی ہے اس لیے مستغیث نے ملزم کی تحریر پر اعتبار کر کے عین موسم گرما میں قادیان سے جو حدود سماعت عدالت ہذا میں ہے، سفر اختیار کیا اور موضع بھیں میں پہنچا۔

(۵) یہ کہ مستغیث کے موضع بھیں میں پہنچنے پر ملزم نے ایک کتاب دکھلائی جس کے حاشیہ پر کچھ نوٹ لکھے ہوئے تھے اور مستغیث کو ہر طرح سے یقین دلایا گیا کہ یہ نوٹ مسمی محمد حسن متوفی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور اس کی نقل بجنسہ پیر مہر علی شاہ نے اپنی کتاب میں بطور سرقہ کی ہے اور یہ کتاب چھ روپیہ کے خرچ کرنے پر مستغیث کو مل سکتی ہے۔

(۶) یہ کہ حسب تحریک وتحریر ملزم مستغیث نے معرفت ملزم کتاب محولہ فقرہ نمبر ۵ مبلغ چھ روپیہ پر خرید لی اور پھر واپس ہوا یہ کہ سفر کی تکلیف سے مستغیث واپس آ کر بیمار ہو گیا۔

(۷) یہ کہ اب ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ملزم نے خود سراج الاخبار جہلم میں شائع کیا ہے کہ ملزم نے مستغیث سے دھوکہ کیا۔ ملزم اس اخبار میں معترف ہے کہ اس نے بغرض دھوکہ دہی مستغیث کو ایک کتاب خام نویس طفل سے کتاب خود لکھا کر کتاب دکھلائی اور مستغیث کے آگے غلط بیان کیا کہ یہ نوٹ محمد حسن متوفی کے قلم سے ہیں جن سے پیر مہر علی شاہ نے سرقہ کیا تھا۔

(۸) یہ کہ اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ اس نے جو خطوط شروع میں قادیان لکھے تھے وہ بھی بغرض دھوکہ دہی تھے اور ان کا مضمون خلاف واقعہ تھا۔ ملزم نے یہ بھی اخبار میں لکھا ہے کہ مستغیث نے ملزم کے دھوکہ میں آ کر مالی جسمانی اور شہرت و نیک نامی کا نقصان اٹھایا ہے اور یہ تمام کچھ ملزم نے ارادتاً

بدنیتی سے کیا۔

(۹) یہ کہ ملزم نے اپنے افعال سے جس کا وہ خود اقراری ہے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ جس کی سزا دفعات ۴۲۰۔ ۴۱۷ تعزیرات ہند میں تحریر کی گئی ہے۔ لہذا استدعا ہے کہ ملزم سے قانونی سلوک کیا جائے اور مستغیث کی داد رسی فرمائی جائے۔

تصدیق: مستغیث اپنے علم سے تصدیق کرتا ہے کہ اس کے علم سے ہے۔

عرضے

کم ترین فضل دین معرفت خواجہ کمال الدین و مولوی محمد علی وکلاء

۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء

نوٹ: اخبار سراج الاخبار جہلم جلد ۸ مطبوعہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء نمبر ۴۱ شامل ہے جس میں مراسلات "مرزائیوں کی فریب بازی کا ایک تازہ نمونہ" عنوان ہے جس میں ایک مضمون بصفحہ ۶، ۷، ۸ از طرف ملزم درج ہے۔

بیان مستغیث فضل دین سکنہ قادیان ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء

میں نے ایک کتاب اعجاز مسیح اپنے مطبع واقع قادیان میں شائع کی جس کا جواب پیر مہر علی شاہ سکنہ گولڑہ نے ایک کتاب موسومہ سیف چشتیائی میں دیا۔ چنانچہ سیف چشتیائی میرے پاس پہنچی جس کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ ان دنوں میں خطوط ملزم کے آئے جن میں لکھا تھا کہ کتاب سیف چشتیائی میں مولوی محمد حسن متوفی کے نوٹ ہاء ہیں جو حاشیہ اعجاز مسیح میں متوفی نے اپنی حیات میں درج کیے تھے۔ نیز ملزم نے یہ بھی لکھا کہ اگر کوئی معتبر قصبہ قادیان سے موضع بھیں میں آئے تو وہی کتاب اور نوٹ مندرجہ کتاب دیکھے جا سکتے ہیں چنانچہ میں ان خطوط کی تحریر سے خود موضع بھیں کو چلا گیا۔ وہاں جا کر ملزم نے ایک کتاب موسومہ اعجاز مسیح مجھ کو دکھلائی جس کے حاشیہ پر وہی نوٹ درج اور یہ کہا کہ یہ نوٹ دستخطی مولوی محمد حسن متوفی کے لکھے ہوئے ہیں۔ پھر ملزم کے

کہنے پر مظہر چکوال میں چلا گیا اور وہی قیمت بہ قیمت چھ روپیہ ملزم نے خرید کر میرے پاس بھیج دی۔ اب ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار، جہلم میں ملزم نے یہ فقرہ ہاء شائع کیے کہ کتاب اعجاز مسیح پر نوٹ محمد حسن متوفی کے قلم کے نہیں۔ بلکہ ہم نے دھوکہ دینے کی غرض سے ایک خام نویس سے لکھوا رکھے تھے اور اصل میں محمد حسن متوفی کے لکھے ہوئے نہیں ہیں چونکہ ملزم نے مجھ کو دھوکہ دے کر نقصان مال و جان کا پہنچایا ہے اس لیے استغاثہ ہے۔

ترجمہ نقل انگریزی بیان مستغیث (یعنی حکیم فضل دین)

جورائے گنگارام صاحب کی عدالت میں بتاریخ ۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء کو ہوا۔

بیان مستغیث

میں ۱۸۹۵ء سے قادیان میں رہتا ہوں۔ میں مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہوں۔ میں مالک مطبع ضیاء الاسلام پریس قادیان کا ہوں۔ اس مطبع میں کتاب اعجاز مسیح طبع کی۔ جس میں پیر مہر علی شاہ ساکن گولڑہ کو تحدی کے ساتھ دعوت دی گئی تھی کہ وہ کوئی کتاب تردید مضامین اعجاز المسیح میں لکھے۔ پیر مہر علی شاہ نے ایک کتاب سیف چشتیائی بجواب کتاب مذکورہ بالا لکھی۔ میں نے تمام سیف چشتیائی نہیں پڑھی مگر اس کے وہ مقامات جو تردید اعجاز المسیح میں لکھے ہیں، پڑھے۔ گزشتہ موسم گرما میں مجھے ایک چٹھی میاں شہاب الدین شاگرد ملزم کی ملی جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ سیف چشتیائی پیر مہر علی شاہ کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ مولوی محمد حسن سکنہ بھیں کے ان نوٹوں کا سرقہ ہے جو مولوی مذکور نے اعجاز المسیح کے حاشیہ پر لکھے تھے یہ چٹھی میرے پاس نہیں ہے گم ہوگئی ہے یہ چٹھی فی الحقیقت مرزا غلام احمد کے نام تھی۔ مرزا صاحب کے زیر ہدایت ایک چٹھی مولوی عبدالکریم نے بجواب اس کے لکھی کہ اس امر کا کہ پیر مہر علی شاہ مجرم سرقہ ہے کوئی پختہ ثبوت ہونا چاہیے۔ مولوی عبدالکریم کو ایک چٹھی پی نمبر ۲ ملی۔ لفافہ میں دو چٹھیاں تھیں۔ پی نمبر ۳ ایک مرزا صاحب کی طرف دوسری

عبدالکریم کی طرف۔ دونوں چٹھیاں ایک تختہ کاغذ پر تھیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد مرزا صاحب کو ایک چٹھی پی نمبر ۴ از جانب ملزم ملی۔ ایک پوسٹ کارڈ پی نمبر ۵ دونوں لفافوں میں سے ایک لفافہ میں پایا گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس لفافہ میں تھا مگر غالباً ملزم کی چٹھی کے لفافہ میں تھا۔ اس پوسٹ کارڈ پر مہر گولڑہ اور ڈہمن کی ہے اور یہ مولوی کرم دین کے نام پر آیا تھا جو چٹھیاں مرزا صاحب کو پہنچتی ہیں۔ ان کے دو قسم ہوتے ہیں ایک پرائیویٹ جو مرزا صاحب کی خاص حفاظت میں رہتی ہیں۔ دوسری متعلق بفرقہ جس کو مرزا صاحب مولوی عبدالکریم کو دے دیتے ہیں اور وہ بعد از نماز ظہر تمام مجمع میں جو مرزا صاحب کے مریدوں کا ہوتا ہے۔ سناتے ہیں۔ یہ چٹھیاں جو میں نے پیش کی ہیں مولوی عبدالکریم نے مجمع مریدان میں پڑھی تھیں جو چٹھی کرم الدین کی ہے اس کا یہ مضمون ہے اگر کوئی شخص مرزا صاحب کے مریدوں میں سے اس سے ملاقات کرے تو وہ اس کو کتاب اعجاز مسیح جس کے حاشیہ پر مولوی محمد حسن نے اپنے دستخطی نوٹ کیے ہوئے ہیں اور جن کی نقل بعینہ پیر مہر علی شاہ نے اپنی کتاب میں کی ہے۔ دکھا سکتے ہیں۔ اس وقت مرزا صاحب نے کہا کہ ان کے مریدان میں سے کوئی ایسا جو مولوی کرم دین کے پاس جائے۔ مرزا صاحب کی اس خواہش کی تعمیل میں مَیں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ زیادہ اس لیے کہ سیف چشتیائی کا حملہ میرے مطبع کی مطبوعہ کتاب پر تھا۔ مجھے مولوی کرم دین کی چٹھی کے مضامین پر یقین تھا۔ اس چٹھی کے پہنچنے پر ایک ہفتہ کے اندر میں نے سفر قادیان سے بھیں کو اختیار کیا۔ قادیان سے بٹالہ تک بذریعہ یکہ مجھے یاد نہیں ہے کہ یکہ والا کو میں نے کیا دیا تھا مگر میں عموماً اس سفر کا یکہ والا کو ایک روپیہ دیا کرتا ہوں۔ بٹالہ سے لے کر کھیوڑہ تک انٹرمیڈیٹ کلاس کا ریلوے سفر کیا۔ کھیوڑہ سے بھیں بذریعہ قاطر دو دن میں پہنچا جب میں نے قادیان چھوڑی تھی میری طبیعت ناساز تھی۔ بھیں میں ملزم سے ملا۔ ملزم نے مجھے اعجاز المسیح پی نمبر ۶ دکھائی اور مجھے یقین کرایا کہ وہی کتاب ہے جس میں

مولوی محمد حسن نے اپنے دستخطی نوٹ لکھے ہیں پھر ملزم نے مجھے باور کرایا کہ پیر مہر علی شاہ نے یہ کتاب اس کی معرفت منگوائی تھی اور نوٹوں کی نقل کے بعد واپس کی۔ ملزم نے مجھے دو پوسٹ کارڈ پی نمبر ۷ و پی نمبر ۸ دکھائے اور کہا کہ وہ کتاب جس کا حوالہ ان پوسٹ کارڈوں میں ہے وہ یہی نسخہ اعجاز المسیح کا تھا جو مجھے دکھایا تھا۔ مولوی کرم دین نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ نقل نوٹوں کی اس نے مرزا صاحب کو بھیجی ہے۔ وہ اسی کتاب کی تھی اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں بجنسہ ان نوٹوں کی نقل اعجاز المسیح پر اور بھی کر دیتا ہوں۔ میں پی نمبر ۹ پیش کرتا ہوں جو کہ اعجاز المسیح کے حاشیہ کے نوٹوں کی نقل ہے جو ملزم نے قادیان میں بھیجی ہے۔ میں ان نوٹوں کو شناخت کرتا ہوں کہ ملزم کے دستخطی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۷ پر ایک یادداشت دستخطی ملزم بدیں مضمون ہے کہ یہ نقل ان نوٹوں کی ہے جو مولوی محمد حسن نے کتاب اعجاز المسیح پر لکھے ہوئے ہیں اور یہ کہ پیر صاحب نے ان نوٹوں کی جو وہ سمجھ سکے ہیں اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے جس کو وہ نہیں سمجھ سکے ہیں وہ چھوڑ دیے ہیں۔

پی نمبر ۱۰ وہ کتاب ہے جس پر ملزم نے پی نمبر ۶ سے اپنے دستخطی میرے روبرو یہ نوٹ نقل کیے ہیں۔ پی نمبر ۷ و نمبر ۸ پر ڈاک خانہ گولڑہ کی مہر ہے۔ اس سفر کے اختیار کرنے سے میرا مطلب یہ تھا کہ میں اس واقعہ کا ثبوت پہنچاؤں کہ سیف چشتیائی ایک سرقہ تھا اور یہ بات پبلک میں ظاہر کروں۔ ملزم نے پی نمبر ۱۰ مجھے دی اور یہ کہا کہ تم سیف چشتیائی کی تردید کرواور ایسے نسخہ کی جو تم لکھو مجھے ایک جلد بھیجو۔ ملزم نے یہ بھی کہا کہ مالک پی نمبر ۶ اور اس کتاب کا جو مولوی محمد حسن نے لکھی ہے۔ یہاں موجود نہیں ہے۔ جب واپس آئے گا تو ملزم میرے واسطے اس کو خرید لے گا۔ یہ کہ یہ عرصہ مجھے کسی اور مقام پر صرف کرنا چاہیے مبادا کہ یہ مدعا کسی پر ظاہر ہو جائے۔ اس وجہ سے میں چکوال چلا گیا۔ بھیں سے چکوال تک سواری کے ذریعہ بہ کرایہ ۸/ کے پہنچا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک قاصد ملزم کی جانب سے میرے پاس پی نمبر ۶ اور پی نمبر ۱۱ لایا۔ بہ تعمیل مضامین

مندرجہ پی نمبر ۱۱ میں نے ۵/ حامل کو دیے۔ ۶/ ملزم کو روانہ کیے۔ پی نمبر ۱۱ ملزم کی دستخطی ہے۔ میں نے ۶ روپیہ پی نمبر ۶ کے لیے اس کو دیے کیونکہ میں نے یہ باور کیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جس پر مولوی محمد حسن نے اپنے ہاتھوں سے نوٹ لکھے تھے۔ پی نمبر ۶ کے حاصل کرنے کے بعد میں واپس قادیان پہنچا، تردید سیف چشتیائی جو کہ اس واقعہ پر مبنی تھی کہ سیف چشتیائی میں سرقہ کیا گیا ہے، ایک کتاب موسومہ نزول المسیح میں جو اس وقت زیر طبع تھی لکھنی کی۔ میں نے پہلی دفعہ ۸۰۰ کاپی کی طبع کا انتظام کیا تھا لیکن مرزا صاحب نے مجھے حکم دیا کہ مرزا صاحب کے صرف سے دو ہزار اور نسخہ میں مرزا صاحب کے لیے طبع کروں۔ جب میں بھیں گیا تھا تو نزول المسیح زیر طبع تھی۔ واپسی کے وقت میں نے تردید سیف چشتیائی مبنی بر سرقہ طبع کی اور یہ واقعہ بھی میری واپسی از بھیں پر وقوع میں آیا کہ مرزا صاحب نے مجھے دو ہزار مزید نسخہ نزول المسیح کے جس میں تردید سیف چشتیائی مبنی بر سرقہ ہے حکم دیا اس کتاب نزول المسیح کے ابھی تک تکمیل نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ ایک دوسری کتاب مواہب الرحمٰن چھاپنے کی اور نیز اس لیے کہ ملزم کی طرف سے ایک چٹھی سراج الاخبار جہلم میں اس مضمون کی چھپی کہ وہ چٹھیات جن کا یہ مضمون ہے کہ سیف چشتیائی مولوی محمد حسن کے نوٹوں کا سرقہ ہے غلط ہیں اور ملزم کی طرف سے تحریر نہیں ہوئیں اور یہ عمل جو کہ واقعہ ہوا ہے اس لیے تھا کہ مرزا صاحب مدعی الہام کو دھوکہ دیا جائے۔ ملزم کی اس چٹھی سے کتاب ناکارہ ہوگئی اب اس کو چھاپ نہیں سکتا۔ ملزم کی چٹھی مطبوعہ سراج الاخبار جہلم سے پہلے مجھے ایک چٹھی پی نمبر ۱۲ ملزم کی طرف سے پہنچی جس میں مطالبہ اس امر کا تھا کہ میں اس کو ایک نسخہ تردید سیف چشتیائی کا بھیجوں۔ تھوڑے دنوں کے بعد مجھے ملزم کی ایک چٹھی پی نمبر ۱۳ ملی۔ لفافہ ظاہر کرتا ہے کہ مکتوب الیہ میں ہوں۔ ملزم نے مجھے بتایا کہ وہ مولوی محمد حسن متوفی کا چچا زاد بھائی ہے۔ ملزم نے مجھے باور کرایا کہ کتاب اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے حاشیہ پر مولوی محمد حسن متوفی کے اپنے دستخطی نوٹ ہیں۔

اس یقین کی تردید ملزم کی چٹھی مطبوعہ سراج الاخبار سے بالکل تردید ہوتی ہے۔اب میں یقین نہیں کرتا کہ پیر مہر علی شاہ سرقہ کا مجرم ہے۔اب میں نے پی نمبر ۱۴ دیکھی ہے یہ دستخطی ملزم کی ہے چونکہ میں نے سفرنا سازی طبع میں شروع کیا تھا واپسی پر ایک مہینہ تک بیمار رہا۔کارڈ نمبر ۵ پر کسی بھیجنے والے کا دستخط نہیں یا اس کی تحریر کا نام نہیں۔اس پر صرف یہ لکھا ہے از گولڑہ۔چونکہ ملزم نے ایک چٹھی سراج الاخبار میں شائع کی ہے کہ اس نے دھوکہ دیا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے تمام سابقہ چٹھیوں کے مضامین جھوٹے تھے۔

بیان مندرجہ بالا رائے گنگا رام صاحب کی عدالت میں ہوا تھا استغاثہ کی طرف سے خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب ایم اے، شیخ نور احمد صاحب وکلاء اور مولوی محمد کرم الدین کی جانب سے جناب شیخ نبی بخش صاحب ولالہ رام سرنداس صاحب وکلاء گورداسپور پیروکار تھے۔

اب ہم ذیل میں تتمہ بیان مستغیث درج کرتے ہیں جو رائے چندولعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول کو گورداسپور کے اجلاس میں ہوا۔تاریخ پیشی مقدمہ ۲۲ جون ۱۹۰۳ء تھی۔ اس روز بے حد خلق خدا اس مقدمہ کو سننے کے لیے جمع ہوگئی تھی۔عدالت نے اجلاس عام فرمایا اور سب لوگوں کو مقدمہ سننے کے لیے کمرہ میں بیٹھنے کی اجازت بخشی اور چند ایک کرسیاں اور بنچ (Bench) بھی بچھادئے گئے۔

کمرۂ عدالت تماشائیوں سے بھرپور ہوگیا اور ۱۱ بجے کے قریب مقدمہ پیش ہوگیا۔ استغاثہ کی جانب سے مرزائی جماعت کے ممبر خواجہ کمال الدین صاحب و مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکلاء اور مولوی محمد کرم الدین کی طرف سے ہمارے لائق و فائق مہربان شیخ نبی بخش صاحب (۱) وکیل گورداسپور اور نیز فاضل وکیل جناب میر احمد شاہ صاحب بٹالہ پیروکار تھے۔مستغیث کے بیان پر جناب شاہ صاحب نے جرح شروع فرمائی۔۴ بجے تک جرح ہوتی رہی لیکن ختم نہ ہوئی۔۲۳ کو پھر ۱۱ بجے سے جرح شروع ہوئی اور بمشکل ۲ بجے تک

---

(۱) شیخ صاحب اور شاہ صاحب نے جس جاں فشانی اور محنت سے ان مقدمات کی پیروی میں للّٰہی حصہ لیا اس کا شکریہ ہم سے ادا نہیں ہوسکتا۔خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے ہم ان کا ذکر خیر اخیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ مفصل کریں گے۔

ختم ہوئی۔

تتمہ بیان حکیم فضل دین

نقل تتمہ بیان مستغیث بمقدمہ فوجداری اجلاسی رائے چندولعل صاحب ایکسٹرا کمشنرو مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مرجوعہ ۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء فیصلہ زیر تجویز

نمبر بستہ محکمہ نمبر مقدمہ ۲/۵۱

حکیم فضل دین ولد کرم دین سکنہ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ولد نامعلوم سکنہ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

استغاثہ زیر دفعہ ۴۲۰/ ۴۱۷ تعزیرات ہند

تتمہ بیان مستغیث حکیم فضل دین باقرار صالح

اعجاز المسیح کے حاشیہ پر جو نوٹ درج ہیں۔ وہ دستخط جس میں وہ نوٹ ہیں میں نے آگے کبھی نہیں دیکھے۔

جرح: حکیم کا لفظ میرے نام کا جزو نہیں ہے میں طبابت جانتا ہوں اس واسطے یہ لفظ میرے نام کے ساتھ ہے اور نیز اس وجہ سے کہ میرے اجداد بھی طب کیا کرتے تھے۔ میرے نام کے ساتھ بھی حکیم کا لفظ رہا۔ یہ لفظ ہمارے نام کے ساتھ آیا کرتا ہے۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ۱۸۹۵ء سے قادیان میں جاری ہے۔ انوار احمد یہ پریس بھی قادیان میں ہے شاید یہ پریس ضیاء الاسلام کے بعد ہوا ہے۔ ابتداء سے میں ضیاء الاسلام پریس کا مالک ہوں۔ میں نے اس پر روپیہ بھی خرچ کیا ہے اور ڈیکلیریشن (Declaration) بھی دیا ہے میرے ساتھ اس پریس میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ میرے پاس اس پریس کی آمدنی خرچ کا حساب نہیں ہے۔ مرزا صاحب کا کوئی خاص مطبع اس جگہ نہیں ہے۔ ۱۸۹۵ء سے میں نے ان کا کوئی مطبع نہیں دیکھا۔ انوار احمدیہ

پریس کا معلوم نہیں کون مالک ہے۔ اعجاز المسیح اور نزول المسیح میرے مطبع میں چھپتی ہے اور میری طرف سے چھپتی ہے۔ مرزا صاحب ہمارے مرشد ہیں کم کو چھاپنے کے لیے دیتے ہیں۔ ان کتابوں میں مفاد اور نقصان میرا ہے، مرزا صاحب کا نہیں ہے۔ نزول المسیح کی کتاب میری لاگت سے صرف آٹھ سو کاپی چھپی ہے۔ مرزا صاحب کے اشتہارات بھی ہمارے مطبع میں چھپتے ہیں ان اشتہارات کو ہم حضرت کی خدمت میں ہدیۂ پیش کر دیتے ہیں۔ ۱۸۹۵ء سے ہی دستور چلا آیا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کتابوں کی خریداری صرف فرقہ احمدیہ میں ہے یا کہ اوروں میں بھی ہے۔ خریداری کا حساب نفع نقصان نکالنے کی غرض سے کوئی نہیں ہے۔ کوئی تحریر ایسی نہیں ہے جس سے میں کہہ سکوں کہ ان کی خریداری کا حساب نفع نقصان نکالنے کی غرض نہیں۔ میں مرزا صاحب کا مرید ہوں۔ جہاں تک میں نے سیف چشتیائی دیکھی ہے۔ وہاں تک اس میں اعجاز المسیح کی تردید ہے میں نے اس کو کل نہیں دیکھا اور نہ صفحات یاد ہیں جو میں نے دیکھی ہے۔ میں کتاب کو دیکھ کر بھی نہیں بتا سکتا کہ کہاں سے کہاں تک میں نے یہ کتاب دیکھی ہے۔ میں وہ تاریخ نہیں بتا سکتا کہ کب سیف چشتیائی میرے ہاتھ میں آئی۔ اس وقت جب سیف چشتیائی میرے ہاتھ میں آئی کتاب اعجاز المسیح کتنی بک چکی تھی۔ سیف چشتیائی کی کوئی دل دلائل نہیں ہیں مگر چونکہ اس میں اکثر لکھا ہے کہ اعجاز المسیح میں لوگوں کی کتابوں سے سرقہ ہوا ہے۔ اس لیے عوام پر اور تجارت پر اس کا اثر خراب پڑتا ہے ہمارے پاس بہت خطوط آگئے کہ سیف چشتیائی چھپ گئی ہے اس کا کیا جواب ہے، اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے وہ خطوط ہمارے پاس نہیں ہیں کیونکہ محفوظ نہیں رکھے گئے۔ یہ الزام کہ اعجاز المسیح میں جابجا سرقہ ہے صحیح نہیں ہے۔ اعجاز المسیح میں مقامات حریری سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں، حوالہ نقل کا نہیں ہے۔ حوالہ نہ دینے سے اعجاز المسیح سرقہ کی ملزم نہیں ہے (خود بخود مستغیث نے بیان کیا جن عبارتوں کے سرقہ کا الزام لگایا گیا ہے۔ اعجاز المسیح پر

وہ عبارتیں سرقہ نہیں کہی جاسکتیں۔ اس لیے کہ بعض وقت توارد کے طور پر ایک مصنف دوسرے مصنف کا فقرہ لکھ دیتا ہے حالانکہ وہ فقرہ پہلے مصنف کا نہیں ہوتا۔ اپنا طبع زاد ہوتا ہے اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کل عبارتیں نقل ہیں یا اصل ہیں (To accs) **ان کلامی بذاتہ جعل من المعجزات** (ایں کلام من بطور معجزہ گردانیدہ شدہ) یہ صحیح اور سچ ہے۔

و ای معجزۃ اعظم من اعجاز قد وقع ظل القرآن و شابہ کلام اللّٰہ فی کونہ ابعد من طاقۃ الانسان

ترجمہ: و کدام معجزہ ازاں معجزہ بزرگ تر خواھد بود کہ قرآن را ھم چوں ظل واقعہ شدہ و کلام الٰھی را در خارق عادت بودن مماثل گشتہ)

صحیح ہے ان عبارتوں کا منشا یہ ہے کہ کوئی شخص ان کی مانند نہیں لکھ سکتا۔ سیف چشتیائی کی تردید اور طرح سے ہوسکتی تھی مگر یہ خبر پا کر کہ یہ خود سرقہ ہے۔ اس کو سرقہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ میرے قادیان سے چلنے سے پہلے کوئی خط میرے یا مرزا صاحب یا مولوی عبدالکریم کے پاس نہیں آیا تھا کہ ہم اصل مسودہ مولوی محمد حسن کے قیمتاً فروخت کر دیں گے۔ ملزم نے بمقام بھیں کہا کہ یہ نوٹ والی کتاب قیمتاً مل سکے گی۔ اس وقت شہاب الدین بھی موجود تھا وہ الفاظ جو ملزم نے کہے تھے یاد نہیں ہیں بلفظ صرف مضمون یاد ہے جو میں نے لکھایا ہے اس کام کے لیے اکیلا ہی قادیان سے چلا تھا، ٹھیک یاد نہیں ہے کہ بٹالہ سے میں نے ریل کا ٹکٹ کس جگہ کا لیا تھا شاید ملکوال کا لیا ہو یا لالہ موسیٰ۔ قادیان سے اپنے قبائل کو ساتھ لے گیا تھا اور پہلے بھیرہ گیا تھا۔ قبائل کو بھیرہ ہی چھوڑا اور وہاں سے نوکر ساتھ لے کر مقام بھیں میں گئے۔ میرے قبائل نے وہاں جانا تھا اس واسطے کہ میں نے جانا تھا اس واسطے میرے قبائل کا ارادہ بھیرہ جانے کا ہو گیا، بھیرہ سے میں بھیں کو براہ راست چلا گیا اور پہنچ گیا۔

جاتی دفعہ کھوتھیاں میں نہیں گیا، راستہ اسی طرف سے ہے میں کھوتھیاں میں نہیں گیا پاس سے گزر گیا تھا واپسی کے وقت کھوتھیاں میں ٹھہرا تھا کیونکہ ملزم نے کہا کہ کسی قریب گاؤں میں ٹھہر جاؤ۔ تمہارے یہاں رہنے سے کام بآسانی نہیں ہوسکتا۔ وہاں ہی کتاب مول لے کر بھیج دوں گا کھوتھیاں میں جب مجھ کو ملزم کے حسب وعدہ کتاب نہ پہنچی اور وہاں میں زیادہ نہ ٹھہر سکا اور وہاں جا ٹھہرا کھوتھیاں میں میرا حقیقی سالہ کوئی نہیں ہے دُور کے رشتہ میں سالہ رہتا ہے اس واسطے میں نے اس کے یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا چکوال میں میرے سسرال ہیں کھیوڑہ سے بھیں شاید ۲۰ کوس ہوگا، ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ راستہ پہاڑی اور دُشوار گزار ہے۔ معلوم نہیں کہ سوہاوہ سے بھیں کتنی دُور ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ سوہاوہ سے بھیں کو راستہ صاف ہے کہ نہیں کیونکہ میں اس راستہ کبھی نہیں گیا۔ چلنے کے وقت راستوں اور کرایہ کی بابت تحقیقات نہیں کی۔ بھیرہ میں رات کو پہنچا اور صبح کو وہاں سے روانہ ہو گیا پھر میں وہاں نہیں گیا۔ قادیان سے میرے ساتھ نوکر نہیں تھا، بمقام بھیں جب میں پہنچا ملزم نے مجھ کو وہ کتابیں دکھائیں اعجاز المسیح اور شمس بازغہ۔ شمس بازغہ نہیں معلوم کہاں چھپتی ہے۔ مولوی محمد احسن [۵۷] مرزا صاحب کے مرید ہیں۔ شمس بازغہ میرے پاس پہلے موجود تھی۔ شمس بازغہ بھی میں نے خریدی ہے کیونکہ اس پر بھی نوٹ تھے۔ ملزم نے یہ کہا تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ان کتابوں کے مالک اس جگہ نہیں ہیں وہ عن قریب آجائیں گے ان سے خرید کر میں بھیج دوں گا۔ پہلے ملزم نے اعجاز المسیح اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجی اور پیچھے شمس بازغہ۔ یعنی چند روز بعد شمس بازغہ کی جلد مجھ کو چکوال میں ملی تھی۔ ملزم نے خط بھی لکھا تھا کہ اعجاز المسیح بھیجتا ہوں اس کی چھ روپیہ قیمت اور ۵/ مزدور کی مزدوری بھیج دیں اور شمس بازغہ پھر بھیج دوں گا۔ اس انتظار میں چکوال میں ٹھہرا رہا۔ ٹھیک یاد نہیں ہے کہ میں نے جواب بھی ملزم کو لکھا تھا کہ نہیں۔ کہ میں چکوال میں ٹھہرتا ہوں یہ بھی یاد نہیں ہے کہ ملزم نے لکھا تھا کہ نہیں تم چکوال میں ٹھہرو۔ ملزم کی زبان پر

باور کر کے ان دونوں کتابوں پر نوٹ محمد حسن کے ہاتھ کے ہیں لی تھیں۔

سوال: ان دونوں کتابوں کے علاوہ آپ نے اور دو کتابیں ملزم سے لیں کہ نہیں؟

جواب: ملزم نے اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کے حاشیہ سے وہ نوٹ جو محمد حسن کے لکھے ہوئے تھے مجھے باور کرائے گئے تھے نقل کر کر یعنی اعجاز المسیح پر اور شمس بازغہ کے نوٹ شمس بازغہ پر نقل کر کے دے دیے تھے۔ مجھ کو خبر نہیں ہے کہ ملزم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ نہیں کہ ہم کو ان کتابوں کی ضرورت ہے جب نوٹ نقل کر کے کتابیں دے دی تھیں تو ملزم نے خود بخود کہا تھا کہ اصل کتابیں بھی مل سکتی ہیں۔ میں نے بھی ان کے کہنے کو منظور کر لیا۔ میں نے ان کا خریدنا منظور کر لیا۔ مجھ کو نقل سے کسی قدر تشفی ہو گئی تھی مگر اس کے اصل کی بابت کہہ دینے سے ہم نے اصل کا لینا منظور کر لیا۔ مجھ کو اصل کی خواہش نہیں تھی ہم نے اصل کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی۔ نقل نوٹ کی میں خود لے آیا تھا وہ اصل کتاب ملزم نے آدمی کے ہاتھ سیدھی بھیجی تھی۔ ملزم کو چھ روپیہ کے سوا کچھ نہیں دیا۔

سوال: کیا گفتگو ذیل آپ کے اور ملزم کے درمیان ہوئی کہ نہیں؟

آپ نے درخواست خریداری اصل کتاب کی۔ ملزم نے کہا کہ متوفی کے وارث نہیں مانتے اس پر آپ نے کہا کہ یہ کہہ دینا کہ کتاب گم ہو گئی یا چوری ہو گئی تو ملزم نے کہا کہ خلاف واقعہ ہم نہیں کہہ سکتے اور آپ نے کہا الحرب خدعة

جواب: یہ گفتگو نہیں ہوئی۔ قادیان سے اس سفر کے لیے میں اخیر جولائی کو چلا تھا۔ یاد نہیں ہے کہ بھیں میں کب پہنچا تھا یعنی اخیر جولائی سے مراد میری ۲۰ جولائی کے بعد پچھلا ہفتہ قادیان سے بھیں تک سفر شاید چار دن میں ختم ہوا تھا۔ بھیں میں دوپہر کو گیا اور دوسری صبح کو چلا آیا۔ ملزم کے کہنے پر چلا آیا۔ بھیں سے قادیان تک واپس آنے میں معلوم نہیں کتنے دن لگے۔ یاد نہیں کہ چکوال میں کتنے دن ٹھہرا تھا۔ یاد نہیں ہے کہ واپسی پر بھیرہ گیا کہ نہیں۔ واپسی کے وقت میری بیوی میرے ساتھ نہیں آئی۔ اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کی چاروں جلدوں کی ۴ روپیہ قیمت ہے۔ ایک ایک روپیہ اور محصول ڈاک بھی فی

جلد۴ ہے۔ موضع بھیں میں کھانا ملزم کی طرف سے آیا اور مسجد میں کھایا، دونوں وقت کا کھانا آیا تھا میرا اور نوکر کا کھانا آیا تھا۔ اس سفر پر میرا اپنا خرچ ہوا۔ خریداری کتب پر بھی میرا روپیہ خرچ ہوا۔

کتاب نزول المسیح جو ملزم نے پیش کی ہے اور جس پر نشان ای نمبرا کا ہے۔ اس کا پہلا ورق ہمارے مطبع کا چھپا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ باقی اوراق کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی ہے کہ نہیں۔ اخبار ای نمبر۲ مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء الحکم قادیان سے شائع ہوا، اس میں صفحہ ۵ پر ان کتابوں کی قیمت کی نسبت نوٹ ہے، اس کا ذمہ دار اسی کا لکھنے والا ہے۔ یہ اخبار میری نظر سے گزرا اس میں ۱۲ قیمت درج ہے اس کی تردید میری تحریک پر اخبار والے نے کر دی۔ یاد نہیں ہے کس تاریخ کو تردید چھپی اور شائع ہوئی۔ یاد پڑتا ہے کہ تردید چھپ گئی اور شائع ہوگئی جب قادیان سے بھیں کو روانہ ہوا اس وقت نزول المسیح چھپ رہی تھی، آٹھ سو چھپ رہی تھی۔ یہ یاد نہیں کہ کتنی چھپ چکی تھی شاید ۴۰ صفحہ ۳۰ صفحہ چھپ چکے ہوں۔ میرے جانے کے بعد اس کی چھپائی جاری رہی۔ یہ مضمون کہ سیف چشتیائی اور شمس بازغہ سرقہ ہے میرے قادیان میں آنے کے بعد چھپنا شروع ہوا۔ یہ مضمون سیف چشتیائی کے سرقہ کی بابت یاد پڑتا ہے کہ شاید چھپ چکا تھا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک نزول المسیح ختم نہیں ہو چکی تھی۔ مکمل کتاب ہو کر مرزا صاحب سے مطبع میں چھپنے کے لیے نہیں آئی۔ جوں جوں مسودے تیار ہوتے ہیں توں توں مطبع میں چھپنے کے لیے آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یاد نہیں ہے کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک کس مضمون تک مسودے آئے تھے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے بعد نزول المسیح چھپنی بند ہوگئی یعنی مسودہ کوئی نہیں آیا کیونکہ کتاب شائع ہونے کے قابل نہیں رہی، جس وقت مرزا صاحب نے دو ہزار چھاپنے کا حکم دیا تھا اس وقت کوئی مکمل کتاب بنا کر نہیں دی تھی۔ مسودہ ساتھ جتنا دیتے اتنا چھپ جاتا۔ دو ہزار کاپی مرزا صاحب کو دے دی۔ پھر کہا کہ مرزا صاحب کو دو ہزار کاپی نہیں دی۔ وہ

میرے دفتر میں ردّی پڑی ہے۔ مرزا صاحب نے دو ہزار کاپی کے لیے کاغذ بھی اپنا دیا اور اُجرت بھی اپنی دیتے رہے۔ یاد نہیں ہے کہ کتنی اُجرت انہوں نے دی ہے میرے آنے سے پہلے جتنی کتاب چھپ چکی تھی یعنی آٹھ سو کتاب اس کو اپنے لیے دو ہزار چھپوانے کے لیے۔ ابتدا سے اس صفحہ تک پورا کیا جو چھپ چکی تھی جو خرچ چھاپنے پر ہوا وہ مرزا صاحب سے لیتے رہے۔ یہ خط ای نمبر ۳ پیش کردہ ملزم میں نے ملزم کو لکھا تھا۔ یہ خط میری دستخطی ہے اس کے جواب میں جو خط ملزم نے لکھا وہ عدالت میں پیش ہے اس پر پی نمبر ۱۳ کا حرف ہے۔ یہ کارڈ ای نمبر ۴ میں نے ملزم کو لکھا تھا خط ای نمبر ۳ اور کارڈ ای نمبر ۴ کے مطابق کوئی روپیہ بذریعہ منی آرڈر کے نہیں بھیجا اور قادیان سے کسی طرح کوئی روپیہ نہیں بھیجا۔ ملزم نے روپیہ لینے سے انکار کیا اس واسطے نہیں بھیجا۔ خط پی نمبر ۱۱ کی بنا پر ملزم سے دریافت کیا اور اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا اس واسطے روپیہ نہیں بھیجا مجھ کو یہ یقین ہے کہ ملزم نے مجھ کو دھوکہ دیا اور ملزم کی وہ تحریر سراج الاخبار مطبوعہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی مجھ کو یقین ہے کہ سچی ہے یہ یقین کہ ملزم نے مجھ کو دھوکہ دیا۔ سراج الاخبار کے پڑھنے سے ہوا۔ یاد نہیں ہے کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا سراج الاخبار میں نے کس تاریخ کو پڑھا مگر غالباً اس کے شائع ہونے سے دو چار دن بعد پڑھا۔ کشتی نوح اور تحفہ ندوہ ہمارے چھاپے خانہ میں چھپی ہے۔ کشتی نوح کا صفحہ ۵۶ کا حاشیہ ہمارے مطبع کا چھپا ہوا ہے اور یہ الفاظ "وہ بدبخت ہماری پیشین گوئی مندرجہ اعجاز المسیح کے موافق فوت ہو گیا۔" اس حاشیہ میں درج ہے اور یہ الفاظ ہیں اور یہ دوسرا بدبخت ناحق کتاب بنا کر پیش گوئی **انی مھین من اراد اھانتک** کا نشانہ بن گیا۔

اسی حاشیہ میں درج ہے یہ کتاب ۱۶ اکتوبر سے پہلے شائع ہو چکی تھی۔

سوال: اس حاشیہ کی دونوں عبارتیں اور یہ دونوں پیش گوئیاں آپ صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ نہیں؟

جواب: میں اس کا جواب غور کے بعد دے سکتا ہوں ان کو صحیح تسلیم کرتا ہوں (قریباً ایک منٹ کے بعد جواب دیا) نزول المسیح کے صفحہ ۶۹ پر جو عبارت درج ہے وہ صحیح اور نشان آسمانی بھی صحیح ہوا کہ یہ مشہور ہو گیا کہ پیر مہر علی شاہ نے سرقہ کیا اور صفحہ ۷۱ کے حاشیہ پر جو دعا درج ہے وہ بالکل صحیح ہے اور معلوم ہوتا کہ مرزا صاحب کی دعا کے مطابق محمد حسن مارا گیا مجھ کو یاد نہیں ہے کہ خواجہ کمال الدین نے کوئی مضمون در بارہ اس امر کے کہ ملزم کی تحریر مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء لکھا کہ نہیں۔ اب بھی یاد نہیں پڑتا۔

باقی بیان مستغیث کا کل ہوگا اب فرصت نہیں ہے خزانہ کا کام باقی ہے۔

دستخط حاکم

۲۳-۶-۱۹۰۳

جرح مستغیث جاری

خط پی نمبر ۱۲ مجھ کو چکوال ملا تھا اس پر ۱۵ اگست ۱۹۰۲ء درج ہے۔ نزول المسیح کی کاپی جو ملزم کی طرف سے پیش ہوئی ہے جس پر میں اعتبار نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ ہمارے مطبع کے کاتب سے مل کر لکھالی ہو اور کسی اور کاتب سے لکھالی ہو جس کا خط ویسا ہی ہو۔ استاد کاتبوں کے خط مشابہ ہوتے ہیں۔ استاد سے مراد میری یہ ہے کہ جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ خط کی شناخت میں میں معمولی مہارت رکھتا ہوں۔ ملزم نے میرے سامنے بھی لکھا ہے اور اس مہارت سے جو مجھ کو خط شناخت کرنے کا ہے۔ ملزم کے خط کو شناخت کیا ہے۔ نزول المسیح کا کاتب خاص نزول المسیح کے لیے منگوایا گیا تھا۔ اس کاتب نے پہلے کسی زمانہ میں کوئی کتاب یا چند کتابیں لکھی تھیں۔ بعض دفعہ میں نے اس کاتب کو نزول المسیح لکھتے دیکھا ہے۔ چند دفعہ دیکھا ہے کئی دفعہ دیکھا ہے پہلے جب اس کاتب نے کتابیں لکھی تھیں۔ اس وقت بھی اس کو لکھتے دیکھا تھا جب میں نے ملزم کو بمقام بھیں لکھتے دیکھا تھا اس وقت اس کا شاگرد شہاب الدین بھی

موجود تھا اور کوئی نہیں تھا اس نے اس وقت شمس بازغہ کے نوٹوں کو دوسرے شمس بازغہ کے حاشیہ پر نقل کی تھی اور اعجاز المسیح کے حاشیہ سے نوٹوں کو دوسرے اعجاز المسیح کے حاشیہ پر نقل کیا تھا۔ دوپہر سے لے کر شام کے قریب قریب یہ دونوں نقلیں ختم ہوگئی تھیں۔ سیف چشتیائی ان نوٹوں کی ہی نقل ہے اور اس میں اور کچھ بھی ہے مگر میں نے ساری کو اچھی طرح نہیں پڑھا۔

سوال: یہ نوٹ کتنے صفحوں پر لکھے جا سکتے ہیں (یہ سوال غیر متعلق ہے) یہ تحفۃ الندوہ ای نمبر ۵ جو ملزم نے پیش کیا ہے ہمارے چھاپہ خانہ میں چھپی ہے یہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو چھپی تھی یہ تاریخ اس کے مطبع سے مکمل ہو کر نکلنے کی ہے۔

سوال: اس کے صفحہ ۶، ۷ اور اس کے حاشیوں پر پیر مہر علی شاہ اور محمد حسن متوفی کی بابت پیش گوئیاں ہیں یا نہیں؟

جواب: صفحہ ۶ پر پیش گوئیاں ہیں۔ صفحہ ۷ کے حاشیہ پر صرف نزول المسیح کے چھپنے کا ذکر ہے، پیش گوئی کوئی نہیں ہے۔ جس حیثیت سے یہ پیش گوئی کی گئی ہے اس حیثیت سے صحیح ہے۔ میں تحفۃ الندوہ کل کتاب کو تسلیم کرتا ہوں۔

سوال: یہ تحریر کہ نزول المسیح کی گیارہ جزو چھپ چکی ہیں کس تاریخ کی ہے؟

جواب: ۱۶ اکتوبر سے اول کئی دن کی ہے۔ کتنے دن پہلے کا ہے میں کہہ نہیں سکتا۔ نزول المسیح کی باقی چار جزو کب چھپی اور کب تحریر ہوئی میں نہیں کہہ سکتا۔ اس مقدمہ پر میں اپنی گرہ سے خرچ کر رہا ہوں یا میرے کسی مددگار کا مگر مرزا صاحب کا خرچ نہیں ہو رہا ہے جو مقدمات اس ضلع میں اور ضلع جہلم میں ہوئے ہیں ان کا نام میں نے نہیں سنا کہ مرزا صاحب نے ''جہاد'' رکھا ہوا ہے۔

سوال: کیا جب آپ کبھی سفر کو جاتے ہیں اپنی ایک بیوی کو ہمیشہ ساتھ لے جاتے ہیں؟

جواب: مجھے آج تک یہ اتفاق نہیں ہوا کہ مجھے سفر پیش آئے اور میری دونوں بیویاں قادیان میں موجود ہیں سوائے اس سفر کے۔

سوال: مرزا صاحب رسول ہیں کہ نہیں۔ وکیل مستغیث اس سوال پر معترض ہے۔ وکیل ملزم ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سوال اس واسطے کیا گیا ہے کہ ثابت ہووے کہ اصل مستغیث مرزا صاحب ہیں اور جو کچھ ملزم نے کیا ہے ان کے علم اور اجازت سے کیا ہے اور جرم نہیں ہے مگر رسول کا لفظ بحث طلب ہے اس لیے اس سوال کو جیسا کیا گیا ہے رسول کے لفظ سے نامنظور کیا جاتا ہے۔

سوال وکیل ملزم: الارض والسماء معک کما هو معی. خلقت لک لیلا و نهارا انت منی و انا منک انت منی بمنزلة اولادی انت منی بمنزلة توحیدی و تفریدی یعنی اول جس طرح سے تجھ کو علم ہے زمین اور آسمان کا اسی طرح مجھ کو علم ہے۔ وغیرہ

سوال عدالت: کیا ان الہامات سے علم ظاہر ہوتا ہے؟

جواب: ان الہامات سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو علم غیب کا ہے۔

سوال: کیا مرزا صاحب کو غیب کا علم ہے کہ نہیں؟

جواب: مرزا صاحب کو غیب کا علم نہیں ہے۔ حلفی بیان چیف کورٹ میں دینے کے لیے لکھا گیا تھا مگر شامل نہیں کیا گیا اور نہ دیا گیا۔ عدالت میں حلفی بیان لکھ کر پیش کیا گیا مگر عدالت نے نامنظور کیا اور شامل نہیں کیا اور وہ میرے پاس واپس آ گیا نامنظوری کا حکم نہیں لکھا گیا۔ ملزم کی طرف سے اس مقدمہ کے دائر ہونے سے پہلے کوئی نوٹس اس مضمون کا کہ وہ مقدمہ دائر کرے گا نہیں پہنچا۔ مجھ کو معلوم نہیں ہے کہ مرزا صاحب کو ایسا نوٹس پہنچا کہ نہیں۔

فریق اول: عام طور پر جو خط و کتابت میرے ساتھ ہوئی ہے اس میں مجھ کو عام طور پر حکیم فضل دین لکھتے ہیں چنانچہ میں چار خطوط پی نمبر ا، پی نمبر ۲، پی نمبر ۳، پی نمبر ۴ پیش کرتا ہوں۔ مرزا صاحب کی تصانیف میں میرے نام کا حوالہ حکیم فضل دین سے کیا ہے اور مطبع میں بھی حکیم فضل دین ہی لکھا جاتا ہے اور خود ملزم نے بھی اس اخبار سراج الاخبار میں جو شامل مسل ہے مجھ کو حکیم فضل دین لکھا ہے۔

سرقہ: کتابوں میں اس عبارت یا عبارات کو کہتے ہیں جو کسی غیر مشہور کتاب سے غیر مشہور کتاب کو سوائے اس کے کہ اس مصنف کا حوالہ دیا جاوے۔ اپنے نام پر اپنی تصنیف قرار دے کر اپنی کتاب میں درج کیا جاوے۔ اگر مشہور شعر یا عبارت اپنی کلام میں زینت بڑھانے کے لیے برمحل بولا جاوے یا لکھا جاوے یا درج کیا جاوے تو اس کو اقتباس کہتے ہیں۔ مقامات حریری اور قرآن اور حدیث کی عبارات اہل علم میں بہت ہی مشہور ہیں۔ میں نے اعجاز المسیح ساری دیکھی وہ دوسو صفحہ کی ہے یہ عربی زبان میں ہے۔

سوال: تمہاری رائے میں مقامات حریری میں سے اعجاز المسیح میں کس قدر ہے اور وہ کس طور پر ہے؟

جواب: اعجاز المسیح میں جس قدر فقرات درج ہیں وہ تعداد میں بہت قلیل ہیں چونکہ میرا ایمان ہے کہ یہ کلام بھی اعجاز المسیح کا معجزہ ہے۔ اس لیے اقتباس نہیں توارد ہے جو فقرے اعجاز المسیح میں بطور توارد کے آئے ہیں۔ ایک ہی جگہ نہیں بلکہ مختلف مقامات میں اپنے اپنے محل پر آئے ہیں۔

سوال: سیف چشتیائی کے صفحہ ۱ سے صفحہ ۸۰ تک جہاں جہاں اعجاز المسیح پر جرح اور درج کی گئی ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ محمد حسن کی تصنیف ہے تو یہ سرقہ ہے یا کہ اقتباس۔

جواب: اس کا طرز وہی ہے جیسا کہ سرقہ کا ہوتا ہے یعنی کسی نئی بنائی کتاب یا عبارت کو سوائے اس کے کہ اصل مصنف کا حوالہ یا ذکر کیا جاوے۔ اپنی تصنیف قرار دے کر شائع کر دینا۔ دوم یہ کہ جہاں سے اس سلسلہ کو شروع کیا ہے۔ دس صفحہ تک مسلسل اس عبارت کو نقل کیا ہے اور مصنف کا ذکر نہیں کیا۔ سیف چشتیائی مہر علی کی تصنیف مشہور ہے۔ محمد حسن کی نوٹوں والی کتاب پہلے سے مشہور نہیں ہے۔ بھیں سے خطوط آنے سے پہلے بھیرہ جانے کا میرا ارادہ ہرگز نہیں تھا۔ بھیرہ سے بھیں کو وہی راستہ نزدیک تھا جس راستہ میں گیا تھا بھیں میں میں پہلے ملزم کو کتابیں بھیجتا رہا۔ جب اس کا شاگرد شہاب

الدین خط وکتابت اپنی طرف سے معتقدوں کی طرح کرنے لگا تو پھر اس کی کتابیں اس کے پاس جاتی رہیں۔ میں ان کو کتابیں مفت بھیجتا رہا۔ نوٹوں والی کتابوں کے عوض بھی میں نے بلانوٹ دو (۲) کتابیں ان کو بھیج دی تھیں۔ نزول المسیح ۱۵ اجزو کے علاوہ اور چھپنے کا سلسلہ جاری تھا۔ جو پیش گوئی کشتی نوح کے صفحہ ۵۶ کے حاشیہ پر درج ہے۔اصل پیش گوئی ہے۔ یہ پیش گوئی پہلے پہل ۱۸۹۱ء میں آسمانی فیصلہ درج ہے مگر میں صفحہ نہیں بتا سکتا (گواہ تلاش سے بھی نہیں بتا سکا) پیش گوئی یہ ہے۔انی مهین من اراد اهانتک

ترجمہ یہ ہے جو شخص تیری اہانت کرے گا۔ میں ضرور اس کی اہانت کروں گا۔

یہ پیش گوئی عام ہے کسی خاص فرد کے لیے نہیں ہے۔ یہ پیش گوئی اشخاص ذیل پر پوری ہوئی۔ غلام دستگیر قصوری، محمد اسمعیل علی گڑھی، محمد حسین بٹالوی وغیرہ وغیرہ۔

اعجاز المسیح میں جو پیش گوئی درج ہے اور جس کا حوالہ صفحہ ۵۶ کشتی نوح پر ہے۔ عام سے کسی خاص فرد کے لیے نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی خاص نام ہے۔

سوال: ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ ملزم نے مجھ کو دھوکہ دیا ہے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ میں ان پیش گوئیوں کو صحیح سمجھتا ہوں، اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب: پیش گوئیاں اصل عام ہوتی ہیں یہ پیش گوئیاں اصل میں عام ہیں جب ایسی پیش گوئی کی جاتی ہے تو چونکہ مجھ کو یقین کامل ہے کہ وہ سچی ہے اور اس کا وقوعہ ضرور ہوگا اس لیے ہم کو مرزا صاحب کی اہانت کرنے والوں کے واقعات کی طرف انتظار رہتا ہے جب ان لوگوں پر ایسے واقعات جو پبلک کے نزدیک اہانت سمجھے جاتے ہیں۔ واقعہ ہو جائیں اس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ پیش گوئی اس شخص اہانت کنندہ پر پوری ہوئی چنانچہ اسی قاعدہ کے مطابق ہم کو باور کرایا گیا کہ یہ نوٹ محمد حسن نے لکھے اور پیر مہر علی شاہ نے اس کا سرقہ کیا تو محمد حسن کا عین جوانی میں مر جانا اور پیر مہر علی پر سرقہ کا الزام لگانا یہ ایسے دو واقعات ہیں کہ پبلک کے نزدیک ان پر اہانت ثابت کرتے ہیں۔ ان

واقعات پر ہمارا یقین ہوا کہ اسی قاعدہ کے مطابق پیش گوئی پوری ہوئی۔ کاتب کے پاس کاپی مانگنے کے لیے جایا کرتا ہوں۔ کاپیوں کی اصلاح مرزا صاحب کیا کرتے ہیں اگر ان کی ابتدائی تصنیف ہو۔

۲۳ جون ۱۹۰۳ء

دستخط حاکم

العبد فضل دین

گواہ نے پڑھ کر العبد کری۔

دستخط حاکم

العبد فضل دین

۲۳ جون ۱۹۰۳ء مستغیث کا بیان ۲ بجے کے قریب ختم ہوا اور اس کے بعد جناب مفتی سلیم اللہ صاحب سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور اور مولوی فقیر محمد مالک سراج الاخبار جہلم کی شہادتیں من جانب استغاثہ ۴ بجے تک ہوئیں۔

اور ۲۴ کو پہلے مولوی فیض الحسن صاحب خلف مولوی محمد حسن صاحب فیضی مرحوم اور سید شاہ حسین منشی لنگر خانہ عالی جناب پیر صاحب گولڑہ شریف کی شہادتیں ہوئیں اور ایک بجے کے بعد مولوی نور الدین صاحب حکیم الامت کی شہادت شروع ہوئی۔ مولوی صاحب کا بیان سننے کے لیے بہت سے معزز اشخاص کمرہ میں جمع ہو گئے۔ مولوی صاحب کا پہلے بیان ہوا اور پھر مستغاث علیہ کی طرف لائق و فائق وکیل جناب شیخ نبی بخش صاحب نے جرح شروع فرمائی۔ جو ۲۴ اور ۲۵ کو ہوتی رہی لیکن ختم نہ ہوئی اور عدالت نے بقیہ جرح کے لیے ۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء تاریخ مقرر فرمائی چنانچہ ۱۶ کو حکیم الامت صاحب کا بیان ختم ہوا۔ منشی غلام حیدر تحصیل دار و مولوی عبد الکریم گواہان استغاثہ کی شہادتیں بھی اسی تاریخ کو ہوئیں۔

چونکہ باقی گواہان استغاثہ کے بیانات سننے کے لیے چنداں پبلک خواہش مند نہیں ہے اس لیے ہم ذیل میں صرف مرزائی جماعت کے دو عمائد یعنی حکیم الامت مولوی نور الدین اور مولوی عبد الکریم صاحبان کے بیانات درج کریں گے۔

مرزائیوں کو ایک بڑی بھاری ناکامی

ہاں ایک اور قابل تذکرہ بات لکھنی رہ گئی اور وہ یہ کہ مرزائی جماعت کا بہت بڑا منصوبہ - جو اس مقدمہ بازی کا مقصد اعلیٰ تھا یہ کہ حضرت اقدس جناب پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کو شہادت میں طلب کرا کر بے وجہ تکلیف دیں - خاک میں مل گیا اور خدا کے فضل و کرم سے مرزائی جماعت اپنے اس منصوبہ میں سخت ناکامیاب ہوئی اور وہ زک اٹھائی جس کا افسوس مرتے دم تک رہے گا اور وہ سب خیالی پلاؤ جو شیخ چلی کی طرح مدتوں دل میں پکاتے رہے کہ پیر صاحب پر اتنے دن جرح کریں گے، دل کا دل ہی میں رہ گیا بلکہ اُلٹے وہ دن خود دیکھنے پڑے کہ حکیم الامت صاحب تین (۳) دن عدالت میں کھڑے ہو کر بیان دیتے رہے اور مرزا جی پورے پانچ (۵) گھنٹے کھڑے کیے گئے جیسا کہ آگے ان کا بیان آئے گا یعنی عدالت نے پیر صاحب موصوف کی شہادت کو غیر ضروری سمجھ کر ترک فرما دیا - لاریب بندگان خدا سے ناحق مقابلہ کرنے والے اپنے ارادوں میں ہمیشہ ناکامیاب رہا کرتے ہیں - کیا حرج ہے کہ اگر اس موقع پر ہم اپنے مرزائی احباب کو ان کے مرشد و مولیٰ جناب مرزا صاحب کا وہ شعر یاد دلا دیں جس کو ہمیشہ گاہ و بیگاہ استعمال کیا جایا کرتا ہے:

خدا کی نصرت آتی ہے خدا کے پاک بندوں کو
کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو

"حکیم الامت" کا بیان

نقل بیان گواہ استغاثہ بمقدمہ فوجداری اجلاس رائے چندو لال صاحب
مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مرجوعہ ۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء فیصلہ متدائرہ

نمبر بستہ نمبر مقدمہ ۵۱/۲

حکیم فضل دین ولد کرم دین سکنہ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور مستغیث

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ولد نامعلوم سکنہ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

ملزم

جرم دفعہ ۴۲۰/۱۴۱۷ تعزیرات ہند

بیان گواہ استغاثہ باقرار صالح

نوردین ولد غلام رسول قوم قریشی سکنہ قادیان عمر ۴۶ سال پیشہ طبابت قریباً بارہ (۱۲) سال سے میں قادیان میں مقیم ہوں۔ اس سے پہلے بھیرہ ضلع شاہ پور میں تھا وہاں میرا اصلی وطن تھا پہلے میں جموں میں ملازم تھا، خاندان شاہی کا طبیب تھا۔ پندرہ (۱۵) سال میں طبیب شاہی رہا۔ تخمیناً ہزار روپیہ ماہوار میری آمدنی تھی۔ تنخواہ سرکاری ۵۷۵ روپیہ تھی اس سے پہلے ریاست بھوپال میں ملازم تھا وہاں بھی خاص بیگم صاحب کا طبیب تھا جب سے میں قادیان میں رہتا ہوں بہت سی ریاستوں نے مجھ کو ملازمت کے لیے کہا من جملہ ان کے بہاول پور کی ریاست ہے وہ مجھ کو بطور تنخواہ کے پانچ سو روپیہ ماہوار اور بہت سی زمین دینا چاہتی تھی۔ میں نے منظور نہیں کیا صرف اس وجہ سے کہ میں مرزا صاحب کے پاس رہنا چاہتا تھا۔ ملزم کرم دین سے میں واقف ہوں ان دنوں جب میں جموں میں تھا اور الگ ہونے والا تھا۔ کرم دین ملزم میرے پاس تشریف لائے تھے۔ میرے پاس کچھ دن رہے طبابت پڑھنے کے واسطے، یاد پڑتا ہے۔ آئے تھے جب میں قادیان آیا تو گاہے گاہے وہ مجھ کو خط لکھا کرتے تھے۔ میں خطوط کی جوان کی طرف سے آئے تعداد نہیں بتا سکتا۔ ان کی طرف سے جو خطوط آتے تھے بمقابلہ اپنے خطوط کے جو میں ان کو لکھتا تھا لمبے ہوتے تھے۔ یہ اخبار میں نے دیکھا، الحکم ہے۔ یہ اخبار قادیان سے نکلتا ہے جو کچھ اس اخبار میں میری نسبت لکھا ہے وہ بہت صحیح ہے۔ (یہ اخبار ۱۷ دسمبر ۱۸۹۹ء کا ہے)

میں کرم دین کے دستخط پہچان سکتا ہوں۔ پی نمبر ۴ مولوی کرم دین کے ہاتھ کا

لکھا ہوا ہے۔ پی نمبر ۹ پی نمبر ۱۱ پی نمبر ۱۲ پی نمبر ۱۳ کا معہ لفافہ مولوی کرم دین کے دستخطی ہیں۔ پی نمبر ۱۴ کا بھی مولوی کرم دین کے دستخطی ہے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۴ ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جو ایک خط موضع بھیں سے قادیان میں آیا ہوا مجلس میں پڑھا گیا۔ یہ مولوی کرم دین کی طرف سے تھا۔ مولوی عبدالکریم نے پڑھا تھا میں نے تو اس وقت خط کو نہیں دیکھا۔ اس خط کا مضمون جو پڑھا گیا تھا یہی ہے جو پی نمبر ۴ میں ہے اور جس کو میں نے اب پڑھا ہے، اس خط کے مضمون پر عمل درآمد ہوا۔ اس خط کو یقینی سمجھا گیا اس وقت (۱) مرزا صاحب نے کہا کہ کسی کو جانا چاہیے تب حکیم فضل دین ایک ہمارے بھائی ہیں جو اس مقدمہ میں مستغیث ہے، انہوں نے کہا کہ اس خدمت کو میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ پھر وہ چلے گئے اس سے پہلے حکیم فضل دین کا ارادہ قادیان کو چھوڑنے کا نہیں تھا جس طرح سے میں اپنا رہنا وہاں ضروری سمجھتا ہوں۔ اس طرح سے اس کا رہنا وہاں ضروری ہے۔ حکیم فضل دین قادیان میں مستقل رہتا ہے۔ مطبع ضیاء الاسلام کا مالک حکیم فضل دین ہے۔ جہاں تک معلوم ہے اس مطبع کے نفعوں سے اور کسی کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ ایک کتاب نزول المسیح اس مطبع میں چھپی تھی کن ایام میں چھپی تھی معلوم نہیں ہے۔

سرقہ تصنیف میں اس کو کہتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کا کلام جو وہ مشہور نہ ہو اور اس کا کلام بھی مشہور نہ ہو۔ ایسی جماعت میں پیش کیا جاوے جو اس پیش کرنے

---

(۱) حکیم الامت صاحب معہ اپنے بھیروی بھائی (مستغیث) کے تو متفق ہیں کہ مرزا صاحب کی تحریک اور حکم سے حکیم فضل دین بھیں کو گئے جیسا کہ مستغیث کا بھی بیان ہے۔ اس وقت مرزا صاحب نے کہا کہ ان کے مریدوں میں سے کوئی ایسا ہے جو مولوی کرم الدین کے پاس جاوے۔ مرزا صاحب کی اس خواہش کی تعمیل میں میں نے اپنی خدمات پیش کیں۔'' لیکن مرزا جی اپنے بیان مورخہ ۱۹ اگست میں اس کے برخلاف یوں لکھاتے ہیں کہ اس خط کے مضمون کی تصدیق کے واسطے میں نے کوئی آدمی نہیں بھیجا مگر مشورہ کے طور پر مجھ سے حکیم فضل الدین نے کہا کہ اس کارروائی میں میرا فائدہ ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ جائیں۔ فرمائیے ہر سہ اصحاب سے کس کا قول سچا مانا جائے۔ تناقض صریح ہے۔

والے کی نسبت خیال کرسکیں کہ اسی متکلم کا کلام ہے اس نے کسی اور سے نہیں لیا لیکن جب کوئی کلام اس متکلم کے سوا اور کسی شخص کا کلام مشہور ہوا اور وہ متکلم بھی مشہور ہو تو پھر اس کلام کو اپنی کلام کے اندر لانا سرقہ نہیں ہوسکتا۔(۱) متکلم کا ذکر کرنا خوبی نہیں ہوتا ہے۔ ملزم کے مضمون مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر میں جو فقرات عربی اور فارسی کے درج کیے گئے ہیں ان کو سرقہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ فقرے مشہور ہیں اور ان کے متکلم مشہور ہیں۔ میں نے سیف چشتیائی پی آر نمبر ۵ اور اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے نوٹوں کا مقابلہ کیا۔ ان نوٹوں کی نقل سیف چشتیائی میں قریباً برابر ہے۔ سیف چشتیائی کے چھپنے سے پہلے وہ مضمون جو نوٹوں میں ہے، میں نے قطعاً کہیں نہیں دیکھا۔

سوال: اعجاز المسیح کے نوٹ اگر سیف چشتیائی کے مصنف کے نہ ہوں اور یہ فرض کیا جائے کہ ان کے لکھنے والا مصنف چشتیائی نہیں ہے تو یہ سرقہ ہے کہ اقتباس؟

جواب: سرقہ ہے کیونکہ وہ کلام مشہور نہیں ہے۔

جرح: میں نے اپنے وطن کی سکونت بالکل ترک کر دی ہے اور فضل دین صاحب نے بھی جو مستغیث ہیں ترک کر دی ہے۔ میں نے اپنی مذہبی اصلاح کے لیے بہت ضرورت سمجھی کہ یہاں قادیان میں رہوں۔ وطن میں وہ اصلاح نہیں ہوسکتی تھی جو یہاں ہوسکتی تھی اور ہوتی ہے۔

سوال وکیل ملزم: یہاں کیا اصلاح ہوتی ہے۔ وکیل مستغیث اعتراض کرتے ہیں۔

---

(۱) مولانا آپ کی لیاقت وفضیلت کی تو ایک دنیا قائل تھی لیکن سرقہ کی یہ نرالی تعریف کر کے آپ نے ہمیں سخت غیر معتقد کر دیا۔ ہم نے تو بیان ومعانی کی ساری کتابیں چھان ماریں۔ آپ کی یہ تعریف اور شہرت و عدم شہرت کی قیود کہیں نہیں ملتیں۔ آپ نے مطول، اکبر، مرشدی کا نام لیا تھا۔ سو مطول میں تو یہ تعریف ہر گز نہیں۔ مرشدی کی سمجھ نہیں آئی کہ اس کا معنی آپ کے مرشد مرزا صاحب مراد ہیں یا یہ کسی کتاب کا نام ہے۔ اکبر کوئی کتاب معانی کی دنیا میں نہیں ہے۔ مولانا پر فرض ہے کہ مرشدی اور اکبر اگر کوئی کتابیں ہیں اور ان میں سرقہ کی یہ من گھڑت تعریف ہے وہ دکھائیں اور اپنے ذمے سے یہ غلط بیانی کا دھبہ اٹھائیں۔

فیصلہ: یہ سوال بہت مبہم ہے اور اس کا جواب طول طویل بحث ہوگا اس لیے نامنظور۔ دنیا کے رشتہ داروں سے میں مرزا صاحب کو بڑھ کر سمجھتا ہوں۔ مرزا صاحب کے پاس دو دفعہ میں حاضر ہوتا ہوں ان کے ساتھ چار نمازوں میں بھی شریک ہوتا ہوں۔ ان میں سے دو دفعہ زیادہ حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ان دو وقتوں میں میں اس کو بھی وہاں دیکھتا ہوں۔ میری شادی ثانی میں مرزا صاحب شریک (۱) تھے۔ مجھ کو اس بات کا پورا علم نہیں ہے کہ مرزا صاحب نے تحریک کر کے یہ شادی کرائی۔ میں مرزا صاحب کا مرید ہوں اور مستغیث بھی ان کا مرید ہے۔ میں مرزا صاحب کے احکام کی تعمیل خدائی حکموں اور محمد رسول اللہ کے حکموں اور اپنی جسمانی (۲) سخت ضرورتوں کے ماتحت پسند کرتا ہوں اگر ماتحت نہ ہوں تو تعمیل ضروری نہیں سمجھتا ہوں۔ مرزا صاحب (۳) نے مجھ کو کوئی خطاب عطا نہیں کیے ہیں۔ ''حکیم امت'' میرا خطاب نہیں ہے۔ مرزا صاحب کو جو لوگ بُرا کہتے ہیں ان کو میں اچھا نہیں سمجھتا۔ میں ایسے مسلمان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ سلام علیک (۴) گو ان سے کرتا ہوں۔ ایسے شخص کا جنازہ جو مرزا صاحب کو بُرا کہتا ہے میں مرزا صاحب کی ہدایت کے مطابق پڑھوں گا یعنی اگر مرزا صاحب فرمادیں گے تو پڑھوں گا ورنہ نہیں پڑھوں گا۔ مرزا صاحب کے الہام اور پیش گوئیاں کو میں سچی سمجھتا ہوں اور ان کو یعنی الہام اور پیش گوئیاں کو من جانب اللہ سمجھتا ہوں۔

(۱) شرکت کا معنی سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا تشریح فرمادیجیے گا۔

(۲) پھر مرزا جی کا وہ قول درست نہ نکلا جو ازالہ اوہام فتح الاسلام وغیرہ میں آپ کی نسبت درج فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنا مال و جان و عزت مرزا صاحب پر قربان کر دی ہوئی ہے جسمانی ضروریات کو آپ نے اپنے رسول (مرزا جی) کے احکام پر مقدم رکھا تو پھر آپ کا ایمان ان سے صدیقی و فاروقی ایمان کے رتبہ کو تو نہ پہنچا۔

(۳) پھر ''آئینہ کمالات'' میں جلی قلم سے ''فاروق'' اور ایسا ہی ازالۃ الاوہام میں لکھنا محض غلط ہوا اور ''حکیم الامت'' کی قید تو الحکم کے ہر پرچہ میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔

(۴) سلام علیک کرنے میں آپ مرزا جی کے نافرمان ہیں ان کا تو حکم ہے کہ مخالفوں سے نہ سلام دو نہ لو۔

میں شام کے وقت اور ظہر کے وقت ضرور مرزا صاحب کے پاس جاتا ہوں۔
خطوں کا قاعدہ یہ ہے خط کئی قسم کے آتے ہیں۔ بعض خطوں کا جواب مرزا صاحب گھر کے اندر دیتے ہیں اور ہمیں اس کی اطلاع کبھی نہیں ہوتی۔ اکثر خطوط مولوی عبدالکریم کے سپرد کرتے ہیں جن کو پڑھنے کا میں عادی نہیں ہوں جو خط مرزا صاحب کے نام کے خطوط ہوتے ہیں سب ان کو ملتے ہیں۔ بعض خطوط بغیر پڑھنے کے اور بعض پڑھ کر مولوی عبدالکریم کے سپرد کرتے ہیں۔ وہ جواب لکھتے ہیں ان کی اطلاع مجھ کو نہیں ہوتی۔

بعض بعض خطوط کا مجلس میں ذکر آتا ہے جو ذکر مرزا صاحب یا مولوی عبدالکریم کرتے ہیں بعض وقت زبانی ذکر ہوتا ہے اور بعض وقت سے خط بھی پڑھا جاتا ہے یہ خط اکثر ظہر کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔ بعض خطوط کا تذکرہ شام کو بھی آتا ہے۔ قادیان میں میں دو کام کرتا ہوں ایک طبابت کا کام، دوسرا درس اور تدریس کا۔

میری طبابت کی فیس سالانہ پانچ چھ سو روپیہ کے قریب ہوتی ہے یہ سال گزشتہ کی آمدنی بتائی ہے۔ محرم سے لے کر محرم ایک سال سمجھتا ہوں۔

مدرسہ (۱) کا کام مرزا صاحب نے میرے ذمہ نہیں ڈالا ہوا۔ مدرسہ کے چندہ کا کام جب سے مدرسہ ہوا ہے کبھی میرے سپرد نہیں ہوا، چندہ میرے نام کبھی نہیں آتا۔

---

(۱) ناظرین مولوی صاحب کا بیان بغور پڑھیں اور پھر بیان مرزا صاحب متعلقہ عذرداری انکم ٹیکس بھی پڑھیں جس میں مرزا جی مدرسہ کی آمدنی کی نسبت لکھاتے ہیں: ”میں نے انتظاماً وہ کام مولوی نورالدین صاحب کے سپرد کر رکھا ہے وہی حساب وکتاب رکھتے ہیں اور بذریعہ اشتہار چندہ دہندگان کو اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا روپیہ براہ راست مولوی نورالدین کے نام ارسال کریں۔ وہ آمدنی براہ راست مولوی نورالدین صاحب کے سپرد ہو کر ان کو پہنچتی ہے۔ اس آمدنی اور خرچ مدرسہ کا حساب و کتاب ان کے پاس ہے وہ حساب وکتاب باضابطہ ہے۔“ اور یہاں مولانا فرماتے ہیں کہ ”مدرسہ کا کام مرزا صاحب نے میرے ذمہ نہیں ڈالا ہوا۔ مدرسہ کا کام جب سے مدرسہ ہوا ہے میرے سپرد نہیں ہوا۔ چندہ میرے نام نہیں آتا۔“ کوئی صورت تطبیق کی ہو سکتی ہے تو کیجیے۔

ایک شخص محمد رضوی کبھی کبھی میری معرفت چندہ بھیجتا ہے۔(۱)مرزا صاحب کو جو چندے آتے ہیں ان کا مجھ کو کچھ علم نہیں ہے۔خط جو مجلس میں پڑھے جاتے ان کے مطالب بعض یاد رہ سکتے ہیں اور رہ جاتے ہیں کہ اس دن جس دن کرم دین کا خط مجلس میں پڑھا گیا یا اس سے آٹھ دن پہلے یا آٹھ دن بعد ایسے خطوط تاریخوں کے ساتھ کسی اور شخص کا خط مجلس میں پڑھا گیا ہو۔ میں جنوری ۱۹۰۳ءیا فروری ۱۹۰۳ء میں جو خط مجلس میں پڑھے گئے ان کے مضامین ان تاریخوں کے ساتھ قید لگا کر نہیں بتا سکتا۔اپریل اور مئی گزشتہ میں ہمارے دوست عبدالرحمان کا خط آیا اور مجلس میں اس کا ذکر کیا گیا۔اپریل میں آیا یا مئی میں آیا یہ نہیں کہہ سکتا۔ایک خط اور ایک بار ان ہی گزشتہ مہینوں میں ڈاکٹر اسمٰعیل اور ان کے خسر کی بیماری کے متعلق آئے تھے اور مجلس میں ان کا ذکر آیا تھا۔کل خط کتنے آئے مجھ کو یاد نہیں ہے جو لڑکے میرے پاس جموں میں پڑھتے ان میں سے بہتوں کے نام یاد ہیں اور بہتوں کے یاد نہیں ہیں جو ہمیشہ میرے پاس رہتے تھے آٹھ دس لڑکے تھے کبھی کوئی چلا بھی جاتا تھا اور کبھی نیا آ بھی جاتا تھا۔آٹھ دس وہ تھے جو ہمارے یہاں پرورش پاتے تھے باقی بھی میرے یہاں کھانا کھاتے۔ایسے پانچ چار طالب علم رہتے تھے۔ان دنوں کے طالب علموں کے نام اس وقت مجھ کو یاد نہیں ہیں جو اس وقت جب کرم دین میرے پاس آئے میرے پاس تھے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کتنی مدت میرے پاس پڑھتے رہے۔کرم دین نے کوئی کتاب شروع نہیں کی تھی۔ مہینے سے کم کرم دین میرے پاس ٹھہرے تھے کچھ دن وہ ٹھہرے تھے جس کی تعداد مجھ کو یاد نہیں ہے۔میرے سامنے کرم دین کبھی کچھ نہیں لکھا تھا اس کے بعد کرم دین

(۱) بے شک آپ کو علم نہ ہوگا لیکن مولانا آپ نے اپنے بیان متعلق عذرداری انکم ٹیکس میں تو چندوں کی نسبت اپنا پورا علم لکھا دیا ہے اور پانچ مدّوں کا تذکرہ کر کے اقسام چندہ کی تفصیل بھی بتائی ہے اور یہاں بالکل بے علمی۔کیا وہ بات تو نہیں لکیلا یعلم بعد علم شیئا ناظرین مولوی صاحب کا بیان ملاحظہ فرما کر داد دیں کہ مولوی صاحب کی کون سی بات سچی ہے۔

پھر مجھ کو کبھی نہیں ملا۔ مجھ کو تاریخ یاد نہیں ہے کہ آخری خط کرم دین کا میرے پاس کب آیا یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کتنی مدت ہوئی کہ ان کا آخری خط آیا۔ مجھ کو کرم دین کے خطوں کی تعداد یاد نہیں ہے جو میرے پاس ان کے آئے۔ ان طالب علموں میں سے جو میرے پاس پڑھتے بعضوں کے خط میرے پاس آئے۔ غلام محمد جو گلگت میں رہتا ہے اور ایک غلام محمد جو پشاور میں رہتا ہے ان دو کا مجھ کو یقین ہے کہ ان کے خطوط میرے پاس اب تک آتے ہیں اور کسی کا یاد نہیں ہے جو مریضوں کے خط بھی میرے پاس آویں اور ان کو نسخے بھیجوں ان کے نام بھی یاد نہیں رکھتا کیونکہ ضروری نہیں سمجھتا۔ اگر چاہوں تو یاد رکھ سکتا ہوں بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کے خط میرے پاس آئے ہوں اور بعد میں سلسلہ بند کیا گیا ہو تو پھر اگر ان کا لکھا ہوا میرے سامنے آوے تو میں اس کو اچھی طرح پہچان لیتا ہوں اور پہچان سکتا ہوں۔

سوال: جو خط آپ کے پاس آتے ہیں ان کی دوائر شکلیں کششیں وغیرہ اپنے دماغ میں جما لیتے ہو۔

جواب:

قرائن مجموعی ہیئت اور مضامین مجمل طور پر میرے دماغ میں جم جاتی ہے جن کو مکرر دیکھنے سے میں یقین کرتا ہوں کہ اس پہلے آدمی کا خط ہے سطروں کلمات کی بندش عبارت کا طرز اور حروف کی صفائی یا ان کا بالکل بدخط ہونا یا خوش خط ہونا ذہن میں رہ جاتے ہیں۔ بعض بعض آدمیوں کے دوائر اور کششیں بھی یاد رہ جاتی ہیں اور بعض کے نہیں رہتے جس کے ساتھ کوئی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے ان کے یاد رہ جاتے ہیں۔ خطوں کے ملانے کا مجھ کو موقعہ ہوا ہے۔ چند میرے دوستوں نے میری طرز پر لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن میں ان کے خطوں کو تمیز کر سکتا ہوں۔ خطوں کی پہچان کے لیے ایک دفعہ میں سیالکوٹ میں مبصر کے طور پر ایک سیشن جج کے روبروئے بلایا گیا تھا۔ بخشی رام لبھایا مدعی تھا اور وکٹوریہ پیپر کا ایڈیٹر مدعا علیہ تھا کئی ہزار روپیہ کا مقدمہ تھا۔ یاد نہیں کئی سال

ہوئے۔ نتیجہ اس کا وہی ہوا جو میں نے بتایا تھا۔ جن خطوں کا اس مقدمہ میں مقابلہ کرنا تھا میں نے دیکھے ہوئے تھے کیونکہ ان لوگوں کے خط میرے پاس آتے جاتے تھے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ میرے سامنے ہی لکھتے جو طالب علم میرے پاس پڑھتے ہیں ان کے خطوں کی مجموعی ہیئت بھی یاد ہے سامنے آوے تو پہچان لوں۔ ان کا نام بھی نہ لکھا ہووے تو بھی پہچان لوں۔ خط ای نمبر ۷ (۱) کی حیثیت مجموعی کو میں نے دیکھا، میں نے پہچانا نہیں کہ کس کا ہے۔ اس خط کے نیچے میری دستخطی کچھ لکھا ہوا ہے۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے صفحہ ا کے حاشیہ پر جو تحریر ہے میں نہیں پہچان سکتا کہ کس کا ہے۔ پی نمبر ۳ سے پی نمبر ۱۰ تک میں نے پہلے نہیں دیکھے۔ (۲) میں نے پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ کا میلان خط کیا ہے ان کے مضمون کی بندش کلموں کی پیوستگی اور طرز ادائے مطلب دیکھ لیا ہے اور یہ تینوں خط ایک کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص کے لیے کلموں کی پیوستگی علی العموم مخصوص ہوتی ہے۔ بعض مل جاتے ہیں یعنی بعضے خط مل جاتے ہیں۔ ای نمبر ۸ (۳) اور ای نمبر ۹ دونوں کارڈ شاید مولوی عبدالکریم کے ہوں جو قادیان میں رہتا ہے کیونکہ مجھ کو ان کے خط کی ہیئت مجموعی سے خیال آتا ہے کہ یہ کارڈ ان کے ہوں مجھے ان کے بہت دفعہ خط دیکھنے کا موقعہ ملا ہے ان کے خط ہیئت مجموعی سے مجھے آگاہی ہے۔ (۴) ای نمبر ۱۰ کارڈ یقیناً مولوی فضل دین مستغیث کا ہے۔ ای نمبر ۱۱ مولوی فضل دین کا

---

(۱) ای نمبر ۷: ایک چٹھی ہے من جانب مولوی نورالدین صاحب بنام مولوی کرم الدین

(۲) مولوی صاحب اپنے بیان میں لکھا چکے ہیں کہ پی نمبر ۴ سے ۱۴ تک سب دستخطی مولوی کرم الدین ہیں۔ اب سوائے پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲، پی نمبر ۱۳ باقی کے دیکھنے سے بھی انکار فرماتے ہیں۔ ان ھـذا الشئی عجاب

(۳) ای نمبر ۸: ایک کارڈ ہے من جانب قاضی فضل احمد صاحب ایڈیٹر اخبار چودہویں صدی بنام مولوی کرم الدین اور ای نمبر ۹ ایک کارڈ ہے من جانب خادم حسین بنام مولوی کرم الدین

(۴) ای نمبر ۱۰: ایک کارڈ ہے جس کے نیچے خاکسار نورالدین لکھا ہے بنام مولوی کرم الدین اور ای نمبر ۱۱ خادم حسین کا لکھا ہوا ہے بنام مولوی کرم الدین

معلوم ہوتا ہے۔

مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ ای نمبر ۸، ای نمبر ۹، ای نمبر ۱۱ ان چاروں کارڈوں کے صرف پتے دکھائے گئے ہیں۔

نزول المسیح ای نمبر ا پیش کردہ ملزم اور نزول المسیح پیش کردہ مستغیث ان دونوں کا خط ایک ہے۔ ٹائٹل پیج سے بظاہر ایک معلوم ہوتا ہے مگر صفحہ ۸۰ دونوں کا جو میں نے مقابلہ کیا وہ ایک معلوم نہیں ہوتا نیز اس صفحہ پر ایک ہی فٹ نوٹ دیا ہوا ہے اور دوسرے میں نہیں ہے۔ دونوں کاپیوں کا کاتب صفحہ ۴۰ میں ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ صفحہ ۸۰ اور ۹۷ کے کاتب دونوں کاپیوں کے الگ الگ ہیں۔

اب وقت تنگ ہو گیا ہے۔ خزانہ کے کام کا وقت ہے۔ کل پیش ہووے۔

۲۴۔۶۔۱۹۰۳ء

دستخط حاکم

اگر کوئی کتاب پہلے تھوڑی تعداد میں چھاپنی منظور ہووے اور چھپنی شروع ہو جاوے اور پھر زیادہ تعداد کی چھاپنی منظور ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کاتبوں اور حرفوں میں فرق پڑھا جاوے گا یا نہیں۔ قادیان میں میرے خیال میں شاید تین چار مطبع ہیں۔ سوائے ضیاء الاسلام کے ایک الحکم کا مطبع ہے جس کا نام انوار احمدیہ ہے۔ البدر کا اپنا مطبع ہے جس کا نام یاد نہیں ہے اور ایک شیخ نور احمد کا مطبع ہے جس کا نام بھی مجھ کو معلوم نہیں ہے۔ سب سے پہلے ضیاء الاسلام جاری ہوا ان کے جاری ہونے کی ترتیب مجھ کو معلوم نہیں کیونکہ ایسی باتوں سے مجھ کو دلچسپی نہیں ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ الحکم کا مطبع الحکم کے ساتھ جاری ہوا کہ کید البدر کا مطبع البدر کے بعد جاری ہوا۔ مرزا صاحب کو کام کی جب کثرت ہوتی ہے تو شیخ نور احمد کو تلاش کرتے ہیں۔ اس واسطے اس نے اپنی ایک کل چھاپہ کی رکھ چھوڑی ہے۔ ان کے اشتہار بھی حکیم فضل دین کے مطبع

میں چھپتے ہیں۔ مجھ کو علم نہیں ہے کہ اُجرت کے بارے میں ان کا آپس میں کیا معاملہ ہے۔ حضرت صاحب (ا) کا اپنا مطبع کوئی نہیں ہے۔
جموں میں جتنی دیر میں رہا اس کی سند یا تحریر میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ جموں کے حاکم اعلیٰ کا حکم میرے پاس پہنچا تھا کہ ریاست سے چلے جاؤ۔ جب مستغیث قادیان سے چکوال کی طرف گیا معلوم نہیں کتنے دن کے بعد واپس آیا۔ جو باتیں عام جماعت مرزا صاحب کے متعلق ہوتی ہیں ان کا ذکر زیادہ تر مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتا ہے اور کچھ ظہر کی نماز کے وقت مستغیث نے واپسی پر حضرت صاحب سے اپنی واپسی کا تذکرہ کس وقت کیا مجھ کو معلوم نہیں۔ پہلا خط جب پڑھا گیا مجھے اچھی طرح یاد ہے بلکہ دو دفعہ ان کا ذکر آیا۔ ظہر اور مغرب کے وقت جب بہت سے آدمیوں نے اس خط کی بابت اٹھے تو میں نے بھی توجہ کی۔ اس وقت ۷۰۔۸۰، ۹۰ کے درمیان تعداد حاضرین کی ہو گی۔ خط کا ذکر پہلی دفعہ ظہر کے وقت ہوا جب پہلی دفعہ میں نے سنا، خبر نہیں ہے کہ حکیم صاحب کے جانے کا اول دفعہ ذکر ظہر کے وقت آیا یا مغرب کے۔
پھر کہا اول دفعہ ان کے جانے کا ذکر ظہر کے وقت ہوا تھا پھر مغرب اور عشاء کے درمیان۔ حکیم صاحب کے جانے کا حکم حضرت صاحب نے کس وقت دیا۔ یہ مجھ کو اس وقت یاد نہیں۔ حکیم صاحب جو کچھ وہاں سے لائے عدالت میں آنے سے پہلے چھوٹی مسجد میں ظہر کے وقت دیکھا۔ میں نے منگوا کر الگ دیکھے تھے۔ اعجاز المسیح کو میں نے اس وقت دیکھا تھا اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔ الحکم کو جو میرے مضمون کے متعلق ہو یا اس مضمون کو جو مرزا صاحب نے فرمایا ہو اور میں اس وقت موجود نہ ہوں تو میں اس مضمون کو پڑھ لیتا ہوں۔ سارا

(ا) حضرت صاحب اپنے بیان متعلق انکم ٹیکس میں مطبع کی آمدنی وخرچ کا حساب بالتفصیل لکھا چکے ہیں اور ملازمان پریس کی فہرست مع تنخواہ وغیرہ کے مفصل لکھا چکے ہوئے ہیں اور باوجود اس کے بقول حکیم الامت صاحب خود بدولت مالک مطبع بھی نہیں ہیں۔ پھر رولیہ، اسفنجا، وغیرہ کا ذکر کیوں۔ حالانکہ حکیم فضل دین کے مطبع کا تو بقول اس کے کوئی رولیہ واسفنجا ہے ہی نہیں۔

اخبار پڑھنے کی مجھ کو عادت نہیں ہے۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء کا الحکم میں نے پڑھا تھا کہ نہیں مجھ کو یاد نہیں۔ جمعہ کے مضمون کی کاپیاں الحکم دکھلا لیتا تھا چھپنے سے پہلے جو لفظ الحکم ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء میں ''حکیم الامت'' کا لفظ میری نسبت لکھا ہوا ہے، میں نے نہیں کاٹا۔ یہ خطاب مرزا صاحب کا دیا ہوا نہیں ہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء کے سراج الاخبار میں جو مضمون کرم دین کا چھپا ہے مجھ کو یاد نہیں ہے کہ مرزا صاحب کی مجلس میں پڑھا گیا کہ نہیں۔ حضرت کی مجلس میں اس مضمون کا ذکر آیا اور آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے افسوس ہے کہ یہ لوگ تقوی سے کام نہیں لیتے جو مضمون الحکم میں مرزا صاحب کے موافق یا مخالف ہو اس کے پڑھنے کا میں عادی نہیں ہوں اور نہ اس کی ضرورت سمجھتا ہوں جو نوٹس کرم دین نے مرزا صاحب کو اگر دیا ہو اس کا ذکر میرے سامنے مجلس میں کبھی نہیں آیا۔ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ جہلم کے مقدمات کا مجلس میں کبھی ذکر آیا کہ نہیں۔ ان مقدمات کا جو اس وقت دائر ہیں مرزا صاحب کی مجلس میں میرے سامنے کبھی ذکر نہیں آیا یہ مجھ کو یاد نہیں ہے(۱) کہ خواجہ کمال دین کو مشورہ کے لیے بلایا ہو۔ حکیم صاحب کبھی سفر میں جاتے ہیں تو مجھ کو کبھی خبر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ جب وہ لکھنؤ کو سفر پر گئے تھے تو مجھ کو خبر نہیں تھی اور نہ وہ مجھ کو کہہ کر گئے۔ جب وہ جہلم گئے تھے تو انہوں نے مجھ کو کہا کہ وہاں کی کوئی فرمائش ہو تو لاؤں۔ ایک بیوی ان کی قادیان میں رہتی ہے کئی مہینے ہوئے تو ان کی دو بیویاں یہاں تھیں۔ سال کے اندر کی بات ہے کہ ان کی دو بیویاں یہاں تھیں۔ معلوم نہیں ہے ان کی دوسری بیوی آج کل کہاں ہے۔ سرقہ کی تعریف جو میں نے کی ہے وہ مرشدی اور دیگر بیان کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

---

(۱) کاہے کو ذکر ہونا تھا جہلم کے مقدمات کون سی اتنی بڑی بات تھی لیکن حضرت مسیح کے سر پر تو اس وقت قیامت برپا تھی اور دن رات ایک ہو گئے تھے جیسا کہ مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے: یجعل نھارنا اغسی من لیلۃ داجیۃ الظلم۔ ادھر حواری ہیں کہ ان کو خبر تک بھی نہیں۔ اچھائیوں ہی سہی

جیسے مطول اکبر، مختصر معانی ایک چھوٹی کتاب ہے مگر بہت مختصر ہے جو تعریف سرقہ کی میں نے سنائی تھی وہ نثر کے لیے عام طور پر ہے اور نظم میں بھی آ جاتی ہے۔ ہر قسم کی نثر میں بھی آتی ہے۔ مختصر معانی میں عام سرقہ کی تعریف اس جگہ نہیں لکھی جو مجھ کو وکیل ملزم نے دکھائی ہے۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۶ اور سیف چشتیائی پی نمبر ۵ کا آپس میں مقابلہ کیا یعنی پی نمبر ۵ کے ۱۸۷ صفحہ تک اور پی نمبر ۵ کے صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۸۰ تک اکثر مقام بعینہ ہیں یعنی جیسے سیف چشتیائی میں ویسے ہی اعجاز المسیح میں کہیں کہیں تھوڑی سی عبارات سیف چشتیائی میں زیادہ ہیں اور کہیں کہیں اعجاز المسیح کے حاشیوں میں زیادہ ہے یعنی کہیں کہیں بہت خفیف کم وبیشی ہے لفظوں کی کم وبیشی ہے وہ بھی بہت کم۔ اعجاز المسیح کے صفحہ ایک کے نوٹ سیف چشتیائی میں نہیں ہیں۔

سوال: سیف چشتیائی پی نمبر ۵ کے صفحہ ۳۷ سے صفحہ ۶۷ کے اخیر تک جو عبارت ہے وہ اعجاز المسیح کے نوٹوں میں کہیں ہے؟

جواب: یہ عبارت (۱) اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے حاشیہ پر نہیں ہے۔

سوال: نزول المسیح کے صفحہ ۲۷ کے حاشیہ پر جو نوٹ ہے آٹھ سطروں کا وہ آپ پڑھ کر اور نیز الحکم مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۳ پر جو نوٹ قبل از خطوط کے تیسرے کالم میں درج اس کو پڑھ کر بتایئے کہ دونوں ایک ہیں کہ نہیں۔

جواب: دونوں ایک ہیں۔ نزول المسیح ابھی شائع نہیں ہوئی اور الحکم شائع ہو چکی ہیں پس جس جماعت میں نزول المسیح جائے گی جس میں الحکم پہلے خوب طرح شہرت پا چکی ہے، اس لیے سرقہ نہیں ہے۔

سوال: مشہور اور شہرت سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: قرآن کا کوئی کلمہ ان لوگوں کے سامنے جو قرآن جانتے اور حدیث کا کوئی فقرہ جو حدیث جانتے ہیں شعرا کا کلام ان لوگوں میں جو اس قسم کے شعرا کو پڑھتے ہیں اور ادیب لوگوں کے فقرے اور کسی زبان کی ضرب المثلیں ان

(۱) پھر تو مضمون بلکہ ورقوں کا فرق نکل آیا۔ آپ تو لفظوں کی کمی بیشی اور وہ بھی بہت کم فرماتے تھے۔

لوگوں میں جو اس زبان کی ضرب المثلوں اور کلمات کے واقف ہوں اور اسی طرح کسی حکیم کا فقرہ ان لوگوں میں جو حکما کے فقروں سے آگاہ ہوں بلا اس کے کہ مصنف کا نام بھی وہ مشہور ہوتا ہے اسی طرح سے کوئی کلام جب کسی قوم میں شہرت پا جاوے وہ کلام مشہور کہلاتا ہے۔ ایک فقرہ کی نسبت دو نقطہ چینوں کو یا شارحین کو ممکن ہے توارد ہو جاوے۔ اعجاز المسیح کو میں معجزہ مانتا ہوں وہ علی العموم مرزا صاحب کا کلام ہے کہیں کہیں فقرہ خاص کوئی الہام کا بھی ہوگا جو شرائط مرزا صاحب معجزہ کے واسطے بیان کی ہوں ان شرائط کی پابندی سے وہ سارا کام نہیں ہوسکتا۔ معجز نما کلاموں میں بھی دوسرے معنوں کی عبارات اور فقرات داخل ہو جاتے ہیں۔ جرح ختم ہوئی۔

۱۵۔۶۔۱۹۰۳ء

دستخط حاکم

گواہ نے کل اظہار پڑھ کر ہر ایک صفحہ پر اپنی العبد کی اور صفحہ ۵۵ اور صفحہ ۵۶ پر پنسل کے نوٹ کر دیے اور ریڈر کے سامنے نوٹ کیے گئے ہیں جن کو مواجہہ میں گواہ نے اظہار پڑھا۔

دستخط حاکم

مولوی عبدالکریم کا بیان

بیان گواہ عبدالکریم مشمولہ مسل اجلاسی رائے چندولال صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر باختیار مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مرجوعہ ۳۱ جنوری فیصلہ متدائرہ

نمبر بستہ: نمبر مقدمہ ۵۱/۲

حکیم فضل دین ولد کرم دین سکنہ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ولد نا معلوم سکنہ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

استغاثہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند

بیان گواہ استغاثہ باقرار صالح

عبدالکریم ولد محمد سلطان فرات بٹ سکنہ سیالکوٹ حال قادیان عمر ۴۴ سال

پیشہ ندارد وخط وکتابت مرزا صاحب

میں ستمبر ۱۸۹۸ء سے مستقل طور پر قادیان میں سکونت رکھتا ہوں۔ مرزا صاحب کی خط وکتابت میں کرتا ہوں جو خطوط مرزا صاحب کی طرف سے آتے ہیں وہ براہ راست ان کی خدمت میں پہنچتے۔ ان میں سے اکثر خطوط کو میری طرف جواب دینے کے لیے بھیج دیتے ہیں اور بعض کو اپنے پاس واسطے جواب دینے کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ مرزا صاحب کا مجلس میں بیٹھنے کا وقت پیشی کی نماز سے کسی قدر پہلے ہے اور مغرب یعنی شام کی نماز پڑھ کر عشا کی نماز تک برابر بیٹھے رہتے ہیں جن خطوط کا تعلق عامہ بہتری اور مصالح کے ساتھ ہوتا ہے ان کے خطوط کو میں مجلس میں سنا دیتا ہوں۔ پی نمبر ۳ خط مع لفافہ میں نے دیکھا۔ میں ایماناً اور یقیناً کہتا ہوں کہ یہ خط میرے نام آیا اور اس کا لفافہ میں نے خود کھولا اور لفافہ میں سے یقیناً یہ ہی خط نکلا۔ یہ خط شہاب الدین کی طرف سے ہے اور بھیں سے آیا۔ اس خط کے دو حصے ہیں، ایک حصہ مرزا صاحب کی طرف ہے دوسرے حصہ میں خطاب میری طرف کیا ہوا ہے اس میں ایک کارڈ کا ذکر ہے جو پیر مہر علی شاہ کا ہے۔ یہ خط پی نمبر ۴ مولوی کرم الدین کا ہے جو مرزا صاحب کی طرف براہ راست آیا تھا پھر حضرت مرزا صاحب نے یہ خط مع ایک کارڈ کے جو اس میں ملفوف تھا مجھ کو دیا۔ وہ کارڈ جس کا ذکر شہاب الدین کے خط میں ہے۔ یہ ریکارڈ پیر گولڑہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے میں نے جواب میں شہاب الدین کو خط لکھا تھا۔ کرم الدین کو جواب میں خط نہیں لکھا۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ شہاب الدین کو میں نے دو خط لکھے تھے ایک رجسٹری کرا کر بھیجا۔ دوسرا بلا رجسٹری پی نمبر ۴ خط مولوی کرم الدین کا میں نے مجلس میں دُور کی آواز سے سنایا۔ اس خط کے پڑھنے پر ہم پر

یہ اثر پڑا کہ ہمارے مفید مطلب کارروائی ظاہر ہوا چاہتی ہے ہم کو یقین ہوا کہ ہمارے مفید مطلب کارروائی ظاہر ہونی ہے

جو کچھ اس میں مولوی کرم الدین نے لکھا ہے بالکل سچ ہے اور سچے خلوص سے لکھا ہے ہم کو یقین ہو گیا تھا جب یہ خط پڑھا گیا تھا۔ حکیم فضل الدین صاحب نے اپنے تئیں پیش کیا کہ میں اس کام کو کرتا ہوں چنانچہ وہ گئے۔ حکیم فضل الدین کو اور کوئی ضرورت اس طرف جانے کی نہیں تھی۔ مطبع ضیاء الاسلام کا مالک حکیم فضل الدین صاحب ہیں اور نفع ونقصان کے وہ ہی ذمہ دار ہیں۔ نزول المسیح (۱) ان خطوط سے بہت دیر پہلے مرزا صاحب کے حکم سے چھپنی شروع ہو گئی تھی پھر کیا حکیم فضل الدین چھپوا رہے تھے جب مولوی کرم الدین کے خطوط آئے تو اس وقت تعداد بڑھائی گئی۔ یہ نزول المسیح چھپنے کے اثنا میں جب سراج الاخبار میں ایک مضمون مولوی کرم الدین کے نام سے نکلا چھپنے سے بند ہو گئی۔

جرح

خط وکتابت کا کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بلا کسی اجرت کے کرتا ہوں۔ روزمرہ تخمیناً بیس خطوط سے کم نہیں ہوتے۔ یہ تعداد ان خطوط کی ہے جو مرزا صاحب کے پاس آتے ہیں میں کبھی سات کبھی آٹھ کبھی دس خط روزمرہ لکھ لیتا ہوں۔ مجھ کو ضعف دماغ (۲) اور ضعف بصارت ہے۔ میرے پاس ان خطوط کا جو میں لکھتا ہوں اور ان خطوط کا جو میں پڑھ کر سناتا ہوں کوئی رجسٹر نہیں ہے۔ اس دن جس دن یہ خط پڑھا گیا میں نہیں کہہ سکتا کہ پچھلے مہینے میں لکھا کہ اس مہینے میں لکھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے مولوی

(۱) جب ابتدا ہی سے نزول المسیح مرزا صاحب کے حکم سے چھپ رہی تھی تو پھر وہ سارا قصہ کہ پہلے حکیم جی اپنے لیے چھاپ رہے تھے اور خطوط پہنچنے سے بعد حضرت جی کے حکم سے چھپنی شروع ہوئی محض غلط نکلا۔

(۲) اوہو پھر آپ ضرور قابل رحم ہیں۔

کرم دین کا خط ایک سے زیادہ دفعہ پڑھا تھا۔ حکیم فضل دین کا تعلق مطبع سے تھوڑے (۱) برسوں سے ہے مگر سن ٹھیک یاد نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد نہیں ہے کہ ۱۸۹۸ء میں حکیم فضل الدین کا اس مطبع سے تعلق تھا کہ نہیں۔ تھوڑے سے مراد میری شاید پانچ سے کم ہے۔ میرا خیال ہے کہ قریب قریب پانچ سال ہے۔ اس سے پہلے بھی یعنی حکیم فضل الدین کے تعلق سے پہلے یہ مطبع شاید مرزا صاحب کے متعلق تھا۔ حکیم فضل الدین (۲) سے پہلے مرزا صاحب اس مطبع کے مالک تھے۔ مجھ کو علم نہیں ہے کہ مرزا صاحب سے حکیم فضل الدین نے یہ مطبع خرید لیا یا کیا۔ اس وقت حکیم صاحب مطبع کے مالک ہیں۔ یہ ملکیت ان کی میرے علم میں پانچ سال سے ہے چونکہ حکیم صاحب اس مطبع کے نوکروں کو تنخواہ دینا، اس کی تقرری بحالی، موقوفی وغیرہ ان کے تعلق میں ہے۔ اس واسطے جانتا ہوں کہ وہ مالک ہیں۔ میں نے اس مطبع کا حساب کتاب کبھی نہیں دیکھا۔ کتابوں کے بنڈل جو نوکر باندھتے ہیں وہ حکیم صاحب کے حکم سے باندھتے ہیں۔ نزول المسیح جب سات سو چھپ رہی تو ضیاء الاسلام پریس میں چھپتی تھی۔ مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے جب اس کی تعداد بڑھائی گئی تو اور پریس بھی منگوایا گیا، کس نے منگوایا معلوم نہیں۔ ٹھیک یاد نہیں ہے کہ کتنے پریسوں میں چھپی وہ مجھ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ کتاب علیحدہ علیحدہ پریسوں میں رکھی جاتی تھی کہ ایک پریس میں رکھی جاتی تھی۔ شہاب الدین کی شکل میں نے کبھی نہیں دیکھی ان خطوں سے پہلے بھی وہ مجھ کو خط لکھتا تھا اور میں اس کو کتابیں مفت بھیجتا تھا۔ ان دنوں میں وہ ظاہر کرتا تھا کہ فرقہ

---

(۱) پھر حکیم جی کا ۱۸۹۵ء سے مالک مطبع ہونا یار لوگوں کی من گھڑت نکلی۔

(۲) مولوی عبدالکریم نے تو سارا بخیہ ہی اُدھیڑ دیا۔ حکیم الامت مع اپنے بھیروی بھائی (مستغیث) کے اور خود مرزا صاحب تو ابتدا ہی سے مالک مطبع حکیم فضل دین بیان کرتے ہیں لیکن بحکم الحق ما شهدت بہ الاعدا مولوی عبدالکریم نے اتنا تو کہہ دیا کہ ابتدائی مالک اس مطبع کے مرزا صاحب ہیں۔ اب ہم مرزائی جماعت سے باادب پوچھتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم کو سچا مانیں یا دوسرے صاحبان کو حالانکہ مولوی عبدالکریم بھی ''اخص الخواص'' حواریوں سے ہیں۔

احمدیہ سے ہے یاد نہیں ہے کہ وہ مندرجہ فہرست ہے کہ نہیں مرزا صاحب کے مریدوں کا ایک رجسٹر ہے جو اور صاحب کے سپرد ہے۔ شہاب الدین کا اور خط میرے پاس موجود نہیں ہے جو خط مہم (۱) ہوتا ہے وہ رکھ لیتے ہیں ورنہ نہیں۔ میں نے پیر مہر علی شاہ کو کبھی نہیں لکھتے دیکھا اور نہ میں نے ان کی شکل دیکھی اور نہ ان کا لکھا ہوا دیکھا۔ حکیم فضل الدین صاحب کے کہنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ حکیم فضل الدین کو اس طرف اور کوئی کام نہیں تھا مجھ کو بہت دن کے بعد معلوم ہوا تھا کہ ان کے ساتھ ان کی بیوی گئی تھی معلوم نہیں ہے کہ ہر سفر میں ان کی بیوی ان کے ساتھ جاتی ہے کہ صرف اسی سفر میں گئی تھی۔ جب نزول المسیح کی تعداد بڑھائی گئی تو مرزا صاحب نے اس کا خرچ دیا یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اپنی جیب خاص سے دیا یا کیا اور کیا دیا۔ میں نہیں کہہ سکتا یقیناً یاد نہیں کہ چندہ کے واسطے اخباروں میں تحریک ہوئی یا نہیں۔ اس کتاب کے چھپنے کے بارے میں میرے پاس کوئی چندہ نہیں آیا مجھ کو علم نہیں ہے کہ مولوی نور دین کے پاس کوئی چندہ آیا کہ نہیں۔ کبھی شاذ و نادر میں الحکم پڑھا کرتا ہوں۔ (۲) کتاب سیرۃ المسیح میں نے لکھی ہے اور میں اس کا مصنف ہوں۔ ای نمبر ۱۲ سیرۃ مسیح وکیل ملزم پیش کی صفحہ ۵۰ پر جہاں عدالت نے نشان لگایا ہے وہ تحریر میرے ہی صفحہ ۴۰، ۴۷ کی ہے۔ مرزا صاحب کے لنگر سے کھانا کھاتا ہوں حکیم صاحب کا علم نہیں کہاں سے کھاتے ہیں۔ (۳) ستمبر ۱۸۹۸ء سے پہلے میں قادیان کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور بسا اوقات آٹھ مہینے بھی رہتا مجھ کو یاد نہیں ہے کہ ۱۸۹۲ء میں میں یہاں تھا کہ نہیں۔ کیفیت جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء مقام

---

(۱) "مُہم" بجائے "اہم" استعمال کرنا مرزائی جماعت کی لیاقت کی بین دلیل ہے باوجود تکرار سوال کے مولوی صاحب نے مُہم کا لفظ ہی بولا جو عدالت نے بعینہ درج فرمایا۔

(۲) ضرور نہیں پڑھتے ہوں گے خصوصاً اپنے مواعظ اور مضامین بھی جن سے ہر ایک پرچہ الحکم سیاہ ہوتا ہے

(۳) اور وہ سیرت مسیح میں حکیم فضل دین کی مفت کی روٹیاں توڑنے کا ذکر کون سی روٹیوں کا ہے اس سے مراد لنگر کی روٹیاں نہیں۔

قادیان ضلع گورداسپور پیش کردہ ملزم اس میں جو کچھ لکھا ہے- یہ صحیح نہیں ہے۔ (ای نمبر ۱۳ اس کیفیت پر درج ہے) مضمون مندرجہ سراج الاخبار مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء مجلس میں پڑھا گیا اس کے پڑھنے سے شک پڑ گیا کہ پہلے جو ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ وہ نوٹ جو پیر گولڑی کی کتاب میں ہے وہ محمد حسن کے ہیں- یہ صحیح نہیں ہے۔ اخبار مرزا صاحب کے سامنے پڑھا گیا تھا اس شک کے دفعیہ کے لیے یہ سامان ہے۔ جواب پیش ہو رہا ہے۔ اس کا مجھے علم نہیں ہے کہ اس سامان کا خرچ کسی جیب خاص سے ہو رہا ہے یا کہ چندہ سے۔ مجھے یاد نہیں اس بات کے متعلق کہ یہ مقدمات جہاد کے ہیں۔ الحکم مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۷، ۸ پر مضمون جہاد کی فلاسفی درج ہے وہ میرا وعظ ہے جو لوگ مرزا صاحب کے مخالف ہیں وہ ہمارے مخالف ہیں۔ الحکم مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۹ پر جو استفسار اور ان کے جواب درج ہیں سب درست ہیں۔ (دیکھو ای نمبر ۱۵ پیش کردہ ملزم)

فریق اول:

الحکم میں جو میرا وعظ چھپا ہے وہ ایڈیٹر کے الفاظ میں ہوتا ہے۔ میرے الفاظ بھی کوئی کوئی ہوتے ہوں گے اور مرزا صاحب کے جواب لکھے ہیں وہ بھی ایڈیٹر کے الفاظ ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ ہم نہیں کھاتے۔

۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء

دستخط حاکم

العبد عبدالکریم

۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء کو بعد اختتام شہادت استغاثہ عدالت نے مولوی کرم الدین مستغاث علیہ کا بیان قلم بند فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

نقل بیان ملزم بمقدمہ فوجداری اجلاسی رائے چندولال صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مرجوعہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء فیصلہ متدایرہ

نمبر بستہ۔ نمبر مقدمہ ۵۱/۲

حکیم فضل دین ولد کرم دین سکنہ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ولد نامعلوم سکنہ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

استغاثہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند

بیان ملزم

کرم دین ولد صدرالدین ذات اوان سکنہ بھیں عمر ۳۵ سال پیشہ زمین داری

سوال: سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں جو مضمون مرزائیوں کی فریب بازی کا ایک تازہ نمونہ چھپا ہے آپ کا لکھا ہوا ہے۔

جواب: میں یقیناً نہیں کہہ سکتا ہوں کہ یہ مضمون میرا لکھا ہوا ہے کہ نہیں۔

سوال: کیا یہ مضمون پی نمبر ۱۴ آپ کا لکھا ہوا ہے؟

جواب: میں یقیناً نہیں کہہ سکتا ہوں کہ یہ مضمون پی نمبر ۱۴ میرے قلم کا لکھا ہوا ہے اور نہ یہ دستاویز میرے سامنے پیش ہوا۔ اس مضمون پی نمبر ۱۴ پر میرا نام لکھا ہوا ہے۔ خبر نہیں کس نے لکھا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس پر میرے دستخط ہیں کہ نہیں، میرا خط کچا ہے۔

سوال: کیا یہ خط پی نمبر ۴ آپ کا بھیجا ہوا ہے اور آپ کا لکھا ہوا ہے؟

جواب: نہ یہ خط میرا بھیجا ہوا ہے اور نہ میرا لکھا ہوا ہے۔

سوال: کیا یہ کارڈ پی نمبر ۵ آپ کے نام آیا ہوا ہے۔

جواب: اس کارڈ پر میرا نام لکھا ہوا ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس پہنچا کہ نہیں۔

سوال: اس کارڈ کا بھیجنے والا کون ہے۔

جواب: اس کارڈ پر بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا ہے اور نہ میں کہہ سکتا ہوں کہ کون بھیجنے والا ہے۔

سوال: کیا دستاویزات انڈکس نمبر ۹ و نمبر ۲۸ آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

جواب: یہ میری لکھی ہوئی ہیں یعنی ہر دو دستاویزات میری لکھی ہوئی ہیں۔

سوال: مختار نامہ نمبر ۹ میں جو دستی تحریر ہے وہ آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

جواب: کل اس مختار نامہ پر میرے دستخط ہیں مگر دوسری قلمی تحریر کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ میری ہے اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری نہیں ہے۔

سوال: کیا مختار نامہ نمبر ۱۰ انڈکس میں جو قلمی تحریر ہے آپ کی ہے۔

جواب: اس مختار نامہ پر میرے دستخط ہیں باقی قلمی تحریر میری دستخطی نہیں ہے۔

سوال: کیا یہ دستاویز پی آر نمبر ۱۴ آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

جواب: یہ دستاویز میری تحریر نہیں ہے کیونکہ میں مناظر یعنی بحث کرنے والا نہیں تھا۔

سوال: کیا حکیم فضل دین آپ کے یہاں گئے۔

جواب: گئے تھے۔

سوال: کیا آپ نے دو نسخے اعجاز المسیح پی نمبر ۶ اور پی نمبر ۱۰ حکیم فضل دین کو دیے۔

جواب: میں نے یہ دونوں نسخے ان کو دیے۔

سوال: قیمتاً دیے تھے یا کہ مفت؟

جواب: مفت دیے تھے۔

سوال: نسخہ پی نمبر ۶ پر جو نوٹ ہیں وہ کس کے دستخطی ہیں۔

جواب: میرا گمان ہے کہ مولوی محمد حسن کے ہاتھ کے ہیں یعنی وہ نوٹ جو اس

نسخہ پی نمبر ۶ پر درج ہیں وہ مولوی محمد حسن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

سوال: پی نمبر ۱۰ پر جو نوٹ ہیں وہ کس کے ہاتھ ہیں۔

جواب: اس کتاب پر کچھ نوٹ حکیم فضل الدین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور کچھ میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

سوال: نوٹ جو پی نمبر ۶ پر لکھے ہوئے ہیں وہ آپ کیونکر کہتے ہیں کہ مولوی محمد حسن کے ہاتھ کے ہیں۔

جواب: ان کی تحریر کے مشابہ ہے اس واسطے میں کہتا ہوں۔

سوال: یہ کتاب پی نمبر ۶ آپ نے کہاں سے لی تھی؟

جواب: یہ کتاب میرے پاس تھی کیونکہ مولوی محمد حسن کی اور میری کتابیں رلی ملی رہتی تھیں وہ اور میں اکٹھے رہتے تھے وہ میرے قریبی رشتہ دار تھے۔

سوال: کیا شہاب الدین آپ کا شاگرد ہے؟

جواب: وہ میرے پاس پڑھا ہوا ہے مگر وہ مرزائی ہے ان کی فہرست میں اس کا نام ہے۔

سوال: پیر مہر علی شاہ کو آپ جانتے ہیں؟

جواب: میں جانتا ہوں۔

سوال: سیف چشتیائی میں جو مضمون پیر مہر علی شاہ نے صفحہ ۷۰ سے ۸۰ تک لکھا ہے وہ ان نوٹوں کی نقل ہے جو نسخہ اعجاز المسیح پی نمبر ۶ پر ہیں یا کیا؟

جواب: بعینہ نقل نہیں ہے چنانچہ صفحہ ا پر جو نوٹ ہیں ان میں سے سیف چشتیائی میں کوئی نہیں ہے اور صفحہ ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶ کی عبارت جو سیف چشتیائی میں ہے وہ اعجاز المسیح کے حاشیہ پر مطلق نہیں ہے۔ باقی جو نوٹ ہیں وہ کوئی کوئی معناً ملتے ہیں لیکن ان میں تغائر بلحاظ الفاظ کے موجود ہے۔ شاید ایسا کوئی نوٹ بھی ہو جو لفظاً ملے۔ یہ صورت توارد کی ہوتی ہے نہ سرقہ کی۔

سوال: آپ پر یہ استغاثہ کیوں کیا گیا؟

جواب: ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء کے اخبار الحکم میں میرے بھائی مولوی محمد حسن مرحوم کی

نسبت سخت توہین کے کلمات لکھے گئے جس وقت اس کی اطلاع مجھ کو پہنچی تو میں نے ایک نوٹس تحریری مرزا صاحب کے پاس بھیجا۔ جس کا تذکرہ اخبار الحکم میں موجود ہے اس وجہ سے یہ استغاثہ مرزا صاحب نے کرادیا۔

سوال: کیا آپ نے اس مضمون کی تردید جو سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں چھپا، کی؟

جواب: تردید نہیں کی۔ کیونکہ موقع نہیں ملا۔

۱۷۔۷۔۱۹۰۳

دستخط حاکم

۱۷ جولائی کو خواجہ کمال الدین صاحب وکیل مستغیث نے بتائید استغاثہ لمبی تقریر کی۔ مرزائی صاحبان خواجہ صاحب کی تقریر پر لٹو ہو رہے تھے اور کہتے تھے کہ خواجہ صاحب روح القدس کی تائید سے بول رہے ہیں۔

۱۸ جولائی کو ہمارے فاضل وکیل سید میر احمد شاہ صاحب وکیل بٹالہ کی تقریر کا دن تھا۔ اس روز بہت سے لوگ تقریر سننے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں وکیل استغاثہ کے سارے دلائل کا ترتیب وار نہایت قابلیت سے جواب دیا اور ایسی فصاحت و بلاغت سے استغاثہ کی تردیدی تقریر فرمائی کہ حاضرین مخالف و موافق سب عش عش کرنے لگے۔ خواجہ صاحب کی تقریر کا وہ سارا اثر دلوں سے محو ہو گیا۔ افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی تقریر بالاستیعاب ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے ورنہ اس کو بجنسہ اس موقع پر درج کیا جاتا۔ عدالت نے بعد سننے بحث وکلاء فریقین کے ۲۱ جولائی کو فرد قرارداد جرم حسب ذیل مستغاث علیہ پر مرتب کی۔ جس کی مرزائی جماعت کو بڑی خوشی ہوئی لیکن مستغاث علیہ کو اپنی بے گناہی اور خدا کے فضل پر پختہ بھروسہ تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ انجام بخیر ہوگا۔

والعقابة للمتقین

[فیصلہ]

میں مجسٹریٹ اس تحریر کی رو سے تم مولوی کرم الدین پر حسب تفصیل ذیل الزام قائم کرتا ہوں کہ تم نے بذریعہ خطوط و کارڈ کے جو تم نے قادیان میں بھیجے۔ مستغیث کو باور کرایا کہ اعجاز المسیح پر جو نوٹ تھے وہ محمد حسن کے ہاتھ کے ہیں اور پھر خود تسلیم کیا کہ وہ نوٹ اس کے نہیں اور جس سے مستغیث کو دھوکہ ہوا۔ لہذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۴۲۰ میں مقرر ہے اور جو عدالت ہذا کی سماعت کے لائق ہے اور میں اس تحریر کے ذریعہ حکم دیتا ہوں کہ تمہارے تجویز بر بنائے الزام مذکور عدالت موصوفہ کے (یا ہمارے) روبرو عمل میں آئے۔

عدالت بابو چندولال صاحب مجسٹریٹ اول ضلع گورداسپور

۲۱ جولائی ۱۹۰۳ء فرد جرم ملزم کو سنائی گئی اور سمجھائی گئی اس کا جواب لیا جاوے۔

۲۱ جولائی ۱۹۰۳ء

جواب ملزم

میں نے فرد جرم سن لیا ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ گواہان استغاثہ کو جرح کے واسطے طلب کرانا چاہتا ہوں اور صفائی بھی پیش کرنا چاہتا ہوں، فہرست گواہان پیش کروں گا۔ گواہان کی فہرست بھی دے دوں گا جس پر جرح کرنا چاہتا ہوں۔

العبد

محمد کرم الدین ملزم

میں نے بیان پڑھ کر دستخط کیے۔

دستخط حاکم۔

۲۱ جولائی ۱۹۰۳ء

مقدمہ ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء کو پیش ہووے اور ملزم گواہان صفائی اور گواہان استغاثہ

کی جس پر جرح کرنا چاہتا ہے فہرست داخل کرے اور وہ حسب ضابطہ طلب کیے جاویں۔

دستخط حاکم ۲۱ جولائی ۱۹۰۳ء

مولوی کرم الدین نے فہرست گواہان صفائی داخل کی جو حسب ذیل تھی:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی
(۲) جناب منشی شمس الدین صاحب شائق مالک شمس الہند پریس لاہور
(۳) پیر منور شاہ صاحب ساکن نلہ پیراں ضلع جہلم
(۴) مولوی غلام محی الدین صاحب ساکن دیالی ضلع جہلم
(۵) منشی قادر بخش صاحب ایجنٹ شیخ محمد الدین صاحب وکیل جہلم

اور علاوہ ازیں جرح کے لیے گواہان استغاثہ میں سے مولوی نورالدین، مولوی عبدالکریم صاحب کو مع مستغیث طلب کرایا۔ صاحب مجسٹریٹ نے تاریخ پیشی مقدمہ ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء مقرر فرمائی۔

۱۹ اگست کی کارروائی

چونکہ اس پیشی پر ''پرافٹ'' (Prophet) قادیانی کی شہادت ہونی تھی اس لیے خلق خدا چاروں طرف سے ''تماشہ'' دیکھنے آ رہی تھی۔ بہت سے مرزائی صاحبان بھی مرزا جی کے ہم راہ آئے ہوئے تھے۔ حاکم نے اجلاس کے لیے کمرۂ عدالت سے باہر میدان میں شامیانہ نصب کر دینے کا حکم دے دیا تھا تا کہ سب لوگ مقدمہ کی کارروائی سن سکیں۔ اس کی تعمیل میں شامیانہ لگ گیا اور فرش وفروش کے علاوہ بہت سی زائد کرسیاں اور بنچ بھی بچھا دیے گئے۔ قریباً ۱۰ بجے صاحب مجسٹریٹ نے اجلاس شروع فرمایا۔ عوام الناس حاضرین کی تعداد کا تو کچھ شمار نہ تھا اور خواص میں سے جناب مرزا ظفر اللہ خان صاحب ورائے بہادر لبھو رام صاحب مجسٹریٹیاں درجہ اول ضلع و مولوی نیاز علی صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس، مولوی محمد اشرف صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس، رائے سوہبا رام صاحب سول سرجن، بابو برکت علی صاحب اسسٹنٹ سرجن شفاخانہ، سر دفتر صاحب ضلع بھی نشست فرما تھے اور علاوہ ان

کے وکلاء صاحبان اور معزز اہلکاران گورداسپور بھی موجود تھے۔ انتظام کے لیے ایک گارڈ پولیس مع ہتھکڑیوں اور سارجنٹ کے موجود تھی۔

اولاً گواہان استغاثہ میں سے مستغیث اور مولوی عبدالکریم صاحب پر مختصر جرح ہوئی۔ پھر مرزا صاحب کا بیان بطور گواہ ملزم شروع ہوا جو ۱۱ بجے سے شروع ہو کر ۴ بجے ختم ہوا اور مرزا صاحب کا سارا بیان عام گواہوں کی طرح اجلاس میں کھڑا کر کے لیا گیا۔ اس عرصہ میں مرزا صاحب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دودھ میں برف ملا کر نوش جان فرماتے تھے کہ حلق خشک نہ ہو جائے۔ مرزا صاحب کا بیان ذیل میں بعینہ مصدقہ عدالت درج کیا جاتا ہے جس کو پڑھ کر ایک شخص غور کر سکتا ہے اور ساتھ ان کے مختصر سے نوٹ بھی ناظرین کو توجہ دلانے کی غرض سے کر دیے جاتے ہیں۔

نقل بیان مرزا غلام احمد صاحب (گواہ صفائی)

حکیم فضل دین ساکن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ مستغیث

بنام

مولوی محمد کرم الدین ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم ملزم

(جرم زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند)

بیان گواہ صفائی ملزم باقرار صالح

مرزا غلام احمد: (چونکہ گواہ ملزم کا مخالف گواہ ہے اس لیے اس کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ سوالات بہ شکل جرح کرے) میں مولوی کرم الدین کو اس وقت سے جب سے یہ مقدمہ ہوا ہے جانتا ہوں اور دیکھا ہے اس سے پہلے جب مولوی کرم دین کا ایک خط میرے نام آیا تھا اس وقت مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ کرم دین ہے مگر میں خط سے یہ نتیجہ نہیں نکالتا تھا کہ وہ اس کا خط ہے۔ میں نے کوئی ایسا طریقہ نہیں نکالا جس سے معلوم ہو سکے کہ خط کے لکھنے والا وہ ہی ہے جس کا

وہ لکھا ہوا ہے۔ یہ الہام انی مھین من ارادا ھانتک کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی ان مقدمات سے کئی سال پہلے ہوا۔ یہ پیشین گوئی من قام للجواب و تنمر فسوف یری انہ تندم و تدمر (۱) فیضی کی نسبت نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی نسبت ہے جو اعجاز المسیح کا جواب لکھے۔ پہلا الہام عام ہے مگر جو شخص ہماری واقعی اہانت کرے اس کی نسبت وہ خاص الہام ہے یعنی اس شخص سے نفس الامر میں ایک فعل اہانت کا صادر ہووے۔ فعل میں اہانت بذریعہ تحریر بھی داخل ہے۔ خط پی نمبر ۴ کے مضمون سے ان الہامات کا کچھ تعلق نہیں پایا جاتا۔ اس خط میں کوئی اہانت نہیں ہے اور نہ مقابلہ ہے۔ اس خط میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے جو ان الہامات سے کچھ تعلق رکھتا ہو اس خط کے مضمون کی تصدیق کے واسطے میں نے کوئی آدمی نہیں بھیجا (۲) مگر مشورہ کے طور پر مجھ سے حکیم فضل الدین نے کہا کہ اس کارروائی میں میرا فائدہ ہے کیونکہ اس کتاب نزول المسیح میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ جائیں۔ کتاب نزول المسیح کا مصنف میں ہوں، اس کی تصنیف میں اپنے طور سے اپنی طرف سے کرتا تھا مگر اگر کوئی امر نیا پیش آوے جو میری کتاب کو زیادہ مفید بنا سکتا ہو میں اس کو بھی لیتا ہوں۔

سوال: اس کتاب میں آپ نے اوروں سے اس طور سے مدد لی ہے جیسا کہ آپ نے اوپر بیان کیا ہے؟

---

(۱) مرزائیو! غور کرنا آپ کے مرشد ہی کیسے صاف مکر گئے باوجودیکہ اخباروں اور تصنیفوں میں شور مچا چکے ہیں کہ فیضی ہماری دعا کا نشانہ ہو کر مر گیا اب عدالت میں اس کی تسلیم سے چوکتے ہیں کیا راستبازی اسی کو کہتے ہیں۔

(۲) فضل دین مستغیث اور حکیم نورالدین گواہ مرشد جی کے بیان کی تکذیب میں صاف لکھاتے ہیں کہ مرزا جی کے حکم کی تعمیل کے لیے فضل دین بھیں کو گیا۔ دیکھو بیان مستغیث و بیان مولوی نورالدین گواہ۔ لیکن مرزا جی بیان فرماتے ہیں "میں نے کسی کو نہیں بھیجا۔" مرشد و چیلوں میں یہ تناقض کہ ہمیں کوئی منصف مرزائی بتائے ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔

جواب: میں (۱) نے جب کرم دین کا خط آیا تھا تو اس خیال سے کہ اس کا خط صحیح ہوگا وہ تذکرہ نزول المسیح میں کیا تھا مگر جب سراج الاخبار (خود بخود (۲)) میں اس سے اس کے برخلاف لکھا تو وہ میرا خیال قائم نہ رہا۔ بعض (۳) باتیں میرے حافظہ سے فرو ہو جاتی ہیں میں ان کو بتلا نہیں سکتا۔ فرو ہو جانے کی وجہ استغراق روحانی اور ضعف دماغ (۴) ہے۔

سوال: یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے کہ نہیں۔ یہ متعلق مولوی محمد حسن اور پیر مہر علی شاہ

جواب: پہلے (۵) میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں (۶) نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی کیونکہ پیشین گوئیاں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے یہ بات صرف رائے کے متعلق

---

(۱) صاحبان۔ سوال و جواب کو بغور دیکھیے اور پھر انصاف کیجیے کہ سوال از آسمان و جواب از ریسمان والا معاملہ ہے یا نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ نزول المسیح میں آپ نے دوسروں سے مدد لی ہے یا نہ۔ لیکن مرزا جی اس سوال کا جواب لا و نعم سے نہیں دیتے۔ کچھ اور ہی راگ گانا شروع کیا۔ جواب کیوں دیں۔ تصنیف کی قلعی کھلتی ہے اور جو الزام سرقہ کا دوسروں پر لگاتے ہیں اس کے خود ملزم بنتے ہیں ہائے غضب کیا راست بازوں کا یہ وطیرہ ہے اور و لا تکتموا الشھادۃ کی یوں ہی تعمیل کیا کرتے ہیں۔ چہ خوش

(۲) کورٹ کا خود بخود والا نوٹ قابل غور ہے بے پوچھے مطلب کی باتیں ہانکی جاتی ہیں لیکن سائل کے سوال پر التفات نہیں ہوتی۔

(۳) کیا ایسے کمزور حافظہ والا نبوت کا استحقاق رکھتا ہے ہرگز نہیں۔ نبی کے لیے حافظہ کی قوت ضروری ہے تا کہ تبلیغ میں فرق نہ آوے۔

(۴) ٹھیک فرمایا ضعف دماغ ہی نے تو یہ آفت دنیا میں برپا کی۔ آپ کا دماغ صحیح ہوتا تو کبھی آپ مسیحیت مہدویت وغیرہ کی سودا نہ کرتے۔ خدا رحم کرے۔

(۵) اس جواب میں ملہمیت کی ساری قلعی کھل گئی۔ واہ صاحب واہ۔ الہام کیا ہے موم کی ناک ہے جدھر چاہو پھیرو۔

(۶) جب آپ کو الہام کی غلطی پر یقین ہو لیا تو پھر مواہب الرحمٰن میں یہ الہام ۱۴ جنوری کو شائع کرنا آپ کی دیانت پر حرف لاتا ہے۔

ہے نفس پیشین گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

سوال: ان دو پیشین گوئیوں کا مصداق اور معیار آپ کی رائے ہے یا کہ اور کوئی چیز بھی ہے؟

جواب: چونکہ یہ دونوں پیشین گوئیاں مجمل ہیں اس لیے محض رائے سے خیال کیا گیا کہ ان کا مصداق اور معیار صرف رائے قرار دی گئی۔

سوال: کس کی رائے؟

جواب: یہ میری رائے تھی کرم الدین کی تحریک سے اس وقت تک جب تک اس کا بیان مخالف سراج الاخبار میں شائع نہیں ہوا تھا۔

سوال: جو مضمون نزول المسیح کے حاشیہ صفحہ ۶۷ سے لے کر صفحہ ۸۱ تک ہے یہ آپ نے کس بنا پر لکھا خطوں کی بنا پر یا کسی اور بنا پر۔

جواب: کرم الدین کے خط اور شہاب الدین کے خط کی بنا پر لکھا اور ایک کارڈ کی بنا پر جو کرم الدین کے خط میں ملفوف تھا جس کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ کارڈ پیر مہر علی کا ہے مجھ کو یاد نہیں ہے کہ اعجاز المسیح کے حاشیہ کے نوٹوں کی نقلیں مجھ کو مل چکی تھیں کہ نہیں مگر مجھ کو ان کی نسبت خبر مل چکی تھی۔ صفحہ ۷۰ کی عبارت خطوں کی بنا پر ہے۔ خطوں (۱) پر یقین کر کے ایسا لکھا گیا ان سے استنباط کیا گیا۔

سوال: وہ کون سے خطوط ہیں؟

جواب: پی نمبر ۳ اور پی نمبر ۴ خطوط سے استنباط کیا تھا۔

سوال: ۱۶ اکتوبر کا سراج الاخبار آپ نے کب پڑھا؟

جواب: میرے (۲) پاس سراج الاخبار نہیں آتی ہے کچھ دیر کر کے آئی ہوگی

---

(۱) پہلے ابتدائی بیان میں آپ لکھا چکے ہیں کہ ''میں خط سے نتیجہ نہیں نکالتا تھا کہ وہ اسی کا خط ہے۔'' اب یہاں آ کر خطوں پر یقین ظاہر کرتے ہیں، کیا کریں، حافظہ کا قصور اور ضعف دماغ کی مجبوری۔

(۲) فضل دین اور عبدالکریم سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر کا دو تین دن کے بعد مرزا صاحب کی مجلس میں پڑھا جانا بیان کرتے ہیں۔ مرزا جی یہاں کچھ مہلت نکالنا چاہتے ہیں۔

اور پھر مجھ کو اطلاع ہوئی ہوگی۔ الحکم میں نہیں پڑھا کرتا۔

سوال: تحفہ ندوہ ان واقعات کے بعد یعنی واقعات مندرجہ سراج الاخبار مطبوعہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء آپ نے لکھا کر کیا۔

جواب: تحفہ ندوہ (۱) میں نے ۱۶ اکتوبر کو لکھا، ساتھ ہی چھپ گیا۔

سوال: اس کتاب تحفہ ندوہ کی اشاعت ۱۶ اکتوبر کے سراج الاخبار کے مضمون کی اطلاع ہونے کے بعد ہوئی یا پہلے۔

جواب: ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو کتاب تحفہ ندوہ شائع ہوئی۔ مواہب الرحمٰن جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی اس سے پہلے لکھی گئی تاریخ لکھنے کی (۲) یاد نہیں ہے۔

---

(۱) ہم اس جواب کی طرف ناظرین باانصاف کو خاص توجہ دلانا چاہتے ہیں اور مرزا جی کی صداقت کی قلعی انہی کی تحریر سے کھولنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر مرزا جی کتاب تحفہ ندوہ کی تصنیف لکھائی چھپائی، اشاعت سب کی تاریخ ۱۶ اکتوبر کا دن بیان فرماتے ہیں لیکن تحفہ ندوہ پکار کر کہتی ہے کہ میرا مصنف مقدمہ بنانے کے لیے جھوٹ لکھا رہا ہے۔ میری تصنیف تو ۱۲ اکتوبر کو شروع ہوئی اور ۱۶ اکتوبر کو ختم۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الندوہ مطبوعہ ضیاء الاسلام صفحہ ا شروع سطر میں صاف لکھا ہے: ''آج ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار مجھے ملا۔ الخ'' پھر صفحہ ۸ پر لکھا ہے: ''المولف مرزا غلام احمد ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء'' اور اخیر صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے: ''المولف مرزا غلام احمد قادیانی ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء'' اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ ۵ ورق کی کتاب ۱۲ اکتوبر سے شروع ہو کر ۱۸ اکتوبر تک پانچ دن میں تصنیف ہوئی ہے۔ پھر کاتب کی لکھائی اور چھپائی کے لیے بھی چند دن درکار ہوں گے لیکن بایں ہمہ مہدی مسعود مسیح موعود اپنے حلفی بیان میں صرف ایک دن کی ساری کارروائی بیان فرماتے ہیں۔ اب مرزائی صاحبان سے باادب پوچھا جاتا ہے کہ بتائیں مرزا صاحب کے حلفی بیان کی تکذیب کریں یا ان کی تحریرات مندرجہ تحفہ ندوہ کی۔ دونوں صورتوں میں مرزا جی کی صداقت پر حرف آتا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب تحفہ ندوہ جیسی ۵ ورقہ اردو کتاب پر مرزا جی کے پانچ (۵) دن صرف ہو گئے تو پھر وہ ساری شیخیاں کہ چند دنوں میں کئی سو اشعار عربی لکھے جاتے ہیں۔ سب فرضی دعوی ماننا پڑا۔

(۲) یہاں تو آپ کی غرض سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر سے تجاہل کی ہے اس لیے فرماتے ہیں کہ مواہب الرحمٰن گو جنوری میں چھپی لیکن لکھنے کی تاریخ یاد نہیں (یعنی ممکن ہے کہ سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر کی اطلاع سے پہلے کی لکھی ہو) لیکن جب بمقدمہ لائبل کیس آپ کا استفسار بحیثیت ملزم ہوا تو پھر اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۹ کی تحریر (جس کی بنا پر آپ استغاثہ دائر ہے) سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر کی اطلاع کے بعد کی ثابت کی جائے تو وہاں آپ نے لکھایا کہ یہ تحریر ۱۲ یا ۱۳ جنوری ۱۹۰۳ء کی لکھی ہوئی ہے۔ کیا ایسے ایر پھیر کرنا راست بازی کا تقاضا ہے۔

کیونکہ بشریت ساتھ ہے۔ مجھ کو اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ کب یہ کتاب چھپی میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کب لکھی گئی اور کب شروع ہوئی۔ البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب جہلم گیا تھا تو اس وقت یہ کتاب ساتھ گئی تھی یعنی چھپی ہوئی تھی۔ صفحہ ۱۲۹ مواہب الرحمٰن میں نے دیکھا اس میں کرم الدین کا حوالہ ہے مقدمہ کا ذکر نہیں ہے مگر اگلے صفحہ ۱۳۰ پر استغاثہ کا ذکر ہے جو کرم الدین کی طرف سے ہوا۔

سوال: ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے اخبار سراج الاخبار جہلم کا مضمون معلوم ہونے کے بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے رائے یا میرا اجتہاد در بارہ صداقت و الہامات کے غلط ہے تو کتاب مواہب الرحمٰن کے اندراج صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ کا کیا جواب ہے۔

جواب: مجھے معلوم نہیں ہے کہ سراج الاخبار میرے پاس کب پہنچا اور کب اس کے مضمون سے مجھ کو اطلاع ہوئی ماسوا اس کے جیسا کہ میں نے پہلے خطوط پر یقین کر لیا تھا ایسا ہی سراج الاخبار پر ایک خیالی یقین (۱) تھا اگرچہ وہ خیال غالب ہوا مگر عدالت کے ذریعہ اس کا تصفیہ کرانا ضروری تھا۔ اس لیے قطعی طور پر مجھے انکار نہیں ہوا کہ شاید خطوط مرسلہ کرم الدین حقیقت میں سچے ہوں اور اس سے بھی انکار نہیں تھا کہ شاید مضمون سراج الاخبار سچا ہو۔

سوال: یقین اور خیالی یقین کے کیا معنی ہیں؟

جواب: یقین تین قسم کا ہوا کرتا ہے: اول علم الیقین جیسے ایک جگہ دھواں اٹھتے دیکھیں تو خیال ہوگا کہ یہاں آگ ہوگی اس کو خیالی یقین کہتے ہیں۔ دوسری قسم عین الیقین جب ہم آگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ تیسری قسم حق الیقین۔ وہ یہ کہ آگ میں اپنا ہاتھ ڈال کر دیکھ لیں کہ جلانے والی شے ہے۔ پس عین

(۱) واہ حضرت واہ۔ خیالی یقین کی قسم نرالی ہی ایجاد فرمائی۔ ہم سنا کرتے تھے کہ جہاں یقین آجائے وہاں خیال و وہم کی گنجائش ندارد۔ بدر دیقین پر دہائے خیال۔ لیکن چودھویں صدی کے بناوٹی مسیح نے جہاں دنیا کو اور نئے شگوفے سنائے یہ بھی خوب ہی نئی گھڑت سنائی۔ مرزائیو! مسیح صاحب کی اس قابلیت کی ضرور داد دیجیے گا۔

الیقین اورحق الیقین عدالت (۱) کے ذریعہ سے میسر آتے ہیں۔ کرم الدین کے جب خط آئے تھے ان کو میں نے خیالی یقین (۲) سے یقین کیا تھا۔

سوال: جب ۶ اکتوبر کا سراج الاخبار آپ کو معلوم ہوا تو خطوں اور اخبار کی نسبت وزن کرنے یعنی مقابلہ کرنے میں آپ کا کیا خیال یعنی کیسا یقین پیدا ہوا یعنی مقابلۃً ان دونوں میں سے کون سچ ہے اور کون جھوٹ؟

جواب: اگرچہ ہم سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد قطعی فیصلہ نہیں کر چکے بلکہ صرف کشمکش میں تھے لیکن یہ ترجیح سراج الاخبار میں پائی گئی کہ جو خطوط مجھ

(۱) بہت اچھا کیا۔ ایک ملہم من اللہ مدعی رسالت بھی کسی دُنیوی عدالت کا محتاج ہے باوجودیکہ دعویٰ یہ ہے کہ آپ خود بدولت دنیا میں حَکَم عدل ہو کر آئے ہیں۔ مرزا جی سچ فرمایئے گا شرعی اُمور کے فیصلہ کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول کو چھوڑ کر کون سی عدالت میں رجوع فرمایئے گا حالانکہ خداوند تعالیٰ کا تو امر ہے: فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول (النساء:۵۹) اور من لم یحکم بما انزل اللّٰہ الخ۔(المائدہ:۴۷)

مرزا جی! یہاں تو آپ عدالت کو حق الیقین کا ہادی مانتے ہیں لیکن تصنیفات سے کچھ اور ہی ظاہر ہے جیسا کہ آپ کا مخلص حواری مولوی عبدالکریم اپنی کتاب سیرۃ المسیح میں عدالتوں اور اس کے متعلقین کی نسبت یوں رقم طراز ہیں:

''۳ کچہریاں۔ مقدمہ بازی نے تقوی دیانت امانت اور اخوت اور ہمدردی ان سب اخلاق فاضلہ کا خون کر دیا ہے اور گھر گھر اور کوچہ بکوچہ اور گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں بنی آدم کے لباس میں گرگ و پلنگ اور گیدڑ اور کتے پیدا کر دیے ہیں۔ اپیل نویس اور عرضی نویس عموماً وکلاء بیرسٹر مختار مقدمات کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان صورتوں میں کہاں خدا کا خوف دلوں میں سمائے ہر ایک مکان میں (کاش آخر کار دارالامان بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہا) مقدمہ بازی کے لیے رات دن جھوٹے منصوبے اور مشورے ہوتے ہیں اور دین اور کار دین مہمل چھوڑا گیا ہے۔'' (دیباچہ سیرۃ المسیح صفحہ ۷۔۵)

''حکام اور سربرآوردہ لوگوں کا عام میلان الناس علی دین ملوکھم چونکہ حکام محض فسادی اور دنیا ہی کے کیڑے ہیں اور خدا اور معاد سے ان کو ذرا بھی تعلق نہیں اس لیے ضروری ہے کہ رعایا پر بھی وہی اثر پڑے۔ لاجرم اکثر افراد رعایا کے سراسر کلاب الدنیا ہو گئے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ ۸)

جائے غور ہے کہ دوسروں کو تو مقدمہ بازی سے منع کیا جاتا ہے اور حکام سے بدظن کیا جاتا ہے اور جب اپنی مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے تو اس کو جہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عدالتوں کے ذریعہ حق الیقین کی تلاش ہوتی ہے۔

(۲) کیسا پُر لطف جملہ ہے۔ خیالی یقین سے یقین کرنا۔ کیوں جی کبھی پہلے آپ نے سنا۔

کو بھیجے گئے تھے وہ ایک خفیہ کارروائی تھی جس کی نسبت کرم الدین نے بار بار تاکید کی تھی کہ اس کو ظاہر نہ کرنا۔ لیکن سراج الاخبار میں کھلے طور پر شائع کیا کہ میں نے ان کو دھوکہ دیا۔ اس لیے ہم کو سراج الاخبار کے مضمون کو مجبوراً ترجیح دینی پڑی۔ مجھ کو یاد نہیں ہے (۱) کہ دربار شام مندرجہ الحکم مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں کوئی ذکر نسبت مضمون مولوی کرم الدین کا ہوا کہ نہیں۔ کیونکہ صدہا باتیں ہوتی ہیں۔ الحکم میں دربار شام کی بابت کئی غلطیاں ہو جاتی ہیں کچھ ناسمجھی سے سہو ہو جاتا ہے کہ ایک تقریر پوری یاد نہ رہے ادھوری لکھ دے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ الحکم میں کبھی خلاف واقعہ دربار شام کی بابت لکھا ہو وے اگر درستی کرنا ضروری سمجھوں تو درستی کر دوں اگر ضروری نہ سمجھوں تو نہ۔

سوال: الحکم مورخہ ۱۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۱۰ پر جو مضمون نسبت وفات محمد حسن و پردہ دری پیر گولڑوی چھپا ہے جو کچھ اس میں آپ کی نسبت لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: سچ ہے۔

جواب: مجھ کو یاد نہیں ہے (۲) تحفہ گولڑویہ میری تصنیف ہے یکم ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ پیر مہر علی شاہ کے مقابلہ پر لکھی ہے یہ کتاب سیف چشتیائی کے جواب میں نہیں لکھی گئی۔

سوال: جن لوگوں کا ذکر صفحہ ۴۸ لغایت ۱۵۰ اس کتاب میں لکھا ہے آپ ہی اس کا مصداق ہیں۔

جواب: خدا کے فضل اور رحمت سے میں اس کا مصداق ہوں۔

---

(۱) آپ کا کمزور حافظہ اس موقع پر آپ کی یاد سے ایک بہت بڑا واقعہ زائل کرتا ہے جو کہ ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے الحکم میں شائع ہو چکا ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک لطیف مضمون سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر کی تردید میں شام کے دربار میں حضرت جی کو سنایا گیا اور آپ نے ازبس پسند کیا۔ تعجب ہے کہ ایسا واقعہ مسیح الزمان کے حافظہ سے ایسا زائل ہو جاتا ہے کہ باوجود یاد دہانی کے بھی یاد نہیں آتا اور الحکم کے لکھے ہوئے پر بھی بے اعتباری ہے اور تو خیر مرزاجی کے درباریوں خصوصاً ایڈیٹر الحکم سے باادب پوچھا جاتا ہے کہ انصاف سے بتائیں کہ مرزاجی کا ''یاد نہیں ہے'' کا عذر آپ کے نزدیک بھی ٹھیک ہے۔

(۲) بے شک ایسے مواقع پر کنان پڑھنے سے ہی کام نکلتا ہے۔ یاد کا ہے کو ہو حافظہ جو کمزور ہوا۔

سوال: ان روحانی طاقتوں کو کام میں لا کر جس سے جھوٹے اور سچے ہیرے شناخت کیے گئے آپ نے کرم الدین کے دونوں خطوں کو پرکھا یعنی پی نمبر ۴ اور مضمون مندرجہ سراج الاخبار جہلم اور نیز نوٹ ہائے مندرجہ حاشیہ اعجاز المسیح

جواب: میں (۱) نے نہ ان صفحات میں اور نہ کسی اور جگہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں عالم الغیب ہوں۔

سوال: صفحہ ۲۹ پی نمبر ا سطر ۶ سے جو مضمون چلتا ہے وہ آپ نے اپنی نسبت لکھا ہے؟

جواب: میں اس مضمون کو اپنی طرف منسوب کرتا ہوں صفحہ ۸۹ پر بھی جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی نسبت لکھا ہے۔

سوال: بہ لحاظ اندراج صفحات ۲۹، ۳۰، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۸۹ تحفہ گولڑویہ آپ نے کرم دین کے خطوں کو اور محمد حسن کی تحریر کو پرکھا۔

جواب: ایسی (۲) عام طاقت کا میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔

سوال: جو طاقت چند پیسوں کے کھوٹے ہیروں پر برتی گئی تھی اور جس سے وہ ہیرے شناخت کیے گئے تھے وہ عام تھی یا خاص؟

جواب: وہ خاص طاقت تھی۔ کبھی انسان دھوکہ کھا لیتا ہے اور اپنی فراست سے ایک بات کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔

سوال: روحانی طاقت سے جو کچھ غیب ظاہر ہوتا ہے اس میں غلطی ہوتی ہے؟

جواب: اس میں اجتہادی یعنی رائے لگانے میں غلطی لگ جاتی ہے، طاقت میں غلطی نہیں ہوتی۔

سوال: آپ نے اپنے رسالہ دینی جہاد کی ممانعت کا فتویٰ صفحہ ۶ پر سطر ۸ تمام دنیا کو چیلنج کیا ہے یا نہیں کہ اگر تم کو میری بات میں یا میرے اخبار غیب میں جو خدا کی طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں شک ہے تو میرے ساتھ مقابلہ کرلو؟

---

(۱) افسوس سوال کا جواب ہرگز نہیں دیا گیا۔

(۲) یہاں بھی سوال کا جواب نہ دیا۔

جواب: میں نے چیلنج کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ہر ایک بات میں عالم الغیب ہوں۔ مقابلہ کے وقت میں ضرور خدا مجھ کو غلبہ دے گا۔

سوال: یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ پیر مہر علی شاہ بجائے اس کے مجھ پر الزام سرقہ لگاتا خود تمام وکمال کا سارق بن گیا۔ یہ آپ نے کسی اطلاع پر لکھا تھا یا خود ہی فیصلہ نوٹوں کا کیا تھا۔

جواب: میں (۱) نے میاں کرم الدین کی اطلاع پر لکھا تھا مجھے نوٹوں کے مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور نہ مجھے فرصت تھی۔ میں نے اعجاز المسیح میں کئی جگہ پیر مہر علی شاہ کو چیلنج کیا ہوگا کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔ میں نے صفحہ ۲۲ و ۲۹ میں یہ چیلنج کیا ہے۔ مطبع ضیاء الاسلام میرے خیال میں ۱۸۹۵ء سے جاری ہوا۔ میں (۲) نے جاری نہیں کیا، حکیم فضل الدین اس کا مالک تھا۔ ۱۸۹۵ء سے لے کر آج تک وہ ہی مالک ہے اس کے نفع اور نقصان کا وہ ہی ذمہ دار ہے۔ صرف یہ بات ہے چونکہ وہ میرا مرید ہے اس لیے بغیر نفع لینے کے میری کتابیں اصل لاگت پر چھاپ دیا کرتا ہے۔ اشتہارات مفت چھاپ دیتا ہے۔ ابتدا سے ایسا ہی چلا آتا ہے کسی مطبع کے ساتھ قادیان میں سوائے چھپائی کے اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اجنبی پریسوں میں نفع بھی دینا پڑتا ہے۔

۱۸۹۲ء میں ایک دفعہ اشتہار دیا تھا کہ لوگ مطبع کے لیے چندہ دیں تا کہ مطبع تیار کیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی آیا تھا مگر وہ بات ملتوی رہی وہ روپیہ کسی اور جگہ خرچ کیا گیا۔ جو بیان (۳) میرا روبرو تحصیل دار صاحب بٹالہ بمقدمہ عذر داری انکم ٹیکس (آر نمبر ۱۶) میں نے پڑھا اس میں جو مطبع کا ذکر ہے اس سے

---

(۱) کسی خط میں ہرگز یہ درج نہیں ہے کہ پیر صاحب ساری کتاب کے سارق ہیں، اگر ہے تو بتایئے۔

(۲) پھر مولوی عبدالکریم کیوں اپنے بیان میں لکھاتے ہیں کہ پہلے یہ مطبع مرزا صاحب کا تھا حالانکہ وہ ثقہ حواری ہیں۔

(۳) ناظرین مرزا صاحب کا بیان متعلق انکم ٹیکس سے پڑھیں خصوصاً صفحہ ۴ جہاں مطبع کا حساب و کتاب لکھایا ہے اور پھر اس بیان سے مقابلہ کریں۔

مراد ہی یہ ہے کہ جو مطبع میں کتابیں چھپوائی جاتی ہیں مطبع (۱) عربی لفظ ہے جس کے معنی چھپوائی ہے اور جائے طبع بھی ہے لفظ ''مطبع'' جو اس بیان میں آتا ہے اس سے مراد چھپوائی ہے آمدنی مطبع سے مراد کتابوں کی فروخت کی آمدنی ہے آمدنی مطبع سے مراد آمدنی فروخت کتب سے ہے۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے جو دفتر میں کتابیں تھیں ان کی فروخت کسی میرے آدمی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ ۱۹۰۱ء کے بعد پھر میں نے یہ انتظام کیا کہ یہ تمام کتابیں حکیم فضل دین کے سپرد کر دیں اور ان کو یہ فہمائش کی میں ان کتابوں کی قیمت آپ سے نہیں چاہتا۔ تم ان کتابوں کی وقتاً فوقتاً فروخت کر کے اپنے مطبع کو جو ہمارے سلسلہ کی خدمت کرتا ہے ترقی دو۔

۱۹۰۱ء سے پہلے میری کتابیں مطبع ضیاء الاسلام میں چھپتی تھیں اور میری لاگت سے چھپتی تھیں۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے مطبع ضیاء الاسلام میں جہاں تک میرا علم اور خیال ہے میری ہی کتابیں چھاپتے تھے شاید اور کوئی کتابیں بھی چھاپتے ہوں اس کا مجھ کو علم نہیں ہے۔ مختلف آدمیوں کی معرفت میری کتابیں فروخت ہوتی تھیں میں ان کے نام نہیں بتا سکتا۔ خریداران اکثر حکیم فضل دین کو کتاب کے واسطے لکھ دیتے تھے اور بعض مجھ کو لکھ دیتے تھے۔ کتابوں کی چھپوائی پر مریدوں کی آمدنی سے خرچ ہوتی تھی۔ نزول المسیح کی چھپوائی کے واسطے سید ناصر نے صرف (۲) ان کتابوں کی چھپوائی کے لیے جو میری طرف سے چھپتی تھیں پانچ سو روپیہ یا کم وبیش دیا تھا کچھ اور روپیہ بھی اس پر لایا گیا تھا یہ روپیہ بھی آیا تھا۔

(۱) مطبع کا معنی چھپوائی کرنا بھی خوب گھڑت ہے۔ ناظرین اللہ انصاف کیجیے گا آج تک کسی لغت میں آپ نے بھی یہ نرالا معنی سنا یا اس لفظ کا اس معنی سے کہیں کسی نے استعمال کیا۔ مرزا جی تناقض بیانات کو رفع کرنے کے لیے غضب کی چالا کی کیا چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ مجلس میں بڑے بڑے فاضل موجود ہیں وہ آپ کی اس لغو تاویل پر افسوس کرتے ہیں۔ اچھا یہ بھی سہی مطبع کا معنی چھپوائی ہی لیجیے لیکن اس بیان میں تو آپ نے رو لیا۔ اسفنجیا، سنگساز، کاپی نویس، پریس مین وغیرہ کی تنخواہوں کی میزان بھی لگائی ہوئی ہے، اس کی کیا تاویل فرمائیں گے۔

(۲) غلط ہے۔ الحکم اگست ۱۹۰۲ء میں چھپ چکا ہے کہ سارا خرچ اس رسالہ کا سید ناصر نے دیا ہے۔

میں یہ تخمینہ نہیں کرسکتا کہ اگر ۲۹۰۰ جلد تیار ہو جاتی تو اس پر کیا لاگت آتی۔ میری نیت یہ تھی کہ نزول المسیح مفت شائع کروں مگر اگر متمول آدمی قیمت دے دیویں تو میں لے لیتا ہوں اور اشاعت پر ہی خرچ کرتا ہوں۔ کبھی کوئی روپیہ بچ گیا تو دوسری کتاب کی اشاعت پر خرچ ہو جاتا ہے مجھ کو تاریخ یاد نہیں ہے کہ نزول المسیح کب چھپنی شروع ہوئی۔ مجھ کو علم نہیں ہے کہ جو مضمون میں نے سرقہ شدہ نوٹوں پر لکھا ہے وہ فضل الدین کے کسی خط کے آنے پر لکھا ہے یا ان کے خود آنے کے بعد میں اور مسودہ تیار کرتا ہوں اور کاتب کو جو میرے پاس ہوتا ہے دے دیتا ہوں اور وہ کبھی اور کا اور لکھا جاتا ہے کبھی باقی رہ گیا تو اس کے ساتھ اور دے دیا۔ نزول المسیح کے چند صفحات میں بھی مجھے اس لیے درستی کرنی پڑی کہ ایک صفحہ میں میں نے پیر مہر علی صاحب کے بیان کو اپنے لفظوں میں لکھا تھا۔ پھر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ انہی کے لفظ حرف بحرف شائع کیے جائیں تا کہ کسی کو شک نہ ہو اور ساتھ ہی یہ غلطی معلوم ہوئی کہ ایک جگہ لکھا گیا تھا کہ میاں کرم الدین کو ۱۲ روپے دیے گئے مگر دراصل چھ روپے دیے گئے تھے۔ اس غلطی کی اصلاح بھی ضروری تھی۔ ایک دو سطر میں کچھ الفاظ مجھے سخت معلوم ہوئے ان کی تبدیلی بھی ضروری معلوم ہوئے اس لیے دو یا تین صفحے جتنے تھے مجھے بدل دینے پڑے۔ میں ہر ایک کتاب پر چھپنے کے وقت نظر ثانی کر لیا کرتا ہوں بعض وقت کاپی کو دیکھ کر بعض وقت پروف کو دیکھ کر اور بعض وقت چھپ چکے کاغذ کو دیکھ کر بدلنا پڑتا ہے۔

سوال: کاپی، پروف اور چھپنے کے بعد۔ آپ تینوں حالتوں میں کتاب کو دیکھتے ہیں یا کہ ایک حالت میں؟

جواب: بعض وقت تینوں دیکھتا ہوں کیونکہ بعض وقت کاپی سے غلطی معلوم ہو جاتی ہے بعض وقت پروف سے اور بعض وقت چھپی ہوئی کتاب سے۔ غرضیکہ تینوں حالتوں میں دیکھنا پڑتا ہے۔ حکیم فضل دین (۱) سے معلوم ہوا تھا کہ کرم

(۱) حکیم فضل دین ایک ہی شخص ہے جو کبھی ۱۲/ بتاتا ہے کبھی ۶/ اس کے کس قول پر اعتبار کیجیے گا۔

دین نے اول ۱۲ روپے کا مطالبہ کیا تھا مگر بعد میں معلوم ہوا تھا کہ صرف چھ روپیہ دیئے گئے۔ شہاب الدین کا سب سے پہلا خط جو اس بارہ پہنچا ہے میرے پاس نہیں ہے۔ مولوی عبدالکریم کی تحویل میں خط رہتے ہیں۔ میں نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں کہ حکیم فضل دین بھیں کو گئے اور وہاں سے واپس آئے مجھ کو کوئی الہام ہوا کہ نہیں ہوا۔ نوٹوں کے ایک دو صفحے دیکھے تھے، مقابلہ نہیں کیا۔ مولوی محمد حسن کے خط سے میں واقف نہیں ہوں۔ میں (۱) نے اس نالش کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس (۲) مقدمہ کا خرچ مستغیث خود کرتا ہے۔

غالباً (۳) اس مقدمہ کے خرچ کے واسطے اس آمدنی سے دیا ہوگا جو خود ان لوگوں کے ایک چندہ کی آمدنی ہے۔ اپنی ذات سے میں (۴) نے ایک پیسہ نہیں دیا۔ میں وثوق (۵) سے نہیں کہہ سکتا کہ کچھ روپیہ اس مقدمہ کے واسطے دیا ہے کہ نہیں یعنی چندہ کی آمدنی سے دیا ہے کہ نہیں۔ مقدمات (۶) کے خرچ کے واسطے کوئی چندہ نہیں آتا۔ مجھے اختیار ہے کہ اور چندوں میں سے مقدمہ کے خرچ کے واسطے دوں یا نہ دوں۔ چندوں کی آمدنی کا کوئی حساب کتاب

---

(۱) حواری تو اس راز کو اپنے بیانات میں مخفی کرتے رہے ہیں لیکن مرزا جی نے بھانڈا پھوڑ دیا اور مان لیا ہے کہ میرے ہی مشورہ سے یہ نالش ہوئی ہے۔

(۲) بھلا کوئی مان سکتا ہے کہ مقدمہ کے اخراجات فضل دین کے خرچ سے پورے ہوئے ہیں وہی فضل دین جو بقول عبدالکریم صاحب لنگر کی روٹیاں توڑا کرتے ہیں۔ چندہ دینے والے لوگو ہمیں نہ بتاؤ لیکن آپ میں بیٹھ کر تو غور کرو کہ مرشد جی کیا کہتے ہیں کیا یہ سچ ہے۔

(۳) ادھر غالباً (ترجیح کا حکم) کی قید اور ادھر دیا ہوگا (کلمۂ شک) عجیب جملہ ہے۔ افسوس راست گوئی بہت مشکل ہے۔

(۴) ہاں یہ مان لیں گے۔ آپ کی ذات کاہے کو پیسہ دے گی۔ آپ پیسہ لینے والے ہیں نہ دینے والے۔

(۵) غالباً کہہ کر پھر وثوق اڑ گیا۔ مسیح الزمان کا بیان بھی عجیب مزے کا ہے کوئی بات بھی ٹھکانے کی نہیں ہوتی۔

(۶) اس کی تصدیق کے لیے مرزائی صاحبان بھی منصف بن کر فرمائیں۔ کیا آپ لوگوں نے مقدمات کے خرچ کے واسطے چندہ نہیں دیا حالانکہ شیخ رحمت اللہ صاحب اپنے بیان میں مقدمہ کے لیے چندہ دینا تسلیم کر گئے ہیں۔

نہیں ہے جو لوگ بیعت کرتے ہیں وہ جان و مال قربان کرتے ہیں۔ تھوڑے عرصہ سے مولوی عبدالکریم نے ایک رجسٹر آمدنی چندہ کا بنایا ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کب سے۔ میرے پاس چندہ کی کوئی یادداشت نہیں ہے اور نہ میں لایا ہوں۔ عبدالکریم والی کتاب عبدالکریم لایا ہے میں نہیں لایا۔

جرحہ: وکیل مستغیث جرح نہیں کرتے۔

۱۹ اگست ۱۹۰۳ء

دستخط رائے چندولعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول

العبد مرزا غلام احمد

بیان منشی شمس الدین صاحب گواہ صفائی

بعدالت رائے چندولعل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر باختیارات

مجسٹریٹ درجہ اول مقام گورداسپور

حکیم فضل دین ولد کرم دین ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور (مستغیث)

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم (ملزم)

جرم زیر دفعہ ۴۲۰/ ۴۱۷ تعریرات ہند　　　　فریقین معہ وکلاء حاضر ہیں

بیان گواہ صفائی ملزم باقرار صالح

شمس الدین ولد کرم بخش ذات شیخ سکنہ لاہور عمر ۳۸ سال پیشہ پروپرائیٹر شمس الہند پریس

میں شمس الہند مطبع کا اور اینگلو ورنیکلر پریس کا مالک تھا۔ میں گورداسپور میں گورنمنٹ پرنٹر تھا۔ اب بھی میرا اخبار انٹرپریٹر (Interpreter) انگریزی اور اردو ہے۔ میں بہت اخباروں کا ایڈیٹر رہا ہوں۔ میں نے قرآن شریف کا نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ انجمن نعمانیہ کی مجلس منتظمہ کا ایک ممبر ہوں اور

جو رسالہ چھپتا ہے انجمن نعمانیہ کی طرف سے اس کے مضامین کی انتخاب کی کمیٹی کا ممبر ہوں۔ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کو جانتا ہوں۔ ۱۸۹۳ء سے یا اس سے پہلے سے جانتا ہوں وہ راجہ جہاں داد خان صاحب کے پاس آیا کرتے تھے ان کی وساطت سے میری واقفیت ہوئی تھی۔ مولوی محمد حسن انجمن نعمانیہ کے دارالعلوم میں ادیب تھے علم و ادب کے مدرس تھے۔ کرم دین کو جانتا ہوں اس وقت سے جانتا ہوں جب سے وہ انجمن نعمانیہ کے جلسوں میں آتے جاتے ہیں۔ حکیم فضل دین کو قریباً پندرہ سولہ سال کے عرصہ سے جانتا ہوں۔ لالہ سالگ رام پشاوری کے یہاں ان کی آمد و رفت تھی اور میرا ان سے تعلق تھا۔ مولوی محمد حسن صاحب کے خط دیکھنے کا مجھ کو اکثر موقع ملتا رہا ہے۔ کرم دین کا خط بھی میں نے دیکھا اگر اس کا خط مجھ کو دکھایا جاوے تو میں پہچان لوں۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے حاشیہ پر جو نوٹ ہیں وہ مولوی محمد حسن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور اعجاز المسیح پی نمبر ۱۰ کے حاشیہ پر جو نوٹ ہیں ان کا خط مجھ کو مولوی کرم دین کا معلوم ہوتا ہے۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۱۰ کے صفحہ اول کی پیشانی پر ایک نوٹ انگریزی قلم سے لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کی شان خط دوسرے نوٹوں سے ملتی نہیں ہے۔ غالباً کسی دوسرے کا خط ہے۔ صفحہ ۲۷ پی نمبر ۱۰ کی سطر ساتویں کے اوپر سرخ سیاہی سے لکیر دے کر حاشیہ پر اسے سرخ سیاہی سے ایک نوٹ انگریزی قلم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کی شان خط بھی دوسرے نوٹوں سے نہیں ملتی۔ صفحہ ۵۵ پر بھی ایک نوٹ ایسا ہی ہے۔ صفحہ ۱۳۳ پر بھی ایک نوٹ ایسا ہے جو مولوی کرم دین کے خط کے مطابق نہیں ہے۔ صفحہ ۱۶۲ پر ایک اور نوٹ سرخ سیاہی سے ہے وہ بھی مولوی کرم دین کا خط نہیں ہے۔ انڈکس نمبر ۱۹ مسل کرم سنگھ بنام مولوی کرم دین پر جو کاغذ ہے وہ مولوی کرم دین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور نمبر ۲۸ بھی ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خط پی نمبر ۴ کے نیچے خاکسار محمد کرم دین لکھا ہوا ہے لیکن یہ خط اپنی طرز اور نگارش کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی کرم دین کے خط کے مشابہ لکھا

گیا ہے مگر اس کا لکھا ہوا نہیں ہے اور پی نمبر ۶ بھی ان کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پی ۱۱، پی ۱۲، ۱۳۔ پی نمبر ۱۴ کرم دین کے لکھے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔

جرح:

انجمن نعمانیہ سے مولوی کرم دین کا تعلق پانچ چھ سال سے ہے ان کے یعنی کرم الدین کی براہ راست مجھ سے کوئی خط و کتابت نہیں ہے۔ انجمن نعمانیہ کے جلسہ کے واسطے جو تقریریں اور مضامین پروگرام میں درج کرنے کے واسطے آتے ہیں ان کو پہلے ایک سب کمیٹی بغور پڑھ لیتی ہے ان میں کرم الدین کے مضامین لکھے ہوئے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۰۲ء سے پہلے ان کے مضمون جلسہ میں پڑھے گئے۔ ایسا دیکھا ہے کہ کسی جلسہ کے واسطے انہوں نے مضمون بھیجا ہوا ہے اور وہ جلسہ میں نہ پڑھا گیا ہو اور نہ درج رسالہ ہوا ہو۔ ۱۹۰۲ء کے جلسہ سے پہلے بھی اس کا نام پروگرام میں لکھا جاتا رہا۔ ۱۹۰۲ء سے پہلے میرا خیال ہے کہ ان کا مضمون رسالہ میں چھپایا۔ پی نمبر ۱۴ میں بھی قلم اور سیاہی اس طرز کی استعمال کی گئی ہے جیسی کرم الدین استعمال کرتا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ طرز خط بھی ویسا ہووے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۴ ممکن ہے کہ ایک ہی قلم کے ہوں لیکن ان میں کچھ فرق بھی معلوم ہوتا ہے۔ پی نمبر ۱۴ کی کشش ذرا کشیدہ ہیں اور پی نمبر ۴ کی کششیں اور ارتباط حروف دوسرے طور پر واقعہ ہوا ہے۔ پی نمبر ۱۳ کے لفافہ کا خط ہر گز پی نمبر ۱۴ کے خط سے مطابقت نہیں کھاتا۔ پی نمبر ۱۴ کا دستخط اور پی نمبر ۱۱ کا دستخط ملتا جلتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہی ہاتھ کے ہیں۔ مختار نامہ انڈکس نمبر ۱۰ شمولہ مسل مولوی محمد کرم الدین کو اپنے روبرو لکھتے بھی دیکھا۔ پی نمبر ۱۰ پر جوٹ لال سیاہی سے درج ہیں ان کی طرف وکیل ملزم نے خاص سوال کر کے میری توجہ دلائی تھی مجھ کو یاد نہیں ہے کہ آخری دفعہ مولوی محمد حسن کا خط میں نے کب دیکھا۔ دو سال کے اندر دیکھا ہوگا۔ ان کی طرز تحریر کی نشست الفاظ اور طریق مرکزوں اور دائروں کا اور تمام مجموعی حالت میرے دل پر نقش ہے۔ اسی خیال سے میں نے مولوی محمد حسن کا خط شناخت

کیا ہے۔ ان ذریعوں سے میں یقین کرسکتا ہوں کہ یہ ان کا خط ہے۔ ممکن ہے کہ مولوی محمد حسن جیسا خط لکھالیا جاوے مگر اس خط کی نسبت جونوٹوں کا ہے مجھ کو شبہ نہیں پڑتا ہے۔ مولوی محمد کرم الدین سے میرا ملنا جلنا بہت کم ہے۔ سراج الاخبار میرے پاس نہیں آتا۔ مولوی کرم الدین اپنی کنیت ابوالفضل کرتے اور تخلص دبیر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں مولوی کرم الدین ابوالفضل دبیر سکنہ بھیں اور کوئی نہیں ہے اور نہ میں نے سنا۔ میں مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں مانتا۔ مرزا صاحب کی ذات کے خلاف میں نے کوئی قصیدہ نہیں چھپایا۔

سوال: کیا یہ مصرعہ کہ ''دیکھو وہ دم دبا کر بھاگ گیا'' آپ کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کے متعلق تصنیف کیا تھا؟

جواب: یہ مصرع میرا تصنیف شدہ نہیں ہے بطور ضرب المثل کے عموماً استعمال کیا جاتا ہے، مجھ کو یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ مصرع کبھی مرزا صاحب کے متعلق استعمال کیا کہ نہیں۔ اخبار سراج الاخبار ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۶ پر اگر صرف اس دستخط کو راقم ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر بھیں تحصیل چکوال دیکھا جاوے تو سمجھا جاتا ہے کہ ملزم کرم الدین ہے۔ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ آج تک بطور مبصر دستخط کے کسی عدالت میں پیش ہوا کہ نہیں۔

فریق اول۔ پی نمبر ۱۰ کے عموماً سیاہ نوٹ دیکھتا رہا ہوں جو ذرا روشن قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ لال نوٹوں پر میں نے بہ تفصیل نظر نہیں ڈالی تھی۔ اصل خط اور اس خط میں جو مشابہ کر کے لکھا جاوے ان میں تمیز رہ جاتی ہے۔ مولوی کرم الدین کے اصلی خط اور نقلی خطوں میں تمیز ہے۔ اکتوبر ۱۳ کے سراج الاخبار صفحہ ۱ کے نیچے کے دستخط جو میں نے اوپر بیان کیے ان کے اوپر کا مضمون پڑھ کر نہیں کہہ سکتا کہ کس کا ہے۔ مولوی کرم الدین کی تہذیب اور لیاقت سے ایسی لچر نظم لکھی جانی بعید ہے۔

گواہ نے پڑھ کر صحیح کہا۔ دستخط محمد شمس الدین۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(دستخط رائے چندو لعل صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول)

بیان غلام محی الدین گواہ صفائی

بعدالت رائے چند ولعل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر باختیارات مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

حکیم فضل دین ولد کرم دین ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور (مستغیث)

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم (ملزم)

جرم زیر دفعہ ۴۲۰/ ۴۱۷ تعزیرات ہند

بیان گواہ صفائی ملزم باقرار صالح

غلام محی الدین ولد حاجی محمد حسن ذات قریشی سکنہ دیالی عمر ۳۸ سال پیشہ زمین داری، طبابت

محمد حسن کو میں جانتا تھا اس کی میرے ساتھ خط وکتابت تھی۔ محمد حسن کے خط کو شناخت کرسکتا ہوں۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۶ کے حاشیہ پر جو نوٹ ہیں وہ محمد حسن کے دستخطی ہیں۔ مولوی محمد حسن صاحب کے خط میرے پاس ہیں۔ اے جی نمبر ۱، اے جی نمبر ۳، اے جی نمبر ۴ پیش کرتا ہوں۔ ان خطوں کا خط نوٹوں کے خط سے ملتا ہے۔ میں ان کے خط کو پہچانتا ہوں اور یقیناً کہتا ہوں کہ نوٹ ان کے خط کے ہیں۔ کرم الدین کا خط بھی میں شناخت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ بھی میری خط وکتابت ہے۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۱۰ کے صفحہ ا کے حاشیہ پر کرم دین کے دستخطی نوٹ ہیں مگر جو نوٹ پر حوالہ صفحہ ۱۰۳ لکھا ہے وہ اس کے ہاتھ کا نہیں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ کا ہے۔ پی نمبر ۱۱۰ اعجاز المسیح پر جو نوٹ ہیں وہ کرم الدین کے دستخطی ہیں سوائے صفحات ذیل کے نوٹوں کے ۵۵، ۶۴، ۷۷، ۷۹، ۸۱، ۹۰، ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۰۔ مسل کرم سنگھ بنام مولوی کرم الدین میں کاغذ نمبر ۱۹ مولوی کرم الدین کی دستخطی ہے اور نمبر ۲۸ بھی ان کی دستخطی ہے۔ پی نمبر ۴ کرم الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پی نمبر ۹ بھی ان

کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پی نمبر ۱۱ بھی ان کے ہاتھ کا نہیں ہے اور نہ پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ پی نمبر ۱۴ بھی ان کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ اس میں لکیریں پڑی ہوئی ہیں، مسودہ صاف نہیں ہے، ان کا لکھا ہوا صاف ہوتا ہے دستخط نہیں ملتا کسی نے مشابہ کیا ہے لیکن ملتا نہیں ہے۔ سراج الاخبار کا میں عرصہ سے خریدار ہوں۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا پرچہ بھی میرے پاس پہنچا تھا اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء بھی پہنچا تھا، (گواہ نے خود بخود کہا کہ اس میں مضمون آپ کا ہے تو انہوں نے کہا تھا کہ نہیں کسی مخالف کا لکھا ہوا ہے میں نے تردید کرنی ہے، مسل کرم سنگھ بنام کرم الدین کے کاغذ نمبر ۲۸ کا مقابلہ میں نے پی نمبر ۱۴ سے کیا ہے دونوں نہیں ملتے ہیں۔

جرح:

فیضی محمد حسن سے میرا خاص تعلق کوئی نہیں تھا وہ عالم شخص تھا ان کو فوت ہوئے دو سال ہوئے ہیں میں طبابت کرتا ہوں نکاح خواں و امام ہوں۔ دس بارہ بیگھ زمین بھی میری ہے جس کا معاملہ ۵۰/ ہوگا۔ ڈیڑھ روپیہ معاملہ کی زمین میرے پاس معافی ہے۔ میرے ساتھ میرا بھائی شریک ہے میں نے آج تک انکم ٹیکس نہیں دیا۔ میں پیر مہر علی شاہ کا مرید نہیں ہوں۔ مرزا صاحب کے عقائد مسیح ہونے کا میں قائل نہیں ہوں ان کو میں مسلمان جانتا ہوں۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا پرچہ جب میرے پاس پہنچا اس کے بعد میں نے مضمون کی بابت کرم الدین سے ذکر کیا مگر یاد نہیں ہے کہ کب ذکر اور کتنے عرصہ بعد۔ شاید ایک ماہ بعد کیا ہووے۔ ۱۳ اکتوبر میں جو نظم چھپی اس کی بابت بھی اس وقت ذکر کیا تھا۔ ان مضمونوں کی بابت میں نے کرم الدین سے اتفاقیہ پوچھا تھا۔ پوچھنے سے پہلے مجھ کو یقین نہیں تھا کہ یہ مضمون ان کے ہیں اور نہ مجھ کو ان کے ملنے سے پہلے شبہ تھا کہ یہ مضمون ان کے نہیں ہیں اور مضمون جو ان کے چھپا کرتے ہیں ان کی بابت بھی کبھی اتفاقیہ پوچھ لیا کرتا ہوں، شبہ کے رفع کرنے کے لیے ہیں۔ مضمون کی حیثیت سے مجھے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ان کا ہے یا

نہیں۔ جس مضمون کے نیچے ابوالفضل کرم الدین دبیر سکنہ بھیں تحصیل چکوال لکھا ہوا ہے، اس کو میں کرم الدین ملزم کا مضمون سمجھتا ہوں اگر صرف ''محمد کرم الدین'' ہے۔ پی نمبر ۱۴ کرم الدین کا دستخطی نہیں ہے گو نام اس پر ان کا ہے۔ اس کا خط ان کے خط سے ملتا جلتا ہی نہیں ہے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۴ کے خط بھی آپس میں نہیں ملتے اور نہ مشابہ ہیں۔ ان کے نیچے کے دستخط بھی نہیں ملتے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۴ بھی الگ الگ ہاتھ کے ہیں۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۲ بھی نہیں ملتے اور نہ مشابہ بھی ہیں اور پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ کچھ تھوڑا آپس میں ملتے ہیں۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۳ آپس میں ملتے ہیں اور ایک ہی خط کے ہیں۔ پی نمبر ۱۴، پی نمبر ۴، پی نمبر ۹، پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲ سے نہیں ملتا مگر پی نمبر ۱۳ سے ملتا ہے۔ پی نمبر ۱۳ اور پی نمبر ۱۴ نہیں ملتے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۳ آپس میں کچھ ملتے ہیں ایک صاف ہے اور ایک صاف نہیں۔ پی نمبر ۱۵ اور پی نمبر ۳ آپس میں نہیں ملتے۔

(فریق اول) جس خط کو میں نے نہ دیکھا ہووے اس کو بھی پہچان سکتا ہوں۔ پھر کہا جس آدمی کا خط میں نے دیکھا ہووے اور اس کو لکھا دیکھا ہووے اس کا خط پہچان سکتا ہوں۔ ان خطوں کو جو مجھ کو دکھائے گئے ہیں میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا جو خط میں نے مشابہ مشابہ لکھائے ہیں۔ وہ صفائی اور عدم صفائی کے لحاظ سے لکھائے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص کرم الدین کے نام سے مضمون لکھے اور محمد کرم الدین یا ابوالفضل کرم الدین نام لکھ دیوے۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

گواہ نے سن کر صحیح کہا۔ العبد غلام محی الدین بقلم خود

(دستخط حاکم)

نقل بیان پیر منور شاہ گواہ صفائی

بیان گواہ صفائی ملزم باقرار صالح۔ منور شاہ ولد مہر شاہ ذات سید گیلانی سکنہ ٹلہ پیراں عمر ۳۵ سال پیشہ پیری مریدی و کاشتکاری۔ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کو جانتا ہوں۔ میرے ساتھ ان کی خط وکتابت تھی۔ ان کے خط کو شناخت کرسکتا ہوں۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۲ کے حاشیہ کے نوٹ مولوی محمد حسن کے دستخطی ہیں۔ خطوط اے جی نمبر ا۔ اے جی نمبر ۲۔ اے جی نمبر ۳۔ اے جی نمبر ۴ پیش کردہ غلام محی الدین کا خط نوٹوں کے خط سے ملتا ہے۔ میرے پاس بھی مولوی محمد حسن کے خط ہیں، پیش کرتا ہوں۔ غلام محی الدین کے پیش کردہ خط میرے پیش کردہ خطوں سے ملتے ہیں۔ ایک ہی خط ایک ہی قلم اور ایک ہی سیاہی کے ہیں۔ پھر کہا ۳۰ مئی ۱۹۰۱ء کا خط ایک ہی خط اور ایک ہی قلم اور ایک ہی سیاہی کا ہے اور میرے خط سے جو پہلے ۳۰ مئی کا ہے ملتا ہے۔ ان خطوں کا خط نوٹوں سے ملتا ہے۔ مولوی محمد حسن کو میں نے لکھتے دیکھا تھا۔ ملزم کے خط سے بھی میں واقف ہوں۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۱۰ کے صفحہ ایک پر جو نوٹ ہیں ملزم کے دستخطی معلوم نہیں ہوتے یعنی وہ نوٹ جس پر عدالت نے دستخط کیے ہیں۔ صفحہ ایک پر وہ نوٹ جس میں حوالہ صفحہ ۱۴۳ کا ہے ملزم کا دستخطی نہیں ہے۔ پی نمبر ۴ سی پی نمبر ۱۳ تک کئی خطوط ملزم کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ پی نمبر ۱۴ بھی کرم الدین ملزم کا لکھا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔

جرح:

۸ بیگھ میری زمین ہے ۸/ یا ۹/ ادا کرتا ہوں۔ اصل وطن کشمیر ہے۔ ۲۲ سال سے وہاں سے آیا ہوں۔ وہاں میری زمین ہے۔ گنڈا تعویذ لکھا کرتا ہوں۔ شکرانہ اور نیاز کی آمدنی پر انکم ٹیکس نہیں دیا۔ اعجاز المسیح پی نمبر ۱۰ پر جو نوٹ ہے وہ کرم الدین کی دستخطی ہے۔ صفحہ ۵۰ پر جو نوٹ ہے وہ بھی اس کی دستخطی ہے اور

صفحہ ۱۲۴ پر بھی ان کے دستخطی نوٹ ہے۔ صفحہ ۸۱ پر بھی نوٹ مولوی کرم الدین کا ہے۔ صفحہ ۱۴۴ پر جو نوٹ ہے وہ بھی مولوی کرم الدین کی دستخطی ہے۔ صفحہ ۱۶۳ کا نوٹ بھی ان کا معلوم ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۵۰ کا نوٹ بھی ان کا معلوم ہوتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے نوٹ کا خط اور پی نمبر ۱۴ کا خط نہیں ملتا۔ پی نمبر ۱۱ اور پی نمبر ۴ مشابہ ہیں مگر ایک ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ پی نمبر ۱۴ اور پی نمبر ۱۱ مشابہ ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہاتھ کے ہیں یا نہیں۔ پی نمبر ۱۴ اور پی نمبر ۴ ایک سا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۳ ملتے جلتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہاتھ کے ہیں کہ نہیں۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۴ ملتے جلتے ہیں مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہاتھ کے ہیں کہ نہیں۔ پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۲ آپس میں نہیں ملتے جلتے۔ کرم سنگھ کی مسل کا نمبر ۲۸ میں نے دیکھا ہوا ہے مولوی کرم الدین کا خط ہے۔

(فریق اول) کشمیر میں میری قریباً دوسو گھماؤ زمین ہے جس شخص کا خط میں نے کئی دفعہ دیکھا اس کو میں پہچان سکتا ہوں۔ مولوی کرم الدین اور مولوی محمد حسن کا خط میں نے کئی دفعہ دیکھا ہے، خط ملتے جلتے ہیں۔ میں نے کہا اس وجہ سے کہ خط ایک ہی سا تھا مگر قلم باریک اور موٹی۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

گواہ نے پڑھ کر اور سن کر صحیح کہا۔

العبد پیر منور شاہ بقلم خود

دستخط حاکم



گواہانِ صفائی کی شہادت ختم ہونے کے بعد بحث وکلاء کے لیے عدالت نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء تاریخ مقرر فرمائی۔ اس تاریخ پر فاضل وکیل جناب سید میر احمد شاہ صاحب نے بتردید استغاثہ ۱۱ بجے تک بڑی قابلیت سے بحث کی اور استغاثہ کی شہادت میں جابجا تناقض وتخالف بیان کر کے الزام کا بے بنیاد ہونا قرار دیتے رہے۔

۲۴ اکتوبر کو خواجہ کمال الدین صاحب وکیل استغاثہ نے بتائید استغاثہ بحث شروع کی جو ۲۵ کو بھی ختم نہ ہوئی۔ ۲۶ کو ان کی تقریر ختم ہوئی۔ اس کے بعد جناب شیخ نبی بخش صاحب وکیل نے جواب الجواب میں تقریر شروع فرمائی اور ۲۹ اکتوبر کو بقیہ تقریر شیخ صاحب نے فرمائی۔ ۳۰ اکتوبر کو خود مولوی محمد کرم الدین نے تقریر کی۔ بعد اختتام اس بحث کے عدالت نے غور وفیصلہ کے لیے ۱۲ نومبر تاریخ مقرر کی لیکن اس تاریخ پر بھی حکم نہ سنایا گیا اس کے بعد بھی چند ایک تاریخیں حکم سنانے کے لیے مقرر ہوئیں لیکن آخری تاریخ جس پر فیصلہ سنایا جانا تجویز ہوا، ۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی۔

اس تاریخ پر مرزائی جماعت کے بہت سے ممبر دُور دراز مسافت طے کر کے آخری حکم سننے کے لیے جمع ہو گئے تھے اور بڑی بے صبری سے منتظر تھے کہ مرزا جی کا تازہ نشان (فتح مقدمہ) کس گھڑی بلند ہوتا ہے یعنی کس وقت صاحب مجسٹریٹ فیصلہ مقدمہ مرزائیوں کے حق میں سناتے ہیں لیکن وہ نظارہ دیکھنے کے قابل تھا جبکہ صاحب مجسٹریٹ کے منہ سے پہلے یہ کلمہ نکلا کہ جرم ثابت نہیں ہے۔ یہ حکم سنتے ہی مرزائی جماعت کے رنگ فق ہو گئے اور لگے بغلیں جھانکنے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کیونکہ اس حکم کے سننے سے ان کی وہ سب امیدیں جو مرشد جی نے ایک مدت دراز سے اس مقدمہ کے متعلق نصرت وفتح کی دلا رکھی تھیں یک لخت خاک میں مل گئیں اور مرزا جی کے الہامی ڈھکوسلوں کی ساری حقیقت کھل گئی۔ صاحب مجسٹریٹ نے اپنا فیصلہ انگریزی پڑھ کر حاضرین کو حرف بحرف سنا دیا۔ مرزائی یہ فیصلہ سن کر اپنا سا منہ لے کر چلتے ہوئے۔

اب ہم عدالت کے فیصلہ انگریزی کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ علیحدہ امر ہے کہ فیصلہ کے بعض ریمارکوں سے ہمیں اختلاف رائے ہو لیکن یہ سخت بے انصافی ہوگی اگر ہم صاحب مجسٹریٹ کی نیک نیتی، بے تعصبی، بے رورعایتی کارروائی کی داد نہ دیں جو شخص فیصلہ کو پڑھے گا اس کو صاف قائل ہونا پڑے گا کہ صاحب مجسٹریٹ فیصلہ لکھنے کے وقت اپنا دل ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح زنگ تعصب وررو ورعایت سے بالکل پاک رکھتے تھے اور جو کچھ انہوں نے لکھا محض نیک نیتی سے بلا رو ورعایت کسی فریق کے لکھا جیسا کہ ایک ایمان دار جج کے لیے چاہیے۔ پھر کتنی ظلم کی بات ہے کہ ایسے بے لوث حاکم کے ایسے بے لاگ انصاف کی قدر نہ کی جائے۔ بہر حال بابو چندو لال صاحب بہادر مجسٹریٹ نے اس معرکہ کے مقدمہ کو جس کی طرف دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں جس انصاف سے فیصلہ کیا ہے دنیا میں اس کی تعریف ہو رہی ہے اور جا بجا ان کے اس بے نظیر انصاف کا چرچا پھیل رہا ہے اور آپ کا نام نامی مدت العمر صاحب انصاف حکم میں شمار ہوتا رہے گا۔

فیصلہ عدالت

حکیم فضل دین ولد کرم دین ساکن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ مستغیث

بنام

مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ مستغاث علیہ

استغاثہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند

فیصلہ

یہ مقدمہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو دائر ہوا اور بہت عرصہ تک زیر تجویز رہا، فریقین اگرچہ بظاہر دو اشخاص ہیں الا فی الحقیقت دو گروہ مسلمانان ہیں ایک طرف سے تو مرزائی قادیانی اور اس کی جماعت سے اور دوسری جانب سے پیر مہر علی شاہ ساکن گولڑہ اور اس کے مرید ہیں۔ اس امر کی بحث اس مقام پر غیر ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف اور معاندانہ کارروائی کرتے ہیں یہ مقدمہ

اس بنا پر ہے کہ ایک طرف سے چند خاص عقائد بیان کیے جاتے ہیں اور دوسری جانب سے ان کی مخالفت کی جاتی ہے۔

مرزائی قادیانی مدعی رسالت ہے اور اس طور پر وہ مدعی پیش گوئی ہائے و مکالمت بخدا ہے۔ دوسرا فریق نہ صرف اس کی رسالت کا منکر ہی ہے بلکہ اس کی تردید اور مخالفت میں ساعی ہے۔ مزید برآں مرزا مدعی مسیحیت ہے جو بروئے اعتقاد اہل اسلام آسمان سے نزول کریں گے دوسرا فریق اس دعوی سے منکر ہے۔

اصلیت آغاز مقدمہ:

۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب نے ایک کتاب موسومہ اعجاز المسیح شائع کی اس میں انہوں نے دعوی کیا کہ روئے زمین پر کوئی متنفس اس قسم کی کتاب تحریر نہیں کر سکتا اور تمام دنیا کو تحدی کے ساتھ مقابلہ میں بلایا کہ کوئی شخص ایسا کرے یا اس کی تردید کرے۔

پیر مہر علی شاہ (صاحب) ساکن گولڑہ نے کتاب اعجاز المسیح کی تردید لکھی اور اس کو سیف چشتیائی کے نام سے موسوم کیا۔ تاریخ شیوع اس کتاب پر درج نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی شاہ (صاحب) کی تردید کا بیڑہ اٹھایا۔

استغاثہ

واقعات مبینہ استغاثہ حسب ذیل ہیں:

جبکہ مرزا صاحب تردید سیف چشتیائی میں ایک کتاب نزول المسیح تحریر کر رہے تھے تو شہاب الدین کی ایک چٹھی پی نمبر ۳ مرزا صاحب کو موصول ہوئی جس میں مذکور تھا کہ (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) مصنف سیف چشتیائی کا نہیں ہے بلکہ اس نے صاف نقل ان نوٹوں کی کی ہے جو کہ محمد حسن متوفی نے حاشیہ

اعجاز المسیح پر کیے ہوئے تھے۔ تھوڑا ہی عرصہ بعد ملزم کی ایک چٹھی پی نمبر ۴ معہ ایک پوسٹ کارڈ پی نمبر ۵ جس کی نسبت مذکور تھا کہ وہ (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) سے موصول ہوا۔ پہنچی اور اس کے مضمون سے خط موصولہ شہاب الدین کی تائید ہوتی تھی اور نیز یہ بیان تھا کہ شہاب الدین نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے ایماء سے لکھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے نزول المسیح از صفحہ ۶۶ لغایت ۸۸ ان ہی خطوط کے اعتبار پر لکھا تھا اور پیر مہر علی شاہ کو سارق مضامین کتب ظاہر کیا۔ یہ کتاب ابھی مکمل اور شائع نہیں ہوئی تھی کہ سراج الاخبار مطبوعہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء اس کو ملا جس میں ایک مضمون بعنوان مرزائیوں کی فریب بازی کا ایک تازہ نمونہ دستخطی کرم الدین ملزم شائع ہوا۔ اس مضمون میں علاوہ اس کے کہ مرزا صاحب اور اس کی جماعت کو بُرا بھلا کہا گیا ہے اس نے ان تمام مضامین کی تردید کی جو اس کی چٹھی پی نمبر ۴ میں درج تھے اور صاف الفاظ میں ظاہر کیا کہ جو کچھ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو دربارہ اس کے کہ پیر مہر علی شاہ نے مولوی محمد حسن کے نوٹوں سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ تحریر کیا گیا تھا وہ سراسر فریب تھا اور اس غرض سے لکھا گیا کہ مرزا صاحب اور اس کی جماعت کی قلعی کھولی جائے اور دنیا پر ثابت کیا جائے کہ وہ اپنے دعاوی میں کیسے جھوٹے ہیں۔ مستغیث کہتا ہے کہ اسی بنا پر آیندہ تحریر وطبع نزول المسیح کی رک گئی اور کہ ملزم مرتکب جرم دغا زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند ہوا ہے اور مستغیث بہت سی تکالیف شاقہ سفر واخراجات برداشت کر کے ملزم کے گاوں میں گیا اور ملزم کو مبلغ ۶ روپیہ اس کے فریب کی تاثیر میں آ کر ادا کیے اور نوٹ ہائے مذکورہ بالا برحاشیہ اعجاز المسیح خرید کیے اور کہ ملزم نے مضمون خود مندرجہ سراج الاخبار مطبوعہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں خود تسلیم کیا ہے کہ جو کچھ اس نے اپنے سابقہ خطوط میں مرزا صاحب اور اس کی جماعت کو لکھا تھا وہ سوائے فریب کے اور کچھ نہ تھا اس لیے استغاثہ ہوا۔

شہادت استغاثہ

مستغیث نے علاوہ بیان خود بطور گواہ استغاثہ گواہان حسب ذیل بہ ثبوت استغاثہ پیش کیے۔

مولوی نورالدین۔ مولوی فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار۔ منشی غلام حیدر۔ مولوی عبدالکریم۔ مفتی سلیم اللہ۔ فیض الحسن۔ ان گواہان کے ذریعہ سے اُمور ذیل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

(۱) یہ کہ دستخطی چٹھی نمبری ۴ وغیرہ اور چٹھی نمبری ۱۴ اور خطوط جو کہ ملزم کے محررہ بیان ہوتے ہیں، آپس میں مطابق ہیں۔

(۲) چٹھی پی نمبر ۴ وغیرہ اور چٹھی نمبر ۱۴ (وہ یہ مضمون ہے جو سراج الاخبار مطبوعہ ۶، ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا) اور دیگر خطوط پی نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳ سب ملزم کی جانب سے تحریر شدہ ہیں۔

(۳) یہ کہ ملزم نے یہ خطوط فریب دینے کی نیت سے لکھے۔

(۴) یہ کہ سیف چشتیائی نقل ان نوٹوں کی ہے جو کہ مولوی محمد حسن کتاب اعجاز المسیح کے حاشیہ پر چھوڑ مرا۔

علاوہ شہادت گواہان مندرجہ بالا کئی ایک نسخہ کتابوں اور کئی ایک جلدیں اخبارات کی اور بہت سے پمفلٹ شہادت میں شامل مسل کیے گئے ہیں جن کا ذکر مناسب مقام پر کیا جائے گا۔

شہادت استغاثہ بڑی طول طویل تھی اور جو کئی ایک پیشیوں میں ختم ہوئی۔ لکھنے کے بعد ملزم کا بیان تحریر ہوا اس نے چٹھیات پی نمبر ۴ مرسولہ بجانب مرزا اور پی نمبر ۱۱ جو مستغیث کے نام تھے اور پی نمبر ۱۲، ۱۳ جو مستغیث کو لکھی گئی تھیں۔ کی تحریر سے قطعی انکار کیا۔

اور نیز مضمون پی نمبر ۱۴ مطبوعہ سراج الاخبار سے بھی انکاری ہوا تاہم اس نے یہ قبول کیا کہ نوٹ ہائے مندرجہ حاشیہ اعجاز المسیح محمد حسن کے تھے اور اس نے وہ

مستغیث کو دیے مگر کہا کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ پیر مہر علی شاہ (صاحب) نے ان کو اپنی کتاب موسومہ سیف چشتیائی میں نقل کیا ہے یا نہیں۔

چونکہ معلوم ہوا کہ چٹھیات پی نمبر ۱۴، ۱۱، ۱۲، ۱۳ غالباً مرقومہ ملزم تھیں اور مضمون پی نمبر ۱۴ بھی اسی کا لکھا ہوا تھا اور وہ تحریر شدہ اور دستخطی ملزم معلوم ہوتے تھے اور وہ سب ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ مستغیث نے قادیان سے بھیں جائے رہائش ملزم تک اس کی حسب الطلب سفر کیا اور نیز یہ کہ مستغیث کو مالی نقصان اور تکالیف برداشت کرنی پڑیں جس پر اس کا بہت سا روپیہ صرف ہوا اور یہ سب بروئے اعتبار چٹھیات پی نمبر ۴، ۱۱، ۱۳ ہوا اور بعد ازاں ان کی تردید مضمون پی نمبر ۱۴ مطبوعہ سراج الاخبار سے ہوئی۔ اس لیے فرد جرم زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند برخلاف ملزم مرتب کی گئی اور اس کو صفائی کا موقعہ دیا گیا اس نے جرم سے انکار کیا اور بعد اس کے فضل دین مستغیث نورالدین عبدالکریم گواہان استغاثہ پر جرح کی اور غلام احمد قادیانی اور شہاب الدین (دراصل نام گواہ شمس الدین ہے، شہاب الدین لکھا جانا سہو ہے) مولوی غلام محی الدین اور منور شاہ کو بطور گواہان صفائی پیش کیا۔ باستثنائے مرزا گواہان صفائی نے بیان کیا کہ پی نمبر ۴ ملزم کی دستخطی نہیں ہے اور ایسا ہی دیگر دستاویزات پی نمبر ۱۱۔۱۳ بھی اس کے دستخطی نہیں اور کہ نوٹ ہائے مندرجہ حاشیہ اعجاز المسیح دستخطی محمد حسن کے ہیں۔

علاوہ شہادت زبانی گواہان کے ملزم نے بہت سی تحریری شہادت اس بات کے ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہے کہ چٹھیات پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱ و پی نمبر ۱۳ کا کوئی اثر مستغیث اور مرزا غلام احمد کے دل پر نہیں ہوا۔

مختصراً یہ واقعات مقدمہ ہیں جو مسل پر موجود ہیں۔ سوالات واسطے تصفیہ مقدمہ ہذا اس بات کے نتیجہ پر پہنچنے کے لیے کہ آیا ملزم مجرم ہے یا نہیں، حسب ذیل ہیں:

(۱) چٹھیات پی نمبری ۴، پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۳ دستخطی ملزم ہیں اور ان اشخاص کو

لکھی گئی تھیں جن کو لکھی جانی ان کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے اور کہ آیا ان چٹھیات کا مضمون صحیح ہے یا غلط۔

(۲) آیا مضمون پی نمبر ۴ ادستخطی ملزم ہے

(۳) آیا وہ یا ان میں سے کوئی غلط بیانی پر مبنی ہے

(۴) آیا فریب کا باغراض دغا جیسا کہ دفعات ۴۲۰/۴۱۵ اور ۴۱۷ میں تعریف کیا گیا ہے ملزم کی طرف سے ارتکاب ہوا ہے اور کس پر اور کس طرح۔

اُمورات بالا میں سے ہر ایک کی نسبت ایک صاف نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کی جملہ شہادت کو غور سے پڑھا جائے اور اس پر بحث کی جائے ہم ایک ایک کر کے ہر ایک سوال پر جداگانہ بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ جانبین سے اس کی نسبت کیا شہادت ہوئی ہے۔

اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا خالی از لطف نہیں کہ مقدمہ ہذا کی غرض ملزم کو سزا دلانے کی چنداں نہیں ہے بلکہ زیادہ تر غرض یہ ہے کہ بذریعہ عدالت کے مرزا صاحب کی حیثیت بطور ایک پیغمبر کے ثابت کی جائے کیونکہ اعجاز المسیح کتاب میں مرزا مذکور نے تمام دنیا کو اس کے مثل لکھنے کے لیے مدعو کیا ہے اور بھی پیش گوئی کی ہے کہ جو شخص اس کی تکذیب میں سعی کرے گا یا اس کے جواب میں کتاب لکھنے کا ارادہ کرے گا وہ مرجاوے گا چونکہ سیف چشتیائی (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) کی جانب سے بتردید اعجاز المسیح شائع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ یا تو کتاب سیف چشتیائی اصلی نہیں تھی یا (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) مرجائیں، اِلاَّ (پیر) مہر علی (شاہ صاحب) نے مصالحہ لیا ہے۔ وہ ضرور مر گیا ہو۔ پس اس بات کا اعلان کیا گیا کہ مولوی محمد حسن اس لیے فوت ہوا کہ اس نے اعجاز المسیح پر نوٹ لکھے اب یہ ادعا کیا گیا ہے کہ سیف چشتیائی اصلی نہیں ہے بلکہ ان نوٹوں کی نقل ہے جو محمد حسن چھوڑ مرا اور اس امر کے ثابت کرنے کے لیے یہ خطوط پی نمبر ۳، پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ پیش کیے گئے ہیں کہ ملزم اور اس کے شاگرد شہاب الدین نے بھیجے تھے۔ اب

سوال ان کی اصلیت کا پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا خط پی نمبر ۳ شہاب الدین کا ہے اور خطوط پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ ملزم کے ہیں اور اس کے دستخطی ہیں۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کہ یہ خطوط ان اشخاص کے دستخطی ہیں جن کی طرف سے ان کا لکھا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ استغاثہ نے بیان مستغیث مولوی نورالدین، مولوی عبدالکریم، غلام حیدر کا بطور مبصر دستخط کے کرایا لیکن ان کی شہادتیں بطور مبصر کے قابل تشفی نہیں ہیں۔ دستخط کی نسبت ان کے بیانات متزلزل ہیں۔ مثلاً حکیم نوردین ان دستخطوں کی شناخت میں جن کے دیکھنے کے اس کو موقع ملتے رہے ہیں منہ کے بل گرا ہے حالانکہ ان گواہان کو کوئی موقعہ ملزم کے دستخط دیکھنے کا یا اس کو لکھتے ہوئے دیکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا ہے، حکیم نوردین، فضل دین مستغیث اور عبدالکریم کو اس امر میں ایک متحدہ غرض ہے کہ وہ دستخط ملزم کا بیان کریں کیونکہ ایک ہی پارٹی مرزا صاحب کے وہ ممبر ہیں لہذا ان کی شہادت اس بارے میں پذیرا کرنا محفوظ نہیں ہے۔ علاوہ بریں شہادت مبصران نسبت دستخط حجت نہیں ہوا کرتی۔ دیکھو پنجاب ریکارڈ نمبر ۶۲، ۱۸۹۷ء

چونکہ خطوط پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱، پی نمبر ۱۲، پی نمبر ۱۳ اور پی نمبر ۱۴ کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ ملزم نے لکھے اس لیے ان سب کی اصلیت کی بابت ہم بحث کرتے ہیں خواہ مقدمہ کے حالات کی رو سے خط پی نمبر ۱۴ علیحدہ سوال نمبری ۲ میں زیر بحث ہے۔ ہم پہلے خط پی نمبر ۱۴ یعنی اس مضمون کو جو سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں چھپا لیتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ آیا دیگر خطوط پی نمبر ۴ پی نمبر ۱۱ پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ بھی ملزم کے ہیں۔ جملہ حالات پر نظر رکھ کر ہماری رائے ہے کہ پی نمبر ۱۴ مضمون مشتہرہ سراج الاخبار ملزم کا دستخطی ہے اور یہ مضمون ایڈیٹر سراج الاخبار کے سوال کے جواب میں ایڈیٹر کو ملزم نے لکھا تھا اس سوال پر پہنچنے کی وجوہات ہمارے پاس حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس کے مضمون کا مطلب مرزا غلام احمد اور اس کی جماعت کی اصلیت

کھولنا ہے۔ یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ خود مرزا یا اس کی جماعت کے کسی شخص نے لکھا ہو کیونکہ ہر ایک لفظ اس کا برخلاف مرزا اور اس کی جماعت کے ہے۔

(۲) مضمون اس شخص کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس کا پورا نام وہی ہے جو ملزم کا ہے یعنی محمد کرم الدین عفی عنہ از بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ یہی شاید پورا نام ہے جو ملزم دستخط کرتے ہوئے لکھنے کا عادی ہے۔

(۳) اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ملزم سراج الاخبار کا کارسپانڈنٹ سال گزشتہ رہا ہے بالخصوص اس نے ۱۹۰۲ء میں بہت مضامین لکھے ہیں یعنی سال تحریر مضمون متنازعہ میں۔ یہ عذر ملزم کا کسی اور شخص نے اس کے نام پر لکھا ہو گا ناقابل تشفی اور خام ہے۔

(۴) الحکم اخبار میں جو مرزا غلام احمد کی جماعت کا اخبار ہے بتاریخ ۱۷ستمبر ۱۹۰۲ء یہ خطوط پی نمبر ۳ پی نمبر ۴ پی نمبر ۵ وغیرہ چھاپ کر لکھا گیا ہے کہ ملزم اور اس کے شاگرد شہاب الدین نے لکھے تھے۔ ایڈیٹر نے ملزم کو لکھا کہ آیا یہ خطوط اصلی ہیں دیکھو اس کی شہادت اس سوال کے جواب میں ملزم نے یہ مضمون ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء والا لکھا اور ایک قاصد کے ہاتھ واسطے چھاپنے کے ایڈیٹر کے پاس بھیجا۔ ایڈیٹر نے یہ سارا بیان بطور گواہ کے بیان کیا ہے۔ قرائن سے اس امر کی بڑی پختہ حجت نکلتی ہے کہ ملزم نے سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء والا مضمون لکھا کیونکہ اس مضمون میں ان چٹھیات کی بابت بحث ہے جو الحکم میں مشتہر ہوئیں اور جن کی بابت ایڈیٹر نے پوچھا تھا۔

(۵) الحکم میں وفات فیضی مولوی محمد حسن مصنف نوٹ ہائے بر اعجاز المسیح پر ریمارک کیے گئے اور بہت مکروہ اور ہتک کرنے والے الفاظ میں تذکرہ ہوا۔ مضمون زیر بحث میں تردید ان ریمارکوں کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا اس مضمون کا ملزم ہے جو رشتہ دار فیضی محمد حسن کا ہے۔

(۶) ملزم تسلیم کرتا ہے کہ مستغیث اس کے پاس بھیں پہنچا اور اس نے اس کو کتابیں جن پر نوٹ تھے دیں یہی واقعات مضمون مذکور میں مندرجہ ہیں۔ یہ

واضح ثبوت اس امر کا ہے کہ لکھنے والا اس مضمون کا سوائے ملزم کے اور دوسرا شخص نہیں۔

(۷) ۱۶ اکتوبر کے سراج الاخبار کے نثری مضمون میں ایک نظم کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ نظم ۱۱۴۳ کتوبر کے پرچے میں چھپی۔ یہ نظم ان ہی خطوط کے متعلق اور نیز دربارہ وفات فیضی کے ہے۔ اس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ لکھنے والا اس قصیدے کا وہی شخص ہے جو لکھنے والا اس مضمون کا ہے۔

(۸) شمس الدین گواہ صفائی تسلیم کرتا ہے کہ دستخط پی نمبر ۱۴ کا ملزم کے دستخط سے ملتا ہے گو کہ صفائی کا گواہ ہونے کے باعث وہ لکھتا ہے کہ ملزم کا لکھا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔

(۹) باوجودیکہ مضمون مذکور ملزم کے نام پر مشتہر ہوا اس نے کبھی اس کی تردید نہ کی اگر وہ اس کا لکھنے والا نہیں تھا تو تردید کرتا چونکہ اسلامی دنیا کو یہ خیال تھا کہ اسی نے لکھا ہے اس کو چاہیے تھا کہ اس کی تردید کرتا لیکن کبھی بھی اس نے اس کی تردید نہیں کی۔ وجہ یہ پیش کرتا ہے کہ مجھ کو فرصت لکھنے کی نہ ہوئی کہ یہ مقدمہ دائر ہو گیا۔

(۱۰) ملزم صاف الفاظ میں اس مضمون کی تصنیف کا انکار نہیں کرتا اس کے الفاظ غیر فیصلہ کن اور گول ہیں۔

(۱۱) عدالت رائے سنسار چند مجسٹریٹ درجہ اول جہلم میں ملزم نے استغاثہ لائبل برخلاف مرزا دائر کیا اس کا استغاثہ ایک قانونی وجہ عدم استحقاق پر خارج ہوا۔ مستغیث یعنی ملزم نے اپیل کیا۔ لالہ ہر بھگوان داس اس کے پلیڈر نے اثناء بحث میں سیشن جج جہلم کے روبرو تسلیم کیا کہ ملزم مضمون پی نمبر ۱۴ مشتہرہ سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا مصنف ہے۔ یہ عجیب امر ہے کہ ملزم اب اس طرح سے اپنے پلیڈر کی بحث سے کنارہ کشی کرتا ہے کہ پلیڈر مذکور کو اس بارے میں اس نے کوئی ہدایت نہیں دی تھی لیکن بحث مذکور قائم ہے دیکھو نقل فیصلہ سیشن جج۔

ملزم کے حق میں اس وقت استدلال کیا گیا تھا اور ملزم نے اس وقت انکار نہیں کیا بلکہ اس کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی یہ حالات صفائی سے ثابت کرتے ہیں کہ ملزم پی نمبر ۱۴ کا مصنف ہے اور وہ اس کا اپنا دستخطی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا خطوط پی نمبر ۴ پی نمبر ۱۱ وغیرہ بھی ملزم کے ہیں۔ سب حالات پر نظر ڈال کر ہماری یہ رائے ہے کہ یہ خطوط بھی ملزم کے ہیں۔ ہمارے پاس اس رائے پر پہنچنے کے لیے وجوہات حسب ذیل ہیں:

(۱) دستخط پی نمبر ۴ پی نمبر ۱۱ پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ کا پی نمبر ۱۴ کے ساتھ ملتا ہے جیسا کہ شمس الدین کی شہادت سے واضح ہوتا ہے اگر ان خطوط کے دستخطوں کا غور سے مقابلہ کیا جائے۔ پی نمبر ۱۴ کے دستخط سے تو ہر ایک شخص کو یقین آ جائے گا کہ ایک ہی شخص یعنی ملزم کے دستخطی یہ خطوط ہیں۔

(۲) پی نمبر ۱۳ معہ لفافوں کے شامل مسل کیا گیا ہے۔ لفافہ پر مہر ڈاک خانہ ڈوہمن کی ہے اور یہی ڈاک خانہ ہے جہاں کہ ملزم کے گاؤں کے خطوط ڈالے جاتے ہیں۔

(۳) ملزم نے چند ایک پوسٹ کارڈ واسطے شناخت دستخط من جانب گواہان استغاثہ پیش کیے ہیں ان پوسٹ کارڈوں پر نشان اے نمبر ۳ اور اے نمبر ۴ کا ہے اور ان سے یہ خیال کرنے کے لیے ثبوت ملتا ہے کہ یہ خطوط ایک خط و کتابت کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو فیما بین ملزم و مستغیث ہوئے۔ اے نمبر ۳ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۰۲ء ہے۔ یہ کارڈ اے نمبر ۳ مستغیث نے بنام ملزم لکھا۔ پی نمبر ۱۳، اے نمبر ۳ کے جواب میں ہے اور اس کی تاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۲ء ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پی نمبر ۱۳ ملزم کا لکھا ہوا ہے۔ پی نمبر ۱۳ کی تحریر مشابہ پی نمبر ۴ کے ہے جو بنا بر آں ملزم کی تحریر ہے۔ پھر اے نمبر ۴ جواب پی نمبر ۱۳ کا ہے جو مستغیث نے ملزم کو دیا کوئی شبہ اس امر میں نہیں کہ اے نمبر ۳ اور اے نمبر ۴ اصلی نہیں کیونکہ ملزم نے خود انہیں پیش کیا ہے اور خط و کتابت فیما بین فریقین کے سلسلہ کی وہ کڑیاں ہیں۔

(۴) پی نمبر ۱۴ میں مصنف تسلیم کرتا ہے کہ اس نے کچھ خطوط لبازش شہاب الدین لکھے مضمون ان خطوط کا جو استغاثے نے پیش کیے ہیں وہی ہیں جو مصنف پی نمبر ۱۴ نے تسلیم کیا ہے۔ اب اس سے بلا ریب یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کاتب خطوط پی نمبر ۴ اور پی نمبر ۱۱ وغیرہ وہی ہے جو پی نمبر ۱۴ کا کاتب ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ پی نمبر ۱۴ کے لکھنے والا ملزم ہے۔ لہذا وہی پی نمبر ۴ وغیرہ کا بھی کاتب ہے غیر موزوں نہ ہوگا کہ چند ایک مثالیں مضامین پی نمبر ۱۴ اور پی نمبر ۴ وغیرہ سے یہاں لکھی جائیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔

(الف) سراج الاخبار صفحہ ۷ کالم اول فقرہ اول۔ مطابق ہے پی نمبر ۴ کے ساتھ

(ب) سراج الاخبار صفحہ ۷ کالم ۲ سطر ۵، ۶ مطابق ہے پی نمبر ۳ کے ساتھ۔ اور یہ وہ خط ہے جو شہاب الدین کی طرف سے عبدالکریم کو ملا۔

(ج) پی نمبر ۴ مطابق ہے سراج الاخبار صفحہ ۷ کالم ۲ سطر ۱۵۔ ۱۶ کے

(د) صفحہ ۸ کالم ۱ سطر ۱ مطابق ہے پی نمبر ۱۱ کے۔

(ہ) صفحہ ۸ کالم اول فٹ نوٹ ۲ مطابق ہے پی نمبر ۱۲ کے۔

(۵) ملزم نے مان لیا ہے کہ پوسٹ کارڈ پی نمبر ۵ اس کے نام آیا کیونکہ ڈوہمن ڈاک خانہ کی مہر اس پر ہے جہاں کہ بھیں کے خطوط پہنچتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ پوسٹ کارڈ اسی کو لکھا گیا تھا۔ مضمون پی نمبر ۴ کا اس پوسٹ کارڈ سے ملتا ہے۔ اس سے بلا شک وشبہ ثابت ہوا کہ پی نمبر ۴ جو پی نمبر ۵ پر مبنی ہے ملزم نے لکھا ہوگا۔

(۶) نسبت پی نمبر ۱۱ بیان فیض الحسن ولد محمد حسن متعلق امر مطلوبہ کے ہے وہ کہتا ہے کہ جعفر زٹلی نے اعجاز المسیح کی ایک جلد میرے والد کو دی تھی جو اس نے واپس مانگی میں نے اس کو واپس کر دی، اس کا پی پر نوٹ تھے۔ پی نمبر ۱۱ میں بھی کچھ لکھا ہے۔ نظر بر حالات یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ مصنف پی نمبر ۱۴ اور پی نمبر

۱۱، پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ کا ملزم ہی ہے۔ اس لیے فیصلہ نسبت امر اول جو اس مقدمہ کے انفصال کے لیے قائم کیا گیا ہے بطور خلاصہ یہی ہے کہ اس میں شک نہیں کہ مضمون مشتہرہ سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء ملزم ہے اور نیز خطوط پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱ پی نمبر ۱۲ پی نمبر ۱۳ ملزم کے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا مضمون خطوط پی نمبر ۱۴ و خطوط پی نمبر ۴ وغیرہ جھوٹے ہیں اس امر کی نسبت غور اور پرداخت بلحاظ اس امر کے ہوگی کہ کیا جرم ملزم کے ذمے قائم کیا جاوے۔

قبل اس امر کے تصفیہ کے بفرض محال تسلیم کرتے ہیں کہ دغا کا جرم وقوع میں آیا ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملزم نے پہلے پہل مستغیث کو یقین دلایا بذریعہ خطوط پی نمبر ۴، پی نمبر ۱۱ پی نمبر ۱۲ اور پی نمبر ۱۳ کے کہ (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) نے نوٹ محمد حسن کے نقل کیے تھے اور پھر پی نمبر ۱۴ سراج الاخبار میں مشتہر کر کے کہ ملزم نے دغا کیا سوال یہ ہے کہ وہ شخص کون ہے جس کو دغا دیا گیا یا قانونی طور پر وہ کون شخص ہے جس کو نقصان پہنچایا گیا۔ جہاں تک کہ ہم نے مسل پر غور وفکر کی ہے اور فریقین کے وکلاء کی بحث کو سنا ہے، ہماری یہ رائے ہے کہ مستغیث کو دغا نہیں دیا گیا اگر دغا ہوا ہے تو مرزا غلام احمد سے ہوا ہے ہمارے پاس وجوہات اس رائے کے حسب ذیل ہیں:

(۱) پہلے خطوط جن میں دغا والے بیانات مندرج ہیں یعنی پی نمبر ۳ و پی نمبر ۴ مرزا صاحب کے نام ہیں۔ پی نمبر ۴ بڑا خط ہے جو پہلے پہل ملزم نے لکھا وہ مرزا غلام احمد کے نام ہے اگر مضمون غلط تھا تو دھوکہ دینا مرزا کو مطلوب تھا نہ کہ کسی اور شخص کو۔

(۲) مستغیث اور مرزا غلام احمد نے یہ تسلیم کیا ہے کہ جونہی خط پہنچا ووں ہی جلسے میں بحث ہوئی اور مرزا صاحب نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص بھیں جانے پر تیار ہے کہ وہاں جا کر پی نمبر ۴ کے مضمون کی صداقت کے بارے میں تحقیقات کرے اور نوٹ حاصل کرے۔ مستغیث نے اپنی خدمات پیش کیں۔ معلوم

ہوتا ہے کہ وہ متعین کیا گیا۔ ان حالات میں مستغیث بھیں گیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مستغیث نے بطور ایجنٹ مرزا غلام احمد کے کارروائی کی نہ کہ بطور اصل جملہ حالات جو اس نے وہاں دریافت کیے مرزا صاحب کے حضور پیش کیے جو کہ نزول المسیح کے لیے مصالحہ بن گئے۔ مستغیث کا یہ کہنا کہ اس کو دھوکہ دیا گیا جب کہ وہ اصل شخص نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

(۳) مرزا غلام احمد نے اعجاز المسیح لکھی تھی اور دنیا کو اس کی مثل لکھنے کے لیے تحدی کی تھی اور موت کی دھمکی دی تھی ان حملوں اور دھمکیوں کے جواب میں سیف چشتیائی لکھی گئی تھی۔

صرف مرزا ہی تھا جس کو یہ فکر تھا کہ سیف چشتیائی کی تردید لکھنے کے لیے مصالحہ مل جائے۔ اس تردید کے متعلق ہی مستغیث کو کہا گیا تھا اور اس نے اپنی خدمات بھیں جانے کے متعلق پیش کی تھیں تا کہ پی نمبر ۴ کے مضامین کی صداقت کا موازنہ کرے۔ خود مستغیث کا کوئی واسطہ براہ راست اس تحقیقات سے نہ تھا جس پر کہ اسے مامور کیا گیا تھا۔ اس وجہ پر بھی یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ مستغیث وہ شخص ہے جس کو دغا دیا گیا۔

اب سوال جو خود بخود پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ آیا ملزم نے جرم دغا کیا کہ پہلے پی نمبر ۴ لکھ کر مرزا کو واسطے تحقیقات بیانات مندرجہ اس کے کہا اور پھر کچھ پی نمبر ۴ وغیرہ میں لکھا تھا سب کی تردید کر دی۔ سراج الاخبار ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک مضمون لکھ کر مقدمہ ہذا میں بھی سب سے اہم امر ہے۔ جرم دغا کے عناصر ضروری حسب ذیل ہیں؛

(۱) کسی شخص کو دھوکہ دینا

(۲) از راہ دھوکہ یا بددیانتی کے ایسے دھوکہ دیے گئے شخص کو تحریک کرنا کہ وہ کوئی مال کسی شخص کو دے دے یا اس امر پر رضامندی دے کہ کوئی شخص کسی مال کو اپنے قبضہ میں رکھے یا دیدہ دانستہ دھوکہ دیے گئے شخص کو ترغیب دینا اس امر کی کہ وہ کوئی فعل یا ترک فعل کرے کہ جو درصورت دیگر وہ نہ کرتا۔

(۳) اس فعل یا ترک فعل سے غالب نقصان یا جرح کسی شخص کا ہو یعنی نقصان بدنی مالی نفسی حیثیتی یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ دغا کوئی جرم نہیں اگر اس کے ہم راہ خواہش فائدہ ناجائز یا بدنیتی کی نہ ہو اس لیے یہ پایا جاتا ہے کہ صرف دو شقیں جرم دغا کی ہیں۔

پہلی شق کے عناصر یہ ہیں:

(ا) دھوکہ دینا

(۲) ارادہ واسطے پہنچانے ناجائز نقصان کے یا واسطے حصول ناجائز کے یعنی بذریعہ دھوکہ کے

(۳) مال کی حوالگی

دوسری شق کے عناصر یہ ہیں:

(ا) دھوکہ دینا

(۲) ارادہ اس امر کا کہ شخص دھوکہ خوردہ از راہ دھوکہ کے عمل کرے

(۳) کوئی فعل من جانب دھوکہ یا وہ شخص کے بوجہ دھوکہ مذکور کے سرزد ہو۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں شقوں میں پہلا عنصر یہی ہے یعنی دھوکہ دینا۔ مقدمہ ہذا میں بنابرآں سوالات حسب ذیل پیدا ہوتے ہیں:

الف: کیا دھوکہ ہے؟

ب: مقدمہ ہذا میں کیا دھوکہ ہوا ہے یعنی یہ کہ مقدمہ ہذا میں دھوکہ ہوا بھی ہے۔

متعلق الف: عام معنی دھوکہ کے یہ ہیں کہ غلطی کی طرف کسی کو لے جانا یعنی کسی شخص کو یہ یقین کرانا کہ درست ہے جو کہ نادرست ہو۔ یا یہ کہ کسی شخص کو یہ یقین دلانا کہ جو درست ہے اسے نادرست سمجھے۔ بطور مختصر یہ معنی ہوئے کہ بذریعہ جھوٹے بیانات کے کسی کو کچھ یقین دلانا۔

متعلق ب: کیا ملزم نے یقین دلایا ہے بذریعہ جھوٹے بیانات کے اس امر کا کہ جو غلط ہے اس کو سچ مانا جائے یا جو سچ ہے اس کو غلط مانا جائے۔

اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ ملزم نے ایسا ایسا کیا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ

(۱) وہ کیا بیانات ہیں جو اس نے کیے ہیں۔
(۲) آیا وہ سچ یا غلط ہیں۔
(۳) آیا ان سے غلط یقین پیدا ہوا ہے

امر اول کی بابت اس کے بیانات اس کے خط پی نمبر ۴ میں مندرج ہیں جو کہ ایک بڑا اہم خط ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس خط کا مصنف ملزم ہے۔ اس نے مرزا صاحب کو لکھا کہ کتاب سیف چشتیائی مصنفہ (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) عموماً نقل نوٹ ہائے محمد حسن ہے۔ یہ بیان اس کا دو حصوں پر مبنی معلوم ہوتا ہے:

اول: محمد حسن نے اعجاز المسیح پر کچھ نوٹ لکھے تھے۔

دوم: (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) نے ان نوٹوں کو اپنی کتاب سیف چشتیائی میں نقل کیا۔

نسبت حصہ اول بیان خود ملزم تسلیم کرتا ہے کہ محمد حسن نے اعجاز المسیح پر نوٹ لکھے تھے۔ گواہان استغاثہ سب کے سب بیان کرتے ہیں کہ نوٹ محمد حسن کے ہیں مرزا خود تسلیم کرتا ہے کہ محمد حسن نے اعجاز المسیح کی تردید میں اقدام کیا اور قابل افسوس موت سے فوت ہوا۔ دیکھو نزول المسیح صفحہ ۱۹۴

اس حصہ بیان پر استغاثہ شبہ جھوٹ کا نہیں کرتا۔

دوسرا حصہ بیان کا یہ ہے کہ (پیر) مہر علی شاہ (صاحب) نے نوٹوں کو اپنی کتاب میں نقل کیا۔ خواہ یہ حصہ سچ ہو یا غلط۔ ملزم اپنے بیان میں کہتا ہے کہ میں یقیناً کہہ نہیں سکتا کہ (پیر) مہر علی شاہ صاحب نے یہ نوٹ لیے یا نہ۔ خواہ مستغیث ان بیانات کو جو پہلے اور دوسرے حصص میں درج ہیں جھوٹا سمجھے مگر اس کے گواہان ان بیانات کو سچا ہی سمجھتے ہیں۔ نور دین نے سیف چشتیائی کے مضمون کا مقابلہ کیا اور لکھایا کہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ مرزا صاحب نے شہادت میں تسلیم کیا کہ میں ان بیانات کو سچا سمجھتا ہوں اور کہ میں اس بیان کو جو مضمون پی نمبر ۱۴ سراج الاخبار میں لکھا ہے سچا نہیں سمجھتا جبکہ جملہ شہادت

استغاثہ اس مضمون کی ہو کہ بیانات مندرجہ پی نمبر ۴ و دیگر خطوط سچے سمجھے گئے ہیں تب مستغیث کا مقدمہ جو کہ اس کے اس بیان پر مبنی ہے کہ بیانات مندرجہ پی نمبر ۴ کو وہ غلط سمجھتا ہے۔ زمین پر منہ کے بل گر جاتا ہے۔ مستغیث اس بیان کو ثابت نہیں کر سکا کہ بیانات مندرجہ پی نمبر ۴ وغیرہ جھوٹے ہیں اور کہ ان سے اس کے دل میں غلط خیال پیدا ہوا۔ اس بحث سے ثابت ہوا کہ کسی قسم کی دھوکہ دہی نہیں ہوئی۔

بفرض بحث اگر مان لیا جاوے کہ دھوکہ ہوا یہ یاد رہے کہ استغاثہ کی نگاہ میں دھوکہ جو ملزم نے دیا وہ یہ ہے کہ اس نے بیانات مندرجہ پی نمبر ۴ وغیرہ کو سراج الاخبار میں پی نمبر ۴ الکھ کر رد کر دیا اور گواہان کی فوج جو اس نے پیش کی ہے مع ان تحریرات کے جو ملزم نے پیش کی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ جو بیانات پی نمبر ۴ وغیرہ درج ہیں وہ سچے یقین کیے گئے اور پی نمبر ۴ اوالے غلط سمجھے گئے۔ یہ شہادت مستغیث کے بیان کے بالکل برخلاف ہے اس نے سراج الاخبار کے مضمون کو سچا سمجھا حالانکہ اس کے گواہوں نے ایسا نہ سمجھا۔ یہ مقدمہ اس لیے دائر نہیں کیا گیا کہ مستغیث کے گواہان کے دلوں پر فلاں فلاں اثر ہوا بلکہ اس لیے کہ مستغیث کے دل پر فلاں جھوٹا اثر ہوا۔ جھوٹ ثابت کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف اس کی شہادت اس کی صداقت نہیں کرتی۔ اگر یہ خیال کیا جائے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ دھوکہ سرزد ہوا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ ملزم کی نیت کیا تھی اور اس کا اثر کیا ہوا یعنی یہ کہ ایسی برائے نام دھوکہ دہی کے کرنے میں ملزم کی نیت کیا تھی۔ اس نے کوئی ناجائز منفعت حاصل نہیں کی اور نہ نقصان کسی کے مال کا کیا۔ اس ناجائز منفعت یا ناجائز نقصان کے متعلق یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چھ روپیہ اس کے کہنے پر دیا گیا تھا اور کہ مستغیث نے تکلیف دہ سفر اختیار کیا جو باعث اخراجات کثیرہ وغیرہ کا ہوا۔ کوئی ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ چھ روپیہ کسی شخص کو دیا گیا اگر مستغیث کو اس امر میں سچا سمجھ کر قرار دیا جاوے کہ چھ روپیہ ادا کیا گیا تھا تو ایسا

نہیں تھا کہ بوجہ دھوکہ کے وہ رقم ادا ہوئی بلکہ بطرز قیمت کتب مع نوٹ ہائے کے اس لیے ناجائز نقصان مستغیث یا کسی اور شخص کا نہیں ہے یا ناجائز فائدہ بحق ملزم یا کسی دیگر شخص کے نہیں ہے۔ نسبت سفر کے مستغیث نے صاف الفاظ میں قبول کیا ہے کہ وہ اپنی عورت کو ساتھ لے گیا تھا جسے بھیرہ اپنے وطن میں اس نے چھوڑنا تھا اس سے واضح ہوا کہ سفر بوجہ دھوکہ نہیں ہوا۔ سفر کی غرض یہ تھی کہ اپنی عورت کو بھیرہ میں چھوڑے۔ پس بالکل صاف ہے کہ کوئی نقصان یا فائدہ ازراہ دھوکہ نہیں ہوا۔

تیسرا عنصر شق دغا کا بھی کالعدم ہے یعنی بوجہ دھوکہ کوئی مال حوالے نہیں کیا گیا۔ یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ بوجہ دھوکہ چھپائی کتاب نزول المسیح رک گئی۔ کس نے اس کی چھپائی روکی سوال تو یہ ہے۔ تسلیم کیا گیا ہے کہ مرزا تھوڑا تھوڑا اسے لکھا کرتا تھا اس کی لکھی ہوئی کا پیاں جوں ہی مطبع میں پہنچتی - چھاپی جاتی تھیں۔ جوں ہی مضمون سراج الاخبار میں نکلا مرزا نے لکھنا چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کی چھپائی بند ہوئی۔ اگر دھوکہ خوردہ شخص مرزا صاحب ہوتے اور وہ بوجہ دھوکہ لکھنا بند کر دیتے مگر بطور گواہ صفائی کے جو اس کا بیان ہوا اس میں وہ مانتا ہے کہ بیانات پی نمبر ۴ وغیرہ کو میں سچ سمجھتا ہوں۔ پس واضح ہوا کہ یا تو وہ دھوکہ خوردہ شخص نہیں یا نزول المسیح کے لکھنے کی رکاوٹ نتیجہ فرضی دھوکہ کا نہیں کیونکہ ملزم کے پہلے بیانات کو کبھی بھی اس نے جھوٹا نہیں سمجھا اگر مستغیث دھوکہ خوردہ شخص ہو تو اس نے تو بالکل بوجہ دھوکہ کوئی کارروائی نہیں کی۔

دوسری شق کے عناصر بھی اس مقدمہ میں مفقود ہیں۔ بہر حال یہ ایک عجیب مقدمہ ہے کہ مستغیث نے تو ملزم کے بیانات مندرجہ پی نمبر ۴ وغیرہ کو جھوٹا سمجھا اور یقین کیا کہ مجھے دھوکہ لگا ہے اس لیے مقدمہ دائر کیا استغاثہ کیا۔ اِلاَّ اس کی جملہ جماعت نے معہ اس کے لیڈر کے سمجھا کہ وہ بیانات سچے ہیں۔ پی نمبر ۱۴ والے بیانات کو جھوٹا سمجھا جسے مستغیث نے سچا سمجھا۔ مرزا صاحب دراصل عجیب کشمکش میں تھے اگر کہتے کہ ملزم کے پہلے بیانات جھوٹے ہیں تو

ان کی پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوتی یعنی یہ کہ کوئی شخص اعجاز المسیح کی تردید کے لکھنے کے قابل نہ ہوگا بجز اس کے کہ مر جائے۔ اس کی پیشین گوئی کے ثبوت میں یہی امر تھا کہ وہ پی نمبر ۴ وغیرہ کو سچا سمجھتا خواہ اس کا ایجنٹ مستغیث اس کو جھوٹا ہی سمجھے۔ بہر حال یہ امر کہ پیش گوئی سچی یا جھوٹی ہے اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ دغا ثابت نہیں ہوا۔ یہ کہنا کہ ملزم نے پی نمبر ۱۴ میں لکھا ہے کہ میں نے مرزا اور اس کی جماعت کو پی نمبر ۴ وغیرہ لکھ کر دغا دیا ہے اور پھر تسلیم کرنا کہ ان خطوط سے یہ جماعت دھوکہ میں نہیں آئی (پی نمبر ۴ وغیرہ) یہ ایسی دھوکہ دہی ہے جیسی کہ ملزم کے ذمے تھوپی گئی ہے۔ لہٰذا ہم قرار دیتے ہیں کہ ملزم مجرم جرم فرد قرارداد کا نہیں ہے اس لیے بری ہووے۔

۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء

دستخط

رائے چندولال صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور

ضمیمہ نمبر۲

مرزائیوں کا دوسرا فوجداری مقدمہ

زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند
(مال مسروقہ کو مسروقہ سمجھ کر لے رکھنا)

تمہید

اگرچہ سلسلہ ترتیب میں جیسا کہ ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے اب دوسرا نمبر اس مقدمہ کا ہے جومن جانب ایڈیٹر الحکم ازالہ حیثیت عرفی کا ہے لیکن چونکہ وہ مقدمہ ابھی تک زیر تجویز ہے اس لیے بجائے اس کے پہلے مقدمہ ۴۱۱ کو شروع کیا جاتا ہے جو کہ حکیم فضل دین مرزائی کی طرف سے دائر ہوا تھا اور جو کہ خدا کے فضل وکرم سے ۱۶ مارچ کو خارج ہو چکا ہے۔

آغاز مقدمہ ہذا

یہ بے وجود بے بنیاد بے حیثیت مقدمہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو رائے چندولال صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول گورداس پور کی عدالت میں حکیم فضل دین کی طرف سے بذریعہ مسٹر اوگارمن صاحب بیرسٹرایٹ لاء و خواجہ کمال الدین صاحب وکیل دائر کیا گیا اور اس کی تحقیقات میں ناحق عدالت کے قیمتی اوقات میں سے قریباً ۹ ماہ صرف ہوئے چونکہ ۴۱۷ والے مقدمہ کی کمزوری گواہان استغاثہ کے بیانات سے ظاہر ہو چکی تھی اور مرزائیوں کو اپنے اس مقدمہ میں کامیابی کی اُمید قریباً منقطع ہو چکی تھی اور ادھر مرشد جی کی طرف سے بہت سے الہامات فتح ونصرت کے پیش از وقت شائع ہو چکے ہوئے تھے اس لیے بمصداق الغریق تیشبث بالحشیش انہوں نے یہ دوسرا بے حقیقت مقدمہ دائر عدالت کر دیا باوجود یکہ وہ خوب جانتے تھے کہ چند اوراق نزول المسیح (جن کی قیمت چار آنے بھی نہیں ہوسکتی) کی چوری کرنے یا کرانے کی فریق ثانی کو کیا ضرورت تھی اور اتنے دُور دراز فاصلہ سے ایسے ناچیز مال کی چوری کرنا یا کرانا کس طرح باور کیا جاسکتا ہے اور طرفہ یہ کہ فضل دین جومقدمہ ہذا میں مستغیث گردانا گیا پہلے اپنے حلفی بیان میں اس کتاب کی ملکیت سے انکار کر چکا تھا۔ جس کی تفصیل آگے ہوگی۔

لیکن ان کے نقطہ خیال میں یہ تھا کہ دفعہ مقدمہ ہذا ایسی ہے کہ محض مقدمہ دائر کر دینے سے ہی فریق ثانی کو بہت کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جرم ناقابل ضمانت ہے۔ مستغاث علیہ زیر حراست رہے گا اور بمجوائے تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ جب تک کہ تحقیقات میں مقدمہ کی حقیقت کھلے گی اس سے پہلے ہی مرشد جی کے مشہور الہام

انی مھین من اراد اھانتک کا کرشمہ ظاہر ہو جاوے گا۔

لیکن خداوند کریم کا ہزار شکر ہے کہ عنان اختیار ایک ایسے متدین نکتہ رس انصاف مجسم حاکم بابو چندو لال صاحب بی اے مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے ہر حال میں انصاف کو اپنا جزو ایمان سمجھا ہوا تھا انہوں نے مقدمہ کی حقیقت پر نگاہ ڈال کر اپنے مجسٹریٹی اختیارات کو جائز طور پر استعمال فرمایا اور اس بے وجود مقدمہ میں بجائے اجرائے وارنٹ بلا ضمانت کے وارنٹ ضمانتی جاری فرمایا تاہم مرزائی جماعت نے یہ بھی غنیمت سمجھا اور وارنٹ دستی حاصل کر کے تعمیل کے لیے ایک مخلص حواری شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم کو مامور کر دیا کہ خود فریق ثانی کے دیہہ مسکن میں بذریعہ پولیس پہنچ کر تعمیل کرائے تا کہ وہاں کے باشندگان یہ کارروائی دیکھیں اور اس کی خفت ہو۔ لیکن خداوند کریم کو چونکہ یہی منظور تھا کہ شیخی باز پارٹی اپنے تمام منصوبوں میں ناکامیاب رہے اور فریق ثانی پر اس کا کوئی جادو چل نہ سکے۔ اتفاق سے مستغاث علیہ ان دنوں میں اپنے دیہہ مسکن میں موجود نہ تھا۔ اس لیے مسٹر تراب علی صاحب دُور دراز فاصلہ کی صعوبات سفر برداشت کر کے موضع بھیں (۱) میں پہنچے

(۱) افسوس کہ مسٹر تراب نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مختلف مقاصد کے لیے اس وحشت ناک سفر میں مبتلا ہوئے اور کبھی چکوال کبھی ڈوہمن کبھی بھیں اور کبھی بادشاہاں ادھر ادھر صحرا نوردی فرماتے رہے لیکن ایک دفعہ بھی فائز المرام نہ ہوئے اور ہر ایک دفعہ بہت سی تکالیف برداشت کر کے یوں ہی واپس ہونا پڑا۔ کاش مرزا جی کا ملہم پہلے ہی سے ان کو آگاہ کر دیتا کہ میاں کاہے کو تکلیف اٹھاتے ہو تم نے اپنے ارادوں میں نامراد ہی رہنا ہے اور یا اگر اس ملہم میں کوئی طاقت تھی تو ان کی مدد کرتا اور فوراً ان کا مطلب پورا کر دیتا۔ نہایت تعجب ہے کہ مقدمات کی اتنی لمبی دوڑ میں فریق ثانی کو ایک دفعہ بھی قادیان جانے کی ضرورت پیش نہ آئی اور مرزائی جماعت کو کم سے کم چھ سات دفعہ موضع بھیں کی زیارت طوعاً و کرہاً کرنی پڑی اور یاتون الیک من کل فج عمیق کا الہام بجائے دارالامان قادیان کے الٹا موضع بھیں پر صادق آتا رہا۔ یہ سن کر ناظرین کو تعجب ہوگا کہ مرزائی جماعت کے بعض صاحبان کئی لوگ بدل بدل کر بھیں میں مقدمہ کا مصالحہ لینے کے لیے گئے چنانچہ ایک جہلمی مرید ایک دفعہ پٹھانوں کے لباس میں بڑا بغچا اٹھا کر ہینگ فروشی کے بہانہ سے کوبکو بدر خراب ہوتا رہا اور کئی دنوں تک ٹکر گدائی کرتا رہا لیکن آخر بیچارہ وہ بھی ساحل مقصود پر نہ پہنچا اور پھر ایک دفعہ وہی شخص سارجنٹ پولیس بن کر رات کو موضع بھیں میں گیا لیکن آخر بمصداق۔

بہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدرت را می شناسم

آخر تاڑنے والے تاڑ گئے کہ کشمیری بچہ سوانگ بھر رہا ہے کیا ایک راست باز کے متبعین کو ایسی چال بازیاں کرنا جائز ہیں۔ ہرگز نہیں۔ عبرت عبرت عبرت

اور ہر چند وہاں دشوار گزار کھنڈرات میں دن بھر بھٹکتے اور خاک چھانتے پھرے لیکن دل کی امنگ پوری نہ ہوئی۔ مستغاث علیہ کا پتہ نہ ملا اور آخر اپنے ارادہ میں ناکامیاب خود کردہ پر پشیمان ہو کر بے نیل مرام بر جعت قہقری اپنے دارالامان قادیان میں بصد حسرت و ارمان لوٹ آئے۔

الغرض یہ بے اصل استغاثہ دائر ہونے اور اس کی کارروائی شروع ہو جانے پر مرزائی جماعت بڑی خوشیاں منا رہی تھی اور بڑی بے صبری سے انتظار کیا جا رہا تھا کہ اگر پہلے نہیں تو اختتام شہادت پر مستغاث علیہ ضرور زیر حراست ہوگا اور مرزائیوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے۔ چنانچہ اختتام شہادت کے موقع پر اخبار الحکم نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ اگر خدا نے چاہا تو ۲۴ اگست کا پرچہ ایک خاص پرچہ ہوگا۔ دیکھو الحکم

لیکن ہم اس ذات پاک جل وعلا شانہ کی کمال قدرت پر قربان ہیں جس نے اس زبردست پارٹی کو باوجود ان کی انتہائی سعی و طاقت خرچ ہونے کے اپنے ارادوں میں ناکامیاب رکھ کر اپنی پاک کلام **و تعز من تشآء و تذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شیءٍ قدیر.** (ال عمران:۲۶) کی تصدیق کرا دی اور ان کے سارے دعوے اور پندار خاک میں ملا دیے۔

ایسے نظائر سے گورنمنٹ عالیہ کے قابل قدر قوانین کی بھی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اپنی روشن ضمیری سے قانونی اختیارات کے برتنے والوں (حکام) کو مجاز کر دیا ہوا ہے کہ وہ محل کو دیکھ کر جیسا کہ موقع دیکھیں اختیار برتیں ورنہ ایک شخص کے لیے کیسا آسان طریق ہے کہ کسی بے گناہ شریف شخص کے ذمے اپنی ذاتی عداوت کی وجہ سے کسی سنگین تر الزام کو تھوپ کر اس کی عزت کو غارت کر دے۔ قابل تعریف ہیں وہ حکام جو اختیارات عطا شدہ کو برمحل اور جائز طور پر استعمال میں لاتے ہیں۔

اب ہم تمہید کو ختم کر کے نقول متعلقہ مقدمہ ہذا کا اندراج شروع کرتے ہیں اور چونکہ مقدمہ فیصلہ ہو چکا ہے اس لیے ناظرین کی توجہ اور دلچسپی کے لیے ہم بیانات متعلقہ استغاثہ پر کسی قدر رائے زنی کریں گے سو محض نیک نیتی سے مختصراً بعض مواقع پر نوٹ کرتے جاویں گے۔

اس استغاثہ کی تائید میں جتنے گواہ گزرے ہیں وہ سارے کے سارے مرزا صاحب

کے مخلص مرید حکیم فضل دین مستغیث کے پیر بھائی تھے جو اس جہاد (مقدمہ بازی) میں حصہ لینے کی غرض سے بدوں طلبی عدالت مختلف دُور دراز شہروں سے تشریف لاکر تائید استغاثہ میں گواہ بنے تھے اور یہ سن کر ان سب کو افسوس ہوا ہوگا کہ ان کی شہادت نے ان کے مرشد بھائی کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور مقدمہ خارج ہوگیا۔ گواہان استغاثہ حسب ذیل تھے۔

خلیفہ نور دین۔ شیخ نور احمد۔ کرم علی۔ مفتی محمد صادق۔ ظفر احمد۔ حبیب الرحمٰن ریاست کپورتھلہ۔ نیاز احمد وزیر آباد۔ عبداللہ کشمیری امرت سر۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس وغیرہ۔ احمد دین اپیل نویس گوجرانوالہ، حکیم محمد حسین لاہوری۔

ان میں سے جو حصہ شہادت کسی قدر واقعات کے متعلق ہے اس کو درج ذیل کیا جاوے گا۔ باقی گواہان کی بالعموم یہی شہادت تھی کہ وہ مرزا صاحب کی تصانیف کے خریدار ہیں اور مدت سے حکیم فضل دین کی معرفت کتابیں منگوایا کرتے ہیں اور کتاب نزول المسیح متنازعہ ان کے پاس نہیں پہنچی۔

ان گواہوں کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ بالعموم اپنے بیانات میں انہوں نے لکھایا کہ نو دس سال کے زائد عرصہ سے مرزا صاحب کی تصانیف حکیم فضل دین ہی سے کتب مولفہ مرزا صاحب منگوایا کرتے ہیں اور اسی کو قیمت بھیجا کرتے ہیں لیکن مرزا صاحب اپنے بیان میں (بمقدمہ ۴۱۷) صاف لکھاتے ہیں کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے جو دفتر میں کتابیں تھیں ان کی فروخت کسی میرے آدمی کی معرفت ہوتی تھی مگر ۱۹۰۱ء کے بعد پھر میں نے یہ انتظام کیا کہ یہ تمام کتابیں حکیم فضل دین کے سپرد کر دیں کہ وہ فروخت کرے لیکن گواہان ۱۹۰۱ء سے پہلے کئی سالوں سے برخلاف قول مرزا صاحب فضل دین ہی سے کتابیں لینا بیان کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ بیان قیمت کتب میں بعض گواہان نے سخت ٹھوکریں کھائیں، چنانچہ حکیم محمد حسین گواہ نے اعجاز المسیح ایک مشہور تازہ تصنیف کی قیمت ۴/ بیان کی جس کی قیمت بقول حکیم فضل دین ۱۰ ہے۔ اب ہم ذیل میں پہلے نقل استغاثہ و بیان مستغیث لکھ کر گواہان کے بیانات جو واقعہ سے کچھ تعلق رکھتے ہیں درج کریں گے۔



نقل استغاثہ بمقدمہ فوجداری متدایرہ محکمہ بابو چندولعل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنرو مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

سرکار بذریعہ حکیم فضل الدین ولد حکیم کرم الدین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ مستغیث

بنام

کرم الدین ولد صدرالدین قوم میاں اوان ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ ملزم

استغاثہ زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند

جناب عالی! موجبات استغاثہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مستغیث مطبع ضیاء الاسلام قادیان کا مالک و مہتمم ہے اور مستغیث نے اس مطبع میں ایک کتاب نزول المسیح چھاپنی شروع کی جس کے دوصد چالیس صفحات چھپے جو شامل مسل کیے جاتے ہیں۔

(۲) یہ کہ ان دوصد چالیس صفحات میں سے صفحات ۷۳ لغایت ۸۸ کا مضمون چھپ جانے کے بعد مصنف کتاب نے بعض جگہ پر ترمیم کرنا چاہا چنانچہ یہ صفحات کتاب میں سے نکال لیے گئے اور ان کی جگہ نئے صفحات ۷۳ سے ۸۸ تک بعد تغیر و ترمیم از سر نو چھاپ کر شامل کیے گئے اور پرانے صفحات رد کیے گئے اور اپنے (۱) قبضہ میں محفوظ رکھے گئے۔

---

(۱) اس موقعہ پر مستغیث کا یہ فقرہ کہ پرانے صفحات ردی کیے گئے اور اپنے قبضہ میں محفوظ رکھے گئے ناظرین اپنے خیال میں رکھیں کیونکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ مستغیث اپنے حلفی بیان میں جو اس نے ۲۰ جولائی ۱۹۰۳ء کو فریق ثانی کے سامنے عدالت میں لکھایا یوں کہتا ہے کہ اوراق خارج شدہ جلا دیے گئے۔ ایسا ہی ان کے باقی گواہ بھی خارج شدہ اوراق کو بالکل جلا دینا لکھاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنے قبضہ میں محفوظ رکھنا اور جلا دینا دو متناقض باتیں ہیں جو دونوں سچی نہیں ہوسکتیں۔
مرزائی صاحبان سے باادب التماس ہے کہ بتائیں حکیم جی کے کس بیان کو جھوٹا کہا جاوے حالانکہ مرزا جی کے مخلص حواری ہیں اور مرزا جی کو اپنی جماعت کی راست گوئی کا دعویٰ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کے خاص الخاص حواری حکیم جی اور ان کے گواہوں کی ایسی راست گوئیوں کے نمبر لگاتے جائیں تاکہ ناظرین کو سوچنے کا موقع ملے کہ مرزائی جماعت کے قول اور عمل میں کتنا بڑا فرق ہے یہ حکیم جی کی راست گوئی نمبر ا سمجھیں۔

(۳) یہ کہ کتاب جب دوصد چالیس صفحات تک پہنچی تو بعض واقعات کے پیش آنے پر مستغیث کو یہ کتاب مجبوراً چھاپنے سے بند کرنی پڑی۔

(۴) یہ کہ کوئی کتاب مطبع سے بغیر تکمیل ہونے کے شائع نہیں ہوسکتی اور کتاب ہذا ایک تو نہ پوری تصنیف ہوئی تھی اور نہ پوری چھپی تھی اور نہ واقعات مذکورہ بالا کے پیش آنے سے اس قابل تھی کہ مستغیث اسے شائع کرتا چنانچہ مستغیث نے صفحات مندرجہ بالا کتاب (۱) ہذا یا اس کی کسی جزو کو آج تک شائع نہیں کیا البتہ مقدمہ مذکورہ فقرہ ۵ پر مستغیث کی طرف سے صفحات کی ایک ایک کاپی شامل کی گئی۔

(۵) یہ کہ بتاریخ ۲۲ و ۲۳ ماہ حال کو مستغیث بمقدمہ حکیم فضل دین بنام کرم دین زیر دفعہ ۴۶۸/۴۲۰ عدالت رائے صاحب رائے چندولعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور میں بطور مستغیث و گواہ شہادت دے رہا تھا جبکہ ہر وقت جرح ملزم نے نزول المسیح کے یک صد چار صفحات شامل مسل مقدمہ کیے جس کے شامل ہوجانے (۲) کے بعد

(۱) اگر یہ درست ہے تو الحکم مطبوعہ ۱۷ستمبر ۱۹۰۲ء میں مضمون مندرجہ نزول المسیح نسبت تردید سیف چشتیائی صفحہ ۲ لغایت صفحہ ۹ بعینہ بلا کم و کاست کیونکر نقل ہوگیا ہے جبکہ کتاب شائع ہو کر ایڈیٹر الحکم کے پاس نہیں پہنچی تھی اور پھر اخبار جعفرزٹلی مطبوعہ ۵ مارچ ۱۹۰۳ء میں نزول المسیح کی تردید بہ نقل عبارت بقید صفحہ وسطر کیوں کر شامل ہوگئی حالانکہ آپ کا مخالف اخبار ہے۔ اس سے تو ملا جعفر کے الہام کا آپ کو قائل ہونا پڑے گا کہ اس نے بذریعہ الہام کے آپ کی غیر شائع شدہ کتاب کے مضامین پر اطلاع پالی اور پہلے ہی تردید چھاپ دی۔ راست گوئی نمبر ۲

(۲) یہ امر ناظرین کی عین توجہ کے قابل ہے کہ کتاب نزول المسیح متنازعہ ۲۲ جون ۱۹۰۳ء کو جرح کے وقت جب پیش کی گئی تو مستغیث نے اپنے حلفی بیان میں اس کی ملکیت سے صاف انکار کیا چنانچہ لکھایا کہ کتاب نزول المسیح جو ملزم نے پیش کی ہے اور جس پر نشان اے نمبر ۱ کا ہے اس کا پہلا ورق ہمارے مطبع کا معلوم ہوتا ہے باقی اوراق کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی ہے کہ نہیں۔ دیکھو بیان فضل دین بمقدمہ ۱۴۱/۷ صفحہ ۱۶ اور پھر لکھایا نزول المسیح کی کاپی جو ملزم کی طرف سے پیش ہوئی ہے جس پر میں اعتبار نہیں کرتا ممکن ہے کہ ہمارے مطبع کے کاتب سے مل کر لکھالی ہو اور کسی اور کاتب سے لکھالی ہے جس کا خط ایسا ہی ہو۔ استاد کاتبوں کے خط مشابہ ہوتے ہیں۔ دیکھو بیان فضل دین صفحہ ۱۷۔ لیکن بعد میں جب مقدمہ کرنے کا مشورہ قرار پایا تو پھر یہاں پر اس کتاب کی ملکیت کے مدعی ہو گئے۔ کیوں حضرات راست بازی اسی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک بے نظیر جرات ہے کہ ۲۲ و ۲۳ جون کو تو کتاب سے عدالت میں بالکل اجنبیت ظاہر کی جاتی ہے اور پھر ۲۹ جون کو اسی عدالت میں اس پہلے بیان کی صاف تکذیب کی جاتی ہے۔ افسوس!!! یہ ہے راست گوئی نمبر ۳

اب جو مستغیث کو غور و پڑتال کرنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ ایک سو چار صفحات شامل کردہ ملزم مملوکہ مستغیث ہیں جو بذریعہ سرقہ قبضہ ملزم میں آئے ہیں ان میں صفحات الغایت ۲۷ وصفحات ۸۹ لغایت ۱۰۴ تو وہ ہیں جو مستغیث نے بغرض شائع کرنے کے چھاپے اور اپنے قبضہ میں محفوظ رکھے اور جو آج تک شائع نہیں ہوئے اور صفحات ۳۷ لغایت ۸۸ وہ صفحات ہیں جو مستغیث نے کتاب سے الگ کردیے تھے اور جن کے شائع کرنے کا قطعاً ارادہ نہ تھا اور جو کبھی شائع نہیں کیے گئے اور وہ صفحات ۳۷ لغایت ۸۸ جو نکال دیے گئے تھے شامل کیے جاتے ہیں۔

(۶) یہ کہ ملزم نے سازش کر کے کتب خانہ اور مطبع مستغیث سے صفحات پیش کردہ عدالت ناجائز وسائل سے حاصل کیے اور مال مسروقہ کو یہ جان کر کہ یہ مال مسروقہ ہے بد نیتی سے اپنے قبضہ میں رکھا اور اس طرح ملزم نے اس جرم کا ارتکاب کیا جس کی تعریف دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند میں کی گئی ہے۔ استدعا ہے کہ ملزم سے قانونی سلوک کر کے دادرسی فرمائی جاوے۔

عرضے

فدوی حکیم فضل دین مستغیث بذریعہ مسٹر اوگارمن بیرسٹر

وخواجہ کمال الدین وکیل — فضل دین حکیم مستغیث بقلم خود

دستخط وکیل بحروف انگریزی — دستخط وکیل بحروف انگریزی

مورخہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء

نقل بیان مستغیث باقرار صالح مورخہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء

مستغیث مع خواجہ کمال الدین اور مسٹر اوگارمن صاحب ایڈووکیٹ حاضر ہیں۔

حکیم فضل دین ولد حکیم کرم دین ذات شیخ سکنہ قادیان عمر ۶۰ سال پیشہ تجارت ومال گزاری نزول المسیح کے ورق ۱۰۴ صفحہ تک جو کرم دین ملزم نے بمقدمہ مظہر بنام کرم

الدین جرم ۴۲۰/ ۱۷/۴۱ اور ۴۶۸ تعزیرات ہند پیش کیے ہیں۔ ہمارے مطبع (۱) کے چھپے ہوئے ہیں اور ہماری ملکیت ہیں۔ اس کی ہر ایک کاپی پر ہمارے پریس مینوں کے نام ہیں۔ یہ کتاب جو ملزم کی طرف سے اس مقدمہ میں پیش ہوئی، ہمارے مطبع سے چوری کی گئی کوئی کاپی اس کتاب کی ہم نے آج تک نہ تو فروخت کری اور نہ شائع کری اور نہ سرکار میں آج تک بھیجی سوائے اس کاپی کے جو میں نے مذکورہ بالا مقدمہ میں بطور شہادت پیش کیا ہے یا ہمارے وکلاء کے قبضہ میں ہے۔ ۲۹۰۰ کاپی اس کتاب کی چھاپی گئی۔ (۲) حضرت مرزا صاحب کی دو ہزار اور ۹۰۰ میری ہیں۔ حضرت صاحب کی دو ہزار کاپی بھی میرے قبضہ (۳) میں ہیں۔ میں نے اس وقت ان کاپیوں کا شمار نہیں کیا کہ اس وقت کتنی ہیں۔ اس کاپی کو میں مال مسروقہ اس واسطے کہتا ہوں کہ یہ کاپی نہ تو میں نے کسی کو دی اور نہ فروخت کی اور نہ میرے کسی آدمی نے دی ہے اور

---

(۱) ہمارے کہنے کی کیا ضرورت حضرات ناظرین خود ہی حکیم جی کے بیان مندرجہ صفحہ ۱۶، ۱۷ امیں کتاب کی نسبت یہ کہنا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی ہے کہ نہیں اور کہ ممکن ہے کہ ہمارے مطبع کے کاتب سے مل کر لکھالی ہو اور کسی اور کاتب سے لکھائی ہو جس کا خط ویسا ہی ہو۔ اور پھر بیان حال میں صاف طور پر یہ کہہ دینا کہ ہمارے مطبع کے چھپے ہوئے ہیں اور ہماری ملکیت ہیں۔ ملاحظہ فرما کر خود ہی انصاف کریں کہ دونوں میں تناقض صریح ہے یا نہ اور دونوں بیانات سے ایک بیان جھوٹ ہے یا نہ۔

(۲) ۱۷/۴۱ کے مقدمہ میں مستغیث نے ۲۸۰۰ کاپی کا چھپنا اپنے حلفی بیان میں لکھایا دیکھو بیان مستغیث بمقدمہ مذکورہ صفحہ ۱۱ کہ میں نے پہلی دفعہ ۸۰۰ کاپی کی طبع کا انتظام کیا تھا لیکن مرزا صاحب نے مجھے حکم دیا کہ مرزا صاحب کے صرف سے دو ہزار اور نسخہ میں مرزا صاحب کے لیے طبع کروں۔ اور یہاں پر ۲۹۰۰ کاپی کا چھاپنا بیان فرماتے ہیں کچھ بڑا تفاوت نہیں پورے سینکڑے کا ہے۔ بہر حال دو میں سے ایک بیان غلط ہے۔ راست گوئی نمبر ۴

(۳) ۱۷/۴۱ کے مقدمہ میں حکیم جی نے ان دو ہزار کاپیوں کی نسبت یوں لکھایا: دو ہزار کاپی مرزا صاحب کو دے دی پھر کہا مرزا صاحب کو دو ہزار کاپی نہیں دی وہ میرے دفتر میں رڈی میں پڑی ہے اور یہاں پر ان پہلی دونوں باتوں کے تناقض کتاب پر کلی قبضہ ثابت کرنے کے لیے لکھاتے ہیں کہ حضرت صاحب کی دو ہزار کاپی بھی میرے قبضہ میں ہے۔ راست گوئی نمبر ۵

نہ فروخت کیا ہے اور نہ میرے کسی آدمی کو دینے یا فروخت کرنے کا اختیار ہے۔ صفحہ ۳۷ سے ۸۸ تک جو اس کاپی میں ہے مصنف نے ترمیم کرنی چاہی چنانچہ ترمیم کر کے نئے صفحے چھپوائے گئے اور پہلے صفحے ۳۷ سے ۸۸ تک اس کاپی میں سے نکال دیے گئے۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو کر شائع ہوتی تو ان اوراق کو بالکل شائع نہ کرتے۔ ان اوراق کی جگہ ہم نے یعنی صفحات ۳۷ سے ۸۸ (اے نمبرا) وہ صفحات ہیں جو ہم نے نکالنے چاہے تھے اور ان کی جگہ اے نمبر ۳ چھاپے گئے اور کتاب میں شامل کیے گئے۔ کل کتاب ۲۴۰ صفحات تک چھاپ کر روکی گئی۔

دستخط حاکم

دستخط فضل دین حکیم بقلم خود

مستغیث نے پڑھ کر دستخط کیے اور تسلیم کیا کہ درست ہے۔

دستخط حاکم

نقل بیان مستغیث باقرار صالح

فریقین معہ وکلا حاضر ہیں۔

حکیم فضل دین ولد کرم دین ذات شیخ سکنہ قادیان عمر ۶۰ سال پیشہ مال گزاری۔ ہم نے پہلے ۸۰۰ کاپی نزول المسیح کی چھاپنی شروع کی تھی۔ عام طور سے ایک پریس مین کا روزمرہ کارگزاری ۷۰۰ داب کی ہوتی ہے یعنی ۷۰۰ داب ایک دن میں کام ایک پریس مین کا سمجھا جاتا ہے اگر ہم ۷۰۰ سے کم چھپوائیں تو بھی ۷۰۰ کی مزدوری دینی پڑتی ہے مگر ۳۵۰ میں نصف اجرت دینی پڑتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے خرچ کی دو ہزار کاپی چھپانے کا حکم دیا تھا۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے میں نے خاص آدمی نور احمد پریس مین امرت سر سے

منگوایا۔ ایک مشین (۱) وہ اپنے ساتھ لایا اور ایک اور کاپی چھاپنی شروع کی مگر ایک سو کاپی جو اور بلا اجرت چھپ سکتی تھی وہ بھی ہم نے دو ہزار میں شامل کر دی۔ یہ ایک سو کاپی میری ملکیت ہے۔ اس کتاب کا چھپنا اس وقت سے ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ کا اخبار پہنچا، بند ہو گیا۔ تین چار روز میں اخبار پہنچا ہو گا جس قدر پتر چھے ہوئے تھے وہ چھپتے رہے اور جس قدر کاپیاں لکھی ہوئی موجود تھیں وہ جمائی گئیں اور مسودہ کی تیاری بند کی گئی، کتاب غیر مکمل رہی۔ یہ کتاب نزول المسیح پیش کردہ ملزم بمقدمہ فضل دین بنام کرم دین جرم ۴۲۰ تعزیرات ہند جس پر اے نمبر ا کا نمبر درج ہے میری ملکیت ہے کیونکہ یہ کتاب میرے مطبع میں چھپی۔ میرے (۲) کاتب کی لکھی ہوئی ہے اور پریس مینوں کے نام اس پر

---

(۱) ۴۱۷ کے مقدمہ میں جو مستغیث نے بیان دیا اس میں چھاپنے کا کام اپنا ہی بیان کیا۔ نور احمد نور دین کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ نہ امرتسر سے مشین منگوانے کا تذکرہ ہوا لیکن مقدمہ حال میں جب فریق ثانی نے اخبار الحکم مطبوعہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ پیش کیا جس میں اس کتاب کا چار پریس پر چھپنا درج ہے اس لیے اس سے تطبیق کرنے کی غرض سے تین پریس اس طرح بنائے گئے کہ ایک نور احمد مشین لایا اور ایک مشین کا مصالحہ لایا جو ہمارے پاس بیکار پڑی تھی۔ اس لیے ضیاء الاسلام ہی کے متعدد پریس ہو گئے حالانکہ مولوی نور الدین صاحب اپنے حلفی بیان بمقدمہ ۴۱۷ مندرجہ صفحہ ۲۷ میں لکھا چکے ہیں کہ نور احمد نے ایک کل قادیان میں رکھ چھوڑی ہے جس پر ضرورت کے وقت آ کر مرزا صاحب کا کام کرتا ہے۔ الغرض نور احمد کا امرتسر سے مشین منگوانا بالکل فرضی بیان ہوا جس کی تکذیب مولوی نور الدین صاحب کے بیان سے ہوتی ہے اور نیز نور احمد اور نور دین گواہ کے باہمی سخت تناقض سے (جیسا کہ آگے آئے گا) بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور طرفہ یہ کہ اس گھڑت سے بھی الحکم کے مضمون سے تطبیق نہیں ہوئی کیونکہ اس میں چار پریس پر کتاب کا چھپنا لکھا ہے اور یہاں بمشکل تین پریس بنتے ہیں سو مولوی نور الدین کے بیان اور الحکم کے مضمون اور نور احمد و نور دین کی تناقض بیانی اور ۴۱۷ کے بیان میں عدم تذکرہ پر نگاہ ڈالنے سے بلاشبہ راست گوئی کا نمبر بڑھ جاتا ہے۔ راست گوئی نمبر ۶

(۲) اب تو کاتب کا خط اور پریس مینوں کے نام نظر آنے لگے لیکن ۲۲، ۲۳ جون کو (دو دن میں) باوجودیکہ کتاب کو بڑی غور سے دیکھ لیا ہوا تھا پریس مینوں کے نام بھی نظر نہ آئے تھے اور کاتب کے خط کی بھی شناخت نہ تھی اور طرفہ یہ کہ پریس مین اس مطبع کے لیے مخصوص بھی نہیں ہیں۔ نور احمد مالک مطبع ریاض الہند ہے اور شمشاد علی اس کا پریس مین اسماعیل کا نام مطبع انوار احمدیہ اور البدر کی چھپی ہوئی کتابوں پر بھی موجود ہے۔

درج ہیں یعنی نوراحمد، اسماعیل، شمشادعلی پریس مین کے نام اس پر درج ہیں۔ میرے سنگ ساز نے اس پر کام کیا ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے کی نسبت تحفہ ندوہ اور کشتی نوح میں ذکر ہے۔ تحفۃ الندوہ کے صفحہ ۷ کے حاشیہ پر یہ ذکر ہے اور کشتی نوح کے صفحہ ۵۶ پر بھی اس کا ذکر ہے یعنی حاشیہ پر ذکر ہے۔ ان ہی دو کتابوں کی بناء پر مولوی کرم دین نے مجھ پر دعوی فوجداری جہلم میں کیا تھا جس کا ذکر تحفۃ الندوہ صفحہ ۷ اور صفحہ ۵۶ کشتی نوح پر ہے یعنی جن عبارتوں کی بنا پر یہ دعوی اس نے کیا تھا، وہ صفحہ ۶ تحفۃ الندوہ اور صفحہ ۵۶ کشتی نوح پر درج ہیں۔ تحفۃ الندوہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا اور کشتی نوح ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار کے صفحہ ۷ پر جو مضمون کرم دین کا چھپا ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ تا کہ ''مرزا جی کی وہ تصنیف بھی شائع ہو لے جس میں وہ اپنی فتح کا اعلان کرنے والے ہیں۔'' یہ مفصل نزول المسیح میں ہے جب یہ کتاب چھپنی بند کی گئی تو اپنے قبضہ میں رکھ لی یعنی اپنے دفتر میں رکھ دی۔ کتاب مدخلہ ملزم بمقدمہ جرم ۴۲۰ کے صفحہ ۷۳ تا ۸۸ تک اس کتاب کے صفحہ ۷۳ سے ۸۸ تک جو ہم نے داخل کیے ہیں مختلف ہیں۔ یہ صفحے جو ان کے پیش کردہ کتاب کے تھے وہ بھی ہماری ملکیت ہے۔ مصنف صاحب کو خاص غرض تھی کہ یہ صفحے جو کتاب پیش کردہ ملزم کے تھے شائع نہ ہوں اور ان کی ترمیم کرنے کی غرض تھی۔ چنانچہ ان کی ترمیم ان صفحات میں ہے جو ہم نے پیش کیے ہیں اور ان کے شائع کرنے کی منشا تھی اوراق پی نمبر ا کو ہم شائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے عوض پی نمبر ۲ اوراق ہم شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس دفتر سے لا کر یہ دونوں اوراق ہم نے پیش کیے تھے اس کے شائع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر نام (۱) مطبع کا ہو، مقام

(۱) قانوناً گو ان باتوں کا ہونا ضروری ہو لیکن احمدی جماعت اس قانون کی پابند نہیں ہے۔ کتب ذیل مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس پر نام مالک مطبع درج نہیں ہے۔ ست بچن کا تھوڑا سا حصہ۔ جلسہ احباب، اشتہار واجب الاظہار، رسالہ انجام آتھم اور رسالہ انما الاعمال بالنیات پر مقام مطبع نہیں۔ رسالہ الحق پر نہ نام مطبع نہ نام مالک مطبع نہ جائے مطبع ہے۔ (یہ سب رسالے شامل مسل ہو چکے ہیں)

مطبع کا ہو نام مالک کا ہومگر کتاب پیش کردہ ملزم میں نہیں ہے اور نہ اس کتاب میں ہے جو ہم نے پیش کی ہے اگر یہ ضروریات نہ ہوں تو ہم (۱) قانوناً اس کو شائع نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ میں اس کی کاپی آج تک کوئی نہیں بھیجی، شائع ہونے سے ایک مہینے کے اندر اندر گورنمنٹ میں ایک کاپی بھیجنا فرض ہے۔

جب یہ کتاب چھپ رہی تھی اور میں بھیں سے واپس آیا تھا اس وقت میں بیمار تھا اور ایک ماہ کے قریب بیمار رہا اور میری جگہ خلیفہ نور دین کام کرتا رہا۔ میں نے یہ کتاب آج تک شائع نہیں کی۔ ملزم نے مجھ کو کہا تھا کہ بمقام بھیں آنا میں گیا تھا کہ جب یہ کتاب شائع ہو جاوے تو مجھ کو ایک جلد اس کی دینا اور خط مشمولہ مسل جرم ۴۲۰ تعزیرات ہند میں ہے اس نے طلب کی تھی۔ یہ کتاب اس کو نہیں بھیجی گئی کیونکہ شائع نہیں ہوئی۔ کسی کارندہ کو بھی کسی نسخہ کو لینے کی یا کسی اور کو دینے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک ورق تک بھی لینے دینے کی اجازت نہیں ہے اگر لے جائے تو وہ چور ہے۔ بہت سے ایسے دوست ہیں جن کی یہ درخواست ہے کہ جب کوئی کتاب شائع ہو اس وقت بلا درخواست ہمارے وہ کتاب بھیج دیا کرو مثلاً منشی تاج الدین اور حکیم محمد حسین قریشی اب میرالین دین محمد حسین قریشی سے ہے۔ میں نے اپنی کتابوں کی گنتی خود تو نہیں کی۔ اپنے آدمیوں کی معرفت کرائی ہے، نتیجہ یہ نکلا اس میں ۷۴ کتابیں کم ہیں۔ (۲) استغاثہ ہذا دائر کرنے کے بعد گنتی ہوئی تھی تا کہ معلوم ہو جاوے کہ کس قدر کتابیں کم ہوئی تھیں۔ ایک جزو میں ۱۶ صفحے ہوتے ہیں۔

جرح:

میں مطبع ضیاء الاسلام کا مالک ہوں۔ ۱۸۹۵ء سے مالک ہوں (۳) یہ مطبع

---

(۱) تو پھر جن کتب پر ان ضروریات کی پرواہ نہیں کی گئی (جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) ضیاء الاسلام پریس کے مالک نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے کیا گورنمنٹ توجہ فرماوے گی۔

(۲) پھر ان ۷۴ کتابوں کی نسبت نہ تو تھانہ میں رپٹ ہوئی نہ تفتیش کرائی گئی کیوں جی یہ تساہل کیوں ہوا۔ (کوئی بات بھی ہو)

(۳) جو مرزا صاحب کا بیان ۱۸۹۸ء کو مقدمہ انکم ٹیکس میں روبروئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر……

۱۸۹۵ء سے جاری ہے پہلے جاری نہیں تھا۔ مطبع کے ملازموں کی فہرست نہیں ہے جب سے مطبع جاری ہوا ہے وہی تین آدمی آج تک ہیں یعنی اسماعیل (۱) پریس مین احمد کل کش اور امام دین کل کش۔ یہ یہ کل کام کرتے ہیں۔ کاتب ہمیشہ نوکر نہیں ہوتا۔ پہلے منظور احمد بھی لکھتا رہا کبھی پیر سراج الحق بھی لکھتا رہا۔ اب ضرورت کے وقت غلام محمد کو بلایا گیا تھا۔ ان سب آدمیوں کی مزدوری ۷۰۰ کاپی کی مزدوری ہوتی ہے پس ہر ایک کا کام اپنی اپنی تنخواہ میں ۷۰۰ کاپی کا نکالنا ہوتا ہے۔ پریس مین کی تنخواہ پہلے ۱۲ روپیہ ہے اور ۲۰ روپیہ قریباً ایک سال سے ۔۔۔ ہے۔ کل کشوں کی تنخواہ ۳/۳ روز تھی اور اب صہ صہ ماہوار ہے۔ یہ بھی قریب ایک سال سے ہے۔ (۲)

مرزا صاحب کا اپنا مطبع کوئی نہیں ہے۔ چندے سے کوئی مطبع نہیں چلتا۔ مرزا

(حاشیہ گذشتہ صفحہ......) تحصیل دار بٹالہ ہوا، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ اس بیان مستغیث کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ مطبع کی آمدنی واخراجات تنخواہ ملازمین وغیرہ سب کچھ مرزا جی نے اس بیان میں اپنا بتایا ہے اور مولوی عبدالکریم مستغیث کے پیر بھائی نے تو بمقدمہ ۱۴۱۷ اپنے حلفی بیان میں صاف طور پر لکھا دیا ہے کہ حکیم صاحب پانچ سال سے اس مطبع کے مالک ہیں۔ پہلے مرزا صاحب اس مطبع کے مالک تھے دیکھو بیان عبدالکریم صفحہ ۳۱۔ پھر حکیم جی کا یہ کہنا کہ ۱۸۹۵ء سے اس مطبع کے وہی مالک ہیں ان دو معتبر شہادتوں (بیانات مرزا جی و عبدالکریم) سے صاف جھوٹ ہے۔ راست گوئی نمبر ۷

(۱) یہ غلط ہے اس مطبع پر مختلف پریس مین کام کرتے رہے ہیں چنانچہ رسالہ ست بچن کا تھوڑا سا حصہ پر حافظ محمد دین پریس مین کا نام درج ہے۔ درخواست پر غلام مولیٰ کا۔ رسالہ انجام آتھم پر رمضان بخش کا۔ دوم مرزا صاحب کے بیان متعلق انکم ٹیکس میں ضیاء الاسلام پریس کے ملازم علاوہ کاتب کے پانچ بیان ہوئے ہیں اور حکیم جی تین بیان کرتے ہیں تو پھر حکیم جی کے اس بیان میں دو غلط بیانیاں ہیں۔ ایک تعداد ملازمین میں اور دوسری پریس مین کی تخصیص میں۔ اس لیے یہاں دو نمبر راست گوئی کے بڑھ گئے۔ راست گوئی نمبر ۸ و نمبر ۹

(۲) ملازمین کی تنخواہ بیان کرنے میں بھی حکیم جی اپنے مرشد جی کے برخلاف ہیں۔ حکیم جی نے لکھایا کہ پریس مین کی تنخواہ ۱۲ تھی اور اب ۲۰ ہے لیکن مرزا صاحب نے پریس مین کی تنخواہ پہلے ۸ لکھائی ہے۔ کل کشوں کی تنخواہ حکیم جی پانچ پانچ روپیہ ماہوار لکھاتے ہیں، مرزا جی ۶۔ بہرحال دونوں بیانوں میں سے ایک تو ضرور جھوٹا ہے۔ اُمید ہے کہ حکیم جی مرشد کے بیان کو تو جھوٹا قرار نہیں دیں گے بلکہ بمقابلہ ان کے اپنے بیان کو غلط مان لیں گے۔ راست گوئی نمبر ۱۰

صاحب اسی مطبع سے کام کرواتے ہیں۔

صرف تنخواہ یعنی اصل لاگت دے دیتے ہیں ان سے منافع نہیں لیا جاتا۔ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ میں نے کبھی مریدوں میں تحریک کی ہووے کہ چندے پر مطبع جاری کیا جاوے جو کچھ مرزا صاحب لکھتے ہیں وہ سب صحیح ہے۔

میری (۱) تحریک پر شاخیں چندے کی قائم کی گئیں جس میں سے ایک شاخ چندے کی مطبع کے لیے ہے۔ تیرہ چوداں برس کی بات ہے شیخ نور احمد کو اگست ۱۹۰۲ء میں بلایا گیا۔ شاید (۲) نصف اگست کے قریب بلایا گیا ہوگا۔ جب یہ آئے تو تین پریس ہو گئے، میرے بھی تین پریس ہو گئے۔ اس مطبع کا کوئی حساب کتاب ایسا نہیں ہے جس سے منافع یا نقصان نکالا جاوے اگر کسی کو کوئی کتاب دی تو اس کی یادداشت لکھ لی، اکثر نقد پر سودا ہوتا ہے۔ مصالحہ و کاغذ (۳) وغیرہ کی خرید و فروخت کا حساب نہیں ہے اور نہ تنخواہوں کا کوئی حساب ہے۔ یادداشت کے طور پر کچھ لکھ لیا۔ کاپی کے طور پر بنا لیا اور اس پر یادداشت لکھتے رہے۔ اس وقت کی کوئی کاپی کوئی ہو تو ہو۔ پہلے کی کوئی کاپی موجود نہیں ہے یہ کاپی جواب جاری ہے اس کی تاریخ شروع ہونے کی یاد نہیں ہے۔ نور احمد پریس مین تھا۔ نور احمد کا پریس ہمارا پریس ہو گیا تھا۔ نور احمد اپنے ساتھ شمشاد علی پریس مین کو لایا تھا وہ دو ڈھائی مہینے کام کرتے رہے۔ میری طرف سے خلیفہ نور دین حسب طلب پریس مین اجرت مجھ سے لے کر دیتا رہا۔ میرے متعلق میرے سے اجرت لے کر دیتا رہا اور مرزا صاحب کے متعلق مرزا صاحب سے لے کر دیتا رہا۔ نور احمد مطبع ریاض ہند کا مالک ہے۔

---

(۱) پہلے تو تحریک چندہ حافظہ سے اُتر گیا لیکن مرزا جی کی تصنیف میں جب اس کا ذکر دکھایا گیا تو پھر ماننا پڑا کہ ہاں تحریک کی تھی۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

(۲) شیخ نور احمد و خلیفہ نور دین گواہان نے نور احمد کا آنا ۷۔۱۸ اگست کو بیان کیا ہے پھر حکیم جی نصف اگست کو بیان کرنے میں غلط کہتے ہیں۔ راست گوئی نمبر ۱۱

(۳) مرزا صاحب کے بیان میں کاغذ کا حساب لگایا ہوا ہے اور سائز خرچ بھی بتا دیا گیا ہے۔ پھر حکیم جی کا یہ بیان بشہادت اپنے مرشد کے غلط ہوا۔ راست گوئی نمبر ۱۲

قادیان میں بھی اس کا مطبع رہا ہے۔ حضرت صاحب کی اجرت کا کوئی حساب نہیں ہے۔ حضرت صاحب کی دو ہزار کاپی جو چھاپی گئی وہ بھی ہمارے یہاں موجود ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ نزول المسیح پر کیا خرچ آیا ہوگا۔ یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ کتنے کے کاغذ بن گئے ہوں گے، ایک جزو کا خرچ ہوتا ہے۔ کتابت۔۔۔ کاغذ ۲۶ چھپوائی ۱۲۶ یہ خرچ ۲۹۰۰ کاپی کی ایک جزو کا ہے(۱) ۳۰۷ سے ۸۸ صفحے جو ترمیم کیے گئے ان کی ترمیم کی ضرورت معلوم نہیں کب پڑی۔ وجہ ترمیم کی مجھ کو معلوم نہیں۔ میں کب بیمار ہوا مجھ کو تاریخ معلوم نہیں ہے مگر میں ستمبر میں اچھا ہوا تھا۔ تاریخ یاد نہیں ہے۔ یہ ترمیم میری بیماری کی حالت میں ہوئی ہوگی۔ جب میں تندرست ہو کر گیا تو بھی مجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ ترمیم ہوئی یا نہیں ہوئی۔ جب کاغذ یعنی اوراق نکالے گئے اور رکھے گئے اس وقت میں موجود نہیں تھا۔ جب میں صحت یاب ہو کر مطبع میں گیا اس وقت میں نے خارج شدہ اوراق نہیں دیکھے اور نہ ان کی بابت اس وقت معلوم ہوا تھا اور جب معلوم ہوا اس وقت میں نے دیکھے مگر یہ تاریخ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ کب معلوم ہوا اور کب دیکھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک مہینہ یا دو مہینے یا چار مہینے یا چھ مہینے بعد صحت یاب ہونے کے میں نے خارج شدہ اوراق دیکھے۔

ساری کتابوں میں سے خارج شدہ اوراق نکالے گئے۔ خارج شدہ اوراق رڈی کیے گئے، جلائے (۲) گئے کچھ باقی رہ گئے۔ میں نے سنا ہے کہ جلائے گئے، میری غیر حاضری میں جلائے گئے، میری اجازت سے نہیں جلائے گئے۔ حضرت صاحب کی اجازت سے جلائے گئے۔ ۲۹۰۰ کاپی کے خارج شدہ

---

(۱) ہمارے خیال میں ۱۲۶ ایک جزو کی ۲۹ سو کی چھپائی ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔ اہل مطابع انصاف فرمائیں۔

(۲) یہاں پر کاغذات خارج شدہ کا رڈی کر کے جلا دینا بیان ہوتا ہے اور استغاثہ میں اپنے قبضہ میں محفوظ رکھنا لکھا چکے ہیں۔

اوراق سے بہت جلائے گئے چونکہ وہ مرشد ہیں اس واسطے انہوں نے جو اوراق جلا دیے یہ فعل ان کا مجھ کو منظور ہوگیا۔ میرے ملازم دفتر کے۔وہ قابل اعتبار ہیں۔خائن نہیں ہیں۔مجھ کو اس وقت تک بظاہران پر اعتبار ہے۔ مجھ کو علم نہیں ہے کہ کس نے وہ خارج شدہ اوراق جلائے اور کس کے سامنے جلائے گئے۔کل کاپیاں ملازمان کے حوالہ تھیں اب بھی ان کے پاس ہیں۔کوٹھری بھ مقفل تھی اور الماری بھی مقفل تھی۔(۱) چابی محافظ دفتر کے پاس رہتی ہے۔ اب محبوب عالم محافظ دفتر ایک مہینے سے کم عرصہ سے ہے۔ پہلے محمد شاہ محافظ دفتر تھا۔دو ڈھائی سال سے وہ محافظ دفتر تھا، چابی اس کے پاس رہتی تھی۔ نزول المسیح کا ضمیمہ اعجاز احمدی چھپایا ہے جو مضمون حضرت صاحب چھپنے کے لیے بھیجتے تھے وہ حضرت صاحب ہی کاپی نویس کو دے دیا کرتے تھے۔کاپی نویس کو کوٹھری دفتر کے نزدیک دی گئی ہے وہاں وہ کام کرتا تھا،اس کا نام غلام محمد ہے۔ پہلے کاتب اور تھا۔ جب غلام محمد آ گیا تو کل کا وہ کاتب رہا۔ ۴۰ صفحات (۲) یا اس کے بعد کا کاتب وہ تھا یعنی ۴۰ سے ۶۰ صفحے تک کا وہ کاتب تھا۔ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ حضرت صاحب نے کوئی اشعار فرمائے ہوں کہ نزول المسیح کے آخر پر لگائے جاویں۔ نہ یاد ہے کہ انہوں نے کوئی اشعار بنائے اور کتاب کے اخیر پر لگائے گئے۔صفحہ ۱۸۱ پر کچھ اشعار تھے کچھ اور اشعار فارسی ۱۷۳ پر تھے۔ میں جب تندرست ہوں تو شام کے دربار میں جایا کرتا ہوں۔ میرے سامنے مولوی عبدالکریم نے مرزا صاحب سے شام کے دربار میں

---

(۱) جب نوکر بھی اعتباری ہیں خائن نہیں اور کوٹھری بھی مقفل تو پھر کتاب کا سرقہ کس طرح ہوا۔ کیا جن اڑا لے گئے یا مستغاث علیہ نے اپنی کرامت سے کتاب مقفل الماری سے کھینچ لی حالانکہ قریباً دو سو میل سے زائد فاصلہ کا باشندہ ہے۔

(۲) حکیم جی ۴۰ صفحے کے بعد کا کاتب غلام محمد کو بیان کرتے ہیں اس سے اول دوسرا کاتب بیان ہوتا ہے لیکن نور احمد گواہ جو غلام محمد کے خط سے بخوبی واقف ہے (کیونکہ اس کے مطبع میں وہ کتابت کرتا رہا ہے) اول سے آخر تک غلام محمد ہی کا خط بیان کرتا ہے۔ اس واسطے بشہادت اپنے گواہ کے حکیم جی نے یہاں غلط بیان کی ہے۔ راست گوئی نمبر ۱۳

قصیدوں کی بابت دریافت نہیں کیا۔ صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۷ تک جو اشعار تھے وہ بطور مثنوی کے ہیں۔ ناصر شاہ حضرت کا ایک مرید ہے۔ چندہ میں اس کے لیے اس کتاب کے چھپنے کے لیے اس نے روپیہ دیا تھا۔ نزول المسیح کے چھپنے کے لیے کتنی دفعہ اس نے چندہ دیا، معلوم نہیں کیا چندہ دیا۔ سید ناصر شاہ کا یہ خط کہ میں نزول المسیح کا کل خرچ دوں گا جو الحکم میں چھپا ہے۔ اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حضرت صاحب (۱) نے دو ہزار کاپی مفت تقسیم کرنے کے لیے چھپوائیں، ان کا خرچ وہ ادا کرے گا۔

سوال: جو کتاب آپ چھاپیں اور آپ کے ساتھی چاہیں کہ جزو جزو جیسے چھپتی جاویں بھیجتے جاویں تو جزو جزو جوں جوں چھپتی جاویں آپ بھیجتے ہیں کہ نہیں۔

جواب: نہیں بھیجتے۔ جب تک اس پر قانونی کارروائی پوری نہ کرلیں۔

سوال: اربعین آپ نے چھاپی اور جوں جوں چھپتی گئی آپ بھیجتے گئے کہ نہیں۔

جواب: اربعین کی کتاب جزو جزو جیسے چھپتی گئی ویسے ہم بھیجتے گئے۔ اربعین اب ختم ہوگئی۔ نزول المسیح مدخلہ مستغیث ہے۔ ۱۲۳ نشان یعنی پیشین گوئی چھپ چکی تھی۔ اس کے بعد کا کوئی ورق ہمارے مطبع میں نہیں چھپا اور نہ کوئی ورق موجود ہے اور نہ کوئی مسودہ میرے پاس موجود ہے۔ اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ایک درست ہے۔ صفحہ ۳۳ پر جو لکھا ہے کہ ڈیڑھ سو پیشین گوئی میں نے نزول المسیح میں لکھی ہے درست ہے۔ اعجاز الاحمدیہ کے صفحہ ۳۹ سے ۸۷ تک قصیدہ چھپے ہوئے تھے یہ ایک ہی قصیدہ ہے جو قصیدے نزول المسیح کے اخیر پر چھپتے تھے وہ قصیدے تھے۔ یہ قصیدہ جو اعجاز الاحمدیہ میں چھپا ہے خاص موقع کا ہے۔ پہلا دفتری خود ہماری ملازمت چھوڑ گیا تھا اس کا نام محمد شاہ تھا اس کی جگہ ارادت حسین آیا تھا اس نے اس سے چارج بھی لیا تھا دو مہینے کے

---

(۱) سید ناصر شاہ کے خط (جو الحکم ۱۰ اگست میں چھپا ہے) میں صاف لکھا ہے کہ اس کتاب کا کل خرچ وہ اپنے ذمے لیتا ہے ایسا ہی ایڈیٹر الحکم نے بھی لکھا۔ پھر حکیم جی کی یہ تخصیص غلط ہے جس پر اخبار مذکور خصوصاً خط سید ناصر شاہ شاہد ہے۔ راست گوئی نمبر ۱۴

بعد ارادت حسین چلا گیا، بیمار ہو کر چلا گیا۔ محبوب عالم نے ارادت حسین سے چارج لیا۔ سب گن (۱) کر چارج لیتے رہے۔ ارادت حسین چابی دے کر چلا گیا تھا۔ مولوی نوردین صاحب کو چابی دے کر چلا گیا تھا۔ مولوی نوردین نے اسباب کی پڑتال کی کہ نہیں۔ میں نے اس سے دریافت نہیں کیا۔

ارادت حسین (۲) کو گئے دو مہینے سے کم اور ایک مہینے سے زیادہ عرصہ ہوا۔ وہ تنخواہ بھی چھوڑ کے چلا گیا اس کے لکھنے پر میں نے اس کی تنخواہ قطب الدین کو دے دی جب اب گنتی کی گئی اور ۴۷ کتابیں کم نکلیں اس کی تاریخ (۳) مجھ کو یاد

(۱) جبکہ دفتری اپنے تبدیل وتغیر کے وقت کتاب کو گن کر چارج لیتے رہے تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی کتاب سرقہ ہو جاتی تو شمار کے وقت معلوم ہو جاتی اور آخری چارج لینے والا محبوب عالم دفتری تھا جس کی نسبت مستغیث نے ۲۰ جولائی کو لکھایا کہ وہ ایک ماہ سے کم عرصہ سے ہے تو اگر ایک ماہ سے دو تین دن بھی کم مانے جائیں تو گویا ۲۵۔ ۲۶ جون کو محبوب عالم دفتری آیا اور اس نے گن کر چارج لیا اور اس وقت تک کوئی کتاب چوری نہیں ہوئی تھی حالانکہ کتاب متنازعہ ۲۲ جون کو عدالت میں پیش ہوئی تھی۔ پس مستغیث کے اپنے بیان نے اس کے دعویٰ سرقہ کتاب کو صاف جھوٹا کر دیا۔ سچ ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

(۲) ارادت حسین کا بیچ میں اضافہ کرنا مستغیث کے اپنے ہی بیان سے جھوٹا ہے۔ اول: کیونکہ ادھر وہ لکھاتا ہے کہ محبوب عالم نے ارادت حسین سے چارج لیا اور کہ محبوب عالم ایک ماہ سے کم عرصہ سے ہے اور ادھر ارادت حسین کو گئے دو مہینے سے کم اور ایک مہینے سے زیادہ عرصہ بیان کرتا ہے۔ ایک مہینے سے کم اور دو مہینے سے کم ایک ماہ سے زیادہ میں تناقض فاحش ہے۔ دوم: پہلے صاف یہ کہتا ہے کہ محبوب عالم نے ارادت حسین سے چارج لیا پھر اس کے متصل ہی یہ کہتا ہے کہ ارادت حسین چابی دے کر چلا گیا تھا۔ مولوی نوردین صاحب کو چابی دے گیا تھا، عجیب گڑبڑ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد کے مقولہ کی خوب ہی تصدیق ہے۔ مرزائیو! مرزا صاحب کے مخلص حواری ان کے مختار عام اپنے پیر بھائی (حکیم فضل دین) کی اس رنگین بیانی کی ضرور داد دیجیے گا۔ سوم: خلیفہ نوردین اور کرم علی گواہان ارادت حسین کا ذکر تک نہیں کرتے بلکہ پہلے محمد شاہ کا ہونا اور اب محبوب عالم کا ہونا لکھاتے ہیں اور کرم علی بیچارہ تو اخیر پر محبوب عالم کو بھی رخصت کر دیتا ہے۔ مستغیث اور اس کے گواہان کی کوئی بات ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ راست گوئی نمبر ۱۵۔

(۳) تاریخ تب یاد ہو کہ کوئی واقعہ ہو بھی۔ سب فرضی قصہ معلوم ہوتا ہے اگر ۴۷ کتابیں کم تھیں تو تعجب ہے کہ ایک کتاب کے بدلے اتنی دوہائی مچی ہے اور ۴۶ کتابوں کے متعلق کچھ بھی فکر نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ رپٹ تک کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

نہیں ہے۔ میں نے تھانہ میں رپورٹ نہیں دی اور نہ تحقیقات کرائی۔ میں نے کسی پر باقی ۴۶ کتابوں کی بابت شبہ نہیں کیا۔ کوئی ہمارا دوست قادیان میں غیر مکمل کتاب ہم سے نہیں لیتا۔ نوردین صاحب محمد یعقوب صاحب بھی نہیں لیتے (۱)۔ الحکم ۱۷ستمبر ۱۹۰۲ء میں جو مضمون بہ صفحہ ۳،۴ پر چھپا ہے وہ ہے۔ جو نزول المسیح کے صفحہ ۷۲ پر درج ہے۔ یہ مضمون جو صفحہ ۶۷ نزول المسیح سے شروع ہوا وہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۳ء کو لکھا گیا۔ جہاں ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار میں جس نصف کے شائع ہونے کا ذکر اس کے چھوٹے بڑے ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اخبار جعفر زٹلی میں بہت کم پڑھتا ہوں۔ یہ پرچہ ۵ مارچ ۱۹۰۳ء کا جعفر زٹلی ہے۔ اس اخبار میں نزول المسیح کے صفحہ ۷۳ تک کے اعتراضات اور حوالے ہیں (۲)۔ مرزا صاحب پر جب ٹیکس لگایا گیا۔ میں پیروکار مرزا صاحب کی طرف سے تھا، میرا بیان بھی ہوا ہوگا مجھ کو یاد نہیں ہے۔ مولوی نور دین اور مولوی عبدالکریم کے بیان بھی ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو خیال پڑتا ہے کہ مرزا صاحب کا بیان ہوا تھا مطبع کے خرچ کی بابت جو بیان مرزا صاحب کا بمقدمہ انکم ٹیکس ہوا اور جس کی نقل مجھ کو دکھائی گئی ہے، درست ہے۔ یہ بیان اسی چھاپہ خانہ ضیاء الاسلام کی نسبت ہے۔ جو سال بھر کا خسارہ انہوں نے بیان میں دکھایا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ جس سال کل کام چھاپے خانہ میں مرزا صاحب کا ہوتا ہے۔ اس سال میں خسارہ بھی ان کا ہی ہوتا ہے۔ جس کل سال میں مرزا صاحب کا کام چھپے، مہتمم اور مالک مطبع میں ہی رہتا ہوں۔

سوال: کوئی سال بتا سکتے ہیں۔ جب کل سال چھاپے خانہ میں مرزا صاحب کا ہی کام ہوتا رہا ہو۔

---

(۱) تو جب نزول المسیح بقول مستغیث محمد یعقوب کو بھی نہیں ملی تو اس کا مضمون اس نے بعینہ الحکم ۱۷ستمبر میں کیونکر نقل کر دیا۔

(۲) پھر اس اخبار والا (جعفر زٹلی) سچ مچ الہامی ہے کہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی اور اس نے صفحہ ۷۳ تک کی تردید پہلے ہی چھاپ دی اور طرفہ یہ کہ اخبار والے سے کوئی شکایت نہیں کی گئی کہ میاں تم سارق ہو ہماری کتاب غیر شائع شدہ کے مضامین کہاں سے اُڑا لیے ہیں۔

جواب: جب مطبع شروع ہوا۔ دو تین سال تک ان کا ہی کام چھپتا رہا(۱)۔ میرا کوئی کام ذاتی نہیں چھپا۔ مجھ کو ایسا ہی یاد پڑتا ہے۔ ۱۸۹۸ء میں مجھ کو کوئی کام اپنا یاد نہیں ہے جو اس چھاپہ خانہ میں چھپا۔ ۱۹۰۱ء میں اور بعد میرا کام چھپنا شروع ہوگیا۔ ساتھ ان کے کام کے اور ان کے درمیانی سالوں کی بابت بھی بیان نہیں کرسکتا۔ مطبع کے نام پر اب کوئی چندہ نہیں رہا۔ شاید کوئی رقم ہو تو ہو جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ بمقدمہ مظہر بنام کرم دین جرم ۴۲۰ تعزیرات ہند مجھ کو یہی کتاب نزول المسیح جس کی نسبت یہ استغاثہ ہے دکھلائی گئی۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ یہ کتاب میری ہے اور میرے مطبع کی ہے۔

سوال: کیا آپ نے یہ لکھایا تھا کہ نہیں۔ کتاب نزول المسیح جو ملزم نے پیش کی ہے اور جس پر نشان اے کا ہے اس کا پہلا ورق ہمارے مطبع کا چھپا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ باقی اوراق کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مطبع کے چھپی ہوئی ہے کہ نہیں۔

جواب: میں نے یہ لکھایا تھا۔

سوال: پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کتاب آپ کی ہے کہ نہیں جو ملزم کی طرف سے پیش ہوئی تو آپ نے یہ جواب لکھایا تھا کہ نہیں جو صفحہ ۶ پر ہے۔

جواب: مجھ سے یہ سوال نہیں کیا گیا تھا کہ یہ کتاب آپ کی ہے کہ نہیں مگر میرا جواب یہ تھا جو میرے بیان کے صفحہ ۶ پر درج ہے۔ یہ جواب میں نے کتاب کو اور خط کو دیکھ کر لکھایا تھا۔ حیرت اور گھبراہٹ میں آکر یہ جواب لکھایا تھا(۲)۔

---

(۱) ادھر مطبع کے شروع ہونے (۱۸۹۵ء) سے بعد دو تین سال تک مرزا صاحب کا کام چھپتے رہنا بیان ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کے آگے یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۱ء کے بعد میرا کام چھپنا شروع ہوا۔ (جس سے چھ سال تک مرزا صاحب کا ہی کام چھپتے رہنا معلوم ہوتا ہے) تین سال اور چھ سال ہیں دو چند کی تفاوت ہے۔ دونوں باتیں تو سچی نہیں ہوسکتیں ایک ضرور غلط ہے۔ راست گوئی نمبر ۱۶

(۲) آپ کوئی انجان لڑکے تو نہیں تھے کہ عدالت کا منہ دیکھ کر گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ آپ تو ماشاء اللہ بوڑھے تجربہ کار ہیں اور مرزا صاحب کی طرف سے مقدمہ بازی کا مختار نامہ عام آپ نے لیا ہوا ہے۔ کیا ایسے رکیک عذرات سے کام چل سکتا ہے۔

مقام اور نام مطبع ٹائٹل پیج پر چھاپے جاتے ہیں۔ یہ قانونی حکم ہے ہم عمل میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ ٹائٹل پیج اخیر پر چھاپا جاتا ہے جب کتاب مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عموماً تاریخ اسی پر ہوا کرتی ہے۔ نزول المسیح کا ٹائٹل پیج اب تک نہیں چھپا۔ جلسہ احباب بہ تقریب جشن جوبلی بغرض دعا وشکر گزاری وغیرہ بطور اشتہار چھپیں۔ اس واسطے اس پر ٹائٹل پیج نہیں ہے۔

سوال: اس کتاب الحق پر کوئی ٹائٹل پیج ہے۔

جواب: اس وقت مجھ کو یاد نہیں ہے کہ یہ کتاب بلا ٹائٹل پیج چھپی یا بطور اشتہار کے شائع ہوئی یا میری غیر حاضری میں چھپی یا اس کا ٹائٹل پیج گم ہو گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہمارے مطبع میں بھی چھپی ہے کہ نہیں۔

سوال: کیا یہ کتاب الحق منظور محمد کی لکھی ہوئی ہے کہ نہیں۔

جواب: اس کتاب کا خط منظور محمد کے خط سے ملتا جلتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خط اس کا ہے کیونکہ یہ کتاب ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی نہیں ہے اور نہ اس پر پریس مین کا نام ہے۔

سوال: اب آپ نے کون سے نشان دیکھے جس سے آپ نے کہا کہ نزول المسیح پیش کردہ ملزم ہماری ہے۔

جواب: اول پریس مینوں (۱) کا نام اس پر دیکھا۔ دوسرا: اپنے کاتبوں کے دستخط دیکھے۔ تیسرا: کاغذ اس کتاب سے ملتا جلتا دیکھا۔ کتاب جو ہم نے پیش کی ہے، اس سے مقابلہ کیا۔ کاغذ عام دنیا میں ملتے ہیں۔ پریس مین اور کاتب بھی دوسرے مطبعوں میں چلے جاتے ہیں اور ہم نام بھی ہوتے ہیں۔

سوالات مکرر فریق اول

بعض عظیم الشان کتابیں ہوتی ہیں اور ان کے شائع ہونے میں کسی وجہ سے کچھ

---

(۱) ۲۲ اور ۲۳ جون کو پریس مینوں کے نام کاتبوں کے خط کاغذ کا ملنا جلنا خیال شریف میں نہ آیا حالانکہ بروز روشن کتاب غور سے دیکھ لی تھی اور اب سب کچھ نظر آنے لگا۔

توقف ہوتا ہے۔اوراور اُمور پیش آجاتے ہیں جس کا جلدی شائع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تو اس وقت وہ بھی امور پیش آمدہ کو بطور ضمیمہ اسی کتاب کے طبع کرایا جاتا ہے اوران کی یعنی ان ضمیموں کی تعداد اس اصل کتاب کی تعداد سے زیادہ بھی ہوتی ہے۔سردست شائع کرنے کے لیے اس کی نظیر تریاق القلوب ہے جس کی تاریخ طبع ۲۸ اکتوبر۱۹۰۲ء ہے اور تعداد اشاعت تریاق القلوب ۷۰۰ ہے مگراس کا ضمیمہ نمبر۴، ۲۲ اکتوبر ۱۸۹۹ء کا ہے اور تعداد اشاعت اس کی ۱۰۰۰ ہے۔ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵، ۵ نومبر ۱۸۹۹ کا شائع شدہ ہے اور تعداد اشاعت ۳۰۰۰ ہے۔مسیح ہندوستان بھی ابھی شائع نہیں ہوئی مگراس کا حوالہ تریاق القلوب میں دوجگہ دیا گیا ہے۔صفحہ ۹، صفحہ ۲۱ پر۔فہرست کتب خانہ مسیح ہندوستان میں زیرطبع کتابوں کے یہ بھی درج ہے۔اربعین سے مراد چالیس اشتہار ہے۔ ہرایک اشتہار الگ الگ چیز ہوتی ہے۔۲۶ جولائی جونزول المسیح میں لکھی ہے وہ مسودہ کی تاریخ ہے۔جعفرزٹلی میں ہمارے مخالف مضمون شائع ہوتے ہیں۔جعفرزٹلی کوملزم کے خاندان سے تعلق ہے۔

(کتاب پڑھ کر) الحق کو مسیح مسعود کی جماعت لاہوروالی نے اشتہار کے طور پر دوبارہ چھپوائی ہے۔کشتی نوح کے صفحہ ۵۶ کے حاشیہ پراس فتح کا اشارہ ہے اور اور کی تصنیف کے لیے نزول المسیح کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ عن قریب شائع ہونے والی ہے۔صفحہ ۹ دونوں نزول المسیح کے بالکل ملتے ہیں۔

۲۰ جولائی ۱۹۰۳ء

العبدفضل دین حکیم بقلم خود

گواہ نے بیان سن کرتسلیم کیااوردستخط کیے۔

دستخط حاکم

نقل بیان گواہ استغاثہ باقرار صالح

فریقین مع وکیل مستغیث حاضر ہیں، وکیل ملزم بھی حاضر ہے۔

خلیفہ نورالدین ولد عبداللہ ذات غوری سکنہ جموں

پیشہ تجارت عمر ۵۲ سال

میں مرزا صاحب کا مرید ہوں، میں قادیان میں اکثر آیا کرتا ہوں، دو دو چار چار بعض وقت چھ چھ ماہ رہتا ہوں۔ جب نزول المسیح چھپ رہی تھی میں قادیان میں تھا اس کی چھپائی کا انتظام میرے ذمہ تھا۔ حکیم فضل دین بیمار تھے اور میں کل کام ان کا کرتا تھا۔ میرے آنے سے پہلے یہ کتاب چھپ رہی تھی اس کی وجہ مرزا صاحب کا حکم ہوا کہ دو ہزار کاپی اور ہمارے لیے چھاپی جاوے۔ یہ حکم حکیم فضل دین کو دیا تھا چونکہ دو ہزار کاپی کے لیے ایک پریس مین کافی نہیں تھا اس لیے شیخ نور احمد مالک مطبع ریاض ہند امرت سر کو بلایا گیا، تین کلیں جاری کی گئیں ایک کل نور احمد کی، ایک پہلے سے موجود ہے، ایک ناقص کل ہمارے پاس پڑی ہوئی تھی۔ اس کو مرمت کرا کر جاری کیا گیا اس لیے ۲۱۰۰ کاپی کے چھاپنے کی تجویز کی گئی کیونکہ جو کچھ خرچ ۲۱۰۰ پر چھپائی کا آتا تھا وہی دو ہزار پر ہونا تھا۔ ۲۱۰۰ کی تقسیم یہ ہوئی۔ دو ہزار مرزا صاحب کی تھی سو حکیم صاحب کی تھی اور آٹھ سو پہلے سے حکیم صاحب کی چھپ رہی تھی گویا کل ۲۹۰۰ چھاپنے کا انتظام ہوا۔ اس کے چھاپنے والے شیخ نور احمد مرزا اسمٰعیل اور شمشاد علی تھے۔ یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی۔ ۲۴۰ صفحہ تک چھپی اور اکتوبر کے مہینے میں بند ہو گئی۔ مسودہ لکھنا بالکل بند ہو گیا تھا ہمارے مطبع میں اٹھارہ پتھر ہیں یعنی اس مطبع میں جس کے مالک حکیم فضل الدین صاحب ہیں اور ان کے جابجا میں کام کرتا ہوں جو کچھ اس کتاب کا اس وقت چھپ چکا تھا اس کو مقفل بند رکھ دیا گیا اس کتاب کی ترمیم ہوئی تھی۔ دو فرمیں اس کے جو پہلے چھپے تھے یعنی صفحہ ۸۸۔۳۔۷ تک وہ مرزا صاحب کے حکم سے دوبارہ لکھائے گئے اور دوبارہ چھپائے گئے۔ بعد کچھ ترمیم کے پی نمبر ا پہلے چھپی ہے اور پی نمبر ۲ بعد ترمیم کے چھپی تھی۔ یہ کتاب جب بند کی گئی شائع نہیں کی گئی۔

نہ اپنوں میں نہ بیگانوں میں اور نہ سرکار میں کاپی بھیجی گئی۔ کتاب اے نمبرا پیش کردہ ملزم بمقدمہ ۴۲۰ تعزیرات ہند مابین فریقین وہ ہے جو میں نے چھپوائی تھی اور اس میں صفحہ ۸۸۔۷۷ تک وہ ہیں جو ترمیم نہیں ہوئی۔ اس پر تینوں پریس مینوں کے نام ہیں۔ مطبع کے کسی آدمی کو کاپی نکالنے کا اختیار نہیں ہے۔ صفحہ ۸۹ سے ۱۰۴ تک میں نے دونوں کتابوں کا مقابلہ کیا ہے دونوں کتابیں ملتی ہیں۔ اس کتاب کا پروف میں نے بھی دیکھا ہے اور مفتی محمد صادق صاحب دیکھتے تھے اور کبھی درمیان میں ضرورت کے وقت مولوی مبارک علی دیکھتے تھے۔ مرزا(۱) صاحب سے پہلے دیکھتے تھے۔ اس حیثیت میں جس میں کہ اے نمبرا ہے کبھی کوئی کتاب مطبع سے شائع نہیں ہوئی۔ کل کتاب جس قدر چھپ چکی تھی اور مقفل بند کی گئی تھی۔ محمد شاہ تحویلیار کے قبضہ میں رہی۔ اب آکر میں نے دیکھا ہے کہ محمد شاہ نہیں ہے اس کی جگہ محبوب عالم کام کرتا ہے۔

جرح:

میرا نام مشہور خلیفہ نور دین ہے۔ پہلے جموں میں بھی میں نے مطبع کا انتظام کیا ہے جو مطبع سرکاری ہے، مطبع سرکاری میں کتابیں چھپواتا رہا۔ کتاب چھپوائی تھی جو کام کرنا پڑتا ہے وہ کام بھی کرتا رہا۔ اس مطبع ضیاء الاسلام میں پہلے بھی کام کیا تھا مثلاً پروف دیکھ لیے۔ پریس مینوں کی نگرانی کر لی جس طرح سے اب میں نے اہتمام کیا ہے اس طرح سے پہلے مستقل طور پر میں نے نہیں کیا۔ مطبع ضیاء الاسلام میں میری شراکت نہیں ہے نزول المسیح ماہ اگست (۲) ۱۹۰۲ء میں

(۱) جب مرزا صاحب سب سے اول پروف دیکھ لیا کرتے تھے تو پھر نور دین، محمد صادق، مبارک علی کے دیکھنے کی کیونکر ضرورت رہتی تھی کیا مرزا صاحب کی تصحیح ناقص اور نا معتبر تھی۔

(۲) نزول المسیح کی چھپائی کے شروع میں گواہان استغاثہ کا تناقض ہے یہ گواہ (نور دین) ماہ اگست میں شروع ہونا بیان کرتا ہے۔ محمد صادق گواہ سال کی شروع سہ ماہی (یعنی جنوری، فروری، مارچ) میں کرم علی گواہ جولائی میں۔ مستغیث شروع کے زمانہ سے لاعلمی بیان کرتا ہے۔ والاختلاف دلیل الکذب۔ گواہ صاحب کی راست گوئی کا یہ نمبر اول سمجھیں۔

چھپنی شروع ہوئی۔ آٹھ سو میرے آنے سے پہلے چھپ رہی تھی۔ میں شروع اگست میں آیا تھا۔ ۴۰ صفحے کے قریب میرے آنے سے پہلے چھپ چکی تھی میرے آنے کے بعد پھر اول صفحے سے نئی کاپی لکھائی گئی اور چھاپنی شروع ہوئی۔ شیخ نور احمد میرے آنے کے بعد اول ہفتہ اگست میں آئے (۱) اور ۷۔۸ اگست کو انہوں نے کام شروع کیا۔ شیخ نور احمد میرے ساتھ ہی آئے تھے۔ (۲) جس روز ہم قادیان میں پہنچے تھے اسی دن حکیم فضل دین جانے کو تیار تھے۔ یہ پتہ نہیں اسی دن چلے گئے یا دوسرے دن مگر وہ چلے گئے تھے۔ جاتے وقت جتنا انتظام میرے سپرد کر گئے تھے وہ مجھ کو معلوم ہے باقی انتظام معلوم نہیں کس کے سپرد کر گئے تھے۔ شیخ نور احمد جب میرے ساتھ امرت سر سے آئے تھے اس روز پریس (۳) کو کوئی اسباب ساتھ نہیں لائے تھے اس کے بعد کل آئی تھی گڈے والا لایا تھا یاد نہیں کتنے دن کے بعد لایا تھا۔ پہلی موجودہ کل پر شیخ نور احمد نے کام شروع نہیں کیا تھا۔ دوسری کل جو نور احمد لایا تھا اس پر شیخ نور احمد

---

(۱) گواہ کا یہ بیان قابل توجہ ناظرین ہے۔ یہاں تو کہتے ہیں شیخ نور احمد میرے آنے کے بعد اول ہفتہ اگست میں آئے پھر آگے ساتھ ہی کہتے ہیں شیخ نور احمد میرے ساتھ امرت سر سے آئے تھے۔ اب دونوں باتوں سے ایک تو ضرور جھوٹی ہے کیونکہ دونوں کا امرت سر سے اکٹھے آنا اور نور احمد کا گواہ کے آنے کے بعد اول ہفتہ اگست میں آنا اجتماع ضدین ہے حالانکہ نور احمد اپنے بیان میں نوردین گواہ کا امرت سر سے آنا تسلیم نہیں کرتا وہ کہتا ہے جب وہ قادیان آیا تو نوردین پہلے وہاں موجود تھا یہ گواہ کی راست گوئی نمبر ۲ ہے۔

(۲) گواہ صاحب کہتے ہیں کہ جب آپ اور نور احمد قادیان میں پہنچے حکیم فضل دین وہاں موجود تھے اور جانے کو تیار تھے لیکن نور احمد گواہ کہتا ہے کہ جب وہ قادیان میں آیا تو حکیم فضل دین قادیان میں نہیں تھے باہر گئے ہوئے تھے۔ دیکھو بیان نور احمد گواہ۔ تو بشہادت نور احمد گواہ کا یہ کہنا کہ جب وہ آیا تو حکیم فضل دین موجود تھا صاف جھوٹ ہے۔ راست گوئی نمبر ۳

(۳) گواہ صاحب کہتے ہیں کہ نور احمد اپنے ہمراہ پریس کا کوئی اسباب نہیں لائے تھے اور کل اس کے آنے کے بعد گڈی والا لایا تھا۔ یاد نہیں کتنے دن بعد لایا تھا لیکن نور احمد گواہ برخلاف اس کے اپنے بیان میں لکھاتا ہے کہ وہ اپنے ہمراہ ایک پریس مکمل لایا تھا مع سامان کے اور ایک پریس کا سامان لایا تھا دونوں باتوں میں سخت تعارض ہے۔ راست گوئی نمبر ۴

خود کام کرتا تھا اور شمشاد علی کرتا اور کل کش اس کے اپنے مزدور تھے۔ دونوں مشینوں پر ان کے چار آدمی کام کرتے تھے۔ رولیا (۱) اسفنجیا ہمارے یہاں کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔ کل کش بھی وہ کام کر لیتے تھے۔ شیخ نور احمد نزول المسیح کے چھاپنے پر تین مہینے کے اندر اندر کام کرتے رہے زیادہ نہیں۔ یعنی اگست ستمبر اکتوبر سے اندر اندر۔ حکیم فضل دین میرے ہوتے ہوئے آ گئے۔ یہ میں نہیں بتا سکتا کتنے روز کے بعد آ گئے۔

صفحہ ۸۸۔۳۔۷ تک حکیم فضل دین کے روبرو نہیں نکالے گئے جب یہ صفحے نکالے گئے مجھ کو علم نہیں ہے۔ حکیم فضل دین کہاں تھے مجھ کو تاریخ یاد نہیں ہے کہ کب یہ صفحے نکالے گئے۔ ساری کتابوں میں سے نکالے گئے وہ مرزا صاحب کے حکم سے جلائے گئے ان میں سے کچھ جلائے جانے سے رہ گئے۔ مرزا صاحب کے سامنے نہیں جلائے گئے۔ مرزا صاحب نے مجھ کو زبانی حکم جلانے کا دیا تھا جب چھاپنے سے یہ کتاب بند کی گئی تو کتب خانہ میں بند کی گئی۔ یہ کتب خانہ کی جگہ پریس (۲) کی جانب بشمال ہے اور ایک کوٹھری کتب خانہ کے بجانب شرق ہے۔ کتب خانہ کے واسطے یہ ہی دو کوٹھریاں ہیں۔ ایک کوٹھری میں اس کتاب کا ایک حصہ رکھا گیا، دوسری کوٹھری میں دوسرا حصہ وہاں اور بھی کتابیں تھیں۔

---

(۱) اگر مرزا جی کا بیان انکم ٹیکس والا سچا سمجھا جائے تو نور دین کا یہ کہنا کہ رولیا اسفنجیا علیحدہ نہیں کل کش ہی یہ دونوں کام کرتے ہیں غلط ہوگا کیونکہ مرزا جی کے رولیا اسفنجیا علیحدہ علیحدہ علاوہ کل کشوں کے لکھائے ہیں اور یہ محال ہے کہ رولیا کا کام کل کش کر سکے۔ اہل مطابع اس سے خوب آگاہ ہیں۔ راست گوئی نمبر ۵

(۲) یہ گواہ کتب خانہ جس میں نزول المسیح رکھی گئی۔ کا مکان پریس کی جنوبی وشمالی دو کوٹھریوں میں بیان کرتا ہے لیکن کرم علی گواہ اپنے بیان میں نزول المسیح کے رکھنے کی جگہ حکیم فضل دین کا دفتر قرار دیتا ہے جو مطبع سے الگ دوائی خانہ کے ساتھ ہے اور اس میں اور مطبع میں ایک کوٹھا کا فاصلہ بھی ہے اور کہ وہ صرف ایک کوٹھری ہے۔ پس نور دین کا دو کوٹھریاں مطبع کی شمالی جنوبی قرار دینا اور ایک کوٹھری میں ایک حصہ کتاب کا دوسری میں دوسرا حصہ ہونا بشہادت کرم علی گواہ کے غلط محض ہے۔ راست گوئی نمبر ۶

گٹھریوں (۱) میں یہ کتابیں باندھ کر رکھی گئی تھیں۔ نزول المسیح کی گٹھریوں کی تعداد بھی نہیں بتا سکتا۔

یاد نہیں ہے کہ جس وقت یہ کتاب کوٹھریوں میں بند کی گئی۔ حکیم فضل الدین موجود تھے کہ نہیں۔

اس وقت محمد شاہ ہی محافظ۔۔۔ تھا، وہ تنخواہ دار نوکر ہے معلوم نہیں ہے کہ اس کی کیا تنخواہ ہے۔ ایک ایک کتاب گن کر اس کے سپرد کی تھی۔ محمد شاہ میری موجودگی میں نہیں گیا۔

اے نمبرا- ان کتابوں سے ہے جو میں نے چھپوائی۔ ان آٹھ سو سے نہیں ہے جو میرے پہلے چھپی۔

فرق یہ ہے:

اول: اس کتاب کے پریس مین نہیں ہیں۔

دوم: اس کا کاغذ سارے ایک قسم کے کاغذ پر ہے۔

سوم: ساری ایک کاتب کی لکھی ہوئی ہے مگر اس کتاب میں جو میرے سے پہلے چھپی اس کے ۴۰ صفحے تک کا اور کاتب ہے اور اس سے آگے کا دوسرا کاتب۔

اس کا کاغذ قریباً سو صفحے تک بہت اچھا ہے اور اس کا ۴۰ صفحے تک پریس مین ایک ہے۔ یہ کاتب (۲) منظور محمد تھا جس نے ۴۰ صفحہ لکھے اور غلام محمد نے دوسرے نسخے کے کل صفحے لکھے۔

غلام محمد اور منظور محمد کے خط کو بھی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔

اے نمبرا نزول المسیح کا مالک فضل الدین ہے کیونکہ وہ مطبع کا مالک ہے جب تک وہ کتاب جو اس مطبع میں چھپے باہر نہ جاوے وہ ہی مالک ہوتا ہے۔ جو

---

(۱) کرم علی گواہ کہتا ہے کتابیں الماری میں نیچے رکھی ہوئی ہیں۔ پس نور دین گواہ کا گٹھڑیوں میں باندھ کر کتابیں رکھنا غلط بیانی ہوئی۔ راست گوئی نمبر ۷

(۲) یہ بیان بموجب بیان نور احمد گواہ کے غلط ہے کیونکہ اس نے اس کا کاتب غلام محمد ہی بیان کیا۔ راست گوئی نمبر ۸

کتاب (۱) مطبع ضیاء الاسلام میں چھپے۔ اس کے مالک حکم فضل الدین ہیں۔ مہتمم مطبع مالک مطبع ہوتا ہے۔ دوسرے مطبع کا مہتمم ضیاء الاسلام کے مطبع کا مہتمم نہیں ہوسکتا۔ فتح الاسلام پیش کردہ ملزم مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپا ہے جیسے شیخ نور احمد نے قادیان میں آ کر نزول المسیح چھاپا اسی طرح یہ فتح الاسلام چھاپی۔ معلوم نہیں اس کا کاتب کون ہے۔ فتح اسلام کے پیچھے ایک اشتہار کتابوں کا ہے۔ اس میں اس کی قیمت ۲/ لکھی ہے۔ توضیح مرام بھی فتح اسلام کی طرح چھپی ہے۔ ضیاء الاسلام کا اصلی پریس مین اسمٰعیل ہے۔ شیخ نور احمد کو ضرورت کے وقت لے آتے ہیں اس کے سوا اس مطبع میں اور پریس مین نہیں دیکھا۔ اسمٰعیل (۲) پریس مین تب دوسرے مطبع میں جا سکتا ہے جب وہ نوکری چھوڑ دیوے یا بذریعہ اقرار تبادلہ کر لیویں۔ البدر کا مطبع قادیان میں الگ ہے معلوم نہیں۔ اس کا پریس مین کون ہے مگر اس کا پریس مین اسمٰعیل

(۱) یہاں تو آزادی سے گواہ کہتا جاتا ہے کہ ضیاء الاسلام کی چھپی ہوئی کتابیں حکیم فضل دین ہی کی ملکیت ہوتی ہیں اور دوسرے مطبع کا مہتمم ضیاء الاسلام کا مہتمم نہیں ہوسکتا لیکن ساتھ ہی اس کے جب کتاب فتح اسلام و توضیح مرام جرح میں پیش کی گئیں جو باوجود ضیاء الاسلام پریس مین چھپنے کے شیخ نور احمد کی ملکیت ہیں اور ان پر مہتمم بھی شیخ نور احمد لکھا ہوا ہے تو گواہ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور اپنے اس بیان کی تکذیب اپنے منہ سے کرنی پڑی اور پھر یہ مان کر کہ نزول المسیح بھی نور احمد نے قادیان میں آ کر اسی طرح چھاپی جیسے کہ فتح اسلام تو پھر فضل دین مستغیث کی ملکیت نزول المسیح والے سارے بیان کی بھی تکذیب کر دی۔ واہ جی اچھے گواہ آئے اپنے مستغیث کو خود ہی جھٹلا رہے ہیں۔ کیا کریں گواہ تو ہوشیار تھے لیکن جرح والے بھی ہوش اُڑا دیتے ہیں اور جھوٹ کی تو بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ راست گوئی نمبر ۹

(۲) گواہ صاحب یہاں تو بڑی سنجیدگی سے بتائید استغاثہ اسمٰعیل پریس مین کو ضیاء الاسلام پریس کا مقید کرتے جاتے ہیں لیکن آگے پھر سخت مشکل پیش آ جاتی ہے جبکہ جرح میں اس کی تکذیب میں مطبع البدر کی کاپیوں پر اسمٰعیل پریس مین کا نام دکھایا جاتا ہے۔ اور پھر تحفہ ندوہ اور ست بچن کا تھوڑا سا حصہ اور درخواست (مطبوعہ ضیاء الاسلام) پر شمشاد علی، محمد دین، غلام مولیٰ کے نام لکھے ہوئے دیکھ کر گواہ صاحب کو اپنے فقرہ کہ ضیاء الاسلام پریس کا اصلی پریس مین اسمٰعیل ہے اور شیخ نور احمد کو ضرورت کے وقت لے آتے ہیں اس کے سوا مطبع میں اور پریس مین نہیں دیکھا۔ بھول جاتا ہے اور مجبوراً اس کی تکذیب خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ راست گوئی نمبر ۱۰

نہیں ہے۔البدر کی ۸، ۹ کا پیاں مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء اور ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء پر اسمعیل پریس مین کا نام درج ہے۔تحفہ ندوہ کا پریس مین شیخ نور احمد اور شمشاد علی ہے اور یہ کتاب ضیاء الاسلام میں چھپی ہے۔ست بچن کا تھوڑا سا حصہ ضیاء الاسلام میں چھپا ہوا ہے۔اس میں پریس مین محمد دین ہے، اسمعیل نہیں ہے۔ درخواست ضیاء الاسلام کی چھپی ہوئی ہے۔اس کا پریس مین غلام مولا ہے۔ استغاثہ ہذا سے پہلے میں نے نہیں سنا کہ ضیاء الاسلام کے مطبع سے کوئی کتاب چوری ہوگئی۔اب جب کتابوں کا شمار کیا گیا ہے۔اس وقت میں موجود نہیں تھا۔میں کل جموں سے آتا ہوں۔میں نے اپنے اخراجات پر ایک کتاب در ثمین لاہور میں چھاپی ہے۔مرزا صاحب اپنی کتابوں کی رجسٹری نہیں کراتے جب ایک دفعہ مرزا صاحب کی طرف سے ایک کتاب چھپ جائے ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ تاجرانہ طور سے چھاپے اور شائع کرے فتح اسلام اور توضیح مرام پہلے ہی پہل دس بارہ سال ہوئے چھپی تھی۔یہ چھوٹی تقطیع کی تھی۔یہ جو ملزم نے پیش کی تھی دوبارہ چھپی ہیں۔ضیاء الاسلام میں کوئی شخص اپنے نفع نقصان سے کتابیں چھپوا سکتا ہے۔نزول المسیح اس سے پہلے کبھی نہیں چھپی نہ تصنیف ہوئی اور نہ شائع ہوئی۔میری خرید و فروخت کی ڈائری نہیں ہے۔ اسمعیل خارج از وقت جہاں چاہے کام کر سکتا ہے۔اس کی بیماری کی حالت میں اور آدمی سے کام لے لیتے ہیں۔تحفہ ندوہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔

دستخط حاکم

۱۸ اگست ۱۹۰۲ء

یہ بیان گواہ اس کو پڑھ کر سنایا گیا اس نے تسلیم کیا۔

خلیفہ نور دین



نقل بیان گواہ استغاثہ باقرار صالح

نور احمد ولد شیخ بہادر علی ذات شیخ سکنہ امرت سر

عمر ۳۵ سال پیشہ چھاپہ خانہ کا کام

گزشتہ سال میں میں نزول المسیح چھاپنے کے لیے قادیان میں امرت سر سے بلایا گیا تھا۔ حکیم فضل الدین نے مجھ کو بلایا تھا۔ پہلے مجھ کو اخیر جولائی ۱۹۰۲ء کو بلایا تھا۔ ۲۴ روپیہ ماہوار تنخواہ پر بلایا گیا تھا اس وقت میں سامان لینے کے لیے واپس چلا گیا تھا۔ میں اپنے (۱) ہم راہ ایک پریس مکمل لایا تھا مع سامان کے۔ اور ایک پریس جو قادیان میں تھا وہ نامکمل تھا اس کا بقیہ سامان لایا تھا۔ میں نے یہ پریس اور مصالحہ حکیم فضل الدین کے پاس فروخت کر دیا۔ دوبارہ (۲) میں شروع اگست یعنی ۷۔۸ اگست میں آیا تھا۔ میرے آنے سے پہلے بھی نزول المسیح چھپ رہی تھی۔ آٹھ سو کاپی چھپ رہی تھی (۳)۔ اسمٰعیل چھاپ رہا تھا۔ شاید دو ڈھائی جزو چھپ چکی تھی۔ شمشاد علی پریس مین کو میں ساتھ لایا تھا۔ میں نے دو ہزار چھاپنی شروع کی۔ آٹھ سو میں سے ایک سو میری دو ہزار میں شامل کر دی گئی اور سات سو اسمٰعیل بیگ چھاپتا رہا۔ پھر کہا ۲۹۰۰ چھپتی تھی۔ ۲۱۰۰ میں نے شروع کی اور آٹھ سو اسمٰعیل چھاپتا تھا (۴)۔ پہلے میں نے سنا تھا کہ دو ہزار چھاپی جاوے گی کیونکہ کارگزاری سات سو

---

(۱) مگر نور دین گواہ پریس و سامان پریس ہمراہ لانا نہیں مانتا۔ اس واسطے اس کی گواہی اگر شیخ نور احمد سچ مان لیں تو ان کی راست گوئی کا نمبر پہلا شروع ہو جاتا ہے۔ راست گوئی نمبرا

(۲) اگر فضل دین مستغیث کا بیان صحیح فرض کرو کہ نور احمد نصف اگست کو آیا تو پھر اس گواہ کا ۷۔۸ اگست کہنا غلط ہوگا۔ راست گوئی نمبر ۲

(۳) اگر مولوی فضل عبد الکریم کا بیان بمقدمہ ۱۴۷ صحیح ہے تو آٹھ سو کاپی کی تعداد غلط ہے کیونکہ عبد الکریم نے سات سو کاپی بیان کی ہے۔ دیکھو بیان عبد الکریم بمقدمہ ۱۴۷ صفحہ ۱۳ سطر ۱۸۔ راست گوئی نمبر ۳

(۴) پہلے اسمٰعیل کا سات سو چھاپنا کہہ چکے پھر آٹھ سو کہنا غلط ہے۔ راست گوئی نمبر ۴

یومیہ کی ہوتی ہے۔ اس لیے ایک دن امرت سر کا ہے۔ یہ شخص جولائی میں آیا تھا۔ اس مطبع میں سنگ ساز کرم علی تھا۔ چھاپنے والے کی تمیز کے لیے چھاپنے والا کا نام درج کر دیتے ہیں۔ اے نمبر ا کتاب مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپی تھی۔ یہ کتاب تین پریس مینوں نے چھاپی ہے۔ مظہر نور احمد، شمشاد علی اور اسمٰعیل بیگ۔ اس کتاب کے صفحے ۱۶۔۱، ۸۸۔۸۱، ۱۰۴۔۹۷ میں نے چھاپے ہیں۔ باقی شمشاد علی یا اسمٰعیل کے ہوں گے۔ یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی۔ یہ کتاب شائع نہیں ہوئی۔ یہ کتاب ۲۴۰ صفحے تک چھپی ہے۔ میرے علم میں کسی ملازم مطبع نے اس کتاب کا کوئی کاغذ نہیں نکالا اور نہ نکال سکتا تھا اور نہ میں نے نکالے۔ میں بھی ۱۸۸۰ء سے مالک مطبع ہوں۔ میرا مطبع امرت سر میں رہا۔ اس صورت میں یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی۔ اس کو شائع شدہ نہیں سمجھتا ہوں۔

جرح:

حکیم فضل الدین نے مجھ کو خط لکھ کر بلایا تھا۔ جولائی کے سات آٹھ روز رہتے تھے تو خط لکھا تھا خط جب پہنچا میں دوسرے روز آ گیا۔ ۲۴ روپیہ کا معاہدہ خلیفہ نور دین کے سامنے ہوا تھا اور مولوی عبدالکریم اور اور آدمی بھی موجود تھے۔ مرزا صاحب کے روبرو نہیں ہوا، تحریر کوئی نہیں۔ اگست میں جب میں آیا تو میرے ساتھ قبایل اور کلں اور کل کش ساتھ تھے اور کوئی آدمی (۱) میرے ساتھ نہیں تھا۔ جب میں اس دفعہ آیا تو حکیم فضل الدین (۲) قادیان میں نہیں

() مگر خلیفہ نور دین خواہ مخواہ امرتسر سے آپ کے ساتھی بنتے ہیں۔ تُو مان نہ مان میں تیرا مہمان، اس لیے ہم مجبور ہیں کہ آپ کے ساتھی کے قول کی سچائی کے احتمال پر آپ کو ایک اور نمبر دے دیں۔ راست گوئی نمبر ۵

() مگر کیا کیا جائے آپ کے ساتھی (نور دین گواہ) حکیم فضل دین کو آپ کے آنے کے وقت قادیان میں موجود رکھتے ہیں آپ تو فرماتے ہیں کہ وہ باہر گئے ہوئے تھے ایک عرصہ کے بعد وہ آئے لیکن آپ کے ساتھی ضد سے ان کو باہر جانے نہیں دیتے۔ پس ساتھی کی عنایت سے چھٹا نمبر بھی لیجیے۔ راست گوئی نمبر ۶

تھے۔ خلیفہ نور دین موجود تھا اور وہ کام کر رہے تھے، حکیم فضل دین باہر گئے ہوئے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد وہ آئے۔ معلوم نہیں کتنے عرصہ کے بعد۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اخیر ہفتہ میں آئے کہ نہیں۔ واپس آ کر کچھ عرصہ کے بعد حکیم فضل دین مجھ کو ملے تھے۔ غلام محمد چوہدری بھی آیا ہوا تھا اور کام کرتا تھا۔ پتہ نہیں ہے کہ کتنے صفحے لکھے جا چکے تھے۔ میں نے آئینہ کمالات یہاں چھاپا تھا اپنی کل لا کر چھاپا تھا۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تخمیناً ڈھائی مہینے تک نزول المسیح چھپتی رہی۔ شمشاد میرے مطبع کا آدمی نہیں ہے ایک مزدور ہے جس نے چاہا رکھ لیا۔ امرتسر میں بھی میرا کچھ پریس رہا۔ وہاں بھی مختلف پریس مین رہے۔ خلیفہ نور دین کے کہنے سے میں نے ۲۱۰۰ کاپی چھاپنی شروع کی تھی۔ غلام محمد کاتب پہلے میرے یہاں بھی کام کرتا رہا۔ امرتسر میں کام کرتا رہا۔ قادیان میں غلام محمد نے میرا کام کبھی نہیں کیا۔ غلام محمد کے خط کو میں شناخت کر سکتا ہوں۔ نزول المسیح نمبرا پیش کردہ مستغیث کا خط غلام محمد کے خط سا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے خط سے ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر میں یقیناً نہیں کہہ سکتا۔ اندر کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ کل اسی کا خط ہو یعنی ۲۷ صفحے کے بعد کل غلام محمد کا خط ہے۔ ۲۷ صفحے سے پہلے صفحے بھی غلام محمد کے ہیں۔ دونوں نسخے نزول المسیح کے جو پیش کیے گئے ساتھ شامل ہیں غلام محمد کے لکھے ہوئے ہیں (۱)۔ میری موجودگی میں مصنف نے کچھ صفحے ردّی کر دیے تھے، یاد نہیں رہے کون سے صفحے۔ خلیفہ نور دین نے کہا تھا کہ ان کو نکال دو، کب نکالے یاد نہیں مگر اس وقت کتاب چھپ رہی تھی۔ ساری کتابوں میں سے نکالے گئے۔ میں فرمے خلیفہ نور دین کو دیتا تھا۔ میں خلیفہ نور دین سے تنخواہ لیتا رہا تھا۔

۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء تک میں وہاں رہا پھر وطن کو چلا گیا۔ نزول المسیح وسط اکتوبر میں چھپنی بند ہو گئی تھی۔ دوسری کتابیں کچھ درمیان میں اور کچھ بعد میں چھاپنی

(۱) مگر حکیم فضل دین و نور دین گواہ منظور محمد کاتب کو بھی شامل کرتے ہیں اس واسطے ساتواں نمبر بھی آپ کی قسمت میں لکھا ہے۔ راست گوئی نمبرے

شروع کی تھیں۔ رجسٹر کارگذاری میرے پاس نہیں ہے۔ اس مطبع میں میں نے اپنی کتاب کوئی نہیں چھاپی یعنی اس دفعہ جب میں آیا ہوں پہلے ایک دفعہ ایک کتاب اپنی چھاپی تھی۔ قریباً سات آٹھ برس ہوئے ہوں گے وہ کتاب میری ملکیت تھی مگر حکیم فضل دین سے اجازت لے کر اس مطبع میں چھاپی تھی۔ ابتداء سے یہ مطبع حکیم فضل دین کا ہے میں نے نہیں دیکھا کہ اس (۱) مطبع کو چندے سے مدد ملتی ہووے۔ ۱۸۹۲ء میں روئیداد جلسہ میں نے چھاپی تھی اس میں فہرست چندہ ہے جس وقت چندہ لکھا گیا مہمان چلے گئے تھے۔ مطبع میں اس چندہ سے کچھ نہیں آیا۔ حضرت کی کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہ چندہ تھا۔ اس وقت مطبع میرا تھا۔ مطبع جو یہاں رہے اس کی بابت خیال تھا کہ اس کا خرچ چندہ سے نکلے۔ چندہ دہندگان میں میرا نام نہیں ہے (۲)۔ (دیکھ کر کہا کہ) چندہ دہندگان میں میرا نام ہے۔ شمشاد علی مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔ معلوم نہیں کتنا عرصہ پہلے چلا گیا۔ دسمبر سے پہلے چلا گیا تھا۔ غلام مولا شیخ یعقوب علی کے مطبع کا پریس مین ہے، اس مطبع کا مستقل پریس مین اسمٰعیل بیگ ہے جب کبھی بیمار ہو گیا یا ضرورت ہوئی تو دوسرے سے کام لے لیا اس کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے سے کام بھی لیا جاتا ہے۔ فتح مسیح اے نمبر ۴ پر ٹائٹل پیج نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ٹائٹل پیج ٹوٹ گیا اس پر مطبع کا نام نہیں ہے جس کتاب پر مطبع کا نام ہو اور کتاب ختم کر دی جاوے تو وہ مکمل سمجھا جا سکتا ہے، وہ شائع ہو سکتا ہے خواہ مالک مطبع کا نام اس پر ہو یا نہ ہو۔ کتاب اخیری میں ختم کی گئی ہو اور نام مطبع کا بھی ہو وہ شائع ہونے کے لائق کتاب ہو جاتی ہے۔ ٹائٹل پیج سرورق کو کہتے ہیں خواہ پھول بوٹا ہو یا نہ ہووے۔ نزول المسیح کے

(۱) پہلے چندے کی امداد سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے پھر روئیداد جلسہ جو آپ نے ۱۸۹۲ء میں چھاپی پیش خدمت کی گئی تو فہرست چندہ دیکھ کر گھبراہٹ تو ہوئی لیکن یہ گنجائش نکالی کہ مطبع میں اس چندہ سے کچھ نہیں آیا حالانکہ وصولی چندہ بھی اس فہرست میں صاف درج ہے۔ راست گوئی نمبر ۸

(۲) کس آزادی سے انکار کیا گیا کہ چندہ دہندگان میں میرا نام نہیں ہے مگر نام دکھا دینے پر اپنے ہی منہ میں اس کی تردید خود کرنی پڑی۔ راست گوئی نمبر ۹

ابتدائی اورق پر اگر نام مطبع وغیرہ نہ بھی ہو اور اخیر پر مصنف جیسا اس کا قاعدہ ہے کتاب کو تمام کر کے تاریخ طبع وغیرہ لکھ دے تو وہ مکمل قابل شائع ہونے کے ہو جاتی ہے ورنہ پریس کا رول نہیں ہے کہ وہ کتاب شائع کی جاوے، جزو جزو کسی کتاب کا اگر بھیجا جاوے تو پہلے اس کا اعلان کیا جاتا ہے اور پھر جو جزو بھیجی جاتی ہے اس پر مطبع کا نام ہوتا ہے اس صورت میں ٹائٹل پیج سے بھیجا جا سکتا ہے۔

ضمیمہ رسالہ انجام آتھم میرے سامنے نہیں چھپا، پی نمبر ۱۳ فتح مسیح کتاب کا ٹائٹل پیج نور القرآن ہے اور مطبع ضیاء الاسلام کا چھپا ہے، پی نمبر ۱۴ بھی فتح مسیح ہے جو بار دوم کی ہے اس پر بھی ٹائٹل نور القرآن ہے۔

دستخط حاکم بحروف انگریزی

یہ بیان گواہ اس کو پڑھ کر سنایا گیا اس نے سن کر تسلیم کیا۔

نور احمد بقلم خود

نقل بیان گواہ باقرار صالح

کرم علی ولد کرم الٰہی ذات راجپوت سکنہ ضلع گوجرانوالہ عمر ۲۵ سال پیشہ سنگسازی

میں 'لپناوالی' میں رہنے والا ہوں مطبع ضیاء الاسلام میں سنگ سازی کرتا ہوں اس مطبع میں نزول المسیح چھپی ہے مگر شائع نہیں ہوئی۔ اس کتاب میں کئی ایک نوٹ میرے ہاتھ کے لکھے ہیں جب نوٹ پروف پر لکھے آتے ہیں وہ نوٹ پتھر پر میں لکھ دیتا ہوں۔ مرزا صاحب پروف پر نوٹ لکھتے ہیں صفحہ ۴۲ کے حاشیہ پر میرے نوٹ ہیں صفحہ ۴۸ کے حاشیہ پر بھی میرے ہاتھ کے نوٹ ہیں اور صفحہ ۷۷ کے حاشیہ پر بھی میرے نوٹ ہیں پتھر پر میں اُلٹا لکھا کرتا ہوں صفحہ ۷۸ پر بھی میرے نوٹ ہیں اس کتاب کے چھپنے کے بعد میں نے کسی اور مطبع میں کام نہیں کیا۔

جرح:

میں ۱۸۹۷ء سے قادیان میں ہوں ۱۲ روپیہ تنخواہ ملتی ہے یہ سنگسازی کی تنخواہ بارہ روپیہ ہے۔ ۱۸۹۷ء سے میں اس مطبع میں ملازم ہوں، حکیم فضل دین سے تنخواہ لیتا ہوں۔ اسمعیل احمد بیگ اور امام دین اس مطبع کے اور ملازم ہیں۔ پہلے اس مطبع کا کاتب منظور احمد تھا اور اب غلام محمد ہے جب نزول المسیح شروع ہوئی غلام محمد کاتب ہے۔ قریباً ۴۰ صفحے تک نزول المسیح منظور احمد (۱) نے لکھی تھی وہ بیمار تھا اس واسطے غلام محمد کو بلالیا تھا۔ نزول المسیح کی پھر منظور احمد نے چار کاپیاں لکھی تھیں۔ شاید جولائی (۲) میں نزول المسیح شروع ہوئی تھی یا دنہیں اخیر جولائی میں یا درمیان جولائی میں پہلے آٹھ سو شروع ہوئی تھی پھر دوبارہ ۲۱۰۰ اور شروع ہوئی۔ ۴۰ صفحے تک چھپ چکی تھی کہ دوبارہ پھر شروع ہوئی یاد نہیں ۴۰ صفحے کتنے عرصہ میں چھپے۔ معلوم نہیں ۴۰ صفحے کتنے عرصہ میں چھپ سکتے ہیں۔ حکیم فضل الدین نے نزول المسیح کی چھپائی کا اہتمام کیا تھا مگر جب وہ غیر حاضر رہے خلیفہ نور دین سے ایک تنخواہ حکیم فضل دین کی غیر حاضری میں لی۔ شیخ نور احمد شاید اگست میں یہاں آئے تھے۔ یاد نہیں اخیر اگست یا شروع اگست میں تین پریس پر نزول المسیح چھپی تھی۔ تینوں پر سنگ سازی کا کام میں کرتا تھا۔ تینوں پریس ایک جگہ تھے اور اب بھی ایک ہی کمرہ میں موجود ہیں اب ایک پریس پر کام ہوتا ہے ان دنوں میں یہ ایک ہی کتاب چھپتی رہی۔ تینوں پریسوں پر۔ مجھ کو ورق نکالنے کا علم نہیں ہے۔ میری طرز تحریر خاص ہے میں تحریر کو شناخت کرسکتا ہوں۔ اے نمبر ۱۴ فتح مسیح پر میں نے کام نہیں کیا۔

کشتی نوح کے صفحہ ۱۵ کے نیچے کے نوٹ کی دو سطریں اور حاشیہ کی نچلی سطر میری ہے اور حاشیہ کی پہلی سطر میری نہیں ہے۔ یہ کشتی نوح ضیاء الاسلام میں

---

(۱) شیخ نور احمد تکذیب کرتا ہے۔ راست گوئی نمبر ۱

(۲) نور دین اگست میں محمد صادق جنوری فروری مارچ میں شروع ہونا بیان کرتا ہے مستغیث نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ راست گوئی نمبر ۲

چھپی ہے۔ یہ بھی تینوں پریسوں پر چھپی ہے اسمٰعیل پریس مین بھی کام کرتا رہا اس کتاب پر اسمٰعیل کا نام نہیں ہے۔ تحفہ ندوہ میں نہیں کہہ سکتا ایک پریس پر چھپی یا دوپر۔ صفحہ ۲ کے حاشیہ پر تین سطریں میری لکھی ہوئی ہیں۔ اس پر شمشاد علی لکھا ہوا ہے یاد نہیں کب چھپی ہے۔ نزول المسیح کے زمانہ میں یا کہ بعد یا پہلے۔ میں مرزا صاحب کا مرید ہوں مجھ کو کوئی کتاب مفت نہیں ملتی۔ نزول المسیح کی کاپیاں جو چھپتی تھیں دفتر میں لی جاتی تھیں۔ حکیم صاحب کے دفتر میں لے جاتے تھے۔ دوائی خانہ (۱) کے ساتھ یہ دفتر ہے مطبع کے نزدیک ہے۔ صرف ایک کوٹھ بیچ میں ہے ان کاپیوں کا محافظ پہلے محمد شاہ تھا دوسرے محافظ کا نام یاد نہیں۔ تیسرا محبوب عالم تھا۔ محبوب عالم شاید ڈیڑھ ماہ (۲) سے ہے اب یہ بھی (۳) چلا گیا ہے۔ چند دن ہوئے تو چلا گیا پانچ چار دن سے چلا گیا۔ معلوم نہیں اب کوئی محافظ ہے کہ نہیں۔ دوسرا محافظ معلوم نہیں کتنا عرصہ رہا ہے میرے سامنے یہ کتابیں کبھی شمار نہیں کی گئی تھیں میرا رہائش کا مکان علیحدہ ہے، پتہ نہیں محافظ کا مکان علیحدہ ہوتا تھا کہ نہیں۔ دفتر (۴) میں ایک کوٹھڑی ہے دفتر میں کتابیں بھی ہوں گی اور کیا ہوسکتا ہے۔ دفتر کی جگہ میں نے دیکھی ہوئی ہے کتابیں الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں معلوم نہیں کتنی الماریاں ہیں۔ نیچے اوپر (۵) کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔

---

(۱) نوردین مطبع سے الگ دفتر نہیں لے جانا چاہتا۔ جنوبی وشمالی کوٹھڑیوں میں کتاب کا رہنا پسند کرتا ہے۔ تم دوائی خانہ کے پاس لے گئے ہو اور ایک کوٹھ بیچ میں بھی حائل کر دیا اور دو کوٹھڑیوں سے ایک کوٹھڑی بنا دی۔ یار ہم کس کو سچا کہیں یہ تم آپس میں مل کر فیصلہ کر لینا ہمارے پاس تو ہر ایک کو نمبر دینے کے لیے تمہارے دوسرے بھائی کا تمہارے برخلاف بیان کافی ثبوت ہے۔ راست گوئی نمبر ۳

(۲) مستغیث مہینے سے کم کہتا ہے تم ڈیڑھ ماہ کہتے ہو۔ لیجیے راست گوئی نمبر ۴

(۳) اس بات میں تمہارا دوسرا کوئی ساتھی نہیں ہے بلکہ وہ سب محبوب عالم کا روز بیان تک محافظ ہونا بیان کرتے ہیں۔ راست گوئی نمبر ۵

(۴) مگر تم سے بڑے میاں (نوردین) دو کوٹھڑیاں بتاتے ہیں۔ راست گوئی نمبر ۶

(۵) میاں نوردین گٹھڑیوں میں باندھ کر کتابیں رکھتے ہیں تم نیچے اوپر الماریوں میں کتاب کو کیوں رکھتے ہو۔ راست گوئی نمبر ۷

مکرر سوالات:

جب مطبع میں ایک کتاب چھپتی ہو اس کے دوران میں اور کتاب بھی چھپنی شروع ہو جاتی ہے، سنگ سازی مطبع کے اندر کرتا ہوں۔ کشتی نوح پیش کردہ مدعی پی نمبرا کے صفحہ ۱۵، ۳۸، ۴۱ اور ۴۷ پر اسمٰعیل کا نام ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۰۳ء

العبد کرم علی بقلم خود

دستخط رائے چندو لعل صاحب

یہ بیان گواہ اس کو پڑھ کر سنایا گیا، اس نے درست تسلیم کیا۔

دستخط حاکم



فیصلہ عدالت

باجلاس رائے چند ولعل صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع گورداسپور
باختیارات مجسٹریٹ درجہ اول

مرجوعہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء فیصلہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء

نمبر بستہ ۱۷۲ نمبر مقدمہ ج/ ۱۶۰، ۲/ ۱۰۹

سرکار بذریعہ حکیم فضل دین ولد حکیم کرم الدین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ مستغیث

بنام

کرم الدین ولد صدر الدین قوم میال اوان ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال۔ ضلع جہلم۔ ملزم

استغاثہ زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند

یہ مقدمہ عجیب قسم کا ہے اس کے واقعات مختصر طور پر یہ ہیں:

اسی مستغیث حکیم فضل الدین کی طرف سے ایک استغاثہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند ملزم کرم الدین کے خلاف دائر تھا جو اب فیصلہ ہو چکا ہے اس میں جب شہادت استغاثہ ہو رہی تھی تو مستغیث کی شہادت کے دوران میں ۲۲ جون ۱۹۰۳ء کو ملزم کرم الدین نے ایک کتاب نزول المسیح پیش کی اور مستغیث سے تصدیق کروانی چاہی۔ مستغیث نے اس کی نسبت شک ظاہر کیا اور بیان کیا کہ شبہ ہے کہ یہ کتاب مطبع ضیاء الاسلام کی چھپی ہوئی ہے کہ نہیں اور قریباً اس بات سے انکار کیا کہ یہ کتاب مطبع ضیاء الاسلام کی چھپی ہوئی ہے۔ بعد میں ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو یہ استغاثہ زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند دائر کیا اور بیان کیا کہ یہ کتاب میری ملکیت ہے اور چونکہ ابھی تک باضابطہ شائع نہیں ہوئی اس لیے یہ مال مسروقہ ہے اور ملزم مال مسروقہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا مجرم ہے،

تدارک فرمایا جاوے۔

اس استغاثہ کی تائید میں مستغیث نے علاوہ اپنی شہادت کے بارہ (۱۲) گواہ پیش کیے جو بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب مطبع ضیاء الاسلام میں چھپی، مکمل ہو کر شائع نہیں ہوئی اور بعض یہ کہ نہ تقسیم ہوئی ہے اور نہ فروخت ہوئی ہے۔ جرم ۴۱۱ تعزیرات ہند کے جزوی اجزا یہ ہوتے ہیں:

اول: مال متنازعہ مال مسروقہ ہے۔

دوم: جس کے قبضہ سے برآمد ہوا اس کو علم تھا کہ یہ مال مسروقہ ہے۔

سوم: ملزم نے یہ جان کر کہ یہ مال مسروقہ ہے اپنے قبضہ میں رکھا اور بددیانتی سے اپنے قبضہ میں رکھا۔

اول اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ کتاب مال مسروقہ ہے اور کس قسم کا مال مسروقہ ہے آیا چوری کے ذریعہ یا تصرف بے جا کے ذریعہ یا خیانت مجرمانہ کے ذریعہ وغیرہ وغیرہ یہ مال مسروقہ ہوا۔

استغاثہ کی طرف سے کوئی شہادت اس قسم کی جو اس کتاب کو مال مسروقہ ثابت کرے پیش نہیں کی گئی۔

دوم وسوم اور نہ اس قسم کی شہادت کوئی پیش ہوئی کہ ملزم کو علم تھا کہ یہ کتاب مسروقہ ہے اور یہ علم رکھتے ہوئے اس نے اس کتاب کو اپنے قبضہ میں رکھا اور بددیانتی سے رکھا۔ یہ کل مقدمہ استغاثہ کی طرف سے قیاسات پر مبنی کیا گیا ہے اور وہ قیاسات مختصر طور یہ ہیں:

اول: یہ کتاب مستغیث کی ملکیت ہے اور اس کے مطبع ضیاء الاسلام میں چھپی۔

دوم: یہ کتاب باضابطہ شائع نہیں ہوئی یعنی مکمل ہو کر پبلک میں شائع نہیں ہوئی۔

سوم: چونکہ اس کے قبضہ سے برآمد ہوئی اس لیے قیاس غالب ہے۔

چہارم: ملزم یا تو چور ہے یا مال مسروقہ کو مسروقہ جان کر قبضہ میں رکھنے والا ہے۔

یہ قیاس منطقی قواعد کے رو سے بھی صحیح قیاس نہیں ہے کیونکہ اس قیاس میں فرض کرلیا گیا ہے کہ مال مسروقہ ہے ملزم کو چور بیان نہیں کیا گیا اور نہ چوری کا وقوع میں آنا بیان کیا گیا ہے بلکہ ملازمان مطبع کو دیانت دار ظاہر کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ چوری کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو کتاب کا مال مسروقہ کہنا درست نہیں ہے جبکہ کتاب مسروقہ ثابت نہیں ہے تو کیا قبضہ سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ملزم قابض مال مسروقہ کا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس کتاب کا اصل میں ملزم مالک نہیں تھا اس کے پاس بذریعہ ڈاک (جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے) کہیں سے آئی اور اس نے اپنے قبضہ میں رکھی اور ضرورت کے وقت عدالت میں پیش کردی۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کا کوئی مالک تھا۔ مستغیث کا بیان ہے کہ مطبع ضیاء الاسلام میں ۲۹۰۰ کاپیاں اس کی چھپ رہی تھیں اس ۲۹۰۰ کاپی میں سے ۲۰۰۰ کاپیاں مرزا صاحب کی تھیں، ۹۰۰ کاپیاں مستغیث کی اور وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ناصر شاہ صاحب کا خرچ ان پر ہوتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خاص کتاب ان ۲۰۰۰ میں سے تھی جو مرزا صاحب کی تھی یا ۹۰۰ کاپیوں میں سے ہے جو مستغیث کی تھی۔ پھر بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ ضیاء الاسلام کے مطبع میں چھاپی گئی اس لیے مالک ضیاء الاسلام اس کا مالک تھا مگر اس کی تردید خود مستغیث کرتا ہے اور کہتا ہے کہ چند اوراق اس میں سے نکالے گئے اور مرزا صاحب کے حکم سے جلائے گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مرزا صاحب مالک تھے نیز قیمت اور خرچ کے لحاظ سے ان کا مالک ناصر صاحب تھا۔ پس یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کس کی ملکیت ہے اگر اس سبب سے مان لیا جاوے کہ مطبع ضیاء الاسلام میں چھاپی گئی اور اس لیے وہ مالک مطبع کی ملکیت ہے تو یہ بھی ایک سوال ہے کہ مالک مطبع کون ہے۔ مستغیث یا مرزا صاحب۔ اس بارے میں کوئی امر ایسا ظاہر نہیں ہوا کہ مطبع کو مدعی کہا جاوے اور مرزا صاحب کا قرار نہ دیا جاوے۔ چونکہ اب استغاثہ ۴۱۱ تعزیرات ہند کے چلانے کے لیے ملکیت کا سوال فیصلہ کرنا ضروری نہیں

ہے۔اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ملزم کے قبضہ میں رہنے سے پہلے ملزم کی یہ کتاب نہیں تھی۔اس لیے سوال یہ پیدا ہوگا کہ جس وقت ملزم کے قبضہ میں آئی اس وقت یہ کتاب مال مسروقہ تھی کہ نہیں۔اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ مال مسروقہ ہے۔صرف قیاسات بحث میں دکھلائے گئے ہیں ان قیاسات پر غور کرنا ہے کہ کہاں تک ملزم کے خلاف ہیں۔

یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یہ کتاب کبھی چوری ہوئی بلکہ مستغیث کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کے محافظ دیانت دار تھے ان پر چوری یا خیانت کا کبھی شبہ نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا تھا بلکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ جب جب ان کتابوں کا چارج بدلتا رہا۔ ہر ایک محافظ گن گن کر چارج لیتا رہا اور کبھی کی معلوم نہیں ہوئی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اخیری چارج جس شخص نے لیا اس سے بھی شمار کر کے ان کتابوں کا چارج لیا۔ یہ اخیری چارج حساب کے رو سے تقریباً ۲۶ جون ۱۹۰۳ء کو ہوا اور اس وقت کوئی کتاب گم معلوم نہیں ہوئی حالانکہ یہ کتاب ۲۲ جون ۱۹۰۳ء کو عدالت میں پیش ہوگئی اور نیز تعجب یہ ہے کہ پھر جب مستغیث کا بیان لیا گیا تو اس نے ظاہر کیا کہ ۴۷ کتابیں ان میں سے کم نکلیں اور یہ پڑتال کب ہوئی بعد استغاثہ دائر کرنے کے یعنی پہلے استغاثہ بلا پڑتال دائر کردیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر بیان مدعی نے کیا دربارہ چارج کے اور شمار کرنے کے اور پڑتال کے کیا۔ بالکل غلط (۱) کیا۔کوئی ثبوت شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ یہ کتاب مال مسروقہ ہے۔قیاس کی بابت صرف یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مستغیث کی یہ کتاب ہے اور ملزم کے قبضہ سے برآمد ہوئی اس لیے قیاس ہے کہ یا تو وہ چور ہے یا چوری کا مال بد دیانتی سے اپنے پاس رکھنے والا اس قیاس کی جانچ پڑتال کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جاوے کہ ملزم کا قبضہ اس کتاب کا کتنی مدت کا ہے اور اس سے یہ قیاس پیدا ہوسکتا ہے کہ نہیں۔

استغاثہ چوری کا قیاس ملزم کے خلاف نہیں کرتا ہے اور نہ یہ قیاس ہوسکتا ہے

(۱) لیجیے حضرت۔یہ جوڈیشل عدالت کا سٹرٹیفکیٹ راست بازی مبارک ہو۔

کیونکہ کتاب قادیان میں طبع ہوئی اور ملزم ضلع جہلم کا رہنے والا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جرم ۴۱۱ تعزیرات ہند کا قیاس اس کے خلاف ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ اس قیاس کے لیے مدت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ بعض حصہ اس کتاب کا اگست میں چھاپا گیا یعنی وہ حصہ جس میں محمد حسن کے نوٹوں کا ذکر ہے ان نوٹوں کے حاصل کرنے اور خط وکتابت کا ذکر ہے۔ وہ جولائی کے بعد کا طبع شدہ ہوگا اس لیے یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ شروع اگست میں اس قدر حصہ کتاب کا جو ملزم نے پیش کیا، چھپ چکا تھا اور ملزم بیان کرتا ہے کہ اس کے پاس بذریعہ ڈاک اکتوبر میں یہ کتاب پہنچی چونکہ اس کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہے اس لیے ملزم کا بیان تسلیم کرنا چاہیے گویا ڈھائی ماہ کے بعد اس کے پاس

یہ کتاب پہنچی یعنی ڈھائی ماہ بعد چھپنے کے یہ کتاب ملزم کے قبضہ میں تھی۔ کیا اس ڈھائی ماہ کے قبضہ سے ملزم کے خلاف بددیانتی اور مال مسروقہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا قیاس پیدا ہوسکتا ہے۔ میری رائے میں یہ قیاس کرنا قرین از انصاف نہیں ہے۔ اس عرصہ میں یہ کتاب کئی ہاتھوں سے گزری ہوگی اور گزر سکتی ہے۔ اول تو یہ کہنا کہ کب چوری ہوئی بہت مشکل ہے جب اس کے چوری ہوجانے کی تاریخ معین نہیں کی جاسکتی تو مدت بھی قائم نہیں ہوسکتی کہ کس قدر عرصہ تک ملزم کے قبضہ میں رہی یا کسی اور کے قبضہ میں رہ رہ کر ملزم کے پاس آئی اس کے چھپنے کی تاریخ سے گم ہونا صرف قیاس کے واسطے لیا گیا ہے حالانکہ استغاثہ کے دائر ہونے کے بعد تک مستغیث کو یا اس کے کسی دوست کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس قدر کتابیں کم ہیں اور یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ مدعی کا یہ بیان کہ اب ۴۷ کاپیاں کم ہیں، کہاں تک درست ہے کیونکہ پڑتال کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ غرضیکہ اس ڈھائی ماہ کی مدت سے ملزم کے خلاف بددیانتی سے اس کتاب کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا قیاس پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ امر بھی اس جگہ قابل تحریر ہے کہ اس کتاب کا ملزم کے قبضہ میں پہنچنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے میں نے کل حالات مقدمہ پر غور کیا ہے۔ جب ملزم کی مرزا صاحب کے مریدوں کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی تھی اس وقت ایک خط بھی ملزم نے لکھا تھا کہ جب یہ کتاب طبع ہووے تو میرے پاس بھیج دی جاوے اس وقت ملزم کی مستغیث اور اس کے بھائی مریدوں اور مرزا صاحب کے ساتھ دوستی کا رشتہ تھا اور مرزا صاحب اور اس کے مریدوں کو اس بات کا ثابت کرنا منظور تھا کہ مہر علی شاہ نے اپنی کتاب سیف چشتیائی میں مولوی محمد حسن کے نوٹوں کا سرقہ کیا ہے اور وہ ملزم کے ذریعہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور یہ خیال خلاف قیاس نہیں ہے کہ مدعی یا کسی اور مرید مرزا صاحب نے یہ کتاب شروع اگست میں ملزم کے پاس بھیج دی ہووے۔ اب چونکہ مابین مرزا صاحب اور اس کے مریدوں کے ایک طرف اور ملزم کے دوسری طرف مقدمات شروع ہو گئے اور اختلافات پیدا ہو گئے اور یہ اختلاف نصف اگست کے بعد شروع ہوئے یعنی جب سے جہلم کا مباحثہ ہوا، ملزم کو یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ مستغیث کی پارٹی کی طرف سے اس کو کتاب پہنچی تھی کیونکہ اس کا ثبوت کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس نے یہ بیان دیا کہ اکتوبر میں اس کے پاس یہ کتاب پہنچی۔ میرے خیال میں یہ قیاس قرین انصاف ہے کہ مستغیث کی پارٹی کی طرف سے یہ کتاب شروع اگست میں بھیجی گئی اور جب اختلافات شروع ہو گئے اور ملزم کو یہ کتاب جون ۱۹۰۳ء کو عدالت میں پیش کرنی پڑی اور چونکہ کتاب نامکمل ہے مستغیث کو موقع مل گیا کہ ملزم کے خلاف ایک اور مقدمہ دائر کر دیوے چنانچہ یہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ اخیر میں میری رائے میں یہ استغاثہ ملزم کے خلاف ثابت نہیں ہے اور نہ جرم کا قیاس اس کے خلاف ہوسکتا ہے۔ کتاب متنازعہ بہت ہی خفیف مالیت کی ہے دو چار آنہ قیمت کی کتاب ہو گی۔ ایسی خفیف قیمت کی کتاب چرانا یا بددیانتی سے اپنے قبضہ میں رکھنا خیال نہیں کیا جاسکتا۔ عموماً بذریعہ ڈاک کتابیں بطور اشتہارات کے اکثر لوگوں کے

پاس آجاتی ہیں اور کوئی شخص اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ تحقیقات کرے کہ کہاں سے آئی اور کیوں آئی اور اس کی نسبت کبھی کوئی مقدمہ پیدا ہو جاوے گا اور اس کی بابت ثبوت وغیرہ تیار رکھے۔ بوجوہات بالا میری رائے میں یہ معاملہ کہ ملزم کے قبضہ میں کیونکر یہ کتاب آئی بہت مشتبہ ہے۔ بدنیتی کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میری رائے میں استغاثہ ثابت نہیں ہے اور کافی ثبوت اس امر کے لیے کہ ملزم کے خلاف فرد جرم مرتب کی جاوے اور اس کا جواب لیا جاوے، مسل میں موجود نہیں ہے۔

اس لیے حکم ہوا کہ استغاثہ ہذا ڈسمس (Dissmiss) ہووے اور ملزم رہا ہووے۔

مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء

دستخط حاکم بحروف انگریزی

☆☆☆☆☆

تیسرا مقدمہ:

مرزا قادیانی کا مقدمہ

اب ہم اس مقدمہ کی کیفیت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو من جانب مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب بھیں۔ برخلاف مرزا قادیانی وفضل دین بھیروی زیر دفعہ ۵۰۰/۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند دائر ہوا اور جس میں مرزا جی مع اپنے حواری کے پورے دو سال بحالت ملزمی رہ کر آخر عدالت لالہ آتمارام صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور سے مجرم قرار دیے جا کر سزایاب ہوئے اور پھر صاحب سیشن جج بہادر امرتسر کی عدالت میں اپیل کرنے پر بصد مشکل جرمانہ معاف ہوا۔

وجہ دائری مقدمہ

یہ امر کہ سلسلہ مقدمہ بازی مابین فریقین کیوں شروع ہوا اور پھر مقدمہ مندرجہ عنوان کس طرح پیدا ہوا۔ سو جہاں تک ہم غور کرتے ہیں درحقیقت یہ سلسلہ مقدمہ بازی حسب منشائے قدرت ایزدی جاری ہوا اور اثنائے مقدمات میں عجیب عجیب کرشمے قدرت کے نمودار ہوتے رہے۔ ہرچند اس سلسلہ کو چھیڑنے والے مرزا جی بہادر اور ان کی جماعت کے ارکان تھے اور انہوں نے اس غرض سے یہ سلسلہ چھیڑا تھا کہ دنیا پر اپنا رعب قائم کریں گے اور اپنے جلیس قانونی مشیروں (وکلاء) کی قانونی قابلیت اور افراط زر اور گرم جوش جماعت کی متفقہ طاقت سے چشم زدن میں مخالف فریق کو نیست و نابود کر کے لمن الملك کا نقارہ دنیا میں بجادیں گے لیکن ان کو کیا علم تھا کہ ما درچہ خیالیم و فلك در چہ خیال۔ اس چھیڑ خانی کا نتیجہ ان کے حق میں آخر کیا نکلے گا اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ مقدمہ بازی ہمارے حق میں وبال جان ہو جائے گی تو ہرگز اس کا نام نہ لیتے لیکن خدائے علیم و خبیر کو اپنی زبردست طاقت کا دکھلانا اور مرزائی پندار و غرور کو خاک میں ملانا مقصود تھا اور یہ کہ اس کی طاقت و جبروت کے سامنے زور و زار و تمام انسانی طاقتیں پر پشہ کی سی بھی ہستی نہیں رکھتیں وہ چاہے تو بڑے بڑے طاقت ور اور شیر زور انسانوں کو پکڑوا کر ایک ضعیف سے ضعیف انسان

کے پاؤں میں ڈال دے۔ سچ ہے؛

و تعز من تشاء و تذل من تشاء

اس میں کیا شک ہے کہ مرزا جی کی نخوت اور غرور حد سے بڑھ نکلا تھا اور وہ باوجود ایک ضعیف انسان ہونے کے خدائی طاقت کے مدعی بن بیٹھے تھے کہیں وہ یہ الہام گھڑ لیتے تھے کہ خدا نے مجھے کہا ہے:

الارض و السماء معک کما هو معی

ترجمہ زمین و آسمان (تیرے) مرزا کے ساتھ اس طرح ہیں جیسے میرے (خدا کے) ساتھ ہیں۔ (اربعین نمبر ۲ مولفہ مرزا صفحہ ۶)

کبھی یہ فرماتے تھے کہ خدا مجھے خبر دیتا ہے:

یتم اسمک و لا یتم اسمی.

ترجمہ: تیرا (مرزا کا) نام کامل ہوگا اور میرا (خدا کا) نام ناتمام (ناقص) رہے گا۔ اربعین مذکور صفحہ مذکور

معاذ اللہ انسان ضعیف البیان ہو کر اس قدر جرات بجز مرزا صاحب کے کسی سے نہ ہوئی جو یہ ادعا کر بیٹھے کہ زمین و آسمان جیسے ان کے پیدا کرنے والے (خدائے پاک) کے تابع ہیں ویسے ہی اس کی ضعیف مخلوق انسان کے تابع ہیں یا یہ کہ ایک فانی انسان کا نام کامل ہوگا اور خدائے حی قیوم کا نام اس کے مقابلہ میں ناتمام اور ناقص رہے گا۔ (بھائیو غور کرو اور خوب غور کرو۔ خدا کے لیے پھر غور کرو کیا کوئی شرک کا کلمہ اس سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔)

کہیں مرزا جی نے یہ الہام بنا لیا کہ خدا نے مجھے وحی کی ہے:

انت منی بمنزلة ولدی.

ترجمہ: تو مجھے میری اولاد کی جا بجا ہے۔

کیا وہی خدا جو نصاری کے اس قول پر کہ عیسٰی خدا کے ولد ہیں۔ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هدا

ان دعوا للرّحمٰن ولدا۔

ترجمہ: قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں۔ (مریم:۹۰)

اس غضب سے کہ نصاری خدا کے لیے ولد بناتے ہیں۔ اب مثیل المسیح (مرزا قادیانی بزعمہ) پر ایسا عاشق ہے کہ اپنے پاک قول (آیۃ کریمہ) کی ترمیم کر کے مرزا کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تو میری اولاد کی جا بجا ہے۔ اس صورت میں تو اصیل سے مثیل بڑھ نکلا کہ وہ تو ولدیت کا شرف حاصل نہ کر سکے لیکن مثیل اس رتبہ کو پہنچ گئے۔ نعوذ باللّٰہ من هذا الخبط۔

کہیں مرزا جی کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے کہا ہے:

انت منی و انا منک (اربعین صفحہ ۶)

ترجمہ: تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

بھائیو! ایسے الہام کرنے والا وہ خدا تو یقیناً نہیں جس نے قرآن کریم میں صاف فرما دیا ہوا ہے:

قل هو اللّٰه احد اللّٰه الصمد لم يلد و لم يولد

افسوس!!! ہائے افسوس جو ایسے ایسے کلمے سن کر بھی مرزا جی کو سچا ملہم مانتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ مرزا جی نے تو صاف اپنا کشف یہ بھی بتا دیا ہوا ہے کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر اپنے منشاء کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا:

انا زينا السماء الدنيا بمصابيح

پھر میں نے کہا اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں۔ (کتاب البریۃ صفحہ ۷۹)

سو جبکہ خلّاق ہر دو عالم کی ہم سری بلکہ اس سے برتری کا ادعا مرزا جی کر بیٹھے تو پھر

مخلوق خدا کی وقعت ان کے دل میں کیا ہوئی تھی۔ تمام بزرگان دین علمائے کرام صوفیہ عظام کی پانی پی پی کر کوسنے لگے۔ علماء و صوفیہ بھلا کہاں رہے۔ آپ نے تو اس قدر تعلّی کی کہ اولی العزم رسولوں کی توہین کرنا آپ نے ایک مشغلہ سمجھ لیا چنانچہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی نسبت قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے:

وجیها فی الدنیا والآخرة و من المقربین.

ترجمہ: آپ دنیا اور آخرت میں بارگاہ الٰہی میں معزز اور خاص حضوریوں میں سے ہیں۔ (ال عمران: ۴۵)

ایسے ایسے ناشائستہ کلمات لکھ مارے کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶۔۷) نعوذ باللہ اس سے زیادہ ایک اولی العزم مقتدر اور مقرب بارگاہ الٰہی رسول پاک عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کیا ہو سکتی ہے۔ الامان والحفیظ

اچھا ان سے تو مرزا جی کو ایک قسم کی رقابت سہی لیکن اپنے رسول مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداك روحي يا رسول الله) کی توہین شان سے بھی آپ نے درگذر نہ فرمائی۔ چنانچہ وہ ختم رسالت کی مہر جو آپ کے نام مبارک پر لگ چکی تھی۔ بھی توڑنے لگے۔ اعلانیہ رسالت کا دعویٰ کر دیا اور وہ تحفہ پاک (درود شریف) جو آپ کے نام سے ہمیشہ مخصوص چلا آتا تھا اپنے نام پر جاری کرا دیا اور نہ صرف مرزا جی کے نام پر ہی علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھا جانے لگا بلکہ مرزا جی کی زوجہ بھی اس کی مستحق قرار دی گئی اور سچ پوچھو تو تمام خصائص خاندان رسالت میں کمال بیباکی سے دست اندازی شروع کی گئی۔ قادیان کو ''دارالامان'' کا لقب (جو حرمین شریفین سے مختص تھا) ملا۔ اپنے بال و بچہ کو ''خاندان رسالت'' اور ''اہل بیت'' کا خطاب دیا۔ اپنی مسجد کو ''مسجد اقصیٰ'' پکارنے لگے اور اپنے جلیسوں کو (جن کی غذا عموماً مرغ اور پلاؤ زردہ روزانہ مقرر ہے) ''اصحاب الصفہ'' (جن پر سات سات روز فاقہ گزرتے تھے) کا خطاب دیا گیا اور اپنے حواریوں کو 'صدیق'، 'فاروق' کے القاب عنایت ہوئے۔ کیا اس سے بڑھ کر توہین خاندان رسالت تصور ہو سکتی ہے۔ اور

اسی پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ اہل بیت رسول مقبول کی یہاں تک تحقیر کی گئی ہے کہ کھلے طور پر کتابوں میں شائع کیا گیا کہ مرزا حسین علیہ السلام سے افضل ہے۔ وجہ افضلیت یہ بتائی گئی کہ مرزا کو ہمیشہ روپے ٹھناٹھن آتے ہیں اور سامان عیش میسر ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام بڑی ناکامی سے قتل ہو گئے ہیں۔ دیکھو کتاب اعجاز احمدیہ مولفہ مرزا کے اشعار ذیل؛

و شتّان ما بینی و بین حسینکم
فانی اویّد کل آن و انصر
و اما حسین فاذکروا دشت کربلا
الی ھذہ الایام تبکون فانظروا (۱)

دیکھیے کس تحقیر سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا بُرے پیرایہ میں ذکر کیا گیا اور اپنا فخریہ بیان کیا گیا ہے۔ بھلا مرزا جی ذرا اپنے خاندان کا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاندان کا بھی مقابلہ کیا ہوتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ رجز جو معرکۂ جنگ میں آپ نے مبارز کے سامنے پڑی تھی، لکھ دی جائے تا کہ حسین علیہ السلام سے فضیلت کے مدعی کی شرافت اور امام ہمام علیہ السلام کی نجابت کا مقابلہ ناظرین خود کر سکیں گے۔ وھو ہذا

انا ابن علی الخیر من آل ھاشم
کفانی ھذا مفخرا حین افخر
و جدی رسول اللّٰہ اکرم من مشی
و نحن سراج اللّٰہ فی الناس یزھر
و فاطمۃ امی سلالۃ احمد
و عمی یدعی ذوالجناحین جعفر (۲)

(۱) ترجمہ: مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے ہر وقت تائید اور نصرت مل رہی ہے اور حسین علیہ السلام کی نسبت تو تم کو واقعہ کربلا کا یاد ہے۔ دیکھو تو آج دن تک تم رورہے ہو۔

(۲) ترجمہ: میں علی کا بیٹا ہوں جو خاندان بنی ہاشم کے بہترین ممبر ہیں یہ میرے لیے کافی فخر ہے جب میں فخر کروں اور میرے نانا رسول خدا افضل الخلق ہیں اور ہم خدا کی طرف سے مخلوق کے لیے چراغ ہدایت ہیں۔ میری ماں فاطمہ جگر گوشہ رسول مقبول ہے، میرے چچا ذوالجناحین جعفر طیار ہیں۔

مرزا جی حضرت امام کا خاندان تو یہ ہے جس کا ذکر خیر اس رجز میں ہے اس کے مقابلہ پر ذرا آپ بھی اپنا خاندان پیش کریں ہم کو تو آپ کے خاندان کا ایک شاعر نے یوں پتہ بتایا۔

رباعی

یک قاطع نسل و یک مسیحائے زماں
یک مہتر لال بیگیان دوراں
افتد چو گذر بقادیانیت گاہے
ایں خانہ تمام آفتاب ست بداں

جب انبیائے کرام اور اہل بیت نبی علیہ السلام کی بے قدری روا رکھی گئی تو پھر علمائے کرام اور صوفیہ عظام کی تو شامت آئی بھی تھی، جوش میں آ کر صاف کہہ دیا:

ایں وقت زیر سقف نیلگوں ہیچ متنفس قدرت ندارد کہ لاف برابری بامن زند۔ من آشکار میگویم و ہر گز باك ندارم۔ اے اہل اسلام درمیاں شما جماعتے باشتد کہ گردن بدعوی محدثیت و مفسریت برمی فراز ندو گروھے اند کہ از نازش ادب پا بر زمین نگذارند و گروھے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زنند و خود را چشتی و قادری و سہروردی و نقش بندی و چھا چھا گویند ایں جملہ طوائف را نزد من بیارید الخ ایام صلح

پھر عام مسلمانوں کی باری آئی ان کو بھی آپ کب چھوڑنے والے تھے جس قدر مسلمان زمانہ نبوی اور خیر القرون کے بعد مرزا کے وقت تک گزر چکے ہیں۔ فیج اعوج (باطل گروہ) قرار دیا۔ (دیکھو تحفہ گولڑوی صفحہ ۸۱) اور پھر جو مسلمان آپ کے دعاوی قبول نہیں کرتے ان کو بلا استثناء ذریة البغایا (ولد الحرام) کہہ کر اپنے حسن اخلاق کا ثبوت دیا۔ دیکھو کتاب تبلیغ مولفہ مرزا صفحہ ۵۴۷ و ۵۴۸ میں عبارت ذیل؛

تلك کتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبة والمودة و ینتفع من

معارفھا و یقبلنی و یصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا۔ الذین ختم اللّٰہ علی قلوبھم فھم لا یقبلوننی الخ

''یہ کتابیں ہیں جن کو ہر ایک مسلمان عین محبت سے دیکھتا اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا اور مجھے قبول کرتا اور میرے دعاوی کی تصدیق کرتا ہے مگر کنجریوں کی اولاد جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے پس وہ مجھے قبول نہیں کرتے۔''

اور اہل ہنود، عیسائی، سکھ، آریہ وغیرہ پر تو جو مہربانیاں آپ نے فرمائیں وہ آپ کی شحنۂ حق ضمیمہ انجام آتھم وغیرہ پڑھنے والوں پر بخوبی ظاہر ہیں اور اس کے بدلے آپ نے ان مذاہب والوں سے ناحق اہل اسلام کے پیشواؤں انبیاء کرام کو گالیاں دلائیں۔ رسالہ شحنۂ حق صفحہ ۶۹ میں لکھا ہے:

''اے آریو! مبارک باد تمہارے پرمیشر کی ساری حقیقت کھل گئی اور خود دیانند کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ تمہارے پرمیشر کا ایک رقیق جسم ہے جو دوسرے روحوں کی طرح زمین پر گرتا ہے اور ترکاری کی طرح کھایا جاتا ہے وہ کبھی رام چندر تھا کبھی کرشن (۱)۔ اور کہیں مچھ اور ایک مرتبہ تو خوک یعنی سُور بن کر اور سُوروں کے موافق لطیف غذائیں کھا کر اپنے درشن کرنے والوں کو خوش کر دیا۔''

اسی رسالہ کے صفحہ ۵۰ و ۶۰ میں بعض آریوں کے خطاب میں حلال زادہ (۲) ولد الزنا، کنجر، مادری خصلت وغیرہ استعمال کیے ہیں اور ایک ہندو کو صرف اس بات کے کہنے پر کہ مرزا قرض دار ہے لکھتے ہیں کہ جو (۳) شخص اپنی دختر کی نسبت ناطہ کسی سے کرنا چاہتے ہیں وہ اس کی جائیداد و مالی حیثیت کو دیکھا کرتے ہیں۔

(۱) مرزا جی اب اس درجہ کو تو پہنچ گئے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ اس سے آگے بڑھنے کی ہوس کر بیٹھیں۔

(۲) مرزائیو مرشد کی تہذیب کی داد دینا اور ان کا یہ شعر بھی پڑھنا:

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو ☆ رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے۔

(۳) بریں حوصلہ باد صد آفریں ☆ امام الزمان را سزد ایں چنیں

الغرض کسی ملت کسی فرقہ کا متنفس نہ رہا ہوگا جو کہ مرزاجی کی گالیوں کا نشانہ نہ بنا ہو بعض نے آپ کو ترکی بہ ترکی سنائیں اور بعض سنجیدہ مزاجوں نے اپنی عالی وقاری سے مطلق سکوت کیا۔ جوں جوں دوسری طرف سے خاموشی ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کا حوصلہ بلند ہوتا گیا اور گالیوں میں مشاق ہوتے گئے حتیٰ کہ گویا فن گالیوں کے آپ پورے امام بن گئے اور گالیوں کی ایجاد میں آپ نے وہ یدطولیٰ حاصل فرمایا کہ اس علم کے آپ استاد اور ادیب مانے جانے لگے اور دنیا قائل ہوگئی کہ کوئی شخص امام الزمان کا مقابلہ اس فن میں کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔

آخر رفتہ رفتہ یہ معاملہ حکام وقت کے سامنے پیش آیا اور مختلف مواقع پر آپ کی وہ تصنیفات جو مغلظات کا مجموعہ تھیں دفتر عدالت میں پیش ہوگئیں چنانچہ بعض بیدار مغز حکام نے مرزاجی کو ڈانٹا کہ مرزاجی منہ کو سنبھالیے اور گورنمنٹ انگلشیہ کے اصول امن پسندی کو نظر انداز نہ فرمایئے۔ عامہ خلائق کی دل آزاری اور ایذا رسانی سے باز آیئے ورنہ معاملہ دگرگوں ہو جائے گا۔ وہاں مرزاجی عدالت کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر آئندہ کے لیے قسم کھانے لگے کہ معاف کیجیے آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ اس موقعہ پر مناسب ہے کہ ناظرین کی آگاہی کے لیے اس حلفی معاہدہ کی جو مرزاجی نے مسٹر ڈوئی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر گورداسپور کی عدالت میں داخل کیا۔ بجنسہ نقل کی جاوے اور اس کے بعد مسٹر ڈگلس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے فیصلہ کی نقل بھی کی جاوے۔

نقل اقرار نامہ

میں مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بحضور خداوند تعالیٰ حاضر جان کر باقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ:

(۱) میں ایسی پیش گوئی جس سے کسی شخص کی تحقیر (ذلت) کی جاوے یا مناسب طور سے حقارت (ذلت) سمجھی جاوے یا خداوند تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد ہو۔ شائع کرنے سے اجتناب کروں گا۔

(۲) میں اس سے بھی اجتناب کروں گا، شائع کرنے سے کہ خدا کی درگاہ میں

دعا کی جاوے کہ کسی شخص کو حقیر (ذلیل) کرنے کے واسطے جس سے ایسا نشان ظاہر ہو کہ وہ شخص موردِ عتاب الٰہی ہے یہ ظاہر کرے کہ مباحثہ مذہبی میں کون صادق اور کون کاذب ہے۔

(۳) میں ایسے الہام کی اشاعت سے بھی پرہیز کروں گا جس سے کہ کسی شخص کا حقیر (ذلیل) ہونا یا موردِ عتاب الٰہی ہونا ظاہر ہو یا ایسے اظہار کے وجوہ پائے جاتے ہوں۔

(۴) میں اجتناب کروں گا ایسے مباحثہ میں مولوی ابوسعید محمد حسین یا اس کے کسی دوست یا پیرو کے برخلاف گالی گلوچ کا مضمون یا تصویر لکھوں یا شائع کروں جس سے کہ اس کو درد پہنچے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اس کے یا اس کے دوست یا پیرو کے برخلاف اس قسم کے الفاظ استعمال کروں جیسا کہ دجال، کافر، کاذب، بطالوی میں کبھی اس کی آزادانہ زندگی یا خاندانی رشتہ داروں کے برخلاف کچھ شائع نہ کروں گا جس سے اس کو آزار پہنچے۔

(۵) میں اجتناب کروں گا مولوی ابوسعید محمد حسین یا اس کے کسی دوست یا پیرو کو مباہلہ کے لیے بلاؤں۔ اس امر کے ظاہر کرنے کے لیے کہ مباحثہ میں کون صادق اور کون کاذب ہے۔ نہ میں اس محمد حسین یا اس کے دوست یا پیرو کو اس بات کے لیے بلاؤں گا کہ وہ کسی کے متعلق کوئی پیش گوئی کریں۔

(۶) میں حتی الوسع ہر ایک شخص کو جس پر میرا اثر ہو سکتا ہے اس طرح کاربند ہونے کے لیے ترغیب دوں گا جیسا کہ میں نے فقرہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ میں اقرار کیا ہے۔

تحریر ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء

دستخط صاحب مجسٹریٹ ضلع بحروف انگریزی مسٹر ڈوئی

دستخط بحروف انگریزی کمال الدین پلیڈر

دستخط مرزا غلام احمد قادیانی بقلم خود



نقل حکم مسٹر ڈگلس صاحب بہادر

نقل حکم مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۹۸ء

اجلاسی جی ایم ڈبلیو ڈگلس صاحب بہادر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور

سرکار بذریعہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب

بنام

مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور

زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ اگرچہ بمقدمہ ڈاکٹر کلارک صاحب ان کے برخلاف کافی شہادت نہیں ہے کہ ان سے ضمانت حفظ امن کی لی جاوے لیکن جو تحریرات عدالت میں پیش کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ''فتنہ انگیز'' ہے درآں حال یہ کہ کوئی شہادت اس کے باور کرنے کے واسطے نہیں ہے کہ مرزا صاحب خود یا کسی دیگر شخص کی معرفت نقص امن کریں گے مگر ان کی تحریرات اس قسم کی ہیں کہ انہوں نے بلاشبہ طبائع کو اشتعال کی طرف مائل کر رکھا ہے اور مرزا صاحب کو ذمہ دار ہونا چاہیے کہ یہ تحریرات ان کے مریدان پر کیا اثر رکھیں گی پس مرزا صاحب کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ملائم اور مناسب الفاظ میں اپنی تحریرات کو استعمال کریں ورنہ بہ حیثیت صاحب مجسٹریٹ ضلع ہم کو مزید کارروائی کرنی پڑے گی۔

دستخط صاحب مجسٹریٹ ضلع مسٹر ڈگلس صاحب

دستخط مرزا غلام احمد بقلم خود

سو یہ دونوں مرحلے جو مرزا جی کو ہر دو صاحبان ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کی عدالتوں میں مختلف اوقات میں پیش آئے، مرزا جی کو آیندہ عبرت دلانے کے لیے کافی تھے۔

لیکن خدا کے جری (مرزا جی) کی شان والا سے بمراحل بعید تھا کہ آپ ان تحریرات

کے پابند رہتے۔ افسوس کہ نہ تو آپ نے اس بات کی پرواہ کی کہ انہوں نے حضور گورنمنٹ عالیہ کے ذمہ دار آفیسروں کے سامنے معاہدہ کیا ہے جو دراصل گورنمنٹ کے سامنے تھا اور سلطان وقت کے حکم کی اطاعت کرنا فرض ہے اور نہ ہی اس بات کا خیال کیا کہ وہ نہ صرف مسٹر ڈوئی صاحب کے سامنے معاہدہ کر رہے تھے بلکہ احکم الحاکمین کو حاضر ناظر جان کر (جیسا کہ شروع میں لکھا ہے) حلفاً اقرار کیا تھا جو درحقیقت خدائے پاک سے معاہدہ تھا اور ایفائے عہد ایک نہایت ضروری امر ہے اور عہد کا توڑنے والا بزرگ تو بجائے خود مسلمان کہلانے کے قابل نہیں رہتا بلکہ علامات منافق میں داخل ہے؛

اذا عاھد غدر

اور قیامت میں عہد شکن (جو خدا سے گویا غدر کرنے والے ہیں) اس سزا کے مستوجب ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لکل غادر لواء عندا سته یوم القیامة

یعنی غادر (عہد شکن) کے چوتڑوں میں قیامت کے روز جھنڈا ہوگا جو اس امر کی منادی کے لیے ہوگا کہ یہ عہد شکن غادر تھا۔

الغرض مرزا صاحب نے ہرگز اس اپنے معاہدہ حلفی کا پاس نہ کیا اور نہ ہی مسٹر ڈگلس صاحب کی تنبیہ کا ہی کچھ خوف کیا، بے دھڑک اسی پیمانہ پر آپ کی تحریرات شائع ہوتی رہیں اور خلق خدا کو ایذا پہنچاتی رہیں۔ اس بات کی نظائر بے تعداد ہیں جو مرزا صاحب کی تصانیف پڑھنے والوں پر اظہر من الشّمس ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف ایک ہی نظیر کی طرف ناظرین کو توجہ دلائیں گے جس سے وجہ دائری مقدمات فریقین بھی ظاہر ہوگی۔ موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم میں ایک بے نظیر فاضل ابوالفیض مولوی محمد حسن صاحب فیضی تھے جو کہ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور جملہ علوم عربیہ کے مسلم فاضل اور مرزا کے عقائد کے مخالف تھے۔ مولوی صاحب موصوف تقدیر الٰہی سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس جہان فانی سے رہ گزائے عالم جاودانی ہو گئے جب مرزا کو فاضل مرحوم کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ حسب عادت خلاف معاہدہ حلفی دنیا میں ڈینک لگانے لگے کہ فاضل مرحوم ان کی بددعا سے بہت بُری موت سے

فوت ہوئے ہیں اور مرزا کی پیشین گوئی والہام کا نشانہ ہوئے ہیں۔ یہ مضامین آپ نے کشتی نوح، تحفہ ندوہ، نزول المسیح اپنی تصانیف میں خود بھی شائع کیے اور اپنے راسخ الاعتقاد مرید ایڈیٹر الحکم قادیان سے بھی اخبار میں شائع کرائے۔

فاضل مرحوم سے مرزا کی ناراضگی

یہ امر کہ مرزا کا فاضل مرحوم نے کیا نقصان کیا تھا اور کیوں ان کو بعد وفات بُرا بھلا کہنے پر مستعد ہوئے، سو واضح ہو کہ فاضل مرحوم ایک مہذب اور عالی ظرف تھے باوجود اس کے کہ مرزا کے عقائد کے مخالف تھے کبھی کسی تحریر یا تقریر میں آپ نے مرزا سے اختلاف ظاہر کرتے ہوئے کبھی بھی سخت کلامی نہ کی تھی ان سے قصور صرف یہ سرزد ہوا کہ ایک دفعہ حسب تجویز چند اکابر اسلام آپ سیالکوٹ میں مرزا جی کو جا ملے اور آپ کے علمی کمالات (جن کا ان کو ہمیشہ دعوی رہتا ہے) کی قلعی یوں کھولی کہ ایک بے نقط قصیدہ عربیہ منظومہ خود مرزا جی کے پیش کیا کہ آپ اس کا جواب دیں۔ مرزا جی سخت گھبرائے اور کچھ سمجھ نہ سکے کہ قصیدہ میں کیا لکھا ہے نہ کوئی جواب دے سکے۔ مولوی صاحب مرحوم مرزا جی سے بے اعتقاد ہو کر واپس آئے اور اخبارات کے ذریعہ ساری کیفیت کھول دی وہ قصیدہ بھی ایک اسلامی رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور میں شائع کر دیا جس کو شائع ہوئے قریباً ۶ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اب تک مرزا جی یا ان کے کسی حواری کو جواب لکھنے کی طاقت نہ ہوئی اور نہ ہی اس کیفیت کی جو اخبارات میں شائع ہوئی کسی مرزائی نے تردید لکھی۔ (سچی بات کی تردید کیا کرتے) ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ قصیدہ ہدیہ ناظرین کر دیں۔ اہل علم ناظرین مرحوم کی علمی فضیلت کا اندازہ اس قصیدہ سے لگا سکیں گے اور اس قصیدہ کو مرزا جی مدعی اعجاز کلامی کے قصائد سے مقابلہ کرنے سے ہر دو صاحبان کی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت کا بھی وزن کر سکیں گے اور بمضمون مشک آنست کہ خود ببوئد نہ کہ عطار بگوئد۔ قصیدہ خود اس امر کی شہادت دے گا کہ مرزا جی اس کے جواب دینے سے عاجز ہیں اور اس کا جواب دینا ان کے امکان سے باہر ہے اور پیشتر اس کے کہ وہ قصیدہ لکھا جاوے، سراج الاخبار ۹ مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۷ سے ہم وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو کہ فیضی مرحوم نے سیالکوٹ والی کیفیت

اپنے قلم سے لکھ کر اخبار مذکور میں شائع کرائی تھی، وھوہذا:

نقل مضمون سراج الاخبار ۲ مئی ۱۹۰۲ء مشتہرہ فیضی مرحوم

ناظرین! مرزا صاحب کی حالت پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ وہ باوجود یہ کہ لیاقت علمی بھی جیسا کہ چاہیے نہیں رکھتے اور کس قدر قرآن وحدیث کا بگاڑ کر رہے ہیں۔ سیالکوٹ کے کئی احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳ فروری ۱۹۰۲ء کو جب یہ خاکسار سیالکوٹ میں مسجد حکیم حسام الدین صاحب میں مرزا صاحب سے ملا تو ایک قصیدہ عربی بے نقط منظومہ خود مرزا صاحب کے ہدیہ کیا جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا، اس لیے کہ مرزا صاحب خود بھی عالم ہیں اور ان کے حواری بھی جو اس وقت حاضر محفل تھے ماشاء اللہ فاضل ہیں اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا اور پھر اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لیے بھی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنا دیں۔ مزید برآں مسائل مستحدثہ مرزا صاحب کی نسبت استفسار تھا۔ مرزا صاحب اس کو بہت دیر تک چپکے دیکھتے رہے اور مرزا صاحب کو اس کی عبارت بھی نہ آئی باوجود یہ کہ عربی خوش خط لکھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ایک فاضل حواری کو دیا جو بعد ملاحظہ فرمانے لگے کہ اس کا ہم کو تو پتہ نہیں ملتا، آپ ترجمہ کر کے دیں۔ خاکسار نے واپس لے لیا پھر زبان سے عرض کیا تو مرزا صاحب کلمہ شہادت اور امنت باللّٰہ الخ مجھے سناتے رہے اور فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں نہ رسول ہوں نہ میں نے یہ دعویٰ کیا۔ فرشتوں کو لیلۃ القدر کو معراج کو احادیث کو قرآن کریم کو مانتا ہوں۔ مزید برآں عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتے رہے۔ دوسرے دن حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کی نسبت دلیل مانگی تو آیت فلما توفیتنی اورانی متوفیک پڑھ سنائی۔ معنی کے وقت علم عربی سے تجرد ظاہر ہوا یہ پوچھا گیا کہ آپ کیوں مثیل مسیح موعود ہیں۔ آپ سے بہتر آج کل بھی اور پہلے کئی ایک ولی عالم گزرے ہیں وہ

کیوں نہیں اور آپ کیوں ہیں تو فرمایا میں گندم گوں ہوں اور میرے بال سید ھے ہیں جیسے کہ مسیح اللہ کا حلیہ ہے۔ افسوس اس لیاقت پر یہ غل۔ جناب مرزا صاحب وقت ہے توبہ کر لیجیے۔ اخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں۔ صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں۔ میں حاضر ہوں، تحریری کریں یا تقریری۔ اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں، عربی ہو یا فارسی یا اردو۔ آیئے سنیے اور سنایئے۔

راقم

ابوالفیض محمد حسن فیضی حنفی ساکن بھیں ضلع جہلم



نقل قصیدہ عربیہ مہملہ منظومہ فیضی مرحوم

مشتہرہ رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور

مطبوعہ فروری ۱۸۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علم آدم الاسماء کلھا

لمالک ملکہ حمد سلام — علی مرسولہ علم الکال
حمود احمد و محمد و — طھور مع اولاء و ال
اما مملوک احمد اھل علم — و الھام و حلال السوال
لودک کم مدی ھمع الدموع — وطأطأ راس اعلام عوال
علی مرّ المدی و کع الموده — و حمل اھلھا ادھی الحمال
ھواک الدھر ما دار السماء — و رامک اھلہ روم العسال
اطاعک عالم طوعا و سھلا — رأوک معلما سھل المال

محامدک الاواسع هم امالح — و طورا کلها ملعسل حال
هداک اللّٰه مسلک اهل ود — واعلم کل اسرار الکمال
و کم مراسعوا ورا واحلاک — و کم و ادوک معدومو الوصال
و کم مدحوک لما هم اطاعوا — الی دعواک الوالا کدال
حکوا ملائح الکلم المدلل — مکارمک المها لسما معال
رسائل حرر واسطر واحلاک — و عدوک المدی اولی اوال
و هم علموک موعود الرسول — و ملهم مالک مولی الموال
امام الدهر مرسول الالٰه — و مصلح اهل عصر ملمحال
دعوا اعلی الدعاء الا هلموا — روا الموعود مسعود المسال
رسائلک الوسائل للهداء — لهم و لهمهم مراک سال
کلامک للدواه لهم دوآءٌ — مر وروع مالو روع صال
و ما ارواحهم الا ودادک — علی اسمک و رد کل حال
و هم رهط اولوا ورع و حلم — عمائد اهل کرم والکحال
و کم عادوک ما والوک اصلا — و کم لاموک ملوم الملال
راوا الهامک الولع الموسوس — و عدوک الملحّ لطمع مال
و سموک المأوّل للصرائح — و راد مسلم الرهط الاوال
و هاکم لهواراءِ العدول — الی کم لطم داماء المحال
عدول مرسلی المسعود سهل — مسوارده امام اولی المحال
و محمود عطاء العالم اسما — همام اهل امر والعدال
اوائله الکرام امام سلم — مکارمهم کأعداد الرمال
علومهم کأمطار الدهور — و علم الدهر طرّا کالطلال
درامک دارهم کحل المدارک — و کحل سوائهم دک الهلال
عصامهم الحسام لکل عدو — حسامهم السلام لکل حال

مدی اعمالہ اعلام علم — و اعلاء الھدی وسط الصلال
ممد لالاولاء العلوم — و معط اھلھا اعداد مال
اما واللہ اسئلک المسائل — اسل ھلم سل اولی السوال
الا ھل صار دعوتک الرسالہ — کموحی اللہ معصوم المحال
ام اصطادوا معادوک ھواء — املھم الھویٰ سوء الملال
و ما املاکہ ملک العلوم — و ملھم واحد و ھدی کسال
و ھل کلم الرسول اصول علم — کمسطور الالہ علی الاصال
و ھل کلم الھدی مدلولھا ما — دری العلماء ملمع الدلال
ام اسرار و مسلکہ معمی — و ما اطلع العوام علی المثال
کلام اللہ ھل محوی العلوم — ا ادراھا الالہ لکل وال
کما ادراک ام لاعلم کلا — سوی العلام محمود وعال

اب بھی ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرزا جی اس قصیدہ کا جواب اس صنعت کے عربی قصیدہ کے ذریعہ ایک ماہ تک لکھنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ ہر دو قصائد کا موازنہ پبلک خود کرلے گی لیکن تہذیب و متانت سے جواب دیا جائے۔"



اس کے بعد پھر دوسری خطا فیضی مرحوم سے یہ ہوئی کہ ایک مطبوعہ چٹھی کے ذریعے مرزا جی کو بڑی متانت سے ان کے اس ادعا پر کہ ان کے کلام میں قرآن کریم جیسا اعجاز ہے، متنبہ کیا کہ آپ کا دعویٰ بچند وجوہ غلط ہے اور نیز چیلنج کیا کہ اگر آپ میں عربی لکھنے کی طاقت ہے تو جہاں آپ مجھے بلاویں مقابلہ کے لیے حاضر ہوں۔ اس چٹھی کا جواب بھی مرزا کی طرف سے فیضی مرحوم کی زندگی میں ہرگز نہ ملا۔ نہ مرزا جی کو طاقت مقابلہ ہوئی۔ وہ چٹھی بھی

سراج الاخبار میں چھپی تھی جس کی نقل درج ذیل ہے:

نقل چٹھی فیضی مرحوم مطبوعہ سراج الاخبار ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۶

مکرمی مرزا صاحب زید اشفاقہ

والسلام علی من اتبع الہدی۔ آپ ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ لاہور میں آ کر میرے ساتھ پابندی شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورہ کی تفسیر لکھیں۔ فریقین کو ۷ گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ ورق سے کم نہ ہوں۔ آپ تجویز کرتے ہیں کہ ان ہر دو تحریرات کو تین بے تعلق علماء کے حوالہ کر دیا جائے گا جس تحریر کو وہ حلفاً فصیح و بلیغ کہہ دیں گے وہ فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہوگا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دو فریق کی تحریرات کے اندر جس قدر غلطیاں نکلیں گی وہ سہو ونسیاں پر محمول نہیں کی جاویں گی بلکہ واقعی اس فریق کی نادانی اور جہالت پر محمول کی جاویں گی۔ مجھے آپ کے اس معیار صداقت پر بعض شکوک ہیں جن کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں:

(۱) کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اس انداز وفصاحت کی دوسری عبارت معارضہ کے طور پر نہیں لکھ سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا خاصہ تھا۔ بشر کا کلام اعجاز کی حد پر نہیں پہنچ سکتا حتی کہ افصح العرب حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ معارضہ کے لیے فصحائے عرب کو بلایا۔ اگر مان لیا جائے کہ بجز کلام خدا کے دوسرے کلام بھی حد اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر فرمایئے

کہ الٰہی کلام اور بندہ کے کلام میں مابہ الامتیاز کیا رہا۔

(۲) ہزار ہا غیر مسلم عربی کے اعلیٰ درجہ کے فاضل اور منشی گزرے ہیں اور ان کی تصانیف عربی میں موجود ہیں اور ان کے عربی قصائد اور نثر اعلیٰ درجہ کے فصیح اور بلیغ مانے گئے ہیں کئی ایک غیر مسلم عالم قرآن کریم کے حافظ گزرے ہیں بعض غیر مسلم شاعروں کے قصائد کے نمونے میں نے اپنے ایک مضمون میں دیے ہیں جو ۱۸۹۹ء کے رسالہ انجمن نعمانیہ میں پھر اخبار چودھویں صدی کے کئی پرچوں میں چھپا ہے۔

(۳) مجھے سمجھ نہیں آئی کہ چالیس علماء کی کیا خصوصیت ہے اگر یہ الہامی شرط ہے تو خیر ورنہ ایک عالم بھی آپ کے لیے کافی ہے اور یوں تو چالیس علماء بھی بالفرض اگر آپ کے مقابلہ میں ہار جائیں تو دنیا کے علماء آپ کے دعوی کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ مجددیت، محدثیت، رسالت کا معیار عربی نویسی کسی طرح بھی تسلیم نہیں ہو سکے گی۔

(۴) تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اس اشتہار کے ضمیمہ کے صفحہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مقابلہ کے وقت پر جو عربی تفسیریں لکھی جاویں گی ان میں کوئی غلطی سہو و نسیان پر حمل نہیں کی جاوے گی۔ مگر افسوس کہ آپ خود اسی اشتہار میں لفظ "محصنات" کو جو قرآن کریم میں مذکور ہونے کے علاوہ ایک معمولی اور مشہور لفظ ہے دو دفعہ "محسنات" لکھتے ہیں۔ س اور ص کی تمیز نہ ہونا اتنے بڑے دعوی دار عربیت کے حق میں سخت ذلت کا نشان ہے۔ یہ لفظ اگر ایک دفعہ غلط لکھا ہوتا تو شاید سہو پر حمل کیا جا سکتا مگر دو دفعہ غلط لکھا اور پھر شرط یہ ٹھہراتے ہیں کہ دوسروں کی غلطیوں کو سہو اور نسیان پر حمل نہیں کیا جائے گا۔

اخیر میں میرا التماس ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجیے اور مجھے اطلاع دیجیے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کروں مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی

نویسی کومجددیت یانبوت کامعیار تسلیم نہیں کیا گیا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

راقم

محمد حسن فیضی

بھیں ضلع جہلم تحصیل چکوال

مدرس دارالعلوم نعمانیہ لاہور

۵ اگست ۱۹۰۰ء



صاحبان! بس صرف یہی خطا تھی کہ فیضی مرحوم نے مرزا جی کوان کی غلطی پر متنبہ کیا اور ان کومقابلہ سے عاجز کر دیا۔ مرزا صاحب سے یہ تو نہ ہوسکا کہ مرحوم کوان کی زندگی میں جس متانت سے انہوں نے ان کو چٹھیاں لکھیں۔ جواب باصواب دیتے یا مقابلہ کے لیے بلاتے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ فیضی مرحوم فوت ہو چکے ہیں اور اب میدان خالی ہے۔ آپ نے اپنی گندہ کلامی سے مرحوم کی روح کو ستانا شروع کیا اور ان کے پسماندگان کی دل آزاری کے لیے اپنی تصانیف مرحوم کے عم زاد برادر ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین صاحب بھیں (جو اس مقدمہ میں مستغیث تھے) کے پاس موضع بھیں میں روانہ کیں۔

مولوی صاحب کو مرزا صاحب کی یہ بے وجہ سخت کلامی ان سے نئے جدا ہوئے پیارے بھائی کے حق میں سخت شاق گزری، انہوں نے مرزا جی کو نوٹس بھیجا کہ آپ پر اس امر کی نالش فوجداری کی جاوے گی کہ آپ نے ان کے مرحوم بھائی کی توہین کر کے ان کی دل آزاری کی ہے۔

اس پر قادیان میں عجیب کھلبلی مچی اور قانونی مشیروں کے مشورے سے پیش بندی کر کے مولوی صاحب کے برخلاف مقدمہ فوجداری حکیم فضل دین حواری کے ذریعہ دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر کرا دیا اور اس کے بعد کچھ عرصہ کو مولوی صاحب نے فیضی مرحوم کی توہین کا مقدمہ جہلم میں رائے سنسار چند صاحب کی عدالت میں دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں مرزا جی بذریعہ وارنٹ بضمانت ایک ہزار روپیہ طلب ہوئے اور نیز آپ کے

چند مرید بھی آپ کے ساتھ بذریعہ وارنٹ بلائے گئے۔ اس مقدمہ کی نسبت قانونی مشیروں نے یہ اعتراض سوچا کہ مقدمہ فیضی مرحوم کے پسران کی طرف سے دائر ہونا چاہیے تھا۔ ان کی موجودگی میں مستغیث کوحق نالش کا نہیں پہنچا۔ اس پر مرزا صاحب کا حوصلہ بندھ گیا اور جہلم میں روانہ ہونے سے پہلے اپنی ایک کتاب مواہب الرحمٰن میں جو اس وقت زیر تصنیف تھی اس مقدمہ کی نسبت کچھ تذکرہ چھاپ کر کتاب ہمراہ لائے اور جہلم میں آ کر کتاب تقسیم کر دی۔ اس کتاب میں مولوی صاحب کی نسبت سخت ہتک کے الفاظ درج کیے گئے جو آپ پر اس استغاثہ کی دائری کا باعث ہوئے۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو اس مقدمہ کی پیشی ہوئی اور خدا کے جری متوکل علی اللہ امام الزمان بجائے اس کے کہ سینہ سپر ہو کر تنہا مقابلہ میں نکلتے ایک جتھا وکلاء کا اپنی نجات کا وسیلہ بنا لائے جن میں سے ایک صاحب بیرسٹر بھی تھے جو اس مذہب عیسائی کے تھے جن کی نسبت ''دجال'' وغیرہ کے القاب آپ استعمال فرمایا کرتے ہیں۔ بالآخر وکلاء نے وہی اعتراض اٹھایا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور حاکم نے وہ اعتراض سن کر استغاثہ داخل دفتر کیا۔ بس پھر کیا تھا مرزائیوں نے فتح کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا اور لمبے چوڑے اشتہاروں میں مرزا جی کو ''خدا کا برگزیدہ رسول'' اور ''نبی اللہ'' کے خطاب دے کر مبارکبادیاں دی گئیں۔

اس موقعہ پر اخبار چودھویں صدی [۷۶] میں ایک مختصر پُر مغز مضمون جو مرزائیوں کے اس غیر معمولی جوش پر ایڈیٹر اخبار موصوف نے لکھا تھا درج کر دینا موجب دلچسپی ناظرین ہوگا۔

نقل مضمون اخبار چودھویں صدی راول پنڈی

مطبوعہ یکم فروری ۱۹۰۳ء صفحہ کالم اول

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایک مقدمہ میں فتح کی خوشی میں ان کے مریدان باصفا نے مرزا صاحب کے مراتب کو اور بھی بلند فرما دیا ہے چنانچہ اخبار الحکم کے ضمیمہ میں جو اس عظیم الشان فتح پر ان کو مبارکباد دی گئی ہے اس

میں سے ذیل کے الفاظ ہم نقل کرتے ہیں:

''اے خدا کے برگزیدہ رسول الحق خدا تیرے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔

اے نبی اللہ تجھے وہ بشارت ملی ہے جس کا وعدہ بشارۃ تلقاھا النبیون میں یوم العید کو دیا گیا۔ لاریب خدا تعالیٰ کے وہ سارے وعدے جو اس نے اس مقدمہ کے متعلق کیے تھے پورے ہوئے۔ ان تمام پیشین گوئیوں کے پورا ہونے پر تجھ کو اور تیری قوم کو مبارک باد دیتے ہیں۔''

ہم نے تو ایک سابقہ پرچہ میں پیشین گوئی کر دی تھی، اس کے واسطے کسی الہام کی ضرورت نہیں تھی کہ مرزا صاحب کو آج کل جو الہامات ہو رہے ہیں ان کی تعبیر عن قریب ان مقدمات کے نتائج سے کی جاوے گی۔

مقدمہ جو مرزا صاحب اور ان کے دوستوں کے برخلاف تھا وہ جہاں تک ہم نے سنا ہے اس امر کا تھا کہ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم جو موضع بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے ان کی نسبت کچھ نا ملائم اور ناشائستہ الفاظ انہوں نے یا ان کے کسی دوست نے لکھے تھے۔ ان الفاظ کی بنا پر مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کے ایک رشتہ دار مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب وغیرہ پر ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کر دی تھی۔ عدالت کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا مولوی کرم الدین مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کا اتنا قریبی رشتہ دار ہے کہ متوفی مولوی صاحب کو بُرا کہا جانے کی وجہ سے نالش کرنے کا مستحق ہے۔ عدالت نے یہ قرار دیا کہ مولوی کرم الدین اتنا قریبی رشتہ دار مرحوم کا نہیں ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے۔

اس مقدمہ کے متعلق وضاحت سے جو الہام مرزا صاحب کو ہوئے ہیں وہ دوران مقدمہ میں ہوئے ہیں جبکہ ان کے وکلاء ان کو قانونی مشورہ دے چکے تھے اور اس واسطے ہم جانتے ہیں کہ ان الہامات کے معنی کیا ہیں لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس تقریب پر مرزا صاحب کے مراتب اور مناقب میں کوئی ترقی ہونے والی ہے اور غالباً خود مرزا صاحب کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اس

عظیم الشان فتح کی خوشی میں ''خدا کے برگزیدہ رسول'' اور ''نبی اللہ'' ہو جائیں گے اور خاتم الانبیاء ختم الرسل کی تعریفات جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداك روحي يا رسول الله) کے پیارے اور مبارک نام کے ساتھ گزشتہ تیرہ سو برس میں استعمال ہوتی رہی ہیں ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر مرزا صاحب اس ترقی کے مستحق ثابت ہوئے ہیں تو ہماری رائے میں ان وکیلوں کی جنہوں نے مرزا صاحب کو اس مقدمہ میں چھوڑایا ہے نہایت حق تلفی کی گئی ہے۔ مقدمہ سے چھوٹنے والا تو امام سے برگزیدہ رسول اور نبی ہو جائے اور مقدمہ سے چھوڑانے والے بے چارے کوئی خاص اور چھوٹنے والے سے بہتر رتبہ کے مستحق نہ قرار دیے جائیں حالانکہ حالات نے مرزا صاحب کے وکلاء کو انعام میں ایک خاص ترقی دینے کا موزوں موقع پیدا کر دیا تھا یعنی مرزا صاحب کے تین وکلاء تھے۔ ان تینوں میں سے جن سے وہ راضی ہوتے ایک کو خدا دوسرے کو خدا کا بیٹا۔ تیسرے کو روح القدس بنا دیا جاتا اور پھر تینوں مل کر خدا بنا دیے جاتے اور مرزا صاحب کے دین کے لحاظ سے یہ کوئی نئی یا اچھوتی بات نہ ہوتی۔ مرزا صاحب نے اپنے مضمون کشتی نوح میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ مریم بنا دیے گئے تھے اور پھر ان کو حمل ہو گیا تھا اور جب ان کو دردزہ ہوا تو وہ کھجور کے درخت کے نیچے چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے بچہ جنا اور وہ بچہ جننے کے بعد ان کو آخر کار کسی وقت معلوم ہوا کہ وہ دونوں ماں اور بچہ وہ خود ہی ہیں تو جس دین میں یہ عجائبات ظہور پذیر ہو سکتے ہیں وہاں چند الہاموں کے اُلٹ پھیر سے ان بے چارے وکلاء کو بھی ترقی دی جا سکتی تھی جس کے وہ مستحق تھے اور امید ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے دوست اپنے اس سہو پر غور کر کے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ مرزا صاحب کے برخلاف مولوی کرم الدین صاحب کا استغاثہ نہیں چل سکا تو اب سنا ہے کہ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کے لڑکے استغاثہ کرنے والے ہیں۔ ہماری اب بھی وہی رائے ہے جو پہلے تھی کہ مسلمانوں کے مذہبی جھگڑوں کو عدالتوں

میں نہیں گھسیٹنا چاہیے۔ دونوں فریق میں اگر کوئی عاقبت اندیش بزرگ ہیں تو وہ ان کو یہی صلاح دیں گے کہ مقدمہ بازی کو چھوڑ دیں۔"

الحاصل ادھر تو بیچارے وکلاء نے اس عذر پر کہ استغاثہ اس مستغیث کی طرف سے نہیں چل سکتا۔ مرزا جی کو نجات دلائی، ادھر مرزا جی ایسے عاقبت اندیش موکل ہیں کہ اسی مستغیث کو خود ایک دوسرے استغاثہ کا مصالحہ تیار کر کے خود ہی اس کے ہاتھ دے گئے یعنی کتاب مواہب الرحمٰن میں مستغیث کا صریح نام لکھ کر اس کو گالیاں دیں اور جہلم کے احاطہ کچہری میں اس کو تقسیم کیا چنانچہ مرزا جی مبارکبادیاں لیتے خوشیاں مناتے قادیاں میں پہنچے ہی ہوں گے کہ ادھر کتاب مذکور کی بناء پر دوسرا استغاثہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو اسی حاکم لالہ سنسار چند صاحب کی عدالت میں دائر ہو گیا اور مرزا جی اور ان کے حواری حکیم فضل دین بذریعہ وارنٹ وغیرہ پھر طلب ہو گئے۔ اس خبر پر قادیان دارالامان میں پھر نیا ماتم برپا ہو گیا۔ ہر چند قادیانی صاحب نے اس مقدمہ کو ایک معمولی (۱) سمجھ کر اس کے متعلق یہ الہام اخبار الحکم میں اسی وقت شائع کر دیا تھا: ساکرمك اکراما عجیبا (الحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء) اس الہام کا یہ منشاء تھا کہ دیکھو ابھی تم کو عجیب اعزاز ملتا ہے یعنی استغاثہ خارج ہوتا ہے۔ (ساکرمك کا سین قابل غور ہے) لیکن غیور خدائے ذوالجلال کو چونکہ مرزا کے الہاموں کی بیخ کنی منظور تھی اس معمولی مقدمہ نے مرزا جی کو ایسا جکڑا کہ دو سال تک پیچھا نہ چھوڑا اور کوئی مصیبت کوئی ذلت نہ ہو گی جو کہ اکرام عجیب کے منتظر کو اثنائے مقدمہ میں نصیب نہ ہوئی ہو۔ آخر دو سال کے بعد ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مرزا جی کو عدالت لالہ آتمارام صاحب مجسٹریٹ گورداسپور

---

(۱) یہ امر کہ مرزا جی کے الہام کا یہی منشاء تھا کہ ابتدا ہی میں آپ کو نجات مل جاوے گی ان کی اس درخواست سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے جو کہ لالہ سنسار چند صاحب کی عدالت میں مرزا کی طرف سے استثناء حاضری کے لیے گزری تھی۔ اس میں صاف درج تھا کہ امید نہیں کہ استغاثہ ابتدائی مراحل سے آگے چل سکے۔

سے اکرام عجیب کا یہ تمغہ ملا کہ آپ پانچ سو (۵۰۰) روپیہ جرمانہ ادا کریں ورنہ ۶ ماہ قید محض بھگتیں۔

بے شک مرزا جی کے لیے یہ اکرام عجیب تھا جو عمر بھر میں آپ کو اس سے پہلے نہیں ملا تھا۔

مقدمہ بازی میں مرزا کو فاش شکست

مقدمہ بازی فریقین کا خاتمہ جس قدر کہ ہو چکا ہے اس کے مجموعی حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیان اور اس کی جماعت اس مقدمہ بازی میں ہرگز فتح یاب نہیں ہوئی (جیسا کہ ان کے مرید ظاہر کر رہے ہیں) بلکہ اس مقدمہ بازی نے ان کی وقعت اور ان کی صداقت کی ساری قلعی کھول دی ہے۔ سوچنے والے مجموعی نتائج پر غور کر کے صاف قائل ہوں گے کہ مرزا اور اس کے گروہ نے اس مقدمہ بازی میں سخت شکست کھائی اور اس مقدمہ بازی کے ذریعہ پبلک کو مرزا سے سخت بے اعتقادی حاصل ہوئی اور روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مرزا جی کے دعاوی ملہمیت، مسیحیت، نبوت وغیرہ سب غلط ہیں۔

اس بارے میں امور ذیل قابل توجہ ہیں:

اول: اس مقدمہ بازی کا سلسلہ اول مرزائیوں نے چھیڑا اور مرزا جی کی خاص ہدایت سے چھیڑا گیا اور اس سلسلہ کے چھیڑنے سے وہ اعتراضات ذیل کا نشانہ بنے ہیں:

(۱) مرزا صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ بہ حیثیت مسیح موعود خود حکم عدل ہیں پھر ان کو ہرگز شایاں نہ تھا کہ وہ فیصلہ نزاع کے لیے اور کسی حکم کے محتاج ہوتے، کیا کسی حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ مسیح موعود اپنے ظہور کے وقت عدالتوں میں مقدمات بھی لڑائیں گے۔

(۲) خداوند تعالیٰ کا مسلمانوں کو یہ ارشاد ہے:

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول

یعنی اگر تم مسلمانوں میں کسی امر میں تنازع ہو تو خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو۔ (النساء:۵۹)

پھر مرزا جی نے کیوں اس آیت قرآنی کا خلاف کر کے حکیم فضل دین مخلص حواری کو ہدایت فرمائی کہ بجائے اس کے کہ معاملہ کو خدا اور رسول کے سپرد کریں رائے گنگارام صاحب مجسٹریٹ کی عدالت کی طرف رجوع کریں۔

(۳) یہ مقدمہ بازی ایک سخت فتنہ پردازی تھی جس میں مسلمانوں کی جان و مال دو (۲) سال تک مبتلا رہے اور خداوند عالم نے فرمایا ہے:

والفتنۃ اشد من القتل. (البقرہ:۱۹۱)

مرزا جی مسیح موعود ہوتے تو بجائے اس کے کہ مسلمانوں میں امن اور صلح قائم کریں یہ بدامنی ہرگز نہ پھیلاتے جو کہ سخت گناہ میں داخل ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

ان الـذيـن فتـنـوا المؤمنين والمؤمنٰت ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جهنم ولهم عذاب الحريق.

جو لوگ مسلمانوں میں فتنہ ڈالتے اور توبہ سے پہلے مر جاتے ہیں ان کے لیے سخت جلانے والا عذاب (جہنم) تیار ہے۔ (البروج:۱۰)

(۴) گورنمنٹ کی امن پسند پالیسی بھی اس امر کے مانع ہے کہ اس کی رعایا میں بذریعہ مقدمہ بازی بدامنی پھیلے اور ان کا روپیہ مفت برباد ہو۔ سو اس مقدمہ میں جس قدر مسلمانوں کا روپیہ برباد ہوا یا مسلمانوں کو بدنی تکالیف پہنچیں ان سب کے ذمہ دار مرزا جی ہیں جنہوں نے سلسلہ مقدمہ بازی کو پہلے شروع کیا۔ والبادی اظلم

دوم: سب سے پہلا مقدمہ جو مسیح الزمان کے خاص حکم سے بذریعہ حکیم فضل دین عدالت میں بڑے زور و شور سے دائر کیا گیا تھا اور علاوہ دیگر گواہوں کے مرزائی جماعت کے اعلیٰ ممبر حکیم نوردین و عبدالکریم بھی گواہ بنائے گئے تھے۔ اس مقدمہ کی فتح یابی کے متعلق مرزا جی کو الہاموں کی بھرمار ہو رہی تھی اور اس مقدمہ کے بنانے پر بہت کچھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی کرم الدین صاحب بری اور مقدمہ خارج۔

مرزا جی کے الہامات کے پرخچے اڑ گئے اور دنیا میں فریق مقابل کی فتح و ظفر کا نقارہ بج گیا۔ اس وقت قادیانی اخبارات ایسے عالم سکوت میں کہ گویا کہیں ان کا نشان ہی نہیں اور

تمام اخبارات میں مولوی صاحب کی فتح اور مرزا جی کی شکست کے مضمون شائع ہو گئے۔ کہیے مرزا جی کو یہ بھی کہیں الہام ہوا تھا کہ اس مقدمہ کا یہ حشر ہو گا۔ تم روپیہ کیوں برباد کر رہے ہو۔ اس مقدمہ کی شکست کا دھبہ قیامت تک مرزا اور ان کی جماعت کے ذمہ رہے گا اور یہ حسرت ان کو مرتے دم تک رہے گی کہ خدا کی برگزیدہ جماعت نے ناخنوں تک زور لگایا مگر فریق مقابل کا بال بیگانہ ہوا۔

ناظرین کی توجہ کے لیے ذیل میں سراج الاخبار مطبوعہ ۱۸ جنوری ۱۹۰۴ء کا ایک مختصر مضمون نقل کرتے ہیں:

مولوی محمد کرم الدین صاحب کی فتح

۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو مرزائیوں کا وہ الہامی مقدمہ فوجداری جو من جانب حکیم فضل دین مرزا جی کے خاص حکم سے برخلاف مولوی صاحب موصوف دائر کیا گیا تھا اور جو ۱۴ ماہ سے چل رہا تھا اور جس کی نسبت مرزا جی کو متواتر نصرت و فتح کے الہامات بارش کی طرح برس رہے تھے آخر کار انصاف مجسم حاکم جناب بابو چندولال صاحب بی اے مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت سے خارج ہو گیا اور مولوی صاحب باعزت بری ہو گئے۔ اس تاریخ کو بہت سے احمدی جماعت کے ممبر دُور دُور سے مسافت طے کر کے آخری حکم سننے کے لیے جمع ہو گئے تھے اور منتظر تھے کہ مرزا جی کا تازہ نشان (فتح مقدمہ) دیکھیں لیکن صاحب مجسٹریٹ کا یہ حکم سن کر سب کے رنگ فق ہو گئے اور وہ سب اُمیدیں جو مرشد جی نے مدت دراز سے فتح اور ظفر کی دلا رکھی تھیں خاک میں مل گئیں اور مرزا جی کے الہام کی قلعی کھل گئی۔

کیوں جی مرزائی صاحبان، سچ بتایئے گا وہ الہام جاء ک الفتح ثم جاء ک الفتح کیا ہوا اور وہ مجموعہ فتوحات کا وعدہ کہاں اڑ گیا اور انجام مقدمات کی پیشین گوئی کیا ہوئی اور ان تازہ الہامات مشتہرہ الحکم ۷ اور ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء ہماری فتح ہمارا غلبہ ظفر من اللّٰہ و فتح مبین وغیرہ وغیرہ کا کیا حشر ہوا۔ آپ کے حضرت حجۃ اللّٰہ نے تو جیسا کہ الحکم مذکور

میں چھپا خواب میں اصحاب القبور (مردگان) کے سامنے بھی ہاتھ جوڑے اور دعائیں کرائیں لیکن افسوس کہ وہ سب محنت اکارت گئی۔ سچ ہے:

و عندہٗ مفاتیح الغیب لا یعلمھآ الا ھو۔ (الانعام:۵۹)

کیا مرزائی صاحبان اس معاملہ پر غور نہیں فرماویں گے۔ یارو خدارا انصاف الیس منکم رجل رشید ذرا مرزا جی سے یہ تو پوچھیے گا کہ آپ نے خود انجام مقدمات کی پیش گوئی اس آیت سے فرمائی تھی:

ان اللّٰہ مع الذین اتقوا و الّذین ھم محسنون۔ (النحل:۱۲۸)

اب آپ ہی فرمایئے اہل تقویٰ آپ بنے یا آپ کے مخالف میدان تو مولوی صاحب جیت گئے۔ خدا کی نصرت ان کی یاور ہوئی پھر یا تو آپ کو اپنے ملہم پر صاحب بدظن ہو جانا چاہیے یا اس کا فیصلہ مان لیجیے کہ حق آپ کے خلاف ہے ایک اور آیت بھی آپ نے الحکم میں اس مقدمہ کی پیش گوئی میں شائع فرمائی تھی۔ الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل و ارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم الخ

سو اب آپ ہی تشریح فرمایئے کہ اصحاب الفیل اس موقع پر کون ہیں اور ان کے مقابلہ میں مظفر و منصور طیر کون۔ ہم تو گورداسپور میں جہاں تک دیکھتے رہے آپ کی ہی پارٹی بڑے کروفر سے انہوں اور گاڑیوں پر سوار ہو کر آتی تھی پھر آپ کی نسبت طیرا ابابیل کا خیال کرنا تو نہایت بے ادبی ہے البتہ پہلی شق کی کوئی وجہ نکل سکتی ہے تو براہ مہربانی اس الہام کی پوری تفسیر کر دیجیے گا۔ مرزائی صاحب مانیں یا نہ مانیں دنیا میں تو اب مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب کی فتح کا ڈنکا بج گیا اور مرزا جی کا وہ طلسم اعجاز دعوی (الہام) ٹوٹ گیا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔

اب تو مرزائی صاحبان کو مرزا جی سے صاف کہہ دینا چاہیے:

بس ہو چکی نماز مصلی اٹھایئے

افسوس ہے کہ مرزاجی کے جری سپاہی خواجہ کمال الدین صاحب وکیل کی یک سالہ محنت اکارت گئی اور برخلاف ان کے فاضل وکلاء جناب سید میر احمد شاہ صاحب پلیڈر بٹالہ اور شیخ نبی بخش صاحب پلیڈر گورداسپور بابو مولامل صاحب بی اے وکیل گورداسپور نے میدان جیت لیا۔ ہم ان وکلاء صاحبان کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور ان کی محنت کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر صدہا مبارکباد مولانا صاحب مولوی محمد کرم الدین صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک زبردست فتح حاصل کی۔

راقم

ایک گورداسپوری

اس مقدمہ میں بہت بڑی زک مرزائیوں کو ایک یہ ملی تھی کہ مقدمہ صرف اس غرض سے چھیڑا گیا تھا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی مدظلہ (جن کے باعث مرزاجی لاہور کی بحث سے فرار کے باعث سخت شرمندگی اٹھا چکے تھے اور پھر سیف چشتیائی کے باعث مرزاجی کی علمی پردہ دری ہو چکی تھی) کو عدالت میں بلوایا جائے اور جرح وغیرہ سے بے وجہ ان کو تکلیف دی جائے لیکن باوجود مرزائیوں کی بے انتہا کوششوں اور درخواست پر درخواستیں گزارنے کے پیر صاحب عدالت میں نہ طلب ہو سکے جو پیر صاحب کی کرامت کا بہت بڑا نشان اور مرزا کی ناکامیابی کا بھاری نمونہ قیامت تک یادگار مقدمہ رہے گا۔

سوم: پھر دوسرا مقدمہ فوجداری جو کہ زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند (مال مسروقہ کو پاس رکھنا) مولوی صاحب کے خلاف قائم کیا گیا تھا اور ایک درجن گواہوں کا اس کے ثبوت کے لیے عدالت میں پیش کیا گیا تھا جن میں شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس جیسے معزز اشخاص بھی داخل تھے اور مسٹر اوگارمن صاحب بیرسٹر اس کی پیروی کے لیے بلائے گئے تھے اس مقدمہ کے لیے بھی طرح طرح کے الہامات تھے لیکن اس کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ استغاثہ بعدم ثبوت ڈسمس (Dismiss) اور مولوی صاحب رہا۔

اس شکست بعد شکست نے قادیانی جماعت تک کو مذبذب کر دیا تھا اور مرزائی کسی

سے بات تک کرنے سے بھی شرمندہ ہوتے تھے۔ کیا یہ مقدمہ بھی خدا کے برگزیدہ رسول (معاذ اللہ) نے اسی امید پر دائر کرایا تھا کہ باوجود کثیر مصارف برداشت کرنے اور گواہان کو تکالیف شہادت پہنچانے کے بعد فریق مخالف صاف نکل جائے اور مرزائی بے چارے آہ و فغاں کرتے رہ جائیں۔ اگر مرزا جی ملہم ہوتے تو ان کو اول ہی بذریعہ الہام خبر مل جانی چاہیے تھی کہ مقدمہ بے وجود ہے اس کو چھیڑ کر اپنی تخفیف نہ کراؤ کیا اس کا کوئی جواب مرزائیوں کے پاس ہے۔

چہارم: مقدمہ زیر بحث یعنی قادیانی کا مقدمہ جس کے متعلق کارروائی عدالت اپیل پر مرزائی اخبارات شور مچا رہے ہیں اور ان کی جماعت والے مارے خوشی کے جامے میں پُھولے نہیں سماتے۔ سو اس مقدمہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مرزا جی کے سارے اسرار کو طشت از بام کرنے والا اور سارے دعاوی کی قلعی کھولنے والا یہی مقدمہ ہے جو کہ صفحہ دہر پر بہت دیر تک یادگار رہے گا اس کے متعلق اُمور ذیل قابل غور ہیں:

(۱) جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مرزا نے اس مقدمہ کو بالکل معمولی تصور کیا اور اپنے قیاس کے موجب الہام بھی جلدی فتح یاب ہونے کا کر دیا لیکن ان کے قیاس اور الہام کو غلط کرنے کے لیے قضاوقدر نے اس کو اس قدر طول دے کر مرزا کو طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بنایا جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملے گی۔

(۲) اس مقدمہ میں مرزا جی کے ادعائے ریاست و کرسی نشینی کی بھی ساری حقیقت کھل گئی۔ ہمیشہ کرسی کرسی کی پکار سنا کرتے تھے اور اسی کو گویا معیار صداقت قائم کیا جاتا تھا کہ دیکھو فلاں موقع پر ہم کو کرسی ملی اور مخالف فریق کو کرسی نہ ملی اور الہام **انی مھین من اراد اھانتک و معین من اراد اعانتک** وغیرہ کا ظہور ہوا لیکن خدائے تعالیٰ نے اس شیخی باز کو مقدمہ ہذا میں وہ دن دکھائے کہ چھ چھ گھنٹہ عدالت میں کھڑا رہنا پڑا اور کرسی کا نام لینے تک جرات نہ ہوئی۔ جب تک رائے چندو لال صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ رہا اس وقت تک ہر دو فریق یعنی مولوی صاحب مستغیث و مرزا کو بالمساوات کرسی ملتی رہی لیکن جب سے کہ مرزا جی نے دعوات سحری کے ذریعہ (جیسے کہ ان کے مرید کہتے ہیں)

صاحب موصوف کو تبدیل کرایا اور بجائے ان کے کہ لالہ آتمارام صاحب ایک بارعب پابند ضابطہ مجسٹریٹ آگئے تو کرسی کی رعایت موقوف ہوگئی۔ ہر دوفریق کو بالمقابل عدالت میں کھڑا ہونے کا حکم ملا۔ مولوی صاحب تو آخر نوجوان تھے اس بات کی کم پرواہ رکھتے تھے لیکن مرزاجی کی حالت پر رحم آتا تھا جبکہ بے چارے ملزموں کے کٹہرے پر تکیہ لگائے پشت دوتا کیے گھنٹوں پاؤں پر کھڑے نظر آتے تھے۔

مرزاجی کے مرید ہر چند اس بات پر پھولیں کہ آخر کار مرزاجی کا جرمانہ معاف ہوا لیکن درحقیقت مرزاجی کے لیے جو سزا قدرت نے مقدر کی تھی وہ بھگت چکے۔ مرزاجی کو مشکل سے وہ زمانہ بھولے گا جو آپ نے اس مقدمہ کے دوران میں دیکھا۔ کہاں وہ دارالامان قادیان کی عیش وعشرت اور کہاں گورداسپور کے ایام غربت زن و بچہ سمیت آپ دربدر بھٹکتے پھرے۔ گورداسپور میں آپ کو بصد مشکل مکان بھی رہنے کے لیے ملا جیسا کہ الحکم میں بھی اس بات کا اعتراف کیا گیا اور پھر عدالت میں روزانہ حاضری، احاطہ عدالت کے سامنے درخت جامن کے نیچے بیٹھے بیٹھے دروازہ عدالت کی طرف ٹکٹکی باندھے دن بھر گزر جاتا تھا۔ کثرت کام عدالت کے باعث پچھلے پہر بلا کر حکم دیا جاتا تھا کہ کل حاضر ہو۔ ایک شاعر نے مرزاجی کے اس زمانہ کا نقشہ ایک دلکش نظم میں کھینچا تھا جو ذیل میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ نظم ہمیں اخبار میں درج کرنے کے لیے دی گئی تھی۔

نظم دل کش

ارے او میرزائے قادیانی	بتا تیری کہاں وہ لن ترانی
کہاں تیری وہ کرسی ہائے کرسی	ہمیشہ سنتے تھے تیری زبانی
کھڑا کیوں پاؤں پر ہے دست بستہ	جھکا کر پیٹھ باصد ناتوانی
کٹہرا ملزموں کا تیری جا ہے	کہاں وہ راحت دارالامانی
کہاں وہ کیوڑا صندل کے شربت	نہ ملتا آپ کو ہے آج پانی
زمین و آسماں تھے تیرے تابع	تجھے حاصل تھی نصرت آسمانی

زمانہ نے یہ کیا پلٹا ہے کھایا	پڑی تجھ پر بلائے ناگہانی
رُلایا دربدر تجھ کو خدا نے	نہیں حاصل تجھے اب شادمانی
وہ بیت الفکر بیت الذکر بُھولے	ہے اب گورداسپور کی خاک چھانی
نہ مرزا جی ہی نکلے خود وطن سے	کہ ہوئی ہے مسافر میرزانی
عیال اطفال سارے در بدر ہیں	یہ بوڑھے باپ کی ہے مہربانی
یہ ساری ذلتیں جو دیکھتے ہیں	ہے مرزا جی سزائے آسمانی
عدالت میں تیری پیشی ہے ہر روز	مصیبت ہے یہ گویا جاودانی
کمالی زور سے آ کر پکارے	ہو حاجر جلد مر جا کادیانی
ہیں حاکم یاں کے لالہ آتما رام	عدالت جن کی ہے نوشیروانی
دکھا دینا ہے آخر دودھ کا دودھ	انہوں نے صاف اور پانی کا پانی

دوران مقدمہ میں مرزا جی اور ان کا ساتھی (فضل دین) طرح طرح کی آفات سماوی اور امراض مہیبہ میں مبتلا ہوتے رہے لیکن فریق ثانی کو ان ایام میں سر دردی تک کبھی لاحق نہ ہوئی جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تائید آسمانی فریق ثانی کے شامل حال تھی۔ مولوی صاحب جس مردانگی اور حوصلہ سے دوران مقدمہ میں ثابت قدم رہے اور باوجود بے وطن اور تن تنہا ہونے کے ہر ایک مرحلہ پر استقلال سے لڑتے رہے۔ بجز تائید ایزدی کے یہ امر بالکل دشوار تھا کیا مرزائیوں کو وہ وقت یاد ہے جبکہ حکیم فضل دین اثناء تحقیقات مقدمہ میں ایک ناگہانی سخت بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کے پیر بھائی اسی حالت میں چارپائی اٹھا کر ان کو کمرہ عدالت میں لائے تھے اور دن بھر بے چارے کمرہ میں لیٹے رہے اس روز بجائے انی مھین من اراد اھانتک کے انی مھین من اراد اعانتک کا مضمون برابر صادق آتا تھا لیکن فریق ثانی کو خدا نے ایسے ابتلاؤں سے بالکل محفوظ رکھا اور نہ مرزا جی کی کرامت منائی جاتی اور پھر وہ زمانہ بھی آپ کو یاد ہوگا جبکہ مرزا جی بیماری سنگاپی وغیرہ میں مبتلا ہو کر غشی پر غشی کھاتے رہے۔ (ان بیماریوں کی تصدیق مسل میں موجود ہے۔)

مسیحا سے شفا پاتے تھے بیمار	مثیل اس کا مرض میں خود گرفتار
نہ سمجھے ہم ہیں یہ راز نہانی	غشی کھا کر گرا کیوں قادیانی
عجب ان کو ہے تائید الٰہی	مقابل میں کھڑا ہے اک سپاہی
پچھاڑا سامنے اس کے کئی بار	خدا نے میرزا کو کر کے بیمار
کرشمے تھے یہ قدرت کے نرالے	کہ سمجھیں راز اصلی ہوشوالے
کہ مرزا جی کے دعوے سچ نہیں ہیں	غلط فہمی ہیں ان کے تابعین ہیں

(۴) مرزا جی باوجودیکہ متوکل علی اللہ ہونے کے مدعی اور الہام الیس اللّٰہ بکاف عبدہ کے تسلی یافتہ ہیں لیکن مقدمہ میں جو حوصلہ آپ نے دکھلایا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سارے کہنے کی باتیں تھیں یوں تو آپ نے الحکم میں یہ الہام بھی چھپوا دیا تھا کہ خدا نے مجھے کہا ہے لا الہ الا انا فاتخذنی وکیلا لیکن جری اللہ فی حلل الانبیاء کو ایک دن بھی عدالت میں تنہا پیش ہونے کا حوصلہ نہ ہوا جب تک کہ دائیں بائیں آگے پیچھے وکلاء کی جماعت ہمراہ نہ ہوتی تھی۔ عدالت میں جانا محال تھا اگر خدا کی طرف سے تسلی مل چکی تھی کہ آپ فتح یاب ہوں گے اور یہ بھی کہ خدا ہی تمہاری امداد کو کافی ہے اور پھر صریح فرمان ہے کہ میں ہی خدا ہوں مجھے وکیل بناتا تو پھر مرزا جی کو کیا ضرورت تھی کہ وکلاء کی امداد حاصل کرتے یہ تو صریح خدا کی نافرمانی ٹھہری اور پھر یہ بھی نہیں تھا کہ آپ کے مقابل فریق کے ساتھ کوئی جماعت وکلاء تھی بلکہ سچ پوچھو تو آیت مذکورہ پر مولوی صاحب مستغیث نے پورا عمل کیا کہ ہر ایک موقع پر اکیلے پیش ہوتے رہے۔ ادھر جماعت وکلاء کی ہوتی تھی اور ادھر وہ مرد خدا اکیلا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتا تھا پھر ناظرین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ فریقین میں سے متوکل علی اللہ موید من اللہ کون ٹھہرا۔

اور نیز اگر بجز وکلاء کے حوصلہ نہ بندھتا تھا تو پھر اپنے دونوں حواری خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب ہی کافی تھے ان پر بھی بھروسہ نہ کیا مسٹر اوگارمن صاحب، مسٹر ادرٹیل صاحب اور بالآخر مسٹر بیچی صاحب کو بھی اپنا مددگار بنانا پڑا۔ بھائیو یہ سوچنے کا مقام ہے خوب غور کرو۔

مثنوی

ہر کہ را باشد توکل بر الہ	غیر را ہرگز نیارد در پناہ
میرزا را گفت چوں رب جلیل	من خدایم بس مرا میداں وکیل
حاجت خواجہ کمال الدین چہ بود	راست گو مرزا توکل ایں چہ بود
ایں عجب مرشد گرفتار بلا ست	حامی و شافع مرید باصفا ست
ویں عجب تر چوں مسیحائے زماں	از نصاری جوید امداد و اماں
اوریٹل او گارمن کردن وکیل	روئے پیچ دن ز فرمان جلیل
حل ایں عقدہ نیاید در خیال	ہست از مرزائیاں ما را سوال
ہست ایں رمزے شگرف ایدوستاں	ہیں بیاں سازید اے مرزائیاں
مے عود عیسی گرفتار و ذلیل	بہر خود دجال را سازد وکیل

(۵) اس مقدمہ میں مرزا صاحب کی علمی قابلیت کے بھی جوہر کھل گئے اور بالکل واضح ہوگیا کہ آپ تقریر سے عاجز ہیں باوجودیکہ مخالف فاضل مولوی نے اثنا مقدمہ میں دھواں دھار تقریروں سے مخالف وموافق کو اپنی قابلیت کا قائل کردیا لیکن مرزا جی سے ایک دن بھی نہ ہوسکا کہ اس کے جواب میں تقریر کرسکے۔ سچ پوچھو تو اگر مرزا جی کے قابل وکیل خواجہ کمال الدین صاحب مقدمہ کے پیروکار نہ ہوتے تو مرزا جی مخالف کی پُرزور تقریروں کی دہشت سے حواس باختہ ہو جاتے۔ مولوی صاحب کو کچھ ایسی تائید ایزدی تھی کہ جرح گواہوں پر خود کی اور گواہوں کو حیرت زدہ بنا دیا۔ (حالانکہ مرزا جی کے گواہ بڑے بڑے لائق وکیل ڈپٹی جج عالم فاضل مولوی تھے) اور تقریروں کے موقع پر اپنی لیاقت کے وہ جوہر دکھائے کہ موافق ومخالف عش عش کر اٹھے اور خود خواجہ کمال الدین صاحب ایسے تجربہ کار مخالف وکیل نے ہمارے روبرو کئی دفعہ سر اجلاس مولوی صاحب کی فاضلانہ تقریروں کی داد دی۔

ہمیں خوب یاد ہے کہ جب ۳ جنوری ۱۹۰۴ء کو رائے چندو لال صاحب کے اجلاس

میں تائید استغاثہ میں مولوی صاحب نے تقریر کی تھی۔ مرزا جی بھی خود سن رہے تھے تو مولوی صاحب نے اپنی حیثیت کا مقابلہ مرزا جی کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اس بات کا کافی ثبوت پیش کر دیا ہے کہ میں بہت سی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک ہوں اور مرزا جی اپنی تمام جائیداد بیوی کے نام منتقل کر کے نرے مسیح رہ گئے ہیں اور آپ اب اس حالت میں ہیں کہ اگر مریدان خوش اعتقاد برگشتہ ہو جائیں تو پھر مرزا جی روٹی کے لیے بھی سخت محتاج ہو جائیں اور چونکہ تمام مخلوق کو آپ نے ستایا ہوا ہے امید نہیں کہ گدا کرنے پر بھی آپ کو خیر ملے۔ مستغیث نے تو ورثہ پدری کے علاوہ اور جائیداد حاصل کی ہے لیکن مرزا جی ایسے لائق ہیں کہ ترکہ جدّی بھی تلف کر بیٹھے ہیں اور بقول مرزا جی کے ان کا مکان رہائشی تو ایسا بے حیثیت ہے کہ دو روپیہ کرایہ ماہوار پر بھی اس کو کوئی نہیں لے سکتا۔ (دیکھو بیان مرزا بمقدمہ انکم ٹیکس) نیز مستغیث کی عزت اپنے ضلع و تحصیل کے حکام کی ان اسناد سے جو شامل مسل کرائی گئی ہیں ظاہر ہے لیکن مرزا جی کی وقعت جو حکام ضلع کے نزدیک ہے وہ یہ ہے کہ وہ فتنہ انگیز ہے۔ (دیکھو فیصلہ مسٹر ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور)

ایسا ہی اپنی علمی فضیلت وغیرہ پر پُر زور دلائل دے کر اخیر میں مولوی صاحب نے جرم استغاثہ کردہ بذمہ ملزمان ایسے زبردست دلائل سے ثابت کیا کہ مرزا جی کو بھی گویا یقین ہو گیا کہ جرم سے بچنے کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔

اس زبردست تقریر نے مرزا صاحب کے دل پر ایسا رعب ڈالا، ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ڈیرہ پر جاتے ہی آپ کو سخت بخار ہو گیا چنانچہ دوسرے روز سٹرٹیفکیٹ بیماری پیش کیا اور مدتوں عدالت میں حاضری سے ٹال مٹول ہوتی رہی اور بالخصوص اس روز تو مرزا جی کی علمی لیاقت کی قلعی ہی کھل گئی جبکہ بوقت شہادت مولوی برکت علی صاحب منصف بٹالہ گواہ استغاثہ کے اس پرچہ کے جواب میں جو کہ لغات مغلقہ غریبہ جمع کر کے گواہ کے سامنے وکیل مرزا نے رکھا تھا کہ اس کا ترجمہ کر دیں اور عدالت نے فضول سمجھ کر رد کر دیا تھا۔ مولوی صاحب نے چند اشعار غریبہ منظومہ خود سر اجلاس مرزا صاحب کے پیش کیے تھے اور للکار کر کہا کہ آپ ان اشعار کا ترجمہ کریں اور ترجمہ نہیں تو صرف ان کو پڑھ کر ہی سنا دیں تو میں

سارے مقدمے چھوڑ کر اس وقت آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے وہ پرچہ دیکھ کر اپنا سر نیچے کر لیا اور بالکل سکتہ میں رہ گئے۔ اگر آپ فصیح و بلیغ فاضل تھے اور پھر آپ کو امداد الٰہی بھی تھی تو پھر کیوں ایسے موقع پر مخالف کے للکارنے پر اٹھ نہ کھڑے کہ لاؤ ہم پڑھتے ہیں اور ترجمہ سناتے ہیں اس واقعہ کے وہ سب لوگ گواہ ہیں جو اجلاس میں اس وقت موجود تھے۔ اس روز حاضرین کو یقین ہو گیا کہ فاضل مولوی کے مقابلہ میں بڑے بڑے دعاوی کا مدعی مرزا علمی میدان میں نکلنے کے ہرگز قابل نہیں ہے۔

لیاقت وہ جو میداں میں عیاں ہو	ظہور علم وقت امتحاں ہو
وگرنہ گھر میں کہہ لینا ہے آساں	نہیں مجھ سا کوئی عالم میں انساں
اگر مرزا میں کچھ تھی قابلیت	مخالف کو دکھا دیتے فضیلت
پکارا مولوی نے جب کئی بار	کہ پڑھ کر تم سنا دو میرے اشعار
ابھی یہ ختم ہو جاتی ہے تکرار	ہوں مرزا جی کی بیعت کو بھی تیار
نہ ہرگز میرزا نے لب ہلائی	کہ لاؤ سامنے اشعار بھائی
مسیحا نے تو ایسا سر جھکایا	کہ حیراں رہ گیا اپنا پرایا
کرشمہ تھا یہ قدرت ایزدی کا	کہ توڑا ادعا اس مدعی کا

(۶) اس مقدمہ میں رائے چندولال صاحب کے سامنے فرد جرم کے موقع پر جو بزدلی مرزا جی نے دکھائی تھی وہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آپ کو اپنے خدا پر کچھ بھروسہ نہ تھا نہ ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی الہام ہوتا ہے آپ اس مرحلہ پر ایسے گھبرائے کہ رائے چندولال صاحب کے سامنے ہونا آپ نے موت کے برابر سمجھ لیا۔ اگر خدا سے مرزا جی کو اطلاع مل چکی تھی کہ خدا ان کا مددگار ہے تو پھر ایک مجازی حاکم کے سامنے آنے سے گھبراہٹ کی کیا وجہ تھی۔ آپ متواتر سٹرفکیٹ بھیجتے رہے اور بیماری کے عذرات ہوتے رہے اور پھر اس عدالت سے انتقال مقدمہ کی درخواست صاحب ڈپٹی کمشنر کے ہاں گزاری کہ اس حاکم سے مجھے ڈر ہے کہ میری مخالفت کرے گا۔ اس درخواست کے لیے لاہور سے مسٹر اورٹیل صاحب بیرسٹر

ایٹ لاء بلوائے گئے اور بہت کچھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ آخر بمقام علیوال صاحب بہادر نے فیصلہ کیا کہ عذرات فضول ہیں درخواست نامنظور مقدمہ اسی عدالت میں رہے گا پھر اس پر بھی صبر نہ کیا گیا بلکہ چیف کورٹ میں مرافعہ کیا گیا وہاں سے بھی ناکامی حاصل ہوئی تو دو متواتر شکستیں اٹھا کر مرزا جی کے وکیل پھر اسی عدالت میں پیش ہوئے اور مرزا جی کی غیر حاضری میں فرد جرم سنائی گئی، مرزا جی کے مرید کہتے ہیں کہ رائے چندولال صاحب مرزا جی کی دعا سے یہاں سے تبدیل ہوئے حالانکہ رائے صاحب کی اپنی درخواست تھی کہ ان کو یہاں سے تبدیل کیا جائے اور پھر اگر دعا پر کوئی بھروسہ ہوتا تو حکام کے سامنے درخواستوں پر اتنا روپیہ برباد کر کے ناکامی کی شرمندگی اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔

اگر مرزا کو تھی نصرت خدا سے	تسلی تھی حضور کبریا سے
عدالت سے وہ بھاگے کیوں بھلا تھے	وہ سنکاپی میں کیوں پھر مبتلا تھے
جو ان کے وہ نعم المعیں تھا	اور ان کو اپنی نصرت کا یقیں تھا
تو چندولال صاحب سے ڈرے کیوں	وہ اس دہشت سے غش کھا کر گرے کیوں
انہیں باتوں سے کھل جاتے ہیں اسرار	سمجھ لیتا ہے دانا مرد ہشیار
کہ عالم میں جو مردان خدا ہیں	وہ ہر حالت میں راضی بالرضا ہیں
کسی حالت میں وہ ڈرتے نہیں ہیں	نہ وہ ایسے خدا سے بے یقیں ہیں
یہ مرزا جی تو کورے صاف نکلے	وہ دعوے سب گزاف و لاف نکلے

(۷) پھر جن لوگوں نے فیصلہ مقدمہ ہذا کے روز مرزا جی کی حالت کو بچشم خود مشاہدہ کیا ان پر تو بالکل روشن ہو گیا کہ مرزا جی ایک معمولی انسان جیسا بھی دل و گردہ نہیں رکھتے ان کی اس روز کی مضطربانہ حالت اور بدحواسی اس بات کا یقین دلاتی تھی کہ بزدلی میں مسیح الزمان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ہونٹ خشک ہوتے جاتے تھے چہرہ زرد تھا بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی تھی چونکہ صاحب مجسٹریٹ نے اس روز انتظام یہ کیا تھا کہ ایک سالم گارڈ پولیس مع ایک سارجنٹ وڈپٹی کمشنر کے بلوا لیے تھے جو کالی مہیب وردی پہنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں

لیے کمرۂ عدالت میں ۹ بجے صبح سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ مرزا جی کیا ان کی ساری جماعت کو یقین ہو گیا تھا کہ حالت نازک ہے بلکہ جہاں تک ہم نے سنا ہے داروغہ جیل کو بھی بعض مرزائی مل آئے تھے کہ مسیح الزمان کی رونق افروزی پر ان کی رعایت کرنا۔ کیا اس روز تک یہ خبر وجی نے بند رکھی تھی کہ گھبراؤ نہیں جرمانہ ہوگا اور روپے تمہارے پاس کافی ہیں اور پھر اس وقت کی حالت بالخصوص مشاہدہ کے قابل تھی جب اردلی نے مرزا جی کو زور سے پکارا کہ مرجا گلام احمد حاجر۔

مرزا جی عدالت کی طرف جو چلے تو سچ مچ آپ ان اشعار کے مصداق نظر آتے تھے۔

عجائب چال سے ظالم تیرا دیوانہ آتا ہے
اڑاتا خاک سر پر جھومتا مستانہ آتا ہے
لبیں ہیں خشک اور چہرے پہ زردی چھا رہی دیکھو
جری اللہ کیوں اب بزدل ایسی دکھاتا ہے
قدم اٹھتا نہیں جلدی گھٹا جاتا ہے دم کیسا
نہیں سُولی دھری پھر کیوں مسیحا خوف کھاتا ہے
تماشا دیکھنے آئی ہے خلقت آج مہدی کا
کہ دیکھیں فیصلہ مرزا کو کیا حاکم سناتا ہے
جو پہنچے پاس کمرہ کے کہا پولیس والوں نے
رہیں سارے حواری یاں اکیلا مرزا جاتا ہے
نمونہ حشر کا برپا تھا مرزا کے لیے گویا
نہ حامی رہ سکے کوئی جو نازک وقت آتا ہے
نکالو پانسو ورنہ تو بھگتو قید ششماہہ
یہ مرزا جی کو حاکم حکم اپنا پڑھ سناتا ہے
ادا کر اپنا جرمانہ نکل بھاگے مسیحا تب
بنے مجرم ہیں مرزا ہر کوئی یہ غل مچاتا ہے
مبارک آپ کو حضرت یہ تحفہ مجرمیت کا

ہے لائق اس سزا کے جو کسی کا دل دُکھاتا ہے
یہ رکھنا یاد دن حضرت نہ ہر گز بھولنا ان کو
تمہارا حافظہ کمزور جلدی بھول جاتا ہے

(۸) رہی یہ بات کہ مرزا جی کا جرمانہ معاف ہو گیا اور اس بات پر آپ کے حواری پھولے ہوئے جاموں میں نہیں سماتے اور نعرہائے شادمانی بلند کیے ہوئے گویا آسمان پھاڑ رہے ہیں اور مرزائی اخبارات اس دہن میں طرح طرح کے راگ گاتے اور لوگوں کو برا بھلا سناتے ہیں۔ ادھر میاں عبدالکریم تمام معزز اخبارات کو کوستے اور سارے صوفیائے کرام اور علمائے عظام کو صلواتیں سناتے ہیں۔ (دیکھو الحکم ۷ اجنوری ۱۹۰۵ء)

سو ہم کو مرزائیوں کی اس بے جا تعلّی پر نہایت سخت تعجب آتا ہے کہ کیوں اتنی جلدی وہ ساری ذلتیں اور شکستیں بھول گئے جو مرشد جی کی نسبت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے اور ان کے سارے الہامات کی تکذیب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا۔ کیا صرف اتنی بات سے کہ مرزا جی کا جرمانہ اپیل میں معاف ہو گیا وہ سارے شدائد اور مصائب جو بھگت چکے تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نسیاً منسیاً ہو گئے۔ صاحبان مرزا کے لیے قدرت کی طرف سے جو سزائیں مقدر تھیں وہ بھگت چکے، دنیا میں ان کے الہامات کی قلعی کھل گئی۔ پھر اپیل سے جرمانہ معاف ہو گیا تو کون سی انوکھی بات ہو گئی۔ بڑے بڑے ڈاکو، چور، خونی اپیل میں چھوٹ جایا کرتے ہیں تو پھر کیا ان کی عزت ہو جاتی ہے اور مرزا صاحب نے تو بڑے زور سے آج سے پہلے کئی برسوں اس امر کا فیصلہ کر دیا ہوا ہے کہ بریت وہ ہے جو فرد جرم سے پہلے ہو۔ فرد جرم لگنے کے بعد کی بریت کسی کام کی نہیں۔ وہ تو عدالت کا رحم ہے چنانچہ اس کی تصدیق میں ہم تریاق القلوب مولفہ مرزا صاحب کی اصل عبارت درج ذیل کرتے ہیں:

نقل عبارت تریاق القلوب مولفہ مرزا صاحب صفحہ ۸۴

بری (۱) وہ ہے جس پر جرم ثابت نہیں اور اس کے مجرم ٹھہرانے کے لیے کوئی وجہ

() اس عبارت میں سوائے ان چند نوٹوں کے جو خطوط وحدانیہ کے اندر ہماری طرف سے ہیں باقی سب عبارت مرزا جی کی مصنفہ کتاب تریاق القلوب کی اصل عبارت ہے۔

پیدا نہیں ہوئی اور مبرا وہ ہے جو اس کے مجرم ٹھہرانے کے لیے وجوہ پیدا تو ہوئیں مگر صفائی کی وجوہ نے ان کو توڑ دیا اور ان پر غالب آ گئیں لہذا یہ امر محقق اور فیصلہ شدہ اور قطعی اور یقینی ہے کہ ڈسچارج (Discharge) کا ترجمہ بری ہے اور ایکٹ (Acquit) کا ترجمہ مبرا۔ دوسرے قسم کے بری پر جو انگریزی میں ایکٹ (Acquit) کہلاتا ہے یہ زمانہ آ گیا کہ وہ مجرم بھی قرار دیا گیا اور اس پر فرد قرارداد لگایا گیا (جیسا کہ مرزا صاحب پر یہ زمانہ آ چکا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کہ سزائے قید یا جرمانہ کا حکم بھی سنایا گیا) اور شاید وہ ایک مدت تک حوالات میں رہا اور شاید ہتھکڑی بھی پڑی (یا یوں کہو کہ وہ مدت تک گھر سے جلاوطن رہا اور عدالت کے سامنے روزانہ کئی گھنٹوں تک کھڑا رہنے سے ٹانگیں کمزور ہو گئیں اور اس پر یہ وقت بھی آیا کہ پانی طلب کرنے پر نہ مل سکا اور کہ قید یا جرمانہ کا حکم ہو جانے سے وہ حوالات میں گویا ہو چکا اور ہتھکڑی بھی گویا پڑ گئی) مگر یہ شخص جو ڈسچارج کیا گیا اس کی نیک چلنی کی چمک نے ان تمام ذلتوں سے محفوظ رکھا (افسوس نہ تو مرزا جی ڈسچارج کیے گئے اور نہ ان کی نیک چلنی کی چمک نے ان کو ان تمام ذلتوں سے محفوظ رکھا۔ انتہی ملخصاً

تو پھر جب مرزا جی خود لکھ چکے ہیں کہ بریت وہی ہے جو فرد جرم سے پہلے ہو تو پھر حسب مقولہ مذکور؛

مدعی سست گواہ چست

مرزائی اب کیوں مرزا جی کے اس مقررہ اصول کی مخالفت کر کے اپیل میں جرمانہ معاف ہونے پر ان کو اس ناقص بریت پر مبارکبادیاں دیتے اور ان کی فتح مناتے ہیں جبکہ مرزا جی پر فرد جرم بھی لگ چکی اور اس کے بعد سزا بھی ہو چکی تو پھر عند الاپیل معافی جرمانہ کو داخل بریت سمجھنا مرزا جی کی سخت تکذیب کرنا ہے۔

کیا مرزا جی کا قرارداده اصول محولہ تریاق القلوب غلط اور جھوٹ ہے اور مرزائی سچے ہیں:

ایں خیال است و محال است و جنوں

غالباً مرزائیوں کو مرزا جی کی کتاب تریاق القلوب کی عبارت بھول چکی تھی اور مرزا جی کا تو حافظہ کمزور ہے ہی اب ہم نے آپ کو یاد دلا دیا ہے امید ہے کہ من بعد ہرگز مرزائی صاحبان اپنے مرشد جی سے ہرگز یہ گستاخی روا نہ رکھیں گے وہ تو فرمائیں کہ فرد جرم لگنے کے بعد اگر کوئی چھوٹ جائے تو وہ "بری" سمجھے جانے کے لائق نہیں ہاں اس کو "مبرا" کہو تو کہو اور مرزائی یہ کہیں کہ نہیں فرد جرم تو کیا سزا یابی کے بعد بھی مرزا جی بری سمجھے جائیں گے۔ مرشد جی کے قول کے مقابل مریدوں کے قول کی کچھ وقعت نہیں ہوسکتی۔

جو خود تریاق میں ہیں لکھ چکے مرزا صراحت سے
کہ بعد از فرد کچھ عزت نہیں ہرگز بریت سے
تو کیا حاصل اپیلوں سے جو جرمانہ ہوا واپس
کہ مرزا جی سزا بھی پا چکے پہلے عدالت سے
یہ کیوں تکذیب مرشد کی ہیں کرتے احمدی ہو کر
عقیدت سے نہ یہ کہنا ہے بلکہ ہے عداوت سے
تعجب ہے کہ مرزا جی ہیں جھوٹے اور تم سچے
یہ گستاخی بڑی ہے باز آؤ ایسی جرات سے
ملی جو ذلتیں مرزا کو کیا کم تھی سزا اس کو
سزا تو ہو چکی تھی جو مقدر ہوئی قدرت سے
نہ مرزا جی کو بھولے گا زمانہ وہ کبھی ہرگز
بچائی جان بیچارہ نے مر مر کر مصیبت سے

الحاصل مرزا جی کا اپیل میں کامیاب ہونا ان کی کسی کرامت یا فتح کی دلیل نہیں اور نہ ہی اپیل میں کامیاب ہونے کی بابت مرزا جی نے کوئی الہام کیا ہوا تھا۔ اگر اپیل کے متعلق صراحت سے بعد از فیصلہ مقدمہ مرزا جی کا کوئی الہام کسی اخبار میں شائع ہوا ہے تو براہ مہربانی پیش کریں اور یہ بھی فرمائیں کہ اگر مقدمہ سے بریت کرامت کی نشانی ہے تو مولوی

صاحب دو مقدمات میں بری ہو چکے تھے ان کی کرامت کیوں نہیں مانی جاتی۔

(۹) بہت بڑی بات جو ان مقدمات میں ظاہر ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ مرزا جی اور ان کی وہ جماعت جن کو ”خدا کی برگزیدہ جماعت“ کا خطاب دیا جاتا ہے اور جن کے منہ پر صداقت صداقت کا کلمہ ہر وقت جاری رہتا ہے کہاں تک اپنے دعوی صداقت میں سچے ہیں۔ مرزا جی اپنی متعدد تصانیف کے ذریعہ دنیا کے سامنے یہ دعوی زور سے کر چکے ہیں کہ عمر بھر میں کسی معاملہ دُنیوی میں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس لیے مان لینا چاہیے کہ وہ اپنے روحانی دعاوی میں بھی سچے ہیں لیکن ان مقدمات نے بہت بڑا راز جو کھولا وہ مرزا جی کی صداقت کی قلعی کھولنا ہے۔ مرزا جی نے اپنے حلفی بیانات میں جو عدالت میں انہوں نے لکھائے بہت سے جھوٹے بولے ہیں جن کی ہم مکمل فہرست اس روئیداد کے اخیر پر ہدیہ ناظرین کریں گے اور ساتھ ہی ان کے بعض ارکان نے جو کچھ اپنے بیانات میں غلط بیانیاں کی ہیں ان کی بھی فہرست دیں گے تا کہ پبلک اس امر سے پورا فائدہ اٹھائے کہ جو شخص عدالت میں حلفی بیانات میں جھوٹ بولے وہ کبھی بھی خدا کا راست باز بندہ یا ولی امام نبی وغیرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم ان بیانات کا جھوٹا ہونا مرزا جی کے اپنے ہی دوسرے بیانات یا تصنیفات سے اور ان کے اپنے حواریوں کے بیانات سے ثابت کریں گے تا کہ سوچنے والوں کو مرزا جی کے ادعائے مسیحیت، مہدویت، نبوت وغیرہ کے صدق و کذب کا معیار مل جاوے۔ ایسے مقدمات میں جرمانہ کا ہونا یا نہ ہونا یا معاف ہو جانا کوئی بڑی باتیں نہیں ہیں ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں سب سے اہم بات ایسے مواقع پر کذب و صدق کا پرکھنا ہوتا ہے جو کہ ان مقدمات میں ظاہر ہو چکا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب وہ فہرست ہدیہ ناظرین ہو گی اور اس سے ہمارا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ پبلک کو فائدہ پہنچے اور وہ مرزا کے معاملہ میں غور کرنے کے وقت اس فہرست سے استفادہ حاصل کریں۔

ہمیں مرزائی اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بھی مقدمات کی کیفیت چھاپنے کا ارادہ کیا ہے بلکہ وہ سلسلہ شروع بھی ہو گیا ہے اور اس کا نام ”معیار الصادقین“ رکھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ نہایت ضروری ہے کہ معیار الصادقین پر غور کرنے والے ہماری

اس کیفیت اور بالخصوص ہماری اس فہرست کو سامنے رکھ لیں جس کا نام ''آئینہ صداقت قادیانی'' ہوگا۔

یہاں تک تمہید ختم ہوئی اب ہم روئیداد مقدمہ کو لکھنا شروع کرتے ہیں چونکہ اس مقدمہ میں بیانات مستغیث و گواہان فریقین مکرر سہ کرر جرح ہونے کے باعث اس قدر طویل ہوئے ہیں کہ ایک ایک دن قریباً بیس تیس ورق پر نقل ہوا ہے اس لیے ان بیانات کی نقل کی یہاں بالکل گنجائش نہیں اور نہ ہی ان کا اندراج چنداں باعث دلچسپی ناظرین ہوگا۔ اصل مقصود اندراج کیفیت مقدمہ سے مرزا صاحب قادیانی (مدعی نبوت) اور ان کے حواریوں کے کارناموں کا دکھلانا ہے جو مقدمہ ہذا سے ظہور میں آئے اور پبلک کو بھی اسی بات کے دیکھنے کا اشتیاق ہے کہ اتنے بڑے دعوے (نبوت) کے مدعی اور اس کے خاص الخاص حواریوں نے اس نازک موقع پر کیا کچھ نمونہ دکھلایا۔ اس لیے ہم واقعات مقدمہ کے دکھلانے کے لیے نقل استغاثہ کے علاوہ لالہ آتمارام صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کے فیصلہ لکھ دینے پر اکتفا کریں گے جنہوں نے تمام واقعات کو اپنے فیصلہ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور عدالت اپیل نے بھی اس تفصیل کا حوالہ اپنے فیصلہ میں دیا ہے اور سوائے تنسیخ حکم سزا اور چند ایک امور کے باقی امور مندرجہ فیصلہ عدالت ماتحت سے اتفاق کیا ہے اور ان کا غذات کی نقول درج ہوں گی جو مرزا صاحب کی ذات کے متعلق ہیں مثلاً ان کے عذرات بیماری اور سرٹیفکیٹ پیش کردہ کی نقل اور ان درخواستوں کی نقلیں جو انتقال مقدمہ کے متعلق گزریں اور نقل حکم عدالت جس کے ذریعہ سے درخواستیں نامنظور ہوئیں وغیرہ وغیرہ نیز مرزا صاحب کے اس بیان کی نقل جو بمقدمہ ایڈیٹر الحکم شہادت ڈیفنس ہوا بھی یہاں ہی درج کی جائے گی کیونکہ فہرست آئینہ صداقت قادیانی میں جو اس مقدمہ کے اخیر میں لکھی جائے گی اس بیان سے بھی حوالے دیے جائیں گے۔ اور یا ان بیانات کی نقول درج کریں گے جو مرزا کے خاص الخاص حواریوں مثلاً مولوی نورالدین بھیروی وغیرہ کے ہوئے ان کے بعد نقل موجبات اپیل اور فیصلہ عدالت اپیل درج کیا جائے گا۔

ناظرین کو تمہید سے اس امر کا علم ہو چکا ہے کہ بناء استغاثہ مرزا صاحب کی کتاب

مواہب الرحمٰن ہے جو ۷ اجنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں تقسیم کی گئی تھی سو اس کی بنا پر استغاثہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء جہلم میں بعدالت لالہ سنسار چندو صاحب ایم اے مجسٹریٹ درجہ اول جہلم دائر ہوا؛ جس کی نقل ذیل میں ہے:

نقل استغاثہ

ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم مستغیث

بنام

مرزا غلام احمد

وحکیم فضل دین

مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیاں سکنائے قادیاں ملزمان

جرم دفعہ ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند

جناب عالی!

تمہید استغاثہ یوں ہے:

(۱) مستغیث فرقہ اہل سنت و جماعت کا ایک مولوی ہے اور مسلمانوں میں خاص عزت اور امتیاز رکھتا ہے۔

(۲) مستغیث نے ایک استغاثہ فوجداری بعلت ازالہ حیثیت عرفی برخلاف ملزمان نمبرا اونمبر ۲ نسبت اس ہتک وتوہین کے جوانہوں نے بذریعہ تحریرات مطبوعہ میرے بھائی و بہنوئی مولوی محمد حسن فیضی مرحوم کی کی تھی۔عدالت لالہ سنسار چند صاحب مجسٹریٹ درجہ اول ضلع جہلم میں دائر کیا ہوا تھا جس کی تاریخ پیشی ۷ اجنوری ۱۹۰۳ء مقرر تھی۔

(۳) ملزمان کو اس بات کا مجھ سے رنج تھا اس واسطے ملزم نمبرا نے اپنی مصنفہ مولفہ کتاب مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۱۲۹ پر مقدمہ مذکور کی نسبت پیشین گوئی کے پیرایہ میں ایک تحریر شائع کی جس میں میرا صریح نام لکھ کر میری سخت تحقیر وتوہین کی گئی اور میری حیثیت عرفی کا ازالہ کیا گیا اس نیت سے کہ اس مضمون کی

اشاعت پر مستغیث کی نیک نامی اور عزت کو جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے، صدمہ پہنچے اور میری وقر و آبرو کو نقصان پہنچے چنانچہ تحریر مذکور کے فقرات ذیل قابل غور ہیں:

(الف) و من آیاتی ما انبانی العلیم الحکیم فی امر رجل لیئم و بهتانه العظیم

ترجمہ: و از جمله نشان هائے من ایں ست که خدا مرا درباره معامله شخص لیئم و بهتان بزرگ او خبردار۔ صفحہ ۱۲۹ سطر ۱۳ اس فقرہ میں رجل لیئم جس کا معنی کمینہ شخص ہے اس سے ملزم نے مراد مستغیث کو رکھا ہے اور یہ لفظ مستغیث کی نسبت سخت توہین و تحقیر کا کلمہ ہے اور بهتانه العظیم کے لفظ سے ملزم نے میرے ذمے یہ خلاف واقع اتہام لگایا کہ میں جھوٹے بہتان باندھنے والا ہوں اور ایسا اتہام میرے ذمے میری سخت بے عزتی کا باعث ہے کیونکہ جھوٹا بہتان باندھنا ایک اخلاقی اور شرعی جرم ہے۔

(ب) ان البلاء یرد علی عدوی الکذاب المهین

ترجمہ: یہ بلا میرے دشمن پر پڑے گی جو کذاب (بہت ہی جھوٹا) اور اہانت کنندہ ہے۔

اس فقرہ میں مستغیث کی نسبت ''کذاب'' کا لفظ لکھا گیا ہے جس کا معنی بہت ہی جھوٹا ہے اور یہ ایک سخت تحقیر کا کلمہ ہے جس سے کوئی زیادہ مزیل حیثیت عرفی اور دل آزار کلمہ نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً ایک مسلمان اور مولوی کی نسبت ایسا اتہام کہ وہ بہت جھوٹ بولنے والا ہے اس کی نیک نامی اور عزت کو بالکل غارت کردینے والا ہے۔

(ج) فاذا ظهر قدر الله علی ید عدو مبین اسمه کرم الدین

ترجمہ: پس ناگاه ظاهر شد تقدیر خدائے تعالیٰ بر دست دشمن صریح که نام او کرم الدین ست۔

اس فقرہ میں تصریح ہے کہ الفاظ مذکورہ فقرہ جات بالا کا مصداق مستغیث ہی ہے۔

(۴) کتاب مواہب الرحمٰن جس میں مستغیث کی ہتک صریح کی گئی ہے ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو خاص شہر جہلم میں جو حد سماعت عدالت ہذا میں ہے، کثرت سے شائع کی گئی ہے اور خاص احاطہ کچہری میں یہ کتاب بہت لوگوں میں ملزمان نے مفت تقسیم کی بلکہ ایک مجمع عظیم میں جس میں مستغیث موجود تھا۔ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کو جو ہمارے فرقہ کا ایک عالم شخص ہے ملزم نمبرا نے ہم دست محمد الدین کمپوڈر شفاخانہ جہلم جو اس کا مرید ہے بھیجی جس سے ملزم مذکور کی یہ نیت تھی کہ اس مجمع میں یہ کتاب پڑھی جانے سے مستغیث کی نیک نامی اور عزت کو نقصان پہنچے گا اور عام مسلمانوں میں اس کی خفت ہوگی۔

(۵) اس کتاب کی تحریر مذکور کی اشاعت سے میری سخت خفت اور توہین ہوئی اور میری حیثیت عرفی کا ازالہ ہوا۔

(۶) ملزم نمبر۲ نے کتاب مذکور کو باوجود اس امر کے علم ہونے کے کہ اس میں صریح لائیبل (Liable) ہے اپنے مطبع ضیاء الاسلام قادیاں میں جس کا وہ مالک و مینیجر ہے چھاپا اور اس کو شہر جہلم میں جو حد سماعت عدالت ہذا میں ہے بھیج کر شائع کرایا۔

(۷) چونکہ ملزمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی تشریح دفعات ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند میں ہے اس لیے استغاثہ ہے کہ بعد تحقیقات ان کو سزا دی جائے اور اگر واقعات سے ملزمان کسی اور جرم کے مرتکب ثابت بھی ہوں تو اس میں بھی ان کو سزا دی جائے۔

عرضے

فدوی مولوی کرم الدین ولد مولوی صدرالدین ذات آوان
ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء

بعد قلم بند ہونے بیان سرسری مستغیث کے لالہ سنسار چند صاحب مجسٹریٹ نے حکیم فضل دین ملزم کے نام وارنٹ ضمانتی صما/ اور مرزا غلام احمد ملزم کے نام سمن (جس میں

اصالتاً حاضری کا حکم لکھا گیا) جاری کیا اور تاریخ حاضری ۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ قادیان میں اس کی اطلاع پہنچنے پر مرزا جی کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب نے ۲ مارچ ۱۹۰۳ء کو ایک تحریری درخواست من جانب مرزا غلام احمد ملزم گزرانی جس میں استدعا کی گئی کہ ملزم کو زیر دفعہ ۲۰۵ ضابطہ فوجداری اصالتاً حاضری سے معاف فرمایا جاوے۔ مجسٹریٹ نے بعد غور کے درخواست کو منظور کیا اور حکم دیا کہ تاحکم ثانی ملزم کو ذاتی حاضری سے معاف کیا جاتا ہے اس کی جانب سے اس کا وکیل پیروی کرے۔

۱۶ مارچ تاریخ سماعت مقدمہ پر فضل دین ملزم اصالتاً حاضر ہوا اور مرزا کی طرف سے اس کا وکیل پیش ہوا۔ ملزمان کی طرف سے زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری درخواست بغرض التوائے مقدمہ دی گئی کہ وہ چیف کورٹ میں درخواست انتقال مقدمہ ہذا کرنا چاہتے ہیں۔ عدالت نے ۲۸ اپریل ۱۹۰۳ء تک مہلت دی۔

۱۴ اپریل ۱۹۰۳ء کو عدالت عالیہ چیف کورٹ میں درخواست انتقال گزری جو آخر کار منظور ہو کر مقدمہ سپرد عدالت لالہ چندولال صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور رہوا۔

مرزا جی کی طرف سے یہ پہلی حیلہ جوئی تھی ان کے نقطہ خیال میں یہ تھا کہ مستغیث ایک دُور دراز سفر کی تکلیف اٹھا کر غیر ملک غیر ضلع میں کہاں تک مقابلہ کر سکے گا، آخر تھک کر رہ جائے گا اور مرزا جی کے الہامات کا نقارہ بجے گا لیکن وہ کام جو مشیت ایزدی سے ہوں ایسے انسانی منصوبوں سے کبھی رک نہیں سکتے۔ مستغیث کے دل میں حق تعالیٰ نے ایک فوق العادت ہمت پیدا کر دی اور وہ طرح طرح کی تکالیف سفر دیکھ کر بھی اپنی ہمت کو نہ ہارا۔

رائے چندولال صاحب کی عدالت سے طلبی ملزمان جہت حاضری ۱۸ اگست ۱۹۰۳ء کا حکم صادر ہوا اور تاریخ مذکور پر مرزا جی اور فضل دین ملزمان اصالتاً حاضر عدالت ہوئے۔ حاضر ہوتے ہی ایک تحریری درخواست مرزا صاحب کی طرف سے ان کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب نے پیش کی کہ ملزم کو زیر دفعہ ۲۰۵ ضابطہ فوجداری اصالتاً حاضری سے معاف فرمایا جاوے اس پر وکلاء طرفین کی بحث ہوئی وکیل ملزم اس بات پر زور دیتا تھا کہ لالہ سنسار چند صاحب مجسٹریٹ جہلم نے بھی ملزم کو اصالتاً حاضری سے معاف کیا تھا اور عدالت مذکور کو

بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ادھر سے شیخ نبی بخش صاحب اور بابو مولامل صاحب وکلاء من جانب استغاثہ پیروکار تھے۔ انہوں نے بالتفصیل بیان کیا کہ ملزم کو اصالتاً حاضری سے معاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ مستغیث اور اس کے گواہان ایک دُور ودراز ضلع جہلم سے آتے ہیں تو ملزم کو یہاں سے ۱۲ کوس (قادیاں) سے آنے میں کون سی مصیبت ہے اگر لالہ سنسار چند صاحب نے اس کو اس بنا پر حاضری سے مستثنیٰ کیا تھا کہ اس کو جہلم میں ایک دُور جگہ ضلع گورداسپور سے آنا پڑتا ہے تو اب وہ علت موجود نہیں بلکہ اب تو ملزم کی نسبت مستغیث کو دقت ہے کہ وہ بعد مسافت طے کر کے یہاں آتا ہے۔ الغرض اس تاریخ کو بڑے معرکہ کی بحث وکلاء طرفین میں ہوئی اور مرزا جی اور ان کی جماعت کو یقین تھا کہ حاضری عدالت کی مصیبت سے ضرور مخلصی ملے گی لیکن جو بات قدرت نے حاکم عدالت (لالہ چندو لال صاحب کے دل پر ڈالی) وہ یہ تھی کہ اس شخص سے یہ رعایت ہونا منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ قدرت کی طرف سے یہ سلسلہ اس لیے شروع ہوا ہے کہ زمین وآسمان جیسا ادعا کرتا ہے بلکہ تو ایک حقیر عاجز انسان ہے اور یہ تیرا افترا ہے جو تُو کہتا ہے کہ الارض والسماء معك كما هو معي۔

کیا جس کے ساتھ زمین وآسمان ایسے ہوں جیسے خدائے ذی الجبروت کے تو وہ پھر یوں بیچارگی سے ایک مجازی حاکم کے سامنے پکڑا ہوا آ سکتا ہے اور اس کے آگے چیخ چیخ کر روتا ہے کہ اب مجھے حاضر رہنے کی تکلیف سے بچایئے۔

الغرض بموجب اس فیصلہ کے جو آسمانی عدالت (بارگاہ رب العالمین) سے صادر ہوا، حاکم مجازی (مجسٹریٹ) نے یہی فیصلہ کیا کہ ملزم کو حاضر رہنا پڑے گا اور اس کی درخواست نامنظور ہے۔ حاضری کے لیے مچلکہ فوراً اس سے لیا جاوے۔ یہ حکم سنتے ہی مرزا جی اور ان کی جماعت کے اوسان خطا ہو گئے اور اس ابتدائی شکست نے ان کے دلوں کو شکستہ کر دیا۔ آخر حسب حکم عدالت مچلکہ داخل کیا گیا اور آئندہ پیشی کی تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی اور مستغیث کو حکم ہوا کہ گواہان استغاثہ کو طلب کرائے چنانچہ گواہان استغاثہ بادخال خرچہ طلبانہ طلب کرائے گئے۔

تاریخ مقررہ کو پھر مقدمہ پیش ہوا۔ مرزا جی و فضل دین ملزمان مع وکلاء خود حاضر آئے۔ اس تاریخ کو جری اللہ (مرزا جی بہادر) نے ایک اور منصوبہ سوچا (اور شاید اپنے ملہم نے بھی کچھ ہدایت کی ہو) کہ آج درخواست اس مضمون کی ہونی چاہیے کہ یہ مقدمہ تا انفصال دیگر مرزائی مقدمات کے ملتوی رہے چنانچہ درخواست پیش کی گئی اور اس پر بھی مرزا صاحب کے مخلص مرید خواجہ کمال الدین صاحب وکیل نے بڑی لمبی بحث کی اور قانون چھانٹے اور زور لگایا کہ اس مقدمہ کو ان مقدمات سے بڑا تعلق ہے جو حکیم فضل دین اور یعقوب علی (مرزائیوں) کی طرف سے مستغیث مقدمہ (مولوی کرم الدین) پر دائر ہیں جب تک ان کا فیصلہ نہ ہو لے یہ مقدمہ بالکل ملتوی رہے۔ حاضرین اس درخواست اور بحث پر تعجب کرتے تھے کہ ایسے فضول حیلوں سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ کیوں نہیں مرزا جی سینہ سپر ہو کر سیدھے میدان میں نکلتے اور فضول ٹال مٹول کر کے اپنی بزدلی ظاہر کرتے ہیں۔ الغرض بعد اختتام تقریر وکیل ملزمان کے وکلاء استغاثہ نے اپنی مفصل بحث میں اس درخواست کے فضول اور بے بنیاد ہونے پر دلائل دیے اور ثابت کیا کہ اس مقدمہ کو ان مقدمات سے کیا واسطہ۔ یہ عجیب بات ہے کہ مرزائیوں کے مقدمے تو چلتے رہیں اور غریب الوطن مولوی کرم الدین ان میں خراب ہوتے رہیں لیکن ان کا مقدمہ داخل دفتر رہے اور ان مقدمات کے انفصال پر پھر اس مقدمہ کی تحقیقات پر ایک ممتد زمانہ اور خرچ کیا جاوے۔ فی الجملہ بعد بحث وکلاء فریقین اس درخواست کا وہی حشر ہوا جو مرزا جی کی سابق درخواست کا ہوا تھا۔ عدالت نے کہا مقدمہ چلے گا ملزم کی درخواست نامعقول ہے نامنظور کی جاتی ہے۔

اس دوسری شکست نے تو جری اللہ کے حوصلہ کو اور بھی پست کر دیا۔ مرزا جی وکلاء کی طرف اور وکلاء مرزا جی کے منہ کو دیکھنے لگے اور دل میں کہنے لگے؛

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اب سوال یہ ہے کہ اگر مرزا جی کے کان میں ہر وقت آسمان سے ندا (وحی) پہنچا کرتی ہے تو کیوں فضول درخواستیں کر کے خواہ مخواہ اپنی خفت کرائی۔ کیا اس بارے میں پہلے کوئی الہام نہ ہوا کہ تمہاری یہ محنت رائگاں جائے گی۔ ایسی عبث درخواستیں کر کے اپنی سُبکی مت

کراؤ۔اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مرزا جی ملہمیت ،نبوت تو بجائے خود ایک مومن کی سی بھی فراست نہیں رکھتے۔حدیث شریف میں آیا ہے:

اتقوا فراسة المومن فان المومن ينظر بنور ربه.

مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیے وہ اپنے خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

اگر مرزا جی کو نور فراست سے بھی کچھ ذرّہ ملا ہوا ہوتا تو وہ اپنی خداداد فراست سے بھی سمجھ لیتے کہ یہ فضول عذرات ہیں۔خلاصہ یہ کہ درخواست نامنظور ہو کر حکم ہوا کہ مقدمہ ۱۷ اکتوبر کو پیش ہوا اور اس تاریخ کو گواہان استغاثہ بھی حاضر آئیں۔۱۷ اکتوبر کو پھر مقدمہ پیش ہوا،ملزمان بھی اصالتاً حاضر آئے اس تاریخ کو مستغیث کا بیان قلم بند ہوا اور مولوی برکت علی صاحب بی اے گواہ استغاثہ کی شہادت ہوئی۔وکلاء ملزمان نے جرح محفوظ رکھی چونکہ دوسرے گواہوں کی اطلاع یابی نہ ہوئی تھی۔مکرر طلب ہوئے اور تاریخ پیشی ۱۲،۱۳،۱۴ نومبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔۱۲ نومبر کی تاریخ پر ایک عجیب نظارہ پیش آیا جس وقت فریقین کو پکار ہوئی تو مستغیث حاضر ہوا اور ملزمان میں سے صرف مرزا جی حاضر آئے،فضل دین نہ آیا۔وکیل نے کہا کہ فضل دین سخت بیمار ہے،حاضری سے اس کو آج کی تاریخ کے لیے معاف کیا جائے۔وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ ملزم زیر ضمانت ہے اس کو ضرور حاضر ہونا پڑے گا۔آخر عدالت نے حکم دیا کہ ملزم کو آنا پڑے گا اگر یوں نہیں آسکتا تو چارپائی پر اٹھا کر لے آؤ۔آخر مجبوراً مرزا جی کے مخلص حواری حکیم فضل دین ملزم کو ان کے پیر بھائی چارپائی پر اٹھا کر لے آئے اس وقت ایک عجیب اُداسی کا عالم مرزائیوں میں چھایا ہوا تھا کیونکہ مرزا جی ان کو ہمیشہ سنایا کرتے تھے: انی معین من اراد اعانتک لیکن یہاں کچھ اور ہی نقشہ باندھا ہوا ہے۔حکیم جی زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

میں حاضر ہوں گو سخت بیمار ہوں	جو چاہو سزا دو سزاوار ہوں
اجی میرزا جی بتاؤ ذرا	میں کیوں اس بلا میں گرفتار ہوں
ہوں مخلص حواری تیرا جاں نثار	تو پھر اس قدر کیوں ہوا خوار ہوں
کہاں وہ اعانت کے دعوے ہوئے	میں الہاموں سے تیرے بیزار ہوں

الغرض فضل دین ملزم چارو ناچار بحکم عدالت کمرۂ عدالت کے باہر لٹائے گئے اور شہادت گواہان قلم بند ہونی شروع ہوئی۔ بیان گواہان ذیل قلم بند ہوئے:

مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل، ملک تاج الدین صاحب واصلباقی نویس جہلم، مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسر، مولوی عبدالسبحان صاحب ساکن مسایناں، مولوی اللہ دتا ساکن سوہل۔

وکیل ملزمان نے کہا کہ وہ گواہان پر جرح محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ حاکم نے کہا کہ پھر آپ کو چارج لگنے سے پہلے جرح کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ وکیل نے کہا کہ نہیں مجھے حق ہونا چاہیے لیکن حاکم نے کہا کہ اگر جرح کرنی ہے تو کرو ورنہ بعد فرد جرم لگنے کے جرح کا موقع ملے گا۔ اس پر وکیل صاحب نے کہا کہ آج تیار نہیں ہوں کل جرح کروں گا۔ عدالت نے حکم دیا کہ کل کا خرچہ گواہان آپ کو دینا پڑے گا پہلے تو کچھ لیت ولعل کی گئی آخر وکیل ملزمان نے خرچہ گواہان دوسرے روز کا دینا تسلیم کیا اور دوسرے روز پر مقدمہ ملتوی ہوا۔

۱۳ کو مولوی محمد کرم الدین صاحب مستغیث پر جرح شروع کی گئی جو ۱۴، ۱۵ تک جاری رہی اور ۱۶ کو ختم ہوئی۔ سوالات کی ترتیب دینے پر گویا مرزائیوں کی ساری کمیٹی متعین تھی۔ مرزا جی سے لے کر ان کے سارے مولویوں کے مشورے سے سوال مرتب ہو کر وکیل صاحب کو پرزہ کاغذ دیا جاتا تھا اور وکیل صاحب سوال کرتے تھے۔ سوال اگرچہ بڑی سوچ سے مرتب کیا جاتا اور بڑا پیچیدہ اور لاینحل خیال کیا جاتا تھا لیکن مولوی صاحب کا جواب سن کر ساری جماعت ششدر و پنج میں رہ جاتی تھی اور حیران رہ جاتی تھی کہ اس شخص کی طبیعت بھی بلا کی ہے کہ ہماری ساری محنت رائیگاں جاتی ہے چونکہ بیان بہت بڑا طویل ہے اس کی نقل کرنے سے سوائے طوالت کے کوئی فائدہ نہیں اس لیے ہم اس بیان میں سے صرف اس فہرست کی نقل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو کہ مرزا صاحب نے اپنے عقائد کی فہرست تحریری دے کر مولوی صاحب سے ان کے بالمقابل استفسار کیا تھا۔ اس فہرست سے مرزا صاحب کے عقائد کا بھی پتہ چلے گا اور یہ بھی کہ استفسار عقائد میں باوجودیکہ مخالف کو زک دینے کے لیے سعی بلیغ کی گئی تھی لیکن ماقل ودل جوابات ملنے پر وہ کوشش بھی سب خاک میں مل گئی۔ و

ہو ہذا

فہرست عقائد مرزا قادیانی

مشمولہ مسل فوجداری بعدالت رائے چندولال صاحب

مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور

مولوی محمد کرم الدین ساکن بھیں مستغیث

بنام

مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین ساکن قادیان

۵۰۱/۵۰۰ تعزیرات ہند

نمبر	عقائد مرزا غلام احمد قادیانی	مستغیث کا جواب
۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں	عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں
۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے اور غشی کی حالت میں زندہ ہی اُتارے گئے تھے۔	نہیں
۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر مع جسم عنصری نہیں گئے۔	گئے
۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نہیں اُتریں گے اور نہ کسی قوم سے وہ لڑائی کریں گے۔	آسمان سے اُتریں گے اگر لڑائی کی ضرورت ہوگی تو لڑائی کریں گے اگر امن کا زمانہ ہوگا تو نہیں کریں گے۔

۵	ایسا مہدی کوئی نہیں ہوگا جو دنیا میں آ کر عیسائیوں اور دوسرے مذاہب والوں سے جنگ کرے گا اور غیر اسلامی اقوام کو قتل کر کے اسلام کو غلبہ دے گا۔	مہدی علیہ السلام آئیں گے اور ایسے زمانہ میں آئیں گے جب بد امنی اور فساد دنیا میں پھیلا ہوا ہوگا، فسادیوں کو مٹا کر امن قائم کر دیں گے۔
۶	اس زمانہ میں جہاد کرنا یعنی اسلام پھیلانے کے لیے لڑائی کرنا بالکل حرام ہے۔	اس زمانہ میں برٹش انڈیا میں جہاد کرنا حرام ہے۔
۷	یہ بالکل غلط ہے کہ مسیح موعود آ کر صلیبیوں کو توڑتا اور سُوروں کو مارتا پھرے گا۔	یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔
۸	میں مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی موعود اور امام زمان اور مجدد وقت اور ظلی طور پر رسول اور نبی اللہ ہوں اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔	میں نہیں مانتا۔
۹	مسیح موعود اس امت کے تمام گذشتہ اولیاء سے افضل ہے۔	مرزا صاحب مسیح موعود نہیں اور نہ وہ کسی سے افضل ہے۔
۱۰	مسیح موعود میں خدا نے تمام انبیاء کے صفات اور فضائل جمع کر دیے ہیں	مرزا صاحب نہ مسیح موعود ہیں اور نہ ان میں اوصاف نبوت میں سے کوئی ہیں۔
۱۱	کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے	بحث طلب ہے

۱۲	مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہیے	مہدی موعود قریش کے خاندان سے ہوگا
۱۳	امت محمدیہ کا مسیح اور اسرائیلی مسیح دو الگ الگ شخص ہیں اور مسیح محمدی اسرائیلی مسیح سے افضل ہے۔	مسیح ایک ہے اور وہ اسرائیلی ہے۔
۱۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی حقیقی مردہ زندہ نہیں کیا۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ زندہ کیے ہیں۔
۱۵	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا۔	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا۔
۱۶	خدا کی وحی آں حضرت صلعم کے ساتھ منقطع نہیں ہوئی۔	منقطع ہوئی۔

مرزا غلام احمد
دستخط حاکم بحروف انگریزی
محمد کرم الدین

من جملہ ان فوائد کے جو اس مقدمہ سے ہوئے یہ بھی ہے کہ اب عقائد قادیانی کو پورا پتہ فہرست مذکورہ صدر سے مل گیا۔ یوں تو مرزا جی کے عقائد کا پورا پتہ نہ چلتا تھا۔ مرزا جی اور ان کے مرید ہمیشہ بموقعہ اپنے عقائد بدل لیا کرتے تھے، کہیں ایک عقیدہ ظاہر کرتے اور پھر دوسرے موقع پر اس سے انکار کر دیتے تھے لیکن یہ فہرست عقائد جو عدالت میں انہوں نے خود مرتب کر کے داخل کر دی ہے اور جس کی نقل مصدقہ عدالت ہو بہو درج کر دی گئی ہے اب اس سے انکار کرنا ان کو مشکل ہے اور اگر اب انکار کریں گے تو یہ آئینہ ان کے منہ کے سامنے کر دینا کافی ہوگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے عقائد مرزا جی کے سوا پہلے بھی کسی مسلمان کے ہوئے ہیں یا نہیں اور یہ عقائد کہاں تک شریعت غرّا کی بنیاد کو اُکھیڑنے والے، اسلام کی مضبوط اور محکم

دیوار میں رخنہ کرنے والے، انبیاء عظام، اولیاے کرام کی توہین کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑنے والے، قرآن کریم کی صریح تکذیب کرنے والے ہیں۔

اگرچہ اس موقع پر اس فہرست پر بسط سے کلام کرنے کی گنجائش نہیں لیکن پھر بھی مسلمان بھائیوں کو توجہ دلانے کے لیے ذیل میں کسی قدر فہرست مندرجہ بالا کے بعض نمبرات پر مختصر بحث کی جاتی ہے، امید ہے کہ ناظرین غور فرمائیں گے:

(۱) عقیدہ نمبر ۲: مرزا جی نے یہ لکھایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور غشی کی حالت میں زندہ ہی اُتارے گئے۔ سو واضح ہو کہ یہ عقیدہ علاوہ اس کے کہ احادیث رسول اکرم ﷺ، اقوال مفسرین، اجماع جمیع مسلمین کے خلاف ہے۔ اس سے قرآن کریم کی آیات کی بھی سخت تکذیب ہوتی ہے۔ خدائے پاک نے تو صلیب پر چڑھانے کی صریح الفاظ میں نفی فرمائی ہے: وما صلبوہ (انہوں نے اس کو صلیب پر نہیں چڑھایا) دیکھو ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ اور آپ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ صلیب پر چڑھائے گئے حتیٰ کہ غشی کی بھی نوبت پہنچی۔ اس خیال باطل کی تسلیم سے کہ یہودی اپنے منصوبہ شرارت میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ انہوں نے خدا کے سچے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کو پکڑ کر صلیب پر کھینچ دیا اور جان کندن کی حالت کو پہنچا دیا۔ گو کسی حیلہ سے آخر وہ زندہ بچ گئے تو خدا کے اس برگزیدہ رسول کی کمال درجہ کی توہین اور یہودیوں کی فتح ثابت ہوتی ہے۔ ایسی زندگی سے تو مر جانا اچھا تھا جبکہ دشمن نے ان کو سخت ایذائیں پہنچائیں۔ ان کو صلیب دے کر نیم مردہ کر دیا تو پھر مسیح کی عزت اور ربّ العزت کا کمال قدرت کیا ثابت ہوا۔ خدائے پاک تو مسیح علیہ السلام سے وعدہ کرے کہ میرے حضور میں تیری اس قدر عزت ہے کہ تیرے تابعین بھی تیرے مخالفین (یہود وغیرہ کفار) پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ (و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ) اور ادھر تابع تو کہاں متبوع کی یہ گت دشمن کے ہاتھ سے ہوتی ہے کہ الامان۔ مرزا جی قرآن کو سچا کہیں یا آپ کو۔ اس فاسد عقیدہ سے تو قرآن کریم کی سراسر تکذیب ہوتی ہے اور دیکھیے خدائے کریم کا یہ بھی مسیح سے وعدہ ہے: و مطھرک من الذین کفروا (میں تجھے پاک رکھنے والا

ہوں کفار سے) تو جب مسیح ان ناپاک ہاتھوں (یہودیوں کے پنجہ میں) پھنسا دیے گئے تو پھر وعدہ تطہیر کہاں گیا۔ قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا ہے: انما المشرکون نجس تو پھر ان نجس ہاتھوں میں عیسیٰ علیہ السلام کو اسیر کر دینا و مطھرک کے مضمون کے بالکل منافی ہے۔ نیز ایک اور صریح آیت بھی اس عقیدہ کا ابطال کرتی ہے جو خدائے پاک نے فرمایا: و اذ کففت بنی اسرائیل عنک [المائدہ:۱۱۰] (میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ تجھے ایذا پہنچانے سے روک دیے) اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل صلیب پر کھینچنا تو کجا مسیح علیہ السلام کو ہاتھ تک نہ لگا سکے۔ کف کا معنی ہی ہاتھ کو روک لینا ہے جیسا کہ دوسری آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

اذ ھمّ قوم ان یبسطوٓا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم

(جس وقت قصد کیا ایک جماعت نے کہ دراز کریں طرف تمہاری ہاتھ اپنے کو پس بند کیے ہاتھ ان کے تم سے) [المائدہ:۱۱]

اب یہ کہنا کہ یہودی مسیح کو پکڑ کر لے گئے اور صلیب پر کھینچ کر ان کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور ان کو آدھ مُوا کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باطل خیالات ان آیات مذکورہ بالا کی تکذیب کرتے ہیں۔ پھر افسوس ہے کہ ایسی صریح نصوص قرآنی پڑھنے کے بعد بھی مرزا جی کے فاسد عقیدہ کو بعض مسلمان تسلیم کیے بیٹھے ہیں۔

(۲) عقیدہ نمبر ۴و۵و۶ میں مرزا جی ایک گہری چال چلتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان کے جوابات میں حریف بڑی دُشواری میں پڑے گا لیکن جوابات سن کر پھر حیرت میں رہ گئے وہ ہمیشہ اس بات کی سعی کیا کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے بدظن کریں کہ وہ ایسے مہدی و مسیح کے منتظر ہیں جو آ کر عیسائیوں اور دیگر مذاہب والوں کو تہ تیغ کر کے اسلام کو غلبہ دے گا اور خود بدولت گورنمنٹ پر احسان جتلایا کرتے ہیں کہ آپ ہی ہیں جو گورنمنٹ کی خیر خواہی میں مسلمانوں کو ایسے مسیح یا مہدی کے انتظار سے روکتے ہیں اور خود ہی مہدی خود ہی مسیح ہیں۔ یہی غرض اس موقع پر تھی کہ اگر مولوی صاحب یہ کہیں گے کہ مہدی و مسیح وہ ہوں گے جو اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائیں گے اور عیسائیوں اور غیر مذاہب کے لوگوں کو

نیست و نابود کردیں گے تو گورنمنٹ کو بھی بدظنی ہو گی اور مجسٹریٹ کو جو کہ ہندو مذہب سے بھی ناراضگی ہو گی لیکن آفرین ہے اس شخص کی قابلیت پر جوابات میں کس لیاقت سے چال باز حریف کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔ آپ نے جو جواب لکھائے ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ غلط بات ہے جو مرزا جی گورنمنٹ اور دیگر مذاہب والوں کو کہہ کر مسلمانوں سے بدظن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ مہدی و مسیح خواہ مخواہ بے وجہ تلوار چلاتے پھریں گے اور غیر مذاہب والوں کو قتل کرتے پھریں گے ہاں اگر فساد اور بدامنی کا زمانہ ہو گا تو شر مٹانے اور امن قائم کرنے کے لیے ان کو یہ کرنا پڑے گا کہ ایسے فسادیوں کو مٹا کر امن قائم کر دیں اور یہی ہر ایک باانصاف سلطنت کا اصول انصاف ہے۔

مرزا جی ہمیشہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمان خونی مہدی اور خونی عیسٰی کے منتظر ہیں لیکن نہایت افسوس ہے کہ ''خونی'' کا لفظ کہاں سے انہوں نے لگا لیا۔ کسی حدیث میں یہ لفظ ان کی صفتوں میں نہیں آیا اور نہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے بلکہ ان کے اوصاف تو حکم عدل احادیث میں لکھے ہیں اور یہ کہ وہ زمانہ جور و جفا کو امن و صلح سے بدل دیں گے۔ پھر مرزا جی کو کچھ تو خوف خدا کرنا چاہیے کہ وہ کیوں مسلمانوں کے ذمے ایک بیہودہ تہمت لگاتے ہیں۔ علاوہ بریں گورنمنٹ پر مرزا جی ہر چند احسان شماری کریں اور مسلمانوں سے بدظن کرنے کی کوشش کریں ان کے اس قول بے اصل کی کچھ بھی وقعت ہماری جز ورس اور بیدار مغز گورنمنٹ کے سامنے نہیں ہو گی۔ گورنمنٹ کو اپنی وفادار مسلمان رعایا پر اطمینان ہے اور گورنمنٹ کو خوب معلوم ہے کہ مرزا جی جیسے مہدی مسیح وغیرہ بننے والے ہی کوئی نہ کوئی آفت سلطنت میں برپا کیا کرتے ہیں۔ مسلمان تو یہ زمانہ مہدی و مسیح کا قرار ہی نہیں دیتے کیونکر یہ امن کا اور انصاف و عدل کا زمانہ ہے اور خلق خدا کو ہر طرح سے اس مبارک سلطنت کے سایہ میں امن اور آسائش حاصل ہے اور مہدی اور مسیح کے آنے کی جب ضرورت ہو گی کہ عنان سلطنت سخت ظالم اور جفا پیشہ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو گی اور روئے زمین پر کشت و خون اور فتنہ و فساد کا طوفان برپا ہو گا، اس وقت اس کی ضرورت ہو گی کہ اللہ العالمین اپنی مخلوق کی حفاظت اور آسائش و امن گستری کے لیے کسی انصاف مجسم امام بادشاہ اسلام (مہدی و مسیح)

کو مبعوث فرمائیں لیکن مرزا جی نے تو مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ مہدی و مسیح کا یہی زمانہ ہے اور قادیان ضلع گورداسپور میں وہ مہدی و مسیح بیٹھا ہوا ہے وہ کسر صلیب کے لیے مبعوث ہوا ہے تاکہ عیسویت کو محو کر کے اسلام کو روشن کرے اور یہ بھی برملا کہتا ہے کہ خدا نے اسے بتلا دیا ہے کہ سلطنت بھی اسی کو ملنے والی ہے چنانچہ اس نے اپنی متعدد تصانیف میں یہ الہام و کشف سنایا ہے کہ خدا نے اسے بتلا دیا ہے کہ بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے بلکہ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ بادشاہ اس کو دکھائے بھی گئے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہت مرزائیوں کی جماعت کو کسی زمانہ میں ملے گی۔

اب خیال فرمایئے کہ یہ خیال کہاں تک خوفناک خیال ہے جبکہ مرزا جی نے یہ الہام ظاہر کر کے پیش گوئی کر دی ہے کہ بادشاہ اس کے حلقہ بگوش ہوں گے اور بادشاہت مرزائیوں کو ملے گی۔ کیا عجب کہ ایک زمانہ میں مرزائیوں کو جو اس کی پیشین گوئیاں پورا کرنے کے لیے اپنی جانیں دینے کو تیار ہیں (جیسا کہ اپنے بیان میں وہ لکھا چکا ہے کہ اس کے مرید جان و مال اس پر قربان کیے بیٹھے ہیں) یہ جوش آ جائے کہ اس پیشین گوئی کو پورا کیا جائے اور وہ کوئی فتنہ و بغاوت برپا کریں اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا جی نے مسلمانوں کو نصاری سے سخت بدظن اور مشتعل کر رکھا ہے وہ ''دجال'' سمجھتے ہیں تو نصاری کو ''خرِّ دجال'' کہتے ہیں تو ریلوے کو اب سوال یہ ہے کہ یہ ریلوے کس نے جاری کر رکھی ہے جب یہ خرِّ دجال ہے تو اس کے چلانے والے (بادشاہ وقت) کو ہی یہ دجال کہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کے برخلاف سخت مشتعل کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ عالیہ کو ایسے اشخاص کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیے۔

یہاں گنجائش نہیں ہم کسی وقت اس بارے میں مفصل بحث کر کے گورنمنٹ کو اس کے خطرناک خیالات سے مطلع کریں گے۔

(۳) عقیدہ نمبر ۸ میں مرزا نے بڑی وضاحت و صراحت سے رسالت اور نبوت کا دعوی کر دیا ہے اور ظلی کی قید جو یہاں لگائی ہے یہ محض مصلحت وقت کے لیے ہے ورنہ اس مقدمہ میں یہ صاف طور پر مرزا نے کہہ دیا ہے کہ وہ نبی اللہ اور رسول بلا کسی قید کے ہے چنانچہ اپنی تحریری بحث میں جو اس نے انگریزی میں داخل کی ہے یہ بھی ایک عذر کیا گیا تھا

کہ چونکہ مرزا مدعی نبوت ہے اور نبوت کے مدعی کو کذاب کہنے والا کذاب ہوتا ہے اس لیے مستغیث کو جو اس کے دعوی کو جھوٹا سمجھتا ہے اس نے کذاب کہا چنانچہ اس کی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اصول اسلام کے بموجب اس معاملہ کی ایک اور حالت ہے وہ شخص جو ایک شخص مدعی رسالت کو جھوٹا جانتا ہے کذاب ہے اور یہ بات شہادت استغاثہ سے مانی گئی ہے اب مستغیث پورے طور پر جانتا ہے کہ ملزم نمبر ا نے اس حیثیت (یعنی نبوت رسالت) کا دعوی کیا ہے اور باوجود اس کے مستغیث نے اس کی تکذیب کی۔ پس مذہبی اصطلاح کے رو سے مستغیث کذاب تھا۔''

اب دیکھیے اس موقع پر دعوی رسالت کا بلا کسی قید کے بالصراحت اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اسی وجہ سے وہ نبی رسول ہے اور اپنے جھٹلانے والے کو کذاب کہنے کا حق رکھتا ہے اور ایسا ہی اس کے مخلص حواری اور وکیل مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر نے اپنی شہادت میں یوں لکھایا ہے:

''مکذب مدعی نبوت کذاب ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہیں اس کے مرید اس کے دعوی میں سچا اور دشمن اس کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔''

پھر آگے چل کر گواہ مذکور اپنے بیان میں یوں لکھاتا ہے:

''مرزا صاحب دعوی نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔''

اب یہ بات نہایت وضاحت سے ثابت ہوگئی کہ مرزا قادیانی مدعی نبوت و رسالت ہے۔ اب اگر مرزا جی یا ان کے مرید جو ہمیشہ ایسا کیا کرتے ہیں کہ جب ان کو کہا جائے کہ مرزا رسالت و نبوت کا مدعی ہے تو وہ صاف کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور مرزا جی کا یہ مصرع پیش کر دیا کرتے ہیں:

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

لیکن اب اس مقدمہ میں یہ بات صاف ظاہر ہوگئی ہے کہ مرزا رسالت، نبوت کا کھلے طور سے مدعی ہے جیسا کہ فہرست عقائد تحریری بحث مولوی محمد علی کی شہادت سے ثابت ہوگیا

اورظاہر ہے کہ یہ عقیدہ آیت صریح و ماکان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبین (الاحزاب:۴۰) کی صریح تکذیب ہےاور چودہ سوسال سے جومسلمانوں کا بالتواتر جو مسلمہ عقیدہ چلا آیا ہے اس کی مخالفت ہےاور ایسی گستاخی اور سخت جرات ہے جوکسی شخص نے آج تک نہیں کی۔صحابہ کرام نے (باوجود کثرت فضائل) دروازہ نبوت کو ہرگز نہ کھٹکھٹایا بڑے بڑے اولیائے کرام صاحب کرامات وخوارق ہوگزرے لیکن کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ منصب رسالت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کہہ دیا کہ اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو فلاں میرے صحابی ہوتے لیکن نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن اللہ رے دلیری!!! یہ گستاخی کو تو چودہویں صدی کے ایک مغل زادہ (مرزا غلام احمد) نے جوختم نبوت کی مہرتوڑنے لگا۔منصب رسالت کی بے ادبی کرنے لگا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

مرزا کے مریدوں کی تو اب یہ حالت ہے کہ اگر روز روشن کو وہ رات کہہ دے تو مرزائی باوجود دیکھنے آفتاب عالم تاب کے یہی کہیں گے کہ بے شک اس وقت رات ہی ہے۔دیکھو تو ہمارے مرشد و مولا خدا کے سچے ملہم جو کہہ رہے ہیں پھر اس ہٹ اور ضد کا کیا علاج ہے لیکن اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مرزا جی کے اس دعوی نبوت کی نسبت ان کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک فتوی کفر ناظرین کے سامنے کردوں تا کہ حسب مقولہ مشت خود و دہان خود۔مرزا جی کی اپنی تحریر ان کو الزام دے اور وہ فتوی کسی ایسے زمانہ کا ہے جس وقت آپ نبوت ورسالت کا کھلےطور پر دعوی کرنے سے ڈرتے تھےاور صرف ملہمیت اور محدثیت کے القاب اس وقت اپنے حق میں استعمال کرتے تھے۔اب جوں جوں مریدان خوش اعتقادان کے دعاوی پر امنا و صدقنا کہتے گئے آپ کا حوصلہ وسیع ہوتا گیا اور آپ نے کھلےطور پر دعوی نبوت اور رسالت کا کردیا۔(اس کی تشریح آگے چل کر بعنوان ''مرزا کا ادعائے نبوت پر اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا فتوی۔عنقریب لکھیں گے)

(۴) عقیدہ نمبر ۹ میں مرزا جی نے ایک بہت بڑا بے جا دعوی یہ کیا ہے کہ وہ امت محمدیہ کے تمام گذشتہ اولیاء سے افضل ہیں۔تو گویا آپ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور

حضرت غوث الثقلین وغیرہ اولیا کرام سے افضل ہیں۔نعوذ باللہ من ذالک

سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر آپ کے دیگر صحابہ کرام درجہ بدرجہ۔اس پر نہ صرف احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی شاہد ہیں بلکہ قرآن کریم بھی صحابہ کرام کے فضائل پر ناطق ہے چنانچہ اس سے انکار کرنا گویا روز روشن میں آفتاب عالم تاب سے انکار کرنا ہے۔پھر کتنا بڑا غضب ہے کہ مرزا جی نے تمام اسلامی عقائد کو ملیامیٹ کر کے کھلے طور پر دعوی کر دیا کہ وہ تمام صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے افضل ہے بھلا کوئی اس اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے سے یہ تو پوچھے کہ آپ نے کون سی خدمت اسلام کی کی ہے جس کے عوض تمہیں یہ حق کہنے کا حق پیدا ہو گیا ہے کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار آپ کے یاران غار صحابہ کرام (جنھوں نے اسلام کی خدمت اور ہادی اسلام کی محبت میں اپنی املاک اپنی جانیں قربان کر دیں) سے افضل ہو گئے ہو۔مرزا جی کاش آپ کو ایسی گستاخی سے شرم آتی، خدا کا خوف کیا ہوتا۔بھلا تمہارے جیسے نفسانی شخص یاقوتیاں اور عنبر اڑانے والے، پلاؤ زردے مرغے انڈے کھانے والے حضرت صدیق اکبر جیسے تمام مال و جائیداد خدا کے راستہ میں لٹا کر ایک کمبل پہن لینے والے اور سات سات روز فاقہ سے گزار دینے والے اور حضرت عمر فاروق جیسے دلق پوش نفس کش اور دیگر صحابہ کرام سے دعوی افضلیت کا حق رکھتے ہیں!!!

افسوس اور ہزار افسوس مسلمانو! مرزا کے اس عقیدہ نمبر ۹ کو پڑھ کر انصاف کرنا اور پھر ذرا مرزا کے مریدوں کے سامنے یہ عقیدہ رکھ کر ان سے پوچھنا کہ بھائیو چودہ سو سال سے اس قسم کی جرات کسی مسلمان نے مسلمان کہلا کر کی ہے کہ وہ امت محمدیہ کے تمام گذشتہ اولیاء (جن میں صحابہ کرام اور دیگر اولیاء عظام سب داخل ہیں) سے افضل ہونے کا علی رؤس الاشتہاد دعوی کرے۔بھلا یہ تو بتلانا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو دریائے نیل کو رقعہ لکھ کر بھیجا تھا اور دریا نے گردن اطاعت خلیفۃ المومنین کے فرمان کے سامنے رکھ دی تھی آپ کا کہنا تو معمولی انسانوں (ان حکام نے جن کی جوتیوں میں آپ کو کھڑا رہنا

نصیب ہوا) بھی نہ مانا۔ آپ نے پانی مانگا اور نہ ملا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے منبر پر کھڑے ہو کر ساریہ کو جب وہ کفار کے نرغہ میں گھر گیا تھا) پکارا یا ساریۃ الجبل اور وہ ان کی آواز سینکڑوں کوسوں پر ساریہ کے کانوں میں جا پہنچی اور اس نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنے پر پہاڑ کی آڑ لے لی اور کفار کے ہاتھ سے بچ گیا لیکن مرزا کے مخلص مرید عبداللطیف کے کانوں میں آپ کی ندا دیار کابل میں ہرگز نہ پہنچی تا کہ اس کی جان بچ جاتی۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام سے آپ افضل ہیں۔ ہاں مرزا جی صحابہ کرام کا درجہ تو بہت بلند تر ہے ان کا ذکر رہنے دیجیے دیگر اولیائے کرام کی کرامات بھی آپ کو معلوم ہی ہیں حضرت ابراہیم ادھم کا بھی آپ نے قصہ مثنوی مولانا روم میں پڑھا ہے کہ آپ نے اپنی سوزن دریا میں پھینک کر مچھلیوں کو جب پکارا تو؛

صد ہزاراں ماہیے اللہٰی
سوزن زر در لب ہر ماہیے
سر بروں کردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوز نہائے حق

ذرا آپ بھی تو کبھی ایک آدھ ہی خارق عادت کرامت دکھا دیتے لیکن آپ کے پاس تو بخدا دعوی ہی دعوی ہے پھر آپ کے اس نرے دعوی کو آپ کے مریدان خوش اعتقاد شاید مان ہی جائیں (گو دل سے تو وہ بھی نہیں مانتے ہوں گے) لیکن دیگر مسلمانوں کو تو آپ کے ان عقائد نے آپ سے سخت متنفر کر دیا ہے اور آپ کے ایسے دعاوی پر جسے پیشوایان مذہب (صحابہ کرام) کی سخت توہین ہوتی ہے جو کچھ ان کے دلوں کو صدمہ پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ دردمندان اسلام سے ہی پوچھیے۔ والی اللہ المشتکی

(۵) عقیدہ نمبر ۹ میں تو صرف آپ نے صحابہ کرام اور دیگر اولیائے عظام کی توہین کی تھی لیکن عقیدہ نمبر ۱۰ میں تو آپ نے یہ کہہ کر کہ مسیح موعود (مرزا) میں خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کی صفات اور فضائل جمع کر دیے ہیں۔ انبیاء عظام کی بھی سخت تحقیر کی ہے یعنی انبیاء میں تو فرداً فرداً کچھ کچھ صفات و فضائل تھے اور بعض سے بعض فضیلت میں برتر تھے۔

(تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض) لیکن مرزا میں تمام انبیاء کے صفات اور فضائل جمع کر دیے گئے ہیں یعنی وہ سب انبیاء سے افضل ہے حالانکہ آج سے پہلے مسلمانوں کے اعتقاد کے رو سے حضرت ختم المرسلین کے لیے یہ درجہ حاصل تھا کہ جملہ انبیاء کے فضائل خدا نے آپ کو دیے ہیں اور آپ افضل الرسل ہیں؛

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(۶) عقیدہ نمبر ۱۲ میں مرزا جی کہتے ہیں کہ مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہیے حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المهدی من عترتی من اولاد فاطمه

یعنی مہدی میرے اہل بیت بنی فاطمہ سے ہوگا۔ (ابوداؤد)

اب کہیے مرزا جی آپ سچے ہیں یا رسول خدا سچے۔ آپ یہ تو فرمائیے کہ آپ کے ہاتھ میں اس امر پر کیا ثبوت ہے کہ مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہیے اور میرزاؤں کے خاندان سے ہونا چاہیے جن لوگوں کو اپنے صادق ومصدوق ختم المرسلین نبی برحق پر ایمان ہے وہ کبھی بھی آں حضرت کے قول پاک کی تکذیب کر کے آپ کی یہ بات نہ مانیں گے کہ مہدی موعود بنی فاطمہ سے نہ ہونا چاہیے بلکہ اولاد النقوا سے ہونا چاہیے علاوہ اس کے مہدی موعود کی نسبت تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پتہ دیا ہے کہ وہ عرب کے بادشاہ ہوں گے۔ لا تذهب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اهل بیتی یواطئی اسمه اسمی (مشکوۃ) دنیا ختم نہیں ہوگی جب تک یہ نہ ہو کہ عرب کی بادشاہت اس شخص (مہدی) کو حاصل ہو جو میرے اہل بیت سے ہوگا اور اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔ لیکن مرزا جی تو عرب کا نام سن کر کانپتے ہیں اگر آپ مہدی موعود ہیں تو آپ کو قادیان (پنجاب) میں نہیں بیٹھ رہنا چاہیے بلکہ عرب میں تشریف لے جانا چاہیے اور عرب کی بادشاہت بھی حاصل کرنا چاہیے پھر اگر آپ عرب کی ملک گیری میں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر مسلمان اس امر پر غور کریں گے کہ آپ کو مہدی کہلانے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری تعریف مہدی موعود کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلائی ہے:

یملاء الارض قسطا وعد لا کما ملئت ظلما و جورا

ترجمہ: زمین کوعدل وانصاف وامن سے بھردے گا جیسی کہ وہ ظلم وبدامنی سے پُر ہوگی۔

(مرزاجی مسلمان اس مہدی کے معتقد ومنتظر ہیں جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ دنیا کو عدل وانصاف وامن سے پُر کردیں گے حالانکہ آپ گورنمنٹ کومغالطہ دے رہے ہیں کہ مسلمان خونی مہدی کے قائل ہیں کیا آپ برخلاف اس تعریف کے جواس تعریف میں ہے مہدی کی تعریف میں ''خونی'' کہیں دکھلائیں گے۔)

حالانکہ مرزاجی نے تو دنیا میں شوروشرارت وبدامنی سے نمونہ قیامت برپا کردیا ہے پھر کس طرح مانا جائے کہ وہ مہدی موعود ہیں اور اس تعریف سے جوحدیث بالا میں مہدی موعود کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے بعثت مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہی وہ ہوگا جب کہ دنیا ظالم اور جفا کار بادشاہوں کے ہاتھ سے نالاں ہوگی اور زمین پر بدامنی اور فساد پھیلا ہوا ہوگا اور اس وقت مہدی معہود اس فتنہ وفساد کو دُور کرکے امن قائم کریں گے حالانکہ اس وقت ہمارے سر پر ایک ایسے عدل گستر بادشاہ (ملک معظم قیصر ہند) کا ہاتھ ہے جس کے انصاف وعدل اور امن گستری کے مخالف وموافق قائل ہیں اور مسلمان اس کے سایہ میں امن وامان سے اپنے مذہبی فرائض بجالاتے ہیں۔ جمعہ عیدین اطمینان سے پڑھتے اور بیوت اللہ (مساجد) کو آباد کیے ہوئے ہیں یعنی ہم کو اپنے مذہبی اُمور کی بجاآوری سے بالکل آزادی ہے پھر اگر مسلمان اس زمانہ میں کسی مہدی کی ضرورت سمجھیں تو وہ حدیث رسول (جواوپر ذکر ہوچکی ہے) کی تکذیب کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔ اب فرمائیے کہ مہدی علیہ السلام کے متعلق جوعقیدہ ہم مسلمانوں کا ہے گورنمنٹ عالیہ کے نزدیک قابل اطمینان ہے یا وہ عقیدہ جوآپ نے پھیلا رکھا ہے کہ مہدی ومسیح اس وقت ہندوستان میں اور خاص قادیان ضلع گورداسپور میں بیٹھا ہوا ہے مسلمان اس کے ساتھ ہولیں تاکہ کسرصلیب کا کوئی تدارک کیا جاوے اور دجال کا خروج بھی ہوچکا ہے وہ کون؟ نصاریٰ (انگریز) ہیں اور ان کی ریل دجال کا گدھا ہے اور عنقریب بادشاہت اسی مہدی کے گروہ میں آنے والی ہے

اور خدا نے اس مہدی سے کہہ دیا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور ان بادشاہوں کی صورتیں بھی خدا نے اس مہدی کو دکھادی ہیں سو یہ ایک سخت خطرناک عقیدہ ہے جو قادیانی مہدی نے مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور لوگوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دے کر یہ عقیدہ منوانے کی کوشش کی جارہی ہے کسی کو موت کی دھمکی دی جاتی ہے اور کسی کو سخت ذلت کی، کہیں زلزلوں کے حوادث سے ڈرایا جاتا اور کہیں طاعون کا تازیانہ دکھایا جاتا ہے۔ بہر حال مرزا قادیانی کا ہندوستان میں اس زمانہ امن میں ضرورت مہدی اور ظہور مہدی کا عقیدہ قائم کرنا ایک خوف ناک عقیدہ ہے۔ جس سے کسی آنے والے فتنہ کا سخت خوف ہے۔ **اللّٰھم احفظنا من الفتن و اھدنا الصراط المستقیم**

(۷) عقیدہ نمبر ۱۴ میں مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک اولی العزم مقتدر رسول سے افضل ہونے کا کھلے طور پر دعویٰ کیا ہے حالانکہ کوئی شخص غیر رسول رسول سے افضل نہیں ہوسکتا خواہ وہ کیسا ہی عارف زاہد صاحب کمالات کیوں نہ ہو۔ (یہ مسلمانوں کا عقیدہ مسلمہ ہے) اور پھر ایسے رسول سے جو صاحب شریعت و کتاب ہو اور جس کے فضائل پر قرآن شریف شاہد ہو اور جس کے معجزات کی ایک دنیا معترف ہو اور ادھر افضلیت کے مدعی کی یہ حالت ہو کہ اس کی منکوحہ آسمانی (محمدی بیگم) اغیار کے ہم آغوش ہو اور مسیحیت کا دعویدار دیکھ دیکھ کر خون جگر کھا رہا ہو اور آسمانی عدالت میں اس کی اس قدر بھی شنوائی نہ ہو کہ وہاں سے عزرائیل (ملک الموت) ایک مسلح سپاہی کے ہاتھ ایک وارنٹ گرفتاری بھیج کر اس کے رقیب کو فوراً عالم برزخ کی جوڈیشل حوالات میں دے اور جاکر اپنے برگزیدہ نبی (معاذ اللہ) کی منکوحہ اس کو واپس دلائی جائے۔ مرزا جی جب تک آپ کا محمدی بیگم والا الہام پورا نہ ہو کون عقل مند ہوگا جو آپ کو رسولوں سے افضل صاحب کرامت و معجزہ تسلیم کرلے۔ آپ خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا مانگو اور رو رو کر درخواست کرو کہ آپ کی آسمانی منکوحہ جلد تر بموجب الہام آپ کو عطا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ آپ اپنے ایام زندگی کو بسر کرکے آنجہانی کو چل دیں اور آپ کی دلی آرزو آپ کے ساتھ ہی خاک میں مل جائے۔ پھر بھی آپ کے مرید تو شاید یہ کہہ کر دل کو تسکین دے دیں کہ کیا مضائقہ ہے جو دنیا میں محمدی

بیگم [۴۱] دوسروں کے قبضہ میں رہیں، آخر اس نے بھی مرنا ہے اور پھر اس جہان میں تو مسیح کے قابو میں آہی جائے گی لیکن مرزا جی کی تربت سے تو اس وقت یہی ندا آئے گی؛

جب مر چکے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم تیرے ایسے پیار پر

(۸) عقیدہ نمبر ۱۵ میں مرزا جی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی حقیقی مردہ زندہ نہیں کیا حالانکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ احیاء موتی کا معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور وہ مردوں کو خدا کے اذن سے زندہ کرتے تھے۔ اس بارے میں ہم قرآن کریم کو ہی حکم کرتے ہیں اور آیت قرآن پیش کر دیتے ہیں:

و ابری الاکمہ والابرص و احی الموتی باذن اللّٰہ
میں مادر زاد اندھوں کو تندرست کرتا ہوں اور کوڑھی کو اور مردوں کو خدا کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔ (ال عمران: ۴۹)

اب ناظرین اس نص قرآنی کو پڑھیں اور بدوں اس کے کہ کسی تفسیر کی طرف رجوع کرنے کی ہمیں ضرورت ہو صرف آیت کے صریح معانی کو ہی لینے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حقیقی مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

و لقد یسرنا القرآن للذکر .

تو پھر اگر موتی کے معنی کی نسبت اس کے صریح اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر ہم مجازی معنی کی طرف دوڑیں تو پھر "یسرنا القرآن" کے کیا معنی ہوں گے پھر تو قرآن کے الفاظ ایک معمہ لاینحل بن جائیں گے حالانکہ ایسا خیال کرنا بالکل واہی ہے۔ مردوں سے مراد اگر یہاں پر جیسا کہ مرزا جی تاویل کرتے ہیں وہ لوگ ہوں جن کے دل مردہ ہوں اور ان کو زندہ کرنے سے یہ مراد کہ ان میں ایمان و اسلام کی روح پھونک دی جاتی ہے تو یہ ہر ایک نبی کی صفت میں آسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس صفت کو مخصوص کرنا چہ معنی دارد۔

یہ تو سارے انبیاء بلکہ اولیاء اور علماء ربانیین کا کام ہے کہ وہ مردہ دلوں کو اپنے انفاس مقدسہ کی برکت سے نئی زندگی بخشتے ہیں اور آیت موصوفہ میں اس وصف احیاء موتی کو

حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت فرما کر آگے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان فی ذلک لاٰیة لکم ان کنتم مومنین .

یہ تمہارے لیے نشان ہے اگر تم مومن ہو۔ (ال عمران: ۴۹)

آیت (نشان) وہی ہوتا ہے جو خارق عادت اور غیر معمولی ہو اور علاوہ ازیں اس بات پر چودہ سو سال سے مسلمان متفقہ عقیدہ رکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کیے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے جو وہ مردہ جلائے تھے ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بھی تھے جن کی وفات کو چار ہزار برس گزرے تھے۔

مرزا جی کا اپنی نسبت اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ کفر

اب ہم اس فتویٰ کو لکھتے ہیں جس کا وعدہ صفحہ ۴۲ کے اخیر پر کیا گیا تھا اور یہ وہ فتویٰ ہے جو مرزا جی نے گویا اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے کفر نامہ پر مہر کر دی ہے اور اب مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ امام الزمان (مرزا قادیانی) کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فتویٰ تکفیر کے مقابلہ میں دوسرے علماء سے فتویٰ پوچھتے پھریں کہ مرزا جی کافر ہیں یا نہ۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مرزا جی نے اب صریح طور پر دعویٰ نبوت و رسالت کر دیا ہے جیسا کہ اثنائے مقدمہ میں انہوں نے اپنی بحث تحریری میں لکھ دیا اور پھر ان کے مخلص حواری مولوی محمد علی وکیل نے اپنی شہادت میں کہہ دیا ہے اور پھر فہرست عقائد میں بھی رسالت کا دعویٰ کیا گیا گو بروزی کی قید ہی سہی لیکن مرزا جی پر ایک ایسا زمانہ بھی تھا جس وقت آپ کو دعویٰ نبوت و رسالت پر ان کی کانشس ملامت کرتی تھی اور آیات قرآنی آپ کو اس بے جا ادعاء پر ڈانٹ بتلاتی تھی اس زمانہ میں آپ پکار پکار کر کہتے تھے کہ مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے میں کافر نہیں۔

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ میرا عقیدہ ہے اور لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔

(کرامات الصادقین مولفہ مرزا صفحہ ۲۵)

بلکہ آپ نے صاف طور پر لکھ دیا تھا:

اعلم یا اخی انی ما ادعیت النبوۃ و ما قلت لھم انی نبی (حمامۃ البشریٰ، صفحہ ۷۹)

(ترجمہ: بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور ان کو نہیں کہا کہ میں نبی ہوں)

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر دعویٰ نبوت کرنے کو کفر لکھا اور خود کو ایسے دعویٰ کفر سے بری کیا۔ ان کی وہ عبارت عربی بجنسہ درج ذیل کر کے اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

و ما کان لی ان ادعی النبوۃ و اخرج من الاسلام و الحق بقوم کافرین وھا اننی لا اصدق الھاما من الھاماتی الا بعد ان اعرضہ علی کتاب اللّٰہ و اعلم انہ کلما یخالف القرآن فھو کذب والحاد و زندقۃ فکیف ادعی النبوۃ و انا من المسلمین۔

ترجمہ: مجھے کیا حق ہے کہ نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے خارج ہوں اور قوم کفار میں شامل ہوں اور میں اپنے کسی الہام کو سچا نہیں کہتا جب تک اس کو کتاب اللہ پر پیش نہ کروں اور واضح ہو کہ جو کچھ قرآن کے مخالف ہے وہ جھوٹ ہے الحاد و بے دینی ہے۔ پھر میں کیونکر دعویٰ نبوت کر سکتا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہوں۔

اب ناظرین سے باادب التماس ہے کہ مرزا صاحب کی اس عبارت کو غور سے پڑھیں ایک دفعہ نہیں بلکہ دو تین دفعہ پڑھیں اور جو حضرات عربی نہیں جانتے وہ ترجمہ اردو کو دیکھیں جو ہم نے بلاکم و کاست کیا ہے یا اس پر اعتبار نہ ہو تو کسی عربی دان سے ترجمہ کرالیں اور پھر اس بات کا خود فیصلہ کریں کہ یہ عبارت آپ کی نسبت زمانہ حال میں جبکہ آپ نے دعویٰ نبوت کر دیا ہے کیا فتویٰ تجویز کرتی ہے۔ صاف کہنا پڑے گا کہ آپ کی یہ تحریر آپ کے برخلاف بوجہ ادعاء نبوت کفر الحاد زندقہ خروج عن الاسلام لحوق بالکفار کا فتویٰ تجویز کرتی ہے۔

عبارت بالا جو قدرت نے کسی زمانہ میں مرزا جی کے اپنے ہاتھ سے لکھائی ہے مسائل ذیل کا تصفیہ کرتی ہے:

(۱) مرزا جی کو ادعائے نبوت کا کوئی حق نہیں (و ما کان لی ان ادعی النبوة)

(۲) مدعی نبوت کا خارج از اسلام ہے (و اخرج من الاسلام)

(۳) نبوت کا دعوی کرنے والا کفار سے ملحق ہے (و الحق بقوم الکافرین)

(۴) مرزا جی کے وہ سب الہامات جو دعوی نبوت کے باعث ہوئے ہیں کتاب اللہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے نا قابل تسلیم ہیں (و ما انی لا اصدق الهاما الخ)

(۵) ایسا دعوی اور الہام جو قرآن کے خلاف ہو کذب الحاد زندقہ ہے (و اعلم انه کلما یخالف القرآن) اس لیے مرزا جی کا دعوی نبوت جھوٹ الحاد بے دینی ہے۔

(۶) مرزا جی دعوی نبوت کے بعد مسلمانوں میں شمار نہیں ہو سکتے۔ (فکیف ادعی النبوة و انا من المسلمین)

اب مرزا جی اور ان کے مرید اور تمام مسلمان انصاف سے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا جی کی نسبت فتوی تکفیر کے لیے کسی اور مفتی کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے یا ان کے وجوہات کفر پر کسی اور دلیل دینے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ مرزا جی کی تحریر مندرجہ بالا ہی اس بارہ میں کافی حجت ہے اور ان کے حق میں فتوی کفر کے لیے یہ ان کا اپنا ناطق فیصلہ موجود ہے۔ کیا مرزا جی کا کوئی مرید جرات کر سکتا ہے کہ امام الزمان کے اس فیصلہ کو رد کرے اور مرزا جی کو تو اب اپنی تحریر دیکھ کر اس شعر کا ورد کرنا پڑے گا؛

مردم از دست غیر نالہ کنند
قادیانی ز دست خود فریاد

۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کی پیشی

مستغیث پر جرح ہونے کے بعد آیندہ تاریخ پیشی مقدمہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء قرار پائی تھی اس تاریخ پر گواہان استغاثہ بھی حاضر آئے اور مرزا جی بھی مع اپنے حواری کے اصالتاً حاضر تھے۔ مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال کی شہادت شروع ہوئی۔ اثناء شہادت گواہ

موصوف میں عدالت نے مناسب سمجھا کہ مرزا غلام احمد ملزم سے کچھ استفسار کیا جائے چنانچہ مرزا جی سے کہا گیا کہ آپ سے استفسار ہوتا ہے آپ سامنے ہو کر لکھائیں۔ مرزا جی ادھر ادھر جھانکنے لگے آپ کے وکیل نے کہا کہ میں مشورہ نہیں دیتا کہ میرا موکل بیان لکھائے۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے کیوں مرزا جی جواب دو گے یا نہیں۔ مرزا جی کے اعضاء پر کچھ رعشہ سا آ گیا اور مجسٹریٹ کا رعب کچھ ایسا چھایا کہ آپ کو وکیل کے مشورے کے خلاف عدالت کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور آپ کا بیان قلم بند کیا گیا جس کی نقل حسب ذیل ہے:

بیان مرزا غلام احمد ملزم

سوال: کیا مواہب الرحمٰن آپ کی تصنیف ہے؟

جواب: میری تصنیف ہے۔

سوال: یہ الفاظ لئیم، کذاب، بہتان عظیم مندرجہ صفحہ ۱۲۹ کلمات تحقیر ہیں کہ نہیں؟

جواب: جو شخص ان الفاظ کا مصداق نہ ہو اس کی نسبت تحقیر کے کلمات ہیں۔

سوال: صفحہ ۱۲۹ کا مضمون مستغیث کی نسبت ہے یا کیا؟

جواب: ہاں مستغیث کی نسبت ہے۔

سوال: کیا آپ مستغیث کو ان الفاظ کا مصداق سمجھتے تھے؟

جواب: ہاں سمجھتا تھا

سوال: کیا آپ نے یہ کتاب جہلم میں تقسیم کی؟

جواب: جہلم میں یہ کتاب تقسیم ہوئی تھی جو میرے سامنے میرے آدمیوں نے شائع کی تھی۔ مفصل بیان میں تحریری بذریعہ وکیل دینا چاہتا ہوں جو بعد میں دیا جائے گا۔

سوال: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ صفحہ ۱۲۹ مواہب الرحمٰن جس میں الفاظ لئیم وغیرہ آئے ہیں کس تاریخ کو آپ نے لکھا اگر ٹھیک تاریخ یاد نہیں ہے تو قریباً قریباً

تاریخ اس صفحہ کی تحریر کی کون سی ہے؟

جواب: ۱۲، ۱۳، ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو یہ صفحہ میں نے لکھا تھا مختلف صفحوں کا مضمون مختلف تاریخوں پر لکھتا رہا ہوں جیسا کہ مضمون بنتا گیا ویسا لکھتا گیا۔ تاریخوں کی کوئی یادداشت میرے پاس نہیں ہے مگر زبانی یادداشت سے مجھ کو یہ تاریخیں یاد ہیں۔

سوال: کیا آپ نے اس کتاب کا کوئی مضمون ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے پہلے بھی لکھا تھا؟

جواب: میں اس کو اچھی طرح سے بیان نہیں کر سکتا یعنی مجھ کو یہ یاد نہیں ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء

العبد مرزا غلام احمد بحروف فارسی

میں نے خود پڑھ کر دستخط کیے

دستخط حاکم

مولوی برکت علی صاحب منصف کی شہادت

ملزم کا بیان لکھا جانے کے بعد پھر مولوی غلام محمد صاحب کی شہادت ہو کر جرح ختم ہوئی دوسرے روز ۱۶ دسمبر کو جناب مولوی برکت علی صاحب منصف بٹالہ کی شہادت شروع ہوئی چونکہ مولوی صاحب ایک بڑے لائق اور فاضل مشہور شخص ہیں آپ کی شہادت سننے کے لیے بہت سے لوگ اہلکاران وغیرہ جمع ہو گئے اور کمرہ عدالت میں ایک خاصہ ہجوم ہو گیا۔ مرزا جی کے لائق وکلاء نے بامداد مرزائی جماعت مولویوں کے بہت کچھ سوالات جرح لکھ رکھے تھے اوران کا خیال تھا کہ زبردست جرح سے فاضل گواہ کی شہادت میں سقم پیدا کر دیں گے اور اگر چہ منصف صاحب کی قابلیت علم انگریزی میں تو مسلم تھی لیکن کسی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ آپ کی لیاقت عربی علوم میں کیسے ہے اور اس شہادت میں سوالات عربی علم کے ادب کے متعلق ہونے تھے اور الفاظ استغاثہ کردہ جو عربی تھے ان کی تشریح لغت وگرامر

اور علم ادب کے رو سے ہوئی تھی اس لیے مرزائی سمجھے ہوئے تھے کہ گواہ سوالات جرح کے جوابات میں چکر کھا جائے گا لیکن جس وقت خواجہ کمال الدین صاحب وکیل ملزم نے گواہ مذکور پر جرح کرنی شروع کی تو اس قابلیت اور لیاقت سے فاضل گواہ نے جواب دینے شروع کیے کہ تمام عربی دان فضلاء جو کمرہ عدالت میں موجود تھے سن کر حیرت زدہ ہو گئے۔ آپ نے الفاظ استغاثہ کردہ کی تشریح بموجب علم صرف ونحو کے جس وقت بیان کی تو کونسیچر (وکیل جرح کنندہ) کو ساری جرح بھول گئی اور کچھ پیش نہ جاسکی آخر تھک کر رہ گئے اور جرح ختم کردی۔ منصف صاحب کی گواہی مستغیث کی اعلیٰ حیثیت اور الفاظ استغاثہ کردہ کے سخت مزیل حیثیت الفاظ ہونے اور ان سے مستغیث کی ازالہ حیثیت عرفی ہونے کے متعلق تھی۔ منصف صاحب کی شہادت سے (جو بالکل آزادانہ اور بے لاگ شہادت تھی) عدالت کو معلوم ہو گیا کہ واقعی الفاظ بنائے استغاثہ سخت سنگین ہیں اور مستغیث کی حیثیت کا ازالہ کرتے ہیں یہ بات بھی ذکر کرنے کے قابل ہے کہ اثناء جرح میں وکیل ملزمان نے ایک چھپی ہوئی عربی تحریر (جس کو مرزا جی نے مشکل لغات جمع کر کے مرتب کیا تھا) منصف صاحب کے سامنے رکھی کہ آپ اس کا ترجمہ کریں منصف صاحب اس کے ترجمہ کرنے پر تیار ہو گئے لیکن عدالت نے یہ سوال فضول سمجھ کر رد کر دیا کہ اس کا ترجمہ کرانے کی گواہ سے کچھ ضرورت نہیں۔ اس وقت مستغیث نے ایک عربی نظم ہاتھ میں لے کر مرزا صاحب سے درخواست کی کہ اگر معیار لیاقت عربی تحریروں کے ترجمہ کرنے پر ہے تو آپ جو عربیت میں فاضل وقت ہونے کے مدعی ہیں اس نظم کا ترجمہ کر دیں میں آپ کا اس وقت مرید بنتا ہوں اور مقدمات چھوڑتا ہوں لیکن جیسا کہ تمہید میں ذکر ہو چکا ہے مرزا صاحب نے سر نیچے کر دیا اور زبان تک نہ کھولی کہ لاؤ ہم ترجمہ کرتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی شہادت

۱۷ دسمبر کو مرزا صاحب کے مشہور مقابل مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری کی شہادت پر جرح ہوئی تھی اور اس تاریخ کو بہت سے مرزائی دُور دُور سے آئے ہوئے تھے اور علاوہ ان کے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے تھے کیونکہ مرزائیوں میں یہ

مشہور ہو رہا تھا کہ دیکھو تو مولوی ثناء اللہ صاحب اب ہمارے قابو آیا ہے۔ جرح سے اس کی ہوش ماردیں گے اور تمام مسائل متنازعہ وفات حیات مسیح وغیرہ سب اسی شہادت میں صاف کرا لیے جائیں گے۔ مولوی صاحب پر جرح شروع ہوئی اور بہت سی جماعت مرزائی مولویوں کی امداد کے لیے پاس بٹھائی گئی جن میں مولوی محمد احسن امروہی بھی تھے۔ متفقہ امداد سے سوالات مرتب ہوتے اور فاضل گواہ کے پیش کیے جاتے لیکن جواب سننے پر مرزائیوں کو غشی آجاتی تھی۔ مولوی فاضل گواہ نے بھی مرزائی جماعت کی کچھ پیش نہ جانے دی۔ ۱۷ سے شروع ہو کر ۱۹ تک جرح ہوتی رہی لیکن مرزائیوں کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر غیر متعلق سوالات کا سلسلہ چھیڑنا چاہا تو عدالت نے فضول سمجھ کر جرح سے روک دیا اور حیات وفات مسیح کی بحث وغیرہ کا منصوبہ دل کا دل ہی میں رہ گیا۔ الغرض شہادت استغاثہ ختم ہو چکی اور آیندہ پیشی کی تاریخ ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء بغرض سماعت بحث فریقین مقرر ہوئی۔

بحث استغاثہ

۱۳ جنوری کو بحث فریقین سننے کے لیے کمرۂ عدالت میں جم غفیر شرفاء شہر گورداسپور اور اہلکاران وغیرہ مردمان کا جمع ہو گیا اور پہلے استغاثہ کی طرف سے بحث شروع ہوئی۔ ۱۱ بجے سے بحث من جانب استغاثہ شروع ہوگئی چنانچہ پہلے بابو مولامل صاحب وکیل نے قانونی بحث نہایت قابلیت سے کی بعد ازاں خود مولوی محمد کرم الدین صاحب مستغیث نے واقعات کی بحث کی اور اس لیاقت و قابلیت سے تقریر کی کہ مخالف وموافق عش عش کرا ٹھے چونکہ مرزا جی بھی اصالتاً حاضر تھے اور بحث سن رہے تھے۔ مولوی صاحب کی زبردست تقریر کا ان کے دل پر سخت رعب پڑا اور ایسی دہشت پڑی کہ ڈیرہ پر پہنچتے ہی تپ شدید میں مبتلا ہو گئے اور دوسرے روز مرزا جی عدالت میں حاضر نہ آئے اور ان کے وکیل نے بیماری کا سرٹیفکیٹ پیش کیا اور ساتھ ہی فضل الدین ملزم کی طرف سے وکیل نے درخواست دی کہ زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری مقدمہ کو ملتوی کیا جائے کیونکہ ملزم عدالت ہذا سے مقدمہ انتقال کرانے کی درخواست عدالت عالیہ میں کرنا چاہتا ہے۔ وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ اس مرحلہ پر اب التواء نہیں ہو سکتا مگر مجسٹریٹ نے ان کی درخواست کو سن کر حسب ذیل حکم

کے ذریعہ ۴ فروری ۱۹۰۴ء تک مقدمہ کو ملتوی کیا۔

نقل حکم ظہری درخواست ملزمان نسبت التوائے مقدمہ

آج یہ درخواست وکیل ملزم فضل الدین نے پیش کی۔ شہادت استغاثہ ختم ہو چکی تھی اور بحث وکیل مستغیث اس امر کی بھی ختم ہو چکی ہے کہ آیا ملزمان پر فرد جرم مرتب ہووے یا نہ اور ملزمان کی طرف سے آج بحث ہونی تھی کہ فرد جرم مرتب کی جاوے یا نہ کی جاوے کہ وکیل ملزم نے یہ درخواست دی کہ ہم مقدمہ انتقال کرانا چاہتے ہیں، مہلت مل جاوے فریق ثانی اس درخواست پر اعتراض کرتا ہے کہ مہلت نہیں ہو سکتی مگر دفعہ ۵۲۶ میں حکم ہے کہ ایسی درخواست کی صورت میں التواء لازمی طور پر کر دینا چاہیے۔ اس لیے حکم ہوا کہ ایک ماہ کی مہلت ملزمان کو دی جاوے کہ درخواست انتقال کر کے حکم التواء کا لاویں مقدمہ ۴ فروری ۱۹۰۴ء کو پیش ہووے۔

مورخہ ۴ جنوری ۱۹۰۴ء

دستخط حاکم

اس کے بعد ۴ فروری ۱۹۰۴ء کو عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور میں درخواست انتقال مقدمہ کی گئی جو کہ بذریعہ مسٹر اورٹیل صاحب ایڈووکیٹ گزری جس کی نقل درج ذیل ہے:

نقل درخواست انتقال مقدمہ

جناب عالی! وجوہات درخواست حسب ذیل ہیں:

(ا) جبکہ مجسٹریٹ نے بڑے فیصلہ خود بمقدمہ دغا برخلاف مستغیث یہ قرار دے دیا تھا کہ مستغیث ہی ان خطوط کا لکھنے والا ہے جن میں مبینہ دستخطی نوٹ محمد حسن فیضی متوفی کا ذکر ہے اور نیز وہ ان چٹھیوں کا بھی لکھنے والا تھا جو اس کے مضمون سراج الاخبار میں شائع ہوئیں۔ مجسٹریٹ کو مقدمہ ہذا شروع میں

ہی خارج کر دینا چاہیے تھا۔

(۲) یہ کہ برخلاف اس کے عدالت ماتحت نے غیر معمولی جلدی کے ساتھ مقدمہ شروع کیا اور اپنا مصمم ارادہ ملزمان پر فرد جرم لگانے اور مجرم قرار دینے کا ظاہر کیا۔

(الف) مستغاث علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو اصالتاً حاضری کے لیے مجبور کرنا جبکہ حاضری معاف ہو چکی تھی اور مقدمہ خفیف سے خفیف تھا اور ان کی اصالتاً حاضری بالکل غیر ضروری تھی۔

(ب) کئی مواقع پر مرزا غلام احمد صاحب کا استفسار لیا گیا باوجویکہ وکیل نے اعتراض کیا کہ اس استفسار کی غرض استغاثہ کی شہادت کی کمی کو پورا کرنا تھا۔

(ج) مستغاث علیہ حکیم فضل دین کو عدالت سے باہر رہنے کا حکم دینا جبکہ فضل دین کی صحت خطرناک حالت میں تھی۔

(د) ثناء اللہ گواہ کی جرح کو پورا کرنے کی اجازت نہ دینا اور مقدمہ کو جلد ختم کرنے میں بڑی بے صبری ظاہر کرنا۔

(ہ) مستغاث علیہم کے تحریری بیان لینے سے ایک طرح انکار کرنا جبکہ اس کے تحریری بیان میں یہ دکھلایا گیا تھا کہ ان کے برخلاف کوئی جرم ثابت نہیں۔

(و) الفاظ استغاثہ کردہ کے ایسے معنی کے ثبوت کرنے کی اجازت دینا جو استغاثہ میں نہیں ہے باجودیکہ زبانی حکم کے ذریعہ اس کے برخلاف خود فیصلہ عدالت نے کر دیا تھا۔

(ز) مستغاث علیہم کو شہادت استغاثہ کی جرح کے لیے ایک حد تک اخراجات کا ذمہ دار کرنا۔

(۴) یہ کہ متعلقہ مقدمہ دغا میں برخلاف مستغیث کے مجسٹریٹ نے جن مبینہ بیانات شہادت استغاثہ و بیان مرزا غلام احمد صاحب پر ملزم کو بری کیا ہے وہ بیانات مسل میں نہیں۔

(۵) لہٰذا سائلان کو سخت خطرہ ہے کہ ان کا مقدمہ بے رو و رعایت بعدالت

مجسٹریٹ صاحب ہو سکے لہذا درخواست ہے کہ مقدمہ عدالت حضور میں انتقال ہو۔

عرضی فضل دین حکیم سائل

۴فروری ۱۹۰۴ء

اس درخواست کے گذرنے پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے مستغیث کے نام نوٹس جاری کیا اور تاریخ پیشی مقدمہ ۱۲ فروری ۱۹۰۴ء قرار پائی اس تاریخ کو مقدمہ بمقام علیوال (جہاں صاحب موصوف دورہ پر تھے) پیش ہوا۔ اس تاریخ پر بہت سے مریدان باصفا آ پہنچے تھے اور علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب ومولوی محمد علی صاحب وکلاء کے مسٹر اور ٹیل صاحب بہادر بیرسٹرایٹ لاء بھی آ گئے تھے اور ادھر سے مستغیث اور ان کے وکیل بابو مولا مل صاحب بھی پہنچ گئے تھے اور علیوال اور ان کے اردگرد کے بے تعداد مسلمان یہاں مولوی محمد کرم الدین صاحب کے استقبال کے واسطے پہلے ہی منتظر کھڑے تھے۔ اور مولوی اللہ دتا صاحب ومولوی محمد علی سوہلی بھی پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے۔ مولوی صاحب اور ان کی جماعت کے واسطے فرش وفروش کے علاوہ بہت سی کرسیاں بھی مہیا کر رکھی تھیں چنانچہ مولوی صاحب اور ان کے وکیل صاحب مع اپنے خاص دوستوں کے کرسیوں پر اور دیگر مسلمان فرش پر بیٹھ گئے لیکن افسوس کہ مرزائی جماعت کی طرف سے یہاں کوئی انتظام فرش وکرسیوں وغیرہ کا نہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی جماعت کے معززین کو بڑی تکلیف ہوئی۔ صرف ایک کرسی بھی صاحب بہادر کے لیے بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی۔ دوسرے جنٹل مینوں نے کھڑے کھڑے ادھر ادھر ٹہل کر وقت گزارا۔ قریب ۱۱ بجے کے مقدمہ بلایا گیا اور صاحب بہادر نے ایک گھنٹہ تک وکلائے فریقین کی تقریریں سن لیں۔ ملزمان کی طرف سے مسٹر اور ٹیل صاحب نے بڑی بحث کی کہ رائے چندو لال صاحب کی عدالت سے مقدمہ ضرور انتقال ہونا چاہیے۔ دوسری طرف سے بابو مولا مل صاحب وکیل مستغیث نے بڑی معقولیت سے اس کی تردید کی اور ثابت کیا کہ انتقال مقدمہ کی کوئی وجہ نہیں ہے اور انتقال مقدمہ کی صورت میں مستغیث کو سخت تکلیف ہوگی جو کہ دُور دراز ضلع سے آتا ہے اور ملزمان

اس کو تکلیف میں ڈالنے کے واسطے ہی انتقال مقدمات کی درخواستیں کر رہے ہیں۔ بعد سماعت بحث ہر دو فریق کے صاحب بہادر نے مرزائیوں کی درخواست کو نامنظور کیا اور حکم دیا کہ اسی عدالت میں مقدمات سماعت ہوں گے۔ اس وقت مرزائیوں کی حالت دیکھنے کے قابل تھی اور ندامت اور حسرت کے آثار چہروں سے نمودار ہو رہے تھے۔ ذیل میں ہم میجر سی ایم ڈالس صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے فیصلہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں:

ترجمہ چٹھہ انگریزی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداس پور

بحث وکلاء فریقین سنی گئی۔ کرم الدین کا وکیل انتقال کی بابت اس وجہ پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ مقدمات ایک مجسٹریٹ نے ایک حد تک سماعت کیے ہیں، میرا موکل جو جہلم سے آتا ہے اس کو دوبارہ گواہوں کے بلانے سے بلاوجہ سخت حرج اور تکلیف ہوگی، یہ درست ہے۔

کیا کوئی وجوہات ہیں جن سے فرض کیا جائے کہ مجسٹریٹ نے پہلے ہی سے اس مقدمہ کا فیصلہ سوچ لیا ہوا ہے، میں ایسا خیال نہیں کرتا۔ اس نے ان مقدمات کو بہت کچھ سن لیا ہے لیکن ہنوز ان مقدمات میں فرد نہیں لگایا۔ تینوں مقدمے ایک ہی حد تک پہنچے ہوئے ہیں یعنی استغاثہ کی شہادتیں ختم ہو گئی ہیں صرف وکلاء کی بحث کا انتظار ہے پس یہ ممکن نہیں کہ اس حد پر یہ کہا جا سکے کہ مجسٹریٹ فرد لگانا چاہتا ہے یا نہیں۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے فیصلہ کرنے میں بہت دیر لگائی ہے اس واسطے یہ وجوہات ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ مرزائی جماعت کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا مگر میں یہ بات نہیں دیکھتا۔

یہ توقف طویل بحث اور جرح طرفین کے باعث سے ہوئی ہے اور بیماری کی وجہ سے التواء کی درخواستیں کرنے کے باعث اور آخر کار انتقال کی۔ یہ درخواستیں دینے پر میں نہیں دیکھتا کہ ایک طرف کو دوسرے کی طرف زیادہ الزام دوں۔ مقدمات کی کیفیت کی بابت مجھے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ ان کی نسبت کوئی رائے ظاہر کر سکتا ہوں جو کچھ مجھے کرنا ہے وہ ان مقدمات کے

انتقال کی بابت ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ مجسٹریٹ نے مرزا غلام احمد یا فضل دین کی بابت کوئی کمی کی ہو۔ مرزا عدالت کی حاضری سے جب تک کہ اس کی حاضری ضروری ہو، معاف کیا گیا ہے اور پھر دوسرے فریق کی درخواست پر اس کو بلایا گیا ہے جب تک کہ ڈاکٹر کے سٹوفکیٹ سے نہیں دکھایا گیا کہ وہ بوجہ بیماری حاضری سے معذور ہے۔ حکیم فضل دین نے درخواست کی کہ وہ بیمار ہے اس کو باہر لیٹنے کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ عدالت میں نہیں کھڑا ہو سکتا اسے یہ اجازت دی گئی۔ مجسٹریٹ نے ان دونوں جنٹل مینوں کی بابت ہر ایک رعایت کی ہے لیکن ان مقدموں کے انتقال کرنے سے انکار کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مجھے انصافاً یہ مناسب معلوم ہوا ہے کہ یہ تمام مقدمات اسی مجسٹریٹ کو فیصل کرنے چاہیے اور خاص کر جب کہ اس نے ان مقدمات کو اس قدر سن لیا ہے ان مقدمات میں سے جو جہلم میں دائر کیا گیا تھا چیف کورٹ کے حکم سے اس ضلع میں تبدیل کیا گیا ہے اور معزز ججوں نے یہ لکھا ہے کہ ان کا ایک ہی جج فیصلہ کرے اور مجھے اس بات کا اطمینان نہیں ہے کہ مجسٹریٹ نے کوئی تعصب کیا ہے۔ میں اس موقع پر اور زیادہ اس امر کو مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمات یہی مجسٹریٹ فیصلہ کرے اور ان کا فیصلہ جہاں تک ممکن ہو جلدی کیا جائے۔ مذکورہ بالا دلائل سے انتقال کی درخواستیں تینوں مقدمات کی بابت نامنظور ہیں۔

علیوال ۱۲ فروری ۱۹۰۴ء

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر گورداس پور

جب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی عدالت سے درخواست انتقال نامنظور ہو کر عدالت رائے چندو لال صاحب میں مسلیں واپس آئیں تو عدالت موصوفہ نے ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء تاریخ پیشی مقدمہ مقرر کر کے فریقین کو نوٹس روانہ کیے کہ تاریخ معہود پر حاضر عدالت ہو کر پیروی مقدمہ کریں۔ تاریخ مذکور سے ایک روز پہلے مرزا صاحب مع اپنے سٹاف کے گورداسپور میں آ گئے لیکن یہاں پہنچ کر پھر ایسی لاچاری ہوئی کہ کچہری تک جانا محال ہو

گیا۔ گورداسپور کی آب وہوا میں کچھ ایسی نحوست ہوگئی کہ باوجودیکہ ۱۲ کوس کے فاصلہ کے سفر کرنے سے کسی بیماری نے مرزاجی کو نہ روکا لیکن گورداسپور میں آتے ہی بیماری دامن گیر ہوگئی اور ایسی حالت پر پہنچادیا کہ کچہری تک جانے سے خطرۂ جان پیدا ہو گیا چنانچہ عدالت میں مرزاجی کے وکیل نے سرٹیفکیٹ طبی پیش کیا کہ مرزاجی ایک سخت بیماری قلب میں مبتلا ہیں اور اس واسطے حاضری عدالت سے معذور ہیں۔ مجبوراً عدالت نے ایک ماہ تک مرزاجی کو اصالتاً حاضری سے معاف کیا اور وکیل نے ان کی طرف سے پیروی رکھنے کا اقرار کیا۔ اتنے میں لاہور سے مسٹر اورٹیل صاحب کا تار آیا کہ انہوں نے چیف کورٹ میں من جانب ملزمان درخواست انتقال مقدمات داخل کر دی ہے۔ اس واسطے عدالت نے کارروائی مقدمہ کو ملتوی رکھا اور ۲۳ فروری تاریخ مقرر کی ادھر جان چیف کورٹ نے بھی درخواست انتقال مقدمات کو نامنظور کر دیا اور شکست پر شکست اٹھا کر ۲۳ فروری کو مرزائی جماعت پھر اسی عدالت میں حاضر ہوئی۔ عدالت نے ۸ مارچ تاریخ پیشی مقدمہ مقرر کی، اس تاریخ پر مقدمہ پیش ہوا، خواجہ کمال الدین صاحب وکیل ملزمان نے تردید استغاثہ میں تقریر کی اور استغاثہ کی طرف سے آٹھ (۸) اوراق کی تحریری بحث مستغیث نے جواب میں ۱۰ مارچ کو داخل کر دی۔ صاحب مجسٹریٹ نے بعد غور کے فرد قرار داد جرم دونوں ملزمان پر مرتب کر کے سنا دی اور فضل دین ملزم کا جواب بھی لیا گیا۔ مرزاجی کو جواب کے لیے ۱۴ مارچ کے واسطے طلب کیا گیا اس فرد جرم کے لگنے سے مرزائیوں کے چھکے چھوٹ گئے، سخت اُداسی کا عالم طاری ہو گیا کیونکہ مرزاجی اپنی تصانیف میں لکھ چکے تھے کہ فرد جرم لگنے سے پہلے چھوٹ جانے کو ہی بریت کہتے ہیں، بعد فرد جرم لگنے کے چھوٹ جانا داخل بریت نہیں اس واسطے ادھر ادھر بھاگے پھرے۔ مریض بھی بنے۔ سرٹیفکیٹ بھی پیش ہوئے لیکن آخر کار فرد جرم کا داغ لگ ہی گیا۔ ذیل میں فرد قرار داد جرم کی نقل درج کی جاتی ہے؛

نقل فرد جرم بنام مرزا غلام احمد قادیانی

میں لالہ چندولعل صاحب مجسٹریٹ اس تحریر کی رو سے تم مرزا غلام احمد ملزم پر حسب تفصیل ذیل الزام قائم کرتا ہوں کہ تم نے کتاب مواہب الرحمن تصنیف

کر کے شائع کی جس میں صفحہ ۱۲۹ میں مستغیث کی نسبت الفاظ لئیم، بہتان عظیم اور کذاب استعمال کیے جو اس کی توہین کرتے ہیں اور کہ تم نے تاریخ ۱۷ ماہ جنوری ۱۹۰۳ء کو یا اس کے قریب موقع ضلع جہلم میں شائع کیے۔ لہذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱ و ۵۰۲ میں مقرر ہے اور جو میری سماعت کے لائق ہے اور میں اس تحریر کے ذریعہ حکم دیتا ہوں کہ تمہاری تجویز بر بنائے الزام مذکور عدالت موصوفہ کے (یا ہمارے) روبرو عمل میں آئی۔

عدالت صاحب مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء

مہر عدالت

دستخط رائے چندولال صاحب مجسٹریٹ درجہ اول۔ بحروف انگریزی

نوٹ: ملزم عدالت کی اجازت سے غیر حاضر ہے۔ اس کو واسطے جواب کے بتقرر ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ء طلب کیا جاوے۔

دستخط حاکم

۱۴ مارچ کو اُمید تھی کہ اب تو مرزا صاحب ضرور تشریف لائیں گے لیکن اس تاریخ کو بھی آپ نہ آئے اور بیماری کا سٹرٹیفکیٹ پیش کیا گیا۔ وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ یہ روزمرہ کے عذرات بیماری محض مقدمہ کو تعویق میں ڈالنے کے لیے ہیں اگر مرزا جی کی حالت واقعی خطرناک ہے تو سول سرجن صاحب کی شہادت پیش کی جانی چاہیے۔ بہت سے بحث ومباحثہ کے بعد سول سرجن صاحب کی شہادت لیے جانے کا فیصلہ ہوا چنانچہ کپتان مور صاحب سول سرجن گورداسپور کی شہادت حسب ذیل گذری۔

نقل بیان کپتان پی سی مور صاحب سول سرجن گورداسپور

میں نے بمقام قادیاں مرزا غلام احمد کا ملاحظہ کر کے ۱۳ مارچ ۱۹۰۴ء والا سٹرٹیفکیٹ (Certificate) دیا تھا جو کچھ سٹرٹیفکیٹ میں لکھا تھا اس پر میری رائے اب تک قائم ہے۔ میری رائے میں مرزا غلام احمد اب بھی گورداسپور

تک سفر کرنے کے ناقابل ہے۔ گورداسپور تک سفر کرنا اس کی صحت کے لیے خطرناک ہے۔

جرح:

اس سے قبل دو دفعہ میں نے اس کا ملاحظہ کیا تھا، گورداسپور میں ہی دیکھا تھا۔ جب میں نے پہلی دفعہ اس کو دیکھا تھا اس کو دو ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ جب دوسری دفعہ اس کو ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء میں دیکھا اس کو اس وقت پرانی کھانسی کی تیزی کا دورہ تھا۔ میں نے سٹوفکیٹ میں بیماری کا نام نہیں لکھا جس میں اب مبتلا ہے۔ اس کی عام جسمانی صحت کی حالت سے میری یہ رائے ہے کہ وہ عدالت میں آنے کے قابل نہیں۔ ''خطرناک'' کہنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ سردی یا کمزوری کے باعث ممکن ہے کہ وہ مر جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس جگہ صحیح وسلامت حاضر ہو سکے۔

۱۵ مارچ ۱۹۰۴ء

دستخط حاکم

دستخط کپتان مور۔ صاحب سول سرجن

ڈاکٹر صاحب کی اس شہادت پر کہ مرزا جی کے گورداسپور تک سفر کرنے میں ان کے مر جانے کا امکان ہے عدالت کو مجبوراً تاریخ بدلنی پڑی چنانچہ ۱۰ اپریل تک مقدمہ کی تاریخ ایزاد کی گئی۔

اب ہم اس موقع پر اہل انصاف کو توجہ دلاتے ہیں کہ اگر مرزا جی کو خدا کی طرف سے تسلی مل چکی تھی کہ خدا ان کے ساتھ ہے اور کوئی شخص ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور کہ اس مقدمہ میں آخر انہوں نے بچ جانا ہے تو پھر یہ حیلہ بازیاں اور عذر سازیاں کیوں ہوئیں۔ سینکڑوں روپے ڈاکٹروں کی فیسوں پر اڑ گئے۔ سول سرجن صاحب کو قادیان میں ڈبل سفر خرچ اور فیس دے کر بلانا اور پھر اخیر تک سٹوفکیٹ پیش ہوتے رہنا یہ ہرگز ایسے شخص سے نہ ہونا چاہیے تھا۔ ان باتوں سے صاف واضح ہو گیا کہ مرزا جی بہت ڈرپوک، کمزور دل شخص

ہیں۔رائے چندو لال صاحب کی عدالت کے رعب نے ان کو ایسا خوف زدہ کیا کہ ساری دنیا کی امراض مسیح الزمان کو لاحق ہو گئیں۔ کہیں سنکا پی (دل کے فعل کا رک جانا) کا حملہ ہو جاتا تھا کبھی کرانک برنکاٹس (پرانی کھانسی کی تیزی) کا دورہ ہو جاتا تھا اور کبھی گورداسپور تک سفر کرنا حضور والا کی موت کا امکان دلاتا تھا باوجودیکہ آپ کو خدا نے اطلاع دی ہوئی تھی کہ ابھی آپ کی عمر کے سال پورے نہیں ہوئے پھر کیوں ایسی گھبراہٹ تھی مرزا جی اگر متوکل علی اللہ ہوتے تو سیدھے میدان میں نکلتے اور ہرگز بیماری کے عذرات نہ کرتے۔

فی الجملہ مرزا جی کا مرض دُور نہ ہوا جب تک کہ آپ کو یہ خبر نہ پہنچی کہ رائے چندو لال صاحب یہاں سے تبدیل ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ رائے آتمارام صاحب آ گئے ہیں۔

رائے چندو لال صاحب کی تبدیلی

اگرچہ مرزا جی نے خود کسی جگہ نہیں لکھا لیکن مرزائی عموماً کہتے ہیں کہ رائے چندو لال صاحب کی تبدیلی مرزا جی کی بددعا کی وجہ سے ہوئی اور حضرت جی کا یہ بڑا بھاری معجزہ ہوا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رائے چندو لال صاحب تنزل ہو کر گورداسپور سے تبدیل ہوئے۔سو واضح ہو کہ صاحب موصوف کی تبدیلی بموجب ان کی اپنی درخواست کے ہوئی تھی۔مرزا جی کی دعا یا بددعا کا کوئی اثر نہیں تھا اور پھر اسی تنخواہ پر وہ گورداسپور سے ملتان کو تبدیل ہوئے اور وہاں ان کو اختیارات جج عدالت مطالبہ خفیفہ بھی عطا ہوئے۔

پس مرزائیوں کا یہ کہنا کہ مرزا جی کی بددعا کا اثر ہوا، ایک خیال باطل ہے۔جب ایک شخص کی اپنی خواہش اور استدعا سے کوئی امر وقوع میں آئے تو اس میں اس کی کوئی سبکی متصور نہیں ہو سکتی اور پھر مرزا جی کی دعا نے ان کو فائدہ کیا بخشا کہ جس بات کا ان کو اس حاکم سے خوف تھا وہی سلوک ان سے دوسرے حاکم نے بھی کیا یعنی آخر کار فرد جرم کی تکمیل کی اور پھر سزا بھی دے دی۔ہاں مرزا جی کی کرامات کے ہم بھی قائل ہو جاتے اگر رائے چندو لال صاحب کی تبدیلی پر کوئی مرزا جی کا مخلص مرید یہاں آ جاتا اور وہ آتے ہی مرزا جی کی مصیبت مقدمہ سے مخلصی بخش کر ان کو رخصت کر دیتا لیکن یہاں تو یہ معاملہ ہوا کہ جو آرام و آسائش مرزا جی کو پہلے حاکم کے وقت حاصل تھی، دوسرے حاکم نے وہ سب سلب کر دیے۔

پہلے آپ مزے سے کرسی پر ڈٹ کر بیٹھتے تھے۔ ٹھنڈے شربت اور دودھ نوش کرتے رہتے تھے۔ دوسرے حاکم نے کٹہرا پر کھڑا رہنے کا حکم دے دیا، پانی تک پینے کی اجازت نہ دی۔ مرزا جی کی دعا کا اثر تو الٹا پڑا۔ پھر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ مرزا جی کی دعا کا اثر نہیں بلکہ ان کو ان آسائشوں کی ناشکری کی سزا ملی کہ خدا نے ان پر ایسا بارعب حاکم مسلط کیا جس کی نسبت وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ہر ایک طرح کی تکلیف ان کو دی گئی۔ حاکم کا کیا قصور یہ تو قدرت کی طرف سے سزا تھی جو ان کو ملی۔

لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید

لالہ آتمارام صاحب کی عدالت میں پہلی پیشی

نئے حاکم کے اجلاس میں ۸ مئی ۱۹۰۴ء کو مقدمہ پیش ہوا، مرزا جی بھی حاضر آئے چونکہ وکلائے ملزمان نے درخواست کی تھی کہ کارروائی از سر نو شروع ہو۔ اس لیے عدالت نے دوبارہ شہادت لینی شروع کی اور مرزا جی ملزموں کے کٹہرے میں مع اپنے حواری فضل دین کے کھڑے کیے گئے۔ مولوی محمد علی گواہ استغاثہ کی شہادت شروع ہوئی۔ ۱۱ بجے سے شروع ہو کر ۴ بجے تک مقدمہ پیش رہا اور اتنا عرصہ (پانچ گھنٹے) مرزا جی پاؤں پر کھڑے رہے۔

رائے آتمارام صاحب نے یہ قاعدہ کر لیا کہ مقدمہ روز پیش ہوا کرے۔ مرزا جی روزمرہ احاطہ عدالت میں حاضر باش رہتے تھے ایک درخت جامن کے نیچے برلب سڑک ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ دن بھر وہاں پڑے رہنا پڑتا اور مقدمہ پیش ہو کر پھر حکم ہو جاتا کہ کل حاضر ہو۔ الغرض اسی طرح روزانہ حاضری فریقین ہوتی رہی اور شہادت گواہان ذیل من جانب استغاثہ ماہ اگست ۱۹۰۴ء تک ختم ہوئی۔

مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل، مولوی ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری، مولوی محمد جی صاحب قاضی تحصیل جہلم، مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال

فرد جرم کی تکمیل

ہر چند مرزا صاحب اور ان کے حواری امیدوار تھے کہ مقدمہ اسی مرحلہ پر خارج ہو جائے گا اور مرزا جی کی فتح ونصرت کا دنیا میں ڈنکا بجے گا چنانچہ اخبار الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء میں حسب ذیل الہامات بھی اسی امید پر شائع کر دیے گئے تھے:

(۱) مبارک سو مبارک

(۲) میں تجھے ایک معجزہ دکھاؤں گا۔

لیکن آخر کار پردۂ غیب سے جو بات ظہور میں آئی اس نے ان کی سب امیدوں کو خاک میں ملا دیا یعنی لالہ آتما رام صاحب مجسٹریٹ کی عدالت سے ۶ اگست ۱۹۰۴ء کو فرد جرم کی تکمیل ہوگئی اور مرزا جی کا جواب بھی قلم بند ہو گیا اس روز مرزا صاحب کی گھبراہٹ انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی تھی انہوں نے جواب دیتے ہوئے چلاّ کر کہا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا وغیرہ وغیرہ لیکن جو ہونا تھا ہو گیا۔ فرد جرم سنا کر مرزا جی سے شہادت صفائی وغیرہ طلب کی گئی اور پوچھا گیا کہ کیا آپ گواہان استغاثہ کو بھی طلب کرانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مرزا جی کچھ دن اور مقدمہ کو طوالت دینے کی خاطر اور مستغیث کو تنگ کرنے کی غرض سے گواہان استغاثہ کو دوبارہ طلب کرنے کی درخواست کر دی باوجود یکہ جرح وغیرہ میں کچھ کسر نہ رہ گئی تھی چونکہ قانوناً فرد جرم کے بعد ملزمان کا حق ہوتا ہے کہ گواہان استغاثہ کو طلب کرائیں اس لیے مجبوراً عدالت نے بموجب ان کی درخواست کے بعض گواہان استغاثہ کو دوبارہ طلب کیا اور حسب ذیل گواہوں پر دوبارہ جرح کی گئی:

مولوی ثناء اللہ صاحب، مولوی محمد جی صاحب، مولوی برکت علی صاحب
منصف بٹالہ، مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل

گواہان استغاثہ پر جرح مکرر کا مرحلہ بھی طے ہو چکا تو اب مرزا صاحب کے گواہان صفائی کی نوبت پہنچی۔ ملزمان کی طرف سے ۲۶ اگست کو ایک لمبی چوڑی فہرست داخل کی گئی جس میں ۴۴ گواہ دُور دراز فاصلہ سے بلوانے کی استدعا تھی۔ گواہوں میں کئی سشن جج اور اعلیٰ عہدہ دار بھی درج کیے گئے تھے اور حضرت پیر صاحب گولڑوی کو بھی لکھایا گیا تھا اور بڑا زور

دیا گیا تھا کہ پیر صاحب کو ضرور ہی طلب کیا جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ اگر پہلے پیر صاحب کی طلبی کا منصوبہ پورا نہیں ہوا تو اب ضرور ہی کامیابی ہوگی جب ملزم اپنی صفائی میں ایک گواہ کو بلواتا ہے تو عدالت مجبور ہوتی ہے کہ اس گواہ کو بلائے لیکن خدا کی قدرت کہ اس مرحلہ پر بھی مرزائیوں کی مراد پوری نہ ہوئی۔ حاکم نے تمام دُور دراز فاصلہ کے گواہوں کو چھوڑ دیا اور پیر صاحب کو بھی ترک کیا گیا۔ صرف ۱۱ گواہ جو قریب فاصلہ کے تھے اور جن کے آنے میں زیادہ دقت نظر نہ آتی تھی بلانا منظور کیا۔ افسوس کہ مرزائیوں کو پیر صاحب کو بلوانے کی نسبت یہ آخری ناکامی ہوئی اور قطعاً مایوسی ہوگئی کہ اب ان کا کوئی چارہ باقی نہیں رہا اور طوعاً و کرہاً ان کو راضی بالرضاء ہونا پڑا۔

ولــو انــــه قــــال مــــت حســــرة
لســـارعـــت طـــوعـــاً الـــى امـــره

شہادت گواہان صفائی

۱۰ استمبر سے شہادت گواہان صفائی شروع ہوگئی جن اصحاب کی شہادت قلم بند ہوئی ان میں سے حسب ذیل اصحاب کے نام ہمیں یاد ہیں:

ڈاکٹر محمد الدین صاحب لاہوری۔ بخشی رام لبھایا صاحب مالک اخبار دوست ہند بھیرہ، چوہدری نصر اللہ خاں صاحب پلیڈر سیالکوٹ، مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور۔ شیخ علی احمد صاحب پلیڈر گورداسپور، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ مولوی فیروز الدین صاحب ڈسکوی۔ سید محمد شاہ صاحب پلیڈر ملتان، منشی احمد دین اپیل نویس گوجرانوالہ۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ خان محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ۔ مفتی محمد صادق بھیروی۔ مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی۔ شیخ نور احمد صاحب وکیل۔ منشی عزیز الدین صاحب پنشنر تحصیل دار۔ میاں حسین بخش صاحب پنشنر اکسٹرا اسسٹنٹ

کمشنر۔

۱۹ستمبر تک شہادت گواہان صفائی ختم ہوگئی۔ صفائی اس امر کے متعلق تھی کہ الفاظ استغاثہ سنگین نہیں، خفیف ہیں اور کہ مستغیث کی نسبت ملزمان کو ایسا کہنے کا حق تھا۔ گواہان اگرچہ بڑے بڑے قابل شخص وکیل ڈپٹی وغیرہ تھے لیکن اس بات کے موافق ومخالف معترف ہوگئے کہ مولوی کرم الدین صاحب مستغیث جس وقت جرح کرتے تھے گواہان حیرت میں رہ جاتے تھے۔ مولوی فیروزالدین صاحب ڈسکوی کی شہادت کے وقت یہ عجیب لطف ہوا کہ جومعانی آپ نے شہادت میں حسب مدعا ملزمان لکھائے ان کے برخلاف ان ہی کی مصنفہ کتاب لغات فیروزی سے فاضل مستغیث نے معنی دکھا کر ان کی تردید کی اور مجسٹریٹ صاحب نے مولوی فیروزدین سے پوچھا کہ آپ کے یہ معنی صحیح ہیں جواب لکھائے ہیں یا وہ جو کہ لغات فیروزی میں ہیں اس وقت بیچارہ مولوی کچھ دیرتو سکوت میں رہا۔ آخر بتایا کہ یہ صحیح ہیں جو میں نے اب لکھائے (اپنی کتاب کے لکھے ہوئے کو شہادت کی خاطر اپنے منہ سے غلط کہنا پڑا) ایسا ہی بعض دیگر گواہوں کی شہادت میں عجیب لطیفے ہوتے رہے چونکہ گواہوں کے بیانات بہت ہی طویل ہوئے ہیں ان کے نقل کرنے سے بہت طوالت ہوتی ہے۔ اس لیے باقی گواہوں کے بیانات کو تو چھوڑ دیا جاتا ہے ہاں مولوی حکیم نورالدین صاحب کا بیان ضرور لکھنے کے قابل ہے اور اس کے پڑھنے سے ناظرین بہت کچھ دلچسپی اٹھائیں گے اس لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

نقل بیان مولوی نورالدین صاحب

نورالدین ولد غلام رسول قریشی عمر ۶۵ سال پیشہ طبابت سکنہ قادیان
بجواب وکیل ملزمان

میں ۱۲ سال سے قادیان میں رہتا ہوں اس سے پیشتر بھوپال و جموں میں

نوکر تھا، طبیب تھا۔ جموں میں میری تنخواہ ماہوار ۲۰۰ سے (۶۰۰) روپیہ تک تھی یعنی ۲۰۰ سے ۶۰۰ تک ہوگئی (۱)۔ عربی کی معلومات میری اس حد تک ہیں جس کا نام ندارد (۲)۔ مکہ مدینہ (۳) یمن وغیرہ میں تعلیم پائی، تدریس کرتا ہوں ہر ایک قسم کے علوم جو عربی ہیں۔

پڑھاتا ہوں۔

''کذاب'' کے معنی جھوٹا ہے بروزن فعال مفعال بھی مبالغہ کا وزن ہے اگر ایک فعل ایک وقت کے بعد دوسرے وقت کیا جائے تو اس کے لیے فعال آتا ہے اگر عادت کے طور پر کیا جاوے تو اس کے لیے مفعال آتا ہے۔ (بروئے شرح حماسہ تبریزی) اس کو علم نحو ولغت میں معرفت تامہ بھی ہے کرلیا ہے۔ ''بہتان'' کے معنی بے جا الزام کے ہیں۔ ''لئیم'' کے معنی بخیل وغیر کریم کے ہیں۔ اسلام نے لئیم کے لفظ کو محدود معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لئیم کے معنی خلاف تقوی ہے غیر متقی، جھوٹ بولنا، بہتان لگانا خلاف تقوی ہیں۔ لئیم صفت مشبہ ہے صفت مشبہ اس صفت مشتق کو کہتے ہیں جس کو اسم فاعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ صفت مشبہ اور اسم فاعل میں یہ فرق ہے اول فاعل کے وزن پر آتا ہے سہ حرفی لفظوں میں جو فاعل کے وزن پر نہ ہو وہ صفت مشبہ ہوتا ہے دوسرا صفت مشبہ میں زمانہ حال میں وہ معنی موجود ہو ماضی واستقبال میں

---

(۱) مولوی صاحب نے اپنے اس بیان میں جو بمقدمہ ۱۷۰ ۱۴۱ تعزیرات ہند لکھایا تھا۔ اپنی تنخواہ ۵۷۵ روپیہ لکھائی تھی۔ اب چھ سو روپیہ لکھاتے ہیں ۲۵ کا صریح جھوٹ ہے۔ اس بیان میں حکیم الامۃ کے جھوٹوں کا یہ نمبرا سمجھنا چاہیے۔

(۲) ہر ایک انسان کی معلومات کی کوئی حد ہوتی ہے لا یحیطونہ بشئی من علمہ صرف اللہ العالمین کی صفت ہے۔ مولوی صاحب کی عربی معلومات (جن کا نام ندارد) کی نسبت کیوں نہ کہا جائے کہ ان کا وجود ہی ندارد۔

(۳) ہم کیوں انکار کریں مکہ مدینہ بلکہ بیت المقدس میں بھی آپ تعلیم پاتے رہے ہوں گے لیکن آخری تعلیم نے جو قادیان میں آپ نے پائی سب کو کان لم یکن کردیا؛

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شدہ

ہوں یا نہ ہوں۔(۱)

سراج الاخبار (۲) میں نے پہلے پڑھا ہے غالباً دو سال ہوئے کاتب مضمون کا چال وچلن مجھے بہت ناپسند ہوا اور افسوس ہوا کیا بہ لحاظ الفاظ کے اور کیا بہ لحاظ کارروائی کے وہ الفاظ کذاب لئیم بہتان باندھنے والا کا مصداق بھی میری رائے میں ہے۔(الحکم ۱۷ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴، ۵ دکھائے گئے) دو سال سے زائد عرصہ ہوا میں (۳) نے یہ خطوط قادیان میں پڑھے، تاریخ سننے خطوط کی معلوم نہیں نہ یہ کہ کتنے دن بعد پہنچنے کے۔ ۶، ۱۳ اکتوبر کے سراج الاخبار پہنچنے کے بعد اکثر ذکر آتا تھا۔ میں نے یہ کتاب مواہب الرحمٰن پڑھی ہے مثل عربی خوانوں کے جو اس کتاب کو سمجھ سکتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مجھے خدا نے خبر دی ہے:

(۱) ایک لئیم اور بہتان والا آدمی کے متعلق

(۲) وہ تیری آبروریزی کرنے کا ارادہ کرتا ہے

(۳) اخیر وہ تیرا نشانہ بنے گا۔

(۴) کہ اس نے تین حامی تجویز کیے ہیں جن کے ذریعہ سے تیری اہانت ہو۔

---

(۱) کتب صرف بالتمام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ اسم فاعل میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ میں ثبوت پھر اس کے الٹ یہ کہنا کہ صفت مشبہ کا اطلاق زمانہ حال کے رو سے ہوتا ہے ماضی و استقبال میں وصف ہو یا نہ ہو۔ مکہ مدینہ یمن وغیرہ کی تعلیم کے رو سے نہیں بلکہ قادیانی درس گاہ کی تعلیم کا فیضان ہے۔

(۲) مولوی صاحب اپنے اس بیان میں جو بمقدمہ ۱۷۴۱ لکھایا مضمون سراج الاخبار کا صرف مرزا صاحب کی مجلس میں ذکر ہونا بیان کرتے ہیں اور کہ ان کو یاد تک نہیں کہ اخبار مرزا جی کی مجلس میں پڑھا گیا یا نہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸ مقدمہ مذکور) اب آپ لکھاتے ہیں کہ انہوں نے خود پڑھا تھا یہ ہے جھوٹ نمبر ۲

(۳) مولوی صاحب پہلے بیان میں لکھاتے ہیں کہ ”میں نے اس وقت خط کو نہیں دیکھا اس خط کا مضمون جو پڑھا گیا تھا یہی ہے اور جس کو میں نے اب پڑھا ہے۔“ اب آپ اس کے برخلاف فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خطوط قادیان میں پڑھے تھے۔ یہ ہے جھوٹ نمبر ۳

(۵) کہ میں ایک محکمہ میں حاضر کیا گیا ہوں۔

(۶) آخر میں نجات ہوگی یہ واقعات بالکل الگ الگ ہیں اس کو پڑھ کر یقین نہیں ہوسکتا کہ کس بات کی بابت یہ بیان ہے کرم دین کے نام سے بھی یقین نہیں ہوتا اگر واقعات اور اخباروں کو مدنظر نہ رکھا جاوے۔ صفحہ ۱۳۰ پر استغاثہ کا پتہ لگتا ہے بعد آخری سطر صفحہ ۱۲۹ کے یہ پتہ لگتا ہے کہ کرم دین نے سلب امن کا ارادہ کیا ہے اور اس ارادہ کے بعد اس نے استغاثہ کی تجویز کی ہے اور وکلاء کے لیے کچھ مال رکھا گیا ہے اور کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا ہے واقعات کے لحاظ سے میں نے یہ سمجھا کہ لیئم اور بہتان باندھنے والا خطوط اور سراج الاخبار سے پیدا ہوتا ہے اور آبروریزی کا ارادہ انہی خطوط و اخباروں کا نتیجہ ہے۔ آخر وہ نشانہ بنا ہے اس مقدمہ سے جو اس پر کیا گیا ہے مرزا صاحب جہلم گئے تھے۔ آخر نجات مقدمہ بے بعد دی گئی قضیہ سے مراد وہ معاملہ ہے جس کا ذکر صفحہ ۱۲۹ پر ہے اور نیز خطوط و اخبار انبا کے معنی خبر دینا ہے۔ انباء ہ واحد ہے پھر کہا ہے کہ ضمیر واحد ہے انباء جمع ہے اس لفظ سے کم سے کم تین پیشین گوئیاں ہوسکتی ہیں کسی محاورہ میں دو بھی آسکتے ہیں بعض انباء ظاہر ہو چکی ہیں۔ صفحہ ۱۲۹ پر مقدمہ کے متعلق پیشین گوئیاں یہ ہیں:

(۱) آبروریزی مقدمہ کے ذریعہ

(۲) کرم دین کا مدعا علیہ ہونا

(۳) مرزا صاحب کا اس محکمہ میں حاضر کیا جانا۔

صفحہ ۱۳۰ پر قضیہ جس کا ترجمہ مقدمہ ہے وہ اس پیشین گوئی کے متعلق ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے یعنی ۶ پیشین گوئیاں لفظ ''ثم'' کے معنی پھر کے ہیں ''ف'' کے معنی پس ہیں۔



بجواب مستغیث

میں نے پیشتر مستغیث کے مخالف کی طرف سے گواہی دی تھی اس کا (۱) پورا علم نہیں ہے کہ وہ مقدمہ خارج ہوگیا۔ جموں میں مجھے حکم دیا گیا تھا کہ چلے جاؤ (۲) شاید تین دن کے اندر۔ میں نے عربی کا کوئی امتحان نہیں دیا۔ میرے وقت میں کوئی امتحان نہ تھے میں نے یہ کہیں نہیں دیکھا کہ عادی جھوٹے کو کذاب کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو مکذاب بولیں گے۔ ابن خلقان نے کہا ہے میں نے ابن خلقان میں بھی دیکھا ہے۔ میرے نزدیک دو دفعہ (۳) جھوٹ بولنے سے کذاب ہو جاتا ہے۔ کتاب تبریزی میں اس کا ترجمہ وقتاً بعد وقتٍ جھوٹ بولے کاذب کا لفظ وسیع ہے اور کذاب کا خصوصیت رکھتا ہے۔ کاذب تھوڑا یا بہت بولنے والا کو کہیں گے خواہ دو جھوٹ بولے یا ایک یا دو سے زیادہ۔ کذاب میں دو دفعہ جھوٹ بولنا ضرور ہے جو شخص سو دفعہ جھوٹ بولے وہ بھی کاذب ہے اور کذاب بھی ہے۔ کریم رحیم خدا کی صفات ہیں یہ لفظ صفت

---

(۱) جس مقدمہ کی نسبت خود بدولت گواہ ہوں اور آپ کا ہم وطن مخلص بھائی فضل دین بھیروی مستغیث ہو اور جس کی نسبت فتح و نصرت کے الہامات روز دائری مقدمہ سے برس رہے ہوں اور جس میں مرزا صاحب آپ کے مرشد نے ۴۔۵ گھنٹہ کھڑے ہو کر شہادت دی ہو اس کے خارج ہونے کی نسبت آپ کو پورا علم نہ ہو کیوں حضرت اس کو سفید جھوٹ سے تعبیر کیوں نہ کیا جائے۔ اس مقدمہ کے خارج ہونے پر قادیان میں کئی روز سوگ رہا ہوگا اور آپ خود لکھا چکے ہیں کہ مرزا جی کی مجلس میں روزانہ آپ کی حاضری ہوتی ہے پھر یہ کس طرح سچ مان لیا جائے کہ آپ کو اس کے خارج ہونے کا پورا علم نہیں ہوا۔ یہ ہے جھوٹ نمبر ۴

(۲) افسوس کہ جس ملازمت کا یہ انجام ہوا ہو کہ ملازم کے خلاف شاہی حکم صادر ہو کہ تین دن کے اندر باراں پتھروں سے نکل جاؤ اس کا بار بار تذکرہ کرکے ایک فراموش شدہ ذلت کو از سر نو تازہ کیا جائے۔

(۳) بہت اچھا۔ لیکن قبلہ یہ تو فرمایئے کہ آپ کے حلفی بیان میں اگر دو سے زیادہ جھوٹ ثابت ہوں جیسا کہ اوپر کی گنتی سے واضح ہے اور آیندہ بھی آئیں گے تو پھر آپ کو بھی کذاب کا خطاب دے دینا بموجب آپ کے اس فتوی کے نادرست تو نہیں۔ مبارک باد

مشبہ ہیں۔ خدا کو کریم بلحاظ (۱) حال کے کہا جاتا ہے۔ صرف لفظ کریم سے دوام نہیں نکلتا۔ یوسف کو پیغمبر صاحب نے اپنی حدیث میں کریم بہ لحاظ (۲) حال کے کہا ہے۔ قبل و بعد کا تعلق نہیں ہے پیغمبر صاحب کے وقت میں یوسف (۳) موجود تھے۔ کذاب ولئیم بہتان بڑے سخت توہین کے کلمات

---

(۱) ہائے غضب مولوی صاحب نے ایسا کہنے کی کیوں جرات کی ہے۔ ایک جاہل سے جاہل شخص بھی اس بات سے واقف ہوگا کہ خدائے تعالیٰ زمانہ حال میں ہی کریم نہیں بلکہ پہلے بھی تھا اور آئندہ بھی رہے گا جیسا کہ اس کی ذات ازلی ابدی ہے ویسا ہی اس کی صفات پاک بھی ازلی ابدی ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر جھوٹ کیا ہوگا کہ خدائے پاک کو صرف بہ لحاظ زمانہ حال کریم کہا جائے جس کا صاف یہ معنی ہے کہ پہلے کریم نہیں تھا اور آئندہ بھی نہیں ہوگا کیوں حضرت یہ مکہ مدینہ یمن کی تعلیم کا اثر ہے یا درس گاہ دارالامان قادیان کا۔ آپ ایسے فاضل وقت کے منہ سے ایسا کلمہ نکلنا نہایت سخت افسوس کے قابل ہے۔ آپ کو یہ مجبوری صرف اس لیے پیش آئی کہ صفت مشبہ کی نسبت آپ نے الٹا قاعدہ ایجاد کیا کہ اس کا اطلاق موصوف پر بہ لحاظ زمانہ حال کے ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ یہ کلمۂ کفر کہنے پر مجبور ہوگئے کہ خدا کو بھی کریم بہ لحاظ زمانہ حال کے کہا جاتا ہے۔ اس کے خلاف اگر کہتے کہ خدائے تعالیٰ ہر زمانہ میں کریم ہے تو قاعدہ مخترعہ ٹوٹتا تھا۔

مولوی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ خواہ راستی کا خون ہو، ایمان کو نقصان پہنچے لیکن قاعدہ موضوعہ نہ ٹوٹے۔ ایسا کلمہ کہنے کی جرات کی ہے۔ مرزائیو انصاف سے کہنا کیا آپ بھی مولوی صاحب سے اس قول میں متفق ہوں گے کہ خدا تعالیٰ صرف بہ لحاظ زمانہ حال کے ہی کریم ہے۔ افسوس مولوی صاحب کی اس جرات پر رونا چاہیے۔ یہ ہے جھوٹ نمبر ۵

(۲) یک نہ شد دو شد۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کے زمانہ سے کئی صدیاں پہلے فوت ہو چکے تھے پھر آپ ان کو کریم بہ لحاظ زمانہ حال کے کس طرح کہتے تھے مگر مولوی صاحب کیا کرتے۔ قاعدہ کو تو قائم رکھنا تھا گو دنیا آپ کی ایسی بے تکی باتوں پر کیوں نہ ہنسے۔ شرم!!! یہ ہے جھوٹ نمبر ۶

(۳) اجی حضرت آپ ہوش میں تو ہیں کیا فرما رہے ہیں۔ فاضل مولوی (مستغیث) کی جرح نے ایسا رعب ڈالا کہ حکیم الامت صاحب کے ہوش ٹھکانے نہ رہے۔ مولانا!!! یوسف علیہ السلام پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہیں تھے بلکہ ان کو فوت ہوئے کئی قرن گزر چکے تھے۔ آپ کی تبحر علمی کا تو سارا پردہ ہی فاش ہوگیا۔ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ☆ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا
یوسف علیہ السلام کا پیغمبر صاحب کے وقت میں موجود ہونے کا ادعا تو ایک ایسا جھوٹ ہے جو ہزار جھوٹوں سے بھی زیادہ وزن رکھتا ہے۔ یہ ہے جھوٹ نمبر ۷

ہیں۔

میں سراج الاخبار کا خریدار نہیں ہوں۔ تاریخ پہنچنے سراج الاخبار کی قادیان میں یاد نہیں۔ میں نے (۱) اخبار سنا اور پڑھا تھا۔ خطوط (۲) میں نے دیکھے تھے۔ تاریخ یاد نہیں۔ خطوط اخبار سے پہلے دیکھے تھے۔ تعداد خطوط یاد نہیں۔

کرم دین وہ لکھا ہے جس کے ہاتھ پر تقدیر خدا کی ظاہر ہوئی۔ وہ تقدیر وہ ہے جس کا ذکر پہلی سطروں میں ہے یعنی جو خواب کے ذریعہ سے مرزا صاحب کو ظاہر ہوئی۔ اُمور متذکرہ خواب میں عدالت میں پکڑے ہوئے جانا شامل ہے اس کا ظہور بھی اسی کرم دین کے ہاتھ پر ہوا ہے۔ عدالت میں پکڑے ہوئے جانا بذریعہ استغاثہ کے ہوتا ہے۔ اب پتہ لگ گیا کہ کرم دین وہ ہے جس نے استغاثہ مرزا صاحب پر کیا اور اس میں مرزا صاحب عدالت میں گئے۔ آگ میں جلانا اور دن کو رات کرنا متعلق ارادہ ہیں جو ارادہ متعلق مقدمہ و خطوط و اخبار کے ہے۔ معلوم کرنے کے وقت بھی آدمی جمع کیے جاتے ہیں۔ واقعات کے لحاظ سے استغاثہ سطر ۲ صفحہ ۱۳۰ سے مراد اس استغاثہ کی ہے جو جہلم میں کیا گیا تھا۔ بوقت تصنیف اس کتاب مواہب الرحمٰن کے وہ استغاثہ دائر تھا۔ نشانہ بننے سے مراد یہ ہے کہ اس پر کوئی بات آنے والی ہے اور وہ آبروریزی کے بعد۔ یہ معنی نہیں کہ نشانہ بن گیا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو واقعات کے رو سے کرم دین نشانہ بن چکا تھا یعنی اس کے اوپر بھی ایک مقدمہ کیا گیا تھا۔ مرزا صاحب کو نجات ہوئی۔ کرم دین کو جس غرض کا نشانہ بنا تھا اس سے نجات نہیں ہوئی۔ صفحہ ۱۲۹ پر ذالک اشارہ واحد ہے۔ اس کی تعیین خواب میں نہیں ہوئی واقعات نے تصریح نہیں کی کیا ہیں۔ واقعات کے قرائن نے بتلایا کہ شہاب الدین، پیر صاحب اور ایڈیٹر سراج الاخبار یہ تین مددگار ہیں۔ ارادہ توہین ہوا

---

(۱) حالانکہ آپ پہلے بیان (بمقدمہ ۴۱۷) صرف اخبار کے مضمون کا ذکر سننا لکھا چکے ہیں اب اخبار سنا اور پڑھا تھا۔ کہنا اس کے متناقض ہے۔ جھوٹ نمبر ۸

(۲) یہ قول آپ کا آپ کے بیان مذکور مندرجہ صفحہ ۲۲ کے خلاف ہے۔ جھوٹ نمبر ۹

بذریعہ خطوط، اخبار اور مقدمہ بمقام جہلم کتاب سے کسی مددگار کا پتہ نہیں لگتا۔ وکیل (۱) مددگار نہیں ہوا کرے اگر کوئی (۲) ساری عمر میں تین جھوٹ بولے تو اس کو کذاب کہیں گے۔

بجواب وکیل ملزمان

یوسف کو کریم بلحاظ حال کے سمجھ کر کہا گیا۔ عربی میں ''ظہور'' کے معنی مشاہدہ کے نیچے آجانا۔ کرم دین کا تعین واقعات کے رو سے میں نے کہا ہے متعلق عدالت میں حاضر ہونے کے جس غرض کے لیے کرم دین نشانہ بنا تھا اس سے نجات نہیں ہوئی اس سے مراد یہ ہے کہ خط اور مضمون اخبار کرم دین کا قرار دیا گیا۔

العبد نورالدین
دستخط حاکم

بجواب عدالت

جب کوئی عربی لفظ اردو میں استعمال کیا جاوے تو کبھی اس کے معنوں میں فرق پڑے گا اور کبھی نہیں۔ ہر لفظ کی نسبت ایسا نہیں ہے۔ میں مرزا صاحب کا مرید ہوں، قریباً ۲۰ سال سے۔ اردو قواعد دانوں نے عربی کی اصطلاحیں کی ہیں اور بہت کچھ عربی کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔

---

(۱) یہاں ایک بدیہہ امر کا انکار کیا گیا ہے ساری دنیا جانتی ہے کہ وکیل موکل کا مددگار ہوتا ہے۔ اس بات پر کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں لیکن مکہ مدینہ یمن وغیرہ کے تعلیم یافتہ حکیم الامت صاحب فرماتے ہیں کہ وکیل مددگار نہیں ہوتے۔ یہ ہے جھوٹ نمبر ۱۰ (و تلك عشرة كاملة)

(۲) حضرت بے ادبی معاف۔ جب ساری عمر میں تین دفعہ جھوٹ بولنے والا کذاب ہوتا ہے تو آپ نے صرف ایک روز میں (اور شاید ایک گھنٹہ کے اندر) عشرہ کاملہ تک نمبر حاصل کیے ہیں پھر آپ کے لیے کون سا خطاب تجویز کیا جائے جو کذاب سے کچھ زیادہ فضیلت رکھتا ہو اور ابھی آپ کے پہلے بیان حلفی کے نمبر شمار میں نہیں آئے ان کی گنتی ان شاء اللہ تعالیٰ اس فہرست اکاذیب میں آئے گی جو اخیر میں درج ہوگی۔

العبد نوردین
دستخط حاکم

الحاصل شہادت گواہان صفائی ملزمان ختم ہونے پر عدالت نے حکم دیا کہ ۲۰ ستمبر کو بحث سنی جائے گی چنانچہ ۲۰ کو ۱۰ بجے سے خواجہ کمال الدین صاحب وکیل ملزمان نے بحث شروع کی اور ۴ بجے کو ختم کی۔ مرزائی جماعت خواجہ صاحب کی تقریر پر فدا ہو رہے تھے اور ان کے ہر ایک فقرہ پر جھوم جھوم کر واہ واہ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کی آواز ان کے منہ سے نکلتی تھی گو اونچی آواز نکالنے سے رعب حاکم مانع تھا۔ ۲۱ کو ۹ بجے صبح سے شروع کر کے ایک بجے تک مولوی محمد کرم الدین صاحب مستغیث نے نہایت قابلیت سے واقعات کی بحث کی۔ عدالت نے مولوی صاحب کی تقریر کا فقرہ فقرہ نوٹ کر لیا۔ سامعین مستغیث کی تقریر سن کر حیران ہوئے اور سب قائل ہو گئے کہ لیاقت اسی کا نام ہے۔ مرزائی جماعت کے بہت سے ارکان بھی بیٹھے ہوئے تقریر سن رہے تھے جس میں سے بعض قانون پیشہ اور بعض عہدہ داران سول بھی تھے۔ مولوی صاحب کی تقریر سے ساری مجلس متاثر ہو رہی تھی۔ مولوی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر بابو مولامل صاحب پلیڈر نے قانونی بحث تائید استغاثہ میں بہت پُرزور کی۔ عدالت نے حکم دیا کہ یکم اکتوبر کو حکم سنایا جائے گا لیکن ۱۲ اکتوبر کو چونکہ فیصلہ مکمل نہ ہو چکا تھا۔ اس لیے عدالت نے ۱۸ اکتوبر حکم سنانے کے لیے مقرر کی۔

۱۸ اکتوبر کو خلق خدا دُور دُور سے آخری فیصلہ سننے کے لیے آ گئی اور شہر گورداسپور کے تمام لوگ بھی اپنی اپنی دوکانیں وغیرہ بند کر کے آ گئے۔ صاحب مجسٹریٹ نے ایک گارڈ پولیس منگوائی جنھوں نے سویرے ہی سے کمرۂ عدالت کے اردگرد گھومنا شروع کر دیا۔ سب نے وردی پہنی ہوئی، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لی ہوئی تھیں۔ جنھوں نے ایک عجیب ہیبت ناک نظارہ قائم کر دیا تھا۔ مرزا جی مع اپنی جماعت کے ۱۰ بجے کے قریب احاطۂ عدالت میں آ پہنچے۔ مرزا جی کی حالت قابل دید تھی۔ بار بار پیشاب کا دورہ ہوتا اور چہرہ پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ آخر تین بجے کے قریب فریقین کو بلایا گیا۔ مرزا جی کو پیش ہوتے ہی صاحب مجسٹریٹ نے حکم سنایا کہ مرزا غلام احمد ملزم پانچ سو روپیہ جرمانہ ادا کرے یا چھ ماہ قید محض

بھگتے۔ اورفضل دین ملزم دوسوروپیہ جرمانہ دے یا پانچ ماہ قید محض میں رہے۔ ہر طرف غل مچ گیا کہ مرزا جی سزایاب ہو گئے اور ایسی نرالی سزا ملی کہ کسی الہام کی بھی تصدیق نہ ہو۔ مرزا جی نے ایک یہ الہام بھی شائع کر رکھا تھا کہ انک لانت یوسف۔ لیکن چونکہ جرمانہ کی سزا ہوئی اس سے مشابہت یوسفی بھی نہ ہو سکی کسی نبی کو آج تک سزائے جرمانہ نہ ہوئی تھی۔

صاحب مجسٹریٹ کا فیصلہ لکھنے سے پیشتر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مرزا جی کے اس بیان کی نقل ذیل میں درج کریں جو بمقدمہ ایڈیٹر الحکم انہوں نے بحیثیت گواہ ڈیفنس لکھایا کیونکہ اس بیان کا ذکر اس فہرست میں ہونا ہے جس کا اخیر میں لکھا جانے کا وعدہ ہم کر چکے ہیں لیکن اس بیان کے نقل کرنے سے پہلے مرزا صاحب کی وہ چٹھی جو انہوں نے اخبار عام میں شائع کرائی تھی، نقل کرنی ضروری ہے کیونکہ بیان میں اس چٹھی کا حوالہ ہے۔ یہ چٹھی پڑھنے کے قابل ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا جی محض ایک نفسانی شخص ہوا و ہوس کے بندے ہیں اور یہی چاہتے ہیں کہ ہر وقت انہی کی تعریفیں ہوتی رہیں۔ اس چٹھی میں مرزا جی نے بہت سے ایسے جھوٹ لکھے ہیں جن کی تکذیب ان کے مریدان باصفا کی تحریرات بلکہ ان کے بیان مصدقہ عدالت سے بھی ہوتی ہے۔ اس چٹھی کے لکھنے کی ضرورت آپ کو اس لیے عائد ہوئی کہ سراج الاخبار جہلم مطبوعہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۳ء کے بھیرہ لوکل میں ایک مختصر مضمون حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

۱۷ جنوری کو جہلم میں اس معرکہ کے مقدمہ کی پیشی تھی جس میں مولوی محمد کرم الدین صاحب مستغیث اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وغیرہ مستغاث علیہ تھے۔ مرزا صاحب کی جماعت ۱۶ جنوری کو ۲ بجے گاڑی پر پہنچ گئی ہوئی تھی۔ اس مقدمہ کو سننے کے لیے بے حد خلق خدا جہلم میں جمع ہو گئی تھی۔ بازاروں اور سڑکوں پر آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ مولوی محمد کرم الدین صاحب مع اپنے معزز گواہان کے ۱۰ بجے بگھی کی سواری میں بہ ہمراہی چوہدری غلام قادر خان سب رجسٹرار جہلم و راجہ محمد خان صاحب رئیس سنگھوئی کچہری کی طرف روانہ ہوئے۔ خلق خدا شہر سے شروع ہو کر کچہری تک دورویہ صف بستہ مولوی صاحب موصوف کے دیدار کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ سب لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔

اس مضمون کی نقل اخبار عام مطبوعہ ۲۷ جنوری میں شائع ہوئی اور مرزا جی اس میں اپنے فریق مقابل (مولوی محمد کرم الدین صاحب) کا ذکر پڑھ کر نار حسد سے ایسے جل بھن گئے کہ ایڈیٹر اخبار عام کے نام اپنی دستخطی ایک چٹھی لکھی کہ آپ نے یہ بے نظیر جھوٹ شائع کیا ہے کہ جہلم میں لوگ مقدمہ سننے کے لیے جمع ہوئے تھے اور کرم الدین کے دیدار کو بھی آتے تھے بلکہ یہ سب لوگ تو میرے دیکھنے کے لیے آئے تھے وغیرہ وغیرہ

اب ناظرین خیال فرماویں کہ جو لوگ اہل اللہ ہوں وہ ایسے خواہشات نفسانیہ کے کب مغلوب ہوتے ہیں وہ تو محض بے نفس ہوتے ہیں اور دُنیوی اعزاز کو وہ بمقابلہ اس سچی عزت کے جو بارگاہ الٰہی میں ان کو حاصل ہوتی ہے، بالکل ہیچ سمجھتے ہیں۔ خودستائی اور تعلّی ان سے کبھی سرزد نہیں ہوتی لیکن مرزا جی ہی وہ شخص ہیں جو چاہتے ہیں کہ دینی اور دُنیوی عزتیں انہی کو حاصل ہوں اور ان کے سامنے کسی دوسرے شخص کا نام تک نہ لیا جائے۔ امید ہے کہ ناظرین اس چٹھی کو غور سے پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مرزا جی کو روحانیت سے مس تک نہیں اور وہ نفسانیت کی زنجیر میں سر سے پاؤں تک جکڑے ہوئے ہیں۔

مرزا جی کی چٹھی 'اخبار عام' (لاہور) میں

''مقدمہ جہلم کی غلط فہمی''

ایڈیٹر صاحب بعد ماوجب جب آپ کے پرچہ اخبار عام مورخہ ۲۷ جنوری میں وہ خبر پڑھ کر جو جہلم کے اخبار سے آپ نے لکھی ہے سخت افسوس ہوا۔ ہم نے آپ کے اخبار کا خریدنا اس خیال سے منظور کیا تھا کہ اس میں سچائی (۱) کی پابندی ہوگی مگر آج کے اخبار میں جس قدر صریح جھوٹ کو آپ نے شائع کیا

(۱) آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے اخبار کے خریدار ہم اس لیے بنے تھے کہ آپ ہماری نبوت و مسیحیت کی تشہیر میں مدد دیں گے اور آپ کے اخبار کے ہر ایک کالم میں ہمارا ہی ذکر خیر ہوا کرے گا لیکن آپ کے اخبار میں تو ہمارے مخالفین کا بھی ذکر ہونے لگا ہے۔ رہی سچائی کی پابندی سو اس سے جب مسیح الزمان کو ہی کچھ غرض نہ ہو تو اخبار نویس پر کیا الزام۔ آپ کی سچائی کی قلعی اسی چٹھی سے کھلتی ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ہے۔ شاید دنیا (۱) میں اس کی کوئی نظیر ہو یا نہ ہو۔ اخبار نویس کا فرض ہونا چاہیے کہ گو بد منقولات کچھ درج کرے تاہم جہاں تک ممکن ہو اس کی تحقیق کر لے کیونکہ ہر ایک روایت قابل اعتبار (۲) نہیں۔ خاص کر اس زمانہ میں جبکہ اکثر لوگ دہریہ طبع ہو گئے ہیں۔ ہر ایک راست پسند کا فرض ہے کہ بے تحقیق خلاف واقعہ لکھ کر اپنے اخبار کی عزت پر بٹہ نہ لگاویں۔ اب میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ حال واقعی یہ ہے کہ کرم دین جس کو جہلم کے خود غرض اخبار نے اس قدر اوپر چڑھا دیا ہے ایک معمولی (۳) آدمی ہے نہ گورنمنٹ (۴) میں اس کو کرسی ملتی ہے اور نہ قوم نے اس کو اپنا (۵) امام یا سردار مانا ہوا ہے۔ محض عام لوگوں میں سے ایک شخص ہے۔ ہاں اپنے گاؤں میں مولوی کر کے مشہور ہے جس طرح امرت سر (۶) لاہور وغیرہ میں بھی بہت سے لوگ مولوی کر کے

(۱) جس مضمون میں آپ کے مخالفین کا تذکرہ ہو وہ تو ایسا جھوٹ ہو جاتا ہے کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی لیکن جس مضمون میں آپ کی مسیحیت نبوت کی بانگ دی جائے اس میں تمام جہان کی صداقتیں بھر جاتی ہیں۔

(۲) بس وہی روایت قابل اعتبار ہے جس کے راوی خود بدولت مرزا جی بہادر ہوں یا ان کی امت سے کوئی ہو خواہ مرشد و مریدین اس روایت میں خود ہی ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہوں۔ کما سیاتی

(۳) آج کوئی جا کر حضرت جی سے پوچھے کہ کرم دین کیا ایک معمولی آدمی ہے جس نے حضور انور کو دو سال تک آرام نہ لینے دیا اور جس کی لیاقت و قابلیت کے آپ اور آپ کے وکلاء بھی معترف ہو گئے۔

(۴) فرمایئے حضرت آپ کو بھی گورنمنٹ سے کرسی ملتی ہے اگر ایسا ہے تو پھر آپ نے اس وقت حاکم سے کیوں استدعا نہ کی جب گورداسپور میں لالہ آتمارام صاحب کے اجلاس میں دن بھر کھڑے رہنے سے آپ کی ٹانگیں خشک ہو جاتی تھیں۔

(۵) بے شک مولوی صاحب کو قوم اپنا پیشوا سمجھتی ہے جیسا کہ آپ کے معزز گواہان استغاثہ اس مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں اور نیز ان کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے جو اسلامی انجمنوں کے اشتہارات شامل مسل ہوئے ہیں۔ ہاں ایسے امام اور سردار قوم آپ ہی ہیں جن پر عرب و عجم کے مسلمانوں نے فتوی تکفیر لگا کر دائرہ اسلام سے بھی خارج کیا ہوا ہے۔ ایسی امامت و سرداری آپ کو مبارک ہو۔

(۶) امرت سر و لاہور وغیرہ میں جو لوگ مولوی کر کے پکارے جاتے ہیں (جن سے آپ کی مراد آپ کے مخالف مولوی ہیں) دنیا ان کی عزت و تعظیم کرتی ہے۔ ہاں وہ عزت جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے ان کو حاصل نہیں اس عزت کا تمغہ مسیح الزمان کو ہی سجتا ہے اور بس۔

پکارے جاتے ہیں۔ ہر ایک مسجد کے مُلاّ یا واعظ کو لوگ مولوی کہہ دیا کرتے ہیں مگر بقول جہلم کے اخبار کے کہ گویا ہزار ہا مخلوق کرم دین کے دیدار اور زیارت کے لیے اور مقدمہ کے تماشہ کے لیے اکٹھے ہوئے تھے یہ ایک بے نظیر (۱) جھوٹ ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام لوگ جو تخمیناً تیس ہزار (۲) یا چونتیس ہزار کے قریب ہوں گے یہ سب محض (۳) میرے دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ جب لاہور (۴) سے آگے میرا گزر رہا تو صد ہا لوگ میں نے ہر ایک اسٹیشن پر جمع پائے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ جہلم کے اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے

---

(۱) جو کچھ اخبار جہلم نے لکھا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر مرزا جی اور ان کے مریدوں کے سوائے کوئی ایک بھی شخص جہلم کا باشندہ اس کی تکذیب کرے تو ہم جواب دہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس روز ہزار ہا لوگ مولوی صاحب کی زیارت کے لیے آئے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کون بہادر شخص ہے جس نے ایک ایسے بڑے دعویٰ نبوت کے مدعی کو گرفتار کرا کر جہلم میں منگایا ہے۔ اس بات کو جھوٹ کہنا ایسا بے نظیر جھوٹ ہے جس کی تصدیق سوائے مرزا صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کرتا۔

(۲) یہ ایک سفید جھوٹ ہے جو امام الزمان (مرزا جی) کے قلم سے نکلا ہے جس کو عقل بھی باور نہیں کر سکتی۔ بھلا جہلم کے محدود احاطہ کچہری میں تیس یا چالیس ہزار آدمی کس طرح سے سما سکتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ مرزا جی اپنے بیان میں جو آگے آئے گا اپنے منہ سے اس کی تردید کرتے ہیں چنانچہ وہاں لکھاتے ہیں کہ میری دانست میں دس ہزار آدمی جمع ہوئے تھے اگر مرزا جی کا حلفی بیان سچا ہے تو آپ کے قلم نے چوبیس ہزار کا جھوٹ لکھا ہے۔ کیا اتنے بڑے جھوٹ لکھنے والا بھی امام، مجدد، مہدی، مسیح کہلانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ ہے مسیح الزمان کا سفید جھوٹ نمبر ۱

(۳) یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب محض آپ کے دیکھنے کے لیے آئے تھے کیا آپ نے یک بیک کو بلا کر پوچھ لیا تھا اور انہوں نے آپ کے پاس یہ بیان لکھا دیا تھا کہ وہ صرف آپ کی زیارت کے لیے آئے تھے۔ ان کے دل کا حال خدا کو معلوم ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ پھر بلا کسی ثبوت کے آپ کا یہ لکھنا کہ یہ سب محض میرے دیکھنے کے لیے آئے تھے، جھوٹ صریح ہے۔ جھوٹ نمبر ۲

(۴) کیوں حضرت کیا وجہ کہ لاہور سے آگے گزر کر صد ہا لوگ ہر ایک اسٹیشن پر آپ کو دیکھنے جمع ہو گئے اور لاہور سے درے پر کوئی بھی سلامی نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لاہور سے درے کے لوگ تو سمجھتے ہیں کہ آپ ایک معمولی شخص ہیں اور پیٹ کی خاطر کچھ کی کچھ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ ہاں لاہور سے آگے بھولے بھالے لوگ آپ کو ایک غیر معمولی شخص سمجھ کر آپ کو دیکھنے چلے آئے تو اس سے کیا حاصل۔ عزت تو وہ ہوتی ہے جو گھر میں اور پڑوس میں ہو۔

چالیس ہزار(۱) کے قریب لوگ میرے راہ گزر اسٹیشنوں پر جمع ہوئے ہوں گے اور پھر جہلم میں سردار ہری سنگھ صاحب کی کوٹھی میں اُترا، اور قریب سات سو کے میرے ساتھ میرے مخلص دوست تھے۔ تب جہلم اور گجرات اور دوسرے اضلاع سے اس قدر مخلوق میرے دیکھنے کے لیے جمع ہوئی کہ جن لوگوں نے بہت غور کر کے اندازہ لگایا وہ بیان کرتے ہیں کہ چونتیس ہزار(۲) یا تیس ہزار کے قریب یہ لوگ ہوں گے جب میں کچہری جاتا تھا اور جب کوٹھی آتا تھا تو وہ لوگ ساتھ ہوتے تھے چنانچہ حکام نے اس کثرت کو دیکھ کر دس یا پندرہ کانسٹیبل پولیس کے اس خدمت پر مقرر کر دیے کہ کوئی امر مکروہ واقع نہ ہو اور خاص جہلم کے تحصیل دار غلام حیدر خان اس خدمت میں سرگرم تھے اور دیوی سنگھ صاحب ڈپٹی انسپکٹر بھی اس خدمت پر لگے ہوئے تھے ان لوگوں میں قریب بارہ سو آدمی (۳) یہیں بیعت میں داخل ہوئے یعنی میرے مرید ہوئے اور باقی کل (۴) مریدان کی طرح تھے اور نذریں دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ آخر جب مقدمہ پیش ہوا تو میں اپنے وکیلوں کے ساتھ گیا اس

---

(۱) یہ بھی اس پہلے جھوٹ کا ہم پلہ جھوٹ مسیح الزمان کے قلم سے نکلا ہے۔ بھلا چالیس ہزار کی تعداد لاہور سے جہلم تک کے اسٹیشنوں پر سمانے کی بھی گنجائش رکھتی ہے، ہرگز نہیں۔ جھوٹ نمبر۳

(۲) یہ وہی پہلا جھوٹ آپ کے قلم سے دوبارہ نکلا ہے اس لیے اس کا نمبر بھی مکرر شمار میں آنا چاہیے۔ جھوٹ نمبر۴

(۳) جہلم میں باراں سو مرد مان کر داخل بیعت ہونا بھی ڈبل جھوٹ ہے جس کی تردید مرزا جی کے اپنے مخلص مرید کرتے ہیں۔ اخبار الحکم مطبوعہ ۲۱ جنوری میں لکھا ہے کہ تمام سفر جہلم میں جس قدر زن و مرد نے مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز مطبوعہ ۲۰ فروری کے صفحہ ۸۰ پر بیعت کنندگان جہلم کی تعداد ۶۰۰ درج ہے۔ اب ان دو شاہدان عدل کی شہادت سے صاف ثابت ہوا کہ مرزا جی کا بیعت کنندگان جہلم کی تعداد بارہ سو لکھنا ایک سفید جھوٹ ہے۔ جھوٹ نمبر۵

(۴) یہ بھی صریح جھوٹ ہے جو لوگ اس روز دُور دراز سے یہاں مقدمہ کا تماشہ دیکھنے آئے تھے ان میں سے بجز معدودے چند اشخاص کے جو مرزا صاحب کے مرید ہوں باقی کل آپ کے عقیدے کے مخالف لوگ تھے پھر آپ کا یہ کہنا کہ باقی کل مریدان کی طرح تھے اور نذریں دیتے تھے اور نماز پیچھے پڑھتے تھے کیسا صریح جھوٹ ہے [بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......]

وقت میں نے ایک شخص (۱) سیاہ لنگی سر پر حاکم عدالت کے سامنے کھڑا ہوا دیکھا، معلوم ہوا کہ وہی کرم دین ہے مگر تعجب ہے کہ حاکم نے مجھے دیکھتے ہی کرسی (۲) دی لیکن وہ شخص جو بقول اخبار جہلم اس قدر معزز تھا کہ ہزار ہا آدمی اس کو سجدہ کرتے تھے اس کو قریباً چار گھنٹہ (۳) تک حاکم نے اپنے سامنے کھڑا رکھا اور آخر دونوں مقدمے اس کے خارج کیے اور پھر غلام حیدر خاں (۴) نے

[حاشیہ گذشتہ صفحہ] اور باقی بعض یا اکثر کی قید ہوتی تو بھی کچھ صداقت کا احتمال ہوتا۔ باقی کل کی قید تو ضرور ہی اس جملہ کو جھوٹا بنا دیتی ہے۔ حضرت جی یہ تو بتائیں کہ وہ تیس چالیس ہزار خلقت کسی میدان میں جمع ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھ سکتی تھی اس میدان کا بھی پتہ بتایا ہوتا چونکہ حضرت والا نے یہ چٹھی ایسے وقت میں لکھی جب غصہ کے غلبہ نے عقل و ہوش بھی ٹھکانہ نہ رہنے دیے تھے اس لیے ایسی دُور از قیاس باتیں لکھ کر آپ نے ناحق راستی کا خون کیا۔ جھوٹ نمبر ۶

(۱) جناب والا۔ اس روز آپ کے مخالف مولوی نے نہ سیاہ بلکہ سفید دری لنگی سر پر باندھی ہوئی تھی لیکن حضرت اقدس کی آنکھوں میں فوجداری مقدمہ کی ہیبت سے سارا جہان سیاہ نظر آتا تھا جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں اعتراف کیا ہے۔ **و ان یجعل نہارنا اغسی من لیل داجیت الظلم** (مولوی کرم الدین نے چاہا کہ ہمارے روز روشن کو شب دیجور سے تاریک تر کر دے) اس لیے آپ نے سفید لونگی کو بھی سیاہ ہی سمجھا اس لیے آپ کو اس بارے میں معذور سمجھ کر اس غلط بیانی کا مزید نمبر نہیں دیا جاتا۔

(۲) ہائے کرسی ہائے کرسی افسوس آپ کا یہ غرور بھی آخر خدا نے توڑ دیا۔ مرزا جی سچ بتایئے گا لالہ آتما رام صاحب مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں کتنے کتنے گھنٹے آپ کو کھڑا رہنا پڑا۔ منشی سنسار چند صاحب نے تو نہ صرف آپ کو بلکہ تمام حاضرین کمرہ کے لیے کرسیاں اور بنچیں بچھوا دی تھیں جن پر ہر کہ دمہ بیٹھے ہوئے تھے۔

(۳) یہ بھی سفید جھوٹ ہے مولوی صاحب بھی کرسی پر ہی بیٹھے رہے تھے صرف بیان لکھانے کے وقت کھڑے ہوئے تھے جس پر چار منٹ بھی نہ خرچ ہوئے تھے۔ چار گھنٹہ کھڑا رہنا ایسا جھوٹ ہے جس کی تصدیق کوئی شخص بھی نہ کرے گا۔ جھوٹ نمبر ۷

(۴) اس کی تردید منشی غلام حیدر خان صاحب تحصیل دار نے اپنے حلفی بیان میں جو انہوں نے بمقدمہ ایڈیٹر الحکم لکھایا صاف طور پر کر دی ہے، اس لیے ہم ایک معزز گواہ (جس کو خود مرزائیوں نے پیش کیا ہے) کے مقابلہ میں مرزا جی کی اس تحریر کو سچا نہیں سمجھ سکتے اور نیز اس لیے بھی کہ مرزا جی نے خود اپنے حلفی بیان میں لکھایا ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ غلام حیدر نے عدالت کو میرے مرید دکھائے تھے۔ جھوٹ نمبر ۸

حاکم عدالت کووہ ہزار ہا آدمی دکھلائے جومیرے دیکھنے کے لیے موجود تھے جب میں واپس کوٹھی میں آیاوہ سب میرے ساتھ تھے گویا میری کوٹھی کے اردگرد ایک لشکر اُترا ہوا تھا اور سردار ہری سنگھ(۱) صاحب نے سات سو آدمی کی دعوت سے جو نہایت مکلّف دعوت تھی، ثواب کا بڑا حصہ لیا۔ یہ واقعات ہیں، جن کو عمداً چھپایا گیا ہے آپ پر اعتراض صرف اس قدر ہے کہ آپ نے فراست سے کام نہ لیا کہ کرم دین اس قدر شہرت کا آدمی تھا تو آپ کو ایک مدت سے اس کا حال معلوم ہونا چاہیے تھے کیونکہ جس کو ہزار ہا انسان سجدہ کرتے ہیں وہ چھپ نہیں سکتا۔ اخبار جہلم نے بڑا گندہ(۲) جھوٹ بولا ہے اور واقعات (۳) کو عمداً چھپایا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس جھوٹی نقل کا کچھ تدارک کریں۔ میرے نزدیک اس طرح پر پورے یقین تک پہنچتے ہیں کہ بلا توقف جہلم میں چلے جائیں اور غلام حیدر خان اور ڈپٹی انسپکٹر دیوی سنگھ صاحب اور منشی سنسار چند صاحب ایم اے مجسٹریٹ جن کے پاس مقدمہ تھا اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع اور تمام پولیس کے سپاہیوں اور شہر کے معزز رئیسوں اور بازار کے معزز مہاجنوں سے دریافت فرماویں کہ اس قدر مخلوقات کس لیے

(۱) یہ بھی بالکل جھوٹ ہے سردار ہری سنگھ صاحب اس روز جہلم میں ہی نہ تھے جیسا کہ منشی غلام حیدر خاں صاحب تحصیل دار نے اپنے بیان میں لکھایا ہے کوئی دعوت سردار صاحب نے نہیں کی بلکہ تین دن مرزا صاحب جہلم میں ٹھہرے تینوں دن ان کے مریدوں نے ہی دعوت کی چنانچہ ایڈیٹر الحکم نے اپنے اشتہار میں صاف لکھا ہے: ''مختصراً ہم اپنی جہلم کی جماعت کی مہمان نوازی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے تین دن تک ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی روزانہ دعوت کا فیاضی سے انتظام کیا۔'' سو یہ بڑی بے انصافی ہے کہ جن غریبوں نے زر کثیر خرچ کر کے مرزا جی کو پلاؤ زردے کھلائے ان کا نام ہی ندارد۔ مفت کا ثواب ملتا ہے تو سردار صاحب کو۔ جھوٹ نمبر ۹

(۲) اخبار جہلم کو جھوٹ کہنے والے صرف مرزا جی ہیں جس پر اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں لیکن مرزا جی کے جھوٹ جس قدر اس چٹھی میں ہیں اس کا جھوٹ ہونا ان کے اپنے بیان یا مخلص حواریوں کی تحریرات وغیرہ سے ظاہر ہے۔ پھر آپ خود انصاف کریں کہ گندہ جھوٹ بولنے والا اخبار جہلم ہے یا حضرت مسیح الزمان والا شان دام اقبالہ

(۳) بے شک جن فرضی واقعات کے لکھنے کی آپ نے جرات کی اخبار جہلم ان کی گھڑت سے معذور تھا۔

جمع ہوئی تھی۔ تب آپ پر اصل حقیقت کھل جائے گی (۱) اور میں آپ کو اگر آپ جہلم جائیں آمدورفت کا کرایہ تمام اپنی گرہ سے دے دوں گا۔ انٹر میڈیٹ کے حساب سے جو کرایہ ہوگا آپ کو بھیج دوں گا (۲) اور اگر آپ پوری تحقیق کے بعد اس خبر کو رد نہیں کریں گے تو پھر آپ کے اخبار سے ہمیں دست کش (۳) ہونا پڑے گا۔ آپ کو واضح ہو کہ ایڈیٹر اخبار جہلم اس گروہ میں سے ہے جو مجھ سے بہت دشمنی رکھتا ہے۔ دوسرے حال میں میری جماعت میں سے اس پر ایک نالش فوجداری کر رکھی ہے۔ اس لیے قابل (۴) شرم جھوٹ اس نے شائع کیا ہے۔ تعجب ہے کہ جس روز کرم دین نے جہلم میں نالش کی۔ اس دن اس کی زیارت کے لیے کوئی نہ آیا اور پھر جس دن بذریعہ (۵) وارنٹ وہ جہلم میں ہی پکڑا گیا اس دن بھی ایک آدمی نے بھی اس کو سجدہ نہ کیا اور کئی بار وہ جہلم میں آیا مگر کسی نے نہ پوچھا کہ کون ہے لیکن جس دن میں جہلم میں پہنچا تب ہزار ہا آدمی اس کو سجدہ کرنے کے لیے موجود ہو گئے حالانکہ وہ جہلم کے ضلع کا باشندہ ہے اور اکثر ضلع میں رہتا ہے۔

(۱) افسوس کہ ایڈیٹر اخبار عام نے امام الزمان کے حکم کی تعمیل نہ فرمائی ورنہ جہلم میں آکر دریافت کرنے سے ان کو معلوم ہو جاتا کہ بےنظیر جھوٹ وہ ہے جو اخبار عام نے سراج الاخبار سے نقل کیا ہے یا وہ چٹھی جو حضور انور نے اخبار عام میں شائع کرائی ہے۔

(۲) لیجیے جناب اب آپ اور کیا چاہتے ہیں مرزا جی تو یہاں تک فیاضی دکھاتے ہیں کہ ایڈیٹر اخبار عام کو آمدورفت کا کرایہ بھی عنایت کیے دیتے ہیں اور وہ بھی انٹر میڈیٹ کے حساب سے فراخ دلی اسی کا نام ہے۔

(۳) اوہو۔ آپ تو چھوٹے ہتھیاروں پر اُتر آئے اگر حسب منشائے مرزا جی اس مضمون کی تردید نہ ہوئی تو پھر ایں جانب اخبار بند کر دیں گے بس آپ کے اخبار بند کرنے کی دیر ہے کہ صاحب اخبار کا رزق بند ہو جاوے گا۔ اس سے عالی جناب کی وسیع النظر فی کا پتہ ملتا ہے ایسی دھمکیاں تو معمولی حوصلہ کے دنیا دار بھی نہیں دیا کرتے۔

(۴) اپنے جھوٹوں پر نظر فرما کر بتایئے گا کہ قابل شرم جھوٹ شائع کرنے والا کون ہے۔

(۵) شکر ہے کہ حضور والا کے نام بھی آخر وارنٹ جاری ہو گئے اور ضمانت داخل عدالت کرنا پڑی۔ اور اب آپ کو دوسروں کی نسبت طنز کرنے سے شرم آئے گی۔

اب میں ختم کرتا ہوں اور منتظر (۱) رہوں گا کہ آپ اس جھوٹ کا دفعیہ کس پختہ طریق سے کرتے ہیں۔

آپ کا ہمدرد خیر خواہ

مرزا غلام احمد

۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء

نقل بیان مرزا غلام احمد قادیانی

بمقدمہ یعقوب علی تراب ایڈیٹر و مالک اخبار الحکم

بنام

ابوالفضل کرم الدین دبیر و مولوی فقیر محمد مالک سراج الاخبار

مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضیٰ مغل عمر ۶۵ (۲) سال پیشہ زمین داری سکنہ

قادیان۔ بجواب کرم الدین

میں مستغیث کو دس یا گیارہ سال سے جانتا ہوں وہ میرا مرید ہے۔ الحکم اخبار مستغیث کی ہے اس کے اپنے پریس سے نکلتا ہے اس پریس کا نام معلوم (۳)

(۱) آپ کے اس انتظار کو ایڈیٹر اخبار عام نے رفع نہ کیا بجز اس کے کہ آپ کی اصل چٹھی ہی چھاپ دی جس نے حضور اقدس کی صداقت کی ساری قلعی ہی کھول دی ہے۔

(۲) آپ اپنی کتاب اعجاز احمدیہ کے صفحہ ۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۳ء میں عبداللہ آتھم سے مباحثہ ہونے کے وقت آپ کی عمر اس کی عمر کے برابر تھی اور اس کی عمر ۶۴ سال اس وقت تھی تو پھر نہایت تعجب ہے کہ اس وقت سے قریباً ۱۲ سال کے بعد پھر اب آپ کی عمر ۶۵ سال ہے گویا ۱۲ سال میں آپ کی عمر میں صرف ایک سال کا اضافہ ہوا۔ و ھذا شی عجیب۔ بہر حال یا اعجاز احمدی کی تحریر جھوٹی ہے یا یہ بیان جھوٹ۔ جھوٹ نمبر ۱۰

(۳) ناظرین غور فرمائیں کہ مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ 'پریس کا نام معلوم نہیں ہے'۔ یہ کہنا کہاں تک سچ ہو سکتا ہے۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ انوار احمدیہ پریس جس میں الحکم چھپتا ہے اس سے مرزا صاحب لاعلم ہوں کیونکہ اس میں آپ کی متعدد تصانیف شائع ہوئیں اور اخبار الحکم جس میں آپ کے دربار صبح و شام کی کیفیت روز چھپتی ہے اس پریس سے ہفتہ وار نکلتا ہے۔ یہ لاعلمی صرف اس لیے ظاہر کی گئی تھی کہ آپ اخبار اور پریس سے بالکل بے تعلق ثابت ہوں۔ جھوٹ نمبر ۱۱

نہیں ہے۔ (الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء دکھایا گیا) یہ اخبار مطبع انوار احمدیہ (۱) سے نکلتا ہے۔ یہ مطبع میرے نام پر منسوب ہے۔ بحیثیت مسیح و مہدی کے میرا لقب ''حکم'' بھی ہے۔ نام اخبار میں وہی الفاظ (۲) ہیں۔ (روئیداد جلسہ مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء اے نمبر ۱۳۔ مقدمہ دفعہ ۴۲۰ کا صفحہ ۳ دکھایا گیا) اس کے سطر ۱۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی اخبار جاری کرنے کی تجویز ہوئی تھی نیز مطبع کے صفحہ ۲۰ سے ظاہر ہے کہ مطبع کے لیے چندہ جمع ہوا تھا۔ صفحہ ۱۹ سے ظاہر ہے کہ ایک پرچہ اخبار بھی شائع ہوا کرے گا۔ اس تجویز کے بعد پہلے الحکم (۳) قادیاں میں جاری ہوا اور بعدہ البدر۔ یاد نہیں کتنا عرصہ بعد الحکم کے البدر جاری ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ البدر کو جاری ہوئے کتنا عرصہ گزرتا ہے۔ (نوٹ: پہلے گواہ نے کہا تھا کہ شاید آج سے دو سال پیشتر البدر جاری ہوا تھا) (۴)

---

(۱) پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا جب آپ جانتے تھے کہ زبردست کویسچنر (Questioner) (جرح کنندہ) نے زبردستی بھی کہلا لینا ہے۔

(۲) ذرا غور فرمائیے گا امام الزمان کس ایرپھیر کے ساتھ سوال کا جواب دیتے ہیں بجائے اس کے کہ صاف طور پر کہہ دیتے کہ اخبار میرے ہی لقب ''حکم'' پر نامزد ہوا ہے۔ آپ جواب لکھاتے ہیں تو کس طرز سے کہ نام اخبار میں وہی الفاظ ہیں۔ اس جواب سے حضرت جی کی علمی لیاقت کی بھی قلعی کھلتی ہے۔ ''حکم'' ایک لفظ ہے نہ بہت الفاظ پھر آپ کا فرمانا کہ نام اخبار میں وہی الفاظ ہیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو مفرد اور جمع کی تمیز بھی نہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر علمی پردہ دری اور ذلت کیا ہوگی۔ بوڑھے میاں بآں ریش وفش جرح کے چکر میں آ کر ہوش وحواس ایسے کھو بیٹھے کہ ''حکم'' ایک لفظ کو الفاظ سے تعبیر کرنے لگے اگر وہی حروف کہتے تو کوئی وجہ ہوتی۔ وہی الفاظ کہنا تو ایک شرمناک غلطی ہے۔ (مرزائیو کوئی جواب دے سکتے ہو۔)

(۳) اس سے تو صاف ثابت ہے کہ چندہ کر کے آپ نے ہی یہ اخبار جاری کیا حالانکہ آپ فرماتے ہیں کہ الحکم اخبار مستغیث کا ہے اور اس کے اپنے پریس سے نکلتا ہے۔

(۴) عدالت کا یہ نوٹ مرزا صاحب کی صداقت کے لیے ایک ایسا تمغہ ہے جو قیامت تک آپ کی سچائی کو ظاہر کرتا رہے گا آپ خود فرما چکے ہیں کہ حق الیقین عدالت کے ذریعہ ہوتا ہے (دیکھو بیان مرزا جی بمقدمہ فضل دین) اب عدالت نے آپ کی نسبت صاف نوٹ کیا ہے کہ آپ ایسے راست باز ہیں کہ عدالت کے سامنے سر اجلاس پہلے یہ کہہ کر کہ ''شاید آج سے دو سال پیشتر البدر جاری ہوا تھا'' پھر اس سے صاف مکر گئے اور کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ البدر کو جاری ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہے۔ کیوں حضرت راست بازی اسی کا نام ہے اور پھر آپ کو صداقت کہتے شرم نہیں آئے گی۔ جھوٹ نمبر ۱۲

معلوم نہیں (۱) الحکم کا مطبع کبھی میرے مکان میں رہا ہو۔ کسی پریس (۲) واقعہ قادیان سے میرا ذاتی تعلق نہیں ہے۔ الحکم سے میرا کسی طرح کا تعلق نہیں ہے۔ میں الحکم (۳) میں الہامات شائع نہیں کراتا۔ عام طور پر لوگ شائع کر دیتے ہیں۔ شاذ و نادر کوئی مضمون میں کبھی کبھی شائع کر دیتا ہوں۔ (مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۹ دکھایا گیا) سطرے میں درج ہے کہ میں نے شائع کیا جو مجھ پر خواب آئی اور مجھے الہام ہوا اس کے ظہور سے پہلے اخبار الحکم میں۔ میں اخبار نویسی کو معزز اور راست بازی (۴) کا پیشہ سمجھتا ہوں۔ کسی ایڈیٹر کی نسبت جس نے کوئی امر خلاف واقعہ نہیں لکھا یہ کہنا کہ اس نے جھوٹ لکھا ہے اس سے اس کی توہین ہوتی ہے اور اگر خلاف واقعہ لکھا ہے تو یہ کہنا کہ اس نے خلاف واقعہ لکھا ہے اس کی کوئی توہین نہیں ہے جو ایڈیٹر سچے واقعات لکھتا ہے اور دوسرا جھوٹے واقعات لکھتا ہے دونوں کی حیثیت میں فرق ہوگا۔ اول الذکر قابل

---

(۱) ”یہ معلوم نہیں“ بھی راستی کا خون کرنے کی غرض سے کہا گیا ہے۔ بھلا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کے مکان میں کوئی کارخانہ جاری رہا ہو اور اس کو علم تک نہ ہو کہ اس کے مکان میں کبھی وہ کارخانہ رہا یا نہیں۔ الحکم کا مطبع پہلے مرزا صاحب کے مکان میں ہی جاری ہوا اور ایک عرصہ رہا اور اسی لیے جرح کنندہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ کارخانہ درحقیقت آپ ہی کا ہے یہ سوال اٹھایا تھا جس کا جواب بالکل غلط دیا گیا۔ جھوٹ نمبر ۱۴

(۲) حالانکہ آپ کے اس بیان کے رو سے جو آپ نے بمقدمہ انکم ٹیکس شیخ تاج الدین صاحب تحصیل دار کے سامنے لکھایا تھا صاف ثابت ہے کہ مطبع ضیاء الاسلام واقعہ قادیان آپ ہی کا مطبع ہے چنانچہ آپ نے اس کی آمد و خرچ کی وہاں تفصیل بھی بتا دی ہے پھر اگر آپ کا وہ بیان درست ہے تو آپ کا یہ فرمانا کہ کسی پریس واقعہ قادیان سے آپ کا ذاتی تعلق نہیں ہے، صاف جھوٹ ہے۔ جھوٹ نمبر ۱۵

(۳) یہاں تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ الحکم سے مجھے اس قدر بے تعلقی ہے کہ میں اس میں کوئی الہام بھی خود شائع نہیں کراتا لوگ ہی شائع کر دیتے ہیں لیکن جب مولوی صاحب جرح کنندہ کے ہاتھ میں کتاب مواہب الرحمٰن دیکھی تو آپ کو وہ فقرہ یاد آ گیا ثم اشعت کلما رایت فی جریدۃ یسمی الحکم الخ تو پھر یہ کہہ دینا کہ شاذ و نادر کوئی مضمون میں کبھی کبھی شائع کر دیتا ہوں۔ کیسے راست بازوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔ افسوس

(۴) لیکن آپ اپنی کتاب الہدیٰ میں اس کے برخلاف تحریر فرما چکے ہیں۔

عزت ہوگا آخرالذکر قابل عزت نہیں ہے جو ایڈیٹر جھوٹے واقعات عمداً لکھنے میں شہرت پا چکا ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ تُو نے جھوٹے واقعات لکھے ہیں اس کی توہین نہیں ہوتی۔ یہ مقدمہ غالباً میرے مشورہ سے دائر ہوا ہوگا (۱) گو اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ دینی اُمور میں میرے مشورہ سے کام کرتے ہیں خانگی امور میں اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ میں نے اس مقدمہ کے لیے کوئی چندہ اپنی طرف سے نہیں دیا (۲) لیکن جو چندہ سلسلہ میں وصول ہوتا ہے اس میں سے کسی نے دے دیا ہو تو مجھے خبر نہیں ہے۔ اس اُمید پر کہ مستغیث میرا مرید ہے میں نے لکھا ہے کہ وہ مقدمہ داخل دفتر کرانے کی بابت میرا کہنا مان لے گا۔ اشتہار ۱۴ جون ۱۹۰۴ء مدخلہ ملزم میری طرف سے ہے۔ اس ملزم نے میرے اوپر جہلم میں مقدمہ کیا تھا اس میں مستغیث حال بھی ملزم تھا۔ میں نے سنا تھا (۳) کہ غلام حیدر تحصیل دار واسطے انتظام کے بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر آیا تھا۔ میری دانست میں دس ہزار آدمی جمع ہوئے تھے (۴)۔ کئی سو آدمی مرد و عورت جہلم میں میرے مرید ہو گئے تھے۔ غلام حیدر مرید نہیں ہوا۔ مجھے اچھی

---

(۱) مقدمہ کا مشورہ دینے کی نسبت ''غالباً'' کی قید لگانا اور کہنا ''گو اچھی طرح یاد نہیں'' ہے بھی بالکل غلط ہے۔ ساری خلقت جانتی ہے کہ مقدمہ آپ نے دائر کرایا اور وکیل وکلاء سب آپ کے حکم سے پیروی کے لیے گئے پھر آپ کیوں صاف نہیں فرماتے یقیناً میرے مشورہ سے مقدمہ دائر ہوا۔ جھوٹ نمبر ۱۶

(۲) شاید آپ کا یہ کہنا کہ میں نے اس مقدمہ کے لیے کوئی چندہ اپنی طرف سے نہیں دیا تو شاید مان لیا جائے کیونکہ آپ اپنی جیب خاص سے تو ایک پائی بھی خرچ کرنے والے نہیں لیکن یہ آپ کا کہنا بالکل جھوٹ ہے کہ جو چندہ سلسلہ میں وصول ہوتا ہے اس میں سے کسی نے دے دیا ہو تو مجھے خبر نہیں ہے۔'' کیونکہ یہ امر محال ہے کہ جو چندہ سلسلہ میں وصول ہو وہ آپ کی بے اجازت دیا جاوے اور آپ کو اس کی خبر نہ ہو۔ جھوٹ نمبر ۱۷

(۳) 'یہ سنا تھا' کہنا اس غرض سے ہے کہ غلام حیدر سے بے لگاؤ ہونا ثابت ہو حالانکہ چٹھی مطبوعہ اخبار عام میں صاف طور پر لکھ چکے ہیں کہ پھر تحصیل دار غلام حیدر نے حاکم عدالت کو وہ ہزار ہا آدمی دکھائے جو میرے دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ ناظرین انصاف کریں کہ کیا یہی آیت و لا تکتموا الشھادۃ کی تعمیل ہے؟

(۴) حالانکہ چٹھی میں آپ تیس پینتیس ہزار آدمی شائع کر چکے ہیں۔ شرم شرم

طرح یاد نہیں کہ غلام حیدر نے عدالت کو میرے مرید دکھائے تھے یا نہیں۔
(اخبار عام مورخہ ۲فروری ۱۹۰۳ء دکھایا گیا اس کے صفحہ ۴و۵ پر مضمون ''مقدمہ جہلم کی غلط فہمی'' میرا ہے۔اس میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ پھر تحصیل دار نے حاکم عدالت کو وہ ہزارہا آدمی دکھلائے جو میرے دیکھنے کے لیے موجود تھے۔لوگ کہتے ہیں کہ قریباً ۳۰ ہزار (۱) کے آدمی ہوں گے۔
اس وقت (۲)

(۱) اب جب چٹھی دکھائی گئی اور آپ کی آنکھ کھلی تو آپ گویا تطبیق اس طرح دینا چاہتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ قریباً ۳۰ ہزار آدمی ہوں گے حالانکہ وہاں بڑے وثوق سے کہا گیا کہ جن لوگوں نے بہت غور کر کے اندازہ لگایا وہ کہتے تھے کہ تیس پینتیس ہزار ہوں گے جب آپ اپنے بیان میں دس ہزار کی تعداد بتلاتے ہیں تو پھر لوگوں کے غلط اندازہ تیس پینتیس ہزار کو اخبار عام میں آپ نے کیوں شائع کرایا اور صحیح اندازہ سے اس کو کیوں تعبیر کیا حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع۔

(۲) تعداد مریدان کی نسبت مرزا جی اور ان کے مریدوں کے بیانات میں عجیب گڑبڑ ہے اور اس قدر مبالغہ اور جھوٹ سے کام لیا گیا ہے جس کی کوئی نظیر بمشکل مل سکے۔۱۹۰۰ء میں جب منشی تاج الدین صاحب تحصیل دار انکم ٹیکس کے مقدمہ کی تحقیقات کے لیے قادیان میں گئے ان کے سامنے تعداد مریدان ۳۱۸ بیان کی گئی چنانچہ انہوں نے اپنی رپورٹ میں یہی تعداد بتائی اور کتاب ضرورۃ الامام میں وہ رپورٹ مرزا جی نے خود نقل کی۔پھر کتاب تحفہ غزنویہ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں تعداد مریدان مرزا صاحب نے ۳۰ ہزار لکھی جیسا کہ اپنے اس بیان میں تصدیق کرتے ہیں لیکن کتاب تحفۃ الندوہ مطبوعہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں تعداد مریدان ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی۔اب اگر تحفہ غزنویہ کی تحریر سچ ہے تو تحفہ ندوہ کی تحریر صریح جھوٹ ہے کیونکہ دونوں کتابیں ایک ہی سن اور ایک ہی ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں طبع ہوئی ہیں۔پھر مواہب الرحمٰن میں جو ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں تصنیف اور طبع ہوئی اس میں بھی وہی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی گئی۔پھر الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء میں دو لاکھ تعداد بتائی گئی۔گویا تین ماہ میں ایک لاکھ کی تعداد بڑھ گئی لیکن یہ عجب تماشا ہوا کہ الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء میں جو مرزا جی کی تقریر چھپی ہے اس میں تعداد مریدان تین لاکھ بتائی گئی ہے مگر ۶ جولائی ۱۹۰۴ء جس روز مرزا جی کا یہ بیان حلفی ہوا آپ تعداد مریدان دو لاکھ بتاتے ہیں۔اب اگر یہ بیان درست ہے تو اس سے پہلے الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء میں تین لاکھ تعداد بتانا ایک بے نظیر جھوٹ ہے اور با ایں ہمہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ تعداد کس بنا پر آپ بتاتے ہیں کیا آپ کے پاس کوئی رجسٹر ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ ''میرے پاس کوئی رجسٹر مریدان نہیں ہے'' اب اس موقع پر اکاذیب کے نمبر بے تعداد ہو جاتے ہیں لیکن ہم رعایتاً ایک نمبر اس جھوٹ کا لگاتے ہیں جو تحفہ غزنویہ اور تحفہ ندوہ کے تعارض سے پیدا ہوا۔دوسرا وہ جو مرزا صاحب کے بیان حال اور الحکم ۱۰ جولائی والی تحریر کے سخت تعارض سے ظاہر ہوتا ہے [بقیہ اگلے صفحہ پر]

میرے مرید دو لاکھ سے زائد ہوں گے۔ (تحفہ غزنویہ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء دکھایا گیا) اس کے صفحہ ۷ پر درج ہے کہ تیس ہزار آدمی کی جماعت اب میرے ساتھ ہے یہ کتاب میری تصنیف ہے۔ (تحفہ گولڑویہ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۳ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے کہ میری امت سے تیس ہزار کا نام کا فرو دجال رکھا ہے اس وقت تیس ہزار آدمی میرے مرید تھے۔ (تحفۃ الندوہ مطبوعہ ۱۶ اکتوبر کا صفحہ ۵ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے تعداد مریدان ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ مختلف مقامات میں یہ کتاب بھی میری تصنیف ہے نیز تحفہ گولڑویہ (مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۰ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے کہ جماعت ہماری ان تین برسوں میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے، یہ کتاب ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کی ہے اور میری تصنیف ہے۔ (الحکم ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا صفحہ ۱۰ دکھایا گیا) اس میں بروئے مردم شماری کے کاغذات کے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت ۳۱۳ ہے یا ایک لاکھ کے قریب ہے۔ میں نے کاغذات نہیں دیکھے۔ میں نے اندازاً کہا ہے۔ (الحکم ۷ امئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے کہ ۱۰ فیصدی بھی الحکم لینے والے ہوں تو دو لاکھ کی جماعت میں الحکم کی اشاعت بیس ہزار ہونی چاہیے۔ (الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ دکھایا گیا) اس میں تعداد ہماری جماعت کی قریباً تین لاکھ لکھی ہے۔ (الحکم مذکور دکھایا گیا) اس میں بطور تقریر میری کے لکھی ہوئی ہے (ایک واقعہ کا اظہار دکھایا گیا) اس میں تعداد مریدان دو لاکھ سے زیادہ لکھی ہے۔ یہ ۱۴ جون ۱۹۰۴ء کی تصنیف میری ہے۔ میرے پاس کوئی رجسٹر مریدان نہیں ہے لیکن مولوی عبدالکریم نے ایک ایسا رجسٹر چند ماہ سے بنوایا تھا، شاید ۱۰ ماہ سے بنوایا ہے۔ مریدان آمدہ سے تعداد

[بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ] اور تیسرا نمبر وہ شمار کرتے ہیں جو آپ کے اس بیان کہ میرے پاس کوئی رجسٹر مریدان نہیں ہے اور پھر باوجود عدم ثبوت کے تعداد بیان کرنے سے ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے آپ کے جھوٹوں کی تعداد کا آخری نمبر ۲۰ ہو گیا۔

تعداد معلوم ہوتی ہے۔(۱) مسمی شہاب الدین موضع بھیں میں میری مریدی ظاہر کرتا ہے وہ ملزم کا شاگرد ہے۔ میں نے صرف سنا ہے کہ شہاب الدین مریدی کے خط بنام مولوی عبدالکریم بھیجتا رہا ہے۔شہاب الدین قادیاں میں ہرگز نہیں آیا نہ اس نے مجھے مریدی کا خط لکھا(۲)۔(الحکم مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ دکھایا گیا) اس میں شہاب الدین سکنہ بھیں کا نام زیر بیعت درج ہے۔(الحکم ۷ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶ دکھایا گیا) اس میں چند نام سکنہ بھیں کے درج ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔(۳)

دستخط حاکم

۶ جولائی ۱۹۰۴ء

---

(۱) لیکن آپ کا خاص الخاص حواری مولوی عبدالکریم اپنے اس بیان میں جو اس نے بمقدمہ فضل دین ۱۶ جولائی ۱۹۰۳ء کو لکھایا، آپ کے اس بیان کو جھوٹا ثابت کرتا ہے چنانچہ اس نے صراحت سے لکھا دیا کہ مرزا صاحب کے مریدوں کا ایک رجسٹر ہے جو اور صاحب کے سپرد ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲ کیفیت مقدمہ اولیٰ۔ تو اب اگر عبدالکریم سچا ہے تو مرزا جی نے اس بیان میں تین جھوٹ بولے ہیں: پہلا یہ کہنے میں کہ میرے پاس کوئی رجسٹر مریدان نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہنے میں کہ مولوی عبدالکریم نے رجسٹر بنایا ہے۔ تیسرا یہ کہ ۱۰ ماہ سے وہ رجسٹر بنا ہے۔ حالانکہ مولوی عبدالکریم کا بیان آپ کے اس بیان سے پہلے ایک سال لکھا گیا اور اس وقت وہ رجسٹر کا موجود ہونا اور دوسرے کے سپرد ہونا بیان کر چکا ہے۔ اب آپ کے جھوٹوں کا نمبر ۲۳ تک پہنچ گیا۔

(۲) جب اس نے آپ کے نام مریدی کا کوئی خط نہیں لکھا تو پھر الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء میں اس کا نام بیعت کنندگان میں شائع کرانا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے اور چونکہ ایڈیٹر الحکم کی یہ جرات نہیں کہ بغیر اجازت آپ کے وہ کسی کا نام مریدوں میں شائع کرے اس لیے یہ جھوٹ بھی آپ کی طرف ہی منسوب ہوگا۔ جھوٹ نمبر ۲۴

(۳) جن آدمیوں کے نام الحکم ۷ مئی ۱۹۰۳ء میں لکھے گئے اور ان کی سکونت بھیں لکھی گئی۔ ان ناموں کے کوئی آدمی موضع بھیں میں ہرگز نہیں ہیں اگر مرزا جی یا اس کا کوئی مرید ثابت کر دیوے کہ بھیں میں ان ناموں کے کوئی آدمی ہیں تو ہم ان کو پانچ سو روپیہ انعام دینے کا موکدہ وعدہ کرتے ہیں۔ یہ جھوٹ صریح جو الحکم میں شائع ہوا یہ بھی آپ کی ہی طرف منسوب ہوگا۔ جھوٹ نمبر ۲۵

الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱ کالم اول پر جس خط کا ذکر ہے معلوم نہیں کہ یہ خط میرے نام آیا تھا یا مولوی عبدالکریم کے نام (۱) (پہلے کہا تھا کہ یہ خط مجھے پہنچا تھا) مجھے یاد نہیں (۲) کہ یہ میں نے کہا یا نہیں کہ اس کو کہہ دو کہ تمہاری دھمکی تم پر ہی پڑے گی یا دوسرے مولویوں پر۔ جو دوسرے مولویوں پر پڑا ہے وہی تم پر پڑے گا۔ الحکم ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶ پر جو واقعہ درج ہے مجھے (۳) یاد نہیں کہ صحیح ہے یا نہیں۔ میں سراج الاخبار کا خریدار نہیں ہوں۔ ۶، ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار کے پرچے یعقوب علی کے نام پہنچے تھے اور میرے روبرو پڑھے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی چونکہ پہلے کرم الدین نے ایک خط میرے نام لکھا تھا جو ۲۱ جولائی ۱۹۰۲ء کا تھا کہ پیر مہر علی شاہ نے جو کتاب سیف چشتیائی بنائی ہے وہ مولوی محمد حسن بھیں کے نوٹ چرا کر بنائی گئی ہے۔ اب ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا مضمون جو کرم الدین نے شائع کیا ایسا ہی ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ وہ خطوط جعلی ہیں میری طرف سے نہیں ہیں جب کرم دین کے نام سے وہ مضمون تھا تو یقین کیوں نہ ہوتا۔ مجھے کوئی نظیر یاد نہیں ہے کہ ایک اخبار کا ایک شخص نامہ نگار بھی ہو اور ہفتہ وار اخبار بھی پہنچتی ہو پھر دوسرا شخص اس کے نام پر مضمون چھپا دے اور وہ اس حال تک خاموش رہے۔ کتاب حقیقت

---

(۱) عدالت کا یہ نوٹ آپ کے لیے دوسرا تمغہ صداقت ہے کہ آپ ایسے راست باز ہیں کہ عدالت میں پہلے کچھ کہتے ہیں اور پھر برخلاف اس کے کچھ اور کہہ کر اپنی راست بیانی کا ثبوت دیتے ہیں۔ لیجیے حضرت مبارک بعد مبارک۔ جھوٹ نمبر ۲۶

(۲) دیکھنا حضرات مسیح الزمان کا یہ "یاد نہیں کا" ورد کہاں تک ٹھیک ہے جہاں آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی بات بر خلاف پڑتی ہے وہاں یاد نہیں کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے۔ بہت اچھا۔ ہم یہ بات آپ کے ایمان پر چھوڑتے ہیں حالانکہ آپ کے اخبار الحکم میں آپ کی طرف سے ایسا کہنا چھپا ہوا موجود ہے پھر آپ فرماتے ہیں یاد نہیں۔

(۳) اس یاد نہیں کی نسبت پھر وہی عرض ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اتنا بڑا واقعہ ہو اور دوسرے مرید اپنی شہادت میں اس کی تصدیق بھی کریں لیکن آپ یاد نہیں کہہ کر اظہار حق سے کنارہ کش ہوں، افسوس ہے: ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

المہدی میری بنائی ہوئی ہے۔ صفحہ ۵ اس کا میں نے دیکھ لیا ہے۔ عبارت ذیل اس میں درج ہے اور گندی گالیوں کے مضمون اپنے ہاتھ سے لکھے اور محمد بخش جعفر زٹلی لاہوری اور ابوالحسن تبتی کے نام سے چھپوا دیے ایسا کرنے والا محمد حسین تھا۔ نزول المسیح صفحہ ۶۷ پر عبارت ذیل حاشیہ پر درج ہے۔ میں نے بھی اسی قدر مضمون لکھا تھا کہ مجھے آج ۲۶ جولائی ۱۹۰۲ء کو موضع بھیں سے میاں شہاب الدین دوست مولوی محمد حسن بھیں کا خط ملا۔ اس خط کا لفافہ مولوی عبدالکریم کے نام تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ خط مولوی عبدالکریم نے مجھے دیا یا نہیں، پڑھا گیا تھا۔ نزول المسیح صفحہ ۲۷ پر درج ہے کہ شہاب الدین کچھ ارادت (۱) رکھتا ہے اس لیے پیر مہر علی کے سرقہ کے برآمد کرانے کے لیے کوشش کی۔ اس خط کے علاوہ میرے نام اور کوئی خط نہیں آیا، مجھے یاد نہیں ہے ملزم کرم دین کا خط میرے نام آیا تھا اور اس کا لفافہ میرے نام تھا وہ خط پڑھ کر میں نے مولوی عبدالکریم کو دے دیا۔ سراج الاخبار مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶ کالم اول پیرا گراف اول میں راقم مضمون لکھتا ہے کہ الحکم کا پرچہ ایڈیٹر نے اس کے پاس نہیں بھیجا۔ اس بات سے نتیجہ نکالتا ہے کہ جھوٹے اور فرضی خط میرے اور میرے شاگرد میاں شہاب الدین کے نام سے اس اخبار میں درج کیے ہیں اسی اخبار کے صفحہ ۶ سطر ۳ میں لفظ ''اور'' کا کلمہ ابتداء کے واسطے ہے، عطف کے واسطے نہیں (۲)۔ پچھلے فقرہ کے ساتھ اور کسی بعد کے فقرہ کا تعلق ہے۔ میں (۳) نہیں جانتا کہ اور کہ کا کہ کس قسم کا ہے اگر اور کا کلمہ عطف کا ہوتو

---

(۱) حالانکہ آپ اپنے بیان حلفی میں برخلاف اس کے کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کا مرید نہیں۔ نزول المسیح والی تحریر کو جھوٹ کہیں یا بیان کو۔ دونوں تو سچے نہیں ہو سکتے۔ جھوٹ نمبر ۲۷

(۲) ساری دنیا جانتی ہے کہ اور کا کلمہ عطف کے واسطے ہوتا ہے لیکن امام الزمان اس سے انکار کرتے ہیں کیوں اس لیے کہ اگر حرف عطف مانیں تو مستغیث کے استغاثہ میں سقم آتا ہے۔ واہ صاحب واہ۔ چہ خوش

(۳) کس قدر شرم کی بات ہے کہ باوجود ادعاء ہمہ دانی کے آپ کی لیاقت وقابلیت کا یہ حال ہے کہ آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ ''اور کہ'' میں ''کہ'' کس قسم کا ہے: بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ☆ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اس کے مابعد کا جملہ معطوف اور یہ جملہ معطوف علیہ ہوگا۔ ہر حال (۱) میں معطوف تابع معطوف علیہ کا نہیں ہوتا۔ سطر تین ہیں اور کے لفظ کے مابعد کا جملہ پہلے جملہ کا تابع نہیں ہے مابعد والے میں زیادہ بیان ہے ماقبل میں کم جھوٹ اور افتراء کلام کے مفہوم سے تعلق رکھتا ہے جو انہیں الفاظ سے نکالا جاتا ہے۔ اخبار سراج الاخبار ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵ میں یہ شعر؛

کچھ جھوٹے خطوط گھڑ کے خود ہی
یہ بات ہے ملک میں اُڑائی
پہنچے ہیں خطوط مجھ کو بھیں سے
فیضی کی ہتک جن میں پائی

میں ان خطوط (۲) کا ذکر ہے جن سے فیضی کی ہتک پائی گئی۔ ان دو شعروں میں انہیں دو خطوط کا گھڑنا لکھا ہے۔ صفحہ ۵ میں جو اشعار ہیں ان میں صرف انہیں خطوط کا ذکر ہے جن میں فیضی کی ہتک پائی جاتی ہے۔

سوال: جو خط شہاب الدین کا ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار صفحہ ۶ پر چھپا ہوا ہے کہ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ کسی فتنہ باز نے محض شرارت سے یہ چال بازی کی تھی خداوند کریم کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اس قسم کی عادت

() یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کا تابع ہوتا ہے لیکن مرزا جی کی علیت پر ہزار افسوس ہے کہ آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ معطوف تابع معطوف علیہ کا ہوتا ہے؛

چو بانگ دهل هو ام از دور بود
بغیبت درم عیب مستور بود

مرزائیو! کیا اپنے مرشد کی یہ علمی پردہ دری دیکھ کر پھر بھی آپ کے اعتقاد میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

() اگرچہ آپ کا یہ کہنا مستغیث کے مفید مطلب نہ تھا اور آپ ایسا کبھی بھی کہنے والے نہ تھے لیکن مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ آپ کسی طرح راستی کی طرف جھکنے والے نہیں ہیں تو انہوں نے یہ سوال کیا کہ ان اشعار کی آپ ترکیب بتائیں۔ تب مرزا جی نے سمجھا کہ ترکیب تو ہو سکے گی نہیں اور مفت کی پردہ دری ہوگی چلو اس کے مفید مطلب بات کہہ کر جان چھڑالو۔ تب آپ یہ بیان کرنے پر مجبور ہو گئے ؛ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

سے بیزار ہوں۔ میں نے کوئی خط نہیں لکھا جس میں یہ لکھا گیا ہو کہ مولوی صاحب مرحوم کی موت ایسی ہوئی تو اس عبارت میں راقم خط اس خط کو چال بازی قرار دیتا ہے اور اس کے لکھنے سے انکار کرتا ہے جو الحکم میں فیضی کی ہتک کے متعلق چھپا یا نہیں۔ (وکیل استغاثہ کا اس سوال کی نسبت اعتراض کرتا ہے مگر جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی تائید میں وہ اس کی قطعی ممانعت نہیں کرتا۔ اس لیے سوال پوچھنے کی اجازت دی گئی۔ حوالہ جلد ٦۔ الہ آباد صفحہ ٢٢٠)

جواب: اس خط میں شہاب الدین اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کوئی خط میرا بھیجا گیا ہو جو الحکم میں درج کیا گیا جس میں مولوی محمد حسن کی ہتک لکھی گئی ہو یاد نہیں کہ جس وقت مضمون نظم کا سنایا گیا تھا۔ اس وقت خط بھی سنایا گیا کہ نہیں۔ میں نے شہاب الدین کو ملزم گردانے جانے کا مشورہ نہیں دیا۔

دستخط حاکم

نوٹ:

اب پانچ بج گئے ہیں اس لیے پرسوں یہ مقدمہ پیش ہو۔

١٨ جولائی ١٩٠٤ء

دستخط حاکم

نوٹ:

ہماری آنکھوں میں درد ہے اس لیے بمواجہ اور سماعت خود مسل خوان سے بیان تحریر کرایا۔

دستخط حاکم

٣٠ جولائی ١٩٠٤ء



فریقین حاضر مولوی کمال الدین ومنشی محمد علی وکلاء استغاثہ

گواہ صفائی نمبر ا باقرار صالح مرزا غلام احمد

میں نے کرم الدین ملزم کو کبھی لکھتے ہوئے نہیں دیکھا جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے اس سے پہلے کوئی خط وکتابت ملزم کے ساتھ میری نہیں ہوئی۔ میں ملزم کے خط پہچان بھی نہیں سکتا(۱)۔ بیان مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء بمقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم الدین روبروئے رائے چندولعل صاحب میں نے سن لیا وہ بیان میرا ہے اور درست ہے۔اے نمبر ۳ میں نے پڑھ لیا ہے اس میں پہلا خط میرے نام ہے اور دوسرا مولوی عبدالکریم کے نام۔ میں نے کوئی خط مشمولہ خط اول ہاتھ سے نہیں لکھا، لکھوا دیا تھا مولوی عبدالکریم نے لکھا۔ اس واسطے میں نے کہا ہے کہ میرا قاعدہ ہے کہ انہیں سے یعنی مولوی عبدالکریم سے ہر ایک خط لکھوا دیا کرتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے پہلے کوئی خط مولوی عبدالکریم سے لکھوایا ہوا گر لکھا ہوگا تو میری اجازت سے لکھا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں کہ کوئی خط میرے نام آیا کہ نہیں۔ کارڈ پی نمبر ۵ وہ کارڈ ہے جو مولوی کرم الدین کے خط میں مجھ کو ملا جو ۲۱ جولائی ۱۹۰۲ء کو لکھا ہے۔(۲)(پہلے یہ کہا تھا

(۱) یہ سبق آپ کو حکیم الامت صاحب کی شہادت سے ملا ذرا آپ بھی خطوط شناسی کے دعوی دار بنتے اور حکیم جی کی طرح آپ کی مبصری کی قلعی بھی کھلتی۔ حکیم جی نے بہت بڑے ادعاء خطوط شناسی کے بعد جس قدر سخت ٹھوکریں خطوں کے پہچاننے میں کھائی تھیں وہ ان کے بیان بمقدمہ فضل دین پڑھنے سے ظاہر ہے۔ حتی کہ عدالت نے اپنے فیصلہ میں بھی اس امر کا نوٹ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام الزمان نے خطوط شناسی کا دعوی کرنے کی جرات نہ کی۔

(۲) حضرت جی یہ تیسرا تمغہ صداقت ہے جو عدالت کی طرف سے آپ کو عطا ہوتا ہے۔ مبارک۔ مبارک۔ مبارک۔ آپ نے ٹھیک فرمایا تھا کہ حق الیقین عدالت کے ذریعے ہوتا ہے۔ پس اب جب عدالت آپ کو تین تمغے صداقت کے بخشتی ہے تو پھر پبلک کو حق ہے کہ وہ حق الیقین سے سمجھ لے کہ آپ کو بے شک جھوٹ کہنے میں تامل نہیں ہے حتی کہ سر اجلاس عدالت بھی آپ اس عادت سے باز نہ آئے۔ جھوٹ نمبر ۲۸

کہ یہ کارڈ پی نمبر ۵ پیر مہر علی شاہ کے خط میں پہنچا) نزول المسیح صفحہ ۶۸ سطرے پر یہ عبارت درج ہے اور بلکہ اس نے خود پیر مہر علی شاہ کا دستخطی ایک کارڈ بھیج دیا تھا۔ اس فقرہ میں ''اس نے'' سے مراد شہاب دین ہے اس کارڈ سے مراد پی نمبر ۵ ہے(۱)۔ ضلع جہلم میں میرے مرید ہیں، مجھے زبانی یاد نہیں کہ تحصیل چکوال میں میرے مرید ہیں یا نہیں۔ کتاب ضمیمہ رسالہ انجام آتھم میری کتاب ہے یعنی میری تصنیف ہے مضمون اس کا درست ہے۔ پیسہ اخبار مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۱ء میں جو مضمون عبدالعزیز نمبردار بٹالہ کی طرف سے ہے۔ یہ عبدالعزیز میرا مرید تھا پھر برگشتہ ہو گیا جو اس کی طرف سے مضمون (۲) ہے وہ میری

---

(۱) نزول المسیح میں آپ لکھ چکے ہیں کہ وہ کارڈ اس نے (شہاب الدین نے) خود بھیجا تھا اور بیان میں آپ فرماتے ہیں کہ مولوی کرم الدین نے بھیجا تھا یا آپ کی نزول المسیح والی تحریر جھوٹ ہے یا بیان جھوٹا ہے۔ اس لیے ہم مجبور ہیں کہ ایک اور نمبر آپ کے جھوٹوں میں ایزاد کر دیں۔ جھوٹ نمبر ۲۹

(۲) منشی عبدالعزیز یا نبی بخش نمبردار بٹالہ مرزا صاحب کے وہ مقرب مرید ہیں جن کا نام ضمیمہ انجام آتھم میں آپ نے ان ۳۱۳ مریدوں میں درج فرمایا ہے، جن کو بمنزلہ ''اصحاب بدر'' قرار دیا ہے۔ اس بدری صحابی نے جو پوست کندہ حالات مرزا جی اور ان کے درباریوں کے لکھے ہیں ان سے مسیحیت کی نسبت کچھ قلعی کھلتی ہے اس لیے اس مرید خاص کا وہ مضمون جو پیسہ اخبار مطبوعہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۰، ۱۱ پر ہے بالصلہا ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ پرچہ شامل مسل ہو چکا ہے:

مکرمی ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار لاہور۔ السلام علیکم! الحکم کے ایڈیٹر نے آپ کے ریمارک حقیقت المہدی پر ناراض ہو کر بہت زہر اُگلا ہے اور آپ سے بعض باتوں کے مطالبہ کے لیے زور دیا ہے چونکہ ان میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کا جواب میں اپنے ذمہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے ان کو قلم بند کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ آپ براہ مہربانی ان کو اپنے قیمتی پرچہ میں جگہ دیں تاکہ ایڈیٹر الحکم اور اس کے ہم خیالوں کے لیے تسلی کا موجب ہو۔

اول: اپنے راسخ الاعتقاد رہ چکنے کی نسبت جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس کے لیے میں امید نہیں کرتا کہ آپ کے پرچہ میں جگہ ہو۔ اس کا مفصل بیان رسالہ الہلال میں ہوگا۔ اس جگہ صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ مرزا صاحب نے کمال محبت کے باعث مجھے اپنے گھر میں وہ جگہ دی ہوئی تھی جس میں نواب محمد علی خاں صاحب مالیر کوٹلہ والے اترا کرتے تھے اور وہ مکان ان کے مکان کی دیوار بدیوار ہے اور اس دیوار میں ایک دریچہ بھی ہے جس سے مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ جو میری بیوی سے کمال محبت رکھتی تھیں ہر روز آ کر رات تک اس مکان میں بیٹھا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جب ہم بٹالہ میں تھے تو بیوی

صاحبہ دو دفعہ وہاں بھی تشریف لائیں۔اس کا مرزا صاحب اوران کے مریدوں کوبخوبی علم ہے اس کی تصدیق ایڈیٹر الحکم سے بھی کر لیجیے اگر اس کو سچ کہنا گوارا ہو گا تو انکار نہیں کرے گا اگر میرے راسخ الاعتقاد ہونے میں کسی قسم کی شیطانی رگ کے ذریعہ فرق آ گیا ہوتا (اوراب گو وہ جانتا ہے موجودہ خاص الخاص مریدوں میں سے کس کس میں شیطانی رگ ہے جو ہمارے ملک میں مشہور ہے لنگڑے یا کانے میں ایک رگ زیادہ ہوتی ہے) تو مرزا صاحب جو ملہم ہونے کا دعوی کرتے ہیں اوران کی ہر ایک بات وحی تصور کی جاتی ہے۔خدا تعالیٰ سے اس امر کے ضروراطلاع پاتے اوراپنے گھر والوں کو ہمارے ساتھ ایسا رابطہ نہ کرنے دیتے۔

دوم: میرے راسخ الاعتقاد ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ جب تمام جوان عورتوں کو جن کی نسبت مرزا صاحب گورداسپور کے مقدمہ میں حلفاً بیان کر چکے ہیں کہ وہ عمر رسیدہ عورتیں ہیں، صبح کو ہوا خوری کے لیے نکلتی تھیں تو ان کی حفاظت کا کام میرے سپرد ہوتا تھا اور ایک دفعہ بھی ان عورتوں کے ریوڑ کی حفاظت کے لیے کوئی دوسرا مرید مقرر نہ ہوا۔اس ریوڑ میں ایڈیٹر الحکم کی بیوی بھی شامل ہوتی تھی۔اب ایڈیٹر صاحب اس کا جواب دیں کہ مجھ سے بڑھ کر کون راسخ الاعتقاد سمجھا جاتا تھا۔

سوم: مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ عشاء کو بھی کبھی کبھی اپنی ہم جولنوں کے ساتھ باغ میں جایا کرتی تھیں اور ان میں ایڈیٹر کی بیوی بھی ہوتی تھی جو کوڈ کبڈی میں شامل ہوتی تھی۔ایسے پُر خطر وقت میں جبکہ عورتیں زیورات سے لدی ہوئی ہوتی تھیں ان کی حفاظت کا کام میرے ہی ذمہ ہوتا تھا۔ان سب باتوں کا علم ایڈیٹر الحکم کو بھی ہے اگر اس کے دل میں خدا تعالیٰ کا ذرا خوف بھی ہوا تو جھوٹ نہیں بولے گا ورنہ پھر جناب مرزا صاحب خدا ان کی عمر دراز کرے موجود ہیں۔

چہارم: میں ان کے ۳۱۳ اصحاب کبائر سے ہوں جن کی نسبت مرزا صاحب کا خیال ہے کہ ان کا وہی مرتبہ ہے جو جنگ بدر والوں کا تھا۔ان ۳۱۳ کی فہرست مرزا صاحب کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور پھر میرے نام کو چند اور کے ساتھ اور بھی خصوصیت سے بیان کیا ہے۔اس فہرست میں میرا نام درج کرنے کے وقت مرزا صاحب نے ایڈیٹر کو کوئی اطلاع نہ دی کہ مجھ میں کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

پنجم: مرزا صاحب کی بیوی کو میری بیوی کے ساتھ یہ محبت تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے لڑکے کو میری بیوی کا بیٹا قرار دیا اور میرے لڑکے کو اپنا بیٹا بنایا۔اس پر انہوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور ہم نے زردے اور نمکین پلاؤ کی دیگیں پکائیں اور تمام مریدین قادیان کو دعوت دی۔ایڈیٹر الحکم نے بھی خوب پلاؤ گوشت سے پیٹ ٹھونسا اور اس وقت اسے ذرا خیال نہ آیا کہ مجھ میں کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

ششم: جب مرزا صاحب پر ہنری کلارک صاحب نے مقدمہ دائر کیا اور ڈگلس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے بٹالہ میں قیام کیا اور مرزا صاحب نے سب مریدوں کو تار دیا اور سب نے بٹالہ آ کر کئی روز ڈیرہ کیا۔اس وقت بندہ نے ہی سب کی مہمان نوازی کا ذمہ اٹھایا اور ہر طرح کے اخراجات کو گوارہ

کیا۔اس کے علاوہ میرا گھر ہمیشہ مرزا صاحب کے مریدوں کے لیے ہوٹل رہا جو چاہتا قادیاں جاتے وقت بھی ٹھہرتا اور جو چاہتا قادیاں سے آتے وقت بھی وہاں ہی اتر تا۔خواجہ کمال الدین اور مفتی محمد صادق اور کئی ایسے معزز مریدوں کی بیویاں رات کو میرے ہی گھر میں آرام کرتی رہیں۔اس وقت ایڈیٹر صاحب نے کسی اپنے پیر بھائی کو اطلاع نہ دی کہ مجھ میں کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

ہفتم: مرزا صاحب نے مجھے سرکاری طور پر اپنا مختار بھی کر دیا تھا اگر ان کو مجھ پر کوئی شک وشبہ ہوتا تو یہ ذمہ داری کا کام میرے سپرد کیوں کیا جاتا،اس جگہ یہ منظور نہیں کہ میں اپنی خدمت گزاریاں جتلاؤں۔ خدائے علیم بذات الصدور خوب جانتا ہے اس قدر بیان کرنا صرف ایڈیٹر الحکم کے خیال کو مٹانے کو ضروری تھا۔کاش وہ مضمون لکھتے وقت جناب مرزا صاحب کا مشورہ لیتے اور معقول بحث کی طرف توجہ فرماتے۔گیند کے پھاڑنے سے چیتھڑے ہی نکلیں گے۔آیندہ احتیاط کو کام میں لائیں اور حسب شرائط حقیقت المہدی کا جواب لکھ کر دوصدر روپیہ پائیں۔اب رہا باغ کا معاملہ سواس کا علم ایڈیٹر صاحب کو بخوبی حاصل ہے۔خود مرزا صاحب نے اپنے خسر اور بیوی صاحبہ کے کہنے سے باغ کا اہتمام میرے ذمہ ڈالا اور یہ ضرورت ان کو اس واسطے پڑی کہ آپ کی بیوی صاحبہ کو عورتوں کے ہمراہ باغ میں جانے اور دل بہلانے کا شوق ہے اور جب وہ باغ میں جاتی تھیں تو ٹھیکہ دار باغ ان کو باغ کے اندر نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ وہ خود درختوں سے پھل پھول توڑنا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے اپنے فائدہ کے لیے باغ میرے سپرد کیا اور جب تک باغ میرے پاس رہا مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ تمام عورتوں کو ہمراہ لاتی رہیں اور اپنے ہاتھوں سے پھل پھول توڑتی رہی ہیں بلکہ آتے وقت ہر ایک عورت جھولیاں بھر کر خاوندوں کے لیے بھی لے جاتی رہی ہیں۔ایڈیٹر الحکم کی بیوی نے بھی ان کے آگے کئی دفعہ میوہ جات نذر کیے ہوں گے۔ایڈیٹر صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے محض مرزا صاحب کی بیوی کی خاطر غیروں کے پاس باغ فروخت نہیں کیا تا کہ ان کو اور ان کی ہم جولنوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔علاوہ اس کے پھل کے دنوں میں آموں کے ٹوکروں کے ٹوکرے عام مریدوں کے لیے بھی آتے رہے ہیں اور سب سے زیادہ لالچی آموں کے ایڈیٹر صاحب ہی ہوتے رہے۔اس بات کی مرزا صاحب بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔میں نے مرزا صاحب کے باغ پر صدہا روپے لگا کر برباد کر دیے اور اپنی نمبرداری اور زمینداری کا ذرا خیال نہیں کیا۔کیا ایڈیٹر صاحب کو اس قدر واقعات کے بعد بھی خیال نہ آیا کہ میں قادیاں میں فائدہ پہنچانے کو گیا تھا یا فائدہ اٹھانے کو؟

اب رہا مرزا صاحب کی صحبت سے فائدہ اٹھانا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔سو مرزا صاحب کی صحبت سے تو مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کے عقائد مخالف اسلام ہیں اور ان کا دعویٰ پیغمبری کا ہے اور اپنے منکروں کو کافر جانتے ہیں کیا یہ میرے لیے کافی نہیں؟ رہی نماز سو خدا کے فضل سے کبھی ضائع نہ ہوئی۔ ہاں مرزا صاحب محض علمائے اسلام کے سب وشتم کے تحریر کرتے وقت بہتر بہتر نمازیں جمع کر کے ضائع کر دیتے ہیں بلکہ حج جو عین فرض ہے اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے۔یہی وجہ ہے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب اور مولوی نور الدین صاحب جیسے متمول لوگوں کو قطعاً معاف کرا دیا ہے۔شیخ صاحب کی طرف

دیکھیے ولایت کو کس طرح بھاگتے اور حج سے کس طرح ڈرتے ہیں۔ زکوۃ کبھی مرزا صاحب نے دی نہیں حالانکہ گھر میں ہزار ہا روپیہ کا زیور موجود ہے اور روزے تو جان بوجھ کر مریدوں سے چھڑوا دیتے ہیں اگر کسی نے ذرا عذر کر دیا کہ مجھے فلاں تکلیف ہے تو روزوں کی معافی ہے علاوہ اس کے کبھی آپ نے خود امامت نہیں کرائی۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا میں بڑا ثواب سمجھتا ہوں لیکن اس بات کو میں ہمیشہ مکروہ خیال کرتا رہا ہوں کہ مولوی نور الدین صاحب اور محمد احسن امروہی جیسے فاضلوں کو امامت کے لیے اجازت نہ دی جائے اور ایک ناقص الاعضاء شخص کو امام بنایا جاوے جس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے لیکن پھر بھی میں دیکھا دیکھی ان کے پیچھے نماز پڑھتا رہا ہوں۔ اب ایڈیٹر الحکم بتائیں کہ کتنی نمازیں میں نے ایسے امام کے پیچھے نہیں پڑھیں، میرا اعتقاد وہی ہے جو مرزا صاحب کے بیعت میں داخل ہونے سے پہلے تھا میں خود پنج بناء اسلام پر قائم ہوں اور جو شخص ان پر قائم ہے وہ میرے نزدیک مسلمان ہے۔ میں حدیث کا منکر نہیں ہوں البتہ صرف ایسی حدیثوں کا منکر ہوں جن کے معنی مرزا صاحب من گھڑت کر کے ایزاد پر لگاتے ہیں۔

ایک ورق ابتدائی حقیقت المہدی بعد ترمیم جناب ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار کی خدمت میں مرسل ہے اس میں میرے عقیدہ کا مفصل بیان ہے ایک ورق ایڈیٹر صاحب الحکم کو بھی بھیج دیا ہے۔

خاکسار مولوی عبدالعزیز نمبردار رئیس بٹالہ ضلع گورداسپور

توہین ہے عبدالعزیز کا دوسرا نام نبی بخش ہے۔ ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ ۴۲ پر فہرست مریدان میں صفحہ ۷۶ پر وہی منشی چوہدری نبی بخش صاحب مع اہل بیت بٹالہ درج ہے۔ تھوڑے دنوں سے اس نبی بخش نے پھر توبہ نامہ شائع کیا تھا اب اس وقت باہر آیا ہوا ہے۔

نوٹ:

فقیر محمد ملزم نے کوئی سوال نہیں کیا۔

بجواب وکیل استغاثہ خواجہ کمال الدین۔

پی نمبر ۴ وہی خط ہے۔ جو ڈاک میں میرے نام آیا اور مجھے ملا تھا۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ یہ جعل میں نے نہیں کیا۔ اس میں یہ لکھا ہے۔ پیر صاحب کا ایک کارڈ جو مجھے پرسوں ہی پہنچا ہے۔ باصلہا جناب کے ملاحظہ کے لیے روانہ کر دیا جس میں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولوی محمد حسن کے نوٹ انہوں نے چُرا کر سیف چشتیائی کی رونق بڑھائی

ہے۔ لفافہ اس کا میرے پاس نہیں ہے۔ خط پی نمبر ۴ میں اور لکھا ہے کہ کل میرے عزیز دوست میاں شہاب الدین طالب علم نے مجھے ایک خط رجسٹری شدہ مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے ملا۔ جس میں پیر صاحب گولڑوی کی سیف چشتیائی کا ذکر تھا۔ میاں شہاب الدین کو خاکسار نے ہی اس امر کی اطلاع دی تھی اور آخر میں یہ لکھا ہے میاں شہاب الدین کی طرف سے بعد السلام علیکم مضمون واحد ہے۔ پی نمبر ۳ میں درج ہے دوسرے خط میں گولڑوی کا کارڈ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مولوی کرم الدین صاحب کو روانہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پیر مہر علی سے براہ راست میری خط و کتابت نہیں جو دولاکھ یا زیادہ میں نے مرید لکھائے ہیں ان میں سے بہت تھوڑے یعنی دوسو یا تین سو سے کم ایسے مرید ہوں گے جن کو پوری طرح سے میں شناخت کرتا ہوں (۱)۔ کتاب تحفہ گولڑویہ میں نے ۱۹۰۰ء میں لکھنی شروع کی اور اکثر حصہ اس سن میں چھپ گیا۔ یاد نہیں کس ماہ میں۔ کتاب واقعات ضمیمہ مطبوعہ نومبر ۱۹۰۰ء کا مولف منشی محمد صادق میرا مرید ہے۔ اشتہار جو صفحہ ۵۱-۵۲ پر درج ہے وہ میں نے دیا ہے انہی دنوں میں یعنی ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء میں اس میں یہ درج ہے میں نے پیر مہر علی شاہ کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ جس کا نام میں نے تحفہ گولڑویہ رکھا ہے۔ اخبار الحکم ۳۱ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۵ کالم ۳ پر فقرہ ذیل درج ہے: ''امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسالہ تحفہ گولڑویہ نے ہمیشہ کے لیے پورا کر دیا ہے۔'' تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۵ پر تیس ہزار آدمی کا ذکر کیا ہے۔ الحکم ۱۰

---

(۱) یک نہ شد دو شد۔ جب آپ دوسو یا تین سو سے کم مریدوں کو پوری طرح سے شناخت کرتے ہیں تو پھر ضمیمہ انجام آتھم میں تین سو سے زائد مریدوں کے نام لکھ کر ان کو اصحاب بدر کے مثل قرار دینا آپ کا بے بنیاد اور رجماً بالغیب ہوا اور پھر ان ہزار ہا مریدوں کو جو آپ سے بیعت کیے جاتے ہیں اور چندوں پر چندے دیے جاتے ہیں بیعت فسخ کر دینا چاہیے جب مرشد جی دنیا میں ان کی پوری شناخت نہیں کرتے تو قیامت میں تو انہوں نے کان پر ہاتھ دھرنے اور صاف کہہ دینا ہے۔ لا تلومونی و لوموا انفسکم۔ بھائیو غور کرو اور پھر غور کرو۔

ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ پر ذیل کی عبارت ہے:

''حضرت اقدس وغیرہ وغیرہ اور تحفہ گولڑویہ کی تصنیف کے کام میں مصروف ہیں۔تحفہ گولڑویہ عن قریب تیار ہوا چاہتا ہے اب خاتمہ لکھا جارہا ہے۔امید کی جاتی ہے کہ ۱۵ نومبر تک ختم ہوکر شائع ہوگا۔''

الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۶ کالم ۳ پر درج ہے۔تحفہ گولڑویہ کا کام آج کل چندروز کے لیے ملتوی ہے۔اس کے بعد بند پڑا رہا، اور پھر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔تحفہ غزنویہ بھی ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی اور ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ الحکم ۱۶ جولائی ۱۹۰۰ء صفحہ ۸ کالم اول میں ۔۔۔ ہے۔عبدالحق غزنوی کے اشتہار کی حقیقت کھولنے کے لیے حضرت اقدس نے تحفہ غزنویہ نام ایک رسالہ چھاپنا شروع فرمایا۔الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ میں لکھا ہے۔تحفہ غزنویہ عبدالحق غزنوی امرتسری کے جواب میں لکھا گیا، ایک بے نظیر رسالہ ہوگا۔اس رسالے کا بھی بہت بڑا حصہ طبع ہو چکا ہے۔تریاق القلوب میری تصنیف ہے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔اس کے صفحہ ۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفحہ ۱۸۹۹ء میں لکھا گیا۔الحکم ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۳ کالم ۳ پر ایک مضمون شروع ہوتا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔۱۸۹۹ء پر ایک نذیر اس کے نیچے ایک عنوان ہے۔تصنیفات و تالیفات اس میں یہ درج ہے ایسا ہی کتاب تریاق القلوب وغیرہ وغیرہ چھپنی شروع ہوئی۔میرے مریدوں کی تعداد ۱۸۹۸ء میں بڑھنی شروع ہوئی اور کثرت خاص کر ۱۹۰۳،۱۹۰۴ء میں ہوئی اور اعلان مریدوں کو بیعت میں داخل کرنے کا ۸۸،۸۹ میں کیا تھا۔کتاب براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے جس کو عرصہ قریباً ۲۲ یا ۲۳ سال کا ہوگیا ہے۔دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا، بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا۔حملوں سے مراد طاعون کا زمانہ ہے۔الحکم نمبر ۱ جلد ۱ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۷ء اول مرتبہ امرتسر سے شائع ہوا۔اس کا ساتواں دستور العمل یہ ہے۔جملہ خط وکتابت وترسیل زرڈاک خانہ کے قواعد کے مطابق شیخ

یعقوب علی تراب ایڈیٹر و پروپرائیٹر الحکم امرت سر کے نام ہونی چاہیے اور ان کی دستخطی رسید وغیرہ مصدقہ ہوگی۔ البدر نمبر ا جلد ا۔ ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ پیسہ اخبار ہمیشہ میری مخالفت کرتا ہے ضمیمہ شحنہ ہند میں بھی مخالفت ہوتی ہے۔ جعفرزٹلی ہمیشہ کا مخالف ہے۔ ان اخباروں میں جو الحکم کی مخالفت ہوتی ہے وہ میری مخالفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ الحکم ۱۳۱ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ کالم ۲ و ۳ میں نبی بخش المعروف عبدالعزیز نے میری مخالفت میں لکھا ہے۔ الحکم ۱۳ ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۳ کالم ۳ پر جو جلی قلم سے جو اخبار الحکم کے متعلق ہر قسم کی خط وکتابت خواہ وہ ترسیل زر کے متعلق ہو یا کسی قسم کی شکایت پر مبنی ہو خواہ کسی اصلاح کاری کے لیے ہو وہ خاکسار ایڈیٹر کے نام آنی چاہیے۔ حضرت اقدس کے نام مطلق نہ ہو کیونکہ حضرت اقدس کو بحیثیت مالک یا مینیجر ہونے کے اخبار سے تعلق نہیں ہے۔



بجواب کرم دین ملزم:

پی نمبر ۴ کو میں مضمون کے لحاظ سے شناخت کرتا ہوں کہ یہ وہی خط ہے جو کرم دین نے میرے نام بھیجا اور جو نزول المسیح کے صفحہ ۷۵ پر درج ہے۔ لفافہ اس خط کا ضائع ہو گیا۔ یہ خط ۲۱ جولائی ۱۹۰۴ء کا لکھا ہوا تھا اور ۲۵ و ۲۶ جولائی ۱۹۰۴ء کو پہنچا ہو گا جتنے پرچہ اخبار الحکم پیش ہوئے ہیں وہ میرے سامنے طبع نہیں ہوئے۔ ۱۸۹۸ء سے پہلے تعداد مریدوں کی ایک ہزار(۱) سے بھی کم تھی

(۱) یہ کہتے ہوئے شاید آپ کو شرم آتی ہے کہ کل تعداد مریدان ۳۱۸ تھی جیسا کہ منشی تاج الدین صاحب تحصیل دار نے بعد کامل تحقیقات کے اپنی رپورٹ میں ظاہر کیا اور جیسا کہ تھوڑی دیر آگے چل کر آپ کو اپنے منہ سے قائل ہونا پڑے گا اور نیز آپ کا مخلص حواری ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز رسالہ مذکور جلد ۲ نمبر ا بابت جنوری ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۳۸ میں لکھتا ہے کہ ۱۸۹۹ء میں اس فرقہ کی تعداد صرف چند سو تک تھی۔

اور پھر ۱۸۹۹ء میں دس ہزار (۱) کے قریب ہوئی اور ۱۹۰۰ء میں تیس ہزار کے قریب ہوگئی۔ کتاب ضرورۃ الامام صفحہ ۴۳ سطر ۲۱ پر عبارت ذیل درج ہے۔
اس فرقہ میں حسب فہرست منسلکہ ہذا تعداد تین سو اٹھارہ آدمی ہے یہ کتاب میری تصنیف ہے۔ یہ نقل رپورٹ منشی تاج الدین صاحب تحصیل دار پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور کا مقدمہ عذرداری انکم ٹیکس تاریخ فیصلہ ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء ہے۔ ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ ۳۲ سطر ۸ پر میرے مریدوں کی تعداد آٹھ ہزار (۲) لکھی ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو یہ تعداد درج ہوئی۔ مجھے ذاتی علم ہے نسبت تحفہ گولڑویہ اور تحفہ غزنویہ کے لکھے جانے اور اکثر حصہ چھپ جانے کے جو ۱۹۰۰ء میں واقع ہوا، طاعون کا حملہ ۶ سال سے شروع ہوا ہے۔ مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۰ سطر ۳ کا ترجمہ ذیل ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ جماعت ابتدائی دنوں میں ۳۰۰ کے قریب تھی (۳)۔

اس سے اوپر یہ درج ہے کہ ہماری جماعت انہیں سالوں (۴) میں ۱۹۰۰ء،

---

(۱) کیا کوئی صاحب عقل تسلیم کرسکتا ہے کہ ایک مدت دراز کی کوشش کے بعد ۱۸۹۸ء تک تو تعداد مریدان بمشکل ۳۱۸ کو پہنچی لیکن ۱۸۹۹ء میں صرف چند ماہ کے بعد دس ہزار کے قریب ہوگئی حالانکہ ۳۱۳ کی تعداد اخیر ۱۸۹۸ء یعنی ماہ ستمبر میں ثابت ہوئی تھی۔ دیکھو رپورٹ تحصیل دار موصوف یہ ایک صریح جھوٹ ہے۔ جھوٹ نمبر ۳۰

(۲) آپ پہلے اپنے بیان میں تسلیم کرچکے ہیں کہ ۱۸۹۸ء سے پہلے تعداد مریدوں کی ایک ہزار سے بھی کم تھی۔ پھر ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو ضمیمہ انجام آتھم میں تعداد مریدان آٹھ ہزار لکھنا ایک سیاہ جھوٹ ہوا۔ جھوٹ نمبر ۳۱

(۳) کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آپ کی یہ تحریر تو ثابت کرتی ہے کہ واقعی ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۸ء، ۱۸۹۹ء میں تعداد مریدان ۳۰۰ کے قریب تھی کیونکہ ترقی تو بقول آپ کے ۱۹۰۰ء سے شروع ہوئی تھی اور اس سے پہلے کے سال ابتدائی دنوں میں شمار ہیں حالانکہ آپ تو اپنے حلفی بیان میں ابھی کہہ رہے تھے کہ ۱۸۹۹ء میں دس ہزار کے قریب تھی اور پھر ۱۹۰۰ء میں تیس ہزار ہوگئی۔

(۴) اب اپنے منہ سے قائل ہونا پڑا کہ ترقی ۱۹۰۰ء سے شروع ہوئی ہے تو پھر ۱۸۹۹ء یا ۱۸۹۷ء کی تعداد بیان کردہ تعداد کے جھوٹا ہونے کے تو آپ خود ہی قائل ہوگئے۔ شرم۔ شرم
حضرات مرزاجی کی راست بازی کا اسی سے قیاس کرلینا چاہیے کہ مریدوں کی تعداد بتانے میں کس قدر جھوٹ سے آپ نے کام لیا اور اپنے بیان میں ان کو اپنے جھوٹوں...... [بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر]

۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء میں ایک لاکھ سے (۱) بڑھ گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

دستخط حاکم

یہ بیان گواہ نے خود پڑھ لیا اور پڑھ کر درست تسلیم کیا اور دستخط کر دیے۔

دستخط حاکم



[بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ] کو تسلیم کرنا پڑا۔ پھر ایسا ہی سمجھے کہ ان کے دعاوی بھی سارے کے سارے جھوٹے ہیں جب ایک امر میں ایک شخص کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو اس کی راست بازی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ کجا یہ بات کہ جھوٹوں کے نمبر ۳۰ سے اوپر بڑھ جائیں۔ یہ تو صرف ایک چٹھی اور ایک بیان سے جو بمقدمہ یعقوب علی ہوا ہے دکھائے گئے ہیں جو آپ کا دوسرا بیان بمقدمہ فضل دین ہوا ہے اس میں اس سے زائد جھوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ کیا یہی صداقت تھی جس پر ہمیشہ مرزا جی فخر کیا کرتے ہیں اور بڑے زور سے اپنی تصانیف میں دعوی کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بھر میں کبھی کوئی جھوٹ نہیں کہا۔ ۳۱ جھوٹ تو آپ کے تفصیل سے اوپر ثابت ہو چکے ہیں اگر با ایں ہمہ آپ پھر بھی سچے اور راست باز ہیں تو آپ کی اس راست بازی کو ہمارا اسلام ہے۔

(۱) یہ بھی جھوٹ محض ہے رپورٹ مردم شماری ۱۹۰۱ء میں تعداد فرقہ احمدیہ کل ۱۳۰۰ درج ہے۔ دیکھو رپورٹ سرکاری صفحہ ۱۴۳ پیراگراف ۱۳۹ اور سرکاری تحقیق کے مقابلہ میں تعداد مریدان کے متعلق مرزا جی کے سخت متناقض اور اٹکل پچو اقوال کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

فیصلہ

بعدالت لالہ آتمارام مہتہ بی اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مولوی کرم الدین ولد مولوی صدرالدین قوم اوان ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ مستغیث

بنام

مرزا غلام احمد وحکیم فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ مستغاث علیہم

جرم زیر دفعہ ۵۰۱/۵۰۰، ۵۰۲ تعزیرات ہند

یہ مقدمہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں دائر کیا گیا تھا اور اس ضلع میں بموجب حکم چیف کورٹ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو منتقل ہوا۔ اس مقدمہ میں ایک غیر معمولی عرصہ تک طول کھینچا تو مجسٹریٹوں کی تبدیلیوں کی وجہ سے طوالت ہوئی اور زیادہ تر فریقین کی کارروائی کی طوالت کے باعث۔ یہ مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی کا زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ملزم نمبر ا پر ہے اور زیر دفعہ ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند ملزم نمبر ۲ پر۔ فریقین مسلمان ہیں اور نہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے شمشیر بہ کف ہیں۔ مستغیث اس فرقہ سے ہے جس کا سرپرست پیر مہر علی شاہ (صاحب) ساکن گولڑہ ضلع راولپنڈی میں ایک مشہور آدمی ہے۔ یہ فرقہ اپنے پرانے مذہبی اعتقادات کا پورا معتقد ہے۔ ملزم نمبر ا ایک نئے فرقہ کا جس کا نام احمدی یا مرزائی کہتے ہیں، بانی اور مذہبی پیشوا ہے اور اس کے بہت سے مرید ہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں پیغمبر مسیح موعود ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مجھے مکالمہ حاصل ہے اور مجھے الہام یا وحی اس کی طرف سے اترتی ہے۔ اپنے اس دعویٰ

کی تائید میں وہ وقتاً فوقتاً پیش گوئیاں کرتا رہتا ہے۔ ملزم نمبر ۲ ملزم نمبر ا کے خاص مریدوں میں سے ہے۔ نیز مطبع ضیاء الاسلام واقعہ قادیان ضلع گورداسپور کا مالک ہے۔ دوسرا فریق ملزم نمبر ا اور اس کے معاونین کے دعاوی کی تردید کرتا رہتا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں ملزم نمبر ا یعنی مرزا غلام احمد نے ایک کتاب عربی زبان میں جس کا نام اعجاز المسیح (مسیح کا معجزہ) ہے طبع کی۔ اس میں اس نے کل دنیا کو مخاطب کیا کہ اس کی فصاحت کے برابر کوئی شخص کتاب لکھ دے اور ساتھ ہی بطور پیش گوئی کے یہ دھمکی دی کہ جو شخص ایسی کتاب کے لکھنے کا ارادہ کرے گا وہ زندہ نہیں رہے گا مگر اس کے مقابلہ میں پیر مہر علی شاہ (صاحب) ساکن گولڑہ نے ایک کتاب مسمی بہ سیف چشتیائی (چشتی کی تلوار) تالیف کی اور شائع کی۔ اس کی تردید میں مرزا غلام احمد ملزم نمبر ا نے ایک کتاب لکھنی شروع کی جس کا نام نزول المسیح (مسیح کا اُترنا) رکھا۔

۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد ملزم نے ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام مواہب الرحمٰن ہے جو ملزم نمبر ۲ کے مطبع واقع قادیان میں چھپی۔ یہ کتاب مقدمہ کی اصل بناء ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے اور بین السطور فارسی میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ مضمون بناء استغاثہ صفحہ ۱۲۹ پر درج ہے اور ذیل کا اقتباس جو کتاب سے لیا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک لئیم آدمی اور اس کے بہتان عظیم سے اطلاع دی اور مجھے الہام کیا کہ مذکورہ بالا آدمی میری عزت کو نقصان پہنچائے گا اور مجھے یہ خوش خبری بھی دی گئی تھی کہ وہ بدی لوٹ کر میرے دشمن پر پڑے گی جو کہ الکذاب المھین ہے۔ لئیم اور بہتان عظیم کے الفاظ اس عربی کتاب کی پانچویں اور آٹھویں سطر میں ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مستغیث کی ازالہ حیثیت عرفی کرتے ہیں اور ملزم نے مستغیث کی عزت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے چھاپے ہیں۔ ملزم نمبر ا نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کتاب کا مصنف ہے اور یہ کہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو چھاپی گئی اور ۱۷ جنوری کو جہلم میں تقسیم کی گئی اور یہ بھی اقرار کیا ہے کہ الفاظ زیر بحث مستغیث

کی نسبت استعمال کیے گئے ہیں اور یہ الفاظ بنفسہ مزیل حیثیت ہیں۔

ملزم نمبر ۲ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتاب اس کے مطبع میں اور اس کے زیر اہتمام چھاپی گئی اور اس نے اس کی جلدیں فروخت کیں۔ فرد قرارداد جرم برخلاف ملزمان زیر دفعہ ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند مرتب کی گئی۔

ہر دو ملزم ارتکاب جرم سے انکاری ہیں اور وہ حسب ذیل صفائی پیش کرتے ہیں:

(الف) یہ کہ مستغیث نے اپنے آپ کو جھوٹا اور دھوکہ باز جعل ساز بہتان گو وغیرہ سراج الاخبار جہلم کے مضمونوں میں جو اس نے ۶ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اخبار مذکور میں دیے مشہور کرنے سے اپنی تمام عزت ضائع کر دی ہے اور یہ کہ جب اس کی کوئی عزت باقی نہیں تو مستغیث کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ کہتا کہ عوام میں اس کی عزت کم ہوگئی ہے کیونکہ کوئی عزت باقی نہ رہی تھی جو کم ہوتی۔

(ب) بفرض محال اگر مستغیث کی کچھ عزت ہے بھی جس کا ازالہ ہوسکتا تھا تاہم زیر مستثنیات نمبر ۱، ۳، ۶، ۹ دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند ملزم کا یہ کام درست اور حق بجانب ہے۔

(ج) الفاظ زیر بحث ان الفاظ کے جواب میں کہے گئے ہیں جو مستغیث نے خود سراج الاخبار میں استعمال کیے ہیں۔

آئندہ واقعات کے انکشاف اور مقدمہ کو آسان کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک مختصر بیان ان واقعات کا لکھا جاوے جو فریقین کے درمیان واقعہ ہوئے۔ نزول المسیح کی تالیف کے اثناء میں مرزا اور اس کے دو مریدوں کو بھیں سے چند خطوط پہنچے جو مستغیث کی جائے سکونت ہے۔ جو خطوط ایک دوسرے مقدمہ کی مسل میں شامل ہیں (فضل دین بنام کرم الدین جرم زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند) اور جو بظاہر ثابت ہوا ہے کہ بعض تو اسی مستغیث کے لکھے ہوئے تھے اور کچھ مستغیث کے شاگرد شہاب الدین کے لکھے ہوئے تھے۔ (دیکھو فیصلہ عدالت ہذا بمقدمہ یعقوب علی بنام کرم الدین وفقیر محمد)

ایک بڑی حکمت عملی (ا) پرمبنی تھے جو مرزا کی پیشین گوئیوں اور الہاموں کے دعاوی کو آزمانے کے لیے برتے گئے۔ گو بظاہران سے یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ پیر مہر علی شاہ کی تصنیف سیف چشتیائی کے علمی سرقہ کے ظاہر کرنے میں معاون ہوں۔ یہ خطوط مرزا نے اس وجہ سے اپنی کتاب نزول المسیح میں شائع کیے اور یعقوب علی نے جو مرزا کا مرید ہے اور ایڈیٹر بھی ہے اپنے اخبار الحکم

(ا) عدالت کا یہ نوٹ قابل غور ہے، مرزا جی کا مقدمہ بازی کا سوانگ کھڑا کرنے سے اصل منصوبہ یہ تھا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی مدظلہ کی نسبت یہ اتہام ثابت ہو کہ آپ نے سیف چشتیائی میں مضامین فیضی کا سرقہ کیا ہے۔ مقدمہ بازی کی ساری تکالیف برداشت کرنے اور اخراجات کثیر کا زیر بار ہونے کو مرزائی پارٹی صرف اسی غرض کے لیے گوارا کیا تھا اور عدالت سے ہی امر کا فیصلہ کرانا مطلوب تھا۔ اور اس امر کے ثبوت میں وہ خطوط شامل مسل کرائے گئے تھے جو مولوی محمد کرم الدین صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے تھے (گو مولوی صاحب موصوف کو ان کے لکھنے سے انکار تھا) لیکن ہمیں سخت افسوس ہے کہ مرزا جی اوران کی امت نے اس مدعاء میں سخت ناکامی حاصل کی۔ عدالت نے یہ تو فیصلہ کیا کہ خطوط مولوی صاحب کے لکھے ہوئے ہیں گو عدالت کا ایسا قرار دینا بھی محض قیاسات پرمبنی تھا لیکن ساتھ ہی اس امر کا بھی فیصلہ فرمادیا کہ ان خطوط میں یہ لکھا جانا کہ پیر صاحب نے فیضی کے کسی مضمون کو سیف چشتیائی میں نقل کیا ہے۔ محض مرزا کے الہام اور پیش گوئیوں کے امتحان کی غرض سے تھا کہ اس کے الہام اس کو اصلیت کا بھی کچھ پتہ دیتے ہیں یا نہ۔ اب مرزائی دوست خود ہی اس امر کا فیصلہ کریں کہ ان کے پیرومرشد اس مقدمہ بازی میں جیتے یا ہارے۔ فیصلہ عدالت سے پیر صاحب کا سرقہ ثابت نہ ہوا اور مرزا جی طرح طرح کی مصائب میں دوسال تک مارے مارے پھرے۔ آخر عدالت نے پیر صاحب کو اتہام سرقہ سے پاک قرار دیا اور خطوط میں سرقہ کی شکایت محض بغرض امتحان قرار دی۔ عدالت اپیل نے بھی اس کی کوئی تردید نہیں کی بلکہ اپنے فیصلہ میں واقعات کی نسبت تفصیل فیصلہ عدالت ماتحت کو ہی صحیح سمجھ کر اس کا حوالہ دینا کافی سمجھا اور مرزا جی اپنے حلفی بیان میں مان چکے ہیں کہ حق الیقین عدالت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ اب ان کو بروئے فیصلہ عدالت قابل ہونا چاہیے کہ پیر صاحب کی نسبت اتہام سرقہ لگانے میں وہ جھوٹے تھے اور ان کو اس امر کی معافی پیر صاحب سے مانگنا چاہیے۔ الغرض یہ ناکامی مرزا جی اور ان کی جماعت کو ایسی حاصل ہوئی ہے جس کی حسرت گور میں بھی ان کے ساتھ جائے گی۔ ادھر حضرت پیر چشتی کی کرامت شمس نصف النہار کی طرح روشن ہوگئی۔ مخالف نے منصوبہ تو اٹھایا تھا آپ کو عدالت کے ذریعہ تکلیف پہنچانے کا۔ لیکن خیر الحافظین نے حضرت والا کو ہر طرح سے محفوظ رکھا اور ان کے مخالفین کو طرح طرح کی مصائب میں گرفتار کردیا۔ سچ ہے: و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر

مورخہ ۷ استمبر ۱۹۰۲ء میں کاتبوں کے نام پر شائع کردیے۔ اس اخبار میں ایک مضمون بھی تھا جس میں محمد حسن فیضی کی وفات پر جو مستغیث کا بہنوئی اور تایا زاد بھائی ہے رنج دہ لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اس کے بعد سراج الاخبار جہلم میں ٦ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دو مضمون مستغیث کی دستخطی سے چھاپے گئے ایک نثر میں تھا دوسرا نظم میں جو ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء کے الحکم کی تردید میں ہے انہوں نے فریقین کے درمیان مقدمات کرا دیے۔ اس کے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یعنی ۲٦ اگست ۱۹۰۲ء کو بمقام جہلم ان دو مخالف فریقوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایک مذہبی مباحثہ ہوا ہے اس مباحثہ میں ایک طرف مستغیث اور ایک اور آدمی تھا اور دوسری طرف مبارک علی اور ایک کوئی اور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علمی جھگڑا میں آخر الذکر (۱) کو شکست ہوئی۔ اس شکست نے جلتی آگ پر اور لکڑیاں ڈالیں۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں مستغیث نے ملزم نمبر ۲ یا یعقوب علی ایڈیٹر الحکم کے نام ایک گم نام کارڈ بھیجا جس میں ان کو دھمکی دی کہ میں تم کو اس مضمون کی وجہ سے جو تم نے اپنے اخبار میں لکھا ہے عدالت میں کھینچوں گا۔ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو فضل دین نے جو ملزم نمبر ۲ ہے ایک استغاثہ بنام مستغیث زیر دفعہ ۴۲۰/ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر کیا۔ ۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو مستغیث نے دو استغاثے زیر دفعہ ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند بمقام جہلم بنام ہر دو ملزمان اور یعقوب علی وغیرہ دائر کیے۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو یعقوب علی نے ایک استغاثہ زیر دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند بنام موجودہ مستغیث و فقیر محمد جو کہ ایڈیٹر و مالک سراج الاخبار جہلم ہے دائر کیا۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو مستغیث کے مقدمات جہلم میں پیش ہوئے جہاں کہ ملزم نمبر ۱ نے کتاب مواہب الرحمٰن

---

(۱) لیجیے جناب مرزائی صاحبان آپ کے پیرو مرشد (مرزا جی) نے مقدمہ بازی کر کے عدالت سے اس امر کا بھی ناطق فیصلہ کرا لیا کہ مباحثہ جہلم میں مرزائی جماعت شکست یاب ہوئی۔ جہلم کے اہل سنت و جماعت بھائیوں کو یہ فتح مبارک ہو۔ جہلم کے مرزائی فرمائیں ان کو علماء اہل سنت و جماعت جہلم کی اس فتح یابی میں کسی قسم کے کلام کی گنجائش باقی ہے؟ کیونکہ یہ عدالت کا فیصلہ ہے اور مرشد جی حلفاً اقرار کر چکے ہیں کہ حق الیقین عدالت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

کی اشاعت کی۔ اس سے پہلے کہ ان عذرات پر جو صفائی کی طرف سے پیش ہوئے بحث کی جاوے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ استغاثہ کردہ کے معنی صاف کیے جائیں۔ تمام الفاظ جو استغاثہ کردہ ہیں وہ بُرے معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں اس بات کو فریقین مانتے ہیں۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ کس درجہ کی برائی کی حد کو وہ پہنچتے ہیں۔ مستغیث تو ان کے معنوں کی تعبیر مبالغہ آمیز طرز میں کرتا ہے اور ملزم ان کے معمولی معنی بیان کرتا ہے مثلاً لئیم کا لفظ ایک فریق بیان کرتا ہے کہ اس کے معنی کمینہ اور پیدائشی کمینہ کے ہیں۔ دوسرا فریق اس کے معنی صرف کمینہ کرتا ہے۔ بہتان عظیم کے معنی بڑا اور حیران کرنے والا جھوٹ ہے اور ایک بڑا بہتان لگانے والا یا افترا کرنے والا ہے اور کذاب المھین کے معنی ایک بڑا اور عادی جھوٹا اور بہتان باندھنے والا ہے اور جھوٹا اور اہانت کرنے والا ہے۔ دونوں طرف سے سندات پیش ہوئی ہیں جو ہر ایک فریق کے معنی کی تائید کرتے ہیں ہم ان الفاظ کو سخت معنوں میں لینے کی طرف مائل ہیں اور یہ صرف ویسی عربی سندات کی بناء پر نہیں (ڈکشنریاں اور قواعد کی کتابیں جن کا حوالہ مستغیث نے دیا ہے) بلکہ ان معنوں کی بنیاد پر بھی جن میں خود کتاب کے مصنف نے ان الفاظ کو اور جگہ بھی استعمال کیا ہے اور نیز مصنف کے دل کی اس حالت کی بنیاد پر بھی جس وقت مصنف اس کتاب کو لکھ رہا تھا لفظ لئیم ایک بڑی حقارت کا لفظ ہے، ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس میں تمام برائیاں مستقل طور پر پائی جاتی ہوں اور یہ لفظ ملزم نمبر ا نے مصر کے فرعون کی بابت استعمال کیا ہے جس نے اپنے آپ کو خدا مشتہر کیا اور شیطان اور گدھے کی نسبت بھی بہتان عظیم بلحاظ اپنے ماخذ کے اس آدمی کو کہتے ہیں جو جھوٹے اور سخت قسم کے الزام لگانے کا عادی ہو۔ کذاب کا لفظ مبالغہ کے صیغہ کا ہے اور یہ بڑے یا عادی جھوٹے کے معنی ظاہر کرتا ہے۔ المھین کے معنی اہانت کنندہ یعنی توہین کرنے والا۔ مضمون مندرجہ صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ مصنف نے جب ان

دونوں صفحوں کو لکھا اس وقت سخت رنج وغصہ اور کینہ میں مبتلا تھا جیسا کہ آگے چل کر بتلایا جائے گا۔ فریقین میں اس وقت سخت دشمنی تھی اور کوشش کرتے تھے کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ ڈالیں۔ ایسے حالات میں یہ امید نہیں ہوسکتی کہ مصنف اعتدال اور صفائی کو برتتا۔ اب صفائی کے عذرات وغیرہ اس امر کے فرض کر لینے پر مبنی ہیں کہ سراج الاخبار کے ۶ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے مضامین اور صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰ مواہب الرحمٰن کے متن کو باہم تعلق ہے۔ دراصل یہ عذر اٹھایا گیا ہے کہ الفاظ استغاثہ کردہ جو مواہب الرحمٰن میں ہیں ان الفاظ پر مبنی ہیں جو کہ مستغیث نے اپنے مضمونوں میں لکھ کر ملزم نمبر ۱ اور اس کی جماعت پر حملے کیے ہیں لیکن واقعہ میں یہ بات نہیں ہے۔ ذیل کے دلائل ان عذرات کی تردید کرتے ہیں:

اول ذرا سا بھی حوالہ صریحاً یا کنایتاً قریبی یا بعیدی ان مضامین کی طرف نہیں ہے جو سراج الاخبار ۶ و ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ہیں یا ان کے مدعا کی طرف۔

دوم: مضامین کے سخت معنوں کے لحاظ سے اور بنظر اس مدعاء کے جو اپنی جماعت کو بچانے کے لیے یا اپنے چال چلن کو ان الزاموں سے پاک کرنے کے لیے ضروری تھی یہ بہت غیر اغلب ہے اگر غیر ممکن نہ ہو کہ مصنف بالکل کوئی اشارہ صریحاً یا معناً ان کی طرف یا ان خطوط کی طرف نہ کرتا جو الحکم میں شائع ہوئے۔

سوم: اس کتاب کے ۱۲۶، ۱۲۷ صفحہ پر (مواہب الرحمٰن) مصنف نے محمد حسن فیضی کی موت کو بطور پیشین گوئی کے بیان کیا ہے لیکن ایسا بیان ممکن نہیں ہے کہ وہ لکھتا۔ اگر سراج الاخبار کا مضمون اس کے دل میں ہوتا کیونکہ سراج الاخبار کے مضامین میں اس بیان کی تردید کردی گئی تھی۔ دیکھو ملزم کا بیان جو اس نے ۲۹ اگست ۱۹۰۳ء کو دیا ہے جو اس مقدمہ کی مسل میں شامل ہے جو زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند ہے۔

چہارم: ملزم کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ خطوط کے مضمون جو الحکم میں چھپے تھے

اور وہ مضامین جو سراج الاخبار میں چھپے ہیں درست ہیں۔اپنے دل کی ایسی حالت میں مصنف ممکن نہ تھا ایسے خیالات کے ظاہر کرنے کی جرات کرتا جو اس کتاب کے ۱۲۹، ۱۳۰ صفحہ میں ہیں جیسا کہ اس نے ظاہر کیے ہیں۔

پنجم: ملزم نمبر ا سراج الاخبار کے مضمونوں کی بناء پر کس طرح الزام لگا سکتا تھا جبکہ ان مضمونوں کے مصنف کا قرار دینا زیر بحث تھا اور یہ امر عدالت نے فیصلہ کرنا تھا جو ابھی عدالت نے نہیں کیا تھا۔

ششم: سراج الاخبار کے مضمون ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ کے آغاز میں لکھے گئے وہ صفحات جن میں مزیل حیثیت عبارت ہے قریباً چار ماہ کے بعد نکلے اگر یہ صفحے ان مضامین کے جواب میں لکھے گئے تھے تو یہ ضروری تھا کہ اس سے بہت پہلے لکھے جاتے۔

ہفتم: اب کتاب پر غور کرو اور دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے یہ ملزم کے بیان کی تردید کرتی ہے۔صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰ کے متن سے اس امر کی کافی شہادت ہے کہ یہ سراج الاخبار کے خطوط کے جواب میں نہیں لکھی گئی۔

کیونکہ اس عبارت میں ان کی بابت کوئی ذرا بھی اشارہ نہیں ہے بلکہ ان مقدمات کی طرف اشارہ ہے۔جو مستغیث نے جہلم میں دائر کیے۔سطر ۶ صفحہ ۱۲۹ میں مقدمات کا صاف حوالہ ہے (عربی یا فارسی) جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں (ملزم نمبر ا) ایک عدالت میں گرفتاروں کی طرح حاضر ہوں گا کیونکہ ملزم کے نام وارنٹ جاری ہوا تھا اور پھر سطر ۲ اور ۸ صفحہ ۱۳۰ میں مستغیث نے جو مقدمہ دائر کیا تھا اس کا صاف ذکر ہے اور مستغیث کا نام صفحہ ۱۲۹ کی سطر ۱۰ میں لکھ دیا ہے اور ۱۲۹ صفحہ کی سطر ۵ میں ان تین وکلاء کا حوالہ دیا ہے جو مستغیث نے کیے تھے اور پھر سطر ۲ صفحہ ۱۳۰ میں بھی ذکر ہے اور صفحہ ۱۲۹ کی سطر ۴ میں مقدمات دائر کرنے کی غرض من جانب مستغیث لکھی ہے اور اس صفحہ کی سطر ۵ میں وکلا کرنے کی غرض مندرج ہے اور استغاثوں کی فتح یابی سے جو نتائج ہونے ممکن تھے ان کی طرف اشارہ صفحہ ۱۲۹ کی اخیر سطر میں اور صفحہ ۱۳۰ کی پہلی

سطر میں ہے۔ مقدمہ کا نتیجہ (یعنی اپنی آخری فتح) صفحہ ۱۲۹ اسطرے میں بیان کی گئی ہے کیونکہ مقدمے خارج ہو چکے تھے۔ صفحہ ۱۲۹ کی سطر ۱۰ میں استغاثہ دائر کرنے کا وقت ایک سال بعد اس پیشین گوئی کے بیان کیا گیا ہے۔ یہ پیشین گوئی ۳۱ نومبر ۱۹۰۱ء کو شائع کی گئی اور یہ مقدمات ۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو دائر کیے گئے۔ صفحہ ۱۳۰ کی سطر ے میں مصنف بڑی خوشی سے شائع کرتا ہے کہ وہ جیل خانہ میں نہیں جائے گا اور نہ ہی کالے پانی کو بھیجا جاوے گا اور اخیری سطر میں وہ تسلیم کرتا ہے کہ مستغیث کی اس حرکت سے اس کو غصہ آ گیا تھا۔

ہشتم: ایک اور امر بھی ہے جو میرے نتیجہ کی تائید کرتا ہے۔ مستغیث نے اپنے مقدمات جہلم میں ۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو دائر کیے اور ملزم نمبر ا نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۲، ۱۳ یا ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو تالیف کی اور یہ کتاب ۱۴ تاریخ کو شائع کی اور ے اماہ مذکور کو جہلم میں تقسیم کی یعنی اس دن جبکہ مقدمات کی پیشی تھی یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان مقدمات اور اس کتاب میں باہمی تعلق ہے۔ مستغیث کے مقدمات برخلاف ملزم دائر تھے، ملزم وارنٹ کے ذریعہ گرفتار ہو کر عدالت جہلم میں حاضر ہوا اور یہ توہین، تکلیف، تردد، بے عزتی، ذلت وغیرہ کے موجبات موجود تھے۔ ان سب امور کی شکایت کی گئی ہے۔

نہم: مستغیث کے استغاثہ جات جہلم کے جواب میں ملزم مضحکہ خیز اور سفلہ جرات کرتا ہے کہ کتاب کے ان صفحات اور سراج الاخبار ۶ و ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے درمیان تعلق ثابت کیا جاوے اور اس غرض کے لیے دھینگا زوری کی دُور از قیاس تاویلات پیش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گواہوں کے بیانات کے اختلاف سے بہت قابل ذلت ناکامی کا منہ ملزم نے دیکھا۔ مواہب الرحمٰن کی مزیل حیثیت عبارت اور سراج الاخبار کے مضامین یا خطوط میں مطلقاً تعلق نہ ہونے کی وجہ سے صفائی کا پہلا عذر بالکل خاک میں مل جاتا ہے۔ اب دوسرے عذر کی بابت ذکر ہوتا ہے جن مستثنیات پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ ایک، تین، چھ، نو ہیں۔

الف: ان تمام مستثنیات پر اعتبار کرنے سے یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ ملزم کا فعل سراج الاخبار کے مضامین کی بنیاد پر ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں، لیکن صفائی سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(ب) پہلی استثناء کی بابت یہ ضرورت ہے کہ وہ عبارت جس میں الزام لگایا گیا ہے وہ سچی ہونی چاہیے اور اس سے پبلک کا فائدہ ہو۔ اس امر کو صفائی سے ثابت نہیں کر سکا، جہلم کے اخبار کے علاوہ کوئی دوسرا امر نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ مستغیث کسی ایسی بدحرکت کا مرتکب ہوا جس کے رو سے اس کی بطور شریف اور راست باز آدمی کے اب عزت نہیں رہی اور وہ ان خطابات کا مستحق ہو گیا ہے جو اس پر لگائے گئے ہیں اور یہ خیال کرنا ایک امر محال ہے کہ ایسی مزیل حیثیت اشاعت سے کون سا پبلک کا فائدہ نکلا ہے۔

(ج) سراج الاخبار کے علاوہ کوئی دیگر حوالہ نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے عوام کو مستغیث کی نسبت رائے لگانے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔

(د) پہلی استثناء کے علاوہ دیگر مستثنیات میں نیک نیتی ایک بڑی ضروری جزو ہے۔ ذیل کے واقعات سے نیک نیتی کا نہ ہونا اور بدنیتی کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مستغیث کی ملزم کے ساتھ دوستی تھی اور اس نے اس کو چند خطوط مدد کا وعدہ کرتے ہوئے لکھے لیکن اس کا یہ وعدہ الٹا نکلا۔ ۲۶ اگست ۱۹۰۲ء کو مستغیث اور ملزم نمبر ا کے مریدوں کے درمیان ایک مذہبی مباحثہ جہلم میں واقع ہو گیا جس میں آخر الذکر غالباً شکست یاب ہوئے۔ ۱۷ستمبر ۱۹۰۲ء کے الحکم میں جو ملزم کا ایک آرگن ہے اس میں چند خطوط مستغیث کی طرف سے چھپے نیز ایک مضمون رنج دہ الفاظ میں جس میں رشتہ دار مستغیث مسمی فیضی کی موت کا ذکر تھا نکلا۔ ملزم نمبر ا نے یہ خطوط نزول المسیح میں مستغیث کے نام پر چھاپ دیے۔ یہ سب کچھ مستغیث کی ہدایت کے برخلاف کیا گیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا نام ظاہر کیا جاوے۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں مستغیث نے

دو مضمون سراج الاخبار جہلم میں الحکم کی تردید میں دیے۔ یہ مضامین مرزا اور اس کی جماعت کو بڑے ناپسند اور رنج دہ ثابت ہوئے۔ مستغیث نے ایک گمنام کارڈ بھی قادیان میں بھیجا کہ جس میں ملزم کو عدالت میں کھینچنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو ملزم نمبر ۲ نے ایک مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند دائر کیا۔ ۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کو یعقوب علی ایڈیٹر الحکم نے ایک مقدمہ مستغیث اور فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار پر دائر کیا۔ فریقین کے درمیان مقدمہ بازی کی یہاں تک نوبت پہنچ چکی تھی جبکہ مواہب الرحمٰن تالیف کی گئی اور دنیا کے سامنے پیش کی گئی۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو مستغیث کے مقدمات کی پیشی مقرر ہوگئی اور ملزم کو بذریعہ وارنٹ حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وہ مستغیث کی ان حرکات پر نہایت مایوس اور آزردہ ہوئے جس کو انہوں نے پہلی غلطی سے بڑا مفید اور معاون دوست خیال کیا تھا لیکن آخر کار اس کو خوفناک دشمن بھیس بدلے ہوئے پایا۔ یہ سب باتیں مصنف کے دل میں کھٹک رہی تھیں جبکہ اس نے یہ مزیل حیثیت مضمون لکھا اور چھاپا۔ وہ جلدی جو مصنف نے تالیف کی تکمیل میں ۱۴ جنوری کو دکھائی، اس غرض کے واسطے کہ وہ ۱۷ جنوری کو جہلم میں لوگوں کے ان گروہوں کے درمیان تقسیم کرے جو ان مقدمات کو دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ اس سے اس کی اصلی منشاء کا پتہ ملتا ہے جس نے اس کو اس کام پر آمادہ کیا تھا۔

مذکورہ بالا مقدمات کے بعد اور مقدمہ بازی بڑھی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو مستغیث نے یہ مقدمہ دائر کیا اور جون ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ۲ نے ایک استغاثہ زیر دفعہ ۲۱۱ تعزیرات ہند مستغیث کے برخلاف دائر کیا۔ ملزم کے دل کی حالت اس امر سے معلوم کی جا سکتی ہے کہ اس نے مستغیث کے وکلاء کو ٹٹوؤں سے اور ان کے مختانہ کو گھاس سے مواہب الرحمٰن کے ۱۳۰ صفحہ میں نسبت دی ہے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے کا گلا گھوٹنے کو دوڑ رہے تھے، نیک نیتی کہاں تھی؟ باقی تمام مقدمے ڈسمس ہو چکے ہیں۔ یہ ملزم کا

کام تھا کہ نیک نیتی ثابت کرتا۔ قانون میں نیک نیتی کے معنی مناسب احتیاط وتوجہ لکھے ہیں لیکن نیک نیتی کی بابت کوئی کوشش نہیں کی گئی سوائے سراج الاخبار کے حوالہ کے جو کہ یہی رنج دینے کی وجہ تھی، فریقین کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے لحاظ سے اس امر کی توقع کرنا غیر ممکن اور دُور از قیاس تھا۔ تحت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملزم نمبرا سراج الاخبار کے مضمونوں کو سچا سمجھتا تھا کیونکہ دیر تک مستغیث نے اس کی تردید نہیں کی اور یہ کہ اسی یقین پر مستغیث کے بارے میں اس نے مزیل حیثیت الفاظ کو استعمال کیا یہ حجت بالکل غلط ہے۔ ملزم نمبرا کے اپنے بیان سے جو اس نے ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء کو جو کہ مقدمہ ۴۲۰ تعزیرات ہند کی مسل میں ہے، اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس بیان میں اس نے تسلیم کرلیا ہے کہ سراج الاخبار ۶ و ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے مضامین شائع ہونے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ میرا وہ اعتبار اور یقین غلط تھا پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک سمجھ دار آدمی مزیل حیثیت عبارت اس اعتبار پر لکھے جو کہ چار ماہ پہلے ہی غلط ثابت ہو چکا ہو۔ پھر وہ آدمی کس طرح نیک نیتی کا دعوی کرسکتا ہے جس نے انہیں الفاظ پر جو زیر استغاثہ ہیں اکتفا نہ کر کے اپنی دشمنی کو صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے اور تین جگہوں میں کہتا ہے کہ وہ میرا سخت دشمن ہے اور اس کے علاوہ صفحہ ۱۳۰ مواہب الرحمٰن میں اور الفاظ بھی جو مزیل حیثیت میں استعمال کرتا ہے مثلاً شریر، جاہل، غبی، شقی، ملزم نمبرا اسی صفحہ کی اخیر سطر میں تسلیم کرتا ہے کہ مستغیث نے مجھے غصہ دلایا۔ علاوہ ازیں ملزم نمبرا نے شہادت کے اثناء میں مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند میں بیان کیا کہ میں مستغیث کو صرف اس وقت سے جانتا ہوں کہ جب کہ اس کو کمرۂ عدالت میں دیکھا۔ یہ موقع پہلی دفعہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام جہلم ہوا۔ اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ ملزم مستغیث سے اس تاریخ سے پہلے کوئی ذاتی واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو جو اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ ہے اس کو کیونکر معلوم ہوا کہ مستغیث لئیم، بہتان عظیم، الکذاب المہین تھا البتہ نبوت اور وحی کی طاقت سے

وہ اس بات کی واقفیت کا دعوی کرسکتا تھا لیکن ایسا بیان نہیں کیا گیا ثابت کرنا تو کجا رہا۔ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باہم دشمنی ہے اور ملزم کو دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند کی مستثنیات کے مفاد سے محروم ہوتا ہے۔ صفائی کا تیسرا عذر بھی پہلے عذر کے ساتھ خاک میں مل جاتا ہے۔ حسب تجویز بالا علاوہ ازیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ الفاظ زیر استغاثہ سراج الاخبار کے جواب میں لکھے گئے ہیں کیونکہ یہ الفاظ وہاں واقع ہی نہیں ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مستغیث اپنے علاقہ میں ایک معزز آدمی ہے اور یہ کہ مولوی ہے، عربی علم ادب اور علوم دینیہ کا فاضل ہے اور جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا مالک ہے اور حکام اس کی عزت کرتے ہیں۔ ایک مذہبی کتاب میں جو مسلمانوں کے استعمال کے واسطے چھاپی گئی ہے اس کو ایک ایسے آدمی کے طور پر ظاہر کرنا جو پیدائشی کمینہ ہو، بڑا ہی عادی جھوٹا ہو، بڑا بہتان لگانے والا۔ یہ ایک سخت قسم کا الزام ہے جس سے اس پر ہمیشہ کے لیے دھبہ لگتا ہے کہ وہ کمینہ اور بدچلن آدمی ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں الفاظ مزیل حیثیت استعمال کیے گئے ہوں اور جن سے ظاہراً جرم قائم ہوسکتا ہو تو ان کا چھاپنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ باہم دشمنی تھی جو اصول استثنا نمبر ۴ میں قائم کیا گیا ہے وہ مقدمہ ہذا کے متعلق نہیں بلکہ ایسے موقع پر عائد ہوسکتا ہے جہاں کہ الفاظ کے معنوں میں شک ہو۔ (جلد ۹ الہ آباد صفحہ ۴۲۰) تعزیرات ہند نیلسن صفحہ ۵۸۸) لیکن اس مقدمہ میں الفاظ استغاثہ کردہ کے معنوں کی بابت کوئی شبہ نہیں ہے۔ دفعہ ۴۹۹ کے بموجب صریح مزیل حیثیت ہیں اور یہ کہ جلدی یا غصہ میں لکھے گئے ہیں۔ ملزمان اس کے بالکل جواب دہ ہیں۔ پھر ضابطہ فوجداری کے صفحہ ۶۷۲۔۶۷۳ میں لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی تحریر چھاپے جو کہ درست نہ ہو جیسا کہ اس مقدمہ میں ہے تو قانون یہ خیال کرے گا کہ اس نے دشمنی سے ایسا کیا ہے اور یہ جرم ہوگا۔ یہ غیر ضروری ہے کہ اس بارے میں زیادہ ثبوت نیت کا دیا جاوے۔ تعزیرات ہند کے بموجب یہ خیال کیا جاوے گا کہ اس نے نقصان پہنچانے

کے ارادہ سے یا جان بُوجھ کر یا اس بات کا یقین کر کے کہ یہ مستغیث کی عزت کو ضرور نقصان پہنچائے گا ایسا کیا۔ مین صاحب اپنی تعزیرات ہند کے صفحہ ۸۷۶ پر بیان کرتا ہے کہ ہر ایک آدمی قیاس کیا گیا ہے کہ اپنے قدرتی اور معمولی کاموں کے نتیجہ کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر تشہیر کا میلان مستغیث کو نقصان دہ ہوا تو قانون خیال کرے گا کہ ملزم نے اس کے چھاپنے سے ارادہ کیا ہے کہ اس سے مستغیث کو نقصان پہنچے۔ پھر یہی مصنف صفحہ ۹۰۱ پر لکھتا ہے کہ کسی کی ذاتیات اور پرائیویٹ رائے رفاہ عام میں داخل نہیں۔ پبلک مین کے ثابت شدہ افعال پر رائے زنی کرنا یا سرکاری ملازم کی کارروائی پر سختی سے نکتہ چینی کرنا ایک اور بات ہے اور بدچلنی کے افعال کا اسے مجرم بیان کرنا ایک دوسری شے ہے۔ پھر رتن لعل رام چند واس اپنے قانون میں جو اس نے ٹائیس پر لکھا ہے اس کے صفحہ ۲۰۴ میں ذیل کے فقروں میں یہی لکھتا ہے کہ کوئی اشارہ کمینگی کا یا شریر منشا کا یا نا معقول یا بدچلن کا بغیر کسی بنیاد کے نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کوئی صفائی نہیں ہے کہ ملزم ایمان داری سے سچے طور پر یقین کرتا تھا کہ یہ الزام سچا ہے ایک نکتہ چین کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ مصنف کی رائے یا خیالات پر نکتہ چینی کرے لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی آدمی کے چال چلن پر ہتک آمیز ریمارک کرے۔ لعل چند اپنی تعزیرات ہند میں اس طور پر ذیل کی سطور میں لکھتا ہے کسی آدمی کے افعال اچھے ہوں یا بُرے اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جب تک کہ وہ اس پروا رد ہوں اور کسی کو حق نہیں ہے کہ ان کو لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ ہر ایک آدمی قانونی حق رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کے متعلق ہے اسی کے متعلق ہے خواہ وہ روپے ہوں یا خیالات ہوں خواہ اخلاقی افعال ہوں۔ آجرا اپنے لائبل اور سلینڈر میں صفحہ ۵۶ پر کہتا ہے اگر کوئی آدمی مستغیث کے ذاتیات پر بلا ضرورت حملہ کرے تو وہ جواب نہیں ہو سکتا۔ کونٹر چارج (Counter Charge) ہو جاتا ہے اور اگر مزیل حیثیت ہو تو لائبل (Liable) ہو جاتا ہے۔ ایک اخبار میں تشہیر کرنے کی طرز سے

نیک نیتی کا سوال پیدا ہوسکتا ہے اور ملزم کو ان مستثنیات کی حفاظت کے مفاد سے محروم کرسکتا ہے۔ ذیل کے اقتباس میں بیان کیا گیا ہے۔ نیلسن اپنی تعزیرات ہند کے صفحہ ۵۹۱ میں لکھتا ہے کہ ایک سچا الزام یا جھوٹا الزام لگایا جاوے یا چھاپ دیا جاوے جو پبلک کے فائدہ کے واسطے ہوتو وہ بھی بوجہ طرز تشہیر دراخبارات لکھنے والے کو مفاد مستثنیات سے محروم کرسکتا ہے اس صورت میں بھی کہ جبکہ یہ تشہیر مفاد عام کے لیے ہو یعنی یہ کہ عوام الناس کے ایک طبقہ کے مفاد کے لیے تو بھی مستثنیات اول کی رعایت کالعدم ہو جاتی ہے اگر واقعات مذکورہ کو متعلقین کی نسبت زیادہ وسیع دائرہ ناظرین تک وہ واقعات پہنچائے جائیں۔ ایسے رویہ سے یہ تجویز قرار پاسکتی ہے کہ بیان مذکور عوام الناس کے فائدہ کے لیے نہ تھا جن کے روبرو بیان مذکور پیش کرنا مطلوب تھا۔

لال چند اپنی تعزیرات ہند کے صفحہ ۶۳۶ میں اسی رائے کی تائید کرتا ہے جو حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کوئی بیان مزیل حیثیت عرفی کسی اخبار میں چھپوائے جیسا کہ مقدمات مدراس میں ہوا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بیان مذکور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے نیک نیتی سے مشتہر کیا گیا تھا جس سے کہ مستغیث کی حیثیت کو نقصان پہنچانا بے احتیاطی یا لاپرواہی سے نہ از روئے کینہ کے لکھا گیا تھا۔ مقدمات مدراس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جو طرز تشہیر کی اختیار کی گئی ہے وہ غیرضروری ہے اور اپنی رعایت قانونی سے بڑھ کر قدم مارا گیا ہے، اس لیے ملزم محفوظ نہیں۔ دیکھو مدراس جلد۵ صفحہ ۲۱۴ وجلد ۶ صفحہ ۳۸۱

اس رائے کی تائید جلد ۱۹ بمبئی صفحہ ۷۰۳ سے ہوتی ہے جہاں کہ یہ قرار پایا گیا ہے کہ تشہیر سے مفاد عامہ منظور نہ تھا کیونکہ اخبار میں تشہیر کی گئی تھی۔

مقدمہ ہذا میں جملہ ضروری اجزا جرم ازالہ حیثیت عرفی موجود ہیں۔ اتہامات سخت قسم کے لگا کر مستغیث کی چال وچلن پر مشتہر بایں ارادہ کیے گئے ہیں کہ اس کی حیثیت عرفی کو نقصان پہنچے۔ کھلے کھلے طور پر وہ بیانات مزیل حیثیت

عرفی ہیں اور ہم وطنوں کی نگاہ میں مستغیث کی قدر و منزلت کو ان سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور از راہ کینہ لگائے گئے ہیں اور ایک مذہبی کتاب میں جو عام مسلمانوں کے استعمال کے لیے ہے، مشتہر کیے گئے ہیں، نیک نیتی ان میں بالکل نام کو نہیں۔

القصہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ا نے ایک کتاب مواہب الرحمٰن تصنیف کی اور اسے مشتہر کیا۔ ملزم نمبر ۲ نے اسے چھاپ کر فروخت کیا۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو کتاب مذکور بمقام جہلم تقسیم کی گئی جہاں کہ مستغیث نے ملزمان کے برخلاف مقدمات کیے ہوئے تھے اور ان کی سماعت ہو رہی تھی۔ ملزمان بذریعہ وارنٹ وہاں حاضر ہوئے تھے اس کتاب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن کو سادہ سادہ معنوں میں اگر لیا جائے تو بھی مزیل حیثیت عرفی ہیں کیونکہ سخت قسم کے اتہام چال چلن مستغیث پر ان میں لگائے گئے ہیں۔ بروئے رعایات تشریح و مستثنیات دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند جو صفائی پیش کی گئی ہے وہ بالکل ناکام رہتی ہے بموجب سند کتاب آجر دربارہ لائبل صفحہ ۵ ایسے الفاظ قابل مواخذہ ہوا کرتے ہیں اگر وہ الفاظ جھوٹے اور مزیل حیثیت ہوں خواہ سہواً یا اتفاقیہ طور پر ان کی تشہیر ہو جائے یا خواہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سچا سمجھ کر ان کی تشہیر کی جائے۔ صفحہ ۱۸۴ کتاب مذکور میں مندرج ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک خط بدیں اختیار ملے کہ اس کی تشہیر کی جاوے تو تشہیر کنندہ بری از ذمہ نہ ہوگا اگر اسے کسی اخبار میں مشتہر کرے جبکہ الفاظ لائبل والے اس میں ہوں پس ثابت ہوا کہ ملزم نمبر ا مجرم زیر دفعہ ۵۰۰ اور ملزم نمبر ۲ زیر دفعہ ۵۰۱ و ۵۰۲ تعزیرات ہند ہے اور ان کو ان جرائم کا مجرم تحریر ہذا کے رو سے قرار دیا جاتا ہے۔ اب فیصلہ کرنا نسبت سزا کے رہا۔ مدعا سزا سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ مجرم کو بدلہ اس کے فعل کا دیا جائے بلکہ اس کو آیندہ کے لیے ایسے جرم سے روکنے کا منشا ہوتا ہے۔

صورت ہذا میں ایک خفیف جرمانہ سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ خفیف رقم جرمانہ کی موثر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی نہ ہوگی اور غالباً ملزم اسے محسوس نہ

کرے گا۔ ہر روز اسے بے شمار چندہ پیروؤں سے آتا ہے جو ملزم نمبر ا کے لیے ہر قسم کے ایثار کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں تھوڑا سا جرمانہ کرنے سے ایک خاص گروہ کو جو بے گناہوں کا ہے سزا ہوگی۔ دراصل اصلی مجرمان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑے گا۔ ملزم نمبر ا کی عمر اور حیثیت کا خیال کر کے ہم اس کے ساتھ رعایت برتیں گے۔ ملزم نمبر ا اس امر میں مشہور ہے کہ وہ سخت اشتعال دہ تحریرات اپنے مخالفوں کے برخلاف لکھا کرتا ہے اگر اس کے میلان طبع کو برمحل نہ روکا گیا تو غالباً امن عامہ میں نقص پیدا ہوا۔ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈگلس صاحب نے ملزم کو ہم چو قسم تحریرات سے باز رہنے کے لیے فہمائش کی تھی پھر ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس سے اقرار نامہ لیا کہ ہم چو قسم نقص امن والے فعلوں سے وہ باز رہے گا۔ نظر بر حالات بالا ایک معقول تعداد جرمانہ کی ملزم نمبر ا پر ہونی چاہیے اور ملزم نمبر ۲ پر اس سے کچھ کم۔ لہذا حکم ہوا کہ ملزم نمبر ا صما/۵۰۰ جرمانہ دے اور ملزم نمبر ۲ دو سو۔ ورنہ اول الذکر چھ ماہ اور آخر الذکر ۵ ماہ قید محض میں رہیں۔ حکم سنایا گیا۔

دستخط حاکم

۱۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء

مرزاجی کی اپیل

اگر چہ مرزاجی کا شان مسیحائی تو اس امر کا متقاضی تھا کہ وہ اپنی ان تکالیف مالی و بدنی کا جوان کو اس مقدمہ کے طفیل نصیب ہوئیں، بدلہ عالم عقبیٰ پر چھوڑ دیتے اور اپنے مصائب کا شکوہ بارگاہ احکم الحاکمین میں پیش کرتے۔ (کیونکہ یہ سب حادثات قدرت کی طرف سے ان کو حاصل ہوئے تھے) لیکن آپ وہ مسیح نہیں جن کا بھروسہ محض آسمانی عدالت پر ہو اور نہ آپ ان پاک نفوس سے ہیں جو ہر حال میں دکھ درد کے وقت یہ کہہ کر انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ معاملہ کو حوالہ باخدا کر دیا کرتے ہیں بلکہ یہ تو مجازی حکام کی عدالتوں کو ذریعہ حق الیقین سمجھتے ہیں اور اپنے تنازعات کو طردوہ الی اللہ و الرسول کے مصداق بنانے کے بجائے عدالت حکام مجاز کو ہی مرجع و مآب قرار دیتے ہیں۔ آخر کار آپ نے بعدالت مسٹر بری صاحب سشن جج بہادر۔۔۔ امرت سر ۵ نومبر ۱۹۰۴ء کو اپیل داخل کیا اور اپیل میں علاوہ دیگر عذرات کے بڑی عاجزی سے اپنی کبر سنی اور واجب الرحم جتا کر ان مصائب کا جو دوران مقدمہ میں آپ کو نصیب ہوئیں، شکوہ کیا اور اس بات کا بہت کچھ رونا روئے کہ صاحب مجسٹریٹ نے دوران مقدمہ میں ان کے بڑھاپے پر کوئی رحم نہیں کیا چنانچہ اور طرح طرح کی صعوبات میں مبتلا رکھ کر آخر کار ایک سنگین سزا بھی دے دی۔ اپیل کی آخری پیشی ۷ جنوری ۱۹۰۵ء کو قرار پائی۔ سشن جج نے مستغیث کو بھی نوٹس دے دیا تھا چنانچہ مستغیث اصالتاً اور ملزمان کی طرف سے مسٹر ہیچی صاحب ایڈووکیٹ و خواجہ کمال الدین صاحب وکیل پیش ہوئے۔ جانبین کی بحث سننے کے بعد صاحب سشن جج نے اپیل ملزمان منظور کیا اور واپسی جرمانہ کا حکم دیا۔ لیکن جو ذلتیں قدرت کی طرف سے مقدر تھیں وہ دوران مقدمات میں حاصل ہو چکی تھیں اور وہ کسی طرح واپس نہیں ہو سکتی تھیں نیز جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مرزاجی بموجب اپنی اصطلاح کے جو تریاق القلوب میں کئی سال پہلے اپنی قلم سے لکھ چکے تھے سزا کی منسوخی اور جرمانہ کی واپسی سے لفظ بری کے مصداق نہیں ہو

سکتے ہیں گو سشن جج اپنی اصطلاح میں ان کو بری ہی کیوں نہ لکھے۔ مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ بری وہ ہے جس کے ذمے جرم عائد نہ ہوا اور پہلے ہی مخلصی حاصل کر لے جس پر فرد جرم لگ گئی ہو وہ ہرگز بری نہیں کہلا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو مبرا کہہ سکتے ہیں۔ مقدمہ ہذا میں تو فرد جرم لگنے کے علاوہ سزا بھی ہو چکی تھی پھر مرزا جی کے مرید برخلاف تحریر مرشد جی (جو تریاق القلوب میں لکھی جا چکی ہے) کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا جی بری ہو گئے اور یہ ان کا ایک معجزہ ظاہر ہوا چونکہ فیصلہ اپیل کو قبل ازیں مرزائیوں نے کثرت سے چھاپ کر ملک میں شائع کر دیا ہوا ہے اس لیے اب یہاں درج کرنا تحصیل حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆
☆☆☆☆
☆☆☆
☆☆
☆

چوتھا مقدمہ:

ایڈیٹر الحکم کا مقدمہ

اب نمبر اس مقدمہ کا ہے جو شیخ یعقوب علی ایڈیٹر الحکم کی طرف سے بنام مولوی فقیر محمد و مولوی محمد کرم الدین ازالہ حیثیت عرفی کا تھا۔ جرح میں ان کی ذات کے متعلق بھی سوالات ہوئے تا کہ ان کی نسبی حیثیت کا پتہ ملے۔ آپ نے اپنے حلفی بیان میں اپنی ذات سے لاعلمی ظاہر کی اور لکھایا کہ نہیں معلوم میری قوم کیا ہے۔ یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ شیخ کیوں کہلاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ لکھایا کہ عام مسلمان کی حیثیت سے میں نے اپنے آپ کو شیخ لکھایا ہے نہ بلحاظ قومیت کے۔'' یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ کے والد کا نام چٹو ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے نہیں سنا کہ میرے باپ کا نام چٹو تھا۔ گواہان ڈیفنس میں آپ کے والد ماجد کو بھی بلوایا گیا تھا جن کے نام کا سمن اس پتہ پر تعمیل ہو کر آیا تھا؛

بنام چٹو ولد تا تا عرف سلطان بخش ذات میراسی ساکن جاڈلہ ضلع جالندھر

جب میاں چٹو کی گواہی شروع ہوئی تو انہوں نے اپنی عرف چٹو تسلیم کی اور ذات شیخ لکھائی حالانکہ یعقوب علی صاحب قوم شیخ ہونے سے انکار کر چکے تھے۔ جرح میں سوال کیا گیا کہ اگر آپ شیخ ہیں تو میراسی آپ کو کیوں کہا جاتا ہے چنانچہ سمن بھی اسی پتہ پر تعمیل ہوا تو اس کے جواب میں یہ وجہ ظاہر فرمائی کہ میرے ایک بزرگ نے میراسیوں کے گھر شادی کر لی تھی۔ اور بھی بہت بڑی جرح ہوتی رہی اور بہت طول طویل بیان ہوا۔ مقدمہ کی تحقیقات ہو کر مستغیث کی حیثیت صرف ایڈیٹری اخبار تسلیم ہوئی اور صاحب مجسٹریٹ نے مستغاث علیہما کو للعہ ۔ کا جرمانہ کیا جس کی نگرانی کی ہی نہیں گئی۔ اس مقدمہ کی ساری کارروائی نقل کرنے سے غالباً ناظرین کو کوئی دل چسپی نہ ہوگی۔ خلاصہ یہی ہے جو ہم نے لکھ دیا جو اہم بیانات وغیرہ اس مقدمہ میں ہوئے ہیں۔ (مثل بیان مرزا غلام احمد گواہ صفائی وغیرہ) وہ تیسرے مقدمہ کی کیفیت میں درج ہو چکے ہیں۔ دیگر بیانات کی نقول درج کرنا بے سُود طوالت سمجھ کر ترک کیا جاتا ہے۔ اب روئداد مقدمات ختم ہوگئی۔

و اخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

خاتمہ کتاب از خاکسار محمد کرم الدین عفی عنہ

پہلے ہم اس قادر ذوالجلال رب مستعان کا ہزار ہزار شکریہ بجالاتے ہیں جس نے اس عظیم الشان معرکہ میں ابتدا سے انتہاء تک محض اپنے فضل وکرم سے ہماری مدد کی۔ مرزائی لشکر نے اپنی پوری طاقت سے ہم پر دھاوا کیا اور ان کے نقطۂ خیال میں تھا کہ ہم پل کے پل میں ان کو نیست ونابود کر دیں گے لیکن ہمارے قادر وقدیر مولیٰ ذات کبریائی نے ان کے اس پندار وغرور کو آخر خاک میں ملا دیا اور اپنے ضعیف اور ناتواں بندگان کو وہ ہمت و استقلال بخشا کہ کسی مرحلہ میں بھی ہمارا حوصلہ پست نہ ہوا اور ہر ایک میدان میں زبردست حریف ہمارے مقابلہ میں منہ کے بل گرتا رہا۔ ابتدا میں جب یہ معرکہ شروع ہوا تو مرزائی جماعت کی طاقت اور ان کے اتفاق اور ان کی لاف وگزاف کو سن کر ہر ایک شخص ہمیں خوف دلاتا تھا کہ مقابلہ بہت مشکل نظر آتا ہے۔ تمہارا دشمن بہت قوی ہے اس کے پاس مال وزر وافر ہے، ان کی جماعت میں قابل تعریف اتفاق ہے۔ قانون پیشہ اصحاب (وکلاء بیرسٹر) ان کے اپنے گھر کے ہیں۔ ڈپٹی، جج، وکیل وغیرہ ان کے فدائی اور حلقہ مریدین میں داخل ہیں۔ اس وقت ہماری طرف سے یہی جواب ہوتا تھا کہ

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر است

اگر خدا کو منظور ہے تو دنیا دیکھ لے گی کہ مقابلہ یوں ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آخر ایسا ہی ہوا کہ مخالف کو معلوم ہو گیا کہ

عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

چھیڑ تو بیٹھے تھے لیکن اخیر میں اپنے منہ سے کہتے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ ہم یوں خراب ہوتے ہیں تو مقدمہ بازی کا نام تک نہ لیتے۔ بہر حال یہ محض تائید ایزدی تھی ورنہ ہم کیا تھے اور ہماری طاقت کیا۔ ہم ایزد متعال کی اس عنایت اور مہربانی کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتے ہیں

اگر ہر موئے من گردو زبانم
ادائے شکر مولیٰ کے توانم

اس کے بعد ہم ان مخلص احباب و اعوان اور مہربانوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس نازک وقت میں محض اخوت اسلامی سے ہم سے ہمدردی کی اور حتی الوسع قلبی جانی اور مالی معاونت سے دریغ نہ فرمایا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

چونکہ فریق مخالف کے جانباز مرید اس موقع پر روپیوں کا مینہ برسا رہے تھے اور ہر طرف سے ہزاروں کی تعداد میں ان کو دھڑا دھڑ درہم و دینار آ رہے تھے اس لیے ہم اپنی اکیلی مالی طاقت سے ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے لیکن پھر بھی ہم نے کسی صاحب کے سامنے دست سوال دراز ہرگز نہ کیا اور جو کچھ اپنے پاس تھا اس کو بے دریغ خرچ کرتے رہے لیکن خدائے کریم نے بعض ہمدردان اسلام کے دلوں میں تحریک پیدا کر دی وہ بدوں ہمارے کہنے کے ہماری مدد کرنے لگے اور جس طرح سے ہو سکا انہوں نے ہماری معاونت کی۔ ذیل میں چند حضرات کا بالخصوص تذکرہ کر کے باقی تمام ان حضرات کا جنہوں نے ہم سے ہمدردی فرمائی، ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سلطان راجہ جہاں داد خان صاحب سی آئی ای

راجہ صاحب ممدوح الشان جن کے نام نامی سے اسلامی دنیا عموماً واقف ہے اور جو بلحاظ حسبی و نسبی فضائل کے مستغنی عن التعریف والتوصیف ہیں۔ آپ دنیوی اقتدار کے رو سے ممتاز زمانہ ہونے کے علاوہ علمی کمالات میں بھی اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں خصوصاً علم عربی میں آپ کو پوری مہارت حاصل ہے۔ قرآن کریم کے نکات اور معارف بیان کرنے لگیں تو سننے والے کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ مسلمان رؤسا میں سے میں نے علوم عربیہ کا ایسا کوئی فاضل پنجاب میں نہیں دیکھا۔ یہی باعث ہے کہ آپ اہل علم کی قدر کرتے ہیں اور علمائے دین کی تعظیم فرماتے ہیں۔ اوائل میں جب مرزا جی نے اپنی چند کتابیں تائید اسلام میں شائع کیں اور اپنا دعویٰ صرف ملہمیت مجددیت تک محدود رکھا تو راجہ صاحب کو مرزا جی سے حسن ظن تھا اور انہوں نے ان کو بہت کچھ مالی امداد بخشی تھی۔ مرزا جی بھی اس زمانہ میں آپ کے مداح تھے اور اپنی چند تصانیف میں ان کو "ملھم من اللہ" مانتے رہے لیکن راجہ

صاحب نے جب مرزا جی کا دعوی رسالت ونبوت ان کی بعض مصنفات میں کھلے طور سے لکھاہوا دیکھا تو فوراً کہہ اٹھے کہ انا بری منه و من معتقداته۔اس وقت سے آپ مرزا جی کے دعاوی سے سخت متنفر ہیں۔ جناب ممدوح کو ہمارے خاندان سے خاص محبت و شفقت ہے اور ہم پر ہمیشہ نظر عنایت رکھتے ہیں۔ میرے فاضل بھائی مولانا ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی مرحوم سے آپ کو خاص محبت تھی اور مرحوم کے کئی ایک عربی فارسی قصائد میں آپ کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔اس وقت مرحوم کے خلف الصدق عزیز مولوی فیض الحسن صاحب طال عمرہ جودارالعلوم نعمانیہ لاہور میں تعلیم پاتے ہیں۔راجہ صاحب کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان کو بھی کافی مدد پہنچتی رہتی ہے۔

ممدوح الصدر کی طرف سے ہمیں سب سے بڑھ کر مقدمات کے اثناء میں مالی مدد پہنچتی رہی اور نیز آپ کے قابل قدر مشوروں سے ہم مستفید ہوتے رہے۔ہم صاحب ممدوح کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کافی الفاظ نہیں پاتے۔رب العزت سے یہی دعا ہے؛

اللّٰھم ابد اقباله و احفظ اله و عياله

مسلمانان جہلم

ہم مسلمانان جہلم کے مشکور ہیں کہ انہوں نے اس موقعہ پر جبکہ جہلم میں مقدمہ شروع ہوا تھا۔ ہر طرح سے ہماری مدد کی اور ہمدردی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔وکلاء میں سے حاجی شیخ محمد الدین صاحب پلیڈر اور چوہدری سلطان محمد خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء ہماری طرف سے بلافیس پیش ہوئے اور اسلامی ہمدردی کا ثبوت دیا۔گواخیر میں صاحب موخر الذکر مرزائی پارٹی کے بعض ذی اثر اصحاب کی پاس خاطر کے لیے بیچ میں سے کھسک گئے لیکن تاہم ہمیں ان کی عنایت کا اعتراف ہے۔ایسا ہی لالہ ہر بھگوانداس صاحب وکیل باوجود ہندو ہونے کے ہمارے پورے معاون رہے اور جب تک جہلم میں مقدمات رہے بڑی سرگرمی سے پیروی فرماتے رہے اور آپ کے قانونی مشورات سے ہمیں بعد میں مدد پہنچتی رہی۔گو آپ نے ہم سے فیس لے کر پیروی مقدمات کی لیکن ان کی محنت اور توجہ

بمقابلہ اس فیس کے بہت زاید تھی اور ہم ان کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مسلمانان لاہور

لاہور کے مسلمانوں پر ہمیں بہت کچھ بھروسہ تھا اور امید تھی کہ دارالخلافہ پنجاب کے مسلمان اس موقعہ پر ہم سے پوری ہمدردی دکھائیں گے لیکن افسوس کہ ہمارا خیال صحیح ثابت نہ ہوا۔ لاہور کے مسلمانوں نے ہم سے کوئی ایسا سلوک نہ کیا جس سے ہم ان کا خاص شکریہ ادا کریں چونکہ ہمارے بھائی فیضی مرحوم جن کی وجہ سے مقدمہ کی بناء شروع ہوئی تھی انجمن نعمانیہ لاہور کے ہمیشہ معاون رہے تھے اس لیے انجمن سے بہت کچھ توقع تھی کہ اس مقدمہ میں ہماری اعانت فرمائے گی لیکن انجمن کے ارکان نے بہت سرد مہری دکھائی جس کا افسوس ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گا۔ انجمن موصوف کے روح رواں خلیفہ تاج الدین احمد صاحب وکیل [۷۸] سے عرض کیا کہ آپ لاہور میں یا گورداسپور میں چل کر ہمیں کوئی قانونی مدد دیں لیکن جواب خشک ملا۔ مولوی محرم علی چشتی مختار عدالت [۷۹] بھی ہمارے قدیمی کرم فرما تھے ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بجز نقد کے قانون پیشہ حضرات سے امداد کا متوقع ہونا

ایں خیال است و محال است و جنوں

آخرار بعون نذر مقرر ہوئی اور کام صرف یہ تھا کہ درخواست التواء مقدمات عدالت میں دی جائے کہ ہم درخواست انتقال مقدمات عدالت عالیہ چیف کورٹ میں کریں گے۔ ان میں سے عشرہ کاملہ نذر کر دیا گیا۔ جب ہم گورداسپور میں پہنچے تو وہاں کے وکلاء نے جن کا ذکر آگے آئے گا فرمایا کہ چشتی صاحب کو اس کام کے لیے تکلیف نہ دیجیے یہ کام ہم مفت کر دیں گے۔ پس ہم نے چشتی صاحب کو تار دے دیا کہ آپ تشریف نہ لاویں۔ اب جب کبھی حصول نیاز کا موقع ملا کرتا ہے تو آپ ہم پر پہلے ہی یہ احسان ظاہر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے بہت کچھ تیاری کر لی تھی اور عشرہ پر ہی اکتفاء کیا۔

ہاں ایک مرد خدا ملا محمد بخش مالک اخبار جعفر زٹلی اخیر تک ہمارا غم خوار و ہمدرد رہا اور جہاں تک اس کی طاقت میں تھا اس نے اپنی سعی میں فرق نہ رکھا۔ جزاہ اللہ خیرا الجزاء

ایسا ہی مولوی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار [۸۰] کے بھی مشکور ہیں کہ آپ اثناء مقدمات میں روئیداد مقدمہ جہاں تک ان کو پہنچتی رہی من وعن صحیح صحیح چھاپتے رہے۔ گو آخری موقع پر ایک مرزائی ڈاکٹر کے لحاظ سے نتیجہ پر ریمارک کرنے سے آپ بالکل خاموش رہے لیکن ہم پھر بھی آپ کی عنایات کے مشکور ہیں۔

مسلمانان گورداس پور

ہم گورداسپور کے مسلمانوں کی مہربانی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے کہ انہوں نے ہم سے بہت اچھا سلوک کیا اور ہم باوجود مسافرت کے گورداسپور میں وطن سے زیادہ با آرام رہے۔ ابتداء میں جب مقدمات جہلم سے منتقل ہو کر گورداسپور میں گئے تو ہمارے دلوں کو سخت تشویش تھی کہ اس قدر دُور دراز مسافت پر جانا ایک سخت مصیبت ہے اور ہمارے فریق مخالف کو ہر طرح سے وہاں امن وآرام حاصل ہوگا لیکن گورداسپوریوں نے ہم سے وہ حسن سلوک کیا کہ ہم کو گھر سے بڑھ کر وہاں آرام وراحت معلوم ہوتی تھی اور مرزائی پارٹی کو وہاں اس قدر تکالیف کی شکایت تھی کہ الحکم کو اخبار میں لکھنا پڑا کہ مکان تک ان کو وقت سے کرایہ پر ملا۔ جناب میر احمد شاہ صاحب وکیل بٹالہ اور شیخ نبی بخش صاحب وکیل گورداسپور نے اسلامی اخوت کا وہ نمونہ دکھایا کہ مدت العمر ہمیں یاد رہے گا۔ صاحب مقدم الذکر اپنے خرچ پر گورداسپور جاتے رہے اور بلا فیس وغیرہ پیروی کرتے رہے۔ ایسا ہی صاحب موخر الذکر اپنے سب مقدمے چھوڑ کر بلا فیس ہمارے مقدمات میں کئی کئی سالم دن اجلاس عدالت میں گزارتے۔ الغرض دونوں حضرات نے قانون پیشہ اصحاب کے زمرہ میں داخل ہو کر مروت واحسان کا ایک اعلیٰ نمونہ دکھایا باوجودیکہ ہم سے کسی قسم کا سابقہ تعارف نہ تھا کسی قسم کے طمع اور فائدہ کی توقع نہ تھی لیکن ہمیں غریب الوطن سمجھ کر صرف للّٰہی ہمدردی دکھائی۔ ہم ان کی عنایات کا کسی طرح سے بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

ایک اور صاحب لالہ مولامل صاحب وکیل نے بھی ہماری بہت مدد کی اور صرف برائے نام فیس پر پیروی مقدمات میں انہوں نے کمال سرگرمی دکھلائی، خدا ان کو خوش رکھے۔ ایک صاحب خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ایجنٹ شیخ علی احمد صاحب وکیل نے جو کچھ ہم

سے ہمدردی کی اس کا شکریہ ہم سے ادا نہیں ہوسکتا۔ ہماری جماعت کے جس قدر اشخاص ہوتے تھے سب کے لیے کھانا پکانے کی تکلیف آپ کے ذمہ تھی اور چار پائیاں بستر وغیرہ کا سارا انتظام ان کے سپرد تھا اور بھی کئی تکالیف ان کے ذمہ تھیں لیکن اس جواں مرد نے اس کام کو ایسی خوبی سے اخیر تک نباہا کہ بایدو شاید۔ جزاہ اللہ خیرا

اور دو صاحبان مولوی اللہ دتا وعلی محمد خیاط سوہل ضلع گورداسپور کی ہمدردی کے بھی ہم مشکور ہیں جتنا عرصہ مقدمہ رہا آپ اپنا سب کام چھوڑ وہاں ہی رہے اور حتی الوسع ہمارے مدد ومعاون بنے رہے۔ اے خدا تو ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ایک مولوی صاحب مولوی عبدالسبحان صاحب ساکن گلیانہ ضلع گجرات جو مسانیاں تحصیل بٹالہ میں معلم سادات کرام تھے ان کی مہربانیوں کا شکریہ ہم ہرگز ادا نہیں کر سکتے سب کاروبار چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہے اور اخیر تک رفاقت کو نباہا۔ ہم عمر بھر میں ان کو یاد رکھیں گے۔ جزاہ اللہ رب الجزاء

علاوہ ازیں گورداسپور کے تمام ہندو اور مسلمان اصحاب نے ہم سے پوری ہمدردی دکھائی، تمام ادنی و اعلیٰ ہمارے خیر خواہ تھے اور سب کی زبان پر یہی دعا تھی کہ خدا تم کو کامیاب کرے۔ اگرچہ وہ زمانہ گزر گیا لیکن گورداسپوریوں کی محبت کا اثر ہمارے دلوں سے کبھی زائل نہ ہوگا۔

توجہ مشائخ کرام

ہمارے اصلی معین و مددگار ہمارے حضرات مشائخ عظام تھے۔ حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کی خاص توجہ ہمارے شامل حال تھی اور آپ ہی کی دعا و برکت سے ہمارے جملہ مراحل کامیابی سے طے ہوتے رہے۔ ابتداء میں جب مقدمات شروع ہوئے تو میں حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ اب دعا کا وقت ہے۔ دوسری طرف سے ہر قسم کے منصوبے قائم ہو رہے ہیں اور ادھر مرزا جی کو یہ بھی دعوی ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ان کے مخالف تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات سے تم بالکل بے فکر رہو ان شاء اللہ تم کامیاب ہو گے اور مرزا

جس قدر زرزور خرچ کرے اس مقابلہ میں ہزیمت ہی اٹھائے گا میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک یہ معرکہ رہے ایک خاص وقت دعا کے لیے مخصوص رہے گا اور حق تعالیٰ سے نصرت و کامیابی کی دعا کی جایا کرے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایسے ایسے مشکل معرکے پیش آئے کہ ہر طرح سے مایوسی کا سامنا نظر آتا تھا لیکن حضرت پیر چشتی مدظلہ کی کرامت اپنا ایسا کرشمہ دکھاتی تھی کہ عقل حیران رہ جاتی تھی جس وقت مرزا جی جماعت کے بعض اشخاص حضرت والا کی اطلاع یابی سمن شہادت پر کرا کر لے گئے تھے مرزائی اچھلتے کودتے پھرتے تھے کہ دیکھو پیر گولڑہ عدالت میں حاضر ہونے سے کس طرح بچ سکتا ہے لیکن آپ کو خدا نے حاضری عدالت کی تکلیف سے بالکل محفوظ رکھا حالانکہ مرزائیوں نے اس کے متعلق ناخنوں تک زور لگا لیا۔ کیا یہ پیر چشتی کی ایک روشن کرامت نہیں ہے؟ ایسا ہی دیگر مراتب میں بھی مرزائی جماعت کو ناکامی حاصل ہوتی رہی۔ ہم حضرت اقدس پیر صاحب مدظلہ کی اس باطنی توجہ کے کمال مشکور ہیں اور دعا ہے کہ ایزد تعالیٰ آپ کے ظل فیض کو دیر تک ممدود رکھے۔

ایک دوسرے حضرت اہل کمال جناب مولانا مولوی فتح محمد صاحب ساکن جنڈی شریف ضلع گورداسپور تھے (جن کا افسوس کہ اب انتقال ہو گیا ہے) آپ فی الواقع ایک خدا رسیدہ اہل باطن کامل بزرگ تھے۔ آپ کی صحبت سے ایسی لذت اور حظ حاصل ہوتا تھا کہ تمام لذات دُنیوی اس کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتی تھیں۔ آپ علاوہ ظاہری علوم میں متبحر ہونے کے باطنی علوم (تصوف۔ سلوک) کے ایک دریا تھے۔ ایسے ایسے نکات اور معارف بیان فرماتے تھے کہ سن کر دل کو وجد ہوتا تھا۔ گورداسپور کے نواح کے لوگ تو آپ کی ذات والا پر فدا تھے اور بھی دُور دراز اضلاع سے لوگ کثرت سے آ کر آپ کے فیض سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ کو ہمارے حال پر خاص توجہ تھی اور ہمیشہ دعا فرماتے تھے۔ آپ کی طرف سے ہمیں مالی امداد بھی معقول ملتی رہی۔ خدا حضرت مغفور کو غریق لجۂ رحمت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو برکت کثیر بخشے۔ اس وقت آپ کے جانشین خلیفہ مولوی محمد شاہ صاحب ہیں جو بہت بابرکت بزرگ ہیں۔

اب کتاب ختم ہوئی۔ ایزد منان سے دعا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ہماری ساری

خطاؤں کو بخش دے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔

اللّٰھم احفظنا من حوادث الزمان وامتنا علی الایمان واحشرنا یوم البعث فی زمرۃ اھل الحق والایقان و علیک التکلان فی کل حین و آن

تمت بالخیر

☆☆☆☆☆
☆☆☆
☆☆
☆

ضمیمہ سراج الاخبار

رسالہ

تازیانہ نقش بندی ربّانی بتردید حملۂ قادیانی

از

حکیم مولوی عبدالرسول صاحب ابن مولوی محمد قمرالدین صاحب

ساکن بکھر ضلع شاہ پور[۸۱]

خادم حضرت بیربل شریف ضلع شاہ پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد اللہ العلام و نصلی علی رسولہ سید الانام و علی الہ و اصحابہ البررۃ الکرام.

امابعد۔ اخبار الحکم قادیان مطبوعہ ۱۰ مئی ۱۹۰۶ء میں ایک مضمون بعنوان (نقشبندیوں پر اتمام حجت) لکھا گیا ہے جس شخص کا نام مضمون کے نیچے لکھا گیا ہے اس کو اس قدر استعداد نہیں ہے کہ وہ مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو اچھی طرح سمجھ سکے اور ان سے مضامین مقصودہ کے دلائل پیش کر سکے۔ بہر حال وہ مضمون یا خود مرزا نے لکھا ہے یا اس کی کمیٹی نے جو اس کام کے لیے مقرر ہے مل کر تحریر کیا ہے۔ مضمون کو غور کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے چاروں نے اس مضمون کے سوچنے میں بڑی جانفشانی سے کام لیا ہے اور مدت دراز اس میں صرف کر کے اپنے وقت کا ستیاناس کیا ہے۔ تعجب انگیز یہ بات ہے کہ بیس پچیس برس کے بعد ان کو نقشبندیوں کے عیوب نظر آئے ہیں۔ پہلے ان کا کبھی خیال تک نہیں کیا تھا۔ مرزا نے اس مضمون میں ایک دانائی ضرور کی ہے کہ ایسے ہفوات اور خرافات کو جن سے انسان میں ایمان کی بُو مطلق نہیں رہتی ایک اور شخص کی طرف منسوب کر دیا۔ مضمون مذکور ایک عجیب حیرت انگیز مضمون ہے کہ جس میں مضمون نگار نے سلب ایمان اور خلاف ورزی قرآن کی کچھ پروا نہیں کی اور نہ یہ خیال کیا ہے کہ پہلے میں نے کیا لکھا ہے اور پیچھے کیا لکھ رہا ہوں۔ (دروغ گورا حافظہ نباشد)

خلاصہ مضمون کا یہ ہے کہ نقشبندی ایک فرقہ ہے جو متبع سنت ہونے کا مدعی ہے اور چونکہ وہ وصول الی اللہ کے لیے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو اپنے دل پر جماتے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کبھی اللہ کا نام لینے کے لیے نہیں کہا تھا اس لیے وہ متبع سنت نہیں ہیں اور جو انہوں نے قلب روح وغیرہ لطائف ذکر کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں یا اس طرح ذکر کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اور صرف نماز ہی انسان کو مدارج کمال پر پہنچا دیتی ہے۔ نماز کے بعد اللہ کے نام لینے

کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قلب کے ساتھ اللہ کا نام لینا نا جائز ہے۔ (واہ رے مسلمانی) اور واذکراسم ربک سے قیام اللیل مراد ہے اور اذکروا اللہ ذکرا کثیرا سے مراد اقوال افعال کو حکم خداو سنت نبوی کے موافق کرنا ہے اور زبان سے اللہ اللہ کا وظیفہ پڑھنا ذکر کثیر نہیں ہے اور نبض وجگر سے بولنے کا کام لینا خلاف فطرت ہے اور لوگ زبان سے لا الہ الا اللہ کرنے کو نجات ابدی سمجھتے ہیں حالانکہ جب تک دل سے مسلمان نہ ہوں اسلام ٹھیک نہیں ہوتا۔ (عجب متضاد باتیں ہیں کہ پہلے دل سے ذکر کرنا ناجائز کہا گیا ہے اور یہاں صرف زبان سے ذکر لا الہ الا اللہ کہنا تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ۔۔۔۔اور جوابات ذکر اللہ سے نقشبندیوں کو ہوتی ہے وہ مسمریزم والوں کی طرح محض خیال سے ہے۔ اللہ کا ذکر کرنا بالکل لغو اور بے سُود ہے اور ایک نیا مرسل (یعنی غلام احمد قادیاں والا) پورا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے والا ہے کیونکہ اس نے کوئی طریقہ وصول الی اللہ کا نہیں نکالا (یعنی اس کو وصول والے اللہ کی کوئی غرض نہیں) وہ صرف نماز پڑھتا ہے اور اس کو اسی میں لذت آتی ہے (یہ صرف زبانی دعوی ہے) اور جس کو نماز میں لذت آوے وہ کئی گھنٹہ نماز میں لگا دیتا ہے (مرزا کے دیکھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ بالکل معمولی آدمیوں کے برابر نماز میں دیر لگاتا ہے اور جماعت کا ہرگز پابند نہیں بلکہ بسا اوقات تارک الجماعة ملعون کا مصداق ہے اور جو منازل تصوف طے کر چکے ہیں ان میں غصہ باقی ہے اور ان کے اخلاق میں تبدیلی نہیں ہوئی (مرزا کے اخلاق میں تو خوب تبدیلی ہوگئی۔۔۔اور۔۔غصہ بھی نہیں رہا مگر عدالتوں میں ذراسی بات کے لیے دعوی فوجداری کر دیتے ہیں اور ذلت اٹھاتے ہیں جیسا کہ مولوی کرم الدین صاحب پر مقدمات کرنے سے بخوبی ظاہر ہے۔) اور یہ لوگ یعنی نقشبندی وغیرہ ہر وقت نماز نہیں پڑھتے اور نہ نماز کو دل منور کرنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں بلکہ اوراد و وظائف میں باقی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ (بے شک صوفی لوگ بقول آپ کے اللہ اللہ اور دیگر وظائف میں اوقات ضائع کر دیتے ہیں مگر مرزا اور اس کے مریدوں کی طرح لغو تحریرات اور اخبار نویسی اور خلق اللہ کی عیب جوئی اور چندہ مانگنے اور منارة المسیح وغیرہ عمارات کے خبط اور بے فائدہ چھیڑ چھاڑ اور گالی گلوچ میں وقت کا ستیاناس نہیں کرتے) اور

ذکر بے رابطہ یعنی تصویر بت پرستی ہے اور برہمنوں کی بت پرستی سے کچھ کم نہیں (لعنة اللّٰه علی الکاذبین) اور مرزا کادیانی کے فلاں فلاں دعاوی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے فلاں فلاں قول کے مطابق ہیں۔ بعد ازاں تحریر کو لغو طول دے کر مرزا کے مجدد ہونے کے چند دلائل پیش کیے گئے ہیں جو مضمون نگار نے اپنے خیال کے مطابق گھڑے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ جو کرامت دکھاتے ہیں اور پیش گوئی کرتے ہیں اس کو قبل از وقت شائع کرتے ہیں اور للکار کر کہتے ہیں کہ اگر کسی سے ہو سکتا ہے تو اس کو رد کرے (ہاں پیش گوئیاں تو کرتے ہیں مگر پوری ایک بھی نہیں ہوتی ہے ہم ان شاء اللہ تفصیلاً بیان کریں گے اور۔۔۔ پیش گوئیوں سے تو جو زلزلوں کی نسبت کی گئی تھیں ہر ایک شخص آگاہ ہے کہ مرزا کے مرید بے چارے ساری ساری رات مع اسباب۔۔۔ سے باہر رہ کر سردی سے ہلاک ہوتے رہے اور کوئی زلزلہ نہ آیا حالانکہ مضمون نگار پہلے امام ربانی صاحب کے اقوال سے ثابت کر چکا ہے کہ بزرگ کو کرامت نہیں دکھانی چاہیے) اور مرزا صاحب نے کوئی طریقہ وظیفہ یا طریقہ ذکر اللہ نہیں وضع کیا (بے شک چندہ مانگنے اور مال جمع کرنے اور مریدوں کو لوٹنے اور اخبارات و رسائل مصنفہ خود کی دو چند سہ چند قیمتیں لگا کر روپیہ جمع کرنے کے طریقے خوب وضع کیے ہیں) کتنے ہیں (مرزا کے مرید) جو الہامات و مکشوفات سے مشرف ہیں (سبحان اللہ پہلے تو صرف مرزا کو الہام ہوتا تھا اب مریدوں کو بھی ہونے لگا۔ مرزا کی کشف تو کبھی کوئی صحیح نکلی نہیں اور نہ گوز شتر سے زیادہ وقعت رکھتی ہے شاید کسی مرید کی نکل پڑے) بے شک مجدد صاحب نے بدعات کا قلع قمع کر دیا جو سلسلہ فقراء میں تھیں یا کم از کم اپنی جماعت کو ان سے بچالیا اور مجدد صاحب پر آفتاب نبوت کا پرتو اتنا پڑا جتنا دسویں کے چاند پر پڑتا ہے اور ہمارے مرزا پر چودھویں کے چاند کے۔۔۔۔ پڑا (دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پہلے تو مجدد صاحب کے وظائف وغیرہ کو بدعت سیئہ اور امورات ناجائز قرار دیا اور تصور شیخ کو بت پرستی کے برابر کہا اور اب مان لیا ہے کہ مجدد صاحب پر آفتاب نبوت کا پرتو دسویں چاند کے برابر پڑا تھا۔ انتہی ملخصاً

یہ خلاصہ جو میں نے لکھا ہے محض اس واسطے ہے کہ شاید ناظرین میں سے بعض کے

پاس وہ مضمون نہ پہنچا ہو اور وہ اس تردید کے پڑھنے پر متردد رہیں۔ اب ہم قبل اس کے کہ مضمون مذکور کی پورے طور پر تردید کریں مرزا کی نبوت کاذبہ کا ایک مختصر نمونہ دکھلاتے ہیں اگرچہ اس کی نبوت کی قلعی اہل حق نے اچھی طرح کھول دی ہے اور اس کے حالات سے عام آدمی بخوبی واقف ہوگئے ہیں مگر ہماری یہ تحریر بھی خالی از فوائد نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ہر گلی را رنگ و بوئے دیگر است

بیس (۲۰) سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہوگا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نسبت مختلف دعاوی قائم کرتے کرتے آخر اپنے نبی مرسل ہونے تک نوبت پہنچائی اور اب بھی ایک بات پر استقلال نہیں۔ ہندوؤں کے لیے مثیل کرشن بن جاتے ہیں، سکھوں کے لیے مثیل نانک، عیسائیوں کے لیے مثیل مسیح، یہودیوں کے لیے مثیل موسیٰ، مسلمانوں کے لیے مثیل محمد۔ بلکہ خود بخود اپنا محمد ہونا بیان کیا ہے اور مسلمانوں کے متعدد فرقوں کے لیے ان کے پیشواؤں کے القاب بھی اپنے ساتھ لگا دیے ہیں مثلاً مجدد، مہدی، امام وغیرہ اور غرض یہ ہے کہ جس فرقہ کو جس ڈھنگ سے ورغلان کیا جا سکتا ہے وہی ڈھنگ اختیار کر لیا جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب سب کچھ بنے اور سب رنگ اختیار کیے اور نبوت اور رسالت تک اپنی نوبت پہنچائی اور عرصہ دراز اس کوشش میں صرف کیا۔ ہر قوم کے پیشواؤں کی عیب چینیاں کیں، ہر قوم کے پیشواؤں پر اپنی فضیلت ثابت کی، ہر قوم کو جھوٹا قرار دیا۔ آخر نتیجہ کیا نکلا اور کام کیا کیا اسلام کو جس کی حمایت کا دعویٰ ہے کیا فائدہ پہنچایا، اپنا مطلب کہاں تک سنوارا۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے مدت دراز کی تکلیف اور محنت سے مرزا صاحب نے بجز اس امر کے کہ اپنی ایک کمیٹی قائم کی چند آدمی اپنے مرید بنائے اپنے مکان وغیرہ خوب بنائے، کتابیں بنا بنا کر دو چند سہ چند قیمتیں لگا کر اپنا روپیہ جمع کیا اور کچھ نہیں کیا دقیق نظر سے دیکھا جائے تو ان کی غرض بھی یہی معلوم ہوتی ہے اور بے چارے ساری تکلیف بھی اسی واسطے اٹھا رہے ہیں۔ اسلام کو تو ان کی کارروائی سے نقصان ہی پہنچا ہے بلکہ جس قدر اسلام کو انہوں نے بدنام کیا ہے اس قدر کسی مرتد نے بھی بدنام نہیں کیا تھا جو کچھ انہوں نے کیا ہے اور کر رہے ہیں محض عطائے دُنیوی کے واسطے سے ہے۔ حمایت اسلام کا

تو صرف نام ہی نام ہے جب اپنے مذہب کے لیے آسمانی تائید بیان کی جاتی ہے اور بڑے بڑے لمبے چوڑے دعوی کیے جاتے ہیں تو ان کا کوئی اثر دکھانا چاہیے تھا۔ بڑا زور اسی پر دیا جاتا ہے کہ آج فلاں شخص کو مرزا نے اپنا مرید کرلیا۔ آج فلاں شخص کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ فرض کرو کہ بنا ہی لیا تو ہوا کیا اور قومیں بھی غیر مذاہب کے آدمیوں کو اپنے ساتھ شامل کرتی جاتی ہیں اور مرزا صاحب نے اگر مرید بنائے ہیں تو بے چارے چند بھولے بھالے مسلمان ہی بنائے ہیں اور وہ بھی ایسے جن میں سے اکثر پہلے ہی غیر مقلد بنے ہوئے تھے اور پہلے سے ہی ان کے خیالات مشتت تھے اور بعض ایسے جو بے چارے انگریزی پڑھ کر پہلے ہی بدخیال ہو چکے تھے اور ان کو اصول فقہ سے کچھ واقفی ہی نہ تھی اور اب بھی اگر مرید ہورہے ہیں تو ایسے لوگ ہی ہورہے ہیں۔ ہم نے کوئی پورا دانا اور عالم متبحر مستقل اس کے مذہب میں داخل ہونے والا نہیں دیکھا جن لوگوں کو اچھی عقل تھی اور کسی دھوکہ سے اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ وہ بھی اب مرزائی عقائد سے توبہ کررہے ہیں چنانچہ حال میں ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب ساکن پٹیالہ کی توبہ اخباروں میں شائع ہوئی ہے اگر مرزا صاحب مسلمانوں کے سوائے اور مذہب کے لوگوں کو مثلاً ہندو یا سکھوں یا عیسائیوں کو بھی مسلمانوں کے برابر یا نصف یا ربع ہی سہی اپنے مذہب میں داخل کر لیتے تو خیال ہوسکتا تھا کہ تائید آسمانی ہے یا کسی روحی طاقت سے کام لیا جاتا ہے کیا تائید آسمانی یا طاقت روحی ہوتی تو کچھ مشکل تھا کہ جتنے مسلمان مرزائی بنے تھے اتنے ہی سکھ یا ہندو یا عیسائی بھی مرزائی بن جاتے۔ تائید آسمانی کا ثبوت دیا جاتا ہے تو یہ کہ طاعون بھی میرے ماننے کے لیے ہوا ہے زلزلے بھی میرے نہ ماننے کے واسطے آتے ہیں خواہ کسی ملک میں آویں جن کو مرزا کے نام کی بھی واقفی نہیں ہے خدا کو ایسا ظالم اور بھولا بھالا بنا دیا ہے کہ بچوں اور وحشیوں جانوروں کو بھی مرزے کے واسطے مار رہا ہو اور ایسے ملکوں میں جہاں مرزے کی خبر تک نہیں پہنچی۔ مرزا کے واسطے لوگوں کو ہلاک کررہا ہے۔ عقل مند آدمی ایسی باتوں کو کبھی تائید آسمانی تسلیم نہیں کر سکتے۔ اقوام مذکورہ سے اگر مسلمانوں کے نصف بھی مرزائی بن جاتے تو ضرور ہم تائید آسمانی خیال کر لیتے۔ مرزا کی سکھوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے اور بابا نانک کے حق میں کتاب لکھنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ

انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرست ہونے کا الزام لگا دیا اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے امہات المومنین جیسی واہیات کتاب چھپوا دی۔ آریوں کے مقابلہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے برملا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی گلوچ دینا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے کتنے بچے زہر سے ہلاک کر دیے اور نہایت ہی فتنہ انگیز کتابیں مسلمانوں کے مقابلے میں لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ خدا پناہ دیوے کیا یہی تائید آسمانی ہے اور یہی حمایت اسلام ہے جو مرزا صاحب کی طرف سے ظہور میں آئی ہے مرزا صاحب کا اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ سلوک دیکھو کہ پہلے پہلے اسلام کے تیرہ سو سال کے مسلمہ اصول میں دست اندازی شروع کر دی اور ہر فرقہ اسلام سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اپنے مریدوں کو مسلمانوں کے ساتھ اختلاط سے مطلق منع کر دیا بلکہ کروڑہا مسلمانوں کو جو اس کے دعاوی بے دلائل میں صادق نہیں سمجھتے۔ خارج از دائرہ اسلام ہونے کا الزام لگا دیا، بڑے بڑے بزرگوں اور علمائے اسلام کو جن کا ہر ایک قول وفعل قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق ہے اور جو ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول ہیں قائم اللیل اور صائم الدہر ہیں ایسے ایسے الزام لگائے کہ سن سن کر جگر شق ہو جاتا ہے

از زبان او خرافاتے کہ ظاہر گشتہ اند
نا روا دانم کہ ذکر جملہ آرم بر زبان
ظاہراً گوید کہ من حامیٔ دین احمدم
بیخ کن بد خواہ دیں او امت لیکن و نہاں

ہم مرزا سے پوچھتے ہیں کہ دین دار مسلمان جب خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی برحق جانتے ہیں اور صحابہ کرام اور ائمہ دین پر بھی پورا اعتقاد رکھتے ہیں اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں بھی حتی الوسع کوشش کر رہے ہیں اور ہر وقت وصول الی اللہ کی سعی بھی کرتے رہتے ہیں اور منہیات سے اجتناب بھی کرتے ہیں۔ تم ان کو اپنا مرید بنا کر ان سے کیا کرانا چاہتے ہو۔ جس قدر غور کیا جاتا ہے بجز اس بات کے کہ ان سے چندے وصول کیے جائیں اور اپنی دکانداری بڑھائی جاوے اور مقبرہ بہشتی کی شرکت سے ان کی

آمدنیوں کے عشر وصول کیے جاویں اور دیگر ایسے ایسے دھوکوں سے ان کا مال لوٹا جاوے آپ کی اور کوئی غرض نظر نہیں آتی۔ مرزا صاحب اور ان کے مریدوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ جب تم عام لوگوں کے بہکانے اور ان کے خیالات فاسد کرنے کے واسطے بزرگان دین کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے ہو اور ان کے افعال و اقوال کو کفار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہو تو تمہارا ایمان باقی رہتا ہے یہ یقین سمجھ لو کہ تمہارا ایمان ہرگز نہیں رہتا مگر تمہیں ایمان سے غرض ہی کیا ہے تمہارا تو یہ مطلب ہے کہ لغویات اور خرافات سے اخباروں اور رسائل کے کالم سیاہ کیے جاویں تاکہ ٹکے بھی وصول ہوتے رہیں اور مرید بھی خوش ہوتے رہیں کہ ہمارا جدید پیغمبر دوسری قوموں کی خوب عیب چینیاں کرتا ہے اور شاید کوئی سادہ لوح بزرگان دین کی طرف سے بے اعتقاد ہو کر مرید بھی بن جاویں۔ بزرگان دین کے اوراد و وظائف کو اس واسطے ناجائز قرار دیا ہے اور اس کو تضیع اوقات سے تعبیر کیا ہے کہ اگر ہمارا وقت بھی ذکر الٰہی میں صرف ہو گیا تو ہمیں ایسے مضامین لکھنے اور سوچنے اور لغو اخبارات کو پورا کرنے اور لاطائل رسائل تصنیف کر کے روپیہ جمع کرنے کا موقع ہی نہ ملے گا اور جو اس شغل شب و روز سے عام بداعتقادی پھیل سکتی ہے کہ یہ لوگ ذکر الٰہی نہیں کرتے اور ایسے واہیات شواغل میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور دعوی پیغمبری اور بزرگی کا ہے تو اس کا سرے سے انکار ہی کر دینا اچھا ہے کہ بجز نماز کے زیادہ ذکر الٰہی کرنا اور ورد اور وظائف پڑھنے جائز ہی نہیں ہیں اور بزرگان دین کی جو ایسے پاک شواغل میں مشغول ہیں اور جنہوں نے زہد اور تجرد اور وصول الی اللہ کو اختیار کیا ہوا ہے تشنیع اور تحقیر کو ہمیشہ اپنا شیوہ بنا لیا جائے۔ نعوذ باللہ من ذالک

سبحان اللہ! یہ عجیب فرقہ ہے جس میں خدا کا نام لینا ہی ناجائز قرار دیا گیا ہے اور عجب پیغمبری ہے جس کے اُصول مذاہب ہی ایسے ہذیانات ہیں۔ بھلا کیوں نہ ہو جس پیغمبری کے ثبوت ہی ایسے ہیں کہ آج فلاں آدمی جو فلانے فرقہ کا مر گیا ہے چونکہ وہ فرقہ ہمارا مخالف ہے اور وہ شخص بھی ہماری مخالفت کرتا تھا اس لیے مر گیا ہے ہم نے فلاں آدمی کے واسطے پہلے کہا ہوا تھا کہ مر جائے گا۔ (کیا مرزا جی تم نہیں مرو گے تم نے خدا سے اپنی زندگانی کا

ٹھیکہ () لیا ہے) فلاں مصیبت مثل طاعون زلزلہ وغیرہ جو فلاں ملک میں آئی ہے وہ ہمارے انکار کی وجہ سے ہے کیا تمہارا خدا تمہارے کہنے پر مخلوقات کو بے وجہ ہلاک ہی کر رہا ہے تمہارا یہ کہنا نہیں مانتا کہ لوگوں کو تمہارا متبع بنا دیوے جو تمہاری دعا سے مر گئے ہیں ان کے بیٹے یا پوتے تو تمہارے مرید بنا دیوے۔ انبیاء علیہم السلام پر جو لوگ خود ایمان نہ لائے تھے ان کے بیٹے پوتے آخر ضرور ان کے تابع دار ہو گئے تھے اور یہ اعلیٰ ترین معجزات سے شمار کیا جاتا تھا اور انبیاء علیہم السلام تو اگر بددعا کرتے تھے تو نہایت تنگی میں آ کر اور لوگ ان سے خواہ مخواہ میں عذاب طلب کرتے تھے ورنہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی کسی کے لیے بددعا کی ہی نہیں تھی۔ آپ یہی فرماتے تھے کہ **اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعملون** تم تو ہر ایک آدمی کے لیے بمنزلہ طاعون بن گئے ہو کہ جو آدمی خصوصاً مقتدائے قوم فوت ہو جاتا ہے تم فوراً کہہ دیتے ہو کہ یہ میری بددعا سے مر گیا ہے خدا ایسے پیغمبر سے پناہ دیوے۔

اب ناظرین نے مرزا صاحب کی پیغمبری کا نمونہ اچھی طرح ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب مرزائیوں کی اس تحریر کی پوری تردید کی جاتی ہے جو برخلاف متبعانہ طریقہ علیہ نقش بندیہ جو ہر قسم کی بدعات اور عیوب سے پاک لکھے گئے ہیں اور بقول سعدی علیہ الرحمۃ

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

نقشبندیوں کے پاک افعال کو عیوب کا لباس پہنا کر ظاہر کیا گیا ہے اور طرفہ یہ کہ پھر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کلام سے ہی مرزا کے دعاوی ثابت کیے گئے ہیں اور اسی سے ان کے دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مرزا کی مجددیت کو ان کی مجددیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قولہ:

نقشبندی مجددی احمدی ایک اسلامی فرقہ ہے جس کو تمام خاندانوں سے بڑھ کر متبع سنت ہونے کا دعوی ہے اگرچہ اس ادعا کی قلعی صرف اس طریقہ سے کھل جاتی ہے جو انہوں نے وصول الی اللہ کے لیے قرار دیا ہے کیونکہ ہم کہیں نہیں

دیکھتے کہ رسول کریم صلعم نے کبھی کسی صحابی کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اللہ کا ذکر اور اسے دل پر نقش کرنے کی کوشش کرے اور انسان کو دس لطیفوں قلب، روح، سر خفی، اخفی اور ان پانچوں کے اصل سے مرکب قرار دے اور پھر ان کے مقام مقرر کر کے ان میں ذکر جاری کرانے کے لیے توجہ پیر کا محتاج نہ ہو۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ تو تم نے مان لیا کہ وہ اسلامی فرقہ ہے مگر ان کے متبع ہونے میں جو ان کا دعوی ہے تمہیں کلام ہے گویا تم ان کو متبع سنت نہیں سمجھتے اور دلیل اس کی تمہارے پاس یہ ہے کہ وہ اسم ذات یعنی اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اسے دل پر نقش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حالانکہ تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو اللہ کا ذکر کرنے کی تعلیم دی ہو اچھا اگر تمہیں کم علمی اور علم حدیث سے بے بہرہ ہونے کے سبب سے یہ دریافت نہیں ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اللہ کا ذکر کرنے کی تعلیم دی ہو تو کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن کریم میں کسی جگہ پر پروردگار جل شانہٗ نے اپنے نام کا ذکر کرنے کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تمام امت کو تعلیم دی ہے اور اس کو دل پر جمانے کی تاکید کی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو جبکہ خداوند کریم نے خود صریحاً بار ہا اس امر کی تاکید فرمادی تھی اور وہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی صحابہ کرام کو سنایا تھا، علیحدہ طور پر صراحۃً تعلیم دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا صحابہ کرام کو قرآن کی تعلیم کافی نہ تھی اگر حسد نے تمہارے دل کی آنکھیں بند کر دی ہیں اور تمہیں خدا کی یہ تعلیم قرآن پاک میں نظر نہیں آتی تو میں چند آیات قرآنی پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً۔

اے نبی اللہ کے نام کا ذکر کر اور منقطع ہو علائق دنیا سے طرف اس کی منقطع ہونا۔ (المزمل:۸)

اسی آیت کے موافق حضرات نقشبندیہ بوقت توجہ و حلقہ تمام حواس اور تمام جسم کے تعلقات کو منقطع کر کے اسم ذات کا ذکر کرتے ہیں یہ آیت جو میں نے لکھی ہے سورۂ مزمل کی

آیت ہے اور اس سورۂ مبارک میں قیام اللیل کے لیے علیحدہ حکم ہے اور مطلق نماز کے لیے علیحدہ ارشاد ہوا ہے، اس آیت میں محض اسم ذات کے ذکر کرنے کا حکم ہے۔ فافہم

طالب حق پر بخوبی روشن ہے کہ ذکر وہی مقبول ہے جو قلب کے ساتھ کیا جاوے صرف زبانی ذکر طوطی کی طرح اور منافقوں کی مثل ہر گز منظور نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ.

اور جو لوگ کہ دل کے ساتھ ذکر کرتے۔ (الفتح: ۱۱)

ان کی نسبت اس طرح پر ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد: ۲۸)

لطیفہ قلب اور اس کے ساتھ ذکر کرنے کا اسی آیت میں نہایت لطیف اشارہ ہے مگر جس کے دل کی آنکھیں حسد نے بند کر دی ہوں اس کو کب سمجھ آتی ہے۔ ذکر خفی جیسا کہ حضرات نقش بندیہ کرتے ہیں اور اس امر کے واسطے صبح و شام کا وقت مقرر کیا ہے اس کی نسبت ایک اور آیت پیش کرتا ہوں، بغور ملاحظہ فرمائیے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ. (الاعراف: ۲۰۵)

اس آیت مبارک میں لطیفہ نفس کی طرف بھی اشارہ ہے اور بہت سی آیات طیبہ میں اسی طرح کا حکم ہے اگر بالاستقصا لکھی جائیں تو کلام بہت طویل ہو جاتی ہے۔ لطیفہ سر اور اخفی کی طرف کریم اللّٰہ یعلم السرو اخفی میں اشارہ ہے سب لطائف جن کے ساتھ ذکر کرنے کے لیے حضرات نقش بندیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ حق جلّ شانہ نے قرآن پاک میں بیان فرما دیے ہیں۔ میں نے پہلے لکھ دیا ہے کہ جب قرآن کریم میں صریحاً ذکر اللہ کی تعلیم دی گئی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ذکر کا وقت مقرر فرمانا اور اس کے ثواب سے اطلاع دینا ضروری تھا اور یہی حضور کی تاکیدی تعلیم بھی تھی اس بارے میں جو احادیث وارد

ہوئی ہیں من جملہ ان کے چند ہدیہ ناظرین کرتا ہوں:

و فی الحدیث الأانبئکمبما هو خیر لکم و افضل من ان تلقوا عدوکم فتضربوا رقابهم و یضربوا رقابکم ذکراللّٰه. الخ (تفسیر روح البیان صفحہ ۸۱۷ جلد اول)

قال علیه السلام ان هذه القلوب لتصدأکما یصدأ الحدید قیل یارسول اللّٰه فما جلائها قال تلاوة کتاب اللّٰه و کثرة ذکره فبکثرة الذکر یترقی السالک من مرتبة اللسان الی مافوقها من المراتب العالیة و یصقل مرآة القلب من ظلماتها و اکدارها. (روح البیان صفحہ ۱۲۵ جلد ثالث)

و فی الحدیث من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد یذکراللّٰه تعالیٰ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت له کاجر حجة و عمرة تامة تامة. (روح البیان صفحہ ۱۳۶ جلد ثالث)

پس اسی حدیث کے مطابق حضرات نقش بندیہ نے ذکر کا وقت بعد نماز صبح مقرر کیا ہے۔

و روی ان النبی علیه السلام بعث بعثاً قبل نجد فغنموا و رجعوا فقال رجل ما راینا بعثا افضل غنیمة واسرع رجعة من هذا البعث فقال علیه السلام الا ادلکم علی قوم افضل غنیمة و اسرع رجعة قوم شهدوا صلاة الصبح ثم جلسوا یذکرون اللّٰه حتی طلعت الشمس. (روح البیان صفحہ ۲۴۳ جلد ثانی)

عن انس ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا تقوم

الساعة حتی لا یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ و فی روایة لا تقوم الساعة علی احد یقول اللّٰہ اللّٰہ. (رواہ مسلم۔مشکوۃ المصابیح باب قرب الساعۃ)

اہل خبرت اور بصیرت آیات اور احادیث مذکورہ کے دیکھنے سے انصاف کر سکتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ ہم کہیں نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ نے کسی صحابی کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اللہ کا ذکر کرے اور اسے دل پر جمانے کی کوشش کرے وہ شخص کسی قدر قرآن اور حدیث سے ناواقف ہے اور حقائق دین سے بے بہرہ اور برکات اسلام سے خالی ہے۔اگر ایسا شخص بے چارا کسی نئے بے اصل اور غیر مدلل مذہب میں داخل ہو جاوے تو کیا تعجب ہے۔ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کو ہدایت کرے۔

قولہ

وہاں تو ہم صرف یہی دیکھتے ہیں کہ نماز تمام مدارج کمالیت کو پہنچانے کے لیے کافی ہے اور یہی نماز ہے جو قاب قوسین اور او ادنیٰ تک سیر کراتی ہے اور ولایت محمدی میں لے جاتی ہے،اسی لیے فرمایا ہے: الصلوٰۃ معراج المومنین مگر افسوس تو یہ ہے کہ کسی فرقہ نے کبھی محض نماز سے یہ نعمت عظمیٰ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔معلوم ہوتا ہے ان بزرگوں کو یقین نہیں آیا کہ نماز من کل الوجوہ باطنی کمالات کے لیے کافی ہے ورنہ کبھی اکملت لکم دینکم کے برخلاف ایسے ایسے طریقے وضع کرنے کی جرات نہ کرتے جن سے شریعت محمدی کا نقص لازم آئے۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ جو تم لوگ جملہ وسائل تقرب کے ترک کرانے کی کوشش کر رہے ہو اور صرف نماز کے سوا ایک دفعہ اللہ کا نام لینا اور کلمہ پڑھنا اور استغفار پڑھنا بھی تمہارے نزدیک تمہاری اس تقریر سے ناجائز معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری ساری کوشش محض اس لیے ہے

کہ نماز کے سوا اور کچھ نہ کرنا پڑے تا کہ مرزا کی دکانداری چلانے میں اخبار نویسی اور لغو تحریرات اور دیگر انتظامات کے لیے جن سے ظاہراً و باطناً خلق اللہ کو گمراہ کر کے ان کا مال لوٹا جاتا ہے وسیع وقت مل جاوے اور نماز کا جواز بھی اس واسطے ہے کہ قدیم سے جو اپنے آپ کو اسلامی فرقہ ظاہر کیا گیا ہے۔ (اگر چہ اب تو آپ کو اس بات کا بھی تردد ہوگا کیونکہ مرزا کو مستقل پیغمبر بنالیا ہے) اب اگر نماز کا انکار بھی کر دیویں تو اس دعوی کی بالکل تکذیب نہ ہو جاوے مگر یہ آپ کا مطلب ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نماز اگر تمام مدارج کمال تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتی تو اسلام میں دوسرے ارکان ہرگز فرض نہ کیے جاتے۔ آپ کی تقدیر سے اسلام کے دوسرے ارکان مثل صوم، زکوۃ، حج سب کے سب لغو اور بے سُود بن جاتے ہیں کیونکہ اگر نماز ہی تمام مدارج کمال تک پہنچانے کے لیے کافی تھی تو باقی ارکان اسلام کیوں فرض کیے گئے۔ علی ہذا القیاس

مسنونات مثل تلاوت قرآن وغیرہ و مستحبات اسلام گویا سب آپ کے نزدیک بے فائدہ ٹھہرے نیز اگر نماز سے تم صرف فرائض مراد رکھتے ہو تو نوافل لغو ہو جاتے ہیں اور اگر فرائض و نوافل دونوں مراد ہیں تو فرمایئے کہ فرائض تمام مدارج کمال تک پہنچانے کے لیے کیوں کافی نہ ہوئے۔ نوافل کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر نماز ہی تمام مدارج کمال تک پہنانے کے لیے کافی تھی تو دیگر ادعیہ و اذکار و تسابیح و استغفار و درود وغیرہ جن کے پڑھنے کا سرور کائنات مہبط وحی مقدس نے ارشاد فرمایا ہے اور آپ بھی پڑھا کرتے تھے کیا وہ سب لغو ہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنها انه کان علیه السلام یکثر قبل موته سبحانک اللّٰهم و بحمدک استغفرک و اتوب الیک و عنه علیک السّلام انی لاستغفر اللہ فی الیوم و اللیلة مائة مرة.

(روح البیان صفحہ ۱۳ے جلد رابع)

و اخرج ابن ابی شیبة و مسلم و ابن جریر و ابن المنذر و ابن

مـردوتیه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يـكثر من قول سبحان الله و بحمده و استغفرالله و اتوب اليه.

(تفسیر درالمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰۸)

قـال رسـول الـلّـه صـلـى الله عليه وسلم كلمتان خفيفتان على اللسـان ثقيلتان في الميزان حبيبتان الى الرحمن سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم و بحمده. (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح)

علاوہ ان کے درود شریف پڑھنے کی عموماً اور خصوصاً بروز جمعہ صدہا احادیث ہیں علاوہ فرائض کے کثرت ذکر الٰہی کے لیے کئی احادیث میں تاکید کی گئی ہے مگر جو شخص دیدہ دانستہ اغراض دُنیوی کے واسطے سب کا انکار کردے تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔

واخـرج احـمـد و ابويعلىٰ و ابن حبان و الحاكم و صححه عن ابـى سعيد الخدرى رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسم قال اكثروا ذكر الله حتى يقولوا انكم مجنون.

واخـرج الـطـبـرانـى عـن ابـن عبـاس رضـى الله عنهما قال قال رسـول الـلّـه صـلـى الـلّـه عـلـيـه وسـلم اذكروا الله حتى يقول المنافقون انكم مراء ون

و اخـرج احـمـد عـن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الـلّـه صـلـى الله عليه وسلم فيما يذكر عن ربه تبارك و تعالىٰ ابـن آدم اذكـرنـى بـعـد الـفـجر و بعد العصر ساعة اكفك ما بينهـمـا. و اخرج احمد عن ابى امامة رضى الله عنه ان رسول الـلّـه صـلـى الـلّـه عـليه وسلم قال لان اقعد اذكرالله واكبره و

احمده و اسبحه و اهلله حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق رقبتین او اکثر من ولد اسمعیل و من بعد العصر حتی تغرب الشمس احب الی من ان اعتق اربع رقاب من ولد اسمعیل. (کلها من الدر المنثور صفحه ۲۰۵ جلد ۵)

احادیث مذکورہ بالا سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ صوفیا کرام نے جو اوقات اوراد و وظائف کے بعد الفجر یا بعد العصر خصوصاً حضرات نقش بندیہ نے جو یہی حلقہ اور ذکر اللہ کے وقت مقرر کیے ہیں بالکل تعلیم نبوی کے مطابق ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان لوگوں نے نماز سے یہ نعمت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہ طریقے اکملت لکم دینکم کے برخلاف وضع کیے ہیں تو وہ شخص یا تو دریائے تعصب میں غرق ہے اس کو ایمان کے ضائع ہونے کی کوئی پرواہ نہیں یا وہ جاہل اور نادان ہے علم حدیث اور شریعت غرّا سے ایسا خالی ہے جیسے ہتھیلی بالوں سے اور گدھا سینگ سے۔ جس شخص کو دینیات میں کچھ بھی دخل ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ کتب احادیث میں ذکر اللہ کے علیحدہ باب باندھے ہوئے ہیں جن میں طرح طرح کے اذکار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے ثواب اور اجر سے اطلاع فرمائی ہے آج تک کسی دشمن اسلام عیسائی آریہ یہودی نے بھی اہل اسلام کا یہ نقص نہیں پکڑا کہ یہ لوگ جو کثرت ذکر الٰہی میں مشغول ہیں اور اپنے اوقات اللہ اللہ یا سبحان اللہ کرنے میں صرف کرتے ہیں یہ لوگ اکملت لکم دینکم کے برخلاف کرتے ہیں اور شریعت محمدی کو ناقص ہونے کا الزام لگاتے ہیں آج ایک فرقہ نکلا ہے جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے (اگرچہ لفظ مسلمان کے مقابلہ مرزائی کے لفظ کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس کو ترجیح دیتے ہیں مگر پھر اسلام کے مدعی ہیں) وہ کہتا ہے جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ وقت ضائع کرتے ہیں اور شریعت محمدی پر نقص کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس قدر ذکر الٰہی کرو کہ مخالف لوگ تمہیں مجنون سمجھیں۔

پس یقیناً سمجھنا چاہیے کہ اس فرقہ کا صرف یہی مطلب ہے کہ ہمیں اللہ کا ذکر نہ کرنا

پڑے اور جو اوقات اس میں صرف کیے جاتے ہیں وہ مرزا کی دکانداری چلانے میں صرف کیے جائیں۔ میں مرزا کے مضمون نگار کے اقوال لایعنی کی تردید میں اس قدر وسیع معلومات رکھتا ہوں کہ اگر تمام تحریر کروں تو ایک دفتر بن جائے، ان شاء اللہ بڑا ہی مفید ہو مگر یہ لوگ طالب حق تو ہیں نہیں انہوں نے تو یہ اپنا پیشہ بنالیا ہے کہ اپنے اخباروں کے کالم سیاہ کرنے کے واسطے چند ڈھکوسلے وضع کر لیے اور مرزا کے مریدوں کو خوش کرنے کے واسطے کسی نہ کسی فرقہ کی توہین شروع کر دی جب اس فرقہ کی طرف سے دانت کھٹے ہوئے تو کسی اور کو چھیڑ دیا۔ بس اسی واسطے یہ لوگ اہل حق کے ساتھ میدان مناظرہ میں نہیں آتے اور تحریری ڈھکوسلوں سے اپنی ہٹ دھرمی پر جمے ہوئے ہیں۔

قولہ

واذکر اللہ کثیرا سے تو یہ مراد ہے کہ تم ہر قول وفعل حرکت سکون خورد ونوش میں یہ خیال رکھو کہ آیا حکم خدا وسنت نبوی کے موافق ہے یا نہیں اور خدا کو حاضر ناظر جانو نہ یہ کہ زبان سے یا لسان قلب سے اللہ اللہ رٹا کرو پھر یہ کہنا ذکر کثیر سے ہرگز نہیں اور ذکر کثیر نماز کے سوا کہیں ممکن ہی نہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ ترجمہ جو تم نے کیا ہے یہ تمہارے اپنے مطلب کے واسطے من گھڑت اور زبانی باتیں ہیں اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جو شخص ایسا ذات الٰہی میں محو ہو جاوے کہ ہر قول وفعل حرکت وسکون میں حکم الٰہی وسنت نبوی کو مدنظر رکھے اور خدا کو ہر وقت حاظر ناظر سمجھے۔ بے شک اس کا ذکر کثیر یہی ہے مگر عام لوگوں کی یہ حالت نہیں جب تک آدمی کامل کا دامن گیر ہو کر اللہ اللہ کا ذکر زبان اور قلب سے نہ کرے گا اور محبت الٰہی اس کے رگ و پٹھے میں سرایت نہ کر جائے گی اس کی یہ حالت ہونی نہایت دشوار ہے۔ تمہارا اسم الٰہی کو زبان اور قلب کے ساتھ پڑھنے سے انکار کرنا اور اس کو ذکر کثیر یہ کہنا اور اللہ اللہ کے وظیفے کو تمسخر آمیز کلمات سے تعبیر کرنا تمہارے ایمان کا خوب نمونہ دکھلا رہا ہے۔ تم نے ایک اپنا من گھڑت معنی ذکر کثیر کا بیان تو کر دیا مگر یہ خیال نہ کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کثیر کے

بارے میں کیا فرمایا ہے وہاں تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی کیا پروا ہے تمہارے مرزا نے خداوند کریم کے فرمانے کی پروانہیں کی اور صدہا آیات قرآنی کے معنی من گھڑت اپنے مطلب کے موافق بنائے ہیں۔ پہلا تم پر کیا افسوس ہے)

اخرج ابن جرير و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ اذکروا اللہ ذکرا کثیرا یقول لا یفرض علی عبادہ فریضۃ الا جعل لها حدا معلوما ثم عذر اھلھا فی حال عذر غیر الذکر فان اللہ تعالیٰ لم یجعل لہ حدا ینتھی الیہ و لم یعذر أحدا فی ترکہ الا مغلوبا علی عقلہ فقال اذکرو اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم باللیل و النھار فی البر و البحر فی السفر و الحضر فی الغنی و الفقر و الصحۃ و السقم و السر و العلانیۃ و علی کل حال و قد سبحوہ بکرۃ و اصیلا فاذا فعلتم ذالک صلی علیکم ھو و ملائکتہ قال اللہ تعالیٰ ھو الذی یصلی علیکم و ملائکۃ واخرج ابن ابی حاتم عن مقاتل فی قولہ اذکرو اللہ ذکرا کثیرا قال باللسان بالتسبیح و التکبیر و التھلیل و التحمید و اذکروہ علی کل حال و سبحوہ بکرۃ و اصیلا یقول صلو اللہ بکرۃ بالغداۃ و اصیلا بالعشی۔ (الدر المنثور صفحہ ۲۰۵ جلد ۵)

ناظرین خیال کریں کہ پہلی حدیث میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کے اوقات محدود ہیں اور ذکر اللہ غیر محدود ہے اور ''کثیرا'' اسی پر بولا جاتا ہے جس کی حد مقرر نہ ہو نماز بھی من جملہ فرائض کے ایک فریضہ ہے اور اس کی حد بھی مقرر ہے۔ اس میں ذکر کثیر کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ مضمون نگار لکھتا ہے کہ ذکر کثیر نماز کے سوا کہیں ممکن ہی نہیں۔ (عجب عقل ہے) اور دوسری حدیث میں ''باللّسان'' کا لفظ صریحاً کھڑا ہے اور مضمون نگار برخلاف اس کے ذکر لسانی اور قلبی کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ ہرگز ذکر کثیر نہیں۔ اب منصف انصاف کر سکتے ہیں کہ ایسا لکھنے والا یا ایمان سے بے بہرہ ہے یا علم سے خالی ہے نیز اس کی کلام ایسی متضاد ہے کہ پہلے تو کہتا ہے کہ ذکر کثیر قول فعل حرکت سکون خورد و نوش کو حکم خداو

سنت نبوی کے مطابق کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ ذکر کثیر نماز کے سوا کہاں ممکن ہی نہیں۔ شاید مرزائی لوگ خوردونوش بھی نماز میں ہی کرتے ہوں گے۔

قول:

دیکھو نماز کو ہی ذکر اللہ فرمایا گیا ہے: فاسعوا الی ذکر اللّٰہ

اقول:

میں کہتا ہوں کم علمی بھی ایسی چیز ہے جو ہرگز چھپ نہیں سکتی۔ ضرور ظاہر ہو ہی جاتی ہے اب مضمون نامہ نگار کا یہ مطلب ہے کہ نماز پر ہی ''ذکر اللہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے سوائے نماز کے اور کسی قسم کے ذکر پر ''ذکر اللہ'' کا لفظ نہیں بولا جاتا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون نامہ نگار کو نہ ہی قرآن کی پوری واقفیت ہے اور نہ ہی اصطلاحات اور قرائن سے کچھ مس ہے اور نہ ہی علم لغت جانتا ہے اگر یہی سورہ جمعہ کا دوسرا رکوع اس کو پورا یاد ہوتا تو ہرگز اس لفظ کو مخصص نہ سمجھتا۔ آگے پروردگار جل شانہ فرماتا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعۃ:١٠)

کتاب تنویر المقیاس تفسیر ابن عباس میں ہے کہ واذکروا اللّٰہ بالقلب و اللسان کثیرا علی کل حال

اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ واذکروا اللّٰہ بالجنان واللسان جمیعا کثیرا ای ذکرا کثیرا اور زمانا کثیرا اور لاتحصوا ذکرہ تعالیٰ بالصلوٰۃ۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق جلّ شانہ فرماتے ہیں کہ ذکر کو نماز کے ساتھ مختص ہرگز ہرگز نہ سمجھو اور ایسا نہ کرو کہ نماز پڑھ کر باقی تمام وقت لغویات میں گزارو بلکہ نماز کے پورا کرنے کے بعد بھی ذکر کرو اور بہت کرو اسی حکم کے مطابق حضرات صوفیہ کرام نے صلوات مفروضہ کے بعد اوراد و ظائف احادیث نبویہ سے مستنبط کر کے مقرر فرمائے ہیں جن کے روکنے کے لیے آج ایک قوم پیدا ہوگئی ہے جو دلائل رکیکہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نماز کے سوا بالکل کسی وقت اللہ کا نام ہی نہ لیا جاوے اس آیت مبارکہ سے مضمون نگار کے پچھلے قول کی

بھی بخوبی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس میں نماز کے لیے صرف " ذکر اللہ" کا لفظ آیا ہے اور نماز کے بعد جس ذکر کا حکم دیا گیا ہے اس کے لیے "کثیرا" کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ذکر کثیر ہو ہی نہیں سکتا وہی محدود ذکر ہوگا جو شریعت میں مقرر ہے۔ مضمون نگار کا یہ جملہ کہ ذکر کثیر نماز کے سوا کہیں ممکن ہی نہیں بالکل لغو ہے۔ بہتر تھا کہ مرزائی لوگ ایسی لغو تقریریں اپنی اہل مجلس کو ہی سنا کر خوش کرتے رہتے تا کہ نہ علمی لیاقت کی قلعی کھلتی اور نہ عوام بدظن ہوتے مگر وہ بے چارے کیا کریں جب ان کے خیالات بزرگان دین کی نسبت بد ہو گئے ہیں تو خدا تعالیٰ ان سے ایسے ہی کلمات صادر کرا رہا ہے جن سے وہ خود بخود رُسوا ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

پارہ ۱۸ سورہ نور میں ایک اور آیت ہے:

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجٰرَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ. (النور:۳۷-۳۶)

اس میں بھی ذکر اللہ نماز کے علاوہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تجارت و بیع کے اقوال و افعال کو حکم خدا و سنت نبوی کے مطابق کرنا ہی " ذکر اللہ" ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت و بیع کے اقوال و افعال مخصوصہ عین تجارت ہیں اور لفظ " عن"، غیریت مابعد پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ کی غیریت ہی ہے جب اقام الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ غیر تجارت ہیں تو ان کا عطف ذکر اللہ پر صاف بتا رہا ہے کہ وہ بھی غیر تجارۃ و بیع ہے اور معطوف علیہ و معطوف کی مغایرۃ تو ایک مشہور بلکہ بدیہی بات ہے۔ پس مضمون نگار نے جو ذکر اللہ کے نئے معنی کیے تھے ان میں سے ایک بھی یہاں نہیں ہو سکتا۔ یہاں " رجال" سے مراد کامل بندگان خدا ہیں یعنی صوفیہ کرام اور "ذکر اللہ" سے مراد وہی اللہ اللہ کرنا ہے۔ دوسرے اوراد و وظائف جو انہوں نے بالکل حکم الٰہی و سنت نبوی کے مطابق

اوقات مخصوصہ میں مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ یہاں ہم نے اور بہت کچھ لکھنا تھا مگر چونکہ طوالت موجب ملالت ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

قولہ

حرکت نبضی یا جگر وغیرہ سے بولنے کا کام لینا خلاف فطرت ہے اور فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا کے برخلاف یہی غلط فہمی ہے جس سے لوگ صرف زبان سے لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے کو ابدی نجات کا موجب سمجھتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ زبان سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے مگر دل کو بھی مسلمان کرنا چاہیے اور پھر ہاتھ پاؤں کو بھی جن کی شہادت ایمانی کا ثبوت نماز ہے یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن شریف میں ان الذین امنوا کے ساتھ و عملوا الصالحات لازمی طور سے دیکھتے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ عجب قسم کی بے ربط عبارت ہے جس کو نہ ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ مابعد کے ساتھ کوئی ربط بلکہ مضمون نگار کے پچھلے قول کی تردید کر رہی ہے اور یہ ساری عبارت من حیث المجموع ایسی بے ربط ہے کہ نہ ہی مضمون اچھی طرح ملتا ہے اور نہ ہی ترکیب ظاہری کے رو سے کچھ ربط کھاتی ہے اور نہ ہی جن بزرگوں کی تردید میں لکھی گئی ہے ان کے مقاصد کا کسی طرح مقابلہ کر سکتی ہے دانا آدمی اس کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مہمل عبارتیں محض مضمون کو طویل کرنے اور اپنا نامہ سیاہ کرنے یعنی اوراق اخبار پُر کرنے کے واسطے لکھی گئی ہیں۔ حرکت نبضی اور جگر کو مضمون سابق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان کا ذکر کہیں سابقہ عبارت میں آیا ہے اور نہ ہی کوئی صوفی ان سے بولنے کا کام لیتا ہے اور نہ لینا چاہتا ہے۔ حرکت نبضی شریانوں میں ہوتی ہے اور جگر سے ایک عضو مخصوص ہے جس کے متعلق خون بنانا ہے نہ معلوم کہ مضمون نگار کو ان کا خیال کہاں سے آ گیا اور خدا جانے وہ کس بات کو خلاف فطرت سمجھتا ہے اور خلاف فطرت کے معنی اس نے اپنے ذہن میں کیا سمجھے ہوئے ہیں یہ کلام اس کی مثنوی غنیمت کے مصرع کا مصداق ہے:

کلام میلش در بطن قائل

اگر مضمون نگار سے بالمواجہ آیہ کریمہ فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا کے مفصل معنی پوچھے جائیں اور آگے لا تبدیل لخلق اللّٰہ بھی دکھایا جاوے اور ذالک الدین القیم کی حقیقت دریافت کی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی استفسار کیا جائے کہ کیا قیامت کے دن و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم خلاف فطرت ہوگا تو غالب اُمید ہے کہ سوائے بغلیں جھانکنے کے اور کچھ کر ہی نہ سکے گا۔ پس پشت جس کی جو مرضی ہو کہہ دیتا ہے۔

قولہ:

باقی رہی یہ بات کہ پھر فائدہ کیوں ہوتا ہے لذت کیوں حاصل ہوتی ہے ہم اس لذت کو تسلیم کرتے ہیں مگر بخدا یہ لذت خاصہ اسلام نہیں آپ مسمریزم کرنے والے اور جوگیوں کو بھی اس لذت سے خالی نہ پائیں گے اس ذکر کی تہ میں قلب کی یکسوئی کا راز مخفی ہے اور یہ یکسوئی ہی ایسی چیز ہے جس سے بلا تمیز ملت و مذہب مکاشفات کا سلسلہ کھل جاتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں اسم ذات کی لذت اور وصول الی اللہ کی لذت کو مسمریزم والوں کی مشق کی لذت اور جوگیوں کے استدراج کی لذت کے ساتھ تشبیہ دینا زندقہ اور الحاد نہیں تو اور کیا ہے جو لوگ حسب ارشاد و ما یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا مجاہدہ کر کر تقرب الٰہی حاصل کرتے ہیں اور واصل باللہ ہوجاتے ہیں کیا ان کی لذت کے ساتھ مسمریزم والوں کی لذت مشابہ ہوسکتی ہے اور کیا جوگیوں کا استدراج ان کے کمال کے برابر تصور کیا جاسکتا ہے کلا و حاشا ہر گز نہیں کیا جاسکتا یہ تشبیہ ایسی ہے جیسی معجزہ کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی اور جو لوگ واصلان حق کو مسمریزم والوں اور جوگیوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں بے شک وہ انہی لوگوں کی طرح ہیں جو

فرستادگان خدا کو "ھذا ساحر کذاب" کہہ کر پکارتے تھے یہ تو ہم مانتے ہیں کہ اس ذکر یعنی ذکر الٰہی کی تہ میں قلب کی یکسوئی کا راز مخفی ہے مگر یہ وہ یکسوئی نہیں کہ ایک نقطہ یا کسی ستارہ یا کسی روشن چیز پر آنکھ کی مشق کی جائے اور اس میں کسی قدر صفائی آجائے اور قوت مقناطیسی پیدا ہو جائے۔علیٰ ہذا القیاس

روشن ضمیری وغیرہ کے واسطے خاص طریقوں سے مشق کر کے اعضائے مخصوصہ کی طاقت بڑھائی جاوے یہ تو جزوی اُمورات ہیں جو ہر شخص کو بلا تمیز مذہب وملت حاصل ہو سکتے ہیں۔تقرب الٰہی اور وصول الی اللہ کی لذت اور یکسوئی اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو صاحب مذہب حق ہو اور جس میں نور اسلام ہو:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. (الزمر:۲۲)

اور وہ دوقسم پر ہے:

ایک وہ جو بلا مجاہدہ وریاضت محض فضل الٰہی سے حاصل ہو جاتی ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (الشوریٰ:۱۳)

اور دوسری وہ جو مجاہدہ اور ریاضت اور ذکر الٰہی اور تقرب بالنوافل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے: وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. (الشوریٰ:۱۳)

اس یکسوئی کو مسمریزم والوں کی یکسوئی کے ساتھ تشبیہ دینا دیو کو ملائک کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔یہ وہ یکسوئی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاصل کی تھی اور فرمایا تھا:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (الانعام:۷۹)

نیز جملہ انبیاء علیہم السلام کو یہی یکسوئی حاصل تھی یہ وہی یکسوئی ہے جو ہمارے ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی اور آپ کو ارشاد ہوتا تھا:

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبۃ:۱۲۹)

اور تعلیم دی جاتی تھی کہ؛

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِينَ. (الشعراء:۲۱۷)

نیز حکم ہوتا تھا کہ:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا وَ مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا. (الدھر:۲۶)

یہ وہی یکسوئی ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے نماز سکھائی گئی ہے کیا نماز میں قلب کی یکسوئی کا راز پوشیدہ نہیں ہے نماز میں تب ہی لذت حاصل ہوتی ہے جب قلب میں یکسوئی پیدا ہو جائے، بزرگ لوگ اسی واسطے قلب کے ساتھ کثرت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں تا کہ نماز میں وہ یکسوئی قائم رہے۔ مضمون نگار کا لذت ذکر الٰہی اور وصول الی اللہ کی یکسوئی کو مسمریزم والوں اور جوگیوں کی لذت اور استدراج کے ساتھ قسم کھا کر اور بخدا کہہ کر تشبیہ دینا نہایت تعجب خیز امر ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ جب اس کی یہ بات نہایت ہی غیر مدلل اور کوتاہ اندیشی پر مبنی تھی اس لیے قسم اٹھا دی کہ شاید کوئی مان ہی جائے مگر ایسی واہیات باتوں کو ایک متعسف اور کج رو آدمی سے جو خدا کا نام لینے کو بھی ناجائز اور تضیع اوقات سمجھتا ہے ایک باہوش آدمی جس میں کچھ بھی عقل ہو ایک سیکنڈ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا خواہ وہ ہزار قسم اٹھاوے۔

اب مضمون نگار نے اپنا ایک خیالی سوال کہ اہل اللہ کو لذت کیوں ہوتی ہے ایک لاطائل جواب سے حل تو کر دیا کہ یہ مسمریزم والوں کی طرح ہے اور اس میں قلب کی یکسوئی کا راز مخفی ہے مگر ہم اس سے یہ پوچھتے ہیں کہ واصلان حق جو عموماً گوشہ گزیں رہنا پسند کرتے ہیں اور کوئی طریقہ اپنی مشہوری کا ایجاد نہیں کرتے تو کیوں مخلوق الٰہی ان کے قدموں پر گرتی ہے اور ہزار ہا لوگ دُور دراز سے بلا کسی ظاہری کشش کے اور بلا بہکانے اور بلانے کے ان کے آستان عالی پر حاضر ہوتے رہتے ہیں اور سینکڑوں ان میں سے نیک بخت اور پاک سیرت بن جاتے ہیں۔ بے نماز لوگ ان کے پاس آ کر ان کی اثر صحبت سے نمازی ہو جاتے ہیں، چور چوری چھوڑ دیتے ہیں زنا کار زنا کاری چھوڑ دیتے ہیں کئی کافر دل مسلمان ہو

جاتے ہیں بے شمار مخلوقات اپنا مال و جان ان پر فدا کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ نہ کسی کو بلاتے ہیں نہ کسی سے چندہ مانگتے ہیں نہ اشتہار دیتے ہیں نہ اخباریں نکالتے ہیں نہ اپنے کمالات کے رسالے چھپواتے ہیں نہ مریدوں کی فہرستیں بنوا کر لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ آج ہمارے اس قدر مرید بن گئے ہیں نہ کوئی مقبرہ بہشتی بنواتے ہیں، نہ لوگوں کو رشوت دے کر اپنی تعریفیں لکھ کر چھپواتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی ہمارے نہ ماننے سے مرگیا ہے بلکہ ہر وقت خوف الٰہی اور حیرانی ان کی طبائع پر غالب رہتی ہے۔ ذکر فکر ذوق شوق خدا میں اپنے اوقات بسر کرتے ہیں ان کی وفات کے بعد ان کے مزارات پر بھی خلقت کا ہجوم رہتا ہے اور تبرکاً لوگ ان کے مزارات پر آنے کو سعادت ابدی سمجھتے ہیں کیا یہ تاثیر ذکر الٰہی نہیں تو اور کیا ہے کیا کوئی مسمریزم والا بھی ایسا ہے جس کے پاس کوئی آدمی سوائے مطلب دنیاوی کے یا تماشہ بینی کے جاوے۔ کیا کوئی جوگی ایسا ہے جس کی تاثیر صحبت سے آدمی پورا مومن ہو جاوے۔ گناہ گار گناہگاری چھوڑ دیوے، بے نماز نمازی ہو جاوے چور چوری چھوڑ دیوے زنا کار زنا کاری سے توبہ کرے، سینکڑوں جوگی اور مسمریزم والے مرگئے ہیں کیا کوئی جانتا ہے کہ ان کی قبریں کہاں ہیں۔ مضمون نگار کو ان امورات کا مفصل جواب دینا چاہیے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت ان کی ساری کمیٹی سے یہ جواب نہ دیا جاوے گا۔

قولہ:

اب سوال تو یہ ہے کیا یہ عبادت مقبول بارگاہ رب العلمین ہے اس کا جواب وہی ہے جو اس سوال کا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو طرز عبادت تھا کیا وہ حکم خدا نہیں کیا وہ موجب برکات دینی دنیوی نہیں۔ ضرور ہے مگر واللہ باللہ مقبول نہیں۔ کیوں اب محمدی دور ہے موسوی دور نہیں۔ پس ہمارے بزرگ نقشبندی بھائی خدا کے لیے ایک انصاف طلب خدا ترس دل لے کر سوچیں کہ وہ اپنا سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں مگر کیا ان کے افعال واقوال سے یہ ذکر اللہ ونفی اثبات بایں ہیئت موجودہ ثابت ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار کی غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ جو عبادت اور ذکر الٰہی نقشبندی کرتے ہیں اگرچہ وہ حکم خدا ہے اور موجب برکات دینی و دنیوی ہے مگر مکرر قسم ہے کہ وہ مقبول نہیں کیونکہ موسوی طرز عبادت بھی اگرچہ حکم خدا تھا مگر اب وہ بھی مقبول نہیں۔
اب اس سے صاف معلوم ہوا کہ مضمون نگار یہ تو مانتا ہے کہ جو عبادت اور ذکر الٰہی نقشبندی کرتے ہیں وہ حکم الٰہی تو ضرور ہے اور موجب برکات دینی و دنیوی بھی ہے مگر مقبول نہیں۔
اچھا ہم پوچھتے ہیں کہ اگر حکم الٰہی ہے تو کس کے ذریعہ انہیں پہنچا ہے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے تو انہیں پہنچا نہیں کیونکہ تم اس کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہو اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک ہو نہیں سکتا اور نہ کسی اور نبی کے ذریعہ سے ان کو پہنچا ہے کیونکہ اگر کسی اور کے ذریعہ سے ان کو پہنچا ہوتا تو ہم ظاہر کر دیتے اور نبوت کے مدعی بھی وہ نہیں ہیں اور نہ خود بخود بلاواسطہ وہ حکم اپنے آپ کو پہنچ جانا بیان کرتے ہیں (جیسا کہ مرزا قادیانی ڈھکوسلے مارتا ہے کہ فلاں حکم مجھے بلا واسطہ پہنچ گیا ہے) پس وہ حکم ضرور انہیں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہنچا ہوگا کیونکہ وہ مسلمان بھی ہیں اور فرائض اسلام بھی پورے طور پر ادا کرتے ہیں اور تم نے بھی ان کو اسلامی فرقہ مان لیا ہے اور ہم نے ان کی عبادت اور اذکار کا مطابق حکم خدا و سنت رسول ہونا پورے طور پر ثابت بھی کر دیا ہے اور وہ اپنا سلسلہ بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاتے ہیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں گویا حکم خدا اور سنت نبوی کے مطابق کرتے ہیں اب جو شخص قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ یہ عبادت بالکل مقبول نہیں وہ گویا حکم خدا کے مطابق جو بذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچا ہے اور موجب برکات دینی و دنیوی بھی ہے عبادت کرنے کو نامقبول سمجھتا ہے اور لوگوں کو روکنا چاہتا ہے کہ ایسی عبادت اور ایسا ذکر الٰہی ہرگز نہ کیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ. (البقرۃ:۱۱۴)

اور قیامت کے دن وہ اس زمرہ میں ہوگا جن کو حق تعالیٰ خطاب باعتاب سے پکارے گا:

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ

رَبَّنَـا اٰمَنَّـا فَـاغْـفِـرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْـرِیًّـا حَتّٰـی اَنْسَوْکُمْ ذِکْـرِیْ وَ کُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَکُوْنَ.
(المؤمنون:۱۰۸)

اور مضمون نگار کا یہ قول کہ نقشبندی جو اپنا سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں وہ سوچیں کہ کیا یہ ذکر اللہ یا نفی اثبات ان کے اقوال و افعال سے بایں ہیئت موجودہ ثابت ہے ایک نہایت تعجب انگیز مقولہ ہے کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی ذکر اللہ یا نفی اثبات نہیں کیا تھا۔ نفی اثبات تو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ سے مراد ہے اور اس کے سوائے آدمی مسلمان بھی نہیں ہوسکتا پھر کس طرح کہا جاوے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نفی اثبات کبھی نہیں پڑھا تھا اور ذکر اللہ تو ہر وقت ان کا شیوہ ہی تھا، باقی رہی یہ بات کہ بایں ہیئت مجموعی ثابت ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ تصوف کی کتابوں میں یہ بات مفصل مرقوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ذکر الٰہی و ذکر نفی و اثبات خاص طریقہ سکھایا اور انہوں نے حضرت قاسم رحمۃ اللہ کو۔ اسی طرح تمام سلسلہ میں یہی تلقین مروج چلی آئی اور چلی آتی ہے اگر کسی بزرگ نے اس کو حسب ارشاد سید الانبیاء علیہ السلام من سن فی الاسلام سنة حسنة فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا۔ الحدیث

اس بات پر نظر کر کے کہ بسبب بعد زمانہ نبوت لوگوں کی استعداد سلف کرام کی طرح نہیں رہی۔ ذکر کو بڑھا دیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے کیا یہ ضرور ہے کہ جو اسلامی کام زمانہ نبوت میں کیے گئے تھے ان میں کسی طرح بھی فرق نہ آوے اور پیچھے جو کام کیا جاوے وہ بالکل ان کے مطابق ہو اگر ایسا ہے تو بتایئے جو مسجدیں عظیم الشان شہروں میں بنائی گئی ہیں کیا وہ بہ ہیئت موجودہ مسجد نبوی کے مطابق ہیں کیا جواب مسجد نبوی مدینہ طیبہ میں ہے وہ بالکل حضرت کے وقت کی مسجد کے مطابق ہے کیا جو مسجد مرزا کی قادیان میں ہے وہ بہ ہیئت موجودہ مسجد نبوی کے مطابق ہے کیا ان مساجد سے نقص دین محمدی لازم آتا ہے کیا یہ اکملت لکم دینکم کے برخلاف ہیں۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت صحبت

نبوی حاصل تھی اگر آپ بالکل بہ ہیئات موجودہ اذکار نقشبندیہ کے مطابق عمل نہ فرماتے ہوں اور پیچھے آپ نے اپنے مریدوں کو ارشاد فرمادیا ہوتو کوئی تعجب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو تراویح کی نماز بہ ہیئت موجودہ لوگوں سے ہمیشہ پڑھائی اور خود پڑھی۔ کیا سرور کائنات نے ہمیشہ اس طرح پڑھی تھی کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے نقص دین محمدی لازم آتا ہے کیا یہ نماز اکملت لکم دینکم کے برخلاف ہے۔ علی ہذا القیاس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کو بہ ہیئت موجودہ جمع کرنا اور جمعہ کے دن دوسری اذان کا مقرر فرمانا اکملت لکم دینکم کے برخلاف تھا اور اس سے (معاذ اللہ) نقص دین محمدی لازم آتا ہے اس قسم کی اور ہزار ہا نظیریں ہیں مگر آدمی بے سمجھوں کو کیا سمجھاوے ہم مضمون نگار سے ایک اور بابت پوچھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جو طریقے چندے مانگنے اور لغو تحریرات میں وقت ضائع کرنے اور بذریعہ اخبارات اپنے طریقہ کی اشاعت کرنے اور منارہ بناتے اور اپنی تصویر بنوا کر مریدوں کے پاس رکھوانے اور مقبرہ بہشتی بنوا کر اس میں داخل ہونے والوں کی آمدنیوں کے عشر وصول کرنے کے ایجاد کیے ہیں کیا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے ثابت ہیں۔ اس بات کا مدلل جواب ملنا چاہیے۔

قولہ:

پھر خدا کے لیے سوچیں کہ نبی کریم کے قول وفعل کی عزت خدا تعالیٰ کے برگزیدہ مرسل مسیح موعود (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کے دل میں ہے یا ان کے غیر کے دلوں میں۔ بھائیو وہی شخص جسے تم کہتے ہو علیحدہ دین نکال بیٹھا ہے اس کی دل میں تو حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی عزت اس درجہ پر ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ایک طریقہ بھی نیا وصول الی اللہ کے لیے نہیں نکالتا۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار اب یہ کہتا ہے کہ نقشبندی لوگ سوچیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

دعویٰ نہ کرتا جس سے حضرت کا خاتم النبیین ہونا (معاذ اللہ) باطل ہو جاتا ہے۔

(۲) کرشن اور نانک کی نبوت ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا جس سے بداہتہً حضرت کے لیے کسرشان ہے۔

(۳) غیر قوموں کے پیشواؤں کو گالیاں دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حرموں کو گالیاں نہ نکلواتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۰۸)

اگر راہ ہدایت کی طرف بلانا مقصود تھا تو لطائف الحیل سے کام نکالتا تھا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل: ۱۲۵)

(۴) اجماع امت کے برخلاف نئے عقائد نہ نکالتا اور تیرہ سو سال کے مسلمہ عقائد میں جن پر تمام علمائے امت بلکہ صحابہ کرام کا بھی اتفاق تھا دست اندازی نہ کرتا حالانکہ حضرت کا ارشاد ہے کہ لا یجتمع امتی علی الضلالة

(۵) علمائے امت کو جن کے حق میں "کانبیا بنی اسرائیل" حضور نے فرمایا ہے حقارت آمیز کلمات سے یاد نہ کرتا اور ان کو دابة الارض وغیرہ سے تشبیہ نہ دیتا۔

(۶) اپنے شرذمہ قلیلہ کو منع نہ کرتا کہ مسلمانوں کے پیچھے جن میں ہزار ہا کامل مکمل عالم فاضل واصل حق ہیں نماز نہ پڑھا کرو۔

(۷) حامی حرمین شریفین خادم روضہ سید الثقلین سلطان عبدالحمید خان غازی کی بد تعریفی نہ کرتا اور اس کے مقابلہ میں غیر مسلمان بادشاہوں کی تعریف کرنا پسند نہ کرتا۔

(۸) سرور عالم کے عظیم الشان معجزہ معراج بجسدہ العنصری کا انکار نہ کرتا۔ یہ معجزہ تو ایسا تھا کہ اس سے حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء پر فوقیت تھی اس کا استبعاد کرنا اور اس کو ناممکن سمجھنا اور یہ کہنا کہ کوئی آدمی بجسدہ العنصری فلاں طبقہ سے اوپر نہیں جا سکتا حضرت کی شان کو بالکل گھٹاتا ہے اور حضرت کو معاذ اللہ معمولی آدمیوں کی طرح سمجھتا ہے اور اس عقیدہ

وسلم کے قول وفعل کی عزت کسی اور کے دل میں ہے یا مضمون نگار کے مانے گئے ہوئے اور مقرر کیے ہوئے برگزیدہ مرسل یعنی مرزا قادیان والا کے دل میں۔ اور آگے اس عزت کا ثبوت یہ دیا ہے کہ وہ کوئی طریقہ وصول الی اللہ کا نہیں نکالتا یہ عجب قسم کا دعوی ہے اور عجب قسم کی دلیل ہے۔ دعوی تو یہ ہے کہ نبی کریم کی عزت مرزا قادیان والا کے دل میں ہے اور کسی کے دل میں نہیں اور دلیل یہ ہے کہ وہ کوئی طریقہ وصول الی اللہ کا نہیں نکالتا۔ اگر یہی دلیل ہے تو ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو کوئی طریقہ وصول الی اللہ کا نہیں نکالتے تو پس ان سب کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت مرزا کے برابر ہوئی حالانکہ دعوی تھا کہ مرزا کے سوا اور کسی کے دل میں ہے ہی نہیں۔ مضمون نگار کا یہ کہنا کہ اس بات کو سوچو محض اس واسطے ہے کہ چونکہ اس بات کی کوئی پختہ دلیل تو ہے نہیں شاید سوچنے سے کسی کم فہم آدمی کو کچھ مغالطہ پڑ جائے اور وہ اس بات کو تسلیم کر سکے۔ اسی طرح بلا دلیل مضمون نگار نے مرزا قادیان والا کو برگزیدہ مرسل بنا دیا ہے۔ (نعوذ باللہ من هذه الخرافات) اور پھر آگے خود ہی اپنی بات کی تکذیب کر رہا ہے کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبین" کے نام سے یاد کیا ہے پس جب حضور علیہ السلام اس کے نزدیک خاتم النبین ٹھہرے تو مرزا کس طرح رسول بن گیا جب نبوت آنحضرت پر ختم ہو چکی ہے تو رسالت بطریق اولیٰ ختم ہو گئی۔ کیونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے ہر مرسل نبی ہوتا ہے نہ عکس اب یا تو مرزا مرسل نہیں ہے یا سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ خاتم النبین نہیں ہیں مگر حضرت کا خاتم النبین ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے اور اجماع امت بھی تیرہ سو برس سے اسی پر ہے اور مضمون نگار کی قلم سے بھی خدا نے یہی لفظ لکھوا دیا ہے پس مرزا قادیانی ہرگز مرسل نہیں اور یہ دعوی اس کا مسیلمہ کذاب سے کچھ کم نہیں چونکہ مضمون نگار نے ہمیں سوچنے کے لیے کہا ہے اگرچہ پہلے بھی ہم نے اچھی طرح سوچا ہوا ہے مگر اب مکرر سوچنے سے جو کچھ ہمارے خیال میں آیا ہے ہم ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ عزت اور محبت نہیں ہے اور اس کے ہمارے پاس چند دلائل ہیں:

(۱) اگر اس کے دل میں حضور علیہ السلام کی عزت ہوتی تو وہ نبی اور مرسل ہونے کا

سے اعجاز کی بالکل بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے عقائد باطلہ سے پناہ دیوے۔ اب فرمایئے کہ جس شخص کے یہ عقیدے ہیں کیا اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی عزت ہے ہرگز نہیں۔

قولہ:

اور ایک وہ ہیں کہ وہ نماز کو ان اُمور کے لیے ناکافی سمجھ کر اور طریقہ کی ایجاد پر مجبور ہیں۔ خدا کے لیے سوچو اور خوب سوچو کہ نبوت تشریعی کا دعوی کس کو ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں اس بات کا جواب مفصل طور پر ہم لکھ چکے ہیں اگر نماز ہی ہر امر کے لیے کافی ہوتی تو دوسرے ارکان اسلام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ نوافل و اذکار علاوہ نماز کے بڑھانے کی کوئی وجہ تھی جو شخص ذکر الٰہی کرے اور وصول الی اللہ کی کوشش کرے اس کی نسبت بجز ایسے آدمی کے جو دریائے تعصب میں غرق ہے اور جس کی بصیرت پر حسد نے پردہ ڈال دیا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کو نبوت تشریعی کا دعوی ہے افسوس جس شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور اسلام میں ایک عظیم تفرقہ ڈال دیا اور لوگوں کو لوٹنے اور گمراہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اس کی نسبت تو عقیدہ صاف ہے اور واصلان حق پر بدظنی۔

قولہ:

کیا ایک نقشبندی خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ شہادت دے سکتا ہے کہ اس کو نماز پڑھتے خود نماز کے الفاظ و افعال سے بھی ویسی ہی لذت آتی ہے جیسے ذکر نفی اثبات اور اسم ذات سے ہرگز نہیں اگر ایسا ہو تو وہ نماز کے علاوہ کسی اور شے کا طالب ہی کیوں ہوتا۔

اقول:

میں کہتا ہوں نقشبندیوں کو اپنی نماز کی لذت کے بیان کرنے اور اس کے لیے قسم اٹھانے کی کیا ضرورت ہے انہیں تو اس بات کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کوئی ہماری نماز کی لذت کو تسلیم کرے اور ہمیں اچھا سمجھے یہ تو نفسانی آدمیوں کا کام ہے ایسی باتوں کی ضرورت اگر ہے تو مرزا اور اس کے مریدوں کو ہے جنہوں نے ایسی جھوٹی قسمیں اٹھا کر لوگوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے طریقے ایجاد کرنے شروع کیے ہوئے ہیں۔ نقشبندی تو لذت ذکر الٰہی میں ایسے محو ہیں کہ ان کو ذات الٰہی کے سوا اور کسی کی طلب ہی نہیں اسی واسطے وہ بعد از نماز بھی اللہ اللہ شروع کر دیتے ہیں چونکہ ان کو محبت الٰہی غالب ہے، کثرت ذکر کو انہوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ من احب شیئا فقد اکثر ذکرہ. مضمون نگار اس بات کو تو مانتا ہے کہ ان کو اسم ذات ونفی اثبات سے لذت آتی ہے اور ان کی نماز کی لذت کا سخت انکار کرتا ہے معلوم نہیں ایسی کوتاہ اندیشی جو عقل سلیم کے بالکل برخلاف ہے اسے کیوں لاحق ہوگئی۔ کیا نماز اسم ذات اور نفی اثبات اور صفات اللہ اور مایتعلق بھا کا مجموعہ نہیں ہے پس نماز کے باہر جبکہ پوری یکسوئی بھی نہیں ہوتی ان کو اس سے لذت آتی ہے تو نماز میں باوصف پوری یک رُخی ویکسوئی کے کس طرح نہ آتی ہوگی بلکہ اضعافاً مضاعفہ آتی ہوگی اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے بعید از قیاس تو یہ ہے کہ نماز سے باہر خدا کا نام لینا اور اسم ذات کا ورد کرنا بُرا مانا جاوے اور اس کو ناجائز قرار دیا جاوے اور اس کے پڑھنے والوں کو مخالف سنت کہا جاوے اور دعوی یہ ہو کہ ہمیں نماز میں لذت آتی ہے۔ جب نماز سے باہر خدا کا نام لینا بُرا معلوم ہو تو نماز میں کس طرح اچھا لگتا ہوگا اور اس سے کس طرح لذت آتی ہوگی طرفہ یہ کہ مضمون نگار آگے اپنے اسی مضمون میں نقشبندیوں کے ایک پیشوا حضرت مرزا مظہر جان جاناں (جن کی پیروی پر اب کے نقشبندی قدم بقدم چل رہے ہیں) کی نماز کی لذت کو مانتا ہے بلکہ اسی سے مرزائیوں کے مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے لیے دلیل پیش کرتا ہے اس جگہ انکار لذت کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ اگر اس کو لذت آتی تو کسی اور شے کا طالب ہی کیوں ہوتا۔ اب یہاں شے کا نام لینے میں شرم آگئی ہے اور دل میں شے سے مراد وہی خدا کا نام اور نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کو نماز میں لذت آتی تو

نماز کے پیچھے ہرگز خدا کا نام نہ لیتا اور نہ کلمہ پڑھتا۔ افسوس کیا جس شخص کو کسی چیز میں لذت آوے وہ خاص وقت کے سوا اس کا طالب نہیں ہوتا وہ تو ضرور ہوتا ہے بلکہ اس کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ نماز میں لذت آنے کی تو دلیل یہی ہے کہ چونکہ نماز میں اسم ذات اور صفات اور نفی غیر اللہ اور اثبات ذات اللہ اور انہی کے متعلقات ہیں اور مقصود بالذات صرف اسم ذات اور نفی اثبات ہے نماز پڑھتے وقت ان سے ایسی لذت پیدا ہو کہ بعد از فراغت بھی انہی کا شغل شروع کر دیا جاوے اور وقت عزیز کثرت کے ساتھ اس میں صرف کیا جاوے جو شخص بعد از نماز اسم ذات و نفی اثبات کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے اور اس میں شاغل رہنے والوں کی تشنیع کرتا ہے اس کی یہ بے التفاتی اور بدفعلی صاف بتا رہی ہے کہ اس کو ہرگز نماز میں لذت نہیں آتی۔

قولہ:

اور پھر جسے نماز میں لذت آوے وہ مجبور ہوتا ہے کہ کئی گھنٹے نماز میں لگاوے مگر ہم تو ایسے ایسے خلیفوں سے جو تمام منازل سلوک ختم کر چکے ہیں اچھی طرح واقف ہیں کہ بس دس بارہ منٹ میں ظہر کی نماز ختم ہو جاتی ہے ہاں مراقبہ میں پھر دن بیٹھے رہیں گے یہ کیوں صرف اس لیے کہ جو کچھ وہ مراقبوں میں دیکھتے ہیں وہ نماز میں نہیں دیکھتے۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار کا پہلا جملہ قابل غور ہے، کہتا ہے کہ جس کو نماز میں لذت آوے وہ مجبوراً کئی گھنٹے نماز میں لگا دیتا ہے ''کئی'' کا لفظ جمع غیر متناہی کے لیے آتا ہے یہاں ہم ادنی درجہ جمع کا لیتے ہیں جو تین ہے پس بقول مضمون نگار جس کو نماز میں لذت آوے اس کو کم سے کم تین گھنٹے ضرور نماز میں لگانے چاہیے حالانکہ بعض نمازیں ایسی ہیں جن کا تمام وقت ڈیڑھ گھنٹہ اور بعض کے نزدیک اڑھائی گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتا مثلاً عصر موسم شتاء اور ہر وقت مایجوز فیہ الصلوٰۃ تین طرح پر ہوتا ہے، مباح، مستحب، مکروہ یعنی وقت جائز کا وہ حصہ جس میں نماز مباح ہو اور وہ حصہ جس میں مستحب ہو اور وہ حصہ جس میں مکروہ

ہو۔ اگر وقت مکروہ کو اس سے نکالا جاوے تو اس سے بھی تھوڑا وقت ہو جاتا ہے پس جو شخص ایسے وقتوں کی نماز میں بھی کئی گھنٹے لگاتا ہے گویا اس نے ناجائز وقت میں نماز پڑھی جو شریعت میں بالکل جائز ہی نہیں۔ بعض نمازیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے وقت میں پڑھی تھیں کیا حضور علیہ السلام کو لذت نہیں آتی تھی۔ ضرور آتی تھی اور لذت کئی گھنٹے لگانے کے لیے ہر گز مجبور نہیں کرتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزائیوں کی نماز مضمون نگار کے اس کلیہ کے مطابق ہے یا نہیں چونکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کو تمام مسلمانوں سے زیادہ نماز میں لذت آتی ہے تو وہ ضرور معمولی لذت والے سے دو چند دیر نماز میں لگاتے ہوں گے جس کا تخمینہ چھ گھنٹے ہونا چاہیے اور نمازیں پانچ ہیں اس حساب سے انہیں تیس گھنٹہ وقت چاہیے حالانکہ شب و روز کل چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے اور اس میں اگر اور کوئی کام نہ کیا جائے تو سونے اور خورد و نوش کے لیے تو آٹھ دس گھنٹے بے شک چاہیے یہ تو مرزائی ہرگز انکار نہیں کر سکتے کہ ہم کھاتے پیتے نہیں یا سوتے نہیں۔ باقی وقت کو پانچ پر جو نمازوں کی تعداد ہے تقسیم کرنے سے تین گھنٹے جو ادنیٰ درجہ جمع کا ہے ہرگز کسی نماز کے حصے میں نہیں آتا۔ پھر اسی بقیہ وقت میں مرزائی لوگ اخباریں بھی لکھتے ہیں اور مدرسوں میں انگریزی زبان بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں، طبابت بھی کرتے ہیں مکابرے اور مجادلے بھی کرتے ہیں، رسالے بھی تصنیف کرتے ہیں، کتب فروشی کا کام بھی کرتے ہیں ہر قوم کے خطوں کا جواب بھی دیتے ہیں دیگر ایسے ایسے کام جن کو ظاہر کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا کرتے ہیں۔ بھلا ایسے بیچارے دوکانداروں کو دس بارہ گھنٹے میں نماز کے لیے کیا وقت ملتا ہوگا۔ اگر ملتا ہوگا تو بھی چند منٹ پھر وہ دوسروں کو یہ کہنے کے کب مستحق ہیں کہ فلاں آدمی چند منٹ نماز میں لگاتا ہے جن خلیفوں کی نماز کی حالت مضمون نگار نے بیان کی ہے اگرچہ یہ اندازہ اس کا تخمینی ہے اور بسبب بداعتقادی اور بداندیشی کے نہایت ہی کم بیان کیا ہے مگر یہ ہم مانتے ہیں کہ وہ نماز میں غیر متناہی گھنٹے نہیں لگاتے اور معمولی وقت میں نماز ادا کرتے ہیں باعث اس کا یہ ہے کہ اگر نماز کو بہت لمبا کیا جاوے اور اتنا وقت اس میں صرف کیا جاوے جتنا کہ مضمون نگار بیان کرتا ہے تو اول تو نماز شریعت محمدیہ کے بالکل برخلاف ہو

جاتی ہے دوسرا اس میں ریا کا شائبہ ہو جاتا ہے چونکہ مضمون نگار نے آگے شیخ سعدی کے قول کی ایک مثال دی ہے اس لیے ہم یہاں انہی کا ایک قول نقل کرتے ہیں؛

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در روئے مردم گذاری دراز

تیسرا کتب شریعت سے ہرگز ثابت نہیں کہ کسی خاص لذت کے واسطے نماز کو بے انتہا لمبا کیا جاوے۔ نیز بزرگان دین علیہم الرحمۃ کو جماعت کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور اکثر وہی امام اور مقتدایان قوم ہوتے ہیں اگر جماعت کی پابندی نہ کریں (جیسا کہ مرزا قادیانی صاحب نہیں کرتے) تو وعید ترک جماعت سے ڈرتے ہیں اور اگر کریں تو ضروری ہے کہ مقتدیوں کی رعایت کی جائے۔ مقتدی سب کے سب ایسے فارغ نہیں ہوتے کہ انہیں نماز میں بے انتہا وقت لگانے کا موقع ملے پس بلا ریب جو نماز شریعت محمدیہ کے مطابق ادا کی جائے گی اور جس میں جماعت کی پابندی ہوگی وہ معمولی وقت میں ہی ادا کی جائے گی۔ ہم مضمون نگار سے یہ پوچھتے ہیں کہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں حدیث مبارک میں مروی ہیں کہ آپ نے ایک رکعت میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور رکوع سجود میں صرف تین تسبیح پڑھیں۔ کیا وہ نمازیں معمولی وقت میں ادا نہیں ہوئیں۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں لذت نہیں آئی کیا آپ کو لذت نے ان کے لمبا کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا علاوہ ازیں یہ کہنا کہ وہ مراقبوں میں اس واسطے دیر لگاتے ہیں کہ انہیں وہاں لذت آتی ہے اور نماز میں نہیں آتی بالکل لغو اور غیر مدلل ہے۔ نماز میں تو انہیں ایسی لذت آتی ہے کہ خارج از نماز ایسی آ سکتی ہی نہیں کیونکہ وہ لذت ذکر اللہ سے مخصوص ہے اور قطع علائق سے اس میں تکمیل ہوتی ہے جب نماز میں ذکر اللہ بھی ہے اور انقطاع بھی ایسا ہے کہ باہر ایسا ہو ہی نہیں سکتا تو نماز کی لذت کے برابر انہیں کسی اور حالت میں لذت کا حاصل ہونا کب متصور ہو سکتا ہے۔ ہاں جب وہ جانتے ہیں کہ نماز کو موافق سنت ادا کرنا ضروری ہے اور اس میں پابندی جماعت اور رعایت قوم لابدی امر ہیں اور نماز کو ایسی شکل سے بھی پاک رکھنا ضروری ہے جس میں شائبہ ریا ہو تو مجبوراً وہ نماز کو مسنون وقت میں

ادا کرتے ہیں اور اپنی خاص لذت کے واسطے نماز کو خلاف شریعت ادا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور بعد ازاں چونکہ ذکر اللہ ہوسکتا ہے اور اس کے لیے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء: ۱۰۳) کے ارشاد سے وسعت دی گئی ہے۔ اپنا عزیز وقت اسی میں صرف کرتے ہیں اور کسی دُنیاوی کام کی پروا نہیں کرتے اور بہت بہت دیر تک لذت ذکر الٰہی میں محو رہتے ہیں۔ قبل ازیں ہم نے عقلی دلیل سے ثابت کر دیا ہے کہ مرزائی لوگ ایسی نماز جس میں غیر متناہی گھنٹے لگائے جائیں ہرگز نہیں پڑھ سکتے اور تخمیناً دو تین سال کا عرصہ ہوا ہم قادیان (مرزا کی کمیٹی اور کارروائی دیکھنے کے واسطے) گئے بھی تھے اس وقت وہ لوگ نماز میں بالکل معمولی دیر لگاتے تھے اب شاید حسب قول مضمون نگاران کے نئے پیغمبر نے کوئی ایسی نماز ایجاد کی ہو جس میں کئی گھنٹے لگتے ہوں اور اس میں ان کو خاص لذت آتی ہو جس سے ان کو مکاشفات اور الہامات کا دروازہ کھل جاتا ہو تو عجب نہیں مگر ایسی نماز شریعت محمدیہ کے برخلاف ہے۔ نیز مضمون نگار پہلے بیان کر چکا ہے کہ لذت کے واسطے یکسوئی ضروری ہے اور اس میں قلب کی یکسوئی کا راز مخفی ہے اور مسمریزم والوں کو بھی اسی واسطے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی تقریر کے موافق جس شخص کو کسی حالت میں لذت پیدا ہو گی وہ یکسوئی سے ہو گی اور یہ مسمریزم کے مشابہ ہے بلکہ عین مسمریزم ہے۔ پس مرزائی لوگ جب نماز سے ہی یہ بات حاصل کرتے ہیں اور خاص اس امر کے واسطے کسی خاص طریقے پر کئی گھنٹے نماز میں لگاتے ہیں تو گویا وہ نماز کو تختۂ مشق مسمریزم بناتے ہیں نہ عبادت الٰہی۔ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی نماز سے جو شریعت محمدیہ کے بھی برخلاف ہو اور عبادت الٰہی بھی نہ ہو بچاوے۔ آمین

قولہ:

مگر کیا نماز میں وہ باتیں ہیں۔ ضرور ہیں، پر افسوس کہ کوئی مجاہدہ نہیں کرتا۔

اقول:

میں کہتا ہوں اس جگہ کلام کو بالکل مہمل کر دیا گیا ہے اور کوئی خاص طریقہ مجاہدہ کا جو نماز کے اندر ہی کیا جاوے جس سے سب منازل باطنی طے ہو جاویں، بیان نہیں کیا۔ اس بات کا

ظاہر کرنا ضروری تھا کہ وہ کس قسم کا مجاہدہ ہے جو نماز میں کیا جاوے اور کیا وہ خاص مجاہدے والی نماز شریعت محمدی کے مطابق ہے یا نہیں۔

قولہ:

ہاں ایک مرد خدا ہے جو باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہ تمام جہان کی لذتیں تمام جہان کے فیوض ساری خدائی کی نسبتیں صرف اسی نماز میں حاصل ہوتی ہیں ،کوئی ہے جو اس کی سنے۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ بات ایک منٹ بھی باور کرنے کے قابل نہیں کہ مرزا قادیان والا کی ایجاد مذہب جدید سے یہی غرض ہے اور وہ باآواز بلند نماز کے لیے کوشش کررہا ہے بلکہ نماز کے لیے تو اس نے کبھی کوئی تحریر خصوصیت کے ساتھ جس میں کوئی اور خود غرضی کی بات نہ ہو، آج تک شائع کی ہی نہیں۔ ہم تو اس کی جو تحریر دیکھتے ہیں یا تو عیسیٰ علیہ السلام کی ممات ثابت کرنے کے لیے ہے جس سے غرض یہ ہے کہ میرا مسیح موعود ہونا ثابت ہو جائے یا اس بات کے لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے پدر پیدا نہیں ہوئے اور حضرت مریم علیہ السلام معاذ اللہ یوسف نجار کے ساتھ اختلاط رکھتی تھیں اور مطلب یہ کہ میری مثلیت ثابت ہو جائے کیونکہ میں بے پدر نہیں ہوں یا اس امر کے لیے کہ عیسیٰ آسمان پر نہیں گیا اور نہ کوئی جا سکتا ہے چنانچہ یہ بھی لکھ دیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر بھی نہیں گئے اور نہ جا سکتے تھے اور مدعا یہ کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ عیسیٰ نے تو آسمان سے آنا تھا اور یہ آسمان سے نہیں آیا یا اس کی تحریریں چندے مانگنے کے لیے ہیں چنانچہ منارۃ المسیح بنانے کے پھندے سے سینکڑوں روپے جمع کیے گئے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو مسیح کا منارہ پر اترنا آیا ہے اس کا کچھ نہ کچھ نمونہ بنا کر بھولے بھالے لوگوں کو دکھایا جائے اور اس حیلہ سے روپیہ بھی بہت سا جمع ہو جائے گا یا اس کی تحریریں مقبرہ بہشتی مصنوعی میں جگہ خریدنے کی تحریک میں ہیں یا غیر اقوام کے عیوب ظاہر کرنے میں یا لوگوں کو پیشوایان اسلام سے بداعتقاد کرنے کے واسطے ہیں۔ غرض یہ کہ کوئی تحریر اس کی خود غرضی اور نفسانیت سے خالی نہیں اور ہر ایک

سے رعونت اور تکبر اور خود ستائی کی بُو آ رہی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو باجمعہم بُرا اور گمراہ بنانا اور آپ کو اچھا سمجھنا اس سے بڑھ کر اور کیا تکبر ہوتا ہے اس کی بیسیوں تحریریں ہم نے دیکھی ہیں کسی ایک میں یہ نہیں دیکھا کہ نماز کے واسطے خاص ہدایات لکھی گئی ہوں یا نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہو۔

قولہ:

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ خیالی منزلیں جو ہر روز طے کی جاتی ہیں ان کا عملی طور سے بھی کچھ اثر پایا جاتا ہے اگر انسان مراقبہ معیت، ولایت علیا، کمالات نبوت، کمالات رسالت، کمالات اولوالعزم سے گزرتا ہوا حقیقت احمدی کو طے کرتا ہوا حسب صرفہ دائرہ لاتعین تک بھی پہنچ جائے اور اخلاق میں کچھ تبدیلی نہ ہوا گر اس کی طبیعت میں غصہ ہے تو وہ اسی طرح ہے دنیوی طمع ہے تو اسی طرح غالب تو فرمایئے ان منازل کو طے کرنے سے کیا فائدہ۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار نے اب یہ حکم لگایا ہے کہ جو بزرگ منازل مخصوصہ تصوف طے کر چکتے ہیں ان کے اخلاق میں تبدیلی نہیں ہوتی اور پھر من جملہ اخلاق کے دو باتوں کو ظاہر کیا ہے کہ ان کی طبیعت میں غصہ بھی اسی طرح ہے اور دنیوی طمع بھی غالب ہوتا ہے۔ یہ کلیہ مضمون نگار کا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ اس نے تمام دنیا کے اس درجہ والے بزرگوں کو دیکھا تو ہے ہی نہیں اور نہ اس کا دیکھ سکنا ممکن ہے اور بعض کے حالات بخیال خود دیکھ کر کل پر حکم لگا دینا صریح ضلالت اور بہتان عظیم ہے۔ جن بعض کے حالات وہ بیان کرتا ہے ممکن ہے کہ ان کو کمالات مذکورہ کی تکمیل ہی نہ ہو اور صرف زبان سے دعوی کرتے ہوں۔ مضمون نگار اندر کی حقیقت کس طرح معلوم کر سکتا ہے اگر اس نے مرزا سے الہام سیکھ کر معلوم کی ہے تو وہ ہرگز قابل اعتبار ہی نہیں جب خود مرزا کے الہام سراسر جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں تو اس سے سیکھنے والوں کے کس طرح قابل اعتماد ہو سکیں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مضمون نگار نے ان بزرگوں کو بدظنی کی نظر سے دیکھا ہو؛

و عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
کما ان عین السخط تبدی المساویا

اور یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ مضمون نگار نے تعصب سے لوگوں کو بدظن کرنے کے واسطے خلاف واقعہ یہ لکھ دیا ہو جیسا کہ اس کی تمام تحریر اس بات کو ظاہر کر رہی ہے اور مرزائیوں کا یہ عام شیوہ ہو رہا ہے اگر مضمون نگار حق طلب ہوتا اور اس کے نزدیک یہی عیوب آدمی کی کمالیت اور غیر کمالیت کے معیار ہوتے تو وہ ایک منٹ بھی مرزا کی مریدی اختیار نہ کرتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ مرزا نے مولوی کرم الدین صاحب پر فوجداری مقدمے کیے اور بذات خود ان کی پیروی کی اور عدالتوں میں حاضر ہوتا رہا۔ ان پر جرح کی اور ہر طرح کی بھڑاس نکالی کیا مضمون نگار کسی ایسے بزرگ کا نام بتا سکتا ہے جس نے بعد طے منازل سلوک وتصوف کے کسی پر فوجداری مقدمہ کیا ہوا اور مرزا کی طرح بذات خود اس کی پیروی کی ہو دنیا طلبی کا حال دیکھیے کہ ادنی ادنی کام مثلاً خطوں اور کارڈوں کے خرچ کے واسطے بھی مرزا صاحب نے چندے مانگے۔ اپنی کتابوں کو ایسی گراں قیمت پر بیچا کہ ایک بڑا ابھارا حریص تاجر بھی اتنی گرانی پر نہیں بیچتا۔ مریدوں کی آمدنیوں کے حصے طوعاً و کرہاً اپنے لیے کافی کرائے۔ غرض دنیا طلبی کے ایسے ایسے ڈھنگ نکالے کہ ابوزید کو خواب میں بھی نہیں سوجھے تھے کیا مضمون نگار بتلا سکتا ہے کہ کسی بزرگ نے بعد طے منازل سلوک و تصوف کے کوئی دنیا طلبی کا ڈھنگ نکالا ہو یا کسی سے کچھ چندہ وغیرہ مانگا ہو اگر لوگوں نے خود بخود اپنی محبت سے ان کی خدمت کی ہو یا فضل الٰہی سے ان کا کارخانہ ظاہری اچھا ہو گیا ہو تو یہ جدا بات ہے یہ دنیا طلبی نہیں ہے۔ انصاف کرنے والا آدمی اگر دیکھے تو بزرگوں کا مال سب اللہ کی راہ میں ہی خرچ ہوتا رہتا ہے نہ ایسی کارروائیوں پر جن سے آمدنی کی صورت پیدا ہو مثلاً اپنے مطابع کھولنا یا اپنے مدرسے بنانا یا کتب فروشی کرنا یا اخبارات و رسائل نکالنا جن سے سینکڑوں روپے جمع ہوتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی صاحب کر رہے ہیں۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ مرزا کی طبیعت میں دنیا کا طمع ہے یا دوسرے بزرگوں کے باطن میں!!!

خدا کے لیے انصاف کرو اور اپنی زبانی جھوٹے نہ بنو۔

قولہ:

ہم خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر شہادت دیتے ہیں کہ ایک بزرگ کئی لوگوں کو اپنی توجہ سے حقیقت ابراہیمی تک پہنچا چکے ہیں مگر ایمانی ابتلا میں بالکل ثابت قدم نہ نکلے اور صرف مخلوق کے ڈر سے امر حق کے اظہار سے پس وپیش کر رہے ہیں اب فرمایئے جو اللّٰہ معی کا سبق پڑھ چکا ہے اور بیسیوں کو پڑھا چکا ہے اور جو فنافی اللہ ہو چکا ہے کیا اس کا یہی طریقہ ہونا چاہیے۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار بے چارا بار بار قسم اٹھاتا ہے اور کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا مگر سچ ہے جھوٹا آدمی جب مدلل بات بیان کرنے سے عاجز ہو جھوٹی قسموں پر خوب زور دیتا ہے مضمون نگار کی یہ کلام ایسی بدیہی البطلان ہے کہ اہل بصیرت کو اس کے امکان کا وہم بھی نہیں گزر سکتا۔ کیا جو شخص حقیقت ابراہیمی تک اوروں کو بھی پہنچا چکا ہو اور فنافی اللہ بھی ہو چکا ہو اس کی نسبت ایسا کہنا کہ ایمانی ابتلا میں ثابت قدم نہیں کسی عقل مند کا کام ہے یا تو یہ کہنا چاہیے کہ یہ باتیں حقیقتاً اس میں نہیں بلکہ زبانی دعوی ہیں تو ہاں یہ جدا بات ہے ایسے شخصوں کی عیب گیری کا کوئی فائدہ نہیں جب ان کے دعاوی ہی جھوٹے ہیں تو وہ ایمانی ابتلا میں کیونکر ثابت قدم رہ سکتے ہیں مگر جو لوگ حقیقتاً فنافی اللہ ہو چکے ہیں اور اللّٰہ معی کا سبق پڑھ چکے ہیں ان کی نسبت بجز ایسے شخص جو ضالین کے زمرہ میں داخل ہے اور کون بدظنی کر سکتا ہے؛

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان زند

جس شخص (مراد مرزا قادیانی ہے) کے ایسے حالات سے تقریباً تمام دنیا واقف ہے کہ اس نے اسلام کے تیرہ سو سال کے مسلمہ عقائد کو توڑ پھوڑ کرنا چاہا ہے اور حتی الوسع کر رہا ہے اور پھر علمائے کرام کے روبرو حق کے تصفیہ کے لیے ہرگز نہیں آتا باوجود یہ کہ وعدہ کرتا ہے اور پھر تاروں کے ذریعے کئی بار بلایا بھی جاتا ہے اور علماء کرام اس کے مقرر کردہ مقامات

پر بتواریخ مقررہ حاضر بھی ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ شخص امر حق کے اظہار اور احقاق حق میں پس و پیش نہیں کرتا اور دوسرے لوگ کرتے ہیں۔

قولہ:

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خیر القرون کے لیے صرف نماز کافی تھی مگر اب ہم زمانہ نبوت سے بہت دُور ہو گئے ہیں اس لیے ہمیں دیگر مجاہدات کی بھی صفائی قلب کے لیے ضرورت ہے۔ حضرات تو گویا آپ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ صرف انہی لوگوں کے لیے موجب ہدایت و خیر و برکت ہو سکتا ہے جو زمانہ نبوت سے دُور نہ ہوں، دوسروں کے لیے نہیں گویا زیادہ تاریک دلوں کے منور کرنے کے لیے نماز کافی نہیں۔ افسوس ہے اس عقیدہ پر ہائے افسوس یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے ورنہ کیوں ایسا کریں اور کیوں دوسرے طریقے نکالیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار نے یہ مقولہ اپنے مضمون کی تائید کے واسطے خود ہی گھڑ لیا ہے اور خود ہی اس کا جواب دے دیا ہے اور مضمون کو طول دینے کے واسطے بے فائدہ اور مکرر باتیں کرتا چلا گیا ہے۔ میں ہرگز باور نہیں کرتا کہ کوئی پورا دانا آدمی ایسا کہے کہ خیر القرون کے لیے صرف نماز ہی کافی تھی اور کسی ذکر وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا ایسے کہنے والا آدمی ایسا لا یعلم ہے کہ اس نے حدیث کی کتابوں میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ اور باب ذکر اللہ عزوجل دیکھا ہی نہیں اور کیا وہ آدمی دوسرے ارکان اسلام کا جو خیر القرون میں ہی مقرر ہوئے تھے، واقف نہیں ہے۔ مجھے مضمون نگار کے اقوال پڑھ کر اس کی کم علمی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے اور حیرانی یہ لاحق ہوتی ہے کہ ایسے آدمی جن کو قرآن اور حدیث سے مس ہی نہیں ایسے مضامین لکھنے شروع کر دیتے ہیں اور ایسے قطعی حکم لگاتے ہیں کہ گویا قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں اور حالانکہ قرآن اور حدیث کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں اگرچہ ہم ان اقوال کا مدلل جواب لکھ چکے ہیں مگر پھر بھی نماز کے بعد بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے اور

دعائیں مانگنے کے ثبوت میں ایک اور آیت اور چند احادیث تحریر کرتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالیٰ فاذا فرغت فانصب الآیۃ اخرج عبد ابن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ من طرق عن ابن عباس فی قولہ فاذا فرغت فانصب الآیۃ قال اذا فرغت من الصلوٰۃ فانصب فی الدعاء واسأل اللّٰہ و ارغب الیہ و اخرج الفریابی و عبدابن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن مجاھد فاذا فرغت فانصب قال اذا جلست فاجتھد فی الدعاء والمسألۃ.

(الدرالمنثور ص ۳۶۵ جلد ۶)

قولہ:

اگر قرآن مجید کے تمام برکات پر حاوی ہونے کا یقین ہو تو کیوں دعائے حزب البحر اور ختم خواجگان حل مشکلات کے لیے پڑھیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں ختم خواجگان جو قرآن کریم کی سور مخصوصہ اور درود شریف کا مجموعہ ہے اور دعائے حزب البحر جس میں آیات قرآنیہ اسماء الحسنیٰ وادعیہ ماثورہ جمع ہیں، ان کے پڑھنے والوں کو یہ کہنا کہ ان کو قرآن کے تمام برکات پر حاوی ہونے کا یقین نہیں، عجب طوفان بے تمیزی ہے۔ ان کے پڑھنے والوں کے لیے تو قرآن کی برکات پر کامل الیقین ہونے کا بڑا بھارا ثبوت ہے اگر ان کو قرآن کریم کی برکات کا یقین نہ ہوتا تو وہ کیوں ایسے ختم اور ایسی دعا کو پڑھتے جس میں اکثر آیات قرآنیہ ہیں اور درود شریف ہے جس کے پڑھنے کا قرآن کریم حکم دیتا ہے:

اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓـئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (الاحزاب:۵۶)

اور اسماء الحسنیٰ ہیں جن کے پڑھنے کے لیے یہ ارشاد ہے:

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الاعراف: ۱۸۰)

اورادعیہ ماثورہ ہیں جو سرور کائنات نے (جن کے حق میں و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی وارد ہے) سکھائے ہیں۔

افسوس کہ مضمون نگار نے عیب چینی تو شروع کر دی مگر کسی بات میں عقل اور انصاف سے کام نہ لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی مخصوص سورتوں اور آیتوں کو کیا ترجیح ہے اور صرف وہی کیوں پڑھی جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض آیات اور سورتوں کو بعض پر ترجیح خود حدیث مبارک میں آچکی ہے اور بعض سورتوں اور آیات کے اوقات مخصوصہ میں پڑھنے کے لیے ہی صدہا احادیث میں ارشاد ہو چکا ہے۔ سورہ اخلاص مبارک جو ختم خواجگان کا رکن اعظم ہے اور جو ہزار بار ختم میں پڑھا جاتا ہے اس کا ثبوت اور شان ذیل کی حدیثوں میں ملاحظہ فرمائیے اور انصاف کیجیے؛

اخرج محمد بن نصر والطبرانی بسند جید عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم. قل ھو اللّٰہ احد تعدل بثلث القرآن. (الدر المنثور ص۴۱۴ جلد ۶)

واخرج الحافظ ابو محمد الحسن بن احمد السمرقندی عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من قرأ قل ھو اللّٰہ احد مرة بورک علیه و من قرأ ھا مرتین بورک علیه و علی اھل بیته و من قرأ ھا ثلث مرات بورک علیه و علی اھل بیته و جیرانه و من قرأ ھا اثنی عشر مرة نبی اللّٰہ له فی الجنة اثنی عشر قصرا و من قرأ ھا عشرین مرة کان مع النبیین ھکذاو ضم الواسطی والتی تلیھاا لابھام و من قرأ ھا مائة مرة غفر اللّٰہ له ذنوب خمس و عشرین سنة الا الدین والدم و من قرأ ھا مائتی مرة غفرت له ما ذنوب خمسین سنته و من قرأ ھا اربعمائة مرة کان له اجرار بعمائة شھید کل عقر جواده و اھریق دمه و من قرأھا الف مرة لم یمت حتی یری مقعده من الجنة او یری له. (الدر المنثور ص۴۱۳ جلد ۶)

سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسی ارشاد کے مطابق حضرات نقش بندیہ نے ختم خواجگان میں ہزار بارقل شریف کا پڑھنا مقرر فرمایا ہے۔

قولہ:

اور کیوں شغل رابطہ کی قید لگائیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پیر کی صورت اپنی مدرکہ اور دل کے اندر تصور کرے چنانچہ حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ذکر تنہا بے رابطہ (یعنی تصور پیر) و بے فنافی الشیخ موصل نہیں ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ بت پرستی کے کیا معنی ہیں کسی فلسفی برہمن سے پوچھیے وہ ہرگز تسلیم نہ کرے گا کہ ہم بالاستقلال ان پتھروں سے حاجتیں طلب کرتے ہیں بلکہ کہے گا کہ یہ بطور قبلہ ہیں اور ان کے ذریعہ یا ان کے فیض صحبت سے ہم خدا کے مقرب بننا چاہتے ہیں۔ تصور کا بھی تو یہی مطلب ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں قبل اس کے کہ مضمون نگار کی اس بدگوئی کے لواحق پر بحث کی جاوے ہم شغل رابطہ کا تحقیقی جواب لکھتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ نہایت باریک ہے اور مضمون نگار نے اسی کی بنا پر ایک بڑی بھاری جماعت اور مقبول الٰہی فرقہ کو جن کی حقانیت کا ڈنکا تمام عالم میں بج رہا ہے اور جس میں دنیائے اسلام کا اکثر حصہ داخل ہے بُت پرست ہونے کا الزام لگایا ہے اگر اس سے اور اس کے مضل سے قیامت کے دن صرف اسی بات کا حساب بھی لیا گیا تو ان شاء اللہ ان کو بجز اسفل السافلین کے اور کوئی جگہ نہ ملے گی جو کچھ کہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ ذکر تنہا بے رابطہ و بے فنافی الشیخ موصل نہیں، وہ بالکل صحیح ہے جو اعتراض اس پر کیا گیا ہے رابطہ کے مفہوم نہ سمجھنے سے کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ شیخ کی صورت خیالی تکلف سے حاضر کرنے کا نام رابطہ نہیں ہے بلکہ رابطہ شیخ کامل مکمل کے ساتھ محبت راسخہ ہونے کا نام ہے اور یہ بدیہی ہے کہ جب کسی کے ساتھ محبت کامل ہوگی تو محبوب کا خیال من حیث انہ محبوب لازم حال ہوگا اور ذکر الٰہی کرنے کے وقت شیخ کے فیوضات کا خیال مدنظر رکھنا ہوتا

ہے۔اس لیے اصل مقصود بالذات سالک کا یہی محبت الٰہی کا غالب ہونا ہے جس کا نام جذبہ ہے اور چونکہ سالک کی نظر مرئیات اور محسوسات پر ابتداء منحصر ہوتی ہے اور ذات باری عز اسمہٗ سے بُعد ہوتا ہے اس لیے پہلے محبت شیخ سے پیدا ہوتی ہے؛

من حیث انہ مظہر لفیوضاتہ سبحانہ محسوس بالحواس لظاہرۃ واللّٰہ سبحانہ غیر محسوس

پس جب اس کے دل میں نور اور بینائی پیدا ہوتی ہے تو اس کی محبت منتقل ہو کر ذات باری عز اسمہٗ سے مربوط ہو جاتی ہے اور تمام تصورات وتخیلات سے جو پہلے اس کو تھے اب پاک صاف ہو جاتا ہے اور شیخ کی صورت بتکلف ذکر کے وقت حاضر کرنے کی تعلیم دینی ناقص شیخوں کا کام ہے جو دلوں میں تصرف کرنے کا منصب نہیں رکھتے اور نہ ان کو حقیقت حال تصوف وسلوک معلوم ہے۔ایسے اعتبار سے ساقط ہیں شیخ کامل وہ ہوتا ہے جس کے تصرف سے دلوں میں محبت اس کی مرکوز ہو جاوے اگر سالک تکلف سے اس کو دُور کرنا چاہے تو نہ ہو سکے۔اسی محبت سے شیخ کے کمالات سالک کے دل میں منجذب ہوتے ہیں۔غرض ایسی محبت راسخہ کا نام رابطہ ہے اور تصور شیخ بلا محبت شیخ سلوک میں کچھ فائدہ بخش نہیں۔یہی رابطہ تھا جو صحابہ کرام میں رائج تھا۔محبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب تھی۔اسی محبت کے باعث صحابہ کرام آں حضرت کے دل و جان سے شیدا تھے اور منافق باوجود حصول صحبت فیضان آں حضرت سے محروم تھے وجہ محرومی یہی ہے کہ ان میں رابطہ یعنی محبت آں حضرت مفقود تھی۔جناب الٰہی نے جو کلام الٰہی میں فرمایا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (ال عمران: ۲۰۰)

رابطوا سے رابطہ مراد ہے اس لیے کہ بجز رابطہ کے تکمیل مشکل ہے اور فنافی الشیخ کا معنی اتباع شیخ ہے ظاہراً و باطناً اخلاقاً و اقوالاً و اطواراً جیسا کہ جناب باری عز اسمہٗ فرماتے ہیں:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (ال عمران:۳۱)

فاتبعونی کی ''فا'' تفراجیہ ہے یعنی اگر محبت الٰہی تمہارے دل میں جاگزیں ہوگئی ہے تو میرے نبی کی اتباع کرو بجز محبت کاملہ کے اتباع نہیں ہوسکتی اور محبت شیخ ابتداء عین محبت الٰہی ہے کیونکہ شیخ کے ساتھ اس واسطے محبت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ذریعہ وصول الی اللہ ہے اور مظہر فیوضات الٰہیہ ہے نہ من حیث ان وجھہ حسن او کلامہ حسن اور جواہل باطل بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ (الزمر: ۳)

نہ محبت بتوں سے ہے بلکہ وہ ان میں اوصاف اُلوہیت سمجھتے ہیں اور سمجھتے تھے جیسا کہ آیات شریفہ میں تصریح موجود ہے اور شیخ کو قائم مقام پیغمبر سمجھا جاتا ہے نہ معبود۔

تو ثابت ہوا کہ شیخ سے رابطہ اور چیز ہے اور کفار کا بتوں کی پرستش کرنا اور چیز۔ اس تحقیق سے ناظرین حق بین سمجھ سکتے ہیں کہ شغل رابطہ ایک نہایت حق اور واجب امر ہے اور منشاء اعتراض محض غلط فہمی ہے۔ افسوس مضمون نگار نے مرزا قادیان والا کی اپنی تصویر چھپوا کر مریدوں کے پاس رکھوانے کو تو بت پرستی نہ کہا جو عین بت پرستی ہے جس میں کسی قسم کی تاویل بھی نہیں ہوسکتی اور شغل رابطہ کی نسبت ایک غلط فہمی ظاہر کردی اور تشبیہ جو برہمن فلسفی کے من گھڑت قول کے ساتھ دی گئی ہے وہ بالکل قیاس مع الفارق ہے۔

اول تو بت اور انسان کامل کو مشابہ بنانا سراسر ضلالت ہے۔

دوسرا پتھروں سے حاجتیں طلب کرنے کو بالاستقلال ہوں یا نہ محبت شیخ پیدا کر کے ذکر الٰہی کرنے کے ساتھ مشابہ سمجھنا نہایت ہی کج روی اور ظلم عظیم ہے اور اگر ایمان اور حمایت اسلام کی کچھ ضرورت ہوتی تو اس کی جواب دہی میں کوشش کرتا۔

سخت افسوس ہے کہ ایک امر حق کو الٹا سمجھ کر ایسی تشبیہ دی کہ جس سے بے چارے کو اپنے ایمان کے ضائع ہونے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

قولہ:

کاش وہ سمجھیں کہ اصل میں یہ کہ نوامع الصادقین کی تڑپ ہے جو کہ مختلف اشکال میں جلوہ گر ہو رہی ہے اور اس تڑپ کے پورا کرنے کے لیے ہر صدی

کے سر پر مجدد پیدا ہو کر مزکی نفوس ہوتے ہیں:

(۱) اس کا ثبوت ہم نقشبندیوں کے پیشوا امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام فیض القیام سے دیتے ہیں، فرماتے ہیں مکتوب چہارم جلد ثانی میں: لهذا برسر هر مایته از علماء ایں امت مجددی تعیین مے نمایند که احیائے شریعت فرمایند علی الخصوص بعد از الف که در امم سابقه بعثت پیغمبر اولوالعزم است و بر پیغمبری دراں وقت اکتفانه نموده اند۔ دریں وقت عالمی عارفی تام المعرفة ازیں امت درکار است که قائم مقام اولوالعزم انبیا باشد

فیض روح القدس ارباز مدد فرمایند
دیگراں هم بکنند آنچه مسیحا میکرد

اس عبارت سے تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں

(۱) ہر صدی کے سر پر ضرور مجدد مبعوث ہوتا ہے۔

(۲) خصوصاً ہزار سال گزرنے کے بعد اور وہ قائم مقام اولوالعزم انبیاء ہوتا ہے۔

(۳) فیض روح القدس کی مدد ہو تو جو کچھ مسیح نے کیا اور بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی مثیل مسیح کا ہونا ناممکن نہیں بلکہ عادت اللہ اس طرح جاری ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ چودہویں صدی نہیں کیا چودہویں صدی سے تئیس (۲۳) برس نہیں گزر گئے تو پھر کیا کوئی مجدد ہے اگر ہے تو اس کا نام لیجیے ورنہ امام ربانی کا کلام جھوٹ ثابت ہوگا جو کہ محال ہے۔ قطع نظر اس سے کہ احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن مجید سے بھی ہر صدی کے سر پر ظل النبی کی بعثت ثابت ہوتی ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار کی غرض اس استدلال سے مرزا قادیانی کی مجددیت ثابت کرنے کی ہے مگر جب مرزا مجددیت سے آگے بڑھ کر نبوت اور رسالت کا مدعی ہے اور

مضمون نگار نے بھی اس کو سابقاً اسی مضمون میں نبی مرسل کے لقب سے پکارا ہے تو مجددیت کے ثبوت میں کوشش کرنا اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ کی کلام کو نقل کر کے اس سے استدلال کرنا بالکل بے سُود اور غیر نافع ہے۔ ہاں من جملہ ان القاب کے جو مرزا صاحب اپنے ساتھ مختلف اوقات لگاتے رہے ہیں ایک مجدد کا لقب بھی ہے اور شاید اب بھی کسی ضرورت کے وقت اس کے ساتھ لگانے کی حاجت ہوتی ہوگی اس واسطے اس کا ثبوت پیش کرنے میں تکلیف اٹھانی پڑی۔ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ مضمون نگار بے چارا ایک بات کے ثابت کرنے کے لیے جس کلام سے استدلال کرتا ہے اس کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس سے میری دوسری بات کی تردید ہو رہی ہے۔ اسی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی کلام فیض القیام سے ثابت ہو رہا ہے کہ جو شخص سو سال یا ہزار سال کے بعد احیائے شریعت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے وہ پیغمبر نہیں ہوتا بلکہ علمائے امت سے ایک عالم عارف تام المعرفت ہوتا ہے اور نائب پیغمبر ہوتا ہے پس چونکہ حضرت امام ربانی کا یہ ارشاد بالکل صحیح اور مطابق قرآن و حدیث ہے اور مضمون نگار خود بھی اقرار کرتا ہے کہ امام ربانی کی کلام کا جھوٹ ہونا محال ہے اس لیے مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت و رسالت بالکل جھوٹا ہوا اور جو شخص اس کو نبی مرسل کے لقب سے پکارے۔ وہ بھی دیدہ دانستہ جھوٹ کو صحیح ماننے والا اور اس کی تائید کرنے والا ٹھہرا۔ اب جو شخص ایک ایسا بھارا جھوٹا دعویٰ کرے اس کی کسی بات کو بھی تسلیم کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کا مجددیت کا دعویٰ بھی ویسا ہی جھوٹا ٹھہرا نیز مجدد رحمۃ اللہ صاحب کی کلام سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شخص خواہ مجددیت کا دعویٰ کرے گا بلکہ اس سے یہی مستفاد ہے کہ اس شخص سے احیائے شریعت کے آثار نمایاں ہوں گے اور لوگ اس سے ہدایت پائیں گے۔ مضمون نگار کا دوسرا استدلال اس بات پر کہ مثیل مسیح کا ہونا ناممکن نہیں۔ یہ عوام کی دھوکا دہی ہے جو کچھ کہ شعر سے مستفاد ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ روح القدس کی فیض کی اگر مدد ہو جائے تو اور آدمی بھی ایسے خوارق دکھا سکتے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے دکھائے تھے اور اس بات کے ماننے میں کسی کو تامل بھی نہیں۔ یہ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا کہ ایک شخص مثیل مسیح ہونے کا پھندا بنا کر اور یہ ایک معمولی لفظ لوگوں

سے منوا کر نبوت کا دعویٰ کر دیوے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت طرح طرح کی بدگوئیاں شروع کر دیوے اور جو آیات قرآنی ان کی شان میں ہیں ان کی باطل تاویلیں بنا بنا کر نامے سیاہ کرے اور رفع اور حیات (جس کا قرآن بھی شاہد ہے اور جس کو آج تک اہل حق مانتے چلے آئے ہیں) کا بھی انکار کر دیوے اور ان پر اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام پر ایسے ایسے بہتان لگاوے جو یہودی پلید لگاتے تھے اور برملا کہہ دیوے کہ میں عیسیٰ سے بہت ہی بہتر ہوں۔ نعوذ باللہ من ذالک

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ نصاریٰ پادری سرور عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان پر بہتان لگاتے ہیں۔ لہذا ان کو زک دینے کے واسطے مرزا صاحب بھی ایسا کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ کیا دانائی ہے کہ ہمسایہ دشمن کا گھر جلانے کے واسطے اپنے گھر کو بھی آگ لگا دی جاوے اگر اس طرح پادریوں کو زک آتی ہے تو اپنے ایمان کا بھی تو ستیاناس ہوتا ہے۔ بہادری تو یہ تھی کہ اپنے عقائد بھی صاف رہتے اور پادریوں کو بھی زک آجاتی اور یہ کوئی مشکل نہیں علماء کرام اس کام کو باحسن الوجوہ سرانجام کر رہے ہیں۔

اب باقی رہا مضمون نگار کا یہ سوال کہ چونکہ یہ چودھویں صدی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مجدد ہو اگر مرزا کے سوا کوئی اور ہے تو اس کا نام بتایا جاوے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ کی کلام سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ ہر صدی کا مجدد ایسا ضروری ہوتا ہے کہ وہ مجددیت کا دعویٰ کرے اور ہر ایک آدمی اس کی مجددیت سے واقف ہو حضرت کی کلام فیض التیام سے تو صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ جناب الٰہی میں علمائے امت سے ایک مجدد معین کیا جاتا ہے جس سے کہ احیائے شریعت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں خواہ وہ دعویٰ کرے یا نہ کرے اور عام آدمی اس کے اس خاص خداداد رتبہ سے واقف ہوں یا نہ ہوں ہاں اس کی کمالیت اور تقویٰ اور پرہیزگاری اور رہنمائی اظہر من الشمس ہوتی ہے کوئی اور شخص جس میں یہ باتیں نہ ہوں بلکہ اس کے ہر ایک قول وفعل میں دنیا طلبی مرکوز ہو اگر ایسا بڑا دعویٰ کر دیوے اور تاویل اس کی یہ بیان کرے کہ اگر میں مجدد نہیں ہوں تو بتاؤ اور

کون ہے یہ دلیل اس کی ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوسکتی۔ ہم مضمون نگار سے یہ کہتے ہیں کہ تم گذشتہ بارہ صدیوں کے مجددوں کے نام بتاؤ۔ ہم تمہیں اس صدی کے مجدد کا نام بتا دیتے ہیں۔ مرزا قادیانی کے مجدد نہ ہونے کی ہمارے پاس ایک قوی دلیل یہ ہے کہ اس صدی کے مجدد کے لیے ضروری ہے کہ عقائد اس کے اسلام میں گذشتہ مجددوں کے مطابق ہوں حالانکہ جو اعتقادات مرزا کے ہیں وہ بجملتھا آج تک کسی عامی اہل اسلام کے بھی نہیں ہوئے۔ قطع نظر مجدد کے پس جس شخص کے عقائد تیرہ گذشتہ مجددوں کے بالکل برخلاف ہوں وہ کس طرح مجدد ہونے کے لائق ہے اور اس سے احیائے شریعت کب متصور ہوسکتا ہے بعض مرزا کے محبّ اس کی صداقت کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس کی کلام الہامی اور معجز ہی تحریر میں اس کو اعجاز کا رتبہ دیا گیا ہے اگر اس کے معجز ہونے کی دلیل پوچھی جائے تو کہتے ہیں کہ ایسی عبارت اردو عربی فارسی نثر نظم کوئی نہیں بنا سکتا اور اتنی کتابیں اچھی طرح ملاحظہ کیں۔ عبارت بالکل معمولی ہوتی ہے ہاں جو شخص کسی کام میں اچھا مشاق ہو جائے وہ اس کام کو اچھا ہی کر لیتا ہے۔ ایڈیٹران اخبارات کی عبارتیں دیکھو بعض ایسا لکھنے والے ہیں کہ مرزا کی عبارت کو ان سے ذرّہ اور آفتاب کی نسبت ہے۔ اردو شعر مرزا ارشد اور مرزا غالب اور ابراہیم ذوق کا دیکھو۔ مرزا ایک قصیدہ ان کے برابر نہیں لکھ سکتا۔ ذرا سی عبارت کا یہی حال ہے عربی عبارت کا اندازہ مرزا کی ایک کتاب تحفہ بغداد کے دیکھنے سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ جو ضمیمہ سید محمد سعید طرابلسی سے لکھوا کر لگایا۔ سید مذکور کے مقابلہ میں مرزا کی عبارت ایسی ہے جیسی ایک طفل کے مکتب کی عبارت ہوتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ وہ اہل لسان تھا تو میں کہتا ہوں ہزار اہل لسان ہو اعجاز کے آگے سب ہیچ ہے اگر اہل لسان کی عبارت معجز عبارت سے بڑھ گئی تو اعجاز خاک میں مل گیا۔ کثرت تصنیف کا حال دیکھو۔ حضرت محی الدین عربی رحمۃ اللہ کی پانچ سو (۵۰۰) کتاب صحیح تصنیف شدہ ہیں۔ مرزا کے چھوٹے موٹے رسالے اگر جمع کیے جاویں تو شاید سب کی تعداد ایک سو (۱۰۰) تک بھی نہ پہنچے۔ مرزا کی بڑی سے بڑی تصنیف بھی ان کی ایک معمولی تصنیف کے برابر نہیں۔ یہ جو مرزا کی بعض کتابوں پر لکھا ہوا دیکھا جاتا ہے کہ اگر اتنی میعاد کے اندر اسی کتاب کے برابر کوئی بنا

دیوے تو اس کو اتنا انعام دیا جاوے گا۔ یہ محض چال بازی اور عوام کی فریب دہی ہے اگر کلام معجز ہے تو میعاد مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن پاک کا دعوی قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ (بنی اسرائیل:۸۸) کسی میعاد مقرر تک نہیں ہے۔ میعاد کے مقرر کرنے میں یہ رمز ہوتی ہے کہ جو اہل علم ایسا لکھ سکنے کے لائق ہیں ان کے ملاحظہ سے گزرنے تک اور پھر لکھنے اور چھپوانے تک میعاد مقررہ گزر جائے گی اور مریدوں کے آگے خوب فخر ظاہر کیا جائے گا اور قہقہہ اڑایا جائے گا کہ کوئی نہیں بنا سکا۔ نیز ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ اہل علم جو اچھی تحریریں لکھنے والے ہیں کسی نہ کسی روزگار میں ہیں ان کو فرصت بھی کم ملتی ہے اور مرزا نے تو روزگار ہی یہی بنالیا ہے اور اپنے مطابع بھی کھول دیے ہیں اور رات دن اس کو شغل بھی یہی ہے اس سے روزی کمارہا ہے۔ بھلا کوئی تھوڑی میعاد کے اندر اس کا یہ خاص مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔ یہ ہمارا مضمون بھی اگر چہ انہیں ایام میں لکھا گیا تھا جبکہ الحکم ہمیں پہنچا تھا مگر چھپوانے کے انتظام میں تین چار مہینے گزر ہی گئے۔

قولہ:

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ ساتواں ہزار نہیں جو الدنیا سبعة آلاف کے مطابق دنیا کا آخری ہزار ہے۔ کیا اس کے سر پر اولوالعزم نبی کا قائم مقام ضروری نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مجدد الف آخر مبعوث نہ ہوا اور الف ثانی بھی ایک اعتبار سے کیونکہ تین صدیاں تو خیر القرون کی گزریں۔ اس کے بعد ہزار سال پورا تیرہویں صدی کے اختتام تک ہوتا ہے نہ کہ دسویں کے اختتام پر۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار مضمون لکھتے وقت شاید ورطہ خود بینی میں ایسا غرق تھا کہ متضاد باتیں لکھتا چلا گیا ہے اور یہ نہیں سمجھا کہ ایسی باتیں جن سے معمولی آدمی بھی ہنسنے لگے۔ میں اپنی عقل میں کون سی نظر کے ساتھ قابل وثوق خیال کر رہا ہوں۔ دیکھیے آگے اپنے اسی مضمون میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ کے مجدد الف ثانی ہونے کو مانتا ہے۔

اس جگہ کی عبارت یہ ہے کہ چودہویں صدی کے مسیح یعنی مجدد الف آخر کی سب مجددوں پر فضیلت یہ فضیلت اسی دلیل سے ثابت ہے۔ جس سے مجدد الف ثانی کی فضیلت دیگر مجدداں ماسبق پر اس عبارت میں تو ظاہر کیا ہے کہ الف ثانی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی ہیں اور ان کو دوسرے مجددوں پر فضیلت ہے اور یہاں لکھتا ہے کہ ایک اعتبار سے مرزا بھی مجدد الف ثانی ہے۔ اور دیکھیے یہاں مرزا کو مجدد الف آخر بتانے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ساتواں ہزار الدنیا سبعة آلاف کے مطابق دنیا کا آخری ہزار ہے اس کے سر پر اولوالعزم نبی کا قائم مقام ہونا ضروری ہے اور پیچھے لکھا ہے کہ یہ چودہویں صدی کا مجدد ہے۔ نیز الف کے مجدد کا اس کے سر پر ہونا تسلیم کیا ہے حالانکہ اس الف سے تین سو برس کا گزر جانا اظہر من الشمس ہے اور خود بھی مان چکا ہے بھلا جس ہزار سے تین سو برس گزر چکے ہوں کون اہل خرد کہہ سکتا ہے کہ ابھی اس ہزار کا ابتدا ہے بعد ازاں لکھا ہے کہ چونکہ تین سو برس خیر القرون میں گزر گیا تھا اس لیے مرزا کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے الف ثانی گویا اب شروع ہوا ہے۔ سبحان اللہ عجب تاویلیں ہیں اس تین سو برس کا تو شمار ہی نہیں اور شاید الدنیا سبعة آلاف سے بھی وہ تین سو برس خارج ہوں گے۔ مضمون نگار نے یہاں خوب ہی زور لیاقت دکھایا ہے۔ البتہ یہ بات رہ گئی ہے کہ خیر القرون والے تین سو برس دنیا کے سات ہزار سے کیوں خارج کیے گئے۔ صرف مرزا کی مجددیت تراشنے کے واسطے یا کوئی اور وجہ بھی ہے۔ اب مرزائیوں کو چاہیے کہ اس صدی کو چودہویں صدی نہ کہا کریں بلکہ دسویں صدی کہیں۔ گویا مرزا دسویں صدی کا مجدد ہوا۔ پیچھے جو خود لکھا ہے کہ چودہویں صدی کا مجدد ہے وہ بلا تامل مان لیں کہ ہم نے جھوٹ لکھا ہے۔ (دروغ گورا حافظہ نباشد)

قولہ:

حضرت اقدس کا دعویٰ کہ مجھ سے خدا کلام کرتا ہے۔ دیکھیے مکتوب ۵۱ جلد ثانی

ان کلامه سبحانه مع البشر قد یکون شفاها وذالک الافراد من الانبیاء علیهم الصلوٰة والتسلیمات و قد یکون لبعض الکمل من

متابعیهم ....والوراثة

یعنی اللہ تعالیٰ مشافہۃً کلام فرماتا ہے ایسے لوگ نبی ہوتے ہیں اور یہی کلام بعض مکمل متبعین پر بھی بوجہ متبعیت نازل ہوتا ہے۔

اس سے آگے فرمایا واللّٰہ یختص برحمته من یشاء جس سے حضور کی مراد یہ ہے کہ وہ خود کلام الٰہی سے مشرف ہیں۔ کیوں جناب آپ کو یقین آیا کہ نہیں مکالمہ الٰہی کا سلسلہ بند نہیں ہو گیا بلکہ متبعین رسول مقبول میں قیامت تک جاری رہے گا۔

اقول:

میں کہتا ہوں اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار مرزا قادیانی کو نبی نہیں سمجھتا ورنہ اس استدلال کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نبی کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا ایک مسلم امر ہے اس کے لیے اس قسم کے استدلالات کی چنداں حاجت بھی نہیں۔ مضمون نگار کا یقین دلانا کہ مکالمہ الٰہی کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ متبعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قیامت تک جاری رہے گا، اس بات پر روشنی ڈال رہا ہے کہ اب اس نے مرزا کو محض متبع رسول سمجھا ہے اور اس کی خدا کے ساتھ کلام کرنے میں جو لوگ کلام کرتے ہیں اور منکر ہیں ان کے لیے یہ استدلال پیش کیا ہے۔ مضمون نگار کا جولان طبیعت قابل آفرین ہے یا تو نئ نکالتا ہے مگر شاید نسیان غالب ہے کہ سابقہ بات بھول جاتا ہے۔ پہلے مرزا کو برگزیدہ پیغمبر بنایا تھا اور ''نبی مرسل'' کا لقب بھی عطا فرمایا تھا اور اب صرف ''متبع رسول'' مقرر کیا ہے؛

آفریں بر دست بر بازوئے تو

نیز حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ کلام سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف یہی کہ غیر نبی پر کلام بوجہ تبعیت نبی نازل ہو سکتا ہے یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ مرزا قادیانی پر نازل ہوتا ہے حالانکہ وجہ نزول یعنی اتباع نبی اس میں بالکل مفقود ہے۔ وہ تو خود بخود نبی بن بیٹھا ہے اس کو کسی کی تبعیت کی کیا احتیاج ہے۔

قولہ:

حضرت اقدس کا دعوی کہ کمالات انبیاء سے مشرف ہوئے۔ مکتوب ۳۹ جلد ثانی میں فرماتے ہیں سابقان بالا صالت انبیاء اندو بہ تبعیت ہر کرا ایں دولت مشرف شازند یعنی تابعاں رسول مقبول بھی ظنی نبی ہو سکتے ہیں پھر فرمایا اس شخص نیز از زمرہ اصحاب است و ملحق بکمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والبرکات پھر **لایدری اولھم خیر ام آخرھم** لکھ کر یہ اشارہ کیا کہ **ثلثۃ من الآخرین** کے اصحاب ان اصحاب سابقین پر فضیلت رکھ سکتے ہیں اس کی تشریح حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کی کلام سے ہوتی ہے چنانچہ فرمایا ہیچ از کمالے غیر از نبوت بالا صالت ختم نہ گرویدہ یعنی مستقل نبوت کا کمال ختم ہو گیا مگر ظنی نبوت کا سلسلہ جاری ہے جس میں شرعی احکام تبدیل نہیں ہوتے۔ پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بیٹے ابراہیم کے حق میں **لو عاش لکان نبیا** فرمانا اس بات پر دال ہے کہ صرف نبی تشریعی کا آنا بند ہوا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں کسی آدمی میں کسی مرتبہ کے کمالات کا آجانا اور بات ہے اور اس بات مرتبہ کا حاصل ہو جانا اور بات ہے مثلاً ایک شخص کو وہ کمالات حاصل ہو گئے جو وزیر اعظم میں ہوا کرتے ہیں اور جو علوم کہ اس کو ضروری ہیں ان کا اکتساب اس نے علی وجہ الکمال کر لیا لیکن اس کو رتبہ وزارت نہیں ملا۔ پس اس کو ہرگز وزیر اعظم نہ کہا جاوے گا۔ حضرات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی کلام کا (جس سے مضمون نگار مرزا کی نبوت کا ذبہ پر استقلال کرتا ہے۔ یہی مطلب ہے کہ نبی کے کامل متبعین سے جس کو جناب الٰہی چاہیں نبی کے کمالات سے مشرف کر دیتے ہیں یہ جائز نہیں کہ اس کو نبی کہا جائے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اگر حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ کا اس کلام سے یہی مطلب ہوتا جو مضمون نگار سے آپ نے۔۔۔ پیغمبر بنانے اور اس کو خوش کرنے کے واسطے بیان کیا ہے تو حضرت ممدوح رحمۃ اللہ کو اس طرح فرمانے کی کیا ضرورت تھی آپ مختصر الفاظ میں یہی

فرما سکتے تھے کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد نبی ظلی ہو سکتے ہیں اور یہی مطلب حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ کی کلام کا ہے جس کو مضمون نگار اپنے مطلب کے استدلال میں پیش کر رہا ہے جب کہ۔۔۔لوگ صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کو اپنے مطلب کے لیے دلیل ٹھہراتے ہیں۔

باقی رہی حدیث لو عاش فکان نبیاً اگر چہ اس کی صحت میں اختلاف ہے۔نووی نے کہا ہے کہ ھذا الحدیث باطل اور ابن الربیع نے کہا ہے کہ فی سندہ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان الواسطی و ھو ضعیف ۔ لیکن پھر بھی اس سے ہرگز مرزائیوں کا مدعا پورا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ان کو مضر ہے یہ تو حضور علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کے انتقال فرمانے کی ایک وجہ بیان فرمائی ہے یعنی اگر یہ لڑکا زندہ رہتا تو اس کو نبوت ملنی ضروری تھی اگر نہ ملتی تو اس میں حضرت کا کسر شان تھا اور حالانکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس واسطے اس لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین و کان اللہ بکل شئی علیما ۔

اگر حدیث مذکور کا صریح معنی بھی لیا جاوے تو بھی وہ اپنے مورد کے لیے ہے اور مشروط بالشرط فاذا فات الشرط فات المشروط ۔ختم نبوت کے ثبوت میں علاوہ نص قرآن کی جس کا منکر کافر ہے اور بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔مرزائی لوگ ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے خود غرضی اور دُنیاوی طمع نے حق بین آنکھ پر کیوں پردہ ڈال دیا ہے۔ حضرت سرورکائنات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں لو کان نبیا من بعدی لکان عمر ارشاد کرنا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی فرمانا مشہور حدیثیں ہیں۔مرزا قادیانی میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے کیا زیادتی ہے کہ ان کو نبی نہ بنایا گیا اور مرزے کو بنایا گیا۔کیا ان سے علم میں زیادہ ہے!!! عقل میں زیادہ ہے!!! نور باطن میں زیادہ ہے!!! حمایت اسلام میں زیادہ ہے!!! ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ وہ کون سی بات ہے جس سے مرزا کو نبوت کا مستحق بنا دیا۔علاوہ ازیں جو احادیث متواترہ اس باب میں واقع ہوئی ہیں۔ان میں سے چند ہدیہ

ناظرین کرتا ہوں:

و اخرج البخاری و مسلم والترمذی و ابن ابی حاتم و ابن مردویة عن جابر رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مثلی و مثل الانبیاء کمثل رجل ابتنی داراً فاکملھا و احسنھا الا موضع لبنةفکان من دخلھا فنظر الیھا قال ما احسنھا الا موضع اللبنة فانا موضع اللبنة فختم بی الانبیاء

و اخرج ابن مردویة عن ثوبان رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم انه سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انه بنی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی.

(الدرالمنثور ص۲۰۴ جلد۵)

مضمون نگار کا یہ قول کہ نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ احادیث مذکور سے باطل اور لغو ثابت ہوا۔ ہاں دوسری حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوا ہے کہ نبوت کاذبہ کا سلسلہ جاری رہے گا اور تیس (۳۰) جھوٹے نبی حضرت کی امت سے ہوں گے جو نبوت کاذبہ کا دعویٰ کریں گے۔ مرزا قادیانی صاحب بھی اسی سلسلہ میں ہیں اور ظلی نبی وغیرہ نرم الفاظ جو اس قول میں استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ محض دھوکہ دہی اور فریب بازی ہے۔ پہلے تو اس کے لیے ''برگزیدہ پیغمبر'' اور ''نبی مرسل'' کے الفاظ استعمال کیے گئے اور رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس مستقل نبوت ہو اور مستقل کتاب خدا کی طرف سے لاوے اور یہاں ثبوت پیش کرنے کے وقت نرم نرم لفظوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔

طالبان حق پر واضح رہے کہ ایسے دھوکوں میں آ کر ہرگز صراط مستقیم سے قدم باہر نہ رکھیں۔ حضرت سرور کائنات کے بعد نبوت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا ہے۔ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی البتہ نبوت لغوی باقی ہے جس کے معنی حق سبحانہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے خبر دینا اور اسرار ملکوت اور جبروت اور عجائب غیب کے حالات بتانا ہے اور اس کو ''ولایت'' کہتے ہیں اور یہ قیامت تک جاری رہے گی۔ ''نبی'' کے لفظ کا اطلاق بعد از سرور کائنات کسی

پر جائز نہیں۔ نبوت ظلی مراد ہو یا غیر ظلی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔

و فی الفصوص و شرحه للجامی لا نبی بعده مشرعا او مشرعاً له والاول هوا لآتی بالاحکام الشرعیة من غیر متابعة لنبی آخر قبله کموسیٰ و عیسیٰ و محمد علیهم السلام والثانی هو المتبع لما شرعه له النبی المقدم کانبیاء بنی اسرائیل اذ کلهم کانوا د اعین الی شریعة موسی فالنبوة والرسالة منقطعتان عن هذا الموطن بانقطاع الرسول الخاتم الخ(روح البیان)

مرزا قادیانی نے نانک اور کرشن کو بھی مثل اپنے نبی قرار دیا ہے اور یہ دونوں اہل اسلام سے نہ تھے اور نہ انہوں نے اپنی زبان سے اقرار کیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور نہ انہوں نے اپنے متبعین کو اسلام کی ہدایت کی ہے بلکہ ان کے فرقہ کے لوگ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ اب وہ بقول مرزائیوں کے ظلی نبی تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح نہیں کہے جاسکتے اور مستقل نبوت کا سلسلہ ختم ہونا مرزائی خود مانتے ہیں۔ پس مرزا اور کرشن اور نانک تینوں کی نبوت مردود ہے۔

قولہ:

حضرت اقدس کا دعوی کہ ابن مریم علیہ السلام سے افضل ہوں من جملہ کئی دیگر دلیلوں کے مکتوب ہفتم جلد ثانی کو پڑھیے، نہایت معاملہ تابع بفضل جزی می کشد کہ در آں محظور نیست۔ یعنی جزی فضیلت تو غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے چہ جائیکہ اس فضیلت کا مدعی خود نبی ہو۔

اقول:

میں کہتا ہوں فضیلت جزئی اگر کسی خاص وقت میں ہو تو اس کو بیان کرنا چاہیے اور کسی خاص امر میں ہو تو اس کی تخصیص کرنی چاہیے کوئی اگر کسی بزرگ سے کسی معمولی بات میں زیادہ ہو تو اس کو مطلقاً یہ کہنا کہ میں اس سے بہتر ہوں، ہرگز جائز نہیں۔ مرید تو کہتا ہے کہ

مرزا کو عیسیٰ علیہ السلام پر فضل جزئی ہے اور مرزا مطلقاً کہتا ہے؛

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر بڑے بڑے بہتان لگائے ہیں اور رسالہ دافع البلاء میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں اس کے معنی نادان لوگ نہیں سمجھتے۔ انتہیٰ حالانکہ حق جل شانہ نے ان کی پاکی کی شہادت قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے اس جگہ مرید نے مرزا کی عیب پوشی کرنی تھی تو وہ فضیلت جزئی جو مرزا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہے ظاہر کر دیتا تا کہ یہ اعتراض دفع ہو جاتا۔

قولہ:

امام ربانی مقام فوق رضا میں اپنا پہنچنا بیان فرماتے ہیں جس کی تعریف ہے:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل

دیکھیے جس جگہ مقرب فرشتوں مرسل نبیوں کی جانے کی مجال نہیں وہاں امام ربانی پہنچ گئے یہ فضل نہیں تو کیا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرت مجدد صاحب نے مقام رضا سے فوق پہنچانے کا خود جواب تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہو کر اس مقام میں پہنچے نہ بالا صالت۔ طفیلی کا کوئی ذاتی منصب نہیں ہوتا جو کچھ فخر ہوتا ہے اصل کو ہوتا ہے نہ طفیل کو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت سے کسی اعلیٰ مقام پر پہنچنا یہ متبوع کا فخر ہے نہ تابع کا۔ نیز **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل** کے یہ معنی نہیں ہیں جو مضمون نگار نے سمجھے ہیں بلکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اپنے تقرب کا حال جو جناب الٰہی سے ایک خاص وقت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوتا تھا، بیان فرمایا ہے اور وہ وقت واصطلاح صوفیہ میں تجلی ذات بحت **من حیث ھو ھو** کا ہوتا ہے اور اس تقرب کے وقت

میں انبیاء اور ملائکہ کی گنجائش کہاں بلکہ صفات الٰہی بھی نظر سے ساقط ہوتی ہیں اور صفات کو بھی اس تقرب کے وقت میں گنجائش نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ کو بھی یہ وقت نصیب ہوا باتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و بطفیل آں حضرت مفخر موجودات نہ بالاستقلال۔

قولہ:

پھر آپ نے لکھا ہے حضرت امام مہدی اس طریقہ کی نسبت حاصل کریں گے یہ بھی اپنی فضیلت کا دعویٰ ہے کیونکہ امام مہدی سا عظیم الشان امام جس نے بزعم عوام الناس تمام جہان کو مسلمان کرنا (گویا وہ کام کرنا ہے جو خود جناب رسالت مآب سے ہوا) ہے جب آپ کے طریقہ میں داخل ہو تو لامحالہ یہ ان سے افضل ٹھہرے کیونکہ کوئی شخص آپ سے کم درجہ کا تابع نہیں ہوا کرتا۔

اقول:

میں کہتا ہوں:

(۱) یہ طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے حضرت امام ربانی صاحب کا اپنا نہیں۔ امام مہدی کے اس طریقے میں داخل ہونے سے ان کے لیے کوئی کسر شان نہیں۔ اسی واسطے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس طریقے کی نسبت حاصل کریں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میرے تابع ہوں گے یا میرے طریقہ میں داخل ہوں گے۔ مضمون نگار کا اعتراض کہ یہ اپنی فضیلت کا دعویٰ ہے بالکل کوتاہ اندیشی اور تعصب پر مبنی ہے۔

(۲) بعض اُمورات میں اپنے سے کم درجہ کے تابع ہونے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ یہ امر شرعاً و عرفاً ناجائز ہے۔ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات اکرم الاولین والآخرین ہیں اور آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے تابع ہونے کا حکم ہوا تھا۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا الآیة. یہ دونوں جواب اس حالت میں ہیں جبکہ امام مہدی کی فضیلت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر تسلیم کر لی جائے۔

(۳) مضمون نگار نے امام مہدی کی فضیلت بزعم عوام الناس ثابت کی ہے گویا اس

کے نزدیک بزعم خواص الناس امام مہدی نے یہ کام نہیں کرنا اور نہ یہ فضیلت ان کے لیے ہو گی۔ شاید مضمون نگار خود بھی ان کی فضیلت کا مقر نہیں کیونکہ عقل مند اہل الرائے جس کو مضمون نویسی کا منصب حاصل ہو زعم عوام الناس کے تابع نہیں ہوتا۔ (شاید مضمون نگار کے نزدیک تو حضرت امام مہدی نے فقط چند مسلمانوں کو مرزائی بنانا ہے) زعم اس بات کو کہتے ہیں جس میں تردد ہو اور جس پر پورا اعتماد نہ ہو اور عوام الناس کی ایسی بات ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ پس بقول مضمون نگار امام مہدی کا جہان کو مسلمان کرنا اور ان کی عظمت و فضیلت عوام الناس کی غیر معتمد علیہ باتیں ہیں پھر اس کا ایسی باتوں کی بنا پر حضرت مجدد کے حق میں شخص ہونا عقل کو طلاق دیتا ہے۔

قولہ:

پھر آپ فرماتے ہیں ایک مکان کا طواف کر رہا ہوں ایک جماعت اور شریک طواف ہے مگر اس قدر سست کہ میرے ایک بار طواف کرنے تک وہ صرف دو تین قدم چلتی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مکان فوق العرش ہے اور جماعت طواف کرنے والی ملائکہ کرام و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔ دیکھیے یہاں آپ انبیاء سے۔۔۔۔ افضل بنتے ہیں کیونکہ آپ کا مکاشفہ غلط و غیر صحیح نہیں تھا اگر یہ وسوسہ ہوتا تو کبھی ظاہر نہ فرماتے۔ واقعی بات یہی ہوگی اس صورت میں فضیلت لازم آئی۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرت مجدد صاحب کے اس مشاہدے سے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت ممدوح نے اس مقام قرب کا جلدی سیر کیا اور دوسروں نے جلدی نہ کیا یعنی کمالات نبوت و ملائکہ بظاہر جو دوسرے انبیاء و ملائکہ کو عرصہ دراز میں میسر آئی تھیں حضرت مجدد صاحب کو جلدی حاصل ہوئے اور یہ امر کوئی من وجہ فضیلت کا نہیں ہے اس لیے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی عمریں قلیل ہیں اور امت محمدیہ کے علماء راسخین کو جناب باری نے کمالات قرب عطا فرمائے تھے جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی

اسرائیل تو اس کی رفتار حصول کمالات میں اگر انبیاء سابقین سے تیز نہ ہو تو ان کے کمالات کو یہ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک شخص کی عمر ہزار برس کی ہے اور ایک کی پچاس برس۔ اور ایک منزل تک دونوں نے پہنچنا ہے جب تک پچاس سال والا کئی حصہ زیادہ تیز ہزار برس والے سے نہ چلے کس طرح منزل مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ پس حضرت مجدد صاحب نے جو کچھ مشاہدہ فرمایا وہ فی الواقع تھا اور اس سے انبیاء پر کوئی فضیلت لازم نہیں آتی۔ نیز جلدی چلنا آہستہ چلنے سے افضل نہیں بلکہ۔۔۔ جلدی چلنے والے کی کمی معلوم ہوتی ہے کہ کسی خاص ضرورت سے جلدی چل رہا ہے اور آہستہ چلنے والے کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ کسی خاص اطمینان اور وقار سے آہستہ چل رہا ہے۔

قولہ:

اور سنیے حضرت نے فرمایا ایک صفہ بلند پر جمیع انبیاء موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام میر مجلس ہیں میں بھی اس جگہ گیا تو حضرت خلیل اللہ فرماتے ہیں: یا ایھا الذین امنوا تفسحوا .... مگر سب نے تھوڑی تھوڑی حرکت کی اور میری جگہ بفراغت نکل آئی۔ میں بیٹھ گیا اس مکاشفہ سے آپ کا زمرہ انبیاء میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں اس قول کے جواب کے لیے ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث کافی ہے۔ آیت یہ ہے:

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا. (النسآء: ۶۹)

اور حدیث یہ ہے:

المرء مع من احب.

قولہ:

ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ و محاذی مقام حضرت صدیق مقامی دیگر نورانی بس شگرف کہ ہرگز مثل آں در نظر نیامدہ بود ظاهر شد و اند کے آں مقام ارتفاع داشت

آگے لکھا ہے کہ اس مقام میں میں ہوں صدیق اکبر گویا آپ کا مقام اعلیٰ ہے

اقول:

میں کہتا ہوں یہ وہ اعتراض ہے جو مخالفوں نے بادشاہ جہانگیر کے کانوں تک پہنچا کر حضرت کو دربار شاہی میں منگوایا تھا اور حضرت نے بادشاہ کو خوب خوب جواب دیا تھا کہ ایک سپاہی کو چند منٹ کے لیے بادشاہ اگر کسی خاص گفتگو کے لیے وزیر اعظم کی نشست گاہ سے آگے کسی کام کے لیے بلوالے اور پھر وہ سپاہی اپنے مقام پر واپس چلا جاوے تو سپاہی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وزیر اعظم سے برتر ہو گیا ہوں اس کا یہ کہنا کہ وزیر اعظم کے مقام سے اوپر کے مقام پر پھر آیا ہوں اور وہاں گیا تھا وہ مقام دیکھ آیا ہوں، بیان واقع ہے۔ایک مقام کا دیکھنا اور گزرنا اور چیز ہے اور اس مکان کا مستحق اور مالک ہونا اور چیز۔حضرت مجدد صاحب کا سیر اس مقام پر ہوا نہ کہ حضرت کو وہ مقام عطا ہوا۔جب حضرت مجدد خود اس امر کے قائل ہیں کہ میرا مشاہدہ اس مقام کا بطور سیر تھا اور صدیق اکبر کیا بلکہ ادنی صحابی کے درجہ سے بھی آپ کم تر ہونے کے قائل ہیں تو اعتراض بالکل بے جا اور مبنی بر جہالت ہے۔حضرت مجدد صاحب تو مکاتیب فیض اسالیب میں فرماتے ہیں کہ اگر فقیر خود را از کافر فرنگ بد تر نہ بیند فقیری بروے حرام است چہ جائیکہ افضلیت بر ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ فرماویں

یہ فضولیاں کہ میں عیسیٰ سے بہتر ہوں میں محمد ہو گیا ہوں۔کذا فی کذا مرزا قادیانی کا ہی کام ہے۔

قولہ:

حضرت اقدس کے مختلف دعویٰ مثل انت منی بمنزلة عرشی وغیرہ اور ان کا استکبار پر محمول کیا جانا۔امام ربانی لکھتے ہیں اپنے مکتوب ۱۰۰ جلد سوم میں کہ آپ کا خمیر طینت

اس مٹی سے بنا جو جناب سرور کائنات کی تخلیق و تکمیل سے باقی رہی تھی۔ ہم نہیں سمجھتے اس میں ''اور میں محمد ہوں'' کہنے میں کچھ فرق ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار نے مرزا قادیانی کی فضولیوں پر پردہ ڈالنا چاہا ہے اور ایسے دلائل سے جن کو معمولی سمجھ کا آدمی بھی قیاس مع الفارق خیال کرے ان کے ثابت کرنے میں وقت ضائع کیا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے بادشاہ کا پس خوردہ ملا ہے تو اس کو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے بادشاہت کا دعوی کیا ہے یا یہ کہے کہ بادشاہ کے مکانات سے جو چونہ اینٹ باقی رہ گیا تھا وہ مجھے حاصل ہوا اور میں نے اس سے اپنا مکان بنایا تو کیا اس کو یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کی برابری کا دعوی کیا ہے ہرگز نہیں۔ ہاں یہ فخر اس کو ضرور حاصل ہوا جس کو اس نے بیان کیا اور بادشاہ کی تعظیم ظاہر کی۔ حضرت امام ربانی کے اس قول سے کہ میرا خمیر طینت حضرت سرور کائنات کی پس ماندہ مٹی سے بنا، تعظیم اور انکسار کی بُو آ رہی ہے اور اس سے نہایت روشنی پڑ رہی ہے اس امر پر کہ حضرت ممدوح نے سرور کائنات کو اپنا متبوع آقا بادشاہ سمجھا ہے اور اپنے آپ کو حضور کا تابع طفیلی تصور فرمایا اور مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ ''میں محمد ہوں'' صاف بتا رہا ہے کہ کل کو مرزا صاحب خدا بننے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔ مرزا کے اس بے باکانہ قول سے سخت بے ادبی اور بے تعظیمی کی بُو آ رہی ہے کسی کو اگر کمالات نبوت اور کمالات محمدی حاصل ہو بھی جاویں تو بلا توسل سرور کائنات کبھی نہیں ہوں گے۔ پس اس کو یہ کہنا ہرگز جائز نہیں کہ میں محمد ہو گیا ہوں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم شد از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را ساخت رو
بلکہ آتش در ہمہ آفاق رو

قولہ:

اور پھر دائرہ حقیقت محمدی سے یہ پردہ بالکل کھول دیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے اس

مقام پر تابع کو متبوع سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ گویا تبعیت درمیان سے اُٹھ گئی اور امتیاز تابع و متبوع زائل ہو جاتا ہے اور ایسا متوہم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں اور تابع مثل متبوع کے اصل سے اخذ فیوض و برکات کرتا ہے مگر باوجود ایں ہمہ تابع اپنے تئیں طفیلی متبوع کا جانتا ہے۔ مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر حضرت مسیح موعود کے دعویٰ (میں محمد ہوں میں احمد ہوں اور پھر غلام احمد بھی) کی حقیقت سمجھیے۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرت امام ربانی نے تابع کامل کے قرب کو جو بسبب کمال اتباع کے متبوع کے ساتھ ہو جاتا ہے بیان فرمایا اور آخر میں جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی محبوبیت الٰہی اس کی کیفیت ظاہر فرمائی جس کا ثبوت اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ سے مل رہا ہے اور پھر ادب اور تعظیم متبوع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دیا۔ یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ تابع خود بخود متبوع کا جانتا ہے اور مرزا قادیانی صاحب خود بخود محمد اور احمد بن گئے۔ ہائے افسوس حضرت کی شان کا کچھ خیال نہ کیا اور بے ادبی کو حد نہایت تک پہنچا دیا ہے۔ پیچھے یہ جو لکھ دیا ہے کہ ''اور پھر غلام احمد بھی''۔ یہ ایک چال بازی ہے اگر یہ بھی نہ لکھتا تو بھولے سے بھولا آدمی بھی اس کی اس بات کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا۔

قولہ:

(ب) سوائے نبوت جو کمالات کہ نوع بشر میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے۔ یہ امام ربانی کا دعویٰ ہے اس سے بڑھ کر اور کیا دعویٰ ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں آدمی کسی کی طرف کوئی عیب منسوب کرے تو اس کو کچھ مدلل بھی کرنا چاہیے یوں ہی ڈھکوسلا مار دینا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا دعویٰ ہو کوئی عقل کی بات نہیں ہے جب مضمون نگار حضرت امام ربانی کو مجدد الف ثانی مان چکا ہے اور اپنے اس مضمون کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مجدد صاحب پر آفتاب نبوت کا پرتو اتنا پڑا جتنا دسویں کے چاند پر پڑتا

ہے اور پھر حضرت کے اس قول کا کہ سواء نبوت کے جو کمالات نوع بشر میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے کس طرح استبعاد کرتا ہے جب یہ بھی آپ نے فرمادیا کہ سوانبوت کے باقی کمالات مجھے دیے گئے اور یہ بھی فرمادیا کہ جو کمالات نوع بشر میں ممکن ہوتے ہیں پھر استبعاد کرنے کی کیا وجہ ہے جس شخص نے بعد ختم ہونے نبوت کے نبوت کا دعوی کردیا اس کے دعوی کو مان لینے میں کچھ تامل نہ کیا اور ایسی صریح الامکان باتوں کا لوگوں کی دھوکہ دہی کے واسطے استبعاد دُور کیا جاتا ہے۔ افسوس!!!

بمیر تا بہ ہی اے حسود کیں رنجیست
کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں است

قولہ:

(ج) کعبہ معظم آپ کی زیارت کو آیا

(د) ہزار ہا آدمی شفاعت سے بخشے جائیں گے

(ی) دنیائے ترا آخرت گردانیم

(س) خزینہ رحمت کا خطاب

(ص) منصب قیومیت آپ کو عطا ہوا۔ یعنی آپ کو قیوم الزمان ہونے کا دعوی تھا اور یہ کہ قبلہ توجہ جہانیاں اور قبلہ عالمیان بذات شان ہے۔ قیوم خدائے تعالیٰ کی صفت ہے دیکھیے امام ربانی اپنی صفت قرار دیتے ہیں۔

(ط) غفرت لك و لمن توسل بك الی یوم القیامة

(ع) جس جنازہ پر نماز پڑھو بخشا جائے گا

اقول:

میں کہتا ہوں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شان کو دیکھا جائے تو یہ سب معمولی باتیں ہیں ان کا استبعاد کرنا اور ان کو فخر پر محمول کرنا کم فہمی اور گمراہی ہے۔ حضرت ممدوح نے بمقتضائے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ بعض نعماء الٰہی کا جو آپ کو عطا ہوئیں۔ اظہار فرمایا ہے یہ کوئی فخر نہیں اور نہ کوئی دعوی ہے۔

(ج) مومن کامل کی زیارت کے لیے ہر چیز مشتاق ہوتی ہے۔

(د) حضرت سرور کائنات کی امت کے معمولی صالح آدمی بھی ہزاروں کی شفاعت کریں گے اور مقبول ہوگی۔ حضرت امام ربانی کی شفاعت سے ہزاروں آدمیوں کا بخشا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

و عن ابی سعید ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان من امتی من یشفع للفئام من الناس و منھم من یشفع للقبیلۃ و منھم من یشفع للعصبۃ و منھم من یشفع للرجل حتی یدخلوا الجنۃ

(رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۶)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ممدوح کو علوم ظاہری میں وہ تبحر تھا کہ آپ اپنے وقت میں جملہ علمائے عالم پر فوقیت رکھتے تھے اور صدہا لوگوں نے حضور سے استفادہ علم ظاہری کا کیا اور حضرت سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ اذا جلس المتعلم بین یدی العالم فتح اللّٰہ علیہ سبعین بابا من الرحمۃ. الحدیث اور کمالات باطنی بھی آپ کے طشت از بام ہیں۔ تجدید الف ثانی کا رتبہ عطا کیا گیا۔ لاکھوں نے حضور کے سلسلہ سے اکتساب فیض باطن کیا اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پھر ''خزینہ رحمت'' ہونے میں کیا شک رہا اور اس میں تو کوئی خفا ہی نہیں کہ صفات الٰہی کا اطلاق آدمیوں پر اس صفت کے پائے جانے سے ہوسکتا ہے جس میں کرم ہو، اس کو ''کریم'' کہا جاتا ہے جس میں جُود ہو اس کو ''جوّاد'' کہتے ہیں۔ حضرت سرور کائنات کے لیے ''رؤف رحیم'' کا خطاب خود جناب الٰہی نے ارشاد کیا۔ ہاں یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ وہ صفت ذات باری عز اسمہٗ پر علی وجہ الکمال صادق آتی ہے اور انسان کے لیے علی وجہ الکمال نہیں ہوتی۔ اسی طرح قیوم کی صفت حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ کے لیے خیال کرنی چاہیے اور چونکہ حضرت ممدوح کو کمالات محمدی عطا کیے گئے تھے اس لیے بعض خواص حضرت سرور کائنات کی ذات مبارک میں پائے گئے۔ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا و ان اللّٰہ تعالیٰ ینورھا لھم بصلاتی علیھم. الحدیث اور حضرت ممدوح کا

یہ فرمانا کہ غفرت لک و لمن توسل بک الی یوم القیامۃ آپ کی شان کی نسبت معمولی باتیں ہیں جب یہ مان لیا گیا ہے کہ آپ کو جناب الٰہی سے مجددیت کا رتبہ عنایت کیا گیا اور آپ پر آفتاب نبوت کا پرتو اس قدر پڑا جتنا دسویں کے چاند پر پڑتا ہے تو پھر ایسی معمولی باتوں کو بڑا سمجھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

قولہ:

(ف) خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ کے دعاوی ان سے کم نہیں چنانچہ اشیاء ان کی قیومیت پر زیادہ راضی تھیں۔ فرمایا:

(۱) مکونات عالم میں امام معلوم ہوتا ہوں۔

(۲) جو فیوض کافہ خلائق کو پہنچتا ہے اس درویش کے توسط سے پہنچتا ہے۔

(۳) تمام مخلوق کے اولیاء فقیر سے حصول برکات کے منتظر ہیں۔

پھر امام ربانی نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کو متشابہات ومقطعات کا علم دیا گیا ہے گویا ما یعلم تاویلہ پروقف درست نہیں، و الراسخون فی العلم ساتھ ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ دعاوی نہیں ہیں اور نہ فخر کی باتیں ہیں یہ مواہب الٰہیہ کا اظہار ہے اور شریعت میں ممنوع نہیں۔ جملہ انبیائے عظام نے اس قسم کا اظہار فرمایا ہے جس کو ہرگز فخر پر محمول نہیں کیا جاتا اور جملہ اُمورات مذکورہ میں کوئی ایسا امر نہیں جس سے کوئی عیب شرعی عائد ہو سکے۔ ناجائز دعاوی تو یہ ہیں کہ ایک شخص بعد از ختم نبوت کہے کہ میں نبی مرسل ہوں۔ میں ابن مریم سے بہتر ہوں، میں محمد ہو گیا ہوں۔ وغیر ذالک من الاباطیل والاکاذیب

قولہ:

غیر نبی پر صلوات کو درست سمجھنا۔ امام ربانی لکھتے ہیں علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بھی غیر نبی پر صلوٰۃ درست

ہے کیونکہ آل نبی نہیں۔ایک جگہ لکھا ہے: صلوٰۃ اللہ سبحانہ و تسلیماتہ علی الانبیاء اولاو علی مصدقیھم ثانیا

اقول:

میں کہتا ہوں اول تو یہ غیر ضروری باتیں ہیں ان میں بحث کو طول دینا وقت ضائع کرنا ہے یہ باتیں نہ کچھ مرزائیوں کے مفید مطلب ہیں اور نہ مسلمانوں خصوصاً حضرات نقشبندیہ کا اس میں کچھ نقصان ہے اور نہ یہاں کسی غیر نبی کا جھگڑا ہے۔مضمون نگار نے چونکہ اخبار کے اوراق سیاہ کرنے تھے اس واسطے کچھ گڑ بڑ کرتا چلا گیا ہے اگر اس سے کچھ مطلب برآری کرنی تھی تو اس کو واضح لکھنا چاہیے تھا۔ نبی کے تابع کر کے کسی پر صلوٰۃ بھیجنا کوئی ناجائز امر نہیں اور نہ اس کا کسی کو انکار ہے۔

قولہ:

خضر والیاس کا عالم ارواح سے ہونا تعلقات شتی کہ از لوازم بشریت است از خواص و عوام زائل نمی گردد حق سبحانہ در شان انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام میفرماید **ما جعلناھم جسداً الا یاکلون الطعام** حضرت خضر والیاس بصورت روحانیان تشریف لائے اور بہ تلقی روحانی فرمایا ہم عالم ارواح سے ہیں۔اے لیجیے تینوں کی موت ثابت ہوگئی۔

اقول:

میں کہتا ہوں ناظرین غور کریں کہ دعوی کیا ہے اور دلیل کیا ہے۔شاید مرزائی بے چارے ایسی ہی ادھر اُدھر کی باتوں سے کام نکالتے ہیں۔دعوی تو یہ کیا کہ خضر والیاس و مسیح کا عالم ارواح سے ہونا اور دلیل یہ دی کہ تعلقات شتی کہ از لوازم بشریت است۔بھلا اس عبارت سے تینوں حضرات مذکورہ علیہم السلام کی ممات کے بارے میں کیا ثابت ہوتا ہے بعد ازاں دوسری عبارت جس میں حضرت خضر والیاس علیہما السلام کی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ساتھ روحی ملاقات کرنے کا بیان ہے لکھ کر آگے ایک تالی بجادی کہ اے لیجیے تینوں کی موت ثابت ہوگئی۔ دیکھیے یہاں تیسرے حضرت یعنی مسیح علیہ السلام کا ذکر ہی

کہاں ہے۔ واہ رے استدلال وتبحر بن واہ رے مضمون نگاری۔ یہ مضمون نگاری نہیں ایک طفل بازی ہے۔

قولہ:

کوئی معجزہ دکھاؤ تب مانتے ہیں۔ نقشبندی ایسا کہنے سے پہلے اپنے پیر طریقت کا کلام دیکھ لیں۔ طلب خوارق و کرامات از پیر خود نکند۔ اگرچہ آں طلب بطریق خوارق و وساوس باشد ہیچ شنیدہ کہ مومنے از پیغمبری معجزہ طلب کردہ باشد۔ معجزہ طلبان کفار اند و اھل انظار۔

پھر فرمایا ظھور خوارق و کرامات از شرط ولایت نیست۔

بعض لوگ کہتے ہیں اجی فلاں فقیر جب جاؤ دل کا خیال بتلا دیتا ہے۔ ذرا مرزا بھی تو بتلایئے۔ سنو مجدد صاحب فرماتے ہیں: شخصی را ایں قرب عطا فرمایند و از احوال مغیبات و محدثات ہیچ اطلاع ندھند۔ ایں اولیاء اللّٰہ اند کشف مغیبات نہ در ولایت شان می فزاید و عدم کشف ـــ در ولایت شان نقصان می آرد۔ مدار خوارق عادات برجوع و ریاضت است۔ بمعرفت ـــ ندارد۔

حضرت مرزا جانجاناں لکھتے ہیں کہ اگر مقصود از آثار صدور خوارق عادات و مکاشفات است کہ منظور عوام است پس ایں مقدمات باجماع صوفیہ نہ از شرط ولایت اند و نہ از لواز آں۔ مخفی نیست کہ صحابہ کرام کہ افضل جمیع امت مرحومہ بودہ اند۔ کمتر مصدر ایں امور گشتہ با این ھمہ

یہاں تو خدا تعالیٰ نے ہزار نشان دکھائے۔ افسوس آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ خواجہ نقشبند نے فرمایا طالب استقامت ہو نہ طالب کرامت۔

اقول:

میں کہتا ہوں:

(۱) کوئی نقشبندی صادق الاعتقاد مرزا کو یہ نہیں کہتا کہ معجزہ دکھاؤ تب مانتے ہیں کیونکہ جب وہ اس کو اس کے دعاوی میں صادق ہی نہیں سمجھتے اور اس کے عقائد برخلاف اجماع اسلام دیکھ رہے ہیں تو انہیں ایسا کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر کسی ضعیف الاعتقاد بے علم نے کہہ بھی دیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس کے آگے حضرات پیران طریقت کے کمالات طیبہ پیش کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ متبعان طریقہ علیہ نقشبندیہ کا تو یہ اعتقاد ہے کہ جس کے عقائد اسلام کے برخلاف ہیں اگر وہ ہوا میں پرواز کرے تو بھی اس کو فقیر نہ سمجھنا چاہیے۔

(۲) جو عبارات حضرات پیران کبار کے نقل کیے گئے ہیں وہ اولیاء کرام کے حق میں ہیں اور مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے یہ استدلال اس کے لیے کافی نہیں ہوسکتا۔

(۳) آگے اسی مضمون میں لکھا گیا ہے کہ آپ یعنی مرزا جو پیش گوئی کرتے ہیں اس کو قبل از وقت ہزاروں لوگوں میں شائع کرتے ہیں اور للکار کر کہتے ہیں کہ اگر تم سے ہوسکتا ہے تو اس نشان کو پورا ہونے سے روک لو اور یہاں برخلاف اس کے دلائل پیش کیے گئے ہیں یہاں تک ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کہ افضل جمیع امت بودہ اند کمتر مصدر ایں امور گشتہ

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

ہزار نشان کو بالکل مہمل چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک دو جو بہت بڑے نشان تھے ان کا ذکر بطور مثال ضرور کرنا تھا۔ دل تو اندھے اس طرح ہوتے ہیں کہ بعد از ختم نبوت کسی کو نبی مان لیا جائے جو شخص ایسی باتیں کرے کہ جن کا مطلب سمجھنے میں وہ خود بھی متردد ہو اور کلام بھی بے ڈھنگ ہو اور اس سے کئی احتمالات پیدا ہوسکیں اور کہے کہ یہ الہام مستقل ہے اس کو سچا مان لیا جائے جو پیش گوئی کرے وہ جھوٹی نکلے اور پھر اس کی تاویلیں شروع کردے اور بے چارے سادہ لوحوں کو دھوکا دے کر ان کے اعتقادات باطل قائم رکھے۔ اس کو صادق ماننا عمی دل کی بڑی بھاری دلیل ہے۔

قولہ:

مردوں کو زندہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ امام ربانی لکھتے ہیں:

مراد از احیاء روحی است نہ جسمی

اقول:

میں کہتا ہوں امام ربانی رحمۃ اللہ کی کلام بعینہ مع سیاق سباق نقل کرنی تھی یوں ہی کسی جگہ کے فقرے کو لکھ دینا مفید نہیں ہو سکتا ہر جگہ "احیا" سے مراد "احیاء روحی" نہیں ہو سکتا اور نہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ارشاد فرمایا ہے چونکہ کلام یہاں مہمل ہے اس لیے ہم بھی زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔

قولہ:

آیات کلام اللہ کا الہام ہونا اُترے ہوئے قرآن کو پھر اُتارنے کی کیا ضرورت۔ سنیے جناب عروۃ الوثقیٰ کو الہام ہوا تھا: سلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا ۔ خواجہ محمد عبداللہ کے بارے میں اور حضرت مجدد کو الہام ہوا: انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ اپنے سب سے چھوٹے فرزند کی ولادت کے بارے میں۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ ہر دو آیات قرآنیہ بطور بشارت حضرات کے قلوب مبارک میں القا کی گئی تھیں۔ حضرات نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ یہ آیتیں ہم پر مستقل طور پر اتری ہیں جس شخص پر یہ اعتراض کیا گیا ہے وہ تو آیات قرآنیہ کو بعینہا یا اپنی غرض کے موافق کمی بیشی کر کے اپنے اوپر مستقل طور پر نازل ہونا بیان کرتا ہے چنانچہ کلام مضمون نگار سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے پس اس شخص کی اس فضولی کو صحیح بنانے کے واسطے استدلال مذکور ہرگز کفایت نہیں کرتا۔

قولہ:

ہم جناب رسول اللہ کو مانتے ہیں پھر مرزا کی کیا ضرورت اور اس کے نہ ماننے

سے کون سا کفر لازم آتا ہے۔ سنو حضرت میر نعمان حضرت رسالت مآب کی زبانی فرماتے ہیں جو تیرا مقبول ہے وہ شیخ احمد کا مقبول ہے اور وہ میرا مقبول ہے اور جو تیرا مردود ہے وہ شیخ احمد کا مردود ہے اور جو شیخ احمد کا مردود ہے وہ میرا مردود ہے اور میرا مردود خدا کا مردود۔ دیکھیے میر نعمان کا مردود و مقبول خدا کا مردود و مقبول ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو مقبولان خدا کا مقبول ہو وہ مقبول الٰہی ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جو ان کی بیعت کرے یا ان کی مریدی اختیار کرے وہی ان کی مقبولیت سے مستفیض ہو سکتا ہے بلکہ جو شخص کہ پورا مسلمان اور نیک بخت اور متقی اور صالح ہو وہی اس کا مقبول ہے، اسی واسطے ہر چہار طریقوں کے بزرگ ایک دوسرے کو اہل حق جانتے ہیں اور جو جس طریقہ سے فیضان حاصل کر کے کمال باطنی حاصل کرے اسی کو مقبول واصل حق مانتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ جس نے ہماری بیعت نہ کی وہ مردود ہے۔ مرزا اور اس کے مریدوں نے تو یہ شور مچا دیا ہے کہ جو مرزا کی بیعت نہ کرے اور اس کو مسیحا موعود نہ مانے وہ مسلمان ہی نہیں پس اس کے مقابلہ میں جو شخص کہتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق مانا گیا ہے تو مرزا کی ضرورت ہی کیا ہے اس کا قول بالکل صحیح ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جو شخص خدا اور رسول کو برحق جاننے والوں اور احکام الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں کو مردود کہے اور انہیں مسلمان نہ سمجھے وہ بالکل راہ راست پر نہیں ہے۔ اس کو مسیح موعود ماننے میں سخت گمراہی ہے۔ نعوذ باللّٰہ من اقواله و افعاله

قولہ:

سنت نبوی کی متابعت کی تاکید۔ مفصلہ ذیل فقرات پڑھ کر اپنے اعمال و افعال و وظائف اس پر عرض کرو اور خود ہی سوال کرو کیا یہ وظائف اس خاتم الرسل صلعم نے اپنے صحابہ کرام کو بتائے کیا یا شیخ عبدالقادر شیئا للّٰہ کا وظیفہ بھی بتایا یا کم از کم یہ کہ یا محمد رسول اللّٰہ شیئا للّٰہ. افسوس تم لوگ

حضرت شاہ غلام علی صاحب ہی کے الہام پر یقین کرتے چنانچہ آپ لکھتے ہیں ایک روز میں نے کہا یا شیخ عبدالقادر شیئاللہ الہام ہوا کہو یا ارحم الراحمین شیئا للہ اس کی تاویلات باطل کیوں کرتے ہو۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرات نقشبندیہ کا اصل وظیفہ صرف اللہ اللہ ہے جس کا ثبوت ہم نے قرآن اور حدیث سے دے دیا اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ جو شخص اس کا انکار کرنے والا ہے شاید اس کو ایمان کی کوئی غرض نہیں بلکہ وہ اس شخص کا ہم خیال ہے جس نے کہا تھا کہ اگر ہمارا دشمن یہ کہے کہ خدا ایک ہے تو ہم اس کا بھی انکار کردیں گے۔ باقی درود شریف واستغفار وغیرہ بھی قرآن سے ثابت ہیں ان کا انکار کرنے والا بھی قرآن کا منکر اور کذب وتولی کا مصداق ہے باقی رہا یا شیخ عبدالقادر شیئاللہ کا وظیفہ اول تو یہ حضرات نقشبندیہ کا وظیفہ ہی نہیں بلکہ حضرات قادریہ کا ہے۔ حضرات نقشبندیہ پر اس کا اعتراض کرنا عبث اور زیادہ گوئی ہے۔ بعض نقشبندی چونکہ حضرات قادریہ سے بھی نسبت رکھتے ہیں اس لیے تبرکاً اس وظیفہ کو پڑھا کرتے ہیں اس کے معنی مشائخ کبار کے نزدیک یا شیخ عبدالقادر اسئل لی من اللہ شیئا لرضاء اللہ ہیں یعنی سوال کرو میرے لیے جناب الٰہی سے کوئی چیز واسطے رضامندی حق تعالیٰ کے اور نفوس کاملہ کا بعد مفارقت بدن مدبرات میں داخل ہوجانا ممکن ہے۔ صاحب بیضاوی لکھتے ہیں اور صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا من اغراق النازع فی القوس وتنشط الی عالم الملکوت و تسبح فیه فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها و قوتها من المدبرات۔

پس ندا کرنا اس خیال پر جائز ہے اور اس قسم کی ندا کی اجازت حدیث مبارک میں موجود ہے۔ حصن حصین میں بروایت بزاز اور ابن ابی شیبہ منقول ہے کہ

اذا انفلتت دابته فلیناد اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ وان ارادعونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ

اعینونی وقدجرب ذالک .

ہر دو احادیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض امورات میں کامل عباداللہ سے ندا کر کے مدد مانگنا جائز ہے۔ حضرت خاتم الرسل کا اپنی ذات اقدس کو بلفظ ''یا'' متوسل بنانے کا ارشاد اسی کتاب میں بروایت ترمذی ونسائی وحاکم اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ؛

من کانت له ضرورة فلیتوضا فیحسن و ضوءه و یصلی رکعتین ثم یدعوا اللّٰهم انی اسألک و أتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمةیا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللّٰهم فشفعه فی. الحدیث

اور السلام علیک ایها النبی پانچ وقت نماز میں پڑھا جاتا ہے مسلمانوں کے کسی فرقہ کو اس کے پڑھنے سے انکار نہیں۔ کاملین امت نے جن کے کمال کا اکثر عالم مقر ہے اس قسم کی استمداد سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ سے کی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا شعر ہے:

یا حبیب الالٰه خذ بیدی
مالعجزی سواک مستندی

اس قسم کی استمداد اور استعانت میں مقصود بالذات ذات باری اور فیضان الٰہی ہوتا ہے اور جس سے استمداد کی جاوے وہ وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت غلام علی کے الہام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اسی وظیفہ کو ناجائز کہا ہے یا اس کے پڑھنے سے منع کیا ہے بلکہ اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مجھے یہ کہا گیا کہ تمہیں اس وظیفہ کی ضرورت نہیں۔ تمہارا درجہ اور قرب زیادہ ہے تم بلاواسطہ فیضان حاصل کر سکتے ہو یہ تاویل نہیں بلکہ حضرت کی کلام کا ظاہری مفہوم ہے۔ باطل تاویلیں تو اس طرح ہوا کرتی ہیں جس طرح کہ مرزا قادیانی نے صدہا آیات اور احادیث کی برخلاف مفہوم ظاہری جس پر اجماع امت ہے کی ہیں اور کررہا ہے۔ ماقتلوہ و ما صلبوہ اوربل رفعه اللّٰه الیه کے اصلی معنی کے برخلاف جو کچھ لکھا ہے محتاج بیان نہیں۔ نزول مسیح کی نسبت جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ان

کے معانی میں جو کچھ اختلاف کیا ہے وہ مخفی نہیں۔ انکار معراج سرور کائنات اور ثبوت نبوت خود کے لیے جو جو اباطیل حوالہ قلم کیے ہیں سب مشتہر ہو گئے ہیں۔ اجماع امت کے برخلاف جو جو عقائد ظاہر کیے ہیں اور مصنوعی مسیح بننے کے لیے جو کچھ فضولیاں کی ہیں اگر سب کا ذکر اور پھر تردید کا قصد کیا جاوے تو دفتر کے دفتر پُر ہو جائیں۔ و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساء ت مصیرا

قولہ:

اچھا سنیے وہ فقرات

(۱) ما اتکم الرسول فخذوہ پر عمل کرو

(۲) سنت نبوی کو دانتوں سے پکڑنا چاہیے۔

(۳) آمیان یك حکم از احکام شریعت در ازاله هوائے نفسانی بهتر است از ریاضات و مجاهدات هزار سا که از نزد خود کرده شود۔ (ذرا تالو سے زبان لگا کر ذکر وقوف قلبی تصور پیر حبس نفس کی سند تو دکھائے کیا نبی کریم نے ایسا کیا یا سکھلایا) بلکه ایں ریاضات و مجاهدات که بمقتضائے شریعت غرا واقع نشده اند موید و مقوی هوائے نفسانی اند۔

(۴) ریاضات چوں موافق شریعت نیستند بے اعتبار و خوار اند

(۵) والزم متابعة المصطفی

(۶) الطرق کلها مسدودة الا من اقتضی اثر رسول اللّٰہ

اقول:

میں کہتا ہوں نقشبندی بزرگ ما اتکم الرسول فخذوہ پر خوب عمل کرتے ہیں اور حتی الامکان متابعت نبوی کی نہایت ہی کوشش کرتے ہیں۔ سنت نبوی کو مضبوط پکڑتے ہیں کسی ریاضت اور مجاہدہ کو سنت نبوی پر ترجیح نہیں دیتے کوئی ریاضت اور مجاہدہ اپنی طرف

سے نہیں کرتے جو کچھ کرتے ہیں۔موافق شریعت کرتے ہیں جس قدر پابندی شریعت اس طریقہ میں ہے کسی اور طریقہ میں کم ہی ہوگی۔ذکر خفی کے دلائل اگرچہ پہلے ہم نے کافی طور پر دکھادیے ہیں مگر چونکہ مضمون نگار بار بار وہی باتیں کرتا ہے۔اس لیے چند احادیث یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے اس کا ثبوت روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائے گا۔اس طرف بھی فضل الٰہی اور پیران کبار کی برکت سے معلومات کا ذخیرہ ختم ہونے والانہیں۔تالو سے زبان لگا کر ذکر کرنے یعنی ذکر خفی اور ذکر قلبی اور نفسی کے دلائل ذیل کی احادیث سے خوب واضح ہو جائیں گے۔

(ح) يفضل الذكر الخفى الذى لا يسمعه الحفظة سبعين درجة كوثر النبى

(ح) خيرالذكر الخفى و خيرالرزق مايكفى فى المقاصد صححه ابن حبان

(ح) يقول اللّٰه انا عند ظن عبدى بى و انا معه اذا ذكرنى ان ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى و ان ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير منهم .لبخارى و مسلم عن ابى هريرة

(ح)ان لكل شئى صقالة و ان صقالة القلوب ذكر اللّٰه تعالىٰ للبيهقى

(ح) لكل شئى معدن و معدن التقوى قلوب العارفين ذكره السيوطى فى الجامع الصغير

(ح) كان صلى اللّٰه عليه وسلم يقول ان الشيطان واضع خطمه على قلب ابن آدم فان ذكر اللّٰه خنس و ان نسى التقم قلبه ذكره الشعرانى فى كشف الغمه

(ح) كان ابوهريرة رضى اللّٰه عنه يقول سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول اسعد الناس لشفاعتى يوم القيامة

من قال لا الہ الا اللّٰہ مخلصا من قلبه او نفسه ذکره الشعرانی فی الکشف ایضا

قولہ:

ہمارے بعض بھائی تو زیارت قدم شریف لے کر دیکھتے ہیں مگر سنو حضرت شاہ غلام علی صاحب کیا فرماتے ہیں:

سنگے بر آں نقش قدم ساختہ گویند کہ نقش قدم پیغمبر است بت است ہائے مسلمانی و توحید و ای بادشاہی و متابعت اسلام کجا شد بت پرستی موقوف نمایند۔ یہ ان قوموں کے بارے میں ارشاد ہے جو اسلامی بادشاہوں کے عہد میں تھے اور اب تو خورد و کلاں جانتے ہیں کہ بنوا کر لاتے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں یہ ایک بے فائدہ قصہ ہے مضمون سابق کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کو۔۔۔۔۔سے کوئی ارتباط ہے ایک خاص عنوان کے مضمون میں ادھر اُدھر کی باتیں کرنا فضول گوئی میں داخل ہے یہاں ان باتوں کا لکھنا ضروری تھا جو خاص طور پر نقشبندیوں میں پائی جاتی ہیں۔ نقش قدم کے بارے میں نقشبندیوں کے پیشوا کا قول تم نے خود لکھ دیا ہے ان کے سب پیروؤں کا یہی اعتقاد سمجھنا چاہیے۔ مضمون نگار کا خدا بھلا کرے نقش قدم کے بارے میں تو حق سمجھا دیا مگر تعجب ہے کہ اپنے پیر بھائی مرزائیوں کو حق نہ سمجھایا کہ مرزا کی تصویر بنانا اور اس کو اپنے پاس رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا سخت بت پرستی ہے نہ ہی مرزا صاحب کو حق سمجھایا کہ آپ اپنے مریدوں کو اس بت پرستی سے روک دیں

بریں عقل و ہمت بباید گریست

قولہ:

قصہ کوتاہ عبادت وہ کرو کہ جو رسول اللہ صلعم نے کی، ذکر کرو مگر واذکروہ کما ھدیکم کے موافق جیسا کہ نبی کریم صلعم نے خود کیا

اقول:

میں کہتا ہوں قائل کی لیاقت قابل داد ہے پہلے تو یہ کہا کہ عبادت وہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور پھر کہا کہ ذکر کرو مگر واذکروہ کما ھدیکم کے موافق جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا۔ آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ ھدیکم کا فاعل میں رسول کریم کو قرار دے رہا ہوں معنی اس کا یہ ہوگا جس طرح رہنمائی کی تھی رسول کریم نے۔ کسی کام کی رہنمائی کرنا اور بات ہے خود کرنا اور بات۔ بعض اُمورات ایسے ہیں جن کی حضور علیہ السلام نے رہنمائی کی اور ان کے ثواب جزیل سے اطلاع فرمائی اور خود وہ کام بسبب بعض مصالح کے نہیں کیے جیسے کہ اذان۔ ماہرین دینیات پر روشن ہے کہ حضور علیہ السلام نے اذان کی ہدایت کی اور خود کبھی نہیں کہی۔ علاوہ بریں واذکروہ کما ھدیکم کا جملہ اگر اس نے اپنی طرف سے بول کر اس کا فاعل رسول کریم کو قرار دیا ہے تب تو اس جگہ اس کا کچھ معنی (اگرچہ ٹھیک تو نہیں جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں) بن سکتا ہے اور اگر آیت قرآن نقل کی ہے تو یہاں اس کی کوئی تطبیق نہیں ہوسکتی اس کا سیاق سباق اس طرح ہے کہ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ. (البقرۃ:۱۹۸)

ترجمہ: پس جس وقت لوٹو تم عرفات سے پس یاد کرو خدا کو (تہلیل اور تلبیہ کے ساتھ) نزدیک مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) کے اور یاد کرو اس کو جیسا کہ راہ دکھایا ہے اس خدا نے تم کو مناسک حج کی طرف اور تحقیق تھے تم پہلے اس کے گم راہوں سے۔ انتہیٰ

جس رکوع کی یہ آیت ہے اس میں مناسک حج کے احکام ہیں اور یہ آیت بھی انہی کے متعلق ہے اس رکوع میں تین جگہ ذکر اللہ کا حکم دیا گیا ہے من جملہ ان کے ایک جگہ بھی نماز مراد ہیں۔ مضمون نگار کا ملحقہ قول دیکھ کر اس کی بیبا کی یا کم علمی کا اندازہ کیجیے۔

قولہ:

میں قسمیہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے ذکر اللہ نماز فرمائی۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار کی یہ قسم دیکھ کر مجھے سخت تعجب آیا اور یہ مصرعہ یاد آ گیا

چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

بھلا فرمایئے جب قرآن مجید سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ذکر اللہ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں کئی جگہ ذکر اللہ آیا اور وہاں نماز مراد نہیں بلکہ ہو ہی نہیں سکتی تو اب ایسی جھوٹی قسم کو کس پر حمل کیا جاوے۔ اچھا چونکہ وہ مسلمان ہونے کا مدعی ہے اس لیے ہم اس کی کم علمی پر ہی حمل کرتے ہیں یا یوں کہیے کہ سخت بیباک ہے روز روشن کو برملا رات کہنے سے نہیں ڈرتا یا یہ سمجھ رکھا ہوگا کہ مرزا کم علم ہے میرا مضمون پڑھیں گے اور آفریں کرتے رہیں گے۔ ہم نے سابقاً اس عندیہ کا جواب شافی طور پر حوالہ قلم کر دیا ہے مگر اس جگہ بھی چند آیات جن سے اس بات پر ٹھیک روشنی پڑتی ہے کہ ذکر اللہ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں تحریر کرتے ہیں تا کہ اس کے قول کی (اور قول سابق کی جس میں یہ کہا ہے کہ ذکر اللہ سے یہ مراد نہیں کہ زبان سے یا لسان قلب سے اللہ اللہ کا وظیفہ رٹا کرو) پوری تردید ہو جاوے۔ ایک آیت تو ہم نے قول گذشتہ میں پیش کی ہے جس میں تین دفعہ ذکر اللہ کا حکم ہے اور ایک جگہ بھی نماز مراد نہیں۔ ایک اور آیت سورۂ نساء کی ملاحظہ کیجیے:

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ.

(النسآء: ۱۰۳)

ترجمہ: پس جب ادا کیا تم نے نماز کو پس یاد کرو اللہ کو حالت قیام اور قعود میں اور اپنے پہلوؤں پر

علی ہذا القیاس

سورہ انفال کی آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال: ۸) اسی طرح سورہ جمعہ میں فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعۃ: ۱۰)

اور بہت سی آیات ہیں مگر بخوف [طوالت] اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

احادیث جن میں ''ذکراللہ'' کا لفظ آیا ہے اور وہاں نماز مراد نہیں بلکہ زبان سے یا قلب سے اللہ اللہ کرنا مراد ہے اس قدر ہیں کہ اس مختصر میں ان کو بالاستقصار لکھنے کی گنجائش نہیں چندان میں سے ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں تا کہ منصف آدمی مرزائیوں کی کم علمی وکم ظرفی پر اچھی طرح واقف ہو جاویں

(ح)اخرج ابن ماجة و ابن حبان و البیهقی عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان اللّٰه عزوجل یقول انا مع عبدی اذا هو ذکرنی و تحرکت بی شفتاه .

و اخرج ابن ابی شیبة و احمد والترمذی و حسنه و ابن ماجة و ابن حبان والحاکم و صححه البیهقی عن عبداللّٰه بن بسران رجلاً قال یا رسول اللّٰه ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشئیأتشبت به قال لایزال لسانک رطباً من ذکراللّٰه

(ح) و اخرج ابن ابی الدنیا والبزاز و ابن حبان و الطبرانی والبیهقی عن مالک بن یخامران معاذ ابن جبل قال لهم ان اخر کلام فارقت علیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان قلت ای الاعمال احب الی اللّٰه قال ان تموت و لسانک رطب من ذکراللّٰه

(ح) و اخرج عبداللّٰه بن احمد عن ابی الدرداء قال اذکراللّٰه عند کلحجیرة وشجیرة و مدرة واذکره فی سرائک تذکر فی ضرائک

(ح) اخرج العقیلی و الطبرانی فی الاوسط و ابن عدی و ابن السنی و ابو نعیم کلاهما فی الطب والبیهقی فی شعب الایمان و ابن مردویة عن عائشة رضی اللّٰه عنها عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذیبوا طعامکم بذکراللّٰه والصلوٰة ولا تناموا فتقسموا قلوبکم

قولہ:

حضرت مرزا جانجاناں فرماتے ہیں ہر عمل کی کیفیت علیحدہ ہے اور جامع کیفیات نماز ہے کہ متضمن انوار اذکار تلاوت، تسبیح، درود، استغفار ہے اور سب سے صحیح اور اصل حال کہ قرن اول کے مشابہ ہو نماز میں حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ کماحقہ ادب سے ادا کیا جائے اور اس قسم کے اقوال کہ نماز سے سوا کھڑا ہونے کے اور روزہ سے سوا بھوکا مرنے کے کچھ نہ پایا جو بایزید بسطامی سے منسوب کیے ہیں، ایک افترا ہے جس سے ایمان سلب ہونے کا خوف ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرات نقشبندیہ کو ان باتوں سے بالکل اتفاق ہے اور نماز حسب فرمودہ حضرت جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ جامع اور کامل نعت ہے۔ الحمدللہ کہ مضمون نگار نے سلسلہ خصومت ہلا ہلا کر آخر نقشبندیوں کی نماز کی لذت کو مان لیا اور اس کی مفصل کیفیت جو ان کے پیشوا نے ظاہر فرمادی ہے، اپنے قلم سے اس کو نقل کیا اس کے پہلے انکار اور اصرار سے اس کا زمرہ یکتمون و هم یعلمون سے ہونا برائے العین مشاہدہ ہوگیا۔

قولہ:

ہمارے حضرت کی مسجد کو اقصیٰ سے تشبیہ دیکھیے امام ربانی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی مسجد میں شریعت اُترتی دیکھی اور قبر کی نسبت سنیے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

روضہ متبرك کہ قبر آں حضرت در آں است از ریاض جنت میفرمودند۔ مبشر شدہ ام یا انکہ اگریك مشتے خاك آں روضہ مبشرہ در قبر شخصے باندازند امیدوار ـ ـ ـ عظیم فکیف من دفن فیہا

اقول:

میں کہتا ہوں مرزا کو اس فضولی کے مستحق کرنے کے لیے استدلال مذکور ہرگز کافی نہیں ہوسکتا۔ حضرت ممدوح چونکہ امام ربانی اور مجدد الف ثانی تھے اور قائل خود اس بات کا قائل ہے کہ ان پر آفتاب نبوت کا پرتو دسویں کے چاند کے برابر پڑا تھا اور علمائے امت میں سے آپ کو جلیل القدر رتبہ دیا گیا تھا، احیاء شریعت جس قدر آپ سے ظہور میں آیا اعیان امت سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے جن سے اس قدر ظہور میں آیا ہو۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے اپنی مسجد میں شریعت اُترتی دیکھی، بجا ہے۔ اہل ایقان و ایمان جو حضرت ممدوح کے حالات سے واقف ہیں اس کے ماننے میں کچھ تامل نہ کرے گا اور آپ کی قبر مبارک کا روضہ جنت ہونا ایک معمولی بات ہے آپ تو مجدد تھے، معمولی مومن کی قبر کے بارے میں بھی سرورکائنات کا ارشاد ہے کہ ان للمومن فی قبرہ روضۃ خضراء و یرحب قبرہ سبعین ذراعا وینورلہ کالقمر لیلۃ البدر۔ الحدیث

اور نیز فرمایا آپ نے کہ انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار ، مرزا قادیانی نے جو اپنی مسجد کو مسجد اقصیٰ کے برابر کہا ہے سخت بے ادبی میں داخل ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ نے تو اپنی مسجد کا درجہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ سے کم بیان فرمایا ہے، ملاحظہ کیجیے روضہ قیومیہ اس میں یہ بات مرقوم ہے۔

قولہ:

اہل اللہ کو دنیا کے فرزندوں سے تکلیف پہنچنا۔ کئی نادان کہتے ہیں مسیح یا مہدی ہے تو پھر اپنے فرشتوں کو فوراً گرفتار کیوں نہیں کرا دیتا یا ان کے شر سے بچنے کے لیے اسباب ظاہری سے کیوں کام لیتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں امام ربانی مجدد الف ثانی کی مقبولیت تو اس درجہ کی ہے کہ ولی عہد کابل زیارت قبر کرنا سعادت سمجھتا ہے مگر اس وقت کے بادشاہ نے تو آپ کو قید ہی کروا دیا تھا۔ غرض یہ کہ اولیاء الرحمٰن کو دنیا کے فرزندوں نے ہمیشہ سے دُکھ دیا ہے اور شپرہ چشم چشمہ آفتاب کے دیکھنے سے معذور رہے ہیں۔ پس ان کی شہادت کی بناء پر کسی کو صادق کاذب

نہیں ٹھہرا سکتے۔ اولیاء اللہ کو جو ابتلا ہوتے ہیں ان میں ان کی شان بڑھتی ہے درجات بڑھتے ہیں اور جماعت منکرین کی تباہی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

درصورت غضب که بدوستان عطامی فرمایند خرابی جماعت منکر است۔

کون کہتا ہے کہ آپ کی خلاصی کے لیے تمام تدابیر سے کام نہیں لیا گیا۔ ضرور لیا گیا مگر اللہ کی مرضی یہی تھی جو کہ پوری ہو کر رہی۔

میں کہتا ہوں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے تو بسبب بعض حکمت ہائے غامضہ اور بغرض تحصیل تجر دو تکمیل بعض مراتب کمال و نیز بغرض برداشت تکلیف شاقہ برنفس چندایام کی قید کو جناب الٰہی سے چاہا تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خاص باعث سے قید کی خود درخواست کی تھی: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ. (یوسف: ۳۳) اور ظاہر میں یہ واقعہ ہوا تھا کہ بادشاہ نے حضرت مجدد سے اپنے آگے سجدہ کرانا چاہا۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا میں نے خدا کے سوا سجدہ کسی کے آگے نہیں کیا اور نہ کروں گا۔ غرض یہ کہ وزیر بھی رافضی اور مخالف تھا۔ اس نے بادشاہ کو اسی حیلہ سے اشتعال دے کر آپ کے قید کرنے کا حکم لکھوا دیا جو جو کرامات آپ کی ذات مبارک سے قید خانہ میں ظاہر ہوئیں وہ روضہ قیومیہ وغیرہ کتب میں مفصل مرقوم ہیں۔ آخر الامر بادشاہ کشمیر میں بحالت نشاط بیٹھا تھا کیا دیکھتا ہے کہ حضرت ممدوح تشریف لائے اور اس کو تخت سمیت زمین پر اوندھا ڈال دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئیں پھر آپ غائب ہو گئے بعد ازاں بادشاہ کئی مرضوں میں مبتلا ہو گیا۔ شاہزادہ شاہ جہاں نے جو پہلے سے ہی حضرت کا معتقد تھا، باپ کو ملامت کی کہ میں نے پہلے سے آپ کو کہا تھا کہ آپ نے حضرت مجدد کی بے ادبی کی ہے آپ کسی بلا میں مبتلا ہوں گے، بادشاہ شرمندہ ہوا اور حضرت کو بڑی عزت سے بلایا تقصیرات کی معافی چاہی آپ کی دعا سے شفایاب ہو کر توبہ تائب ہوا۔ حضرت کے زمرۂ مریدان میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ بدعت کی رسمیں چھوڑ دیں۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھی چنانچہ اس کی اولاد بھی کئی پشت تک آپ کے خاندان کی ہی مرید ہوتی رہی۔

عالمگیر اورنگ زیب جیسا عظیم الشان بادشاہ حضرت کے صاحب زادہ محمد معصوم رحمۃ اللہ کے ساتھ برہنہ پا چلتا تھا۔ بادشاہ کابل و بادشاہ روم اب بھی سلسلہ میں داخل ہیں اور مرزا قادیانی صاحب پر ایک مسلمان اہل حق مقتدائے قوم پر ناحق بہتان لگانے اور اس کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے کا جرم قائم کیا گیا جو حسب القانون ثابت ہوا اور حاکم باانصاف نے اس کی پاداش میں ملزم کو جرمانہ کیا جس سے بچنے اور بریت حاصل کرنے کے واسطے ایسے ایسے حیلے دُنیاوی کیے گئے جو ایک ڈرپوک اور سچے ملزم کے واسطے کیے جاتے ہیں۔ آفریں وکیل کرنے کے وقت خدا بھول گیا اور اس کی وکالت نسیاً منسیاً ہوگئی، جرمانہ کرنے والا حاکم ویسا صحیح سلامت موجود ہے۔ اعتقاد اس کا وہی ہے جو پہلے تھا تمام عملہ اس کے بدستور اپنے اپنے مناصب پر ہیں۔ مرزا صاحب کی مصنوعی دم مسیحائی نے کوئی کرشمہ نہ دکھایا۔ اہل بصیرت انصاف کریں کہ مرزا بے چارہ زبانی ڈھکوسلوں سے کس طرح حضرت مجدد کا ہم پلہ ہوسکتا ہے اور اس میں یہ اہلیت کیونکر ہوسکتی ہے کہ اس کے حالات حضرت ممدوح کے حالات کے مشابہ کہے جاویں۔

کجا آسمان و کجا ریسمان

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ امر تو بنا تامل تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ اولیا الرحمٰن کو دنیا کے فرزندوں نے ہمیشہ سے دُکھ دیا ہے مگر جو اثر اولیاء رحمٰن کا ان پر پڑا، وہ بھی قابل عبرت ہے یا تو دُکھ دینے والے خود ہلاک ہو گئے اور ان کی نسل منقطع ہوگئی، دنیا پر ان کا نام ونشان ہی نہ رہا جیسا کہ فرعون و قوم نوح وغیر ہم یا تو وہ خود ہلاک ہوئے اور ان کی اولاد اور متعلقین اولیاء الرحمٰن کے گرویدہ اور تابع ہو گئے جیسا کہ ابوجہل یا وہ چند ایام کے بعد خود بخود نادم ہو کر ان کے تابع اور غلام ہو گئے جیسا کہ شاہ مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کیا تھا اور بادشاہ جہانگیر جس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کو تکلیف پہنچائی اور یہ اثر اولیاء الرحمٰن کا مخالفین پر ان کی زندگانی میں ہی پڑا۔ ہم مرزا قادیانی کے مخالفوں کو دیکھ رہے ہیں کسی پر ان تینوں اثروں سے کوئی بھی ظہور میں نہیں آیا حالانکہ مرزا صاحب نے اپنی موت کے اشتہار بھی دے دیے ہیں

اور اپنی قبر چاندی سے بنوانے کی تجویز بھی کر دی ہے پس معلوم ہوا کہ نہ مرزا صاحب اولیاء الرحمٰن سے ہیں اور نہ وہ مخالفت جو اس کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اس قبیل سے ہے جو اولیاء اللہ کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ یہ سب ان کی بے اعتدالیوں اور فضولیوں اور بے جا دعووں اور شرک آمیز کلمات اور مخالفت اسلام کا نتیجہ ہے۔

قولہ:

حضرت اقدس امام ابو حنیفہ کے بالکل تابع کیوں نہیں۔ اجی جناب کلمہ پڑھیں نبی کا اور تابع ہوں کسی اور کے۔ کیا ان کا معصوم ہونا نص صریح سے ثابت ہے کیا وہ یخطی و یصیب کے زمرے میں نہیں۔ امام ربانی کو بھی ایک حصہ حق شافعی کی طرف نظر آیا۔ پھر یہ بھی فرمایا: بعد از رسیدن مرتبہ اجتہاد و تقلید ابی حنیفہ خطا است۔ صواب در متابعت رائے خود است۔

اقول:

میں کہتا ہوں پیچھے تو یہ ثابت کرنے کی تکلیف اٹھائی تھی کہ اگرچہ آدمی رسول اللہ کو مانے اور مسلمان ہو مگر مرزا کا تابع ہونا ضروری ہے اور اب یہ فرماتے ہیں کہ ''اجی کلمہ پڑھیں نبی کا اور تابع ہوں کسی اور کے''۔ واہ جناب خوب سُوجھی۔ آپ کی اس تقریر پر آپ کو مرزا کا اتباع چھوڑنا ضروری ہو گیا۔ آپ کلمہ پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ کا اور تابع ہوتے ہیں مرزا کے یا تو کلمہ محمد سے انکار کیجیے یا تو مرزا کی تابع داری چھوڑیے۔ کیا مرزا قادیانی کا معصوم ہونا نص صریح سے ثابت ہے کہ آپ اس کی تابع داری کر رہے ہیں۔ امام ربانی کی کلام جو آپ پیش کرتے ہیں اس کے سمجھنے کا آپ کو استعداد ہی نہیں اور مجتہد کی حقیقت آپ سمجھ ہی نہیں سکتے اور نہ آپ اور آپ کا مرزا یہ جانتے ہیں کہ آدمی اجتہاد کے مرتبہ پر کب پہنچتا ہے اگر حضرت مجدد کا وہی مطلب ہوتا جو تم سمجھ رہے ہو تو حضرت ممدوح خود کیوں حضرت ابو حنیفہ کی تقلید کرتے۔ مرزا کے علم کو حضرت مجدد کے علم کے ساتھ ذرّہ اور آفتاب کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی۔ مرزا کا مرتبہ اجتہاد تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔

قولہ:

غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا۔ دیکھو شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ اسی سلسلہ کے پیر فرماتے ہیں دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ کر دل خوش نہیں ہوتا اور حقیقت صلوٰۃ کا فیض نہیں آتا۔

اقول:

میں کہتا ہوں مضمون نگار کے حافظہ اور فراست پر آفریں کرنی چاہیے پہلے تو بڑے شور سے ثابت کیا کہ نقشبندیوں کو نماز میں لذت نہیں آتی اور اب اپنی ایک ضرورت کے واسطے حضرت شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی کی کلام کو (جس میں آپ نے اپنی نماز کی لذت کا نمونہ دکھایا ہے) سنداً پیش کرتا ہے، استشہاد کا لطف دیکھیے کہ سوال از آسمان و جواب از زمین کا خاکہ کھینچ دیا ہے۔ شاہ محمد مظہر کی کلام کا مطلب تو یہ ہے کہ چونکہ اور لوگوں کی نسبت اور روحانیت کامل نہیں اس واسطے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے پوری لذت پیدا نہیں ہوتی جواز اور ناجواز کا کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ اس کلام سے ظاہر ہورہا ہے کہ حضرت کو دوسروں کے پیچھے اگرچہ پوری لذت نہیں آتی تھی مگر پھر بھی حسب ارشاد سرورکائنات صلوا خلف کل بر و فاجر ۔ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ مرزائیوں نے تو اور مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہی ناجائز قرار دیا ہے ان کے اس اعتقاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں داخل نہیں سمجھتے۔

قولہ:

چودہویں صدی کے مسیح یعنی مجدد الف آخر کی سب مجددوں پر فضیلت۔ یہ فضیلت اسی دلیل سے ثابت ہے جس سے مجدد الف ثانی کی فضیلت دیگر مجددان ماسبق پر۔

اقول:

میں کہتا ہوں وہ کون سی دلیل ہے اس کو ظاہر کرنا چاہیے اور کیوں وہی دلیل مرزے کے لیے باعث ثبوت ہوئی۔

میری دانست میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے واقف ہی نہیں اور

شاید اس نے حضور علیہ السلام کی احادیث کو کبھی سنا ہی نہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (جن کے قول کو پسند کیا گیا ہے اور اس کے معنی سمجھا ہی نہیں) بھی سہروردی طریقہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ کے مرید تھے اور اسی طریقہ کے وظائف بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں؛

مرا پیر دانائے فرخ شہاب
دو اندر ز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

قولہ:

ایک ہی جری اللہ فی حلل الانبیاء ہے جس نے ایک ذرا بھی کوئی وظیفہ یا طریقہ ذکر اللہ نہیں وضع کیا اور اپنے تئیں متابعت رسول مقبول میں فنا کر دیا۔

اقول:

میں کہتا ہوں مرزا کو جری اللہ فی حلل الانبیاء رکھو یا کھلے الفاظ میں اللہ ہی کہہ دو، یہ تمہاری مرضی تم کسی سے رک نہیں سکتے۔ اس کی متابعت نبوی میں فنا ہونے کا اندازہ اسی بات سے ہو گیا ہے کہ نبی کریم فرماتے ہیں کہ اس قدر ذکر اللہ کرو کہ لوگ تمہیں مجنوں کہیں اور وہ بجز نماز کے ذکر اللہ کرنے والوں کو اس امتثال نبوی سے روکتا ہے اور خود بھی ذکر نہیں کرتا۔ بھلا مرزا صاحب کیوں ذرا بھی کوئی طریقہ ذکر اللہ وضع کریں ان کو ذکر اللہ کی ضرورت ہی نہیں۔ انہوں نے تو ٹکے کمانے ہیں اگر طریقہ ذکر اللہ وضع کریں تو اس کارروائی میں سخت ہرج ہوتی ہے۔

قولہ:

کوئی ہے جو احمدی فرقہ میں کسی بدعت کا ثبوت دے سکے۔

اقول:

میں کہتا ہوں بدعت کا خیال تو تب کیا جاتا ہے جب اصول اور عقائد ٹھیک ہوں اور جب عقائد ہی اسلام کے خلاف ہیں تو بدعت کا ثبوت کوئی خاک دیوے۔ مرزائی فرقہ کے عقائد کا برخلاف اجماع اسلام ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ تفصیل اور تطویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں مضمون نگار کو مرزائی فرقہ لکھنا چاہیے تھا کیونکہ ابتدا میں اس نے حضرات نقشبندیہ کو احمدی لکھا ہے اگر یہاں وہی مراد ہوں تو معنی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

قولہ:

بااین ہمہ جن مطالب کے لیے وہ طریقے وضع کیے گئے وہ اس فرقہ کو سب سے بڑھ کر حاصل ہیں کتنے ہیں جو الہامات و مکشوفات سے مشرف ہیں اور کتنے ہیں جو تقرب الی اللہ کا ثبوت اپنے خیالی پلاؤ سے نہیں بلکہ عمل سے دے رہے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں پیر کے الہام اور مکاشفے تو مخلوق کا مضحکہ بن رہے ہیں مرید بھی ایسے ہی گل کھلاتے ہوں گے ہم نے تو جتنے مرزائی دیکھے ہیں کورے کے کورے ہی نظر آتے ہیں۔ خدا جانے وہ کون سا عمل ہے جس سے وہ تقرب الی اللہ کا ثبوت دے رہے ہیں۔ جھوٹ، عیب چینی، اہل اسلام پر بہتان، مسلمانوں کو کافر کہنا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور دعوی یہ ہے کہ ہمیں تقرب الی اللہ حاصل ہے۔

قولہ:

بے شک ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مجدد صاحب نے اکثر بدعات کا جو سلسلہ فقراء میں تھیں قلع قمع کر دیا یا کم سے کم اپنی جماعت کو ان سے بچالیا مگر پھر بھی جو کسر رہ گئی تھی اسے مسیح موعود نے پورا کر دیا۔

اقول:

میں کہتا ہوں حضرت مجدد نے تو بدعات کا قلع قمع کیا تھا اور یہ مصنوعی مسیح اور مریدوں

کا بنایا ہوا مجدد اصول اسلام کے قلع قمع کرنے کے درپے ہو گیا ہے۔ لوگوں کو خدا کا ذکر کرنے اور درود و استغفار پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی ایسی کارروائیوں سے بچاوے۔ آمین

قولہ:

وجہ یہ ہے کہ مجدد صاحب پر آفتاب نبوت کا پرتو اتنا پڑا جتنا دسویں کے چاند پر پڑتا ہے مگر اس چودھویں کے مجدد پر مہر رسالت کا پرتو ٹھیک ایسا پڑ رہا ہے جیسے چودھویں کے چاند پر پڑا کرتا ہے۔

اقول:

میں کہتا ہوں ایسے بلا دلیل ڈھکوسلوں کی طرف کوئی اہل خرد التفات نہیں کرتا۔ حضرت مجدد کے مجدد حق اور افضل المجد دین ہونے کا ایک عالم مقر ہے۔ حق تعالیٰ مخالفوں سے بھی اس بات کا اقرار کرا رہا ہے اور مرزے کو بجز مریدوں کے اور کوئی مجدد نہیں مانتا۔ نہ اس کے مجدد ہونے کی کوئی دلیل ہے بلکہ قوی دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس کو مجدد ماننا گمراہی ہے اگر وہ مجدد ہوتا تو اس کے عقائد ضرور مجددان ماسبق کے مطابق ہوتے۔ و اذلیس فلیس

قولہ:

یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ متابعت رسالت پناہ میں فنا ہے اور اس نے نہ صرف فروعات سے بدعت کو نکالا ہے بلکہ اصول دین میں جو بدعات تھے مثلاً مسیح کو شریک فی صفات اللہ ٹھہرانا ان کو بھی دُور کر دیا۔ فالحمدللہ علی ذالک

اقول:

میں کہتا ہوں مرزا کی متابعت نبوی میں فنا ہونے کی کیفیت تو بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ذکر اللہ کی تاکید کرتے ہیں اور مرزا منع کرتا ہے اور اصول دین میں معاذ اللہ کوئی بدعت ہی نہیں جس کو مرزا نے نہ نکالنا تھا اس نے تو اصول دین کی بیخ کنی شروع کر دی

ہے۔ مسیح کے بارے میں قرآن کی سراسر مخالفت کی۔ یہود کے اعتقادات کی (جن کی قرآن نے تردید کی تھی) تائید کی اور ان کے پورا کرنے میں سعی بلیغ سے کام لیا۔ فنعوذ باللّٰہ من ذالک

قولہ:

امید ہے کہ میرے واجب التعظیم نقشبندی بھائی غور سے اس تحریر کو پڑھیں گے کیونکہ وہ مجدد الف ثانی کی کلام سے اس کا ثبوت پا سکتے ہیں۔

اقول:

میں کہتا ہوں تمہاری اس تحریر کو پڑھنے سے مرزا کی نسبت اگر کچھ ٹوٹی پھوٹی حسن ظنی تھی تو وہ بھی چلی گئی۔ حضرت مجدد الف ثانی کی کلام سے مرزا کے دعاوی کا سراسر بطلان ثابت ہوا جو کوشش تم نے کی تھی وہ رائیگاں گئی۔

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین و ماتوفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

عبدالرسول عفی عنہ از بکھر بار ضلع شاہ پور

قطعہ تاریخ تصنیف وطبع رسالہ ہذا از محمد شفیق طالب علم ساکن تر ڈیا نوالہ حال وارد بکھر بار

چو شامل فضل خلاق جہان شد	مکمل تازیانہ بیگمان شد
مصنف را چہ بستایم کہ وصفش	برون از حد امکان و بیان شد
بعالم عالم و فاضل مکرم	مباہی از وجودش آسمان شد
پئی ابطال قول قادیانی	بآئین بہین رطب اللسان شد
مخالف کج روی کرد از تعصب	بحمداللّٰہ کہ سعیش رایگان شد
شفیق از سال تصنیفش ندا داد	کہ ''زہ تردید مرزائی عیان شد'' (۱۳۲۴ھ)

ایضاً از حافظ محمد عبداللہ صاحب منصف وارد چک سلیم خان

رد قول قادیانی شد مکمل ایں زمان
فاش گشتہ فاش گشتہ سر مخفی و نہان
یار خوش گشتند زین امثال و زیں اقوالہا
سعی متعصب ہمہ از فضل حق شد رائگان
سال تکمیلش بگفتا منصف انصاف جو
''رد میرزا از جنابم بے مثل آمد عیان''

۱۳۲۴ھ

التماس مجیب

یہ رسالہ حسب الارشاد واجب الانقیاد مہر سپہر ولایت بدر برج کرامت حافظ الحدیث والقرآن المجید مولانا ومکرمنا حضرت صاحب زادہ مولوی احمد سعید صاحب مدظلہ سجادہ نشین وخلف الرشید حضرت ملکوت منزلت قطب الزمان فیاض عالم وعالمیان حضرت مولانا ہادینا غلام مرتضیٰ قدس اللہ سرہ وافاض علینا برہ مشرف بلدہ طیبہ بیربل صانہا اللہ عن الخلل ونیز بحسب ایمائے برادران حضرت ممدوح مرکز دائرہ فضیلت وسعادت بدر برج صداقت وہدایت حضرت مولانا محمد سعید صاحب وسالک مسالک صفا وتحقیق ناہج مناہج وفا وتدقیق قدوۃ العلماء الفحول مخدومنا حضرت غلام رسول صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ مکمل کر کے سراج الاخبار جہلم کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپوا کر للہ تقسیم کیا گیا۔ اس سے بجز اظہار حق اور بجز خدمت پیران کبار و برادران طریقہ اور کوئی غرض نہیں۔ عبدالرسول

تمام شد

اشعار در اظہار بوار فرقہ میرزائیہ شعار و اشعار برابرار ابرار

از نتائج افکار مولوی محمد عالم صاحب مولوی فاضل راگھوری وارد لاہور دام فضلہ

تازیانہ نقشبندان نقشبند طبع شد
طالع مطبوع اہل خدع و قامع بدع شد
کاشف نفی عموم ملزم نفی خصوص
کو مصرح بر زبان اہل دین و شرع شد
در بخاری لا نبی بعد ختم المرسلین
لازمش نفی رسولان نزد اہل ورع شد
شبہ گر آید کہ او تشبیہ دارد با مسیح
پس در استفسار وجہش وجہ وجہ نفع شد
گر ہمیں گوید رسالت وجہ شبہش آمدہ
اشتباہش در شروع نظم رفع و دفع شد
ادعا دارد اگر در قرب و طاعت کردگار
نیست صادق چونکہ ایں را خفض وا درافع شد
ماوحش قرآن خلافش بر مخالف بخلاف
چوں نیاید این چنیں چون او مسیحی خدع شد
چون ہویدا شد دلیل بودنش دجال ہند
جمع اود رجح میان جمع منع اجمع شد
مذہب او مذہب خناس و راغواء ناس
طبع او مطبوع قلب قلب و بصر و سمع شد
روز و شب زور و خلاف آمد غذائے روح وے
سالبش نون زان عدم در صدق عقد وضع شد
قابل غور ایں امر کو عطر فوط آمد باصل

در فخارش مثل حرباء باع او در جذع شد
یا کہ بنی در زمین است او فراست او بد آسمان
یادوشانہ دارد آن اقرع کہ مویش قلع شد
گہ ہمیں گوید کہ بر بینار آید ر بوم ہند
گہ سرائد قادیان در راہ جنت شمع شد
گاہ شود معلن کہ طاعون بیخ کن ارامن اوست
گاہ مظہر ہر کہ آید قادیان زان منع شد
نار و جنت چوں ندارد زندگی و موت ہم
ز انکہ او دجال دین و ضعش بسخنش وضع شد
چوں باستکبار آمد کرد استیلائے زور
از مغارب تامشارق خون چشمان دمع شد
درد ماغش شد بخار شیطنت بار و کثیف
زاں جہان عالم بعالم در جنونش تبع شد
او نبرد آورد از فوق ثریا تاثرے
ز ابتداء تا انتہاء عالم بجزع و فزع شد
ہر سیاہ را تمر دانست و خمر در ہر سپید
غافل آمد زیں کہ شیر بیشہ اندر جمع شد
حملہ آورد و تہور بر مجدد شد ذلیل
تازیانہ نقش بندست و بظہر شخضع شد
شد ہمہ اقوال موجب بول او بر فخذاد
حال او در خول عینش ہمچو غین در ہمع شد
نیست آسان حملہ آوردن بشیر شیر خوار
خوار باشد ہر کہ شیری کردن او را طمع شد
ہست پیدا چوں قمر باشمس اقرب میشود

دور در ہر لحہ و در ہر ساعتیش از لمع شد
در ازا شمس اہل حق۔ بقمرش شد محاق
وان زلاش مپش ایشان در لذاذت لشمع شد
شد جرید قول وحدت بت شکن در کعبہ اش
زین ندر از کفر استیصال اصل و فرع شد
خندہ زن بر ایں مسیح ہند زان شد مردوز
کافر و مسلم مسیح و ہم کرشن الطبع شد
گاہ مشابہ گاہ مشاتم با مسیح پاک ہم
گاہ اللہ گاہ احمد گاہ غلام شبع شد
منتج خلف و تناقض قول او را ایں کتاب
ضارب کفشش بخدش۔ خادشش بالجمع شد
ارخ او بے الف اکنون۔ با الف من بعد حج
"محو کن بد دین کرشن قادیانی طبع شد"

۱۳۲۴ھ

☆☆☆

☆☆

☆

تقریظ از جناب فضیلت انتساب مولوی محمد عالم صاحب موصوف

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و بعد۔ حضرات باتمکین پر مخفی نہیں کہ آج تک جو مرزا صاحب کی تناقض بیانیاں اور بدزبانیاں ظہور میں آئی ہیں ان کو ادنیٰ سے ادنیٰ شریف آدمی اور نچلے سے نچلا عقل مند بھی زبان پر لانا اگرچہ نقلاً و حکایۃً ہی کیوں نہ ہو گوارا نہیں سمجھتا۔ باوجود اس کے کہ مرزا صاحب ادعاء شرافت و نبوت میں بڑے زور و شور سے دُور تک کا زور لگاتے ہیں اور خداوند تعالیٰ سے جو کہ ہر عیب سے منزہ و مبرا ہے اپنا ذاتی اور حسبی و نسبی تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اس قدر لاف زنیاں اور زخموں پر نمک پاشیدگیاں کرتے ہیں کہ قیامت تک ان کی تعداد ہی شمار نہیں ہو سکتی۔ کیا ان کے دعوی رحمۃ للعلمین ہونے کے یہ امر مخالف نہیں کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور سلف صالحین کو اور ہر ایک فرد بشر اہل اسلام کو سمع خراشی تو درکنار طرح طرح کی اور تکلیفیں دے رہے ہیں جن کے لکھنے سے قلم سوگ کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ بھلا دل کا کیا کہنا ہے:

مرا دردیست اندروں اگر گویم زبان سوزد

اگر کوئی یزید کو ملعون کہنے یا اس کو قابل تکفیر ماننے کے بھی قریب ہو تو جھٹ یہ غیر مقلد (میرزائی) گلے سے پکڑتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق مردوں کے تکفیر و لعن سے منع فرمایا ہے اور قرآن شریف میں آیات بینات جو غزوہ احد میں واقع ہیں صاف اور پر یہی بیان کرتی ہیں کہ لیس لک من الامر شیء۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ کفار کی تعبیر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روک دیے گئے اور لعن وطعن کا اختیار آپ سے چھین لیا گیا۔ خیر ادھر تو یوں ادھر دیکھیے کہ خود ہی غیر مقلد مرزائیہ ائمہ دین سے اور سلف صالحین اور اولیاء وفقراء کی توہین کے لیے تیغ بدست ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی بدگوئیاں اور قسم قسم کی نکتہ چینیاں کر کے حملہ آوری کر رہے ہیں۔ بھلا ان عقل کے دشمنوں کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ

کیا کوئی فرد بشر نوع انسان دعوی کر سکتا ہے کہ وہ بشری کمزوریوں سے بالکل پاک ہے۔ غور کرو تو بغیر انبیاء علیہم السلام کے کسی کو اس خصوصیت سے مخصوص نہیں پا سکو گے کیونکہ عقلاء کے نزدیک یہ امر پایہ ثبوت اور مرتبہ تحقیق تک پہنچ چکا ہے کہ

الانسان مرکب من السھو والنسیان

الغرض اگر مان بھی لیا جائے کہ ہمارے بزرگان دین نے اپنی کلام میں اور اپنے ارشادات میں کسی قدر موجب قواعد مذکورہ کے استقامت کو ہاتھ سے دے دیا ہو تو کیا ان کا یہ حق ہے کہ سب وشتم ولعن وطعن کا ان کو نشانہ بنالیویں یا اپنے دعاوی باطلہ کے لیے ان کے قابل تاویل کلمات کو ظاہر طور پر محض الزام خصم کے لیے لچر پوچ عبارتوں سے وہ لوگوں کو بیان کر کے مصداق ضل واضل کا تمغہ حاصل کریں اور مخالفین اسلام کو اہل اسلام پر ہنسی کا موقع دیں۔ اگر یہ بھی اسلام کی ہمدردی ہے تو تف ہے اس ہمدردی پر نہ ان کی منہ ۔۔۔ الموالی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس قدر خداوند تعالی نے استعداد ہی نہیں دی کہ ان بزرگوں کے ادنیٰ سے ادنیٰ کلام کو کم سے کم تصور ہی کر سکیں اور ان کے معانی لغویہ اور ان کی عبارات النص اور اشارات النص یا صریح ہی کو معلوم کر سکیں۔ بھلا اس کی تحقیق تو اہل تحقیق و ارباب تدقیق کا کام ہے۔ کیا ہر ایک عقل مند یہ نہیں سمجھ سکتا کہ بموجب مقولہ کلام الملوک ملوک الکلام۔ جب وہ سب کے سر برآوردہ بادشاہ سلطنت علوم تسلیم کر لیے گئے ہیں اور آپ ان کے ہی زیر سایہ ہو کر ادراکات وفہوم سے مستفید ہو رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ بیہودہ وجوہات سے ان کے کلمات میں مداخلت بے جا کرنے لگے ہوں۔ ذرا سوچنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حکمت اور تہذیب الاخلاق کے بیماروں کو کب اس امر کی استعداد ہو سکتی ہے کہ وہ حکماء طب روحانی کے قواعد کی اساس اور قوانین کی تہ تک پہنچ سکیں یا ان کے عام مفہوم کے سمجھنے میں اگرچہ بہت سا زمانہ خرچ کریں، کامیاب ہو سکیں۔ ان امور کی خبر تب پڑتی ہے کہ امراض نفسانی کبر ونخوت غضب وتعصب حسد ونفاق کینہ وغیرہ علل سے پہلے پہل اپنے نفس کو مزکی اور پاک کیا جائے۔ پھر اس کے بعد حسب قواعد مسلمہ اہل عقل کے علوم ظاہر یہ میں ایک ایسی دسترس پیدا کی جائے کہ ظاہری عقدے اول نظر میں ہی حل ہو جائیں اس کے بعد

صلحاء اور فقراء کی مجالس میں بیٹھیں اور ان کے اخلاقی و توحیدی مضامین کو مطالعہ میں شبانہ روز سے دستور العمل بنا کے ان سے مستفیض ہوں اور ان کے مشکل عقدے لا ینحل کو نیک محمل پر حمل کر کے سالکان طریقت سے دریافت کریں تو اس وقت آپ ان کے کلام کی مغز تک پہنچ سکتے ہیں۔ ورنہ اپنی انگریزی لیاقت یا بے قواعد استعداد سے تو ان کے نکات معلوم کرنا ہی مشکل بلکہ محال ہے

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

غرض کہ جو کچھ فرقہ میرزائیہ نے مجدد الف ثانی کے حق میں ناشائستہ حرکتیں کیں بہت ہی بعید از عقل کیں۔ تعجب ہے کہ ابتداء زمانہ میں اپنے دعاوی کو اسی مکتوبات کی عبارتوں سے ثابت کیا کرتے تھے اور مخالفین کے حملوں سے بچنے کے لیے اسی کی پناہ لیتے تھے۔ اب بھی وہی مرزا صاحب ہیں اور وہی مکتوبات شریف ہیں اپنے گھر کو چور ہر کر لوٹنے لگے۔ گھر کی بلی گھر ہی کو میاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان دنوں میں بھی باوجود اتنی سستی اور تکاسل اہل اسلام کے پھر ان امور کی طرف خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے سر آمد علماء متکلمین سرگروہ فضلاء متبحرین جناب مولانا مولوی حکیم عبد الرسول صاحب اوصلهم الله الی کل مامول نے اپنے شب دیز قلم کو میدان مضامین نگاری میں جولان دے کر گوے سبقت لے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ بموجب السابقون السابقون اولئک المقربون کے دوسرے سرگرم علماء سے اس خطاب کرنے کے مستحق ہو سکتے ہیں؛

واعلم بان الفضل للمتقدم

واقعی مولانا ممدوح کا ہی یہ حصہ تھا۔ ذاتی خصوصیات کے علاوہ آپ ایک پیر کامل مرشد اکمل قدوۃ المتوکلین وزبدۃ المحتسبین شیخ مشائخ طریقت و پیر پیران معرفت۔

ھو الذی مدحہ فی علمہ السامی و علم علومہ فوق اعلام علوم علماء العالم نامی ابقاہ اللّٰہ تعالیٰ الی یوم ابتداء البقاء و انتہاء الفناء کے فیوض برکات سے بھی مستفیض و مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ فی زمانا ان کی نظیر تلاش کرنے میں متلاشی کو ان کی ذات بابرکات ہی نظیر مل سکتی ہے۔ ان کی ذکاوت اور لیاقت کا

یہ ثبوت ہے کہ مرزائیہ قوم کے حملوں کو صرف دو چار حرفوں میں لا شے کر دکھلایا اور ان کے دعاوی کی راکھ اڑا کے اس کو ھبساء منثور کر دیا۔ حقیقت میں کتاب کے کمالات مصنف ہی کے کمالات کا پرتو اور ضو ہوتے ہیں۔ جو شخص انصاف کی نظر سے ذرا بھی غور کر کے اس رسالہ کو دیکھے گا۔ اس کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ مولانا کی کیسی شان ہے اور یہ رسالہ کیسا ہے۔ رسالہ دیکھتے ہی اس سے مصنف صاحب کی علو دماغی اور لطافت ذہن رسائل کا پتہ چل جاتا ہے؛

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

ممکن نہیں کہ فرقہ میرزائیہ ان دعاوں کو یا ان استدلالات کو جو ان کے دلائل کی ردو قدح میں پیش کیے گئے ہیں ذرّہ بھی توڑ سکیں۔ اس کمال ذہانت اور نہایت درجہ کی ذکاوت کو مخالف بھی بغیر مانے نہیں رہ سکتا ہے۔

الــفــضــل مــاشــهــدت بــه الاعــداء

والــكــرم بــا اعتبــطــت بــه الـبـخـلاء

امید ہے کہ اگر مولانا ممدوح اپنی جاں فشانی اور وقت کی ارزانی کو گوارا فرماتے رہے تو ایسے بدمذہب حملوں اور واہیات دھمکیوں سے سلسلۂ نقشبندیہ مامون و مصئون رہ سکے گا۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

ضمیمہ سراج الاخبار جہلم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء

مرزا قادیانی کی موت کا عبرت ناک نظارہ

افسوس مر گئے مرزائے قادیانی
پیغمبری کی آخر سب مٹ گئی کہانی
دارالاماں بنا کیا ماتم کدہ ہے دیکھو
بچے ہیں چیختے اب روتی ہے میرزانی
کہتے تھے میرزا جی دشمن تباہ ہوں گے
تھے دھمکیاں سناتے اور کرتے لن ترانی
معلوم یہ نہیں تھا آئے گا وقت ایسا
کر دے گی کام جلدی یوں موت ناگہانی
نظارہ بھائیو ہے عبرت کا یہ سراسر
مت کیجیو بھروسہ دنیا سراء فانی

آہ۔ ناچیز انسان تُو کیا اور تیری حقیقت کیا۔ جس وقت تیرے جسم میں جان اور بدن میں توان ہوتی ہے تو فرعون بے سامان بن کر انا و لا غیری کا دم بھرتا اور لاف وگزاف سے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ اس وقت تجھے کچھ نہیں سُوجھتا کہ جس وقت تجھے فرشتہ موت آ پکڑے گا تمام شیخی کرکری ہو جائے گی۔ آن کی آن میں قصہ تمام کر دے گا۔ پھر باقی زندہ رہنے والے لوگ تیری ان لن ترانیوں پر مضحکہ کریں گے۔

بھائیو! جائے عبرت اور مقام غور ہے کہ ملک عجم میں مغلوں کے گھر ایک گم نام بستی قادیان میں ایک شخص پیدا ہوا، جس کا نام والدین نے سندھی بیگ رکھا تھا۔ پھر غلام احمد کے نام سے مشہور ہوا۔ معمولی نوشت وخواند کی استعداد حاصل کر کے ملازمت سرکار حاصل کی اور محرری کی آسامی پر کوئی عرصہ مارا مارا پھرا۔ دل میں جاہ طلبی اور حصول ثروت کا خیال تھا، قانونی کتب کا مطالعہ شروع کیا تا کہ وکیل یا بیرسٹر بن کر دراہم ودنانیر جمع کرے لیکن امتحان

میں ناکام رہنے پر اس سلسلہ سے منہ موڑا اور درویشانہ صورت اختیار کر کے عزلت گزیں ہوا۔ ابتدا میں معمولی درویش بنا رہا پھر مجددیت کا خرقہ پہنا پھر مہدویت اور مسیحیت کے القاب حاصل کیے۔ رفتہ رفتہ نبوت و رسالت بلکہ اُلوہیت کا بھی مدعی بنا اور دنیا بھر کے علماء عظام صوفیائے کرام کو مقابلہ کے لیے بلایا۔ سب نے تکذیب کی تو ان کو پانی پی پی کر کوسنا شروع کیا اور منذر پیش گوئیوں کی دھمکیاں سنائیں۔ دنیا میں کوئی حادثہ ہوتا تو اس کو اپنا نشان قرار دیتا۔ اگر کسی گوشہ سے اس کے کسی مخالف کی موت کی خبر آتی تو اس پر عید مناتا۔ طاعون و زلازل وغیرہ حوادث ارضی و سماوی کو مکذبین کی شامت قرار دیتا۔ ہر ایک مخالف شخص کو مباہلہ کا چیلنج دیتا اور گویا دل میں سے اپنے مرنے کے خیال کو بالکل محو کر چکا ہوا تھا کہ یکا یک خدائے جبار قہار کو اس کے انتہائی درجہ کے غرور و پندار پر غیرت آئی اور اس کو اپنی آرام گاہ (قادیان) سے جس کو وہ ''دارالامان'' کہتا تھا نکال کر لاہور جیسے شہر میں جو اس کے ہزاروں مخالفین کا موردو مسکن تھا۔ بیکسی اور بے بسی کی حالت میں بڑی ذلت و رُسوائی کی ناگہانی موت (ہیضہ) سے ہلاک کر کے ثابت کیا کہ ایک بے باک اور مغرور دشمن دین حق انسان کا انجام یوں ہوتا ہے:

ہر کہ گردن بہ دعوی افرازد
خویشتن را بگردن اندازد

کل شئی ھالک الا وجھه

کیا بھروسہ ہے زندگی کا
آدمی بلبلا ہے پانی کا

یوں تو ہر ایک شخص نے ایک دن مرنا ہے اور سوائے ذات حی و قیوم کے سب نے فنا ہونا ہے لیکن مرزا قادیانی کی موت کا سوال اس وقت اس لیے قابل بحث ہے کہ اس نے اور اس کے پیروؤں نے جن کی تعداد بقول ان کے لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ دل میں یہ ٹھان لی تھی کہ جب تک مرزا کے سب مشہور مخالف مرزا کی آنکھوں کے سامنے مر نہ جائیں گے جب تک مرزا کی ذریت اقطاع الارض میں پھیل نہ جائے گی جب تک تمام اہل ارض مرزا

کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھ لیں گے جب تک مرزا کی آسمانی منکوحہ محمدی بیگم اس کے نکاح میں نہ آلے گی جب تک مولوی محمد حسین بٹالوی اس کے مرید نہ بن جائیں گے۔مرزا نہ مرے گا اور کبھی نہ مرے گا لیکن مرزا کی اس ناگہانی اور بے وقت موت نے ثابت کر دیا کہ یہ ساری چکنی چپڑی باتیں جو مرزا اپنے مریدوں کو کہہ رہا تھا اور ان کا نام الہام رکھا ہوا تھا، شیطانی وساوس تھے اور بس۔

و مایعدھم الشیطان الا غرورا.

خدا کی قدرت ہے کہ جب سے مرزا جی نے مہدویت و مسیحیت ، نبوت و رسالت کے دعاوی پر کمر باندھی اور الہامات و پیش گوئیوں کی اشاعت کا طریق جاری کیا، کوئی ایک بات بھی آپ کی پوری نہ ہونے پائی۔ حالانکہ بسا اوقات منجموں اور رمالوں، قیافہ شناسوں کی بھی کئی باتیں پوری ہو جایا کرتی ہیں لیکن مرزا جی ہمیشہ ناکامی ہی کا منہ دیکھتے رہے۔ جب کبھی انہوں نے زلزلہ یا طاعون کی پیش گوئی شائع کی، خدا نے اپنا فضل کر دیا اور ان کو رُسوائی ہوئی، قادیان میں طاعون نہ آنے کی پیش گوئی کی تو طاعون کود کر وہاں جا پہنچی۔ پھر یہ کہا کہ بربادی افگن نہ ہوگی، ایسا بھی ہوا پھر کہا چار دیواری میں نہ آئے گی، وہاں بھی گئی۔ کہا مخلص مرید نہ مریں گے وہ بھی مرے۔ الہام سنایا لایموت احد من رجالکم عبدالکریم جیسے نفس ناطقہ کی موت دیکھی۔ مبارک احمد پیارے بیٹے کی موت کا صدمہ پہنچا لیکن افسوس کہ باوجود ان تمام باتوں کے آپ کو ہوش نہ آئی اور اس مہلت سے جو خدا نے توبہ کے لیے دے رکھی تھی، فائدہ نہ اٹھایا۔ جب خاتمہ کے دن قریب آ گئے تو اتمام حجت کے لیے فرشتہ موت آپ کو لاہور پکڑ لایا اور علمائے کرام کے دلوں میں تحریک پیدا ہوئی کہ قبر کے کنارہ پر پہنچنے والے بڈھے کو تبلیغ کرو شاید سمجھے اور ضد سے باز آئے، علماء نے دعوت دی اور ہزاروں روپے کی طمع بھی دی لیکن شقاوت ازلی غالب ہوئی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ان بطش ربک لشدید کا وقت آ پہنچا اور وہ مسکین انسان جو بڑے بڑے دعاوی سنا رہا تھا ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء روز سہ شنبہ وقت ۱۰ بجے دن کے دفعۃً ہیضہ میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

افسوس!!! مرزا جی جو اپنے مخالفوں کی موت کا نظارہ دیکھنے کے ہر وقت متمنی رہتے تھے آخر حسب مقولہ

چاہ کن را چاہ درپیش

خود موت کے کنویں میں ایسے گرے کہ قیامت سے پہلے نکلنا محال ہے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خدا کی شان۔ مرزا جی اپنی ساری تمنائیں اور حسرتیں دل میں لے کر خاک ہو گئے اور ان کے مخالفین کو خدا نے صحیح وسلامت رکھ کر ان کا انجام دکھا دیا۔

ہم تو جاتے ہیں اب قبر میں رقیب

کرو جو کچھ تمہارا جی چاہے

آہ مرزا۔ یہ بساط تھی تو کیوں اتنا شور وشغب کیا اپنے جھوٹے دعاوی سے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔

مرزائیو! کیا اب بھی تمہیں شک ہے کہ مرزا کے سارے دعاوی جھوٹے تھے اور ان کا جھوٹا ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔

اس وقت ہمارے سامنے اخبار بدر مطبوعہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء پڑی ہے جس میں مرزا جی کے ایک حواری ماسٹر ہدایت اللہ گجراتی کا ایک مضمون لکھا ہے کہ:

''مامور من اللہ کی شناخت یہ ہے کہ وہ دنیا سے رخصت نہیں ہوتا جب تک کہ اپنا کام وہ نہ کر لے اور مفتری علی اللہ جو الہام بنا کر ظاہر کرے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہ ہوں تو ایسا شخص قرآن کریم کے رو سے جلد خاسر وخائب اور ذلیل ورسوا ہوتا ہے اور اس کا کارخانہ جلد درہم برہم ہو کر ملیا میٹ ہو جاتا ہے اور اس کا کذب روز روشن کی طرح کھل جاتا ہے۔''

اب ذرا مضمون نگار صاحب خدا کو حاضر وناظر جان کر بتا دیں کہ بقول آپ کے خاسر وخائب الخ کا مضمون پورا ہو گیا یا نہیں۔ کہہ دیجیے لاشک فیہ

ہم مرزائی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ مہربانی سے بتائیں کہ جیسا کہ مرزا جی آپ کو

الہامات سناتے رہے اور وقتاً فوقتاً پیش گویاں کرتے رہے کیا اپنی موت کے متعلق بھی انہوں نے کوئی ایک آدھ الہام تمہیں سنایا تھا یا نہیں یا مرنے سے پہلے اپنی موت سے کچھ آگاہی حاصل ہوئی تھی۔ حالانکہ معمولی نیک بندے بھی مرنے سے پہلے اپنی موت کی خبر بتا دیتے اور بسا اوقات ٹھیک روز اور وقت بھی بتا دیتے ہیں لیکن مرزا جی عجیب ملہم تھے کہ ان کو اور تو ساری دنیا کی موت وحیات کے الہام ہو جاتے تھے لیکن اپنی وفات کے وقت سے متعلق اطلاع نہ ملی۔ مرزا جی نے اپنی عمر کے متعلق مدتوں سے یہ الہام شائع کر رکھا تھا:

و لنحیینك حیوۃً طیبۃً ثمانین حولا او قریباً من ذالك او تزید علیه سنیناً (اربعین نمبر۲ صفحہ۳۱)

ترجمہ: ہم تجھے پاک زندگی دیں گے اسّی (۸۰) سال کی یا اس کے قریب یا اس سے زیادہ کئی سال۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس الہام کے مطابق آپ نے کب مرنا تھا۔ سو واضح ہو کہ مرزا جی نے ۶ جولائی ۱۹۰۴ء کو اپنے حلفی بیان میں لالہ آتمارام صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں لکھایا تھا کہ ان کی عمر ۶۵ سال کی ہے اور اس حساب سے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء روز وفات کو آپ کی عمر ۶۹ سال سے بھی ۲ ماہ کم تھی۔ اسّی (۸۰) سال میں ابھی گیارہ سال باقی تھے اور زیادہ سالوں کی پیش گوئی کے مطابق ابھی بیس (۲۰) سال سے بھی زیادہ جیتے رہنا چاہیے تھا۔ اپنی الہامی عمر سے ۱۱ سال پہلے مرجانا صریح دلیل ہے کہ مرزا جی کے الہام رحمانی نہیں تھے بلکہ شیطانی تھے اور اب مرزائیوں کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں ہے علاوہ اس کے مرزا صاحب نے ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان ''تبصرہ'' جلی قلم سے لکھوا کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا اور اپنی جماعت کے لوگوں کو تاکید کی کہ اس کی بہت اشاعت کی جائے اور تمام جگہ درودیوار پر چسپاں کیے جائیں۔ اس اشتہار کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب نے اپنا الہام مرزا جی کی موت کی نسبت شائع کر دیا تھا کہ وہ چودہ (۱۴) ماہ تک مرجائیں گے۔ بجواب اس کے مرزا جی نے ''تبصرہ'' میں الہامات شائع کر کے دعویٰ کیا کہ میں تو نہیں مروں گا بلکہ عبدالحکیم اور میرے اور دشمن میری آنکھوں کے سامنے

مریں گے اور صدق و کذب کا یہی معیار ہوگا۔ اس تبصرہ سے چند الفاظ بجنسہ درج ذیل ہیں:

اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ لے گا اور پھر آخر میں ۔۔ میں فرمایا کہ میں تیری عمر کو بڑھاؤں گا یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء چودہ (۱۴) مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھادوں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک میرے اختیار میں ہے۔ یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست اور میری عزت اور دشمن کی ذلت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان فرمایا ہے اور دشمن پر غضب اور عقوبت کا وعدہ ہے مگر میری نسبت ۔۔۔ ہے کہ دنیا میں تیرا نام بلند کیا جائے گا اور نصرت و فتح تیرے شامل حال رہے گی اور دشمن جو تیری موت چاہتا ہے وہ خود میری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نابود کیا جائے گا۔ (دیکھو اخبار بدر ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء)

مرزائی صاحبان!!! اب انصاف سے کہیں کہ کون کس کی آنکھوں کے سامنے مرا اور کس کی فتح اور کس کی شکست کس کی عزت اور کس کی ذلت کس کا اقبال اور کس کا ادبار نمودار ہوا۔ اگر پیش گوئی من جانب اللہ ہوتی تو ضرور مرزا جی کی عمر بڑھا دی جاتی لیکن معاملہ برعکس ہوا۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے الہام سچے ہو گئے چنانچہ جولائی ۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۴ ماہ سے پہلے ہی مرزا جی کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالحکیم کا وہ تازہ الہام بھی جو پیسہ اخبار میں چھپ چکا ہے کہ مرزا ۲۱ ساون (پنجابی زبان میں پانچویں مہینے کا نام) آئندہ تک مر جائے گا، حرف بحرف پورا ہو گیا۔ کیا کوئی اب اس سے انکار کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی یہ پیش گوئی بھی اب سچی ہو گئی کہ دجالی فتنہ میرے ہاتھ سے پاش پاش ہوگا۔ دیکھیے پیش گوئی اس کو کہتے ہیں اور صداقت اس کا نام ہے سچ ہے: لکل فرعون موسیٰ

پھر اخبار بدر ۱۹ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۳ میں لکھا ہے کہ کسی مرزائی نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا کہ چودہ ماہ والی پیش گوئی میں کوئی تاویل تو نہیں۔ جس کے جواب میں آپ

نے صاف لکھا کہ ”چودہ ماہ والی پیش گوئی میں کوئی تاویل نہیں۔صاف الفاظ ہیں کوئی گولائی نہیں۔ان شاء اللہ العزیز لفظ بلفظ پوری ہوگی۔“

ڈاکٹر کی پیش گوئی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

”مرزا کی نسبت ۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو الہام ہوا۔آج سے ۱۴ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔“

(دیکھو اخبار بدر مطبوعہ ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ کالم ۳)

اخبار بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے ڈاکٹر صاحب کی پیش گوئی کا ذکر کیا تو مرزا جی کہنے لگے:

کل یعمل علی شاکلته

اللہ تعالیٰ ظاہر کردے گا کہ راست باز کون ہے۔“

بہر حال اب پبلک کو ڈاکٹر کی صداقت اور مرزا کے جھوٹا ہونے کی نسبت فیصلہ کرنے کے لیے اور کسی امر کی تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے جبکہ جانبین سے صدق و کذب کا معیار ہی یہ رکھا گیا تھا کہ جو پہلے مر گیا وہ جھوٹا ہوگا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے مقابلہ میں بھی مرزا جی نے اشتہار شائع کر رکھا تھا کہ صادق کی زندگی میں کاذب مرے گا۔تو ایسا ہی ہوا۔

الحاصل مرزا جی کی یہ ناگہانی موت سارے جھگڑے کا فیصلہ بڑی صفائی سے کر گئی۔ امید ہے کہ مرزائی صاحبان کی بھی اب آنکھیں کھل جائیں گی اور سمجھ لیں گے کہ ہم کو ایک شخص نے جھوٹے وعدوں سے اس قدر عرصہ دھوکا دے رکھا تھا۔پھر موت بھی ایسی جو بقول مرزا جی اعلیٰ طبقہ کے پاک بندوں کے لیے نہیں ہوا کرتی۔دیکھو اخبار بدر ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۲

مرزا جی کے وہ کلمات طیبات بھی غور کے لائق ہیں جو بدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم ۱ میں اس طرح پر درج ہیں:

”ہلاکت شیطان کا وقت ہے۔یہ لوگ جو چاہیں سو کر لیں۔اب تو خدا تعالیٰ کا

ارادہ ہو چکا ہے کہ شیطان کو ہلاک کیا جائے۔ شیطان کی یہ آخری جنگ ہے اور وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ وہ ضرور قتل کیا جائے گا۔ (امنا وصدقنا)

اور تو اور سب سے زیادہ رنج وافسوس کی بات تو یہ ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کا سودا مرزا جی کو قبر میں بھی نہیں سونے دے گا اور مریدان باصفا اب سر دھنتے رہ جائیں گے کہ ملہم کے ساتھ ہی وہ الہام بھی خاک میں مل گیا جو بڑی تحدی سے کہا جاتا تھا کہ زمین وآسمان ٹل جائیں پر خدا کی باتیں نہ ٹلیں گی اور الہامات کے کلمات یہ تھے:

و یردھا الیک لا مبدل لکلمات اللّٰہ و ان وعداللّٰہ حق و ان ربک فعال لما یرید۔ قل ای و ربی انه الحق و و لا تکن من الممترین انا زوجنا لھا۔

بھائیو! غور کرو اگر یہ کلمات خدائے پاک کی طرف سے ہوتے تو بالضرور پورے ہو کر رہتے لیکن چونکہ یہ اضغاث اعلام سے تھے اس لیے ہوا میں اڑ گئے۔ پس ج۔۔ روز روشن کی طرح کھل گیا کہ مرزا جی کے دعاوی الہام نبوت وغیرہ سب من گھڑت تھے جو آخر کار غلط ثابت ہوئے تو اب مرزائی صاحبان کو۔۔ کہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے مرزائی دعاوی سے جلد تائب ہو جائیں۔ خدائے روف ورحیم کی مہربانی ہے کہ اس نے آپ پر آسمانی فیصلہ کے ذریعے اصلیت کاٹ کر دیا اور آپ کو یہ مہلت ملی اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ و ما علینا الا البلاغ

مطبع سراج الاخبار باہتمام مولوی فقیر محمد مالک مطبع



---

(۱) یعنی خدا تجھے تیری عشقیہ واپس دلائے گا خدا کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی خدا کا وعدہ سچا ہے کر سکتا ہے۔۔۔ کی قسم بالکل۔۔۔ بے شک۔۔۔ کچھ ہم نے۔۔ نکاح اس سے کر دیا ہے۔

حواشی

[۱] سراج الاخبار (فارسی): سراج الاخبار کے نام سے ایک فارسی اخبار دہلی سے ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر سید اولاد بھی تھے۔ یہ اخبار بہادر شاہ ظفر کے دربار کا کورٹ گزٹ تھا۔ بادشاہ کی ہدایت کے مطابق دہلی کے قلعہ معلّی سے فارسی زبان میں شائع ہوتا تھا اور یہ بادشاہ کا روزنامچہ تھا، آخر میں خاص خاص خبریں ہوتی تھیں جو عموماً دوسری سلطنتوں یا ریاستوں کے متعلق ہوتی تھیں۔ (تاریخ صحافت: جلد اول، ص: ۱۷۰)

مسٹر جان لارنس مجسٹریٹ لکھتے ہیں:

''بادشاہ کا اخبار سراج الاخبار محل سے شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار سے تعلق رکھنے والے سب لوگ شاہی ملازم ہیں۔ ہر ہفتہ اس کی صرف ۲۶ کاپیاں چھپتی ہیں۔ بیشتر پرچے بادشاہ کے ہم نواؤں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ گورنر جنرل، لفٹنٹ گورنر اور محل کے گارڈ کمانڈر کو بھی ایک ایک کاپی بھیجی جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ اخبار دیا جاتا ہے، ان کی تنخواہ سے ایک روپیہ ماہانہ اخبار کے اخراجات پورے کرنے کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔''

سراج الاخبار (فارسی) کی دو ناقص فائلیں انجمن ترقی اردو (ہند) کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں جو ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء کی ہیں اور پھر سراج الاخبار کی زندگی کے آخری دور (۱۸۵۷ء) کے کچھ نمبر نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (دہلی) میں موجود ہیں۔ (ہندستانی اخبار نویسی- کمپنی کے عہد میں: ۲۵۸۔ ۲۵۷ ملخصاً از محمد عتیق صدیقی، انڈس پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۸۰ء)

[۲] سراج الاخبار ۱۳ ستمبر ۱۸۸۶ء صفحہ ۷ پر مرحوم سراج الدین کا قطعۂ وصال طبع زاد منشی اللہ دسایا صاحب (مدرس سوم مڈل سکول احمد پور شرقیہ ریاست بہاول پور) شائع ہوئے جو کہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

فارسی

دراں ساعت سراج الدین احمد — چو جان بخشید با اللہ تعالیٰ
سروشم گفت سالش از سر ہوش — کہ الآن دخل فی الفردوس اعلیٰ

۱۳۰۳ھ

ولہ ایضاً

بماہ ذی قعد ہیہات ہیہات — سراج الدین جہاں را کرد پدرود
خرد گفتا ز روے وہم تاریخ — بہ قصر جنت الفردوس آسود

ایضاً اردو

آج کیونکر چشم نم ہووے نہیں میری قلم
جب سراج الدین صاحب اس جہاں سے چل بسے

عقل سے میں نے کہا ہے کچھ زمانہ کی لگن
بولا ہاتف۔ ہاں سراج الدین رحلت کر گئے

[۳] مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب کا ایک بیٹا ۲۷ اپریل ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا، محمد شفیع نام رکھا گیا جو کہ اسی سال ۱۲ نومبر کو فوت ہو گیا۔ (سراج الاخبار مورخہ ۲ جنوری ۱۸۸۸ء)

(۴) مولانا ابو الدرجات غلام جیلانی: آپ کا تعلق تحصیل کھاریاں کے علمی گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد گرامی مولانا محمد عالم رئیس کھوڑی جید عالم دین اور قادر الکلام شاعر و تاریخ گو تھے۔ یہی تمام خوبیاں آپ میں بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ سراج الاخبار جہلم میں اکثر آپ کا اردو و فارسی کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ آپ ریاست راجپوتانہ کے وزیر مالیات کے عہدہ پر فائز رہے، آپ کے برادر گرامی مولانا عبدالمالک ریاست بہاول پور میں وزیر مالیات تھے۔ آپ کی سن ولادت و وصال معلوم نہیں ہو سکی۔ عقیدہ کے لحاظ سے سُنّی تھے۔

(۵) مولانا غلام قادر بھیروی: استاذ العلما شمس الفضلا عمدۃ المحققین زبدۃ العارفین سراج السالکین حامی سنن ماحی بدعت والفتن حضرت مولانا مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف مولانا غلام قادر قریشی ہاشمی چشتی قادری سیالوی بھیروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز کی ولادت ۱۲۳۷ھ بمطابق ۱۸۲۲ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام مولانا عبدالحکیم بن مولانا جان محمد بن مولانا محمد صدیق تھا۔ آپ کے خاندان کا علمی شہرہ کئی پشتوں سے اکناف و اطراف میں پھیلا ہوا تھا چنانچہ سالہا سال سے سینکڑوں تشنگان علم آپ کے خاندان کے چشمہ فیض سے علمی فیضان حاصل کرتے رہے۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے ہی حاصل کی پھر حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی خدمت میں چودہ برس رہ کر جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کی اور سند فضیلت حاصل کر کے بھیرہ واپس ہوئے۔ اس زمانہ میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں قطب الاقطاب شمس بازغہ حضرت خواجہ شمس الدین چشتی سیالوی علیہ الرحمۃ جلوہ فرما تھے اور تشنگان معرفت اور طالبان عشق حقیقی جوق در جوق اس سرچشمہ فیوض و برکات کی خدمت سراپا برکت میں پہنچ کر فائز المرام ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ تصوف کے مشہور خاندان چشت اہل بہشت کے درخشاں آفتاب تھے اور حضرت شیخ المشائخ خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ کے نامور خلفاء سے تھے۔ مولانا بھیروی کی قلبی وارفتگی اسی خاندان سے نسبت ارادت حاصل کرنے کی طرف تھی چنانچہ دہلی سے بھیرہ واپسی پر آپ نے بیعت کے قصد سے سیال شریف کا رُخ کیا اور بیعت ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا بھیروی نے گورداس پور میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی، دُور و نزدیک آپ کا شہرہ ہوا اور تشنگان علم آپ سے فیضیاب ہونے لگے یہاں ایک ہندو راجہ نے بھی آپ سے اکتساب علم کیا۔ تاہم تعلیم و تدریس کا یہ سلسلہ زیادہ نہ چل سکا اور آپ کو کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے اپنے آبائی علاقہ بھیرہ جانا پڑا۔ کچھ عرصہ بھیرہ میں مولانا احمد دین بگوی کے مدرسہ میں تدریس کی

لیکن جلد ہی بھیرہ کا ایک تاجر آپ کو اپنے ہمراہ لاہور لے آیا اور واپس نہ جانے دیا۔ اس مدت میں مولانا نے مختلف مساجد میں دُروس ارشاد فرمائے اور اہالیانِ لاہور کے دل موہ لیے، لوگ اس قدر آپ کے گرویدہ ہوئے کہ آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ زندہ دلان لاہور کی اس پُر خلوص دعوت کو آپ رد نہ کر سکے اور آپ نے اُونچی مسجد بھاٹی گیٹ لاہور میں با قاعدہ خطابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

آپ کی خطابت کا شہرہ ایسا ہوا کہ دُور دُور سے لوگ آپ کے خطاب سے مستفید ہونے کے لیے آتے۔ کچھ عرصہ بعد مائی جیواں متولیہ مسجد بیگم شاہی (واقع مستی گیٹ لاہور) نے آپ کو اپنا متبنیٰ بنا کر بیگم شاہی مسجد کی تولیت آپ کے سپرد کر دی۔ یوں اونچی مسجد بھاٹی گیٹ لاہور سے آپ بیگم شاہی مسجد، مستی گیٹ لاہور منتقل ہو گئے اور وعظ و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں آپ نے ایک انجمن حنفیہ قائم کی، جس نے بہت دینی خدمات سرانجام دیں، مسجد کے انتظامی معاملات کے ساتھ ساتھ کتب دینیہ کی اشاعت و ترسیل کا سلسلہ بھی وسیع پیمانہ پر ہوتا رہا۔

آپ کے تلامذہ میں بڑی بڑی نامور شخصیات شامل ہیں جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا غلام احمد صاحب (مدرس اعلیٰ جامعہ نعمانیہ لاہور)، مولانا نبی بخش حلوائی (مصنف تفسیر نبوی ۱۶ جلد)، مولانا عبداللہ سلطانی (شارح کنزالدقائق)، شیر ربّانی میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (آستانہ عالیہ شرقپور شریف)، قطب مدینہ ضیاء الدین مدنی (خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)، مولانا محمد عالم امرتسری علیہم الرحمۃ

مولانا بھیروی اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعے باطل فرقوں کا بہت شدت سے رد فرماتے تھے، اگر مسجد میں کوئی بدمذہب گھس آتا تو مولانا بھیروی اس کو دھکے دے کر مسجد سے نکلوا دیتے۔ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں آپ نے اپنی مسجد بیگم شاہی (مستی گیٹ، لاہور) میں سنگ مرمر کے کتبہ پر ایک قرارداد لکھوا کر آویزاں کرائی جو کہ آج بھی موجود ہے، قرارداد یہ ہے:

”باتفاق انجمن حنفیہ و حکم شرع شریف یہ قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری یا مرزائی مسجد ھذا میں نہ آئے اور خلاف مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔“

مولوی اللہ وسایا دیوبندی لکھتا ہے:

”ردمرزائیت میں پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے ہی یہ فتوی جاری فرمایا کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام و ناجائز ہے۔ بعد میں علمائے دین و مفتیان شرع متین نے اسی فتوی مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے مرزائیوں سے مناکحت تزویج کو ناجائز اور ان سے میل جول اور ذبیحہ تک کو حرام قرار دیا۔ مرزا نے جب نبوت کا دعوی کیا اور حکیم نورالدین نے اس کی تائید کی تو آپ نے حکیم نورالدین کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ آپ کی موجودگی میں اسے کبھی بھیرہ میں داخل ہونے کی جرات نہ ہوئی۔ (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت مرتبہ مولوی اللہ وسایا دیوبندی، صفحہ ۲۳۰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی، طبع دوم ۲۰۰۸)

آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں: ۱۔ فتوٰہ مجموعہ قاضی شمس الحنفیہ (درۂ محمدی) نافع العباد جواب دافع

الفساد (۱۳۰۷ھ) ۲۔ ناصح العباد مع نافع العباد در جواب دافع الفساد ۳۔ مجموعہ ختمات خواجگان مع سلسلہ چشتیہ (۱۳۰۸ھ) ۴۔ جوہر ایمانی سرّ قرآنی ۵۔ رسالہ علم الغیب ۶۔ شمس الحنفیہ در جواب رسالہ نور الحنفیہ ۷۔ مصباح الظلام در بیان کفریات کلام (۱۳۱۸ھ) ۸۔ ارشاد الحق المبین لھدایت الجاھل الغبین (۱۳۲۱ھ) ۹۔ بست رکعت نماز تراویح (۱۳۲۳ھ) ۱۰۔ شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوریٰ (۱۳۰۰ھ) ۱۱۔ نور ربانی فی مدح المحبوب السبحانی (۱۳۲۷ھ) ۱۲۔ نماز حضوری نوری (۱۳۲۸ھ) ۱۳۔ نماز حضوری ضروری ۱۴۔ عقد الفرائد در بیان احسن العقائد (حصہ اول) ۱۵۔ عقد الفرائد در بیان احسن العقائد (حصہ دوم) ۱۶۔ شوارق صمدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ ۱۷۔ محیط اعظم ۱۸۔ عکازہ در صلوٰۃ جنازہ ۱۹۔ حقیقت انوار محمدیہ ۲۰۔ سیوف الابرار علی منکر جہرالاذکار ۲۱۔ عقائد الاخیار فی فضائل الائمۃ الاطہار ۲۲۔ رسالہ حق المبین ۲۳۔ الجواب الصواب فی انصلت المقتدی عن فاتحۃ الکتاب در جواب رسالہ فصل الخطاب فی مسئلہ فاتحۃ الکتاب ۲۴۔ اسلام کا اردو قاعدہ ۲۵۔ خلاصہ تحقیق الفتوی فی ابطال الطغویٰ ۲۶۔ تعویذات دافع طاعون

۲۱ اپریل ۱۹۰۸ء/ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد مولانا بھیروی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں:

''مولانا غلام قادر صاحب مرحوم کا جنازہ جب شہر لاہور میں اٹھایا گیا تو ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ نماز جنازہ باہر پریڈ میں پڑھی گئی کارخانوں کے مزدوروں نے اس روز مزدوری ترک کر کے شمولیت جنازہ کی۔

(مولانا غلام قادر بھیروی کے متعلق فقیر کا تفصیلی مضمون ماہ نامہ جام نور، دہلی کے شمارہ بابت فروری ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا، پیش نظر مضمون اسی کا خلاصہ ہے۔)

[۶] حافظ ولی اللہ لاہوری: آپ کا شمار لاہور کے اکابر علماء میں ہوتا ہے، آپ قرآن کریم کے حافظ اور جملہ علوم منقولات و معقولات کے جامع تھے۔ آپ نے مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا نور احمد کوٹلی اور مولانا احمد دین بگوی سے درسیات کی تکمیل کی۔ عیسائی پادریوں کے ساتھ مباحثہ و مناظرہ کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا، آپ نے ردعیسائیت میں کئی تصانیف یادگار چھوڑیں جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان فی رد تحقیق الایمان، تصدیق المسیح، مباحثۂ دینی، شکوک کفارہ، ابحاث ضروری، جواب الجواب رسالہ شکوک کفارہ۔

کنہیا لال لکھتے ہیں: ''حافظ ولی اللہ نابینا یہ ایک شخص عالم متبحر لاہور کے علما میں سے تھا، انگریزی عہد میں اس نے علم پڑھا اور وہ ترقی پائی کہ سب سے سبقت لے گیا، مناظرہ کے علم میں اس کو یہ استعداد تھی کہ بڑے بڑے پادری عیسائی اس کے روبرو بول نہیں سکتے تھے، شیعہ کے علماء کا دم خشک ہوتا تھا، وعظ نہایت عمدہ کہتا تھا، باوجود نابینائی کے خدا نے دل کی روشنی اور عقل کا جوہر اس کو ایسا دیا تھا کہ سب کتابیں اس کو نوک زبان یاد تھیں، حکام وقت اس کی عزت کرتے اور عدالت سے فتاوی اسی سے طلب کیے جاتے تھے۔

افسوس کہ اب بمرور عرصہ چار سال فوت ہو گیا ہے یہ شخص اگر چہ خاندانی علماء میں سے نہ تھا مگر اپنے عہد میں لاثانی شمار ہوا۔ (تاریخ لاہور: ۵۴)

آپ کے طلباء میں مولانا فقیر محمد جہلمی مولف حدائق الحنفیہ، منشی محمد اسماعیل، منشی عبدالکریم، مولوی الٰہی بخش وغیرہ مشہور ہیں۔ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں آپ کا وصال ہوا، لاہور ہوٹل کے عقب میں فلیمنگ روڈ پر آپ کا مزار شریف ہے۔ احاطۂ مزار پر لوگوں نے قبضہ کر کے عمارتیں تعمیر کر لی ہیں، بس ایک تنگ سی گلی باقی ہے جس سے گزر کر آپ کے مزار شریف تک رسائی ہو سکتی ہے۔

[۷] ذخیرہ حکیم محمد موسیٰ امرت سری: پنجاب یونیورسٹی (قائم شدہ: ۱۸۸۲ء) کی لائبریری میں پاکستان کا سب سے بڑا کتابی ذخیرہ موجود ہے۔ اس لائبریری میں لگ بھگ سولہ ذاتی ذخائر بھی محفوظ ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ امرت سری کا نام اہل علم حضرات کے لیے اجنبی نہیں۔ حکیم محمد موسیٰ امرت سری جب تک اس دیار فانی میں حیات رہے۔ دنیا بھر سے اہلیان علم، مصنفین و محققین حضرات آپ کی طرف رجوع کرتے رہے۔ حکیم صاحب کی ساری زندگی کتاب دوستی سے عبارت رہی۔ پاکستان بننے سے قبل و بعد نادر و نایاب کتب کی تلاش آپ کی اولین ترجیح رہی۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۹ء کو آپ نے اپنا یہ قیمتی ذخیرہ پنجاب یونیورسٹی کو وقف کر دیا۔ ابتدائی طور پر حوالہ کی گئی کتب کی تعداد ۵۳۲۴ تھی۔ حکیم صاحب اپنے ذخیرہ کے لیے مسلسل کتب بھجواتے رہے اور یوں اس کی تعداد ۸۳۱۵ (۱۹۹۶ء تک) ہو گئی۔ اس نادر ذخیرہ کی مکمل فہرست جناب جمیل احمد رضوی (سابق چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے پانچ جلدوں میں مرتب کی جس کو مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ (فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرت سری جلد اول ملخصاً)

حکیم صاحب کا وصال ۷ انومبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں ہوا اور آپ کو عارف باللہ حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے ملحق قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (ماہنامہ کنزالایمان لاہور، ویژہ نامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

ہر سال آپ کے احباب عرس کا انعقاد بھی کرتے ہیں۔ حکیم صاحب کے ذوق کے پیش نظر آپ کے احباب نے آپ کے ذخیرۂ کتب میں کتب جمع کروانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے اور یوں آپ کے ذخیرہ میں موجود کتب کی تعداد لگ بھگ پندرہ ہزار ہو چکی ہے جو کہ اب تک پنجاب یونیورسٹی میں موجود شخصی ذخائر میں سب سے زیادہ ہے۔ آپ کی اتباع میں آپ کے دیگر احباب نے بھی اپنے ذخائر پنجاب یونیورسٹی کو وقف کیے جن میں میاں محمد دین کلیم لاہوری، میاں جمیل احمد شرق پوری نقش بندی اور پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب کے ذخائر شامل ہیں۔

[۸] مولانا محمد حسن فیضی (بھیں، جہلم): مولانا فیضی علوم دینیہ وفنون عربیہ کے ماہر تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نور حسین تھا جو کہ علاقہ بھیں (ضلع جہلم) کے رہنے والے تھے۔ آپ مولانا کرم الدین دبیر کے چچازاد بھائی تھے۔ مولانا فیضی جامعہ نعمانیہ میں مدرس رہے۔ آپ نے سورۂ فاتحہ کی مکمل تفسیر بے نقط الفاظ میں لکھی تھی جو طبع نہ ہو سکی۔ دیگر تصانیف میں ''الروض الربٰو فی حقیقۃ الربٰو''، ''القرائض

الفیضیہ فی الفرائض والولاء والوصیہ'' عربی اشعار میں طبع ہو چکی ہیں۔آپ کے علمی کارناموں میں سے ایک ناقابل فراموش کارنامہ قصیدہ بے نقط ہے جو آپ نے ۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کو سیالکوٹ میں جا کر مرزا قادیانی کو خود دکھایا اور اس کا ترجمہ کرنے کا کہا مگر وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں قصیدہ کو دیکھتا رہا اور پڑھ بھی نہ سکا۔مرزا قادیانی کے چیلنج عربی تفسیر نویسی کو قبول کرتے ہوئے آپ نے ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کو سراج الاخبار میں اشتہار دیا:

''میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم ونثر لکھنے کو تیار ہوں۔تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجیے اور اطلاع کر دیجیے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں۔''

لیکن مرزا صاحب کو آپ کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔مولانا فیضی صاحب کے عربی و فارسی قصائد سراج الاخبار (جہلم) میں طبع ہوتے رہے ہیں جو کہ نہایت خاصے کی چیز ہیں۔علامہ فیضی کا وصال ۱۱۸ کتوبر ۱۹۰۱ء کو ہوا۔آپ کی آخری آرام گاہ موضع بھیں ضلع جہلم میں ہے۔(تذکرہ اکابر اہل سنت: ۴۵۸۔۴۵۷ ملخصاً)

[۹] مولانا فیض الحسن سہارن پوری: مولانا سہارن پور بھارت کے رہنے والے تھے۔ایک زمین دار گھرانے سے تعلق تھا۔آپ کے خاندان کے افراد کو لوگ ''خلیفہ'' کہتے تھے۔مولانا نے اپنی بعض کتب میں اپنے نام کے ساتھ قریشی، حنفی، چشتی کا اضافہ بھی کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نسباً قریشی تھے۔آپ عقیدہ کے لحاظ سے اہل سنت و جماعت تھے۔آپ ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے۔مفتی صدرالدین آزردہ (صدرالصدور دہلی) سے اکتساب فیض کیا۔شاہ احمد سعید مجددہ دہلی سے حدیث پڑھی، مولانا فضل حق خیرآبادی سے معقولات وادب کی کتب پڑھیں اور فلسفہ کی تکمیل کی۔۱۸۷۰ء کو لاہور کے اورینٹل کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔اورینٹل کالج سے ایک عربی رسالہ ''شفاء الصدور'' نکالا۔مولانا نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن میں شرح سبعہ معلقہ، شرح حماسہ، رشیدیہ، فیضیہ، دیوان حسان کی ترتیب، التعلیقات علی الجلالین، تحفۂ صدیقیہ، عروض المفتاح، ریاض الفیض، دیوان الفیض، حل ابیات بیضاوی، شرح مشکوٰۃ المصابیح

مولانا ۶ فروری ۱۸۸۷ء کو ۷۱ برس کی عمر پا کر لاہور میں فوت ہوئے۔مولانا کی وصیت کے مطابق لاش تابوت میں ڈال کر ریل کے ذریعے سہارن پور پہنچائی گئی۔کئی اسٹیشنوں پر نماز جنازہ ہوئی۔سہارن پور میں انہیں آباؤ اجداد کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔(تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور: ۱۹۱۔۱۸۹)

[۱۰] مولانا احمد علی سہارن پوری: آپ فن حدیث کے امام تصور کیے جاتے ہیں۔بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی قابلیت و علمیت کا شاہکار ہیں۔مولانا وصی احمد محدث سُورتی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور سید دیدار علی شاہ محدث الوری آپ کے مشہور تلامذہ سے ہیں۔آپ بحرالعلوم مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد ہیں۔۱۲۶۱ھ میں آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے دوبارہ درس حدیث لے کر سند حاصل کی۔مکہ معظمہ سے واپس آ کر آپ نے سہارن پور میں

حدیث شریف کا درس قائم فرمایا اور صدہا علماء کو محدث بنایا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سند حدیث آپ تک پہنچتی ہے۔ (سیدی ابوالبرکات: ۱۲۰)

[۱۱] خواجہ محمد الدین سیالوی: آپ شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی کے ہاں ۱۸۳۷ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ صورت و سیرت میں اپنے والد مکرم کا عکس جمیل تھے۔ اپنے والد گرامی کے بعد تونسہ شریف حاضر ہوئے تو خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ مولانا محمد ذاکر بگوی علیہ الرحمۃ آپ کے مرید اور مجاز تھے۔ آپ کثیر الکرامات بزرگ تھے۔ ۲ رجب المرجب ۱۹۰۹ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور اپنے والد گرامی کے پہلو میں آرام فرما ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحب زادے خواجہ ضیاء الدین سیالوی مسند نشین ہوئے۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت: ۴۰۴ ملخصاً)

[۱۲] مولوی ثناء اللہ امرت سری: مولوی صاحب ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۶۸ء کو امرت سر میں پیدا ہوئے۔ مولوی احمد اللہ رئیس امرت سر کے مدرسہ تائید الاسلام سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی نذیر حسین دہلوی اور مولوی احمد حسن کان پوری سے بھی پڑھتے رہے۔ نومبر ۱۹۰۳ء میں ہفت روزہ اخبار 'اہل حدیث' جاری کیا جو مسلسل ۴۴ سال تک جاری رہا۔ مرزا قادیانی کے رد میں کئی کتب تصنیف کیں اور ایک ماہوار رسالہ ''مرقع قادیانی'' بھی جاری کیا۔ علماء اہل سنت کے ساتھ بھی کئی ایک مناظرے ہوئے۔ محقق اہل سنت مولانا غلام احمد اخگر امرت سری نے مولانا کے اخبار اہل حدیث کے مقابلہ میں ۱۹۰۶ء میں ہفت روزہ اخبار 'اہل فقہ' جاری کیا جو کہ تقریباً سات سال تک جاری رہا۔ مولوی ثناء اللہ امرت سری قیام پاکستان کے بعد سرگودھا میں رہنے لگے، جہاں ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو بعمر ۸۰ سال وصال ہو گیا۔ (حالات ثناء اللہ امرت سری: ۴۵ ملخصاً از عبدالرشید عراقی، مطبوعہ ندارد)

[۱۳] پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری: پیر صاحب کی ولادت باسعادت ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی سید کریم شاہ صاحب تھا جن کا وصال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ پیر صاحب نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ جملہ علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ والد گرامی سے سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں بابا جی فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر سلسلہ عالیہ نقش بندیہ مجددیہ میں بیعت و خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ مارچ ۱۹۰۴ء میں ''انجمن خدام الصوفیہ ہند'' کی بنیاد رکھی۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ماہ نامہ انوار الصوفیہ (سیال کوٹ) کا اجراء کیا۔ مختلف ریاستوں کے تبلیغی دورے کرنا آپ کا معمول تھا۔ پہلا حج جون ۱۸۹۳ء میں کیا اور ۱۹۰۵ء میں دوسرا حج کیا، قبلہ شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت حدیث و دلائل الخیرات سے نوازا۔ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں پچپن (۵۵) حج کیے۔

۲۵ مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کی ہلاکت کی پیش گوئی بدیں الفاظ فرمائی:

''ہم نے مرزا کا بہت انتظار کیا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آیا۔ پیش گوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں یہ

بتا دینا چاہتا ہوں کہ مرزا جی کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے، خدا کے فضل و کرم سے وہ میرے مقابلے میں نہیں آئے گا کیونکہ میرا نبی سچا ہے اور میں صدق دل سے اس سچے نبی کا غلام ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ چوبیس (۲۴) گھنٹوں کے اندر اندر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہمیں اس جھوٹے نبی سے نجات عطا فرمائے گا۔"

آپ نے یہ پیشین گوئی فرمائی اور ہزاروں مسلمانوں نے یک زبان ہو کر آمین کی صدائیں بلند کیں۔ یہ پیشین گوئی آپ نے رات دس بجے فرمائی اور ۲۶ مئی کو صبح کو دس بج کر دس منٹ پر مرزا جی آں جہانی ہو گئے۔ (جہان امیر ملت :۲۱)

پیر صاحب تحریک پاکستان سمیت دیگر کئی سُنّی تحریکات و تنظیمات کی سرپرستی کرتے رہے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ پیر صاحب اگست ۱۹۵۱ء میں وصال فرما گئے اور آپ کے آبائی علاقہ علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ میں تدفین کی گئی۔ پیر صاحب کو "امیر ملت" اور "محدث علی پوری" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (جہان امیر ملت :۱۱۔۷ ملخصاً مرتبہ محمد صادق قصوری، مطبوعہ مرکزی مجلس امیر ملت بُرج کلاں ضلع قصور، سِ اشاعت: یکم جون ۲۰۰۱ء)

[۱۴] مولانا اصغر علی روحی: آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے: مولانا اصغر علی روحی بن مولانا قاضی شمس الدین بن میاں پیر بخش بن رکن الدین۔ آپ ۱۸۶۷ء میں موضع کٹھالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں شعبۂ عربی و علوم اسلامیہ میں بطور لیکچرر منسلک رہے اور ۱۹۴۱ء میں ریٹائر ہوئے۔ آپ عربی، اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن میں سیطرۃ الاسلام علی النصاریٰ اللئام، امیر الکلام من کلام الامام، شرح قصیدہ بُردہ، ترجمہ نصیحت التلمیذ، الآیۃ الکبریٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ، الجفاء الوفاء، مافی الاسلام، دبیر عجم، العروض والقوافی، ارمغان احباب، تفسیر روحی، حکمت بالغہ، تجلیات شرح اشارات بُوعلی سینا، تفسیر تبارک الذی، خطبات (عربی)، دیوان فارسی، دیوان عربی۔ ۱۹۰۳ء میں آپ نے ایک ماہوار رسالہ "الہدیٰ" جاری کیا۔ بھاٹی گیٹ کے اندرون مسجد میں امامت و خطابت کرتے رہے جہاں ان دنوں مفتی غلام حسن قادری صاحب خطیب ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں آپ کا وصال ہو گیا اور اپنے آبائی علاقہ میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ علماء پنجاب:۱۱۴)

[۱۵] فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی: حضرت فقیہ اعظم ۱۸۶۱ء میں حافظ عبد الرحمٰن کے ہاں کوٹلی لوہاراں (غربی) ضلع سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی اور فن مناظرہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ انجمن نعمانیہ لاہور کے دار العلوم میں بھی کچھ عرصہ تحصیل علم کے لیے مقیم رہے۔ آپ نے خطہ پوٹھوہار کے مادر زاد ولی اللہ حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۶۔۱۸۴۸) عید گاہ شریف (راول پنڈی) کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کی تصانیف لگ بھگ ساٹھ (۶۰) ہیں۔ علاوہ ازیں ملک کے معروف جرائد و رسائل مثلاً ہفت روزہ اخبار

الفقیہ (امرت سر)، رضوان (لاہور)، سراج الاخبار (جہلم) اور ماہ نامہ انوار الصوفیہ (سیال کوٹ) میں آپ کے مقالات وفتاوی شائع ہوتے رہے۔ آپ عربی، اردو، فارسی اور پنجابی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے محرم الحرام ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۱۹ء کو صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح اور دوسری تمام متداولہ کتب احادیث کی اجازت کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں اپنی خلافت سے بھی نوازا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد عبدالقادر نقش بندی مجددی (۱۳۴۲ھ۔۱۲۸۱ھ) اور چھوٹے بھائی مولانا محمد امام الدین کوٹلوی قادری رضوی علیہم الرحمۃ (۱۹۶۱ء۔۱۸۶۱ء) کو بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے خلافت حاصل تھی۔ انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے مسجد وزیرخان (لاہور) میں مولوی اشرفعلی تھانوی سے مناظرہ طے پایا تو اہل سنت و جماعت کی طرف سے دیگر جید علماء کرام کے علاوہ مفتی حامد رضا خان فاضل بریلوی کے ہم راہ حضرت فقیہ اعظم بھی تھے۔ آپ کا وصال ۶ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء کو راول پنڈی میں ہوا۔ (ماہ نامہ معارف رضا (کراچی)، شمارہ دوازدہم ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب "تذکرہ فقیہ اعظم مرتبہ ڈاکٹر مجیب احمد مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ (مرید کے، شیخوپورہ پاکستان))

[۱۶] ملک محمد قادری ٹھیکیدار: آپ ۱۲۶۳ھ کو محلّہ مستریاں جہلم شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی سیف علی پونچھ کشمیر سے جہلم تشریف لائے۔ آپ کا تعلق سدھن راج پوت گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ پھر پنجاب کے مشہور صوفی شاعر میاں محمد بخش قادری (عارف کھڑی شریف) کی صحبت اختیار کی اور مرید ہوئے۔ میاں محمد بخش صاحب نے اپنی حیات مبارکہ میں صرف آپ کو ہی خلافت عطا فرمائی۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۳ء کو آپ کا وصال ہوا اور آپ کو جہلم کے قدیمی قبرستان میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کو جہلم میں ملک محمد مہاروالی سرکار قلندر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ اردو اور پنجابی زبان کے قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ کا متفرق کلام سراج الاخبار میں شائع ہوتا رہا۔ (جمال قلندر مولفہ ملک غلام غوث مطبوعہ ملک محمد اکیڈمی، جہلم)

[۱۷] ابوالبرکات سید احمد قادری: مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء کو ریاست الور کے عظیم علمی وروحانی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنی حسینی سید ہیں، سلسلہ نسب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد سے بلگرام پھر فرخ آباد اور آخر میں ریاست الور میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے اجداد میں حضرت سید اسماعیل رضوی مشہدی پہلے بزرگ ہیں جو وارد ہندوستان ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) کے قائم کردہ مدرسہ قوت الاسلام میں حاصل کی، بعد ازاں صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی کے مدرسہ اہل سنت مرادآباد میں داخلہ لیا اور حضور صدر الافاضل کے زیر تربیت مناظرہ، توقیت فلکیات اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ فن طب کی کچھ کتب صدر الافاضل سے پڑھیں، پھر آپ کی ہدایت سے طب کی باقاعدہ تعلیم وتربیت شفاء الامراض کے مصنف حکیم مولانا نور کریم کے

ایک شاگرد سے بھی حاصل کی اور عملی تربیت بھی حاصل کی۔صدرالافاضل نے آپ کو''سراج اہل تقویٰ'' کالقب دیا۔جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والدگرامی سید دیدار علی شاہ محدث الوری سے دوبارہ دورہ حدیث کیا اور حدیث کی خصوصی سند اور تمام سلاسل اولیاء کے معمولات ووظائف کی اجازت وخلافت حاصل کی۔تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے والدگرامی کے ہم راہ بریلی میں اعلیٰ حضرت کے پاس حاضر ہوئے اور فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔فتاویٰ رضویہ کی جلد اول اور بہار شریعت کے پہلے حصے آپ ہی کی زیرنگرانی طبع ہوئے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۶ء آپ کو علوم عالیہ اسلامیہ قرآن وحدیث وفقہ اور سلاسل اولیاء اللہ کے اذکار واعمال کی خصوصی سند اپنے دست خاص سے لکھ کر عطا فرمائی اور سلسلہ قادریہ کی اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔کچھ عرصہ جامع مسجد آگرہ کے خطیب ومفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔۱۹۲۳ء میں آپ لاہور تشریف لے آئے اور تبلیغ وتدریس کی خدمات میں مصروف ہو گئے۔۱۹۲۴ء میں آپ کے والدگرامی نے لاہور کے سُنّی علماء کو جمع کر کے ایک انجمن بنام مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند کے نام سے تشکیل دی اور اسی انجمن کے نام پر دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔آپ کے فتاوی ومضامین اخبار الفقیہ میں باقاعدگی سے شائع ہوتے تھے،علاوہ ازیں آپ کی دیگر تالیفات بھی کثیر ہیں۔آپ نے مختلف تحریکات بشمول تحریک پاکستان وتحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آپ کے طلباء میں بڑے بڑے اجلہ علماء کے نام شامل ہیں۔آپ ۱۹۱۲ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک تقریباً چھیاسٹھ (۶۶) سال متواتر قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور کتب درس نظامی کی تدریس میں مشغول رہے۔۲۰ شوال المکرّم ۱۳۹۸ھ بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء بروز اتوار ۴ بجے سہ پہر کو آپ کا وصال ہوگیا،مزار مبارک دارالعلوم حزب الاحناف لاہور گنج بخش روڈ لاہور کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔(سیدی ابوالبرکات از مفتی سید محمود احمد رضوی،ملخصاً)

[۱۸] حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری بریلوی: آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بڑے صاحب زادے ہیں۔۱۸۷۵ء میں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔۱۸۹۴ء میں جملہ علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور ۱۸۹۵ء میں مسند افتاء کی ذمہ داری سنبھال لی۔آپ نے متعدد کتب تصنیف کیں۔مختلف شہروں میں تبلیغی دورے کیے۔قادیانیوں کے رد میں ۱۸۹۸ء میں کتاب''الصارم الربانی ردقادیانی'' تصنیف کی۔الدولۃ المکیۃ کا اردو ترجمہ کیا۔جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے سرپرست اعلیٰ رہے۔۱۹۰۸ء میں عم مکرم مولانا حسن رضا خان کے وصال کے بعد دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے اہتمام وانصرام کی ذمہ داری آپ نے سنبھالی۔۱۹۴۳ء میں وصال ہوا۔(تذکرۂ جمیل :۸۸۔۸۶ ملخصاً مولفہ مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی قادری رضوی مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

[۱۹] صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی: آپ کی ولادت باسعادت مشرقی یوپی (انڈیا) کے مردم خیز قصبہ گھوسی میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولانا خدابخش مرحوم سے حاصل کی،ان کے وصال کے بعد مولوی الہٰی بخش اعظم گڑھی سے کچھ پڑھا پھر ۱۳۱۴ھ میں مولانا ہدایت اللہ خان

جون پوری کی شاگردی اختیار کی جو کہ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کے بعد مولانا ہدایت اللہ جون پوری نے آپ کو پیلی بھیت میں مولانا وصی احمد محدث سُورتی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے بھیج دیا۔ علم طب بھی حاصل کیا اور کچھ عرصہ مستقل طور پر مطب کرنا شروع کر دیا چونکہ یہ آپ کا خاندانی پیشہ تھا۔ پانچ چھ مہینہ میں مطب کی خاصی شہرت ہوگئی اور کثرت سے مریض آنے لگے لیکن اس کام میں آپ کا دل نہ لگ سکا اور سیر وتفریح کی غرض سے لکھنو کا سفر کیا، وہاں سے پیلی بھیت اور پھر بریلی گئے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انجمن اہل سنت ومطبع کے انتظام وانصرام میں مشغول ہو گئے، نیز اعلیٰ حضرت کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا، فتووں کو نقل کرنا، ان کی خدمت میں فتویٰ کا لکھنا مستقل طور پر انجام دیتے رہے۔ (حیات صدر الشریعہ از مفتی عبدالمنان اعظمی، ملخصاً مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور)

آپ کو اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کا لقب عطا فرمایا۔ بہار شریعت آپ کی مشہور ومعروف تصنیف ہے۔ آپ دار العلوم منظر اسلام بریلی میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے یادگار کارناموں میں سے ایک کارنامہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو قرآن عظیم کے اردو زبان میں سب سے مستند ترجمہ کنز الایمان کے لیے راضی کرنا اور پھر روزانہ قلم دوات کاغذ لے کر حضور اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کروا کر خود نقل کرنا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو سید آل رسول قادری علیہ الرحمۃ کے عرس کے مبارک موقع ہر صدر الشریعہ کو جملہ سلاسل قادریہ قدیمہ وجدیدہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی اجازت تامہ وعامہ عطا فرمائی اور اپنا عمامہ اتار کر آپ کے سر پر باندھ دیا اور جملہ اذکار ووظائف وکتب حدیث وفقہ کی اجازت عنایت فرمائی۔ ۱۹۲۵ء میں آپ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں بحیثیت صدر مدرس روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ یہاں تدریس کے بعد آپ دوبارہ منظر الاسلام بریلی تشریف لے آئے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ (سیرت صدر الشریعہ از حافظ عطاء الرحمٰن رضوی، ملخصاً)

[۲۰] صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی: آپ کا عرفی نام سید محمد نعیم الدین اور تاریخی نام غلام مصطفیٰ تجویز کیا گیا۔ اور شہرت ''صدر الافاضل'' کے لقب سے ہوئی۔

تاریخ ولادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء مبارک دن دوشنبہ ہے۔ آپ حسینی سید ہیں آپ کے اجداد ایران کے مشہور شہر مشہد کے رہنے والے تھے حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے عہد حکومت میں ہندوستان تشریف لے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ چار سال کی عمر شریف میں رسم بسم اللہ ادا کی گئی اور آٹھ سال کی عمر شریف میں حفظ قرآن کی تکمیل ہوئی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں والد محترم سے پڑھیں۔ اور ملاحسن تک مولانا ابوالفضل فضل احمد علیہ الرحمہ سے اکتساب علم کیا، بعدہٗ اپنے پیرومرشد حضور شیخ الکل مولانا گل کی بارگاہ میں رہ کر درس نظامی کی بقیہ تعلیم مکمل کی۔ ۱۹ سال کی عمر میں میں آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، اقلیدس اور اس کے علاوہ علوم سے فراغت پائی اور پھر ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق

فرمائی، اور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو مدرسہ امدادیہ میں حضور شیخ الکل مولانا گل کے متبرک ہاتھوں سے آپ کو دستار فضیلت و افتاء سے نوازا گیا۔ شیخ الکل مولانا گل سے آپ کو شرف ارادت حاصل ہے اور آپ ان کے خلیفہ ومجاز بھی ہیں نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں اور حضور شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہما الرحمہ سے بھی آپ کو شرف خلافت حاصل ہے۔ آپ اپنے دور کے بہترین مدرس تھے۔ ہندو پاک وغیرہ ممالک کے مشہور علماء جیسے حکیم الامت احمد یار خاں نعیمی، حضور مجاہد ملت حضور حافظ ملت، حضور صدر العلماء، قاضی شمس الدین جونپوری مفتی اعظم کانپور سید ابوالحسنات پاکستان اور علامہ پیر کرم شاہ ازہری وغیرہم آپ کی تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ آپ نے بے شمار مقالات ومضامین تحریر فرمائے اور گراں قدر علمی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں:

(۱) تفسیر خزائن العرفان، (۲) الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ (۳) اطیب البیان رد تقویۃ الایمان (۴) فیضان رحمت بعد از دعاء برکت (۵) فرائد النور علی جرائد القبور (۶) التحقیقات لدفع التلبیسات (۷) آداب الاخیار فی تعظیم الاثار (۸) اسواط العذاب علی قوامع القباب (۹) القول السدید فی مسائل التختم ومعانقۃ العید (۱۰) مختصر الاصول المعروف اصول حدیث (۱۱) الکتاب المستطاب النحوی علی الاسانید الصحیحہ المعروف بہ ثبت نعیمی (۱۲) شرح شرح ماۃ عامل (۱۳) حاشیہ میر ایسا غوجی

آپ نے ۱۹۲۵ء میں حق کی حمایت اور باطل کی ریشہ دوانیوں کے سد باب کے لئے ایک تنظیم الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ المعروف بہ آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی جس میں ہندو پاک کے مشاہیر علماء نے شمولیت اختیار فرمائی۔ اور میدان عمل میں اتر کر باطل کا مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی۔ ماہ صفر ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۶؍فروری ۱۹۱۱ء کو اس مدرسہ نعیمیہ (مراد آباد) کا قیام عمل میں آیا اس کے ناظم آپ اور صدر جناب حکیم حامی الدین خاں رئیس مراد آباد منتخب ہوئے۔ ۱۸؍ذوالحجۃ المکرمۃ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳؍اکتوبر ۱۹۴۸ء کو رات ساڑھے بارہ بجے آپ اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔ ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ میں مسجد کی بائیں جانب آپ کا مزار شریف ہے۔ (سیرت صدر الافاضل از مولانا ذوالفقار خان نعیمی۔ غیر مطبوعہ ملخصاً)

[۲۱] سید دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری: آپ کے اسلاف مشہد (ایران) سے ہند تشریف لائے۔ آپ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء پیر کے دن ریاست الور میں اپنے عم بزرگوار سید نثار علی کی دعا سے پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا کرامت اللہ خان سے حاصل کی، مولوی عبد العلی رام پوری، مولانا ارشاد حسین رام پوری اور مولانا احمد علی سہارن پوری سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ہم سبق طلباء میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی تھے۔ آپ نے سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ پھر مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے دست مبارک پر سلسلہ نقش بندیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور سند حدیث حاصل کی۔ مولانا عبد الغنی بہاری مہاجر مدنی سے بھی سند حاصل کی۔ قاری عبد الرحمٰن پانی پتی سے قرآن مجید،

حدیث اور فقہ کی اجازت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی سے تمام سلاسل کے اعمال واذکار اور جملہ مرویات فقہ وحدیث کی اجازت اور خلافت حاصل کی۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مشاہیر علماء سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی۔

۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لائے اور دارالعلوم نعمانیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں آگرہ چلے گئے اور جامع مسجد اکبر آباد آگرہ میں مفتی وخطیب مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں حج بیت اللہ شریف وزیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے واپسی پر ۱۹۲۰ء میں آپ نے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی اور لاہور کی قدیم وتاریخی مسجد وزیر خان لاہور کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند کے نام سے ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جہاں سے ہزارہا علماء وفضلاء اور مدرسین تیار ہوکر ملک بھر میں پھیلے اور تعلیمی خدمات میں مشغول ہو گئے۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو آپ نے وصال فرمایا، آپ کو قدیم حزب الاحناف کی عمارت اندرون دہلی دروازہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ (مقدمہ فتاویٰ دیداریہ ملخصاً مطبوعہ خانقاہ سلطانیہ کالا دیو جہلم)

[۲۲] مولانا امام الدین کوٹلوی: آپ ۱۸۶۱ء کے لگ بھگ کوٹلی لوہاراں (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی کے برادر اصغر تھے۔ دینی وروحانی تعلیم کی تکمیل والد ماجد حافظ عبدالرحمٰن سے کی۔ ۱۹۰۶ء میں آپ نے دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) میں داخلہ لیا جہاں سے شوال المکرم ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۲ء میں قرآن مجید واحادیث نبوی کی اسناد حاصل کیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں خلافت واجازت بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ زبردست خطیب تھے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد آپ وطن واپس آئے اور تبلیغ دین کا کام شروع کر دیا۔ نیز سیالکوٹ اور ریاست جموں وکشمیر کے تبلیغی دورے بھی کیا کرتے اور لوگوں کو حب رسول ﷺ کا درس دیتے، محافل میلاد منعقد کرواتے اور مسلک اہل سنت وجماعت کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ مذاہب باطلہ کا رد بھی فرماتے۔ آپ نے لگ بھگ ایک درجن کتب تحریر فرمائیں۔ آپ اردو وپنجابی زبان میں حمدیہ ونعتیہ شاعری بھی کرتے تھے۔ ۱۹ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲ اگست ۱۹۶۱ء کو بعمر تقریباً سو (۱۰۰) سال راولپنڈی میں آپ کا وصال ہو گیا اور عیدگاہ (راولپنڈی) کے قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔ (سالنامہ معارف رضا (کراچی) شمارہ نمبر ۱۶، ۱۹۹۶ء ملخصاً)

[۲۳] مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی: آپ ۱۴ اپریل ۱۹۱۳ء کو کوٹلی لوہاراں (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ آپ فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی صاحب علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ابتدائی علوم کی تکمیل والد ماجد سے کی۔ بعد ازاں ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے اور یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ دوران تعلیم ہی آپ نے تحریر وتقریر وتبلیغ کا

سلسلہ شروع کر دیا تھا اور جلد ہی برصغیر پاک و ہند میں اپنی شیریں خطابی، فاضلانہ و عالمانہ، بذلہ سنجی، حاضر جوابی اور اپنی اردو و پنجابی شاعری کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ آپ کی کتاب ''سچی حکایات'' (پانچ جلد) برصغیر پاک و ہند میں معروف و مقبول ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے متعدد تصانیف تحریر کیں۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے ماہوار رسالہ ''ماہ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں جاری کیا جو مسلسل اکیس (۲۱) سال تک مذہب اہل سنت و جماعت کی بھرپور ترجمانی کرتا رہا۔

(ماہنامہ جہان رضا (لاہور) بابت نومبر ۱۹۹۹ء)

[۲۴] شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی: آپ کی ولادت باسعادت ۱۴ جولائی ۱۹۰۶ء کو سیال شریف کے علمی و روحانی خانوادہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام خواجہ ضیاء الدین سیالوی ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم ضیا شمس الاسلام سیال شریف میں کی۔ بعد ازاں راول پنڈی، دہلی اور اجمیر شریف میں بھی تعلیم کے حصول کے لیے مقیم رہے۔ مولانا معین الدین اجمیری سے منطق و فلسفہ اور ریاضی کی منتہی کتب پڑھیں اور صحاح ستہ کا درس لے کر ۱۹۳۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء میں اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد سجادگی کے منصب پر فائز ہوئے، خواجہ حافظ حامد خان تونسوی علیہ الرحمۃ نے خلافت عطا فرمائی۔ مختلف باطل فرقوں کے رد و ابطال کے لیے ہمہ وقت سرگرداں رہے، کئی مناظروں میں بھی شرکت فرمائی۔ فتنۂ قادیانیت کے رد میں بھی آپ کی خدمات بے مثل ہیں۔ (ماخوذ از فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جلد چہارم مرتبہ مرید احمد چشتی مرحوم، مطبوعہ انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی) ۱۹ جولائی ۱۹۸۱ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت: ۲۷۰ مرتبہ صادق علی زاہد مطبوعہ مکتبہ جمال کرم لاہور، ۲۰۰۹ء)

[۲۵] مولانا فیض الحسن ابن مولانا محمد حسن فیضی (جہلم): آپ ۱۸۸۳ء میں بمقام بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد فاتح قادیانیت مولانا محمد حسن فیضی سے کی۔ بعد ازاں انجمن نعمانیہ لاہور کے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ آپ اپنے والد گرامی کی طرح عربی ادب کے بے نظیر فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ نے متعدد کتب کا ترجمہ کیا، نیز انسائیکلوپیڈیا (شائع کردہ پیسہ اخبار لاہور) کی تدوین و ترتیب میں آپ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اپنے آبائی گاؤں میں ہی محو استراحت ہیں۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت: ۳۹۷۔۳۹۳ ملخصاً مرتبہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ)

[۲۶] پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی: عارف باللہ پیر طریقت رہبر شریعت فاتح قادیانیت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۶ء کو قصبہ گولڑہ (تحصیل و ضلع راول پنڈی) میں خاندان سادات قادریہ گیلانیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیص رحمۃ اللہ علیہ سرکار بغداد حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے مامور ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، جہاں آپ کا خاندان آج بھی موجود ہے۔ آپ کے اجداد میں سے پیر سید روشن دین رحمۃ اللہ علیہ حجاز مقدس اور بغداد شریف سے واپسی پر گولڑہ شریف میں اقامت پذیر ہو گئے۔ پیر

صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔ بعدازاں مولانا محمد شفیع سے قطبی تک کتب پڑھیں پھر وادیٔ سون سے گاؤں انگہ شریف (ضلع خوشاب) میں مولانا سلطان محمود انگوی علیہ الرحمۃ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اسی دوران شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ کی زیارت کے لیے سیال شریف کا سفر کیا اور بیعت بھی ہوئے۔ ۱۸۷۷ء میں بعمر تقریباً بیس اکیس سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے وطن واپس تشریف لائے اور اپنے آبائی قصبہ گولڑہ شریف میں خلق خدا کو علم وعرفان کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔ آپ نے فتنۂ قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مرزا قادیانی کے ساتھ لاہور میں مناظرہ طے پایا مگر مرزا نے راہ فرار اختیار کی۔ یونہی مولانا کرم الدین دبیر کے ساتھ قادیانی مقدمہ بازی کے پس پردہ بھی مرزائی جماعت کا اصل ہدف یہی تھا کہ پیر صاحب کو عدالت میں حاضری کی زحمت دے کر مقدمہ بازی میں اُلجھایا جائے لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ پیر صاحب کو ایک بار بھی عدالت میں حاضر نہ ہونا پڑا اور اس کے برعکس مرزا قادیانی کو پانچ پانچ گھنٹے ہندو کی عدالت میں کھڑا رہنا پڑا۔

۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء بوقت عصر آپ نے خفیف تبسم فرماتے ہوئے اسم ذات کا ورد کیا اور قبلہ رخ ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ (سیف چشتیائی۔ مقدمہ ملخصاً مطبوعہ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف)

[۲۷] مولانا غلام احمد صاحب (صدر مدرس انجمن نعمانیہ ہند، لاہور): آپ کے والد کا نام شیخ احمد تھا۔ آپ ۱۲۷۳ھ میں بمقام کوٹ اسحاق تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ملک کے مشہور و معروف علماء سے علم کی تحصیل کی۔ بعد فراغت انجمن نعمانیہ سے بحیثیت مدرس دوم منسلک ہو گئے۔ انجمن کے دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سر رہی۔ آپ کے فتاوی انجمن کے ماہواری رسالہ میں طبع ہوتے رہے۔ ۱۶ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنے آبائی علاقہ (کوٹ اسحاق، حافظ آباد) میں واصل بحق ہوئے، مزار مبارک بھی وہیں ہے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور: ۲۲۲۔۲۲۱ ملخصاً)

[۲۸] شیخ عبداللہ صاحب، کھاریاں: فاضل متبحر، مرجع الفضلاء بے مثل تاریخ گو مولانا شیخ عبداللہ بن مولانا صدرالدین ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید کی تعلیم حافظ نورالدین سے حاصل کی پھر علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد گرامی سے کی۔ تکمیل علوم کے بعد چک عمر (تحصیل کھاریاں ضلع گجرات) میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، بے شمار علماء آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔ علامہ اصغر علی روحی کا کہنا ہے کہ میں نے لاہور کی مساجد اور علماء کی فہرست تیار کی تو نصف سے زیادہ حضرت مولانا شیخ عبداللہ کے شاگرد ثابت ہوئے۔ شیخ عبداللہ بے نظیر فاضل اور مناظرہ میں یکتائے روزگار تھے، آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ جلال پوری کی وساطت سے خواجہ پیر شمس العارفین سیالوی صاحب سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے عربی و فارسی میں ایک منظوم نصیحت نامہ مرزا غلام احمد قادیانی کے لیے لکھا تھا، حاجی عبداللہ دیوان قادری (پٹھوار جہلم) کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ''تاریخ الدیوان'' تحریر کی، مجموعۂ کلام بنام نشان

شخ ہے جو کہ تاہنوز طبع نہ ہوسکا ہے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو قدرت کاملہ حاصل تھی، برجستہ تاریخ کہتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۳۳۹ھ میں ہوا۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت: ۲۶۷۔۲۶۵ ملخصاً)

[۲۹] انجمن حمایت اسلام، لاہور: یہ انجمن ۱۸۸۴ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بانیوں میں خلیفہ حمید الدین لاہوری اور مولانا غلام اللہ قصوری نمایاں ہیں۔ اس انجمن نے ابتدائی طور پر ایک یتیم خانہ قائم کیا نیز دینی مدرسہ بنام مدرسہ حمیدیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے ہائی اسکولز بھی بنائے۔ اس کے سالانہ اجلاس میں ملک بھر کی نامور شخصیات شامل ہوتی تھیں جن میں علامہ اقبال، مولوی نذیر احمد، مولانا سید ابوالبرکات قادری۔ ابتدائی جلسوں میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی شامل ہوتا رہا۔ یہ انجمن آج بھی قائم ہے اور اس کے زیر انتظام ہائی اسکول، یتیم خانہ، طبیہ کالج، ڈگری کالج اور ایک لاء کالج چل رہے ہیں۔

[۳۰] مولوی نورالدین بھیروی (مرزائی حکیم الامت، خلیفۃ المسیح اول): ۱۸۴۱ء میں بھیرہ کے محلّہ معماراں میں پیدائش ہوئی۔ طبابت کی تعلیم حاصل کی اور مہاراجہ رنبیر سنگھ والی ریاست جموں و کشمیر کے پاس ملازم ہوگیا اور کچھ عرصہ بعد بقول خود مہاراجہ کے حکم سے ریاست سے نکال دیا گیا۔ سب سے اول ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء میں مرزا قادیانی کا مرید ہوا۔ انجمن احمدیہ کی صدارت کی، مرزا قادیانی کی زندگی میں "حکیم الامت" اور اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد "خلیفۃ المسیح اول" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو آں جہانی ہوا۔ (ملخص از سوانح خلیفۃ المسیح الاول از رضیہ درد، ناشر: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

[۳۱] مولوی فضل الدین مرزائی (کھاریاں): مولوی فضل الدین پہلے غیر مقلد ہوئے پھر مرزا قادیانی کے مرید ہو گئے۔ ان کا نام مرزا قادیانی کے ۱۸۹۲ء کے صحابہ میں بارہویں نمبر پر تحریر کیا گیا ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد اول ص: ۴۶۸)

[۳۲] صاحبزادہ غلام محی الدین باؤلی شریف: آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ خان عالم علیہ الرحمۃ تھا جو کہ سلسلہ نقشبند کے مشہور بزرگ حضرت نور محمد چوراہی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ حضرت غلام محی الدین باؤلی شریف خواجہ فقیر محمد چوراہی بن نور محمد چوراہی سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ آپ کے ایک مرید مولانا کریم اللہ تھے جو کہ حرمین شریفین ہجرت کر گئے تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے الدولۃ المکیۃ کا ایک قلمی نسخہ ان کو عنایت فرمایا تھا جس پر علمائے حرمین شریفین کی تقاریظ حاصل کر کے مولانا کریم اللہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ارسال کرتے رہے۔ الدولۃ المکیۃ پر علامہ نبہانی کی تقریظ بھی آپ ہی کے مرہون منت ہے۔ (یہ معلومات مفتی علیم الدین نقش بندی نے ٹیلی فون پر عنایت فرمائیں۔)

(۳۳) قاضی سلطان محمود (اعوان شریف ضلع گجرات): آپ ۱۸۴۰ء کو اعوان شریف (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف مقامات مثلاً حاجی والا (گجرات)، ملکہ (تحصیل کھاریاں)، چنن گڑھ (گجرات) غور غشتی، پشاور

وغیرہ میں تشریف لے گئے اور پچیس چھبیس سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کر لی۔ تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ ہر فن کا ایک متن زبانی یاد تھا، خطاطی میں بے مثال تھے، موافق و مخالف آپ کی عظمت کے معترف تھے۔ ۱۸۶۴ء میں تکمیل علوم کے بعد حضرت اخوند عبدالغفور قدس سرہ کی خدمت میں سیدو شریف (سوات) حاضر ہوئے۔ حضرت اخوند صاحب نے آپ کی دستار بندی فرمائی اور بیعت لی۔ کچھ عرصہ بعد سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ آپ نے شرح چغمینی اور منطق وفلسفہ کی بعض کتابوں پر محققانہ حواشی تحریر فرمائے جو ابھی تک طبع نہیں ہو سکے۔ یکم شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ بمطابق ۲ مئی ۱۹۱۹ء کو عالم قدس کی طرف رحلت فرمائی۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت: ۱۶۲ ملخصاً)

ملک محمد قادری صاحب ٹھیکیدار جہلم نے آپ کی شان میں ایک فارسی قصیدہ لکھا جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں؛

چہ نور ہا ست درخشاں بحضرت آوان — چہ شمعی ایست فروزاں بحضرت آوان
جمال شاہد معنی بدل شود شہود — چو نور لامع قرآں بحضرت آوان
طریق رشد و ہدایت بطالبان خدا — رضائے ایزد سبحان بحضرت آوان
ز بہر تشنہ لبان زلال جام وصال — دہند بادۂ عرفاں بحضرت آوان
کسے ز قلزم فیضش نماند تشنہ لبے — ز صد ہزار مریداں بحضرت آوان
مثال جام جم آمد زہے ضمیر منیر — یکے است ظاہر و پنہاں بحضرت آوان
اگر مرید ز سر پا دوید در کوئیش — ہدید جلوۂ جاناں بحضرت آوان
کسے کہ بعد فنا زد قدم براہ بقا — نشان دہند عزیزاں بحضرت آوان
مہران دہر بخاک درش جبیں سائند — بعجز پست بلنداں بحضرت آوان
مریض قلب نیابد دوائے جز بدرش — مرا ست داروئے درماں بحضرت آوان
چو اتحاد بود در محمد و محمود — ز نیم دست بداماں بحضرت آوان
بیابیا کہ اگر طالب خداوندی — بپائے شوق بپویاں بحضرت آوان
بیا بچشم ارادت نگاہ کن باری — ضیائے جلوۂ یزداں بحضرت آوان
بیا ک ہ بر در پا کش چو جبہ فرسائی — کنند کار تو آساں بحضرت آوان
سحاب جود و کرم میکند جہاں سیراب — مثال ابر بہاراں بحضرت آوان
ہزار صدر نشیناں مجلس احرار — کشیدہ صف چو غلاماں بحضرت آوان
جناب غوث جہاں پیر پیر شاہ غازی — بداد فیض ہزاراں بحضرت آوان
ملک بشت عریضہ نیاز مندی خویش — بحال زار و پریشاں بحضرت آوان

(سراج الاخبار مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۱۵ء، ص:۸)

[۳۴] مولوی محمد حسین بٹالوی: محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بن ذوق محمد اکابر وہابیہ سے تھے۔ ۷ محرم ۱۲۵۶ھ کو ولادت ہوئی، کچھ عرصہ اپنے شہر میں پڑھا پھر دہلی، علی گڑھ، لکھنؤ وغیرہ گئے۔ مفتی صدرالدین دہلوی

اور نورالحسن کاندھلوی سے پڑھا۔ پھر سید نذیر حسین دہلوی کے پاس رہ کر موطا، مشکوٰۃ اور صحاح ستہ پڑھی اور وطن لوٹ آئے۔ لاہور میں پہلے بھاٹی گیٹ کی مسجد میں رہے پھر چینیانوالی مسجد میں۔ رسالہ اشاعۃ السنۃ جاری کیا۔ مرزا قادیانی کے حامی بھر رہے بعد میں مخالف ہوئے۔ وہابیہ کو گورنمنٹ سے ''اہل حدیث'' کا سرکاری نام بھی انہی کی مرہون منت ہے۔ (تاریخ اہل حدیث، جلد اول، ص: ۵۰۷۔۵۰۷ مولفہ ڈاکٹر بہاء الدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

[۳۵] عبداللہ آتھم (عیسائی): عبداللہ آتھم جو کہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور غالباً ڈپٹی کے عہدہ پر فائز تھے۔ کے ساتھ مرزا قادیانی کا تحریری مناظرہ امرت سر میں ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہوا۔ مرزا قادیانی نے اس مناظرہ کو جنگ مقدس کا نام دیا اور عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کی اور کہا کہ اگر یہ بات غلط ثابت ہو تو مجھ کو ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے اور میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے اور مجھے پھانسی دے دی جائے۔ (جنگ مقدس :۲۱۱، روحانی خزائن جلد ۶ ص:۲۹۲) لیکن قدرت کو اس مفتری و کذاب کو جھوٹا ثابت کرنا منظور تھا چنانچہ مرزا قادیانی کی دیگر پیش گوئیوں کی طرح یہ پیش گوئی بھی غلط ثابت ہوئی۔

[ج] سر سید احمد خان: سر سید احمد خان کی ولادت ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں ہوئی۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی نقش بندی مجددی نے ''احمد'' نام رکھا اور بڑے ہونے کے بعد مکتب بھی پڑھایا۔ سر سید کی ابتدائی تعلیم و تربیت خالص مذہبی اور روحانی ماحول میں ہوئی کیوں کہ ان کے والد اور دیگر افراد خانہ کو دہلی کے دو اہم علمی و روحانی مراکز خانقاہ مجددیہ نقش بندیہ اور خانوادۂ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے گہری عقیدت اور والہانہ تعلق تھا۔ مکتب کے بعد سر سید نے قرآن مجید پڑھا پھر فارسی و عربی کی درسی کتب پڑھیں۔ ریاضی اپنے ماموں زین العابدین سے سیکھا اور طب حکیم غلام حیدر خاں سے۔ شاہ مخصوص اللہ دہلوی، شاہ اسحٰق دہلوی اور مولانا مملوک العلی نانوتوی سے اکتساب علوم کیا اور اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کر کے انگریزی ملازمت اختیار کر کے منصف مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۹ء کو اپنے بیٹے سید محمود کے ساتھ انگلستان چلے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں وطن واپس آ کر ایک میگزین ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ (سر سید کے مذہبی عقائد و افکار از خوشتر نورانی: ۱۶۔۱۰ ملخصاً مطبوعہ دہلی)

رفتہ رفتہ سر سید کے مذہبی عقائد میں تبدیلی آتی گئی اور وہ کئی ضروریات دین کا منکر ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی کے علاوہ اگر کسی شخص کی تکفیر پر برصغیر کے تمام مکاتب فکر کے علماء مجتمع ہوئے ہیں تو وہ سر سید کی تکفیر کا معاملہ ہے۔ چنانچہ سر سید کی زندگی ہی میں ان کے رد میں کئی کتب و مضامین سامنے آئے جن میں ''امداد الآفاق برجم اہل النفاق''، نصرۃ الابرار'' اور مولانا غلام دستگیر قصوری کی کتاب ''جواہر مضیئۃ ردنیچریۃ'' خاص اہمیت کی حامل ہیں جن پر برصغیر پاک و ہند کے تمام مکاتب فکر کے اکابر نے تائیدی دستخط و مواہیر کی ہیں۔

[۳۶] مفتی غلام دستگیر قصوری: آپ کے والد گرامی کا نام محمد حسن بخش صدیقی تھا، آپ کی ولادت لاہور میں ہوئی۔ اپنے ماموں شیخ المشائخ خواجہ غلام محی الدین قصوری معروف بہ دائم الحضوری سے نسبت تلمذ و

طریقت حاصل کر کے خلافت اور شرف دامادی سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے مرزا قادیانی کے رد میں سب سے اول مفصل فتویٰ کفر عربی و اردو زبان میں تحریر کیا اور علمائے پنجاب و حرمین شریفین سے تصدیقات حاصل کیں۔ عربی زبان میں ''رجم الشیاطین بر اغلوطات البراہین'' اور اردو فتویٰ کا نام ''تحقیقات دستگیریہ رد ہفوات براہینیہ'' رکھا۔ آپ نے مرزا قادیانی کو کئی بار دعوت مباحثہ و مباہلہ دی مگر ہر بار مرزا فرار ہو گیا۔ مذکورہ کتب کے علاوہ آپ نے فتنۂ قادیانیت کے رد میں ایک کتاب ''فتح رحمانی بہ دفع کید کادیانی'' اور ایک کتاب ''تصدیق المرام بتکذیب قادیانی و لیکھرام'' تحریر کی۔ ۱۸۹۷ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ شہر قصور میں مزار حضرت دائم الحضوری کے ساتھ ملحق قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔ سن ۲۰۱۴ء ہی میں بعض اہل محبت نے آپ کی قبر شریف پر مزار شریف بھی تعمیر کر دیا ہے۔ فقیر قادری کو آپ کے نادر و نایاب رسائل مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جس کی پہلی جلد مشتملہ دس رسائل حال ہی میں اکبر بک سیلر (اردو بازار لاہور) سے ''رسائل محدث قصوری'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ (مزید حالات کے لیے رسائل محدث قصوری جلد اول مطبوعہ اکبر بک سیلر اردو بازار لاہور کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں)

[☆] پنڈت لیکھرام: ۸ چیت سنوت 1915 بروز جمعہ پنجاب کے ضلع جہلم کی تحصیل چکوال سے ۸ کوس پورب میں اونچی سطح پر آباد گاؤں سید پور میں لیکھرام کی پیدائش ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں گاؤں کے ایک مدرسہ میں اردو فارسی پڑھنے کے لئے داخل ہوا۔ سنوت ۱۹۲۶ میں اپنے چچا کے پاس پشاور جا کر وہاں تعلیم جاری رکھی۔ چودہ سال چچا کے ساتھ گزار کر پھر اپنے گاؤں سید پور واپس ہوئے اور وہاں کے مدرسہ میں تعلیم شروع کر دی۔ سنوت ۱۹۳۲ کے ماہ پوس ماس میں سن عیسوی ۱۸۷۵ء، ۲۱ ردسمبر کو پشاور پولیس میں بھرتی ہوا۔ ۲۱ رسال کی عمر میں نوکری چھوڑ دی۔ تلسی رام خاص اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہیں۔ ۱۸ رجولائی ۱۸۹۶ء کو لیکھرام قادیانیوں سے مباحثہ کے لئے مدعو جالندھر سے پسرور ضلع سیالکوٹ کے نکلا اور ۱۹ کو پہنچا، وہاں قادیانیوں سے مباحثہ ہوا، وہاں سے فارغ ہو کر لیکھرام آریوں کے ایک جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے شملہ پہنچا جہاں پہلے سے قادیانی خلیفہ خواجہ کمال الدین کا مشن جاری تھا۔ انہیں دنوں لیکھرام کی نئی کتاب حجۃ الاسلام چھپی۔ اس سے قبل بھی وہ اسلام کے خلاف اپنی کتابوں میں لکھتا رہتا تھا۔ جس کے سبب قادیانی نے اسے موت کی دھمکی دی تھی۔ وزیر آباد میں ایک آریہ سماجی جلسہ میں لیکھرام کے علاوہ قادیانی خلیفہ نور الدین نے بھی شرکت کی لیکھرام نے اپنے تقریر میں جھوٹے پیغمبروں کی پول کھولی۔ چھ مارچ ۱۸۹۷ء میں دیانند نامی شخص کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (آریہ پتھک لیکھرام از پنڈت شردھانند مطبوعہ گووند رام ہاسانند، کلکتہ)

پنڈت لیکھرام نے مرزا قادیانی کی کتاب براہین احمدیہ کے جواب میں کتاب تکذیب براہین احمدیہ لکھی جس میں اسلام پر بھی اعتراضات وارد کیے۔ مفتی غلام دستگیر قصوری نے اس کا رد اپنی کتاب مستطاب ''تصدیق المرام بتکذیب قادیانی و لیکھرام'' میں کیا۔ (رسائل محدث قصوری۔ مقدمہ، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور)

[۳۷] اخبار آفتاب پنجاب: یہ اخبار یکم جولائی ۱۸۷۳ء کو جاری ہوا۔ سولہ (۱۶) صفحات پر مشتمل تھا۔ اخبار کے مالک بوٹا سنگھ اور ایڈیٹر مولوی نبی بخش تھے۔ مطبع آفتاب پنجاب میں چھپتا تھا۔ (فہرست اخبارات ہند: ۷۳ جدید)

[۳۸] اشاعۃ السنۃ: لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ چھوٹے بتیس (۳۲) صفحات پر اور اس کا ضمیمہ ۱۸۷۸ء کو نکلا۔ مولوی ابوسعید محمد حسین غیر مقلد کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ سات روپے آٹھ آنہ تھا۔ اس رسالہ میں سرسید کے نیچری خیالات کی تردید کی جاتی تھی۔ (تاریخ صحافت اردو، ج: سوم، ص: ۱۳۰)

[۳۹] مولوی عبدالکریم سیالکوٹی (مرزائی): پیدائش ۱۸۵۸ء میں بمقام سیال کوٹ اور موت ۱۹۰۵ء میں بعمر تقریباً ۸۰ سال سیال کوٹ میں ہی ہوئی۔ اصل نام کریم بخش تھا، مرزا قادیانی نے نام بدل کر عبدالکریم رکھ دیا۔ اوائل عمر میں سرسید احمد خان کے معتقد تھے بعد میں مولوی نورالدین بھیروی مرزائی سے متعلق ہوئے اور ۱۸۸۹ء میں مرزا قادیانی کی بیعت کی۔ مرزا قادیانی کی کتب کے پروف اور مرزا کے نام آنے والے خطوط پڑھا کرتے اور ان کا جواب بھی لکھتے۔ ستمبر ۱۹۰۴ء میں لاہور مرزا قادیانی کا ایک تحریری لیکچر پڑھ کر سنایا۔ مرزا کی حمایت میں متعدد کتب بھی لکھیں۔ (ملخص از مولوی عبدالکریم سیالکوٹی از احمد طاہر مرزا، ناشر: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

[۴۰] مسجد وزیر خان، لاہور: لاہور کی قدیم مشہور مسجد ہے جو کہ اپنے ڈیزائن اور نقش و نگاری کی وجہ سے معروف ہے۔ یہ مسجد تقریباً سات سال (۱۶۳۵ـ۱۶۳۴) میں تعمیر ہوئی۔ مغل دور حکومت میں حاکم شیخ علم الدین انصاری معروف بہ وزیر خان نے تعمیر کروایا۔ یہ مسجد لاہور کے قدیمی دہلی گیٹ کے اندر واقع ہے۔

[۴۱] محمدی بیگم: مرزا احمد بیگ کی بیٹی تھی۔ مرزا کے چچازاد بھائی مرزا نظام الدین، مرزا کمال الدین اور مرزا امام الدین محمدی بیگم کے حقیقی ماموں تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کم سن لڑکی سے شادی کے بارے پیش گوئی کی تھی لیکن ساری زندگی یہی حسرت دل میں لیے گزار دی اور محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ۷ اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوا تو مرزا قادیانی نے اعلان کیا کہ مرزا سلطان محمد اگست ۱۸۹۴ء تک مر جائے گا۔ جب وہ مدت بھی گزر گئی تو کتاب انجام آتھم میں لکھا کہ سلطان محمد میری زندگی میں ضرور مرے گا اور میری زندگی میں نہ مرا تو میں جھوٹا۔ لیکن واقعہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب تو ۱۹۰۸ء میں مر گئے اور سلطان محمد آج تک زندہ ہیں۔ سکندر آباد دکن میں جب اس پیش گوئی پر مباحثہ ہوا تو مرزائی مناظر شیخ عبدالرحمٰن (دیسی) مصری نے کہا تھا کہ مرزا سلطان محمد خود ایک خط میں لکھتا ہے کہ میں مرزا صاحب کو ایک بزرگ جانتا ہوں۔ گو اس تحریر سے اصل پیش گوئی پر کوئی اثر نہ پہنچتا تھا تاہم مرزا سلطان محمد سے سوال کیا گیا تو انہوں نے زبانی جواب دیا کہ میں کبھی مرزا صاحب کا مصدق نہیں ہوا۔ جب اصل حال تحریر کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ دی:

''جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو میری موت کی پیش گوئی فرمائی تھی، میں نے اس میں ان

کی تصدیق کبھی نہیں کی، نہ میں اس پیش گوئی سے کبھی ڈرا۔ میں ہمیشہ سے اور اب بھی اپنے بزرگان اسلام کا پیرو رہا ہوں۔'' (اخبار اہل حدیث، امرت سر: بابت ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء)

یہاں ہم مرزا سلطان محمد کا ایک اور مکتوب نقل کرنا چاہتے ہیں جو کہ ''تاریخ آسمانی اور خط سلطانی'' کے عنوان سے اخبار اہل حدیث امرت سر میں ۱۴ نومبر ۱۹۳۰ء کو شائع ہوا، یہ خط سید محمد شریف صاحب (لاہور) کے نام مرزا سلطان محمد نے لکھا، ملاحظہ فرمائیں:

''مکرم جناب شاہ صاحب! السلام علیکم۔ میں تادم تحریر تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ میں خدا کے فضل سے ملازمت کے وقت بھی تندرست رہا ہوں۔ میں اس وقت بعہدۂ رسائیداری پنشن پر ہوں۔ گورنمنٹ کی طرف سے مجھے پانچ مربعہ اراضی عطا ہوئی ہے، میری جدی زمین بھی قصبہ پٹی میں میرے حصہ میں قریباً ۱۰۰ بیگھ آئی ہے اور ضلع شیخوپورہ میں بھی میری اراضی قریباً تین مربعہ اراضی کے ہے۔ میری پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ۱۳۵ روپیہ ماہواری ہے۔ میرے چھ لڑکے ہیں جن میں سے ایک لاہور میں پڑھتا ہے، گورنمنٹ کی طرف سے اس کو ۲۵ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ دوسرا لڑکا خاص پٹی میں انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے۔ میں خدا کے فضل سے اہل سنت و جماعت ہوں۔ میں احمدی مذہب کو بُرا سمجھتا ہوں۔ میں اس کا پیرو نہیں ہوں۔ اس کا دین جھوٹا سمجھتا ہوں۔ والسلام

تابع دار سلطان محمد بیگ پنشنر از پٹی ضلع لاہور (پنجاب)''

[۴۲] کتاب امہات المومنین: امہات المومنین کے نام سے ایک دل آزار رسالہ سید احمد شاہ نامی عیسائی نے تحریر کیا اور درحقیقت اس جانب اس کو مرزا غلام احمد قادیانی کے اشتعال انگیز روپے اور مولوی حسین بٹالوی (غیر مقلد) کے ایک ہزار روپے کے انعامی اشتہار نے راغب کیا چنانچہ سراج الاخبار کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے:

''اور یہ تو صاف صاف ظاہر ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب ساکن بٹالہ جنہوں نے ایک ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار پر رسالہ امہات المومنین چھپوایا.................ہم مولوی (حسین بٹالوی) صاحب کی خدمت بابرکت میں یوں عرض گزار ہوتے ہیں کہ آئندہ آپ ایسی اسلامی ہمدردی سے مسلمانوں کو معاف فرمادیں۔ آگے تو آپ نے جناب رسول مقبول کے نقص نکلوانے کے لیے ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار دے کر مخالفوں کو جلے دلوں کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع دیا تھا، اب کہیں اللہ جل شانہ کی شان پاک کے بارے میں ایسا اشتہار نہ دے دینا۔ آپ کیونکر خیال کرسکتے ہیں کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ مجھے دشنام دے میں تجھے دس روپے دوں گا اور پھر وہ گالی اور دشنام نہ دے۔ آپ نے نہایت بُرا کیا کہ مخالفوں کو خود بخود جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دینے کی ترغیب دی۔'' (سراج الاخبار بابت ۲۹ اگست ۱۸۹۸ء)

اس رسالہ کے مختلف جواب لکھے گئے، راقم کو درج ذیل رسائل اس حوالے سے دستیاب ہوئے ہیں:

۱۔ تنبیہ المخالفین فی جواب رسالہ امہات المومنین از جناب مولوی سید فیض الحسین صاحب مطبوعہ مطبع

فیض الکریم حیدرآباد دکن سال اشاعت ۱۸۹۹ء

۲۔القول المتین فی جواب امہات المومنین از ڈاکٹر صادق علی مطبوعہ ۱۸۹۸ء

۳۔الحق المبین بجواب امہات المومنین از غلام قادر

۴۔سرسید کا سب سے آخری مضمون یعنی جواب امہات المومنین مطبوعہ تجارتی پریس علی گڑھ

[۴۳] اخبار الحکم: یہ اخبار قادیان ضلع گورداس پور سے ۱۸۹۷ء میں ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے سالانہ ہوتی تھی اور اس کا مقصد مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں کے لیے مخصوص ہے۔یعقوب علی تراب قادیانی اس کے ایڈیٹر تھے۔(فہرست اخبارات ہند:۹۳) یہ اخبار قادیانیوں کا نہایت اہم اخبار تھا۔مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں اس میں شائع ہوتی تھیں نیز مرزا کے مخالفوں کو اسی اخبار سے جواب دیا جاتا تھا۔

[۴۴] اخبار غم خوار ہند: لاہور کوچہ بخشی بھگت رام سے ۷ جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ (۱۲) صفحات پر جاری ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک پنڈت مہاراج کشن غم خوار، مہتمم علیم الدین تھے۔سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔علیم الدین پریس میں چھپتا تھا۔(تاریخ صحافت اردو، ج سوم،ص:۳۸۰)

[۴۵] خواجہ کمال الدین مرزائی: خواجہ کمال الدین لاہور کے رہنے والے تھے۔بی اے،ایل ایل بی کیا۔یاد رفتگان کا مولف لکھتا ہے:

''نئی روشنی کے تعلیم یافتہ تھے،اس لیے دماغ میں دنیا کی ترقیات کی تمناؤں میں مذہب کو کہیں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی،مثل ہے'جوانی دیوانی'۔خواجہ صاحب پر اس دیوانی کا بھی اثر تھا یہاں تک کہ آزادہ روی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔کچھ تو مشن کالج کے مشہور پادری پرنسپل ڈاکٹر یوانگ اور ان کے ہم مشربوں کا اثر اور کچھ طبیعت کی معقول پسندی نے یہ خیال دماغ پر مستولی کر دیا کہ جب دنیا ہی مقصود خاطر رہے اور مذہب ایک لغویت ہے تو پھر کیوں نہ عیسائی مذہب اختیار کیا جائے۔''(ص:۶۵ مطبوعہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور)

لیکن کہیں سے مرزا قادیانی کی کتاب براہین احمدیہ ہاتھ لگی تو فکر و تخیل مرزا قادیانی کی طرف مائل ہو گیا اور یوں مرزائیت اختیار کر بیٹھے۔گویا قسمت ہی خراب تھی کہ عیسائیت سے بچے تو مرزائیت میں جا پھنسے۔فن خطابت میں مہارت تھی۔مرزا قادیانی کے مقدمات بھی لڑتے رہے۔۱۹۱۴ء میں مرزائیت کی تبلیغ کے لیے انگلستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۲۱ء میں آں جہانی ہوئے۔

[۴۶] مولانا غلام محمد قاضی تحصیل چکوال: حالات دستیاب نہ ہو سکے

[۴۷] مولانا محمد جی قاضی تحصیل جہلم: حالات دستیاب نہ ہو سکے

[۴۸] اخبار جعفر زٹلی، لاہور: لاہور محلّہ شاہ عالمی گیٹ کوچہ گاھندیان سے ۴ مارچ ۱۸۸۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔آٹھ (۸) صفحات پر مشتمل تھا۔مہتمم مولوی محمد حسن تھے۔سالانہ چندہ دو روپے تیرہ آنہ تھا۔ مالک ملا محمد بخش تھے۔(تاریخ صحافت، جلد سوم،ص:۴۷۲-۴۷۳)

ملا محمد بخش نے اپنے اخبار سے قادیانیت کو کس حد تک زک پہنچائی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا

جاسکتا ہے کہ قادیانیوں نے اس اخبار کے ایک ایک اشتہار کے جواب میں الحکم کا ایک ''غیر معمولی پرچہ الحکم قادیان دارالامان'' کے نام سے جاری کیا جس پر جلی حروف میں عنوان تحریر کیا ''خطرناک جھوٹ سے ایک کثیر التعداد جماعت کی دل آزاری۔ قابل توجہ گورنمنٹ''۔ اس اشتہار میں انگریز گورنمنٹ کو اپنی نسل در نسل وفاداری یاد کرواتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''ہم کو حیرت پر حیرت اور تعجب پر تعجب آتا ہے کہ بخت پیٹ اور چند روزہ زندگی کی خاطر نادان انسان لعنت اللہ علی الکاذبین کا سخت وعید پڑھتا پھر بھی دن دھاڑے سفید جھوٹ بولنے سے شرم نہیں کرتا۔ ہماری جماعت (جس کے ہم ایک فرد اور جس کے پیشوا اور امام گورنمنٹ انگلشیہ کے نسلاً بعد نسل جان نثار دوست اور فرمان پذیر رئیس جناب مرزا غلام احمد صاحب ہیں) پر سفیہ اور نااہل لوگ مختلف قسم کے دل آزار حملے کرتے اور ستاتے ہیں۔ اسی وجہ سے متعدد مرتبہ گورنمنٹ عالیہ کو خود ہمارے امام ہمام کو توجہ دلانی پڑی ہے۔ یہ لوگ کمینے حملے کرنے سے باز نہیں آتے چنانچہ لاہور کے ایک لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل ایک عام حیثیت کے آدمی ملا محمد بخش (جو کسی جعفر زٹلی نام کے اخبار کا مالک بھی کہلاتا ہے) نے حال میں ایک اشتہار ''افسوس ناک حادثہ'' کے عنوان سے کثیر التعداد چھاپ کر شائع کیا ہے۔ جس میں امام ہمام حضرت اقدس مرزا غلام احمد کے دشمنوں کی وفات طاعون جیسی نامراد اور ایک لعنت مجسم مرض سے شائع کر کے ایک بڑی بھاری جماعت کی دل آزاری کی ہے، جو اشتہار اس بے باک ملانے باوجود قانون سڈیشن کے پاس ہو جانے کے شائع کیا ہے۔ ہم اس کا شائع کرنا بھی خلاف تہذیب و اخلاق سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم گورنمنٹ عالیہ کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اس خطرناک اشتہار سے ایک بڑی بھاری جماعت میں جو گورنمنٹ کے معزز عہدہ داروں اور وفادار ملازموں اور عقیدت کیش رؤسا اور تاجروں کی جماعت ہے۔ سخت بے دلی اور گھبراہٹ پھیلائی گئی ہے، جس سے نقص امن عامہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لیے ہم پُر زور الفاظ میں گورنمنٹ کے حضور اس دُکھ اور تکلیف کا استغاثہ کرنا چاہتے ہیں جو ایک صریح جھوٹ اور لعنت سے بھرے ہوئے کذب سے ہماری جماعت کو پہنچایا گیا ہے۔'' (الحکم مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۹۸ء یوم یک شنبہ)

یہاں قادیانیت کی انگریز سرکار سے وفاداری کا ذکر ہوا ہے تو الحکم سے اس بارے ایک اور اقتباس نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا چنانچہ الحکم میں ''گورنمنٹ پنجاب سے ضروری گذارش'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس سے بقدر ضرورت یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''یہ امر گو متعدد مرتبہ گورنمنٹ کی توجہ کے لیے نہ اپنے لیے بلکہ اپنی ارادت کیس اور عقیدت مند جماعت کے وفادار سے اور خیر خواہی کے اظہار کے لیے ہمارے سید و مقتدا امام ہمام علیہ الصلوۃ والسلام نے بذریعہ عرض داشتہائے مطبوعہ پیش کیا کہ ہماری جماعت جو سیدنا مرزا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیان کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ اور بنی نوع انسان سے سچی بھلائی، بغاوت اور شرارت کے ارادوں اور خیالوں کو دور کرنے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کرتی ہے اور اپنے دل سے کسی ایسے امام مہدی یا مسیح کے آنے کے خیالات دور کرتی ہے جو آ کر فتنہ و فساد یا جنگ و جدال

کرے اور جہاد بالسیف کا حکم دے۔ گورنمنٹ کے لیے ایک مبارک جماعت ہے اور یہ گورنمنٹ سے مخفی ہی نہیں کہ اس جماعت کا امام یعنی مرزا غلام احمد صاحب ابن مرزا غلام مرتضٰی مرحوم ایک ایسے خاندان کا چیف ممبر ہے جو ہمیشہ سے گورنمنٹ کا ہوا خواہ اور جاں فروش دوست رہا ہے مگر بعض کوتاہ اندیش لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور ۔۔۔ جو درپردہ ایسے خیالات رکھتے ہیں کہ کوئی تاج وتخت کا خواہش مند مہدی مسیح آئے گا اور جنگ وجدل کرتا پھرے گا اور اسی لیے سیدنا مرزا صاحب کا انکار کرتے ہیں کہ وہ اپنے محسن گورنمنٹ کے ساتھ پوری وفاداری اور خیر خواہی سے سلوک کرنے کی تسلیم دیتا ہے بلکہ اس نے اپنی شرائط بیعت میں یہ امر داخل کر دیا ہے کہ جو آدمی کسی قسم کی بغاوت کا خیال رکھتا ہو۔ وہ میری بیعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' (الحکم مورخہ ۱۳ مارچ ۱۸۹۸ء)

[۴۹] مولوی محمد علی (مرزائی): جماعت احمدیہ کے بنیادی افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۸۹۰ء میں انٹرنس پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ مرزا کی کتاب ازالۃ الاوہام پڑھ کر قادیانی مذہب میں داخل ہو گیا۔ ایم اے کیا۔ خواجہ کمال الدین مرزائی کے ساتھ قادیان میں مرزا قادیانی سے ملاقات کی اور مریدی اختیار کی۔ تقریباً دو سال تک اورینٹل کالج لاہور میں لیکچرر رہے اس دوران مرزا قادیانی اپنی تحریریں انگریزی ترجمہ کے لیے ان کو بھیجتا رہا۔ ۱۸۹۹ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور گورداس پور میں وکالت کرنے لگا۔ پھر قادیان منتقل ہو گیا اور قادیانی افکار کی نشر واشاعت کے لیے انگریزی زبان میں رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' نکالا۔ انجمن احمدیہ کے سیکرٹری جنرل رہے۔ مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے مرزا محمود سے بیعت کے معاملہ میں اختلاف ہوا۔ اور مولوی محمد علی مرزائی نے لاہور آکر اپنے ساتھیوں کو ملا کر ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے ایک نئی انجمن کی بنیاد رکھی۔ انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور قادیانی افکار کے مطابق ''بیان القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی۔ ۱۳/۱۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو کراچی میں آں جہانی ہوئے، دوسرے دن جنازہ لاہور لایا گیا۔ احمدیہ بلڈنگ میں مولوی عزیز بخش مرزائی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب قبرستان میں تدفین کی گئی۔ (یادرفتگان، جلد اول، ص: ۶۲۔ ۳۵ ملخصاً)

[۵۰] پیسہ اخبار، لاہور: اس اخبار کا تعارف مولوی محبوب عالم صاحب مالک وایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور کے متعلق حاشیہ نمبر ۸۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۵۱] اخبار عام، لاہور: یہ اخبار یکم جنوری ۱۸۷۱ء کو جاری ہوا۔ اس کے مالک پنڈت مکندرام تھے اور ایڈیٹر گوپی ناتھ۔ اس اخبار کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے، یہ پہلے ہفت روزہ تھا پھر ہفتہ میں تین بار نکلنے لگا، انیسویں صدی کے آخر میں روزانہ ہو گیا۔ چند سال بعد سہ روزہ ہو گیا، ۱۹۲۰ء میں پھر روزانہ ہو گیا لیکن محسوس ہوا کہ روزانہ اخبار کا جاری رکھنا ممکن نہیں ہے چنانچہ پھر سہ روزہ ہو گیا۔ اس نے طویل زندگی پائی اور انسٹھ (۵۹) سال تک نکلنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں بند ہوا۔ پنڈت مکندرام پیشے کے اعتبار سے کاتب تھے اور اخبار کوہ نور میں کتابت کیا کرتے تھے۔ اخبار جاری کرنے کا ارادہ کیا تو کتابت کے پیشہ کو خیر باد کہا اور پنڈت گوپی ناتھ کے تعاون سے اخبار عام نکالا۔ اس کا سالانہ چندہ

ڈھائی روپے تھے اور قیمت فی پرچہ صرف ایک پیسہ تھی۔ برصغیر میں جدید صحافت کی ابتدا جن دو اخبارات سے ہوتی ہے ان میں ایک اخبار عام اور دوسرا پیسہ اخبار ہے۔(فہرست اخبارات ہند از مولوی محبوب عالم، تقدیم وتحشیہ از طاہر مسعود:۵۴۔۵۳ مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور)

[۵۲] اخبار وطن لاہور: یہ اخبار مولوی انشاء اللہ نے ۴ جنوری ۱۹۰۱ء کو بطور ہفتہ وار لاہور سے جاری کیا۔ اس اخبار کے سولہ صفحات ہوتے تھے اور حمید یہ پریس لاہور سے چھپتا تھا۔ اس کے اجرا کا مقصد اخلاق، تمدنی، ملکی، تعلیمی اور اسلامی معاملات کے علاوہ فوجی، تجارتی اور زرعی مسائل کو موضوع بحث بنانا تھا اور ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آواز بلند کرنا تھا۔(فہرست اخبارات ہند (جدید)، ص:۲۰۳)

[۵۳] اخبار زمین دار: یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو کہ لاہور سے ۱۹۰۳ء میں مولوی سراج الدین احمد نے جاری کیا جو کہ مولانا ظفر علی خان کے والد تھے۔ بعد میں مولانا ظفر علی خان اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ابتدا میں اس کو زرعی اخبار سمجھا جاتا تھا لیکن ۱۹۰۹ء میں سراج الدین احمد کی وفات کے بعد مولانا ظفر علی خان نے اس کو مسلمانوں کے اجماعی مسائل کی طرف موڑ دیا۔ یہ اخبار بہت مقبول ہوا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو مولانا ظفر علی خان کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے بعد اختر علی خان جو کہ مولانا ظفر علی خان کے بیٹے تھے، اخبار کے ایڈیٹر بنے۔ تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں شمولیت کی پاداش میں اختر علی خان کو گورنمنٹ کی طرف سے چودہ (۱۴) سال کی قید ہو گئی اور یوں یہ اخبار بند ہو گیا۔

Extracted from Allama Iqbal, Zafar Ali Khan and Zamindar) Article by Rauf Parekh. Published in Daily Dawn dated (November 06, 2011

[۵۴] یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم، قادیان: ۱۸۹۳ء میں انٹرنس پاس کر کے محکمہ ریل میں ملازم ہوا۔ مضمون نگاری کے شوق کے سبب ملازمت سے علیحدہ ہو کر ریاض ہند، اخبار فیروز والہ وغیرہ کے ایڈیٹر بنے۔ امرت سر میونسپل کمیٹی میں ملازم ہوا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید بنا اور اخبار الحکم جاری کیا۔ میرا سی خاندان سے تعلق تھا۔ (دیکھیے تازیانہ عبرت از مولانا کرم الدین دبیر) شاعری میں ''تراب'' تخلص تھا۔ ۱۹۳۲ء میں حیدر آباد دکن منتقل ہو گیا جہاں ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو مر گیا۔(فہرست اخبارات ہند، جدید: ۹۴)

[۵۵] اخبار اہل حدیث، امرت سر: وہابیہ کے سرغنہ مولوی ثناء اللہ امرت سری نے نومبر ۱۹۰۲ء میں امرت سر سے یہ اخبار جاری کیا جس میں اپنے مخالفوں کی تردید میں مضامین ہوتے تھے۔(اخبار نویسوں کے حالات: ۳۰)

اس اخبار نے احناف اہل سنت کے خلاف باقاعدہ محاذ بنایا چنانچہ اس کے جواب میں امرت سر سے ہی اہل سنت کے جید عالم دین مولانا غلام احمد اخگر امرت سری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۰۶ء میں ایک ہفتہ وار اخبار بنام 'اہل فقہ' جاری کیا۔

[۵٦] مزار مبارک حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ لاہور: یہ مزار شریف دہلی دروازہ کے بیرون اکبری منڈی (لاہور) کے قریب واقع ہے۔ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد سید حسن شاہ صاحب پشاور کا مزار مبارک پشاور میں ہے۔ قبلہ شاہ صاحب کو نسبت قادریت میں خلافت اپنے والد ماجد سے ہی ملی۔ آپ کا نسب سرکار غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا وصال ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء میں ہوا۔ (بزرگان لاہور: ۱۰۳۔۱۰۱ ملخصاً از پیر غلام دستگیر نامی مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزار مبارک محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ مزار شریف سے ملحق ایک مسجد، مدرسہ اور ایک لائبریری بھی قائم ہے۔

[۵۷] مولانا عبداللہ ٹونکی: مفتی عبداللہ ٹونکی بن صابر علی ریاست ٹونک کے محلّہ گور کھپور میں پیدا ہوئے، مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے درسیات پڑھی، مولوی احمد علی سہارن پوری سے دورہ حدیث کیا، مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے عربی ادب پڑھا۔ ۱۸۸۳ء میں لاہور کے اورینٹل کالج میں عربی کے صدر مدرس بنے، فقہ اسلامی میں مہارت رکھتے تھے۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی کے رسالہ 'جہد المقل'' کے رد میں رسالہ ''عجالۃ الراکب فی امتناع کذب الواجب'' تحریر کیا۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی سے لاہور میں اسی مبحث پر مناظرہ کیا، اس مناظرہ میں مولوی محمود حسن کو سخت ذلت آمیز شکست ہوئی۔ دوسری تالیف ''تعلیقات المفتی'' شرح سلم لمولوی حمد اللہ کا حاشیہ شرح سلم کے ساتھ مطبع اسلامیہ لاہور میں طبع ہوا۔ نزہۃ النظر کا حاشیہ ''عقد الدرر فی جید نزہۃ النظر''، مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا۔ اس کے علاوہ ایک کتاب بنام ''الکلام الرشیق'' تحریر فرمائی۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت از محمود قادری کانپوری، ص: ۱٦۰ مطبوعہ سُنّی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد)

مفتی صاحب کی سب سے بڑی کتاب معجم المصنفین ہے جو ۸۰ جلدوں میں تصنیف فرمائی اس کی ابتدائی جلدیں مصر سے شائع ہوئیں جبکہ باقی جلدوں کا مسودہ ضائع کر دیا گیا۔ مفتی صاحب دُبلے پتلے انسان تھے، جب بات کرتے تو منہ پر رومال رکھ لیتے، ہر وقت پان چباتے رہتے۔ علامہ اقبال مرحوم فرمایا کرتے تھے: ''اس ناتواں جسم میں علم و فضل کا اتنا ذخیرہ ہے کہ کوزے میں دریا بند ہونے کی مثل ان پر صادق آتی ہے۔''

۱۹۰۳ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ (شمس العلماء: ۲۴۵)

۳۴ سال تک اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کے بعد لاہور کو داغ مفارقت دے گئے، کچھ عرصہ دار العلوم ندوہ میں کام کیا اور پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس بنے۔ اخیر عمر میں بعض مسائل کی کچھ ایسی تاویلیں کیں جو کہ احناف کے ہاں درست نہ تھیں۔ وصال کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں، پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب نے بحوالہ'' لاہور کا چیلسی'' صفحہ ۲۴ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کا وصال ۷۰ سال کی عمر میں ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور: ۲۵۱ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور) مولانا محمود قادری نے ۷ نومبر ۱۹۳۰ء لکھا ہے اور صاحب نزہۃ الخواطر کی روایت متعلقہ

سال وفات ۱۳۳۹ھ کو غلط قرار دیا ہے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت از محمود قادری، ص: ۱۶۰)

[۵۸] مولوی غلام اللہ قصوری: آپ کا تعلق شہر قصور کے مشہور صدیقی خاندان سے ہے۔ اپنی تالیف ''تائید الاسلام'' میں آپ نے اپنا تعارف یوں تحریر کیا ہے: ''اضعف العباد اللہ المعروف غلام اللہ ابن مولوی غلام رسول ابن حضرت حافظ داؤد ابن حافظ مرتضٰی غفر اللہ لہ والہ و احسن الیہم و الیہ قریشی صدیقی قصوری''۔ آپ کی ولادت ۱۸۵۰ء میں ہوئی۔ علمی تشنگی بجھانے کے لیے لاہور آئے اور یہاں کے اجلہ علماء خلیفہ حمید الدین لاہوری اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری کے روبرو زانوئے تلمذ طے کیے۔ خلیفہ حمید الدین لاہوری نے ۱۸۸۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی اور مدرسہ حمیدیہ کا اجراء کیا تو مولانا کو نائب مدرس کی ذمہ داری سونپی گئی۔ آپ راسخ العقیدہ سُنّی تھے البتہ مناظرہ و مباحثہ وغیرہ سے گریز کرتے مگر رد نصاریٰ و مرزائیت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ نے نصاریٰ کے رد میں ''تحقیق الکلام فی ولادت مسیح علیہ السلام'' اور ''تائید الاسلام'' کے نام سے کتب تحریر فرمائیں۔ دیگر کتب میں ''غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''حرمت سُود'' شامل ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں ''الواعظ'' کے نام سے ایک ماہ وار رسالہ امرت سر سے جاری کیا۔ ۱۹۰۴ء میں چیفس کالج لاہور میں عربی و دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۲۲ء کو ریٹائر ہوئے۔ آپ نے ۷۲ برس کی عمر میں ۱۹۲۲ء میں وصال فرمایا۔ (تذکرہ علماء اہل سنت لاہور: ۲۴۸۔ ۲۵۶ ملخصاً مرتبہ پیرزادہ اقبال فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور طبع دوم ۲۰۱۳ء)

[۵۹] بخشی رام لبھایا مالک اخبار دوست ہند بھیرہ: بھیرہ ضلع شاہ پور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۳ جون ۱۸۸۷ء کو نکلنا شروع ہوا۔ بخشی رام لبھایا سابق پرائیویٹ سیکرٹری مہاراجہ والیِ جموں و کشمیر اس کے مہتمم تھے۔

[۶۰] ملا محمد بخش، ایڈیٹر ہنٹر لاہور: ملا صاحب عجیب و غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے۔ دو ہفتہ وار اخبار جعفر زٹلی اور ہنٹر کے ایڈیٹر اور مالک تھے۔ ایک مطبع تاج الہند پریس کے نام سے جاری کیا تھا جس میں یہ دونوں اخبار چھپتے تھے۔ جعفر زٹلی سرسید اور نیچریوں کا مذاق اڑانے اور ان پر پھبتیاں کسنے کے لیے وقف تھا اور آخر وقت تک یہی کار خیر جاری رہا۔ ملا محمد بخش ۱۸۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۴ء کو وہیں انتقال فرمایا۔ (تاریخ صحافت اردو، جلد سوم، ص: ۴۷۴)

[۶۱] مولوی تاج الدین تاج: آپ اخبار ہنٹر کے ایڈیٹر بھی رہے۔ تفصیلی حالات دستیاب نہ ہوسکے۔ البتہ متفرق کتب و انجمن نعمانیہ کے ماہ واری رسالہ میں آپ کا کلام ملتا ہے۔

[۶۲] نواب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ (مرزائی): والد کا نام نواب غلام محمد خان تھا۔ یکم جنوری ۱۸۷۰ء تاریخ پیدائش ہے۔ ۱۹ نومبر ۱۸۹۰ء کو مرزا قادیانی کی بیعت کی۔ رجسٹر بیعت میں ان کا نمبر ۲۱۰ ہے۔ ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کی بڑی بیٹی سے نکاح کیا۔ نواب صاحب نے متعدد شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے نواب صاحب کی اکلوتی بیٹی بو زینب بیگم کا نکاح مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا شریف احمد سے ۱۹۰۹ء میں ہوا، اور ۱۹۱۵ء میں مرزا قادیانی کی بیٹی امۃ الحفیظ بیگم کا نکاح نواب صاحب کے بیٹے محمد عبد اللہ خان سے ہو۔ ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء کو بعمر ۷۵ سال آں جہانی ہوئے اور مرزا قادیانی کے احاطہ

خاص میں تدفین ہوئی۔(ماخوذ از نواب محمد علی خان مصنفہ فخر الحق شمس شائع کردہ: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

[۶۳] مفتی محمد صادق بھیروی (مرزائی): پیدائش ۱۳ جنوری ۱۸۷۲ء اور موت ۱۳ جنوری ۱۹۵۳ء بعمر ۸۵ سال بمقام ربوہ ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں قادیانی اخبار البدر کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔مولوی عبدالکریم قادیانی کی موت کے بعد مرزا قادیانی کی ڈاک کا انتظام بھی ان کے سپرد ہوا۔(مفتی محمد صادق از ساجد محمود بٹر شائع کردہ: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ملخصاً)

[۶۴] مرزا بشیر الدین محمود (قادیانی): مرزا قادیانی کے بیٹے ہیں۔یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم اور حکیم نورالدین بھیروی سے تعلیم حاصل کی۔مدرسہ میں انٹرنس کی مگر یونیورسٹی کے امتحان میں فیل ہو گیا۔انجمن تشحیذ الاذہان قائم کی اور ایک ماہ وار رسالہ تشحیذ الاذہان قادیانی نظریات و افکار کی نشر واشاعت کے لیے جاری کیا۔مرزا قادیانی اور خلیفہ نورالدین کے مرنے کے بعد ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزائی قوم کا دوسرا خلیفہ بنا۔مولوی محمد علی مرزائی اور خواجہ کمال الدین مرزائی نے اس کی خلافت کو ماننے سے انکار کر دیا اور الگ ہو کر لاہوری پارٹی بنالی۔۸ نومبر ۱۹۶۵ء کو ربوہ میں مر گیا اور مرزا ناصر احمد نے اس کا جنازہ پڑھایا۔(وکیپیڈیا)

[۶۵] مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر اخبار وطن لاہور: ۳۰ اپریل ۱۸۷۰ء کو گوجراں والہ میں پیدا ہوئے۔والد مولوی محمد انعام اللہ ضلع کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر کے عہدہ پر فائز تھے۔تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں مڈل کا امتحان پاس کیا پھر انٹرنس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ایف اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔مضمون نویسی کے شوق کے سبب پیسہ اخبار میں پہلا مضمون بھیجا پھر مولوی محبوب عالم کے انگریزی اخبار ''دی سن'' (The Sun) میں لکھا۔اس کے بعد اسلامی موضوعات پر اخبار وکیل (امرت سر) میں لکھنے لگے۔اکتوبر ۱۸۹۵ء میں اخبار وکیل کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔حجاز ریلوے کے لیے چندہ تحریک چلا کر ایک لاکھ روپیہ جمع کیا۔سلطنت عثمانیہ نے اس کو بہت سراہا چنانچہ سراج الاخبار لکھتا ہے:

''مولوی انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر اخبار وطن نے چندہ حجاز ریلوے کی کوشش کی،قدر دانی میں ایک نقرئی تمغہ سلطنت عثمانیہ سے حاصل کیا ہے اور اب انہیں کے پاس نکل کے ساٹھ (۶۰) خوب صورت تمغے جو نہایت سفید ہیں۔بالکل چاندی کے نظر آتے ہیں،ارسال کیے ہیں کہ یہ تمغے بطور یادگار فیاضی کے ان لوگوں کو دیے جائیں جنہوں نے حجاز ریلوے کے چندے میں دریا دلی کا ثبوت دیا ہے۔اس سے امید ہے کہ اوروں کو بھی شوق اظہار دریا دلی کا ہوگا۔(سراج الاخبار مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۰۴ء ص:۳)

۱۹۰۰ء میں اخبار وکیل سے علیحدہ ہو گئے اور ایک سال بعد اپنا اخبار وطن جاری کیا۔متعدد کتب بھی تصنیف کیں جن میں بست سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید عثمانی،تاریخ خاندان عثمانیہ (دو جلد)، خانقاہ ڈوگراں،ترجمہ مقدمہ ابن خلدون وغیرہ۔

مولوی صاحب کا وصال ۹ ستمبر ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کی خبر انجمن نعمانیہ کے ماہ واری رسالہ میں یوں شائع ہوئی: ''مولوی محمد انشاء اللہ صاحب مرحوم و مغفور مالک و ایڈیٹر اخبار وطن لاہور و آنریری مجسٹریٹ صرف تین یوم علیل رہ کر تپ محرقہ و سرسام سے ۹ ستمبر ۱۹۲۸ء یوم اتوار قریب شام فوت ہو گئے۔ ان کی عمر مابین ساٹھ ستّر ہو گی۔ بحکم (اکثر اعمار امتی مابین سبعین و ستین) بڑے عالی حوصلہ اور نام ور شخص تھے۔ آپ مولوی انعام اللہ صاحب چیف محرر اوف اسکول گوجراں والہ کے فرزند اکبر تھے۔ ان کے پس ماندوں کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرمائے۔'' (ماہ واری رسالہ بابت اگست ۱۹۲۸ء)

[د] اخبار پیغام صلح: یہ اخبار ۱۰ جولائی ۱۹۱۳ کو قادیانیوں کی لاہوری پارٹی نے جاری کیا۔ خواجہ کمال الدین مرزائی اور ماسٹر احمد حسین فرید آبادی مرزائی اس کے ایڈیٹر تھے۔ ہفتہ میں تین بار نکلتا تھا۔ کل چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس اخبار کا بنیادی مقصد مرزائی افکار کی اشاعت اور مرزائیوں پر الزامات کی تردید تھا۔

[۶۶] قاضی فضل احمد لدھیانوی: آپ قصبہ شاہ پور تحصیل پٹھان کوٹ ضلع گورداس پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کے پردادا کا کی شاہ کے والد بہادر سنگھ تھے انہوں نے ۱۶ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اسلامی نام عبدالوہاب رکھا گیا۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے:

قاضی فضل احمد بن قاضی الٰہ دین بن بانی شاہ بن کا کی شاہ بن قاضی عبدالوہاب۔

آپ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور مفتی غلام دستگیر قصوری علیہما الرحمۃ سے بہت عقیدت تھی یہاں تک کہ آپ کے مخالف آپ کو ان حضرات کا مرید سمجھتے تھے لیکن آپ سید صادق علی شاہ نقش بندی کے مرید تھے۔ آپ نے فرقۂ باطلہ وہابیہ دیابنہ مرزائیہ کے رد میں بہت کتب لکھیں اور جرائد و رسائل میں مضامین تحریر فرمائے۔ آپ کی کتاب انوار آفتاب صداقت پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تقریظ بھی رقم فرمائی۔ دیگر تصانیف میں الامامۃ بالعمامۃ والصلوٰۃ بالمروحۃ، الدر المکنون فی دعاء دفع الطاعون، گفتگوئے جمعہ (محمود شاہ وہابی کے ساتھ بحث)، مفید النساء، ازالۃ الریب عن مبحث علم الغیب، اطلاع حالات واہیہ فرقۂ گاندھویہ وہابیہ نجدیہ، فضل التوحید فی جواب اثبات التوحید، قرن الشیطان اعمیٰ کے شیطانی کام، تردید فتویٰ ابوالکلام آزاد و مولوی محمد علی مرزائی، اتفاق و نفاق بین المسلمین کا موجب کون ہے؟، کلمۂ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام قادیانی، نیام ذوالفقار علی بر گردن خاطی مرزائی فرزند علی، جمعیت خاطر (غلام رسول انسپکٹر مرزائی سے تحریری بحث)، شطرنج بازی حرام ہے، مسلک الدرر، مخزن رحمت رد قادیانی دعوت، عہدۂ پولیس کی ملازمت، کیا مرزا قادیانی مسلمان تھا؟ ہرگز نہیں۔، خالص حمیت اسلام، میزان الحق، افتتاح الہدایت۔ (انوار آفتاب صداقت (مخرجہ): مقدمہ ملخصاً مطبوعہ ہند)

[۶۷] مولانا انوار اللہ خان فاروقی: آپ ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ فقہ کی کچھ کتب مولانا فیاض الدین صاحب اورنگ آبادی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی

اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے فقہ اور معقول کی تکمیل کی۔ فن تفسیر شیخ عبداللہ یمنی (نزیل حیدرآباد) سے حاصل کیا اور حدیث کی سند بھی ان ہی بزرگ سے لی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے۔ ریاست حیدرآباد دکن میں مذہبی امور کی نظامت وصدارت کے عہدہ پر متمکن رہے۔ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو آپ کا وصال ہو گیا اور اپنے قائم کردہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں سپرد خاک ہوئے۔ (مطلع انوار: ۳۷-۳۰ ملخصاً از مفتی رکن الدین مطبوعہ ندارد)

[۶۸] مولوی صدرالدین (مرزائی): مولوی صدرالدین مرزائی ۱۸۸۱ء میں بمقام سیال کوٹ پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں مرزا قادیانی کی بیعت کر کے قادیانی مرزائی ہو گئے۔ تعلیم الاسلام ہائی اسکول (قادیان) کے ۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۴ء پرنسپل رہے۔ ۱۹۱۴ء میں قادیانیوں کی جماعت احمدیہ کے ساتھ عقائد کے معاملہ میں اختلاف رونما ہوا تو مولوی صدرالدین نے لاہوری پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں قادیانی افکار کی تبلیغ کے لیے لندن چلے گئے۔ ۱۹۵۱ء میں جماعت احمدیہ لاہور کے امیر ثانی منتخب ہو کر ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کو آں جہانی ہو گئے۔ (بکھرے موتی از ڈاکٹر خورشید عالم ترین مطبوعہ اے اے آئی قلمدان پورہ سری نگر کشمیر)

[۶۹] اخبار الفضل، قادیان: یہ اخبار مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نے ۱۸ جون ۱۹۱۳ء کو قادیان سے جاری کیا اور سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ (الفضل، قادیان جلد اول شمارہ اول ۱۸ جون ۱۹۱۳ء)

[۷۰] انجمن نعمانیہ لاہور: انجمن نعمانیہ (لاہور) ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں قائم کی گئی۔ اس کے بانی اراکین میں مفتی غلام دستگیر قصوری، مولانا محرم علی چشتی، مفتی سلیم اللہ لاہوری، مولانا سراج الدین، خلیفہ تاج الدین قادری، مولانا نور بخش توکلی، مولانا غلام احمد جیسے اجلہ علماء شامل تھے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے اکابر مشائخ وعلماء وعمائدین ریاست کی سرپرستی بھی اس انجمن کو حاصل رہی جن میں حسب ذیل نام نمایاں ہیں:

مشائخ: پیر مہر علی شاہ گولڑی، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شاہ علی حسین کچھوچھوی، خواجہ ضیاء الدین سیالوی، خواجہ محمد حامد خان (سجادہ نشین تونسہ شریف)، خواجہ سدید الدین مرولوی (سجادہ نشین مرولہ شریف)

علماء وفضلاء: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، مولانا غلام محمد بگوی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، سید دیدار علی شاہ محدث الوری، مولانا غلام مرشد، مولانا محمد حسن فیضی، مولانا کرم الدین دبیر، مولانا سید احمد سعید کاظمی، مفتی غلام جان ہزاروی، مفتی اعجاز ولی خان، مولانا عبدالعزیز مزنگوی

حکام واراکین ریاست: سردار یار محمد خان (ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر گجرات)، سردار محمد حیات خان پوپلزئی، نواب آف بہاول پور، شاہ جہاں بیگم نواب آف بھوپال، امیر حبیب اللہ والی ریاست افغانستان، نظام آف حیدرآباد دکن، نواب آف ممدوٹ۔

آغاز کے سولہ سالوں میں شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں انجمن نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا

لیکن انجمن اسلامیہ (متولی شاہی مسجد لاہور) سے اختلاف کی بناپر انجمن کو الگ مکان (اندرون ٹکسالی دروازہ) میں منتقل ہونا پڑا۔ انجمن نعمانیہ نے طلباء کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک دارالعلوم قائم کیا۔ یتیم بچوں کی کفالت کے لیے یتیم خانہ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ علاوہ ازیں ایک وسیع لائبریری بھی قائم کی گئی۔ انجمن نعمانیہ کو قائم ہوئے آج تقریباً ۱۲۷ سال بیت گئے ہیں اس دوران انجمن پر مختلف ادوار گزرے۔ جب تک انجمن کے بانیان کا سایہ اس پر قائم رہا، انجمن نے خوب ترقی کی اور ہزاروں نام ور علماء ومشائخ نے اس انجمن سے تعلیم وتربیت حاصل کی اور انجمن نے سماجی وفلاحی کاموں میں بھی خوب نام کمایا لیکن بعد کے کچھ نااہل اراکین کی وجہ سے انجمن تنزلی کا شکار ہوتی چلی گئی۔ انجمن کے کئی شعبے بند ہو گئے حتی کہ دارالعلوم بھی بند ہو گیا، کتب خانہ سے کتب چوری ہونے لگیں یا بوسیدہ ہو کر دیمک کی نذر ہونے لگ گئیں۔ کچھ عرصہ قبل شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی صاحب (امیر فدایان ختم نبوت پاکستان) نے دارالعلوم نعمانیہ کے ناظم تعلیمات کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور ان کے زیر انتظام دارالعلوم میں تعلیم وتربیت کے نظام بہتری کی طرف گامزن ہوا ہے۔ اللہ کریم اس ادارہ کی شان وشوکت کو بحال فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم [انجمن کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے دیکھیے کتاب ''صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور'' مرتبہ پیرزادہ اقبال فاروقی]

[۷۱] شاہی مسجد، لاہور: یہ لاہور کی قدیم مساجد میں سے سب سے بڑی مسجد ہے۔ تین گنبد اور چار بلند وبالا مینار ہیں۔ قلعہ لاہور کے غربی دروازہ کی طرف چھوٹا سا میدان جس کو اب ''حضوری باغ'' کہتے ہیں۔ گزر کر مسجد کی سیڑھیاں آتی ہیں۔ مسجد کا دروازہ سنگ سرخ سے بُرجی دار نہایت عمدہ ومقطع بنا ہوا ہے اور پیشانی کے کتبہ پر اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی بانی مسجد کا نام لکھا ہے۔ صحن نہایت چوڑا و وسیع اور خشتی فرش کا ہے۔ مسجد کے شمال وجنوب وشرق کی طرف درویشوں وطلباء کے رہنے کے لیے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ سکھوں اور انگریزوں نے اس مسجد کو خاصا نقصان پہنچایا۔ (تاریخ لاہور: ۱۴۱۔۱۴۳ ملخصاً از کنہیا لال مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور)

یہ مسجد ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء میں تعمیر ہوئی۔ انگریزوں کے قبضہ کے بعد ۱۸۵۶ء میں یہ مسجد انگریزوں کے گولہ وبارود کا ڈپو رہی۔ انگریزوں کو مسجد کی مرکزی حیثیت اور مسلمانان لاہور کی اس سے دلی ارادت و عقیدت کا احساس تھا چنانچہ رعایا کی دل جوئی کے لیے انہوں نے گولا بارود یہاں سے منتقل کر لیا اور مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ماہ جولائی ۱۸۵۶ء میں لاہور کے ستر (۷۰) ممتاز بزرگوں نے انگریز سرکار کو ایک عرض داشت ''شکریہ واگزاری مسجد بادشاہی لاہور برائے نماز عام مسلمانان عالم'' پیش کی۔ بحالی کے بعد اس مسجد کے پہلے امام وخطیب مولانا احمد الدین بگوی مقرر ہوئے اور ان کے وصال کے بعد مفتی غلام محمد بگوی مقرر ہوئے۔ (تذکار بگویہ، جلد اول، ص: ۹۰۔۹۳ ملخصاً از ڈاکٹر محمد انوار بگوی مطبوعہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار، بھیرہ پاکستان)

[۷۲] نعمت اللہ ولی: آپ ارض پنجاب کے ایک قدیم صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف ''پیش گوئی'' کے عنوان سے معروف ہے۔ جس میں آپ نے مستقبل میں واقع ہونے والے کچھ حالات وواقعات

کا ذکر کیا ہے اور حتی کہ بادشاہوں کے نام تک بیان کر دیے۔ اسی پیش گوئی میں آپ نے مرزا قادیانی اور سرسید احمد خان کے فتنہ کی جانب یوں اشارہ کیا ہے:

مردے زنسل ترکاں راہزن شود چوشیطاں
گوید دروغ دستاں در ملک ہندیانہ
دو کس بنام احمد گمراہ کنند بیحد
سازند از دل خود تفسیر فی القرآنہ

یعنی ترکی نسل سے ایک آدمی شیطان کی طرح لٹیرا ملک ہندوستان میں جھوٹی کہانی بیان کرے گا۔ دو شخص جن کے نام کے ساتھ احمد ہو گا وہ لوگوں کو بہت سا گمراہ کر دیں گے اور قرآن مجید کی تفسیر اپنے دل سے سنائیں گے۔

یہ پیش گوئی فارسی نظم میں تقریباً دو ہزار اشعار پر مشتمل تھی جس کے تقریباً اڑھائی سو اشعار جناب ایچ ایم سرور نظامی صاحب کو میسر آئے اور انہوں نے ۱۹۷۲ء میں ان کا اردو ترجمہ کر کے طبع کیا، نام مطبع درج نہیں۔

[۷۳] اخبار البدر، قادیان: یہ ہفتہ وار اخبار قادیان سے ۱۹۰۱ء میں جاری ہوا۔ محمد افضل مرزائی اس کا ایڈیٹر تھا جبکہ مینیجر و مہتمم شیخ فیض علی صابر مرزائی تھا۔ یہ اخبار ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ اس اخبار میں معمول کی خبریں اور مرزا قادیانی کے الہام وغیرہ شائع ہوتے اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب بھی دیے جاتے تھے۔

[۷۴] مفتی سلیم اللہ لاہوری: آپ ۱۸۴۸ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مفتی عظیم اللہ تھا جو کہ پشاور سے لاہور آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے درس نظامی کی کتب اپنے والد ماجد اور لاہور کے مشہور عالم دین خلیفہ حمید الدین لاہوری سے پڑھیں۔ حکیم الٰہی بخش اور مولوی محمد بخش سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا شمار لاہور کے قدیم تعلیمی ادارہ انجمن نعمانیہ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ انجمن کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہے اور انجمن کی ترقی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہے۔ قبلہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب قدس سرہٗ سے آپ کا قریبی تعلق تھا، مرزا قادیانی کے ساتھ پیر صاحب کا لاہور میں جو مناظرہ ہونا طے پایا تھا اس میں بھی آپ پیر صاحب کے ہم راہ تھے۔ انجمن نعمانیہ کے ماہ واری رسالہ میں آپ کے فتاوی شائع ہوتے تھے۔ قبلہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بھی آپ کو بہت عقیدت تھی اور بذریعہ خط و کتابت رابطہ بھی اُستوار رہا۔ فتاوی رضویہ میں بحیثیت مستفتی آپ کے چار سوال مندرج ہیں جن کا جواب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ ''الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن'' (۱۳۳۰ھ) کی تصدیق مفتی صاحب نے بدیں الفاظ تحریر فرمائی:

''الجواب صحیح و موثق بنصوص الصحیح و روایات المستند جزاللّٰہ خیرا الجزاء فی الدارین الراقم الفاضل الجلیل و علامۃ النبیل ایۃ من ایات اللّٰہ. حکیم مفتی سلیم اللہ ناظم انجمن نعمانیہ لاہور۔''

۱۹۲۵ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا، جس سے آپ جاں بر نہ ہو سکے۔ آپ کو حضرت شاہ ابوالمعالی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا۔ (امام احمد رضا اور علمائے لاہور: ۵۷۔۵۴ ملخصاً)

[۷۵] مولوی احسن امروہی (مرزائی): مولوی صاحب مرزا قادیانی کے خاص مقرب تھے اور ان کی عبادت گاہ میں خطبہ وغیرہ دیا کرتا تھا۔ اس سے قبل نواب صدیق حسن خان بھوپالی (غیر مقلد) کی مجلس علماء کے خاص رکن تھے۔ مولوی صاحب مرزائیوں کی دوسری شاخ جن کو لاہوری گروپ کہا جاتا ہے۔ کے بانیوں میں سے ہیں۔ (یادرفتگاں جلد اول، ۳۲۔۳۰ ملخصاً)

[۷۶] اخبار چودھویں صدی (راولپنڈی): راولپنڈی سے یکم مارچ ۱۸۹۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی امیر علی مالک تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا اور چودھویں صدی پریس میں چھپوائی ہوتی تھی۔

اس کے اجرا کی تفصیل یہ ہے کہ قاضی سراج الدین ۱۸۸۶ء میں ریاست تاجن مور بسلسلہ ملازمت گئے اور وہاں سے ''سرمور گزٹ'' جاری کیا۔ ریاست سرمور میں ہی سر سید احمد خان سے مراسم قائم ہوئے۔ پھر راولپنڈی آ کر یہ اخبار جاری کیا۔ تین سال بعد ۱۸۹۸ء میں انگلستان چلے گئے۔

یہ اخبار سرسید احمد خان کی تحریک کا زبردست حامی تھا۔

[۷۷] ریویو آف ریلیجنز: قادیانیوں کا یہ تبلیغی رسالہ جنوری ۱۹۰۲ء میں ماہانہ بنیادوں پر جاری ہوا۔ انگریزی و اردو زبان میں اب بھی نکلتا ہے۔ قادیانیت کے افکار کی اشاعت اور مخالف طبقوں کی تردید اس کا مقصد اولیں ہے۔ (تاریخ صحافت اردو از امداد صابری جلد چہارم، ص: ۱۸۳ ملخصاً) اس رسالہ کے مہتمم وایڈیٹر چوہدری الحاد تھے۔ انجمن اشاعت اسلام کے زیر اہتمام پہلے مطبع فیض عام لاہور اور بعد ازاں انوار احمد پریس میں طبع ہونے لگا تھا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل اس رسالے کا مقصد قادیانیوں کے مذہبی خیالات کی تبلیغ و اشاعت تھا اور ساتھ ہی دوسرے مذاہب بالخصوص عیسائیت کے مبلغوں کے خیالات کی تردید میں پیش پیش رہتا تھا۔ (فہرست اخبارات ہند، جدید: ۲۰۰)

[۷۸] خلیفہ تاج الدین احمد، پلیڈر: آپ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ انجمن نعمانیہ کے روح رواں تھے۔ چیف کورٹ میں پلیڈر اور مختار عدالت تھے۔ درس حدیث کے لیے لاہور تشریف لائے اور مولانا شہاب الدین اور مولانا غلام رسول سے درس حدیث لیا۔ تحصیل علم کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے شیخ پیر صاحب آف مانکی شریف عبدالوہاب قادری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ انجمن نعمانیہ کے ماہواری رسالہ و دیگر مطبوعات پر آپ کا اسم گرامی اکثر ملتا ہے۔ اکابر علماء مثلاً مفتی غلام دستگیر قصوری، مولانا غلام قادر بھیروی، سید دیدار علی شاہ الوری، مفتی سلیم اللہ لاہوری سے آپ کے قریبی تعلقات تھے۔ ۱۹۲۹ء میں لاہور میں آپ کا وصال ہو گیا، نماز جنازہ سید دیدار علی شاہ محدث الوری ثم لاہوری (خلیفۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) نے پڑھائی۔ (امام احمد رضا اور علمائے لاہور: ۶۳۔۶۰ ملخصاً)

[۷۹] مولوی محرم علی چشتی، ایڈیٹر اخبار رفیق ہند لاہور: چشتی صاحب کے والد گرامی مولانا احمد بخش یکدل

چشتی سکھوں کے عہد میں لاہور کے نامی گرامی لوگوں میں سے تھے، درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، کثیر اشخاص ان سے مستفیض ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ جاگیر بھی دی تھی اور کچھ پنشن بھی کی تھی۔ آپ کے والد گرامی شاعر بھی تھے اور یکدل تخلص کرتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی باریابی حاصل ہوئی اور ''فخر الشعراء'' کے خطاب کے علاوہ خلعت فاخرہ عطا ہوئی۔ بادشاہ نے آپ کو حسب ذیل مہر کندہ کرا کر عطا کی:

''فضیلت پناہ یکدل آگاہ فخر الشعراء مولوی احمد بخش یکدل فدوی محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی''

مولوی محرم علی چشتی صاحب اردو، انگریزی و فارسی کے ماہر تھے۔ نثر و نظم میں آپ کو عبور تھا۔ وکالت کا پیشہ کرتے تھے علاوہ ازیں سمجھدار اخبار نویس تھے۔ رفیق ہند کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار ۵ جنوری ۱۸۸۴ء کو جاری کیا۔ اس اخبار میں علمی ادبی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے۔ آپ نے سرسید احمد خان کے باطل نظریات کا ڈٹ کر رد کیا۔ انجمن نعمانیہ ہند کے ممبر بھی رہے۔ آپ قادر الکلام شاعر تھے، عشقیہ شاعری سے گریز کرتے ہوئے صرف حمد و نعت اور مناقب اولیاء ہی لکھا کرتے۔ آپ کی کتب میں ''اسلامی زندگی کا دُنیوی پہلو'' اور ''ارمغان چشتی'' وغیرہ معروف ہیں۔ مولانا چشتی ۱۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ (تاریخ صحافت اردو از امداد صابری، جلد سوم ص: ۳۲۰ تا ۳۲۴ ملخصاً مطبوعہ دہلی)

[۸۰] مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار، لاہور: آپ ۱۸۶۳ء میں راجپوت خاندان کے ایک فرد الہ دین کے گھر موضع بھروکی ضلع گوجراں والہ میں پیدا ہوئے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد منشی عالم کا امتحان پاس کیا۔ ابتدائی زندگی غربت و افلاس میں بسر ہوئی چنانچہ جب پہلے پہل اخبار نکالا تو اس کی کتابت اور سنگ سازی بھی خود ہی کیا کرتے تھے لیکن آپ کی جہد مسلسل سے وہ وقت بھی آیا کہ آپ کے عالی شان مطبع میں سترہ (۱۷) مشینیں نصب تھیں۔ آپ کے قائم کردہ مطبع ''خادم التعلیم'' نے مختلف موضوعات پر سات سو (۷۰۰) کے قریب کتب شائع کیں ان میں سے پچاس (۵۰) کے قریب کتب کے مصنف خود مولوی صاحب تھے۔ آپ کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے علاوہ دیگر بہت سی زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ محمد الدین فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین (لاہور) نے لکھا ہے:

''وہ اتنی زبانیں جانتے تھے کہ ہندوستان کا کوئی اور اخبار نویس اتنی زبانیں نہیں جانتا تھا، انہیں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، ترکی اور روسی زبانوں پر بھی دسترس حاصل تھی۔''

جنوری ۱۸۸۷ء میں فیروز آباد سے ہفتہ وار اخبار ''ہمت'' جاری کیا۔ بعد میں اس کا نام بدل کر ''پیسہ اخبار'' رکھ دیا۔ فیروز آباد ہی سے ہفتہ وار ''سکول ماسٹر'' بھی جاری کیا۔ ۱۸۸۷ء میں ہی اخبار گوجراں والا منتقل کر لیا اور پھر ۱۸۸۹ء میں لاہور آ گئے۔ مارچ ۱۸۹۷ء سے پیسہ اخبار روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا جو کہ ۲ مئی ۱۸۹۹ء تک جاری رہا لیکن تجربہ کی ناکامی کے سبب روزنامہ بند کرنا پڑا۔ سراج الاخبار (جہلم) کی ایک رپورٹ کے مطابق پیسہ اخبار یکم نومبر ۱۹۰۳ء سے پھر روزانہ اخبار بن گیا۔ (سراج الاخبار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۰۳ء)

۱۸۹۵ء میں ''انتخاب لاجواب'' کی اشاعت شروع کی۔ مئی ۱۹۰۲ء میں ''بچوں کا اخبار'' نکالا۔فن اخبارنویسی کے مطالعہ کے لیے یورپ گئے اور اٹلی، آسٹریا، جرمنی، بیلجیم، فرانس، انگلستان، روم، شام اور مصر کی سیاحت کے بعد دسمبر ۱۹۰۰ء میں واپس لوٹے۔ ۱۹۱۲ء میں انجمن اصلاح تمدن مسلمانان کا سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں پنجاب پریس ایسوسی ایشن کا صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں پنجاب مسلم پریس ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔

مولوی صاحب کو ''ایڈیٹر گر'' کہا جاتا تھا کیونکہ پیسہ اخبار میں کام کرنے بہت سے لوگوں نے آگے چل کر مختلف اخبارات ورسائل کی ادارت کی۔ ان میں ''اخبار ہندوستان'' کے بابو دینا ناتھ، ''وقت'' کے مرزا علی حسین، ''زبدۃ الحکماء'' کے مولوی عبدالروف رافت، ''غم خوار عالم'' کے منشی احمد دین، ''وکیل'' کے عبداللہ منہاس، ''اخبار ریلوے اینڈ انجینئر نگ نیوز'' کے منشی محمد الدین خلیق، ''ملت'' کے مولوی شجاع اللہ اور ''کشمیری میگزین'' کے ایڈیٹر محمد الدین فوق شامل تھے۔ (روزنامہ پیسہ اخبار اور تحریک آزادی۔توضیحی اشاریہ: مقدمہ ملخصاً)

[۸۱] مولانا عبدالرسول بکھر شاہ پور نقش بندی: حکیم قمر الدین مرحوم کے فرزند (موضع بکھر بار تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا) کے رہنے والے تھے۔ علوم دینیہ اور طبیہ کی تعلیم اور تربیت کے بعد وطن لوٹے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان سے بیعت تھے اور مجاز بھی۔ ان کی وفات کے بعد مولانا محمد عبداللہ لودھیانوی سے بیعت ہوئے۔ وقت کے اساتذہ سے طب کے فن میں مہارت حاصل کی، تشخیص وتجویز اور دواسازی میں ماہر تھے۔ آپ کے لاتعداد شاگردوں میں حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم سرفہرست تھے۔

آپ عربی فارسی اردو اور پنجابی چاروں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ تحریک خلافت کے علاوہ حزب الانصار، دارالعلوم اور ماہنامہ شمس الاسلام کے معاون رہے۔ بزرگان دین کی وفات پر حکیم صاحب کے مرثیے اور منظوم تاریخیں ان کی قادر الکلامی اور وسعت علم کا ثبوت ہیں۔ فن طب اور نقشبندی سلسلہ کے بارے میں رسائل لکھے جن میں سے اکثر مکتبہ حزب الانصار بھیرہ نے شائع کیے۔ پہلے بیربل کے نقشبندی شیخ مولانا غلام مرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے حالات زندگی پر کتاب انوار مرتضویہ لکھی۔ حکیم صاحب کے نوشتہ بعض رسائل ہنوز شرمندہ اشاعت ہیں۔ (تذکار بگویہ، جلد سوم ص ۶۱۰)



قطعۂ تاریخ طباعت

از غبار راہ مدینہ (۲۰۱۴ء) محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری

حقیقی جو محبّ مصطفیٰ ہے
وہ ہے دیوانۂ ختم نبوت

کیا تیار ثاقب قادری نے
تجلی خانۂ ختم نبوت

کہی طارق نے تاریخ طباعت
"الحق کاشانۂ ختم نبوت"
۲۰۱۴ء

تاریخی مادہ:

"چراغ منہاج اسلام"

۱۴۳۵ھ

"فروغ بزم دین اللہ"

۱۴۳۵ھ

قطعہ:

نوع انساں کو آخری پیغام
مصطفیٰ کی شریعت لامع

اسی پیغام حق مآب کا اب
کل زمانہ ہے حشر تک سامع

اس کتاب منیر کی تاریخ
''اختتام نبوت جامع''
۲۰۱۴ء

نوٹ: اس مصرع سے دو تاریخیں برآمد کی گئی ہیں ''اختتام نبوت'' (۱۹۰۰ء) میں پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کے تاریخی مباہلہ کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے سن ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو دیا۔ اور مکمل مصرع ''اختتام نبوت جامع'' (۲۰۱۴ء) سے کتاب ہذا کے سن طباعت کا استخراج کیا گیا ہے۔

تاثراتِ مشاہد

ازڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں انڈیا)

ثاقب کے فکر و فن کی خوبی یہی تو ہے
وہ ڈھونڈتے ہی رہتے ہیں موضوع نئے نئے

اس وقت جو ہے ہاتھوں کی زینت بنی ہوئی
اس میں بھی انفرادی شان ہے بسی ہوئی

تشنہ تھا یہ بھی عنوان عرصہ سے دوستو
کیا خوش نما سلیقے سے برتا ہے دوستو

ہم نے کیا ہے قادیاں کا خوب سدّباب
اس کی گواہی دیتی ہے تاریخ اے جناب

ناموس مصطفیٰ کی حفاظت کے واسطے
چھوڑا نہ کوئی بھی تو میدان سلف نے

تصنیف ہو تالیف یا خطابت یا صحافت
کرتے ہی رہے ختم نبوت کی صیانت

آئے گا اس قبالے میں تم کو یہی نظر
اسلاف شناسی کا ہے یہ خوش نما گھر

ثاقب کے سر اس عنواں پہ سجا اولیت کا تاج
لازم ہے ان کو پیش کریں گلدستۂ خراج

دل سے نکل رہی مشاہد کے یہ دعا
خرّم رہیں آباد رہیں ثاقب میاں سدا

☆☆☆

ماخذ ومراجع

۱۔ سراج الاخبار (جہلم) (ریکارڈ کی تفصیل آگے جدول میں آ رہی ہے)

۲۔ تذکرہ اکابر اہل سنت مرتبہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ

۳۔ مجلّہ تحقیق، لاہور جلد ۲ شمارہ اول

۴۔ حدائق الحنفیہ مرتبہ مولانا فقیر محمد جہلمی [مرتبہ خورشید احمد خان] مطبوعہ مکتبہ ربیعہ کراچی

۵۔ اخبار نویسوں کے حالات مرتبہ مولوی محمد الدین کشمیری

۶۔ زبدۃ الاقاویل بترجیح الاناجیل مولفہ مولانا فقیر محمد جہلمی مطبوعہ سراج المطابع جہلم ۱۳۰۷ھ

۷۔ آفتاب محمدی مولفہ مولانا فقیر محمد جہلمی مطبوعہ مطبع محمدی لاہور

۸۔ عمدۃ الابحاث فی وقوع الطلاقات الثلاث مولفہ مولانا فقیر محمد جہلمی

۹۔ تصدیق المسیح مولفہ حافظ ولی اللہ لاہوری مطبوعہ مطبع محمدی لاہور

۱۰۔ ابحاث ضروری مولفہ حافظ ولی اللہ لاہوری مطبوعہ دارالاسلام، لاہور

۱۱۔ غایۃ التنقید فی وجوب التقلید مولفہ مولانا فقیر محمد جہلمی

۱۲۔ آفتاب ہدایت مولفہ مولانا کرم الدین دبیر (جدید عکسی ایڈیشن)

۱۳۔ مسلک دبیر پر منحرفین کے شبہات کا ازالہ از محمد میثم عباس رضوی

۱۴۔ تذکار بگویہ مولفہ ڈاکٹر انوار احمد بگوی جلد سوم مطبوعہ مرکزیہ مجلس حزب الانصار بھیرہ

۱۵۔ زاد المتقین وھدیۃ المتفلین مولفہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ سراج الاخبار جہلم

۱۶۔ صداقت مذہب نعمانی مولفہ مولانا کرم الدین دبیر

۱۷۔ مرزائیت کا جال مولفہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ کریم پریس لاہور

۱۸۔ پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ مولفہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ سہیلی پرنٹنگ پریس لاہور

۱۹۔ تذکار بگویہ جلد اول مولفہ ڈاکٹر انوار بگوی مطبوعہ مرکزیہ مجلس حزب الانصار بھیرہ

۲۰۔ ہدیۃ الاصفیا سماع الصلحا از مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور

۲۱۔ دربار حیدری از مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ مطبع سراج المطابع جہلم

۲۲۔ تازیانۂ عبرت مرتبہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور
۲۳۔ کاشف اسرار نہانی روئیداد مقدمات قادیانی مرتبہ و مطبوعہ سراج المطابع جہلم
۲۴۔ آفتاب ہدایت مولفہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ کریمی پریس لاہور
۲۵۔ ہدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی الاولیاء مولفہ مولانا کریم الدین دبیر
۲۶۔ رسائل ثلاثہ مرتبہ مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ رفیق عام پریس لاہور
۲۷۔ السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول مولفہ مولانا کرم الدین دبیر
۲۸۔ آئینہ مذہب شیعہ مرتبہ مولانا کرم الدین دبیر
۲۹۔ فیض باری رد تعزیہ داری مولفہ مولانا کرم الدین دبیر
۳۰۔ مناظرات ثلاثہ مشمولہ عکسی ایڈیشن آفتاب ہدایت مولفہ مولانا کرم الدین دبیر
۳۱۔ ہدایۃ الحکمۃ از علامہ حسین بن معین الدین
۳۲۔ تاریخ صحافت جلد اول مرتبہ امداد صابری مطبوعہ جدید پرنٹنگ پریس دہلی
۳۳۔ ہندوستانی اخبار نویسی - کمپنی کے عہد میں مولفہ محمد عتیق صدیقی مطبوعہ انڈس پبلی کیشنز، کراچی
۳۴۔ تاریخ صحافت جلد دوم مرتبہ امداد صابری مطبوعہ مطبوعہ جدید پرنٹنگ پریس دہلی
۳۵۔ فہرست اخبارات ہند (جدید ایڈیشن) مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور
۳۶۔ تذکرہ مجاہدین ختم نبوت مرتبہ مولوی اللہ وسایا دیوبندی مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، کراچی
۳۷۔ ماہ نامہ جام نور (دہلی) بابت فروری ۲۰۱۳
۳۸۔ تاریخ لاہور از کنہیا لال مطبوعہ مطبع وکٹوریا پریس لاہور
۳۹۔ فہرست ذخیرۂ کتب حکیم موسیٰ امرت سری مرتبہ سید جمیل رضوی مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور
۴۰۔ ماہ نامہ کنز الایمان (لاہور) - ویژہ نامہ حکیم محمد موسیٰ امرت سری)
۴۱۔ تذکرہ علماء اہل سنت لاہور مرتبہ پیرزادہ اقبال فاروقی مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور
۴۲۔ سیدی ابو البرکات مرتبہ سید محمود رضوی مطبوعہ مکتبہ رضوان لاہور
۴۳۔ حالات ثناء اللہ امرت سری از عبد الرشید عراقی مطبوعہ ندارد

۴۴۔ جہان امیر ملت مرتبہ محمد صادق قصوری مطبوعہ مرکزی مجلس امیر ملت بُرج کلاں قصور

۴۵۔ تذکرہ علماء پنجاب از اختر راہی مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

۴۶۔ تذکرہ فقیہ اعظم مولفہ ڈاکٹر مجیب احمد مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ پاکستان

۴۷۔ تذکرہ جمیل مولفہ مولانا ابراہیم خوشتر صدیقی مکتبہ برکات المدینہ کراچی

۴۸۔ حیات صدر الشریعہ از مفتی عبدالمنان اعظمی مطبوعہ رضا اکیڈمی لاہور

۴۹۔ سیرت صدر الشریعہ از حافظ عطاء الرحمٰن رضوی مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

۵۰۔ سیرت صدر الافاضل از مولانا ذوالفقار خان نعیمی (غیر مطبوعہ)

۵۱۔ سال نامہ معارف رضا (کراچی) شمارہ نمبر ۱۶: ۱۹۹۶ء

۵۲۔ ماہ نامہ جہان رضا (لاہور) بابت نومبر ۱۹۹۹ء

۵۳۔ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال از مولانا مرید احمد چشتی مطبوعہ انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی

۵۴۔ تذکرہ مجاہدین ختم نبوت مرتبہ صادق علی زاہد مطبوعہ مکتبہ جمال کرم لاہور

۵۵۔ سیف چشتیائی مولفہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی مطبوعہ درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف پاکستان

۵۶۔ سرسید کے مذہبی عقائد وافکار از خوشتر نورانی مطبوعہ جام نور دہلی

۵۷۔ امداد الآفاق برجم اہل النفاق مطبوعہ مطبع نظامی کان پور

۵۸۔ نصرۃ الابرار از مفتی محمد لدھیانوی مطبوعہ مطبع صحافی لاہور

۵۹۔ جواہر مضیۃ رد نیچریہ از مفتی غلام دستگیر قصوری مطبوعہ مطبع گلزار محمدی لاہور

۶۰۔ آریے پتھک لیکھرام از پنڈت شردھانند مطبوعہ گووندرام باسانند، کلکتہ

۶۱۔ رسائل محدث قصوری مرتبہ محمد ثاقب رضا قادری/محمد افروز قادری مطبوعہ اکبر بک سیلر، لاہور

۶۲۔ تنبیہ المخالفین فی جواب رسالہ امہات المومنین از سید فیض الحسین مطبوعہ فیض الکریم حیدر آباد دکن

۶۳۔ القول المتین فی جواب امہات المومنین از ڈاکٹر صادق علی مطبوعہ چودہویں صدی پریس راول پنڈی

۶۴۔ الحق المبین بجواب امہات المومنین از غلام قادر مطبوعہ مفید عام پریس، سیال کوٹ

۶۵۔ سوانح خلیفۃ المسیح الاول از رضیہ درد مطبوعہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

۶۶۔ جمال قلندر مرتبہ ملک محمد غوث مطبوعہ ملک محمد اکیڈمی، جہلم

۶۷۔ بزرگان لاہور از پیر غلام دستگیر نامی مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی

۶۸۔ تذکرہ علماء اہل سنت از محمود قادری رفاقتی کانپوری مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد

۶۹۔ شمس العلماء از محمد حنیف شاہد مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور

۷۰۔ مفتی محمد صادق از ساجد محمود بٹ مطبوعہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

۷۱۔ نواب محمد علی خان مصنفہ فخر الحق شمس مطبوعہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

۷۲۔ انجمن نعمانیہ ماہواری رسالہ بابت اگست ۱۹۲۸ء

۷۳۔ مطلع انوار از مفتی رکن الدین مطبوعہ ندارد

۷۴۔ فہرست اخبارات ہند مولفہ مولوی محبوب عالم مطبوعہ خادم التعلیم پریس لاہور

۷۵۔ صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور مرتبہ پیرزادہ اقبال فاروقی

۷۶۔ پیش گوئی از شاہ نعمت اللہ ولی مترجم ایم سرور نظامی سال اشاعت ۱۹۷۲ء

۷۷۔ امام احمد رضا اور علمائے لاہور از ڈاکٹر مجید اللہ قادری مطبوعہ

۷۸۔ پیسہ اخبار اور تحریک آزادی۔ توضیحی اشاریہ مرتبہ احمد سعید مطبوعہ

۷۹۔ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی از احمد طاہر مرزا مطبوعہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

۸۰۔ انوار آفتاب صداقت از قاضی فضل احمد لدھیانوی مطبوعہ ہند

۸۱۔ یادرفتگان جلد اول مرتبہ انجمن احمدیہ اشاعت الاسلام لاہور

۸۲۔ بکھرے موتی از ڈاکٹر خورشید عالم ترین مطبوعہ اے اے آئی آئی قلم دان پورہ سری نگر کشمیر

۸۳۔ اخبار اہل حدیث (امرت سر) بابت ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء

۸۴۔ اخبار اہل حدیث (امرت سر) بابت ۱۴ نومبر ۱۹۳۰ء

۸۵۔ Daily Dawn dated Nov 06, 2011

۸۶۔ تاریخ اہل حدیث جلد اول مولفہ ڈاکٹر بہاء الدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور

۸۷۔ اخبار الفضل قادیان جلد اول شمارہ اول

۸۸۔ اخبار البدر بابت ۶ فروری ۱۹۰۳ء

۸۹۔روحانی خزائن جلد ۶

۹۰۔جنگ مقدس مطبوعہ ریاض ہند امرت سر

۹۱۔مفید نامہ از قاضی نور عالم مطبوعہ فخر المطابع

۹۲۔اخبار الحکم، قادیان



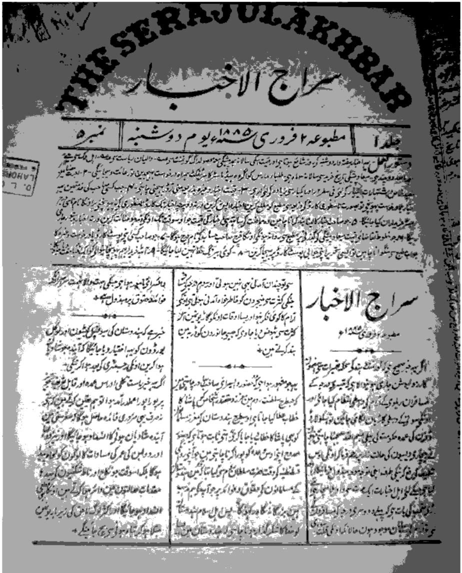
عکس نوادرات

سراج الاخبار کے ریکارڈ کی تفصیل

ریکارڈ سراج الاخبار، جہلم ۔شیخ زید اسلامک لائبریری پنجاب یونیورسٹی، قائد اعظم کیمپس، لاہور۔پاکستان												
سال	جنوری	فروری	مارچ	اپریل	مئی	جون	جولائی	اگست	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر
1885	26 ،19 ،12	23 ،16 ،9 ،2	،23 ،16 ،9 ،2 30	27 ،20 ،13 ،6	25 ،18 ،11 ،4	،22 ،15 ،8 ،1 29	27 ،20 ،13 ،6	،24 ،17 ،10 ،3 31	28 ،21 ،14 ،7	26 ،19 ،12 ،5	،23 ،16 ،9 ،2 30	21 ،14 ،7
1886	25 ،11 ،18	22 ،15 ،8 ،1	22 ،15 ،8 ،1	26 ،19 ،12 ،5	24 ،17 ،10 ،3	28 ،21 ،14 ،7	26 ،19 ،12 ،5	30 ،23 ،9 ،2	27 ،20 ،13 ،6	25 ،18 ،11 ،4	،22 ،15 ،8 ،1 29	20 ،13 ،6
1887	،24 ،17 ،10 ،3 31	28 ،21 ،14 ،7	28 ،21 ،14 ،7	25 ،18 ،11 ،4	،23 ،16 ،9 ،2 30	27 ،20 ،13 ،6	25 ،18 ،11 ،4	،23 ،15 ،18 ،1 29	26 ،19 ،3 ،12	،24 ،17 ،10 ،3 31	28 ،21 ،14 ،7	26 ،19 ،12 ،5
1888	،23 ،16 ،9 ،2 30	27 ،20 ،13 ،6	26 ،19 ،12 ،5	،23 ،16 ،9 ،2 30	28 ،21 ،14 ،7	25 ،18 ،11 ،4	،22 ،16 ،2 ،9 30	27 ،20 ،13 ،6	24 ،17 ،10 ،3	،22 ،15 ،8 ،1 29	26 ،12 ،5	31 ،24 ،17 ،10
1890	27 ،20 ،13 ،6	24 ،17 ،10 ،3	،24 ،17 ،10 ،3 31	28 ،21 ،14 ،7	26 ،19 ،12 ،5	،23 ،16 ،9 ،2 30	28 ،21 ،14 ،7	25 ،18 ،4	،22 ،15 ،8 ،1 29	20 ،13 ،6	24 ،17 ،10 ،3	29 ،22 ،15 ،8
1893	،23 ،16 ،9 ،2 30	27 ،20 ،13 ،6	27 ،20 ،13 ،6	24 ،17 ،10 ،3	،22 ،15 ،8 ،1 29	26 ،19 ،12 ،5	24 ،3	28 ،21	25 ،18 ،11 ،4	30 ،23 ،9 ،2	27 ،20	25 ،18 ،4
1894	29 ،1	19 ،12 ،5	26 ،19 ،12 ،5	30 ،23 ،16	28 ،14 ،4	25 ،18 ،4	23 ،9 ،2	27 ،20 ،13 ،6	24 ،17 ،10 ،3	29 ،22 ،8	26 ،5	24 ،17 ،10
1898	،24 ،17 ،10 ،3 31	28 ،21 ،14 ،7	28 ،21 ،14 ،7	25 ،18 ،11 ،4	،23 ،16 ،9 ،2 30	27 ،20 ،13 ،6	25 ،18 ،11 ،4	،22 ،15 ،8 ،1 29	26 ،19 ،12 ،5	24 ،17 ،10 ،3	28 ،21 ،14 ،7	26 ،19 ،12 ،5
1915	25 ،18 ،11 ،4	22 ،15 ،8 ،1	29 ،22 ،15 ،1	19 ،5	24 ،17 ،10 ،3	28 ،21 ،14	19 ،12 ،5	30 ،16	-	-	-	-
1917	،22 ،15 ،8 ،1 29	26 ،19 ،12 ،5	26 ،19 ،12 ،5	،23 ،16 ،9 ،2 30	28 ،21 ،14 ،7	25 ،11 ،4	30 ،23 ،2/9	27 ،20 ،13 ،6	،17 ،10 ،3 24/یکم اکتوبر	15	-	-
ریکارڈ سراج الاخبار، جہلم ۔ضیاء الدین زکریا لائبریری بمقام جُھمبی تحصیل و ضلع چکوال۔پاکستان												
1903	-	-	-	-	-	-	-	-	21 ،14	26 ،12	30 ،9 ،2	28 ،21 ،14 ،7
1904	11 ،4	،22 ،15 ،8 ،1 29	28 ،21 ،14 ،7	25 ،18 ،11 ،4	30 ،23 ،9/16	20 ،13 ،6	27جون/4 جولائی، 18	22 ،15 ،8	26 ،19 ،12 ،5	3		-

نوٹ: علاوہ ازیں 1907، 1908، 1909، 1910، 1914، 1916 کے کچھ متفرق صفحات و نامکمل شمارے بھی حاصل ہوئے۔

عکس سراج الاخبار سرورق

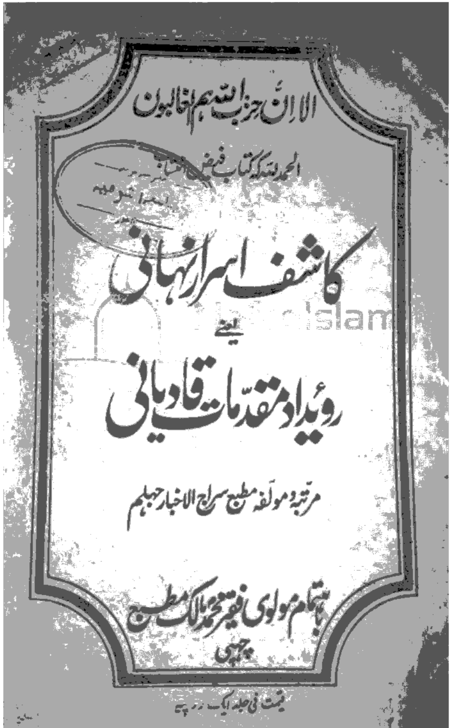


THE SERAJULAKHBAR

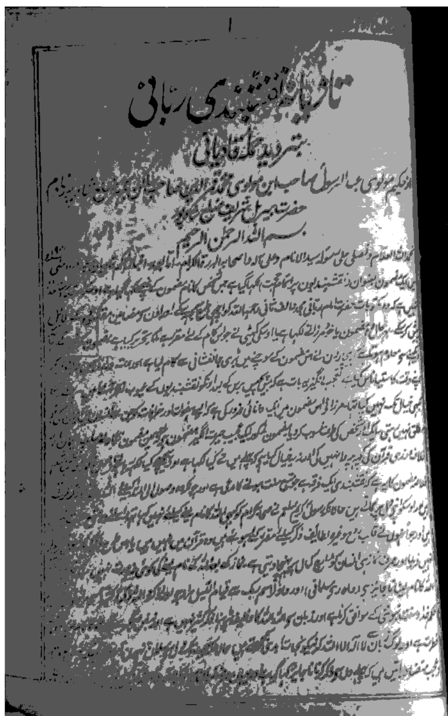
سراج الاخبار

جلد ا	مطبوعہ ۲ فروری ۱۸۸۵ء یوم دوشنبہ	نمبر ۵

عکس سرورق "کاشف اسرار نہانی روئیداد مقدمات قادیانی"



عکس سرورق رسالہ تازیانۂ نقش بندی بتردید حملۂ قادیانی

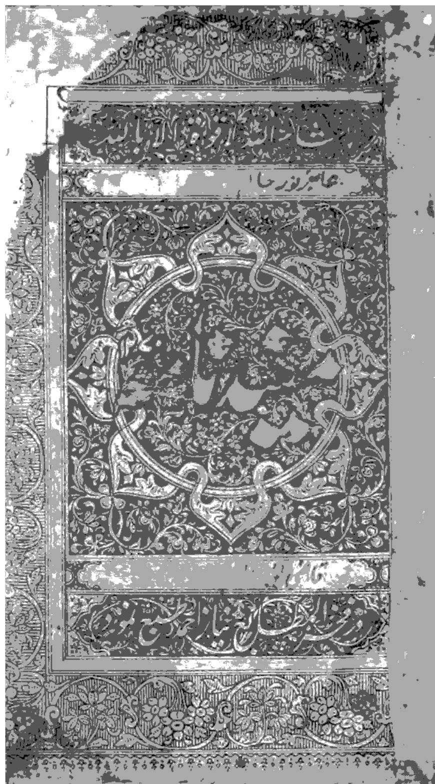


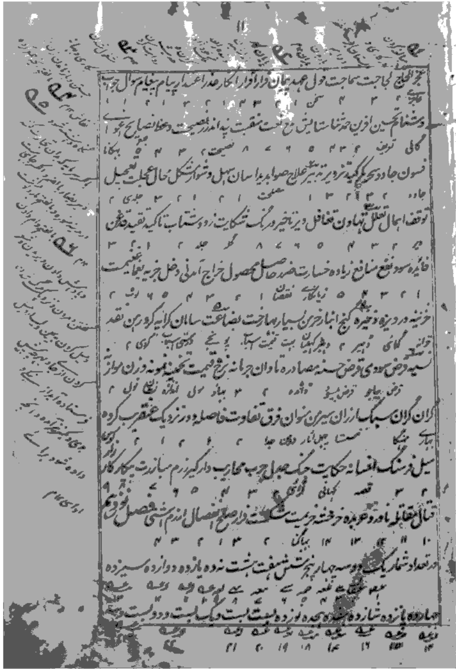
تازیانۂ نقشبندی ربانی

بتردید حملۂ قادیانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عکس مفید نامہ برائے حضرات محققین





۱۳

بست وچهار بست وپنج بست وشش بست وهفت بست وهشت بست ونه سی

[illegible] ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰

سی ویک سی ودو سی وسه سی وچهار سی وپنج سی وشش سی وهفت سی وهشت سی ونه

[illegible] ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹

چهل چهل ویک چهل ودو چهل وسه چهل وچهار چهل وپنج چهل وشش چهل وهفت چهل وهشت

[illegible] ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸

چهل ونه پنجاه پنجاه ویک پنجاه ودو پنجاه وسه پنجاه وچهار پنجاه وپنج پنجاه وشش

[illegible] ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶

پنجاه وهفت پنجاه وهشت پنجاه ونه شصت شصت ویک شصت ودو شصت وسه

[illegible] ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳

شصت وچهار شصت وپنج شصت وشش شصت وهفت شصت وهشت شصت ونه

[illegible] ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹

هفتاد هفتاد ویک هفتاد ودو هفتاد وسه هفتاد وچهار هفتاد وپنج هفتاد وشش

[illegible] ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶

هفتاد وهفت هفتاد وهشت هفتاد ونه هشتاد هشتاد ویک هشتاد ودو هشتاد وسه

[illegible] ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳

هشتاد وچهار هشتاد وپنج هشتاد وشش هشتاد وهفت هشتاد وهشت هشتاد ونه نود

[illegible] ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰

نود ویک نود ودو نود وسه نود وچهار نود وپنج نود وشش نود وهفت نود وهشت نود ونه

[illegible] ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹

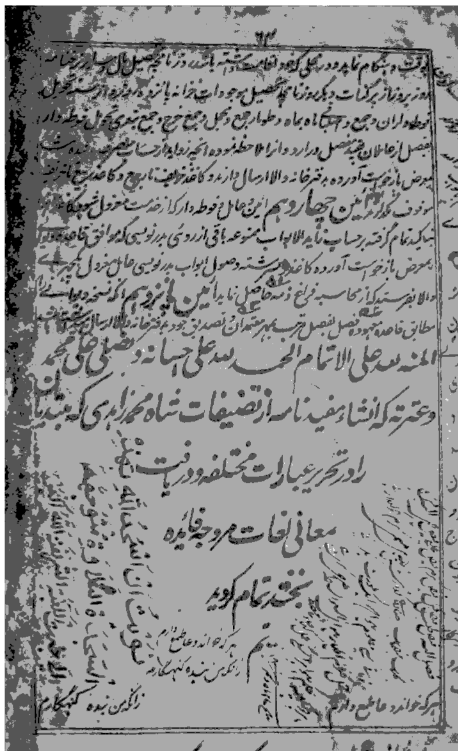
صد هزار لاکه لکهان اعداد عربی واحد اثنان ثلث اربع خمس ستة سبعة ثمانی تسع عشر

یک دو سه چهار پنج شش هفت هشت نه ده

عشرین ثلثین اربعین خمسین ستین سبعین ثمانین تسعین مائة الف خیدخید بن خیدان لسیار

بیست سی چهل پنجاه شصت هفتاد هشتاد نود صد هزار لکه ...





المنة لله علی الاتمام الحمد لله علی احسانه والصلوٰة علی محمد

وعترته که انشاء مفید نامه از تصنیفات شاه محمد زاهدی که مبتدیان

را در تحریر عبارات مختلفه و دریافت

معانی لغات مروجه فائده

بخشد تمام کردید

تمت

مولف کی دیگر کاوشیں

مطبوعات:

۱۔ رسائل حسن (برادر اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی کے تمام نثری رسائل کا مجموعہ)

۲۔ کلیات حسن (استاذ زمن مولانا حسن رضا کے تمام کلام کا مجموعہ) (اکبر بک سیلرز، لاہور-پاکستان و رضا اکیڈمی، ممبئی-انڈیا)

۳۔ سب رسولوں سے ہمارا نبی ﷺ (مولانا رحمٰن علی مولف تذکرہ علمائے ہند کے رسالہ 'تحفۂ مقبول در فضائل رسول' کی ترتیب وتخریج، مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور

۴۔ محفل میلاد کیا اور کیوں؟ (مولانا عبدالسمیع رام پوری کے رسالہ ''دافع الاوہام فی محفل خیر الانام ﷺ'' کے رسالہ کی ترتیب وتخریج مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور)

۵۔ وسائل بخشش (مولانا حسن رضا خان کی نایاب مثنوی کی ترتیب جدید) مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت

۶۔ رسائل محدث قصوری (مفتی غلام دستگیر قصوری ہاشمی کے دس رسائل کا مجموعہ) مطبوعہ اکبر بک سیلرز (لاہور)

۷۔ رد قادیانیت اور سُنّی صحافت (جلد اول) مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت (لاہور)

۸۔ محفل میلاد پر اعتراضات کے جوابات (پاک وہند میں کثیر تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔)

زیر ترتیب:

۱۔ رسائل محدث قصوری (جلد دوم وسوم)

۲۔ رد قادیانیت اور سُنّی صحافت (جلد دوم وسوم)

۳۔ شعائر اللہ باثبات شعائر رسول اللہ از مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری (ترتیب جدید)

مقالات:

۱۔ مولانا حسن رضا خان بریلوی کی تصنیفی خدمات (مطبوعہ جام نور و ماہ نور، دہلی- ماہ نامہ سوئے حجاز، لاہور، سال نامہ معارف رضا (کراچی)

۲۔ مفتی غلام دستگیر قصوری کی تصنیفی خدمات (ماہ نامہ جام نور (دہلی) و جہان رضا (لاہور)

۳۔ قطب لاہور مولانا غلام قادر بھیروی کی تصنیفی خدمات (ماہ نامہ جام نور، دہلی)

۴۔ مولانا اُسید الحق قادری- محقق رضویات (جام نور، عالم ربانی نمبر، سہ ماہی مجلّہ بدایوں (کراچی) -شہید بغداد نمبر، ماہ نامہ معارف رضا (کراچی)

۵۔ردقادیانیت میں اولین ماہوار رسالہ "قہرالدیان علی مرتد بقادیان" (سال نامہ یادگار رضا (انڈیا) ۲۰۰۴ء)

۶۔سلطان المناظرین مولانا غلام احمد اخگر امرت سری (ماہ نام جام نور، دہلی)

۷۔فتنۂ مرزائیت اور ہفت روزہ اخبار الفقیہ، امرتسر (ماہ نام جام نور ماہ نور، دہلی)

۸۔لکھنؤ کے دو ہادی (ماہ نامہ جام نور، دہلی)

۹۔تردید قادیانیت اور ہفت روزہ اخبار اہل فقہ، امرتسر (غیر مطبوعہ)

۱۰۔فروغ سُنّیت کے لیے کوشاں چند سُنّی ویب سائٹس کا تعارف (سہ ماہی السواد الاعظم، دہلی)

۱۱۔مولانا نبی بخش حلوائی نقش بندی علیہ الرحمۃ